تحریکِ پاکستان میں مشائخ کا کردار

خطباتِ ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ

(امیر حزب اللہ)

تدوین وتحشیہ

محمد سمیع اللہ خان شاد

اظہار سنز

المعراج سنٹر، اُردو بازار، لاہور

۲۰۲۳ء

ISBN : 978-969-8232-55-9

نام کتاب	:	تحریکِ پاکستان میں مشائخ کا کردار
		خطباتِ ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ (امیر حزب اللہ)
تدوین وتحشیہ	:	محمد سمیع اللہ خان شاد
ناشر	:	سیّد محمد علی انجم رضوی
		اظہار سنز، المعراج سنٹر، اُردو بازار، لاہور
		موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۴۱۰۶۳۵۷
		ای میل: izharsons_2004@hotmail.com
مطبع	:	اے۔این۔اے پرنٹرز، لاہور
قانونی مشیر	:	ذیشان احمد ملک (ایڈووکیٹ)
		۰۳۳۳-۹۵۳۳۳۹۶
قیمت	:	-/۶،۰۰۰ روپے

انتساب

سَیِّدالْمُرْسَلِیْنَ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ اَنِیْسِ الْغَرِیْبِیْنَ رَحْمَةٍ
لِّلْعٰالَمِیْنَ رَاحَةِ الْعَاشِقِیْنَ مُرَادِ الْمُشْتَاقِیْنَ شَمْسِ الْعَارِفِیْنَ سِرَاج
السَّالِکِیْنَ مِصْبَاحِ الْمُقَرَّبِیْنَ مُحِبِّ الْفُقَرَآءِ وَالْغُرَبَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ سَیِّدِ
الثَّقَلَیْنِ نَبِیِّ الْحَرَمَیْنِ اِمَامِ الْقِبْلَتَیْنِ وَسِیْلَتِنَا فِی الدَّارَیْنِ صَاحِبِ قَابَ
قَوْسَیْنِ مَحْبُوْبِ رَبِّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبِّ الْمَغْرِبَیْنِ جَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ
مَوْلٰنَا وَمَوْلَی الثَّقَلَیْنِ اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ نُوْرٍ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ

کے نام

اور اہلِ بیت اطہار اور اولادِ امجاد کے نام

جن سے زماں و مکاں اور کائنات کے رگ و پے میں

حیات، حرارت اور نور رہے

فہرستِ عنوانات

ضمیمہ جات

کتابیات

تقریظ اوّل

سید محمد فضل شاہ چشتی جلالپوری المعروف امیرِ حزب اللہ (م ۱۹۶۶ء) سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے گلِ سرسبد تھے۔ وہ جلال پور شریف میں جب اپنے دادا پیر سید غلام حیدر شاہ جلال پوری کی مسند پر متمکن ہوئے تو اپنی علمی، فکری اور روحانی استعداد سے اس خانقاہ کو چار چاند لگا دیئے۔ انھوں نے بہت متحرک اور باعمل زندگی گزاری۔ حزب اللہ کے نام سے ایک جماعت کی تشکیل فرمائی اور اس کے پلیٹ فارم سے روحانی، علمی، فکری، سماجی اور سیاسی خدمات انجام دیں۔ انھوں نے عوام کی زندگی کو بامعنی اور باثروت بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ وہ ان کی اصلاح اور تربیت کے لیے مختلف مقامات پر حزب اللہ کے زیرِ اہتمام تقریبات کا انعقاد کرتے اور ان مجالس میں خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ ان کے یہ خطبات انسانی زندگی کو درپیش ہمہ جہت اور ہمہ گیر مسائل اور ان کے عارفانہ اور صوفیانہ حل کی تلاش و جستجو کے عکاس ہیں۔ کبھی یہ خطبات مطبوعہ صورت میں منکشف ہوتے اور کبھی دست نوشت صورت میں سامنے آتے تھے اور ان مجالسِ ارشاد و تربیت میں پڑھے جاتے تھے۔ مریدین اور متعلقین ان خطبات کو حرزِ جاں بناتے اور اپنی اصلاح اور تربیت کے لیے محفوظ رکھتے تھے، لیکن انھیں کتابی صورت میں چھاپنے کا خیال کسی کو بھی نہیں آیا۔ چند سال پیشتر ایک نوجوان سمیع اللہ شاد میرے حلقۂ احباب میں رونما ہوا، وہ اس خانوادے کا حلقہ بگوش اور خواجگانِ چشت کی محبت سے سرشار تھا۔ اپنے روحانی خانوادے کی قلمی اور مطبوعہ کتب اور رسائل اس کی دسترس میں تھے اور وہ ان کے مالہ و ماعلیہ سے بخوبی آگاہ تھا۔ جب اسے کسی تحقیقی منصوبے پر کام کرنے کا مرحلہ درپیش ہوا، تو میں نے اسے امیرِ حزب اللہ کے خطبات کی ترتیب و تہذیب اور ان پر حواشی و تعلیقات کا کام تفویض کیا۔ پھر کیا تھا، اسے تو گویا پر لگ گئے۔ خطبات کی گرد آوری کے لیے اس نے کیا کیا کشت اُٹھائے اور ان کے حصول اور

جمع آوری کے لیے کتنے کتب خانوں کی خاک چھانی؛ کن کن لوگوں کے گھروں پر دستک دی۔ تب کہیں جا کر شاد کام ہوا۔ ان خطبات کی تصحیح وتہذیب اوران پر حواشی وتعلیقات کی ترقیم میں اس نے جان لڑا دی۔ اب یہ تحقیقی اور تدوینی کام جلوہ گر ہونے کو ہے۔ ڈاکٹر عبدالغنی کی کتاب امیرِ حزب اللہ کے کوئی پچاس سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد یہ خطبات اپنے لائق اور فاضل مصنف کی منشا اور تمنا کے مطابق روشناسِ خلق ہورہے ہیں۔ سمیع اللہ شاد ہماری دادو تحسین کا حقدار ہے کہ اس نے اس علمی اور عرفانی کام کو نہایت محبت، اخلاص اور سلیقے سے انجام دیا۔ ویل ڈن سمیع اللہ!

تم سلامت رہو ہزار برس

عبدالعزیز ساحر

◆◆◆

تقریظ دوّم

سمیع اللہ شاد صاحب فطری طور پر علم وادب سے وابستہ انسان ہیں۔ان کا تصنیفی کام ان کی وجودی تشفی کا ذریعہ ہے جس کی ایک بہترین مثال ان کا سیّد واصف علی واصف کی نثر پر کام ہے جو سندی ضرورتوں کو پیشِ نظر رکھ کر نہیں کیا گیا۔ان کی یہ کتاب فی الاصل ان کا ایم ۔فل کی سند کے حصول کی خاطر کیا گیا کام ہے لیکن اس کتاب کو دیکھ کر کہیں سے بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ اُنھوں نے سندی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کیا ہے کیونکہ اس کام کو مکمل کرنے کے لیے اُنھوں نے جس کاوش سے کام کیا وہ فی زمانہ جامعاتی تحقیق و تنقید میں ناپید ہے اور صرف و محض روحانی مطالبات کی بجا آوری کرتے ہوئے ہی ممکن ہے۔انھوں نے امیرِ حزب اللہ کے ان خطبات کے حصول کے لیے خود کو صرف کتب خانوں تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ ان تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ہر وہ طریقہ اختیار کیا ہے جو اس کے لئے ناگزیر تھا۔ یہ خطبات ہماری قومی زندگی میں بے حد اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ اس میں ہماری سیاسی، سماجی اور روحانی زندگی کو موضوع بنایا گیا ہے جو ہماری تربیت کے لیے از بسکہ ضروری ہے۔شاد صاحب نے انھیں حاصل کیا، ان پر حواشی تحریر کیے اور ضروری وضاحتیں بھی کی ہیں جس سے عام آدمی کے لیے ان کا مطالعہ آسان ہوا۔ابتدا میں اُنھوں نے امیر حزب اللہ کی سوانح، خطبات کے موضوعات اور اسلوب کا اچھا تعارف کروایا ہے جو کتاب کی تفہیم میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔اس علمی کام پر انھیں بے حد مبارک!

ڈاکٹر ضیاء الحسن

پروفیسر ادارۂ زبان وادبیاتِ اُردو

پنجاب یونیورسٹی، لاہور

◆◆◆

اظہارِ تشکر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اَحْسَانِہٖ ، وہ ذات پاک کہ جس کی تسبیح وثنا میں زمین وآسمان اوراس کے مابین تمام اشیارطب اللسان اورجس کے قبضۂ قدرت میں ان سب کی جان کہ راقم کوصوفی مجاہد ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ کے خطبات جوکہ محبوب سبحانی خواجہ غریب نواز سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ کے سالانہ عرس مبارک پر دیے گئے تھے کی تدوین کی سعادت نصیب ہوئی۔ جس کی تدوین کا کام قریباً ۴۰ سال پہلے ہونا قرار پایا تھا مگر کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر اس نیک وسعد کام میں تاخیر وتعویق ہوتی رہی یا ہوسکتا ہے کہ قدرت نے کسی اپنے منتخب کردہ طریقے اور راستے پر رواں دواں ہوتے ہوئے اِس بندۂ ناچیز کو ان خطبات کی تدوین کے لیے چُن لیا ہو۔ بعدازاں کروڑہا درود وسلام اُس معطر ومطہر ہستی پر جس پر کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ اوراس کے فرشتے درود وسلام بھیج رہے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

بعدازاں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے صدرِ شعبۂ اُردو محترم ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے راقم میں تحریک پیدا کی کہ اگر تم اپنے آستانے اور درگاہ یعنی آستانہ عالیہ جلال پور شریف ضلع جہلم کی کوئی خدمت کرنا چاہتے ہو تو ''نفحات المحبوب'' جو فارسی میں محبوب سبحانی خواجہ غریب نواز سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ کے ملفوظات ہیں، کا دوسرا حصہ جو مخطوطے کی شکل میں ہے اُس کو ڈھونڈو اور اُس کو مرتب کر کے اُس کا اُردو میں ترجمہ کردو۔ جب تک وہ مخطوطہ نہیں دستیاب ہوتا اُس وقت تک ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ کے سالانہ خطبات کی تدوین میں مصروف ہو جاؤ تاکہ اُن خطبات کے منظرِ عام پر آنے سے نہ صرف پیر بھائیوں کا بھلا ہوگا بلکہ علم وادب، تصوف وسیاست کے شائق حضرات بھی اِس سے کماحقہٗ فائدہ اُٹھاسکیں گے۔ راقم نے تدوینِ متن کے ساتھ ساتھ حواشی وتعلیقات کا بھی اضافہ کردیا تاکہ قاری کو متن اور اُس کا مفہوم سمجھنے میں دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

تلاشِ خطباتِ ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ امیر حزب اللہ میں آستانہ عالیہ جلال پور شریف، ضلع جہلم کے موجودہ سجادہ نشین محترم جناب سیّد انیس حیدر مدظلہ علیہ اور آپؒ کے بھائی محترم جناب سیّد تنویر حیدر

شاہ صاحبؒ المعروف چن جی سرکار مدظلہ علیہ نے بے انتہا شفقت اور مہربانی سے راقم کو قلیل عرصہ میں خطبات کو تلاش کرنے میں مدد فرمائی۔ اِس شفقت بھری مہربان رہنمائی پر راقم سجادہ نشین محترم جناب سیّد انیس حیدر صاحب مدظلہ علیہ اور آپؒ کے بھائی محترم جناب سیّد تنویر حیدر صاحب مدظلہ علیہ کا تہ دل سے احسان مند اور شکرگزار ہے۔ نیز ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ کے پوتے، جناب سیّد حسنات احمد صاحبؒ کے فرزندِ اکبر جناب سیّد فاروق حسنات صاحبؒ نے کمال شفقت اور مہربانی سے کام لیتے ہوئے اپنے پاس موجود دس خطبات راقم کو عنایت فرما کر تلاشِ خطبات کا کام بہت آسان اور سہل بنا دیا۔ راقم تہ دل سے آپؒ کا احسان مند اور شکرگزار ہے۔ مزید برآں محترم سیّد امتیاز شاہ صاحبؒ نے بیمار ہونے کے باوجود راقم کے ساتھ مختلف جگہوں پر جا کر اپنے تعلقات کو استعمال کرتے ہوئے خطبات کو ڈھونڈنے میں مدد اور رہنمائی فرمائی۔ اس پر راقم ان سب کا شکرگزار ہے۔ اللہ پاک اِن تمام بزرگوں کو اجرِ عظیم اور شفائے کاملہ عطا فرمائے۔ آمین!

علاوہ ازیں راقم محقق و مدون محترم مظہر محمود شیرانی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہے جنھوں نے نہ صرف میری وقت بے وقت کی ملاقاتوں کی زحمت کو نظر انداز کیا بلکہ ہمیشہ مجھے درست سمت میں گامزن کیا حالاں کہ اُن دنوں وہ گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبہ فارسی میں کسی لغت کی تدوین پر کام کر رہے ہیں اور وقت کی قلت کے باوجود اِس کتاب میں موجود فارسی کے اشعار کے تراجم اور حوالہ جات پر نظر ثانی کر کے اصلاح بھی کی۔ ۱۲ جون ۲۰۲۰ء کو مظہر محمود شیرانی صاحب مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ اللہ پاک اُنھیں غریقِ رحمت فرماویں آمین! نیز محترم علامہ عبدالرحمٰن جامی صاحب خاص طور پر شکریے کے مستحق ہیں جنھوں نے ان خطبات میں موجود تمام عربی جملوں، مقولوں، ضرب المثال وغیرہ کے تراجم درست کرائے۔ علامہ عبدالرحمٰن جامی صاحب مشہور مترجم و مفسرِ قرآن سیّد احمد سعید کاظمی صاحبؒ کے شاگرد اور خلیفہ ہیں۔ علامہ صاحب تمام خطبات لفظاً سُنے بھی ہیں اور ان پر مختلف تبصرے بھی کیے ہیں حالاں کہ اُن دنوں وہ درس و تدریس کے علاوہ فصوص الحکم جو مولانا ابن عربیؒ کی تصیف ہے اور حضور داتا گنج بخشؒ کی شہرۂ آفاق کتاب ''کشف المحجوب'' کے اُردو تراجم بھی کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ اظہار سنز، اُردو بازار لاہور کے ناشر سیّد محمد علی انجم رضوی صاحب خاص شکریے کے مستحق ہیں جنھوں نے کتاب ہٰذا کو لفظاً پڑھ کر اِس میں موجد املا کی اغلاط کو درست کیا اور وقتاً فوقتاً مفید مشوروں سے بھی نوازا۔

آخر میں راقم سیّد حسنات احمد صاحبؒ کے اولاد امجاد کا خاص طور پر شکرگزار ہے جنھوں نے اِس کتاب پر خرچ ہونے والے تمام مصارف کو اپنی جیب سے ادا کر کے اِس کتاب کو کتم عدم سے منصۂ شہود پر لائے۔ سیّد حسنات احمد صاحبؒ کے خلف اکبر سیّد فاروق حسنات صاحب اور خلف دوم سیّد انوار حسنات صاحبؒ

کی اِس سلسلے میں ذاتی کوششیں قابلِ تحسین اور لائق صد ستائش ہیں۔ انہی دونوں اصحاب نے اپنے باقی بہن بھائیوں اور اُن کی اور اپنی اولادوں کو اِس کتاب کی اشاعت میں حصہ ڈالنے پر قائل کیا۔ اللہ پاک سیّد حسنات احمد صاحبؒ کے تمام اولاد کو راقم کے ساتھ اِسی دلی محبت اور قلبی شفقت پر اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین!

اللہ کریم مذکورہ بالا تمام اصحاب کو اِس کارِ خیر میں حصہ لینے پر جزائے خیر دے اور اُن کے جان و مال، رزق اور ایمان میں خیر و برکت عطا فرمائے۔ راقم تمام اصحاب کی محبتوں اور شفقتوں کا صلہ ادا کرنے سے قاصر ہے۔ رب کائنات ہی ہے جو اُن کی بے لوث عنایتوں پر ان کو اجرِ عظیم سے نوازے۔ نیز ان بزرگانِ دین اور اصحاب و احباب کی رہنمائی اور شفقت مستقبل میں بھی راقم کے علمی و ادبی ارتقا میں مشعلِ راہ اور معاون ثابت ہوتی رہے۔ آمین ثم آمین!

نیاز مند

محمد سمیع اللہ خان شاؔد

◆◆◆

مقدمہ

آپؒ فرمایا.............جی اباجی آپؒ فرمایا......

راقم کے والد محمد لعل خان اور دادا میاں علی محمد آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ راقم جس کی عمر اُس وقت ۸ سال کے قریب تھی اور زمانہ ۱۹۸۰ء کا تھا، اُس کمرے میں گیا۔ راقم آپؒ فرمایا کے آگے کی گفتگو نہیں سُن سکا کیوں کہ اُس کا ۸ سالہ دماغ اِس گتھی کو ہی نہیں سلجھا پایا تھا کہ آپؒ فرمایا کیا جملہ ہوا پورا جملہ تو پؒ نے فرمایا ہونا چاہیے۔ اس طرح کی باپ بیٹا کے مابین گفتگو بعد میں بھی ہوتی رہی اور راقم اِسی بات میں اُلجھ جاتا اور اگلی بات پر دھیان نہ دیتا۔ یہ سلسلہ ۱۹۸۶ء تک رہا جب دادا کا وصال ہو گیا۔ اُس کے بعد اس طرح کے جملے راقم نے والد کی زبان سے نہیں سُنے۔ عجیب اتفاق ہے کہ راقم نے والد سے یہ تو پوچھ لیا کہ یہ آپؒ کون ہیں؟ جو والد صاحب کے مطابق اُن کے پیر و مرشد ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ تھے لیکن مذکورہ بالا جملے میں حرف جار کی کمی کے بارے میں نہ پوچھ سکا اور آج بھی اِس کی خلش اور تشنگی برقرار ہے۔

علاوہ ازیں ایک اور واقعہ جو راقم کے ذہن میں نقش ہے وہ اخیر جون ۱۹۸۰ء کا ہے جب راقم تیسری جماعت میں پڑھتا تھا اور سب گھر والے گرمیوں کی چھٹیوں میں جلال پور شریف جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ جب ہم بذریعہ بس شام کے بعد وہاں پہنچے تو تیز بارش ہو رہی تھی مگر ایک عجیب ماجرا جو راقم نے دیکھا وہ یہ تھا کہ دادا جان نے بس میں ہی اپنی جوتی اُتار کر کاغذ میں لپیٹی اور بریف کیس میں رکھ لی۔ یہ بات راقم کو دادا کے وصال کے بعد معلوم ہوئی کہ وہ جب بھی جلال پور شریف جاتے جوتی اُتار کر بیگ میں رکھ لیتے اور موسم گرم ہو یا سرد وہاں ہمیشہ ننگے پاؤں رہتے بل کہ جلال پور شریف تو اُن کے مرشد پاک کا روضہ ہے۔ لاہور میں بھی جب ۴۵۔ جی جو اُن کے مرشد پاک کے خلف ثانی سیّد حسنات احمد صاحبؒ کا گھر تھا وہاں بھی ہمیشہ جوتی اُتار کے مین گیٹ کے باہر رکھ دیتے تھے۔ دادا جان کے روحانی کمالات خوارق عادات اور ان پر ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ کی روحانی توجہات کے حوالے سے دو واقعے مقدمہ کے بعد علاحدہ سے درج ہیں۔

خیر بات ہو رہی تھی جلال پور شریف جانے کی تو جلال پور شریف کو راقم نے ہوش و حواس میں جو اُس کو یاد ہے تب دیکھا ہے اور روضہ مبارک کی زیارت سے مستفید ہوا تھا۔ وہاں پر گزرا وہ وقت اور بعد میں راقم جو بارہا جلال پور شریف گیا وہ تمام واقعات علاحدہ تفصیل سے درج کرنے کے متقاضی ہیں۔ نیز راقم کو یہ بات بھی اُسی

سفر میں معلوم ہوئی کہ اُس کے والد محترم پہلے سے ہی وہاں پر ہیں۔ یہ بات راقم کو آنے والوں سالوں میں معلوم ہوئی کہ اُن دونوں، راقم کے والد جو ٹھیکیدر تھے اُس زمانے کے سجادہ نشین خواجہ سیّد برکات احمد صاحبؒ کے گھر کی تعمیر میں مصروف تھے جو آپؒ درگاہ کے ساتھ جگہ خرید کے بنوا رہے تھے۔

ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ کے بارے میں راقم کے یہ اولین تعارف تھے جو راقم کو یاد ہیں۔ بعد میں دن مہینوں اور مہینے سالوں میں بدلتے رہے اور راقم کو آپؒ کے بارے میں مزید معلومات ملتی رہیں اور آپؒ کے بارے میں ایک خاکہ راقم کے دماغ میں تشکیل پاتا گیا۔ بعد ازاں ۱۹۸۹ء میں راقم کے دماغ میں خیال آیا کہ مجھے بھی موجودہ خواجہ غریب نواز سیّد برکات احمد صاحبؒ امیر حزبِ ثانی کے دستِ شفقت پر بیعت کر لینی چاہیے۔ اُنہی دِنوں خواجہ غریب نواز ۴۵۔ جی گلبرگ۔۳، لاہور تشریف لائے ہوئے تھے۔ راقم بغیر کسی سے مشورہ یا بات کیے وہاں گیا۔ راقم کے والد وہیں تھے۔ راقم نے اپنے والد سے کہا کہ میں آپؒ کے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ وہ انتہائی خوش ہوئے اور خواجہ غریب نواز سے اِس بارے میں عرض کی۔ آپؒ کمالِ شفقت اور مہربانی سے اُسی وقت باہر ٹیرس پر تشریف لائے اور راقم کو بیعت فرمایا۔ نماز اور قرآن پاک کی تلاوت کی تلقین فرمائی اور ہر نماز کے بعد کچھ وظائف پڑھنے کا حکم فرمایا۔ یوں راقم بھی خواجگان چشت نظامیہ حیدریہ کی لڑی سے منسلک ہو گیا۔ اُن دنوں راقم سال سوم کا طالب علم تھا۔

درج بالا سطور میں راقم نے ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ کے ساتھ اپنے تعلق کو واضح کرنے کی سعی کی ہے۔ اِن باتوں میں ایک اور بات کا اضافہ کر کے اِس موضوع کو ختم کر کے عود الی المقصود ہوتا ہوں۔ وہ یہ کہ ۱۹۹۱ء میں راقم والد صاحب کے سامنے کشف المحجوب کا اُردو ترجمہ پڑھتا تھا اور والد صاحب سنتے بھی تھے اور کچھ وضاحت بھی کرتے تھے۔ ایسے ہی اُن دنوں گھر میں کلمہ طیبہ کا سوا لاکھ پڑھوایا گیا۔ راقم بھی اِس میں شریک تھا۔ راقم کو اُس کے والد نے ٹوکا کے آج تم بہت آہستہ پڑھ رہے ہو کیا بات ہے۔ راقم نے والد صاحب کو بتایا کہ میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے بعد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی پڑھ رہا ہوں اسی لیے رفتار آہستہ ہے۔ اُس پر اُنھوں نے یوں پڑھنے پر استفسار کیا تو راقم نے جواب دیا کہ جب بھی آپ سرکارِ دوعالم کا نام مبارک محمد زبان سے ادا کیا جائے تو صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس پر والد صاحب نے کہا کہ مجھے میرے بزرگوں نے صرف کلمہ پڑھنا ہی سکھایا ہے یہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پڑھنا کلمہ کے آخر میں نہیں سکھایا تو میں اس کو ایسے ہی پڑھتا ہوں اور آخری بار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پڑھتا ہوں۔ راقم کو یہ بات بعد میں معلوم ہوئی کہ کلمہ کے آخر میں ہر بار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پڑھنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ آخر میں ایک بار پڑھنا ہی کافی ہوتا ہے۔ اس سے راقم کو اپنے والد کی اپنے پیر و مرشد سے ارادت و عقیدت کا حال واضح ہوا کہ جو آپؒ نے فرمایا اُس کو من وعن قبول کر لیا، قیل و قال نہیں کیا۔

اب راقم ابوالبرات سیّد فضل شاہ صاحب امیر حزب اللہؒ کے خطبات کے حوالے بات کرتا ہے کہ آپؒ نے اپنے خطباتِ صدارت اور سالانہ دوروں سے بیسویں صدی کے مسلمانوں میں حیات اجتماعی کی حرکت پیدا کی اور اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے انقلاب کے داعی بنے۔ اس زمانے میں برصغیر کے مسلمانوں کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی۔ پہلی جنگ عظیم میں ترکوں کی شکست اور خلافت عثمانیہ کا خاتمہ، باغ جلیانوالہ امرتسر میں مسلمانوں کی شہادت، مالابار کے موپلا مسلمانوں پر انگریزوں کے مظالم، شدھی تحریک کے ذریعے راجپوت مسلمانوں کو ہندو بنانا، عیسائی پادریوں کا مسلمانوں کو عیسائیت کی ترغیب جیسے معاملات کو مدنظر رکھ کر آپؒ نے ۲۹ نومبر ۱۹۲۷ء کو اپنے دادا محبوب سبحانی حضرت خواجہ غریب نواز، سید غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ کے بیسویں سالانہ عرس پر حاضرین کے سامنے کھل کر اپنے دردِ دل کا اظہار کیا اور ان کے سامنے قوم کی بے رہروی، اخلاقی انحطاط، اقتصادی تنزل، روحانی پستی، سیاسی بے شعوری، اسلام اور تعلیمات شرعیہ سے بے گانگی اور ایسے بے شمار مسائل کے حل کے لیے ایک منظّم تحریک کے اجرا کا خیال پیش کیا۔ جس کو حاضرین نے دل و جان سے پسند کیا۔ یوں ۶ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ بہ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۷ء کو تحریک حزب اللہ کا قیام عمل میں آیا اور آپؒ اس کے پہلے امیر مقرر ہوئے۔

آپؒ نے اِس تحریک کا نام قرآن مجید سے لیا۔ اس کے اغراض و مقاصد، قواعد و شرائط اور دستور العمل کو قرآن حکیم کی آیات سے اخذ کیا اور ایک کتاب حزب اللہ کے نام سے لکھی۔ جس میں قرآن و حدیث کے مطالب کی تصریح و تشریح، تاریخ و سائنس کے انکشافات اور تمدن و عمرانیات کے اصولوں سے کی۔ کتاب ''حزب اللہ'' اب ناپید ہے اور راقم کو اُس کے دو حصے رسالہ 'صوفی' سے دستیاب ہوئے جو کہ مکمل کتاب نہیں۔ راقم کی کوشش ہے کہ وہ کتاب مکمل حالت میں دستیاب ہو جائے تو اُس کو بھی دوبارہ شائع کیا جا سکے۔ بعدازاں اُسی کتاب کا خلاصہ ایک رسالے کی صورت میں بھی تحریر کیا۔ اِس رسالے میں آپؒ نے واضح اور آسان انداز میں تحریک حزب اللہ کی ضرورت، اغراض و مقاصد اور قواعد و ضوابط بیان کیے۔ یہ رسالہ معمولی اضافوں کے ساتھ مختلف ادوار میں پانچ مرتبہ طبع ہوا۔ اس تحریک کے ذریعے انھوں نے مسلمانوں کو اِس امر کا درس دینے کا مصمّم ارادہ کیا کہ اللہ کی زمین پر ہمیں اللہ کی رعایا بننا چاہیے۔ اس لیے آپؒ نے اِس مبارک کام کے لیے ۲۹ سال مسلسل مختلف علاقوں کے دورے فرمائے۔ تحریک کے ابتدائی سالوں میں دورے اکتوبر و نومبر کے مہینوں میں ہوتے تھے مگر بعد میں انھوں نے خزاں اور بہار دو قسطوں میں دورہ کرنا شروع کر دیا۔ ان دوروں کے ذریعے آپؒ نے اسلام کی عملی تعلیمات کا پیغام گھر گھر پہنچایا۔ نیز محبوب سبحانی حضرت خواجہ غریب نوازؒ، سید غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ کے سالانہ عرس کے موقع پر آپؒ خطبہ بھی دیا کرتے تھے۔ جو امیر حزب اللہ کے خطبہ صدارت کے نام سے شائع بھی ہوتے رہے۔

آپؒ نے پہلا خطبہ ۳۰ نومبر ۱۹۲۷ء کو دیا اور پھر اس کے بعد تا دمِ آخر خطبہٴ صدارت دیتے رہے۔ یوں آپؒ نے ۱۹۲۷ء تا ۱۹۵۶ء کل ۲۹ خطبات اپنی زبان سے ارشاد فرمائے جن میں سے پہلے دس خطبات شائع نہیں ہوئے جبکہ بعد کے تمام خطبات شائع ہوئے۔ راقم کو ۱۹۲۸ء کے خطبہٴ صدارت کے اہم نکات رسالہ 'صوفی' دسمبر ۱۹۲۸ء سے دستیاب ہوئے ہیں۔ راقم نے اُس خطبہ کا عنوان خطبہٴ صدارت سال ۱۹۲۸ء ہی دیا ہے۔ طریقہ کار یہ ہوتا تھا کہ خطبہ صدارت مطبوعہ شکل میں سامعین میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں جب آپؒ سالانہ دوروں پر تشریف لے جاتے تو وہاں بھی اس مطبوعہ خطبہ کی کاپیاں سامعین میں تقسیم کی جاتیں۔ حزب اللہ کی تنظیم کے اخراجات کے لیے ہر رکن کے لیے ضروری تھا کہ وہ سالانہ ایک روپیہ حزب اللہ کے رکن ہونے کی حیثیت سے جمع کرائے۔ پہلے سال یعنی نومبر ۱۹۲۷ء تا دسمبر ۱۹۲۸ء جو آمدن ہوئی اور جو جو خرچ ہوا اُس کی تفصیل بھی ضمیمہ جات میں شامل کی گئی ہے۔

راقم کو ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۵ء کے خطبات بھی دستیاب ہوئے ہیں جو بیماری کی حالت میں آپؒ نے لکھوائے یا بتائے کہ کیا خطبہ دیا جائے اور وہ خطبہ نذر حسین شاہ فاروقی نے پڑھ کر سنایا۔ خطبہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ پچھلے پانچ سال خطبات صدارت نہیں ہوئے۔ یعنی ۱۹۵۹ء تا ۱۹۶۳ء خطبات صدارت نہیں دیے گئے۔ یوں خطبات دسویں سالانہ خطبہٴ صدارت سے شروع ہو کر اکتیسویں سالانہ خطبہٴ صدارت تک جاری رہے جس میں سے خطبہ ۱۲، ۱۳، ۱۹، ۲۶، ۳۰، ۳۱ راقم کو دستیاب نہیں ہوئے۔ یوں ۱۰ ویں خطبہ سے ۳۸ ویں خطبہ تک خطبات کی تعداد ۱۸ بنتی ہے جن میں سے درج بالا چھ خطبات کے علاوہ تمام خطبے اِس کتاب میں شامل ہیں۔ دوسرا خطبہٴ صدارت اس کے علاوہ ہے۔ یوں خطبات کی تعداد ۱۹ ہو گئی۔

اب ذرا ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ امیر حزب اللہ کی خطابت کے حوالے سے بات کر لی جائے۔ فنِ خطابت کے لیے جن لوازمات کی ضرورت ہوتی ہے وہ آپؒ کی ذات میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اُن کا مختصراً جائزہ ذیل میں ہے۔

آپؒ کا چہرہ نہایت پُر رعب اور شاندار تھا وہ اپنے چہرہٴ مبارک سے ہی عظیم انسان معلوم ہوتے تھے۔ سیّد انوار حسنات صاحبؒ کے مطابق اُنھوں نے اپنی زندگی میں اتنا پُر کشش، نورانی اور بارعب چہرہ آج تک نہیں دیکھا۔ سامعین و حاضرین آپؒ کے پُر جلال چہرے کو نظر جما کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ آپؒ کی آواز گرج دار، بلند، پرسوز اور جذب و اثر سے بھری ہوئی تھی۔ سامعین پر خطابت کے وقت محویت کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ سامعین و حاضرین نہ صرف آپؒ کے خطبہ کو پوری توجہ و انہماک سے سنتے تھے بلکہ آپؒ کی باتوں اور نصیحتوں پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کی سعی و کاوش میں منہمک رہتے تھے۔ راقم کے والد محترم جو آپؒ کے مرید اور رضا کار تھے انھوں نے یہ تمام باتیں راقم کو وقتاً فوقتاً بتائی تھیں۔

الفاظ اور فقرات کی طرزِ ادا خطیب کو کامیاب کرتی ہے کیوں کہ جو خطیب اپنا مافی الضمیر عمدہ طور پر ادا نہیں کر سکتا وہ کامیاب مقرر نہیں بن سکتا۔ آپؒ خطبہ کو بڑی عمدگی کے ساتھ سامعین کے سامنے اس طرح پیش کرتے تھے کہ وہ خطبہ اور الفاظ سامعین وحاضرین کے دل میں اُتر کر انھیں عمل پر مجبور کر دیا کرتے تھے۔

خطیب کی باطنی کیفیت بھی خطاب پر اثر ڈالتی ہے کیوں کہ حاضرین پر اثر تب ہی ہوگا جب خطیب کی زبان پر وہی کچھ ہو جو اُس کا دل کہہ رہا ہو۔ خطبات کے مطالعہ اور آپؒ کے احوال وآثار سے واضح ہوتا ہے کہ آپؒ کے قلب وذہن میں قوم کا کیسا درد تھا اور سامعین پر اُس کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔

با موقع اور برمحل الفاظ وتراکیب کا استعمال نیز محاورات اور ضرب المثل خطیب کی خطابت کو پر لطف اور مؤثر بناتے ہیں۔ خطبات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ نے اپنے خطبات میں ایسے فقرات، محاورات اور الفاظ وتراکیب کثرت سے استعمال کی ہیں جو لوگوں کے لیے دلچسپی اور توجہ کا باعث بنیں۔

خطیب کے خطاب میں اثر اور جذب کا ہونا اور اُس کے کلام میں جوش وروانی کا پایا جانا اُس کے خطاب کو زیادہ موثر بنا دیتا ہے جو لوگوں کے دلوں کو موہ لیتا ہے اور لوگ اُسے سن کر محو ہو جاتے ہیں۔ آپؒ کے خطبات میں مذکورہ تمام خصائص بدرجہ اتم موجود تھے۔ خاص طور پر جب آپؒ رب کائنات کی وحدانیت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضائل، کائنات کے اسرار ورموز اور حکومت الٰہیہ کی تشکیل کی بات کرتے تھے تو آپؒ کے انداز میں مخصوص جذب اور روانی بدرجہ کمال تک پہنچ جاتی تھی۔

زبان وبیان پر پوری قدرت، مطلوبہ مقصد کو ذہن نشین کروانے کا طریقہ اور مناسب وقت پر مناسب الفاظ کا استعمال خطابت کی عمدگی کو ظاہر کرتا ہے۔ آپؒ ان تمام اوصاف سے متصف تھے۔ آپؒ کا خطبہ فصاحت وبلاغت کا ایک ایسا دریا ہوتا تھا جو پوری روانی کے ساتھ بہتا چلا جاتا تھا جس میں آپؒ موقع با موقع آیات، احادیث، ضرب المثال، حکایات اور اشعار وغیرہ کا استعمال بخوبی کرتے تھے۔

خطابت کے حوالے سے سب سے اہم بات یہ ہے کہ خطاب کرنے والا مخلص اور بے ریا ہو۔ قومی ہمدردی اور ملک کی بھلائی کا حقیقی جذبہ رکھتا ہو۔ یہ جذبہ ہی اُس کے خطاب کو دل نشین بنائے گا۔ آپؒ اپنے قوم کی تباہ حالی، غلامی اور تنزلی کو دیکھ کر کڑھتے اور خون کے آنسو بہاتے تھے۔ آپؒ کا جی چاہتا تھا کہ مسلمان قعر مذلت سے نکل کر دوبارہ ماضی جیسے عروج کو پالیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پا کر آپؒ نے اپنی پوری زندگی اس کام کے لیے وقف کر دی۔ جس کا آپؒ نے اپنے خطبات میں وقتاً فوقتاً اظہار کیا ہے۔

ان خطباتِ صدارت میں آپؒ کا اسلوب اور اندازِ بیان بڑا فصیح وبلیغ اور اثر انگیز تھا۔ نیز خطبۂ صدارت اپنی جگہ نرالا، اچھوتا اور موجودہ زمانے میں بھی قابل عمل اور قابل ستائش ہے۔ خطبہ کے اختتام پر آپؒ اللہ پاک سے دعا بھی مانگا کرتے تھے۔

درج بالا سطور میں خطبات ہذا کی ادبی اور لسانی اہمیت کو ظاہر کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اب ان خطبات کی سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی اہمیت پر نظر ڈالی جائے گی۔ مذکورہ سالانہ خطبات میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو ایک عظیم قوم بنا دیا جائے۔ انھیں توحید اور اخوت سے از سرِ نو روشناس کروا کے باہمی نااتفاقی، فرقہ بندی اور بدنظمی کو دور کیا جائے۔ مسلمانوں کی وہ عظیم تہذیب جو گم ہو گئی تھی، وہ تمدّن جو کچھ مٹ چکا تھا اور بقیہ مٹایا جا رہا تھا، وہ معاشرت جو بالکل نابود ہو چکی تھی، ان سالانہ خطبات کے ذریعے ان کا سراغ مقصود تھا۔ اس تحریک اور سالانہ خطبات کا نصب العین یہ تھا کہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو اس طرح پاکیزہ بنایا جائے جس طرح کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی زندگی تھی۔ مرورِ ایام اور ہندوؤں سے میل ملاپ کی وجہ سے جو بُری رسمیں اور قباحتیں ان میں پیدا ہو گئی تھیں ان کو دور کیا جائے۔ ایک طرف قوتِ ایمان مضبوط ہو اور دوسری طرف فضول اخراجات سے بچا جائے۔ جماعتی حیثیت سے تجارت اور صنعت و حرفت میں حصہ لیا جائے۔ دینی علوم اور علومِ جدیدہ کی تحصیل پر توجہ دی جائے۔ یوں مسلمانوں کا ایک ایسا اسلامی معاشرہ تشکیل پا جائے جو نہ صرف سیاسی لحاظ سے مضبوط ہو بلکہ قرآن و سنت کا عملی نمونہ ہو۔ علاوہ ازیں آپؒ نے لوگوں کی دینی و دنیاوی معاملات میں عملی تربیت بھی کی۔ مسلمانوں میں جذبہ ایمان اور جذبہ جہاد پوری طرح بیدار کر کے انگریزوں پر واضح کر دیا کہ حزب اللہ جو شمالی ہند کی منظّم اور فعال اسلامی جماعت ہے وہ مسلمانوں کے حقوق اور مفاد کی حفاظت کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرے گی۔

مزید برآں یہ خطباتِ صدارت قیامِ پاکستان سے پہلے اور بعد کے اہم واقعات و حوادث کی تاریخ ہیں۔ ان خطباتِ صدارت میں انگریزوں کے بارے میں آپؒ کے واضح خیالات، کانگریس اور مسلم لیگ کے علاوہ دوسری سیاسی، نیم سیاسی اور مذہبی جماعتوں کی کارکردگی پر نقد و تبصرہ، ۱۹۳۷ء کے بعد مسلم لیگ کی نشاۃِ ثانیہ، تصورِ پاکستان کی وجوہات ۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان کے بعد کے سالوں میں انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں کا ردِعمل، دوسری جنگِ عظیم پر تبصرہ، قیامِ پاکستان کے بعد پاکستانیوں کے مسائل اور بھارت میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والا ظالمانہ سلوک، مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے تجاویز، دستورِ پاکستان کے بننے پر بحث جیسے اہم واقعات شامل ہیں۔ ان خطبات کی اہمیت و افادیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ ان تمام مسائل پر یہ تبصرہ ایک باعمل صوفی نے کیا ہے جن کو آپؒ کے پوتے سیّد انوار حسنات صاحبؒ کے مطابق صوفی مجاہد کہنا چاہیے۔

کتاب ہٰذا کے دو حصّے ہیں۔ پہلے حصے میں ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ امیر حزب اللہ کے احوال و آثار کو بیان کیا گیا ہے۔ راقم نے ڈاکٹر عبدالغنی کی کتاب ''امیر حزب اللہ''، ملک نور الدین کی کتاب ''ذکر حبیب'' اور ڈاکٹر عبدالغنی کی کتاب ''مجمع البحرین'' سے معلومات اخذ کی ہیں۔ نیز بہت ساری معلومات

صاحبزادگان جلال پور شریف اور اپنے والدین سے اکٹھی کی ہیں۔

حصہ دوم میں آپؒ کے سالانہ خطباتِ صدارت کو مرتب کیا گیا ہے۔ اِن خطبات میں موجود احادیث، محاورات اور اشعار کا حوالہ دینے کے ساتھ ساتھ ترجمہ کرتے ہوئے تخریج کی گئی ہے نیز تلفظ و املا کے مسائل کو بھی حل کیا گیا ہے۔ مزید برآں قرآنی آیات کے لیے سورۃ کے نام اور آیت نمبر دینے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اب کچھ بات ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ امیر حزب اللہ کی شاعری کے حوالے سے ہو جائے۔ کتاب امیر حزب اللہ کے مصنف ڈاکٹر عبدالغنی نے اُس کتاب کے پیش لفظ میں کہا ہے کہ آپؒ نے اپنے اُستاد گرامی مولانا عبدالرحیم ساکن کڑی شریف، ضلع جہلم کے نام ایک مراسلہ ۲۵ مارچ ۱۹۰۷ء کو لکھا اُس کی ابتدا فارسی کے درج ذیل شعر سے ہوتی ہے :

؎ آرزو دارم کہ روئے آنجناب دمبدم سازم چو مثل آفتاب

عبدالغنی کے مطابق ممکن ہے یہ آپؒ کا اپنا شعر ہو کیوں کہ بعض خطوط میں سازم کی جگہ لفظ بینم استعمال کیا گیا ہے۔ راقم کو اس سے ملتے جلتے دو اشعار ملے ہیں۔ ایک شعر خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی رحمتہ اللہ علیہ کا ہے اور یہ مطلع درج ذیل ہے :

؎ اے جانِ جہاں آرزوئے روئے تو دارم در سر ہوس قامت دل جوئے تو دارم

مولانا جلال الدین رومی کا بھی ایک شعر ہے جس کی ابتدا آرزو دارم سے ہی ہوتی ہے۔ شعر اس طرح ہے :

؎ آرزو دارم کہ مہمانت کنم جان و دل اے دوست قربانت کنم

۱۵ اگست ۱۹۰۷ء کے مراسلے میں یہ شعر درج تھا :

؎ تا ازیل ہستیِ موہوم نشان خواہد بود سرِ ما بر قدمت سجدہ کناں خواہد بود

۵ دسمبر ۱۹۱۰ء اور ۱۳ جنوری ۱۹۱۱ء کے خطوط میں تو صرف درج ذیل اشعار درج تھے اور صرف انہی سے اشتیاقِ ملاقات کا اظہار تھا :

؎ ہمیں تو رات دن صاحب تمھارا دھیان رہتا ہے کبھی ہم بھی تمھیں اے بندۂ پرور یاد آتے ہیں؟

....

؎ فراموشی ازیں جانب محال است وزاں جانب نمی دانم چہ حال است

آپؒ نے اُستادِ محترم کے نام خط میں درج ذیل شعر میں تصرف کر کے لفظ مولا کی بجائے خواجہ استعمال کیا ہے۔

؎ بہائی خویش می دانم بہ نیمی جو نمی آرزد اگر مولا کرم ساز و بہائم بے بہا گردد

مزید برآں حافظ نذر حسین شاد فاروقی جو کہ آپؒ کے استاد محترم مولوی الرحیم صاحب کے بھتیجے ہیں نے ایک موقع پر بیان کیا کہ ایک بار آپؒ نے اپنے بچپنے کی شاعری کا ذکر فرمایا تھا اور دو ایک شعر بھی سنائے مگر ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ اب یہ شوق ختم ہو چکا ہے اور پھر قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ''وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِىْ لَهٗ (یٰسٓ ۳۶:۶۹)

درج بالا باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ آپؒ نہ صرف خود شاعری فرمایا کرتے تھے بلکہ کچھ اشعار میں تصرف فرما کر الفاظ بھی تبدیل کیے ہیں۔ آپؒ کی ایک نعت ضمیمہ جات میں شامل کی گئی ہے۔

خطبات میں موجود وہ تمام اشعار جو کسی بڑے شاعر کے نہیں اور اُن کا حوالہ نہیں دستیاب ہو سکا۔ وہ آپؒ کے اپنے اشعار ہو سکتے ہیں کیوں کہ راقم کو چند اشعار کے علاوہ ایک نعت بھی کتاب 'امیر حزب اللہ' سے دستیاب ہوئی ہے جس کو تبرکاً ضمیمہ جات میں شامل کیا جاتا ہے۔ نیز خطبات میں آپؒ نے اشعار کو جن الفاظ میں بیان فرمایا تھا اُن کو بغیر کسی ردوبدل کے درج کر دیا گیا ہے اور اصل شعر کو حاشیہ میں شاعر کے نام اور حوالے کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔

ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحب امیرِ حزب اللہ کے ایک مرغوب شعر جو کہ بیدل کا ہے اور علامہ اقبال بھی اپنے آخری ایام میں اسی کو بہت زیادہ پڑھا کرتے تھے کے ساتھ اپنی بات کا اختتام کرتا ہوں۔ اللہ پاک راقم کی اِس حقیر کاوش کو قبول و منظور فرمائے۔ اس کتاب کو راقم کے لیے توشۂ آخرت بنا دے کیونکہ اللہ پاک کے نیک بندوں کا ذکر بھی بالواسطہ اللہ سبحان تعالیٰ کا ہی ذکر کہلاتا ہے۔

؎ نزاکت ہاست در آغوشِ مینا خانۂ حیرت
مژہ برہم مزن تا نشکنی رنگِ تماشا را

کہ کائنات کا یہ شیشہ خانۂ حیرت اپنے پہلو میں بے شمار نزاکتیں لیے ہوئے ہے لہٰذا اے مشتاقِ تمنا! اگر تو ان مناظر سے کماحقہٗ محظوظ ہونا چاہتا ہے تو اپنی پلک بھی نہ جھپک اور مسلسل دیکھتا رہ تا کہ پلکوں کے جھپک جانے سے تیری نگاہیں کسی حسین منظر کا کوئی ایک لمحہ بھی ضائع نہ کر بیٹھیں۔

۳ رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ
بہ مطابق ۲۵ مارچ ۲۰۲۳ء

نیازمند
محمد سمیع اللہ خان شاد

◆◆◆

ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہؒ صاحب کی روحانی توجہات

ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحب کی اپنے مرید اور رضا کار حزب اللہ میاں علی محمد، جو کہ راقم کے دادا جان ہیں، پر روحانی توجہات کے بے شمار واقعات میں سے دو واقعات درج ذیل ہیں۔

سفر زیارت میں مُرشدِ طریقت ذمہ دار

میاں علی محمد ساکن بڑانہ ضلع جھنگ قبلہ، ماہ بہ ماہ حضرت صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوا کرتے تھے۔ ایک بار زیادہ عرصہ ہو گیا۔ اس لیے طبیعت سخت بے تاب ہو گئی۔ جلال پور شریف پہنچے۔ وہاں پتہ چلا کہ حضور غریب نواز سری نگر تشریف لے گئے ہیں۔ شوقِ بے تاب کہتا تھا، حضور جہاں تشریف فرما ہیں وہاں پہنچو لیکن زادِ راہ صرف جلال پور شریف تک کا تھا۔ آخر شوق غالب رہا اور ارادہ کر لیا کہ پیدل ہی سہی، پیا سری نگر ہیں وہیں جائیں گے۔ دریا کو عبور کر کے آ ملے پہنچے تو وہاں کے ایک پیر بھائی سے ملاقات وئی۔ ان سے اپنے مبارک عزم کا اظہار کیا۔ انھوں نے کہا۔ چند روز میرا کام کرو میں مزدوری دے دوں گا۔ میاں علی محمد مستری تھے۔ لکڑی کا کام کرتے رہے۔ مزدوری اور ادھار ملا کر چھتیس روپے بنائے اور گاڑی پر سوار ہو گئے۔ راول پنڈی پہنچے تو سری نگر کی تمام لاریاں جا چکی تھیں۔ ایک ٹیکسی تیار تھی۔ ٹیکسی والوں نے لاری کا کرایہ لیا اور بٹھا لیا۔ کشمیر کی سرحد میں داخل ہونے لگے تو تلاشی ہوئی۔ ریاست میں تلوار، لاٹھی، کلہاڑی کا راستہ بند تھا۔ میاں صاحب کے پاس تلوار تھی مگر تھانے دار کا اس طرف دھیان تک نہ گیا۔ ٹیکسی سری نگر پہنچ گئی۔ میاں صاحب کو راجہ کے محلات کے قریب اُتارا گیا۔ پولیس کے سپاہی موجود تھے۔ وہ ششدر رہ کر تلوار کی طرف دیکھتے رہے مگر کسی کو معترض ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ میاں صاحب ڈاک خانہ میں گئے وہاں سے حضور کی قیام گاہ کا پتہ معلوم کیا۔ کافی فاصلہ تھا۔ رستہ میں تلوار کو لوگ تعجب انگیز نگاہوں سے دیکھتے تھے اور خاموش رہ جاتے تھے۔ حضور نمازِ شام ادا فرما چکے تو میاں صاحب نے جا قدم بوسی کی۔ حضور نے فرمایا: تم کہاں اور یہ تلوار کیسے لائے؟ رستہ میں کسی نے رکاوٹ نہیں کی؟ ہمارے تو پستول بھی وہاں رکھ لیے گئے تھے۔ میاں صاحب نے عرض کی: حضور کا کرم ہے۔ قبلہ حضرت صاحب نے فرمایا: یہ تو تیری کرامت ہے۔ میاں صاحب نے کہا سب کچھ حضور کی اپنی نوازش اور اپنی کرامت ہے۔ حضور کا لہجہ ذرا نرم ہو گیا۔ کچھ دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا: مرید جب بہ غرضِ زیارت آتا ہے تو واپسی تک مرشدِ طریقت اس کے سفر اور گھر بار کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ دو چار روز کے بعد پڑتال کرنے والے تھانے دار بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نام احمد شاہ تھا اور چکوال کی طرف گھر تھا۔ پیر بھائی تھے۔ وہ دیکھ کر کہنے لگے اِس پیر بھائی کو میں نے سرحد پر دیکھا تھا۔ حضرت صاحب

قبلہ نے فرمایا کہ لطف کی بات ہے یہ تلوار ساتھ لے آیا ہے۔ تھانے دار متعجب ہو گیا اور کہنے لگا، چلو میری تو نظر نہ پڑی لیکن سری نگر میں راجہ کی ساری پولیس اندھی ہو گئی تھی۔ اصل بات تو یہ ہے۔ شیروں کی دربانی کرنے والے کتے بھی شیر ہوتے ہیں اور پھر یہ شعر پڑھا :

سگِ دربار گیلاں شو چو خواہی قرب ربانی　　　کہ بر شیراں شرف دارد سگِ دربارِ گیلانی

تصورِ شیخ کی معجز نمائی

حضور دورہ کے سلسلہ میں لانگ شمالی ضلع جھنگ شب باش ہوئے۔ پیر امیر شاہ صاحب اور راجہ سکندر خاں مرحوم آپ کے ساتھ تھے۔ آپ وہاں سے اگلے مقام کھوکھر کے ارادے سے شاہ نکڈر سٹیشن پر پہنچے تو ان دو معزز ہم راہیوں کو گھر جانے کی اجازت عنایت فرمائی اور خود شاہ جیونہ کی طرف گاڑی پر سوار ہو گئے۔ گاڑی شاہ جیونہ پہنچی تو آپ کو خیال آیا۔ پارکر قلم راجہ سکندر خان کے پاس رہ گیا ہے۔ اس لیے آپ نے وہاں سے میاں علی محمد مذکور کو شاہ نکڈر روانہ فرما دیا جہاں راجہ صاحب گاڑی کا انتظار کر رہے تھے۔ اس نے شاہ جیونہ سے جانا تھا۔ میاں صاحب اس پر سوار ہو گئے۔ حضور نے فرمایا تھا کہ شاہ نکڈر اور کھوکھر کا درمیانی فاصلہ زیادہ ہے۔ رات رستے میں بسر کر لینا۔ گاڑی شاہ نکڈر پہنچی تو ادھر راجہ صاحب اور پیر صاحب اس پر سوار ہوئے۔ اُدھر میاں علی محمد نے دوڑ کر پکارنا شروع کیا۔ راجہ صاحب نے آواز سُن کر باہر جھانکا۔ میاں صاحب نے حضور کا قلم مانگا۔ انھوں نے اپنے جیب ٹٹولے تو قلم موجود تھا۔ سخت متاسف ہوئے اور قلم میاں صاحب کے حوالے کر دیا۔

اب میاں صاحب نے سوچا۔ رات حضور سے علاحدہ رہنا ٹھیک نہیں۔ لوگوں سے رستہ معلوم کیا۔ راہ میں دریائے جہلم بھی پڑتا تھا۔ پھر رستہ بھی صاف اور سیدھا نہیں تھا لیکن اُنھوں نے کمر ہمت باندھ لی۔ کانٹوں کی پروا کی نہ ہل جُتی ہوئی زمین کے ڈھیلوں سے ڈرے۔ کہیں چلتے، کہیں بھاگتے، اڑھائی بجے بعد از دوپہر روانہ ہوئے تھے۔ حضور کا تصور کر کے رواں دواں تھے۔ جب پانچ بج رہے تھے اور نمازِ عصر کا وقت تھا تو میاں صاحب کوئی اٹھائیس تیس میل کا نہایت ہی دشوار رستہ طے کر کے اور دریا کو بھی عبور کر کے کھوکھر کی حدود میں داخل ہو گئے۔ ایک کنوئیں پر نماز ادا کی۔ ادھر سے لوگوں نے امیر حزب اللہ زندہ باد کے نعرے لگانے شروع کیے جو حضور کے کھوکھر میں داخلہ کا اعلان تھا اور ادھر سے میاں صاحب بھی پہنچ گئے۔ جب حضور اپنی قیام گاہ پر پہنچے اور قاضی غلام فرید صاحب آپ کے ایک بوٹ کا تسمہ کھول رہے تھے تو دوسرے بوٹ کا میاں صاحب نے بوسہ لیا۔ حضور نے پوچھا یہ کون؟ میاں صاحب کو دیکھ کر حیران ہوئے۔ دوسرے پیر بھائی دم بہ خود تھے کہ اتنا فاصلہ اڑھائی گھنٹے میں کیسے طے ہو گیا۔ حضور نے گھڑی دیکھی۔ پانچ بج چکے تھے۔ بڑی چہ میگوئیاں ہوتی رہیں۔ حضور کھوکھر سے واپس جا رہے تھے۔ ریل گاڑی میں ایک معزز پیر بھائی نے عرض کی میاں ہامؒ چنیوٹی کا تو سُنا تھا کہ لوگ انھیں ابھی ایک مقام پر دیکھتے تھے اور آناً فاناً دوسرے مقام پر پہنچے جاتے تھے لیکن علی محمد کی بات تسلیم کرتے تامّل ہوتا ہے۔ حضور کی طبیعت پر یہ بات گراں گزری۔ آپ نے فرمایا ہم نے علی محمد کو فقر کی ٹوپی یوں ہی عطا نہیں کی، یہ ہامؒ سے کم نہیں۔

◆◆◆

حصہ اوّل

ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ
امیر حزب اللہ کے احوال و آثار

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَ لَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ط لَھُمُ الۡبُشۡرٰی فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ ط لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ط ذٰلِکَ ھُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ط

ترجمہ: بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔ ان کے لیے بشارت ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، اللہ کے کلمات میں تبدیلی نہیں ہو سکتی یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ (یونس ۱۰: ۶۲ تا ۶۴)

خدائے تعالیٰ جو انسان کی رفعتِ تخیل سے ماوراء اور بعید از قیاس ہے، نے اپنی احسن التقویم تخلیق جسے خلیفہ فی الارض بھی کہا جاتا ہے، کو تخلیقِ ارض و سما اور مافیہ اور اپنے تک رسائی کے لیے فہم و فراست اور ادراک و مکاشفات کا راستہ اور طریقہ اپنی بہترین نازل کردہ کتاب میں کھول کر بیان فرما دیا ہے۔ اُس نے انسان کو خلاصہ الکائنات کے طور پر وجود بخش کر تعظیم و تکریم سے نوازا ہے۔ یوں انسان اللہ پاک کی تمام مخلوقات میں سب سے مقدس اور معزز ٹھہرا۔ بہ الفاظ دیگر انسان اپنی ذات میں ایک چھوٹی سی مگر مکمل کائنات ہے۔ اس لیے جس انسان نے اپنے آپ کو سمجھ لیا اور پا لیا اُس نے گویا پوری کائنات بل کہ اپنے رب کو بھی پہچان لیا۔ اسی طرح وہ انسان جس نے اپنے آپ کو سمجھ لیا اور پا لیا وہ ذہنی، اخلاقی اور روحانی لحاظ سے اپنے دور کے لوگوں سے بلند ہو کر زمان و مکاں کی حدود و قیود سے باہر نکل گیا۔ پھر ہر زمانہ اُس کا زمانہ اور ہر مقام، جگہ اور کرۂ ارض کا ہر خطہ اُس کا ہو جاتا ہے کیوں کہ اُس کی روح میں عظمت، پاکیزگی اور دوسروں کو متاثر کرنے کی قابلیت و صلاحیت بہ درجۂ اتم

موجود ہوتی ہے۔لوگ اُس کے اقوال و افعال سے متاثر ہو کر اُس کی پیروی پر مجبور ہو جاتے ہیں۔یہی وہ لوگ ہیں جو ابتدائے سنِ شعور تا دمِ آخر عظمت کی بلندیوں اور تابنا کیوں میں پروان چڑھتے ہیں۔تغیرات وارتقائے کائنات اُن کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ایسے لوگوں کے اقوال و افعال آئینِ فطرت وقوانینِ قدرت کی تشریح وتوضیح اوران کو عملی شکل میں مرتب کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔

پیغمبروں کے بعد عظیم ترین انسان کو ولی اللہ کہتے ہیں۔جس طرح بہ قول واصف علی واصف پیغمبر کی بات، باتوں کی پیغمبر ہوتی ہیں بالکل اُسی طرح ولیوں کے لفظ، الفاظ کے ولی اور ولیوں کے عمل، اعمال کے ولی ہوتے ہیں۔ایسے ہی اعظام کرام کے الفاظ و افعال عوام کے افکار واعمال کو درست سمت میں گامزن کرنے کا موجب بنتے ہیں۔بیسویں صدی کے ایسے ہی ایک انسان ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ ہیں۔جن کے الفاظ واعمال اور افعال وحرکات نے اپنے قرب وجوار کے لوگوں کو صراطِ مستقیم پر حرکت کرنے کی ترغیب دے کر اُن کو مسلمانوں کے اصلی رنگ و روپ میں دیکھنے کی تمنا وخواہش کی اور اس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

ولادت باسعادت

امیر حزب اللہ کے والد ماجد سیّد مظفر علی شاہ صاحبؒ، حضرت قبلۂ عالم پیر غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ کے دوسرے فرزند بھی تھے اور خلیفہ بھی۔آپؒ کی بیعت خواجہ شمس الدین سیالویؒ سے تھی۔مسندِ خلافت اپنے والد محترم سے ملی تھی۔آپ کی پہلی شادی سیّد الٰہی شاہ کی صاحب زادی سے ہوئی جن سے دو صاحب زادیاں پیدا ہوئیں۔دوسری شادی پنڈ دادن خان کے راجہ سیف علی خاں جاگیردار ورئیس اعظم کی صاحب زادی سے ہوئی جن سے چار صاحب زادے پیدا ہوئے۔اُن چاروں میں سے سب سے بڑے ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ تھے۔باقی تینوں کے نام نواب سیّد محمد مہر شاہ صاحب، سیّد محمد کرم شاہ صاحب اور سیّد محمد محمود شاہ صاحب ہیں۔ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ ۴؍ جمادی الاوّل ۱۳۱۲ھ بہ مطابق جمعہ ۲ نومبر ۱۸۹۴ء کو جلال پور شریف ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔

الہامی نام

ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ کا نام الہامی ہے۔آپ کے دادا احسن الخالقین کے سامنے اپنے بیٹے سیّد مظفر شاہ صاحبؒ کے ہاں اولاد کی دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتے تھے۔جب آپؒ پیدا ہوئے تو آپؒ کو دیکھ کر آپؒ کے دادا قبلہ عالم سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ بہت خوش ہوئے۔خاندان کے تمام افراد کی خوشی بھی

دیدنی تھی اور وابستگانِ درگاہِ عالیہ کی مسرت کا تو کیا کہنا۔ آپ کے دادا سے آپ کا نام رکھنے کے لیے کہا گیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ نام کل تجویز کیا جائے گا۔ چناں چہ رات کو خواب میں آپ کے نامِ مبارک کے ساتھ دو اور ناموں کی بھی بشارت ہوئی۔[۱] ناموں کی ترتیب یوں تھی: فضل شاہ، مہر شاہ، کرم شاہ اور آپ کے والد سیّد مظفر شاہ صاحبؒ نے اسی ترتیب سے اپنے صاحب زادوں کے نام رکھے۔

شجرۂ نسب مبارک

حسب نسب پر فخر کرنا اولیائے اسلام اور مشائخ عظام میں نا روا سمجھا جاتا ہے۔ وہ عظیم اور جلیل القدر ہستیاں کبھی حسب نسب پر فخر نہیں کرتی تھیں بل کہ چند ایک تو ایسی بھی ہیں جو اِس بات کو چھپا کر رکھتی تھیں کہ وہ سادات میں سے ہیں۔ مگر بہ طور مدون اور محقق راقم کے لیے ضروری ہے کہ اگر ممکن اور دستیاب ہو سکے تو ممدوح کا شجرۂ نسب ضرور تحریر کرے۔ اس بنا پر ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ کا شجرۂ مبارک درج کیا جاتا ہے جو اس طرح ہے :

۱۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ......والد
۲۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد
۳۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد
۴۔ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد
۵۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد
۶۔ حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد
۷۔ حضرت امام علی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد
۸۔ حضرت امام نقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد
۹۔ حضرت امام تقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد
۱۰۔ حضرت سیّد امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد
۱۱۔ حضرت سیّد جعفر ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد
۱۲۔ حضرت سیّد احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد
۱۳۔ حضرت سیّد محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد
۱۴۔ حضرت سیّد جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد
۱۵۔ حضرت سیّد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۱۶۔ حضرت سیّد جلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۱۷۔ حضرت سیّد نور الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۱۸۔ حضرت سیّد فضل دین رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۱۹۔ حضرت سیّد محمد دین رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۲۰۔ حضرت سیّد احمد دین رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۲۱۔ حضرت سیّد جلال الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۲۲۔ حضرت سیّد احمد کبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۲۳۔ حضرت سیّد مخدوم جہانیاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۲۴۔ حضرت سیّد کمال الدین شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۲۵۔ حضرت سیّد علم الدین شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۲۶۔ حضرت سیّد رسول شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۲۷۔ حضرت سیّد گلاب شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۲۸۔ حضرت سیّد لکھی شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۲۹۔ حضرت سیّد قائم دین شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۳۰۔ حضرت سیّد سخی شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۳۱۔ حضرت سیّد کاظم شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۳۲۔ حضرت سیّد جمعہ شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۳۳۔ حضرت سیّد غلام حیدر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۳۴۔ حضرت سیّد مظفر علی شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ......والد

۳۵۔ حضرت سیّد محمد فضل شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس طرح حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی ۳۵ ویں پشت میں سیّد محمد فضل شاہؒ (امیر حزب اللہ) متولد ہوئے۔

تعلیم و تربیت

ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ (امیر حزب اللہ) نے حافظ اللہ دین ساکن چک شیر محمد سے قرآن پاک ناظرہ پڑھا۔ حفظ کرنا بھی شروع کیا مگر بیماری کی وجہ سے نہ کر سکے۔ قرآنِ پاک حفظ کروانے کے

لیے علاج معالجہ ہوا۔ مقوی دماغ ادویات استعمال کرائی گئیں۔ مگر شاید قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ آپؒ کلامِ الٰہی حفظ کر سکتے۔ اس لیے آپؒ کو قرآن پاک حفظ کرانے کی کوشش ترک کر دی گئی۔ اہم بات یہ ہے کہ ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ (امیر حزب اللہ) کو عربی زبان پر اتنا عبور تھا کہ سفرِ حجاز کے دوران آپؒ نے عربی زبان میں اونٹوں کے ایک حریص مالک کے سامنے ایسی پُر اثر تقریر کی کہ وہ معافی کا خواستگار ہوا۔[۲] آپؒ نے مولوی محمد عبدالرحیم صاحب ساکن کڑی شریف سے سکندر نامہ تک فارسی اور کتب صرف ونحو اور فقہ میں شرح وقایہ تک عربی پڑھی۔ جب مولوی صاحب نہیں ہوتے تھے تو آپ کے دادا محترم سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ خود آپؒ کی تعلیم کے کفیل ہوتے۔ آپؒ نے منطق، فلسفہ، ادب، عقائد، کلام اور علوم عقلیہ کی تحصیل مولوی فیض الحسن صاحب، مولوی فاضل ساکن بھیں شریف ضلع چکوال سے کی۔ صحاح ستہ، فقہ اور باقی علوم نقلیہ مولوی قادر بخش صاحب ملتانی، حافظ جلال الدین صاحب ساکن کوٹ مومن اور مولوی محمد سعید صاحب سے پڑھے۔[۳] ان تمام علوم کے ساتھ ساتھ آپ کو زبان کے ذیل میں انشا پردازی، بیانیہ، قواعد، الفاظ کی نشست و برخاست اور فصاحت و بلاغت کے تمام پہلوؤں سے نہ صرف واقفیت حاصل تھی بل کہ اُن پر عبور حاصل تھا جس کا بین اور واضح ثبوت کتابِ ہٰذا کے خطباتِ صدارت ہیں۔

آپ کی تربیت آپ کے دادا محترم سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ نے خود کی جو شریعتِ محمدیؐ پر دل وجان سے عامل اور تعلیماتِ اسلامیہ کی زندہ تفسیر تھے۔ محترم سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ کی تربیت کا ہی اثر ہے کہ آپ کو اولیا کرام کی کرامات، عربی، فارسی اور اردو کے مقولے واشعار، آیات واحادیث اور عارفانہ نِکات یاد تھے۔ سفرِ حجاز کے دوران مصر میں مشہور محدث حضرت شیخ بدرالدینؒ سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے سیّد فضل شاہ صاحبؒ کو شیخ الحدیث کی سند عطا کی۔[۴]

خرقۂ خلافت

آپؒ کے والد سیّد مظفر شاہؒ صاحب کی خواہش تھی کہ آپؒ کے دادا سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ آپ کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل فرمائیں۔ اُنھوں نے اپنے والد سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ کو عرض کی تو اُنھوں نے فرمایا کہ میں انھیں بیعت کے لیے سیال شریف لے جاؤں گا لیکن اُنھوں نے اپنے بیٹے اور خلیفۂ درگاہ کی درخواست کو رد نہیں کیا اور بعد از اصرار سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل فرما لیا یعنی بیعت کے مراسم اَدا کیے۔ بعد ازاں سیّد غلام حیدر علی شاہؒ صاحب نے سیال شریف جانے کا ارادہ فرمایا تو اپنے اِس پیارے پوتے کو خرقۂ خلافت عطا فرما کر اپنے ساتھ سیال شریف لے گئے تا کہ آپؒ کی تربیت کو پایۂ تکمیل

تک پہنچانے کے لیے خواجہ شمس الدینؒ سے فیوضاتِ باطنی دلائے جائیں جو سیّد محمد فضل شاہؒ نے اُس درگاہِ مقدس و دربارِ عالیہ سے حاصل کرنے تھے۔ اُس وقت آپؒ کی عمر مبارک ۱۴ سال تھی۔ سیال شریف کا سفر ۲۰ صفر ۱۳۲۶ھ بہ مطابق ۲۴ مارچ ۱۹۰۸ء کو شروع کیا۔ سفرِ ہٰذا کا ظاہری مقصد تو یہ تھا کہ سیّد مظفر علی شاہؒ کے ہاں اولادِ نرینہ نہیں ہو رہی تھی تو اُس وقت سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ نے منت مانگی تھی کہ یا اللہ! اگر میرے فرزند کو اولادِ نرینہ عطا ہو تو مَیں اِسے اپنے ساتھ سیال شریف لے جاؤں گا۔

۲۴ صفر کو سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ کے مرشد پاک خواجہ شمس الدین سیالویؒ کا عرس مبارک تھا۔ اِس لیے سیال شریف میں زائرین بہت بڑی تعداد میں موجود تھے۔ اس حوالے سے نور عالم نے ''نفحات المحبوب''، جو سیّد غلام حیدر علی شاہؒ صاحب کے ملفوظات پر مشتمل فارسی کی کتاب ہے، میں زائرین کی تعداد کے بارے میں یوں کہا ہے: ''مخلوق بہ سبب کثرت چوں آب دریا باز متواصل سی شدند'' (نفحات المحبوب، ص ۲۰۸)

خواجہ محمد دینؒ صاحب سجادہ نشین سیال شریف سیّد غلام حیدر علی شاہؒ صاحب کے استقبال کے لیے خود باہر تشریف لائے۔ خواجہ مہر علی شاہ گولڑہ شریف بھی اِس عرس میں شریک ہونے کے لیے آئے ہوئے تھے، جاتے ہوئے آپ سے دُعائے خیر کے طالب ہوئے اور کہا کہ مَیں نیاز مند ہوں۔

بعد ازاں سیّد غلام حیدر علی شاہؒ صاحب، سیّد محمد فضل شاہؒ صاحب کو لے کر خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے روضۂ اقدس پر حاضری دی۔ روضۂ اقدس میں خلوتِ خاص تھی اور آئینِ محبت و دل نوازی تھا۔ الغرض ۲۴ صفر ۱۳۲۶ھ بہ مطابق ۲۸ مارچ ۱۹۰۸ء کو سیّد محمد فضل شاہؒ صاحب نورانی خلعت سے نوازے گئے۔ اُس وقت آپ کی عمر مبارک ۱۴ سال تھی اور آپ کی ظاہری و باطنی تعلیم مکمل ہو چکی تھی۔

سلسلۂ طریقت شریف

۱۔ سیّد الکونین و رسول الثقلین خاتم النبیّین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
۲۔ مدینۃ العلوم والمطالب امام المشارق والمغارب امیر المومنین و امام الاجمعین حضرت علی ابن طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہٗ
۳۔ حضرت خواجہ ابو النصر حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۔ حضرت خواجہ ابو الفضل عبد الواحد ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵۔ حضرت خواجہ ابو الفیض فضیل ابن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶۔ حضرت خواجہ سلطان ابراہیم ادھم بلخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۔ حضرت خواجہ سدیدالدین حذیفہ مرعشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۸۔ حضرت خواجہ امین الدین ابی ھبیرہ بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۹۔ حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۰۔ حضرت خواجہ ابی اسحاق شامی چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۱۔ حضرت خواجہ ابی احمد بن فرسنافہ چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۲۔ حضرت خواجہ ابی محمد ابن احمد چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۳۔ حضرت خواجہ ناصر الحق والدین ابی یوسف چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۴۔ حضرت خواجہ قطب الحق والدین مودود چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۵۔ حضرت خواجہ مخدوم حاجی شریف زندنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۶۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۷۔ حضرت خواجہ معین الحق والدین حسن سنجری اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۸۔ حضرت خواجہ قطب الحق والدین بختیار اوشی کاکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۹۔ حضرت خواجہ فرید الحق والدین مسعود گنج شکر اجودھنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۰۔ حضرت خواجہ نظام الحق والدین محمد بن احمد بداونی بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۱۔ حضرت خواجہ نصیر الحق والدین محمود چراغ دہلوی اودھی چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۲۔ حضرت خواجہ شیخ کمال الحق والدین المشہور بعلامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۳۔ حضرت خواجہ شیخ سراج الحق والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۴۔ حضرت خواجہ شیخ علم الحق والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۵۔ حضرت خواجہ شیخ محمود بعرف شیخ راجن رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۶۔ حضرت خواجہ شیخ جمال الحق والدین بعرف شیخ جمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۷۔ حضرت خواجہ شیخ حسن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۸۔ حضرت خواجہ شیخ محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۹۔ حضرت خواجہ شیخ یحییٰ مدنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۰۔ حضرت خواجہ شیخ حکیم اللہ جہان آبادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۱۔ حضرت خواجہ شیخ نظام الحق والدین اورنگ آبادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۲۔ حضرت خواجہ شیخ فخر الحق والدین محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۳۔ حضرت خواجہ شیخ نور محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۴۔ حضرت خواجہ شیخ محمد سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۵۔ حضرت خواجہ شیخ شمس الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۶۔ حضرت خواجہ شیخ محمد غلام حیدر علی شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۷۔ حضرت خواجہ شیخ مظفر علی شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۸۔ حضرت خواجہ محمد فضل شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سفرِ حجاز

سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ کو بچپن سے ہی خانہ کعبہ اور روضہ نبویؐ کی دید کا شوق تھا۔ جب آپؒ کی عمر مبارک ۱۹ سال ہوئی تو ایک رات حضور سرورِ کائنات خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی اور مدینہ منورہ حاضری کا حکم ہوا۔ کم عمری اور ناتجربہ کاری کی بنا پر آپؒ کے والد ماجد سیّد مظفر علی شاہ صاحبؒ نے کچھ ردوقدح کے بعد اجازتِ حج بخشی۔ سفرِ حجاز کا اصل محرک یہ خواب ہی بنا۔ چناں چہ آپؒ ۲ شوال ۱۳۳۱ھ بہ مطابق ۴ ستمبر ۱۹۱۳ء کو بہ روز جمعرات گھر سے بیت اللہ شریف کی حاضری کے لیے روانہ ہوئے۔ آپؒ کے ہم راہ دس آدمی تھے جن میں آپ کے استاد اور بھائی بھی شامل تھے۔ آپؒ لاہور اور دہلی کے مقدس مقامات کی زیارت کرتے ہوئے بمبئی پہنچے اور وہاں سے بحری سفر شروع کیا جس نے مصر، بیت المقدس سے ہوتے ہوئے شام (دمشق) تک طول کھینچا اور پھر وہاں سے بہ ذریعہ ریل مدینہ شریف پہنچے۔

مدینہ شریف کے ریلوے اسٹیشن سے روضۂ مبارک خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کوئی ایک میل سے زیادہ تھا۔ ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ فرطِ ادب سے پا پیادہ اسٹیشن سے دربارِ مبارکؐ روانہ ہوئے۔ آپؒ کو سواری کا کہا گیا مگر آپؒ نے فرمایا کہ ایسی مبارک سرزمین پر تو سر اور آنکھوں کے بل چلنا چاہیے کیوں کہ اِس کے نیچے خدا کے حبیب سیّد الکونین خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آرام فرما رہے ہیں جن کے قدومِ میمنت لزوم سے خاکِ یثرب کے سامنے تتار وختن بھی بالکل بے حقیقت ہیں۔ یہاں مجسم ادب بن کر چلنا سعادتِ دارین حاصل کرنا ہے اور چلنے کی قدرت رکھتے ہوئے سٹیشن پر سے گاڑیوں پر سوار ہو جانا سخت بے ادبی اور بدبختی ہے۔ آپؒ بڑے ذوق وشوق سے مدینہ پاک کی گلیوں سے گزرتے ہوئے اپنے موزوں کردہ یہ اشعار پڑھتے جا رہے تھے :

ریاض و ارم کی نہیں قدر کچھ بھی
عجب خوش نما ہے یہ کوئے مدینہ
تمام اہلِ دنیا کے شہروں کی وقعت
نہیں ذرّہ بھر رو بہ روئے مدینہ

مدینہ پاک پہنچ کر سب سے پہلے مکان تلاش کیا۔حرمِ پاک کے قریب ہی ایک مکان کرائے پر مل گیا۔ جہاں عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد روضۂ اقدس خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر شام کے قریب حاضر ہوئے۔اس کے بعد مختلف صحابہ کرامؓ کے مزارات پر سلام عرض کیا۔۱۲ ذیقعد ۱۳۳۱ھ بہ مطابق ۱۳/ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو مکہ شریف پہنچے اور فریضۂ حج ادا کرکے عازمِ وطن ہوئے۔سفرِ حجاز کے تمام واقعات آپؒ نے قسط وار ماہانہ مجلّہ صوفی میں شائع کرائے۔[۵]

والدمکرم سیّد مظفر علی شاہ صاحبؒ کا وصال اور ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ کی مسند نشینی

محبوب سبحانی سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ کے وصال سے آپؒ کے فرزند و خلیفۂ اول اور سجادہ نشین جلال پور شریف سیّد مظفر علی شاہ صاحبؒ کو ناقابلِ برداشت صدمہ پہنچا۔آپؒ کے طریق ہائے عمل میں نمایاں تبدیلی ہوگئی۔دنیا کی بے ثباتی کا ایسا نقش دل نشین ہوا کہ لباس و خوراک یہاں تک کے ہر معاملہ میں بالکل سادگی اختیار کرلی۔دنیاوی مسائل اور کاموں سے خود کو آزاد کرکے ہر وقت یادِ خدا میں منہمک رہنے لگے۔اِس کا نتیجہ یہ نکلا کے آپؒ پر جذب کی ایک خاص حالت پیدا ہوئی اور اپنے وصال سے تین چار سال پہلے تمام تر معاملات اپنے فرزندِ اکبر ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ کے سپرد کردیے۔

اپنے آخری ایام میں آپؒ ارتقائے روحانیت وحصولِ درجاتِ فقر کی مختلف کیفیات کا مرقع بن گئے۔ کبھی تو آپؒ اپنے ہم نشینوں کو بھی نہ پہچان سکتے اور کبھی ایسے معارف و نکاتِ تصوف بیان فرماتے کہ سامعین ان کی قوتِ استقلال سے دنگ رہ جاتے۔ذکرِ قلبی ہر وقت جاری رہتا اور مرض الموت کے ایام میں جب بہ وجہ کم زوری وظائف آپؒ خود نہ پڑھ سکتے تھے تو درویشوں سے پڑھا کر سنا کرتے۔حکما نے ضعفِ اعصاب کی مرض تشخیص کی اور یہی مرض وصال بہ ظاہر سبب نظر آئی مگر حق شناس نگاہوں سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ آپؒ جہاد بالنفس کے شہید ہیں۔ آپؒ کا ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ بہ مطابق ۱۲ فروری ۱۹۱۷ء کو وصال ہوا۔آپؒ جن کو قبلہ ثانی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، کی عمر وصال کے وقت ۵۵ سال تھی۔آپؒ کا مزار شریف محبوب سبحانی سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ کے مزار پاک کی بائیں جانب ہے اور آپؒ کی مرقد کی بائیں جانب آپؒ کے بھائی سیّد

محمد قائم الدین شاہ صاحبؒ کی مرقد ہے۔مولانا عاشق حسین سیماب وارثی اکبرآبادی صاحب نے آپؒ کے وصال پر۱۱۶اشعار پر مشتمل ایک مرثیہ لکھا جس کے شروع کے تین اشعار اور آخری شعر یہاں نقل کیا جاتا ہے :

حال کیا لکھے قلم سیّد مظفر شاہ کا　　دل یہ مستولی ہے غمِ سیّد مظفر شاہ کا
کل تو آپس میں قدم بوسی کے تھے سب کو خیال　　آج ماتم ہے بہم سیّد مظفر شاہ کا
سب پہ ظاہر ہے کہ پردہ ہے سراسر ظاہری　　پردہ کتم عدم سیّد مظفر شاہ کا
دل رہے گا ان کا اے سیمابؔ دائم سوگوار　　جا نہیں سکتا الم سیّد مظفر شاہ کا

والدِ مکرم قبلہ ثانی سیّد مظفر علی شاہ صاحبؒ کے وصال کے اگلے دن ۲۰ ربیع الاوّل ۱۳۳۵ھ بہ مطابق ۱۳ فروری ۱۹۱۷ء کو سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ مسند آرائے خلافت ہوئے اور ابوالبرکات کنیت اختیار فرمائی۔مسند نشینی کے وقت آپؒ کی عمر مبارک ۲۳ سال تھی۔ مارچ ۱۹۱۸ء کے رسالہ صوفی میں سیماب وارثی اکبرآبادی صاحب کی بہ عنوان ''فاضل فضل آشنا سیّد محمد فضل شاہ'' سولہ اشعار پر مبنی ایک نظم چھپی جس کے پہلے چار اشعار اور آخری شعر درج ذیل ہیں :

مایۂ فضل و عطا سیّد محمد فضل شاہ　　آیۂ جود و سخا سیّد محمد فضل شاہ
بزم پیرائے وفا سیّد محمد فضل شاہ　　مسند آرائی ولا سیّد محمد فضل شاہ
مائل صدق و صفا سیّد محمد فضل شاہ　　حامل حلم و حیا سیّد محمد فضل شاہ
عاملِ با صد عمل ہیں کامل و دانائے فن　　فاضل فضل آشنا سیّد محمد فضل شاہ
غائبانہ سُن کے یہ سیمابؔ اوصاف آپ کے　　معتقد ہے آپ کا سیّد محمد فضل شاہ

ایک اور موقع پر سیماب اکبرآبادی اِن الفاظ میں رطب اللسان ہیں :

تابود یارب بہ اوج چرخ نقش مہر و ماہ
با درخشاں نیرِ فیضاں سیّد فضل شاہ
آں ابوالبرکات حاجی سیّد عالی نسب
یادگارِ شانِ حیدرؓ، مظہرِ نور اِلٰہ

مسند نشینی اصل میں تاج پوشی کے مترادف ہے۔ایک وسیع سلطنت آپؒ کے حوالے کر دی گئی تھی جس کو بہ خیر و بہ خوبی قائم رکھنا اور اُسے فروغ دینا آپؒ کا فرض تھا۔ یہ تمام ذمہ داریاں آپؒ جیسے حساس انسان کے لیے اضطرابِ قلب کا باعث تھیں اور آپ چاہتے تھے کہ آپ اپنے بے مثال و بے نظیر باپ دادا کی شان دار روایات کو برقرار رکھیں حالاں کہ اپنے والدِ مکرم کی زندگی کے آخری سالوں میں عملی طور پر سارا انتظام آپؒ کے

ہاتھ میں ہی تھا۔ آپؒ کے مطابق اللہ کی عبادت، آپ خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفقت، سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحب اور سیّد مظفر علی شاہ کی روحانی امداد کی وجہ سے ذمہ داریوں کے بارِ گراں، معاملات دینی و دنیاوی کے انصرام، برادران طریقت وارباب تصوف سے ہمدردی اور تبادلۂ خیالات، خانگی تعلقات کی وابستگی اور استحکام، غرض اِس طرح کے بیسیوں امور سے عہدہ برآ ہوئے۔

ادبی زندگی کا آغاز

ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہؒ کی عمر مبارک جب ۱۴ برس ہوئی تو آپ کی ظاہری اور باطنی تعلیم مکمل ہو چکی تھی۔ دو سال قبل صوفی محمد الدین جن کا اصل وطن مہوٹہ کلاں ضلع گجرات تھا۔ بعد میں منڈی بہاؤ الدین میں سکونت اختیار کی تھی، نے محبوب سبحانی سیّد غلام حیدر علی شاہؒ کے ہاتھ بیعت کی تھی۔ اسی نے اپنے مرشد سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ (۶ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ) کی یاد میں ایک رسالہ صوفی کا اجرا کیا۔ اس رسالے میں اس دور کے نام ور شعرا کی نظمیں شائع ہوئیں۔ اولیائے کرام کے تذکرے ہوتے۔ اسلامی تاریخ کے مختلف واقعات کا بیان ہوتا۔ علاوہ ازیں محبوب سبحانی خواجہ سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ کی سیرت پاک کا تذکرہ اس عمدگی اور موثر انداز میں کرتے تھے کہ اسلامی تعلیمات کا نچوڑ سامنے آجاتا۔ معارف وتعلیمات قرآنی کی تعبیر نگاہوں کے سامنے پھر جاتی۔ ان خصوصیات کی بنا پر رسالہ صوفی بہت جلد ہندُستان کے تمام رسالوں سے زیادہ مقبول ہو گیا۔

ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز رسالہ ہذا میں مضامین شائع کرانے سے شروع کیا۔ راقم نے جو مضامین دریافت کیے ہیں ان کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے۔ ان مضامین میں سے آپؒ کا پہلا مضمون مئی ۱۹۱۰ء میں بہ عنوان ''بے ثباتی عالم'' اس وقت شائع ہوا جب آپؒ کی عمر مبارک محض ۱۶ سال تھی۔ یہ مضمون جس کی ابتدا شیخ سعدیؒ کے اس شعر سے ہوتی ہے :

ثباتی ندارد جہاں اے پسر
بہ غفلت مبر عمر دروے بسر

آپؒ کے تبحر اور استدلالی صلاحیت کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ آپؒ نے اپنے اس اولیں مضمون میں دنیا کے فانی ہونے اور اس کی بے ثباتی کو ظاہر کرنے کے لیے ۵ قرآنی آیات، ۱۱۲ احادیث، ۹ فارسی اشعار، ایک عربی شعر، ایک اردو شعر اور ۵ ضرب الامثال سے استدلال کیا ہے۔ بے ثباتی دنیا جیسی پرانی بات کو اس نئے ڈھنگ سے بیان کیا ہے کہ اس کا کہنہ پن جدت میں تبدیل ہو گیا۔ مضمون ہذا میں اس بات پر بھی زور دیا

گیا ہے کہ تارک الدنیا نہیں ہونا بل کہ اسی عالم میں رہ کر دنیاوی معاملات کو دین کے مطابق سرانجام دے کر دنیاوی کامیابی اور اُخروی سرخروی حاصل کرنا ہے۔ مزید برآں محض ڈرا کے نصیحت نہیں کی بل کہ مسائل کے متوقع حل بھی تجویز کیے ہیں۔ اس مضمون کا اختتام اس ضرب المثل مصرع پر ہوتا ہے کہ ناصح کا کام نصیحت کرنا ہے اس نصیحت پر عمل کرنا پڑھنے یا سننے والوں پر موقوف ہے۔

آپؒ کا دوسرا مضمون اگلے ماہ ہی یعنی جون ۱۹۱۰ء کو اسی مجلّہ صوفی میں شائع ہوا جس کا عنوان ''عشق'' تھا۔ اس مضمون کی ابتدا عربی کی ضرب المثل سے ہوئی جس کا مفہوم ہے کہ عشق ایک ایسی سخت آگ ہے جو اللہ کریم کے سوا سب چیزوں کو جلا دیتی ہے۔ مضمون ہذا میں آپؒ نے سابقہ مضمون کے برعکس اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے مختلف انداز اختیار کیا ہے۔ پہلے عشق مجازی کو مختلف مثالوں سے ثابت کیا اور پھر عشق حقیقی کی اقسام بیان کرتے ہوئے اس کے بارے میں بھی مختلف واقعات پیش کیے جب کہ سابقہ مضمون میں واقعات سے استدلال نہیں کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں عشق مجازی و عشق حقیقی کی پیش کردہ وضاحت کو پختگی اور سند عطا کرنے کے لیے آپؒ قرآن وحدیث، عربی، فارسی اور اردو اشعار کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی کی ضرب الامثال کو بھی استعمال میں لائے ہیں۔ یوں یہ مضمون عشق مجازی اور عشقِ حقیقی کی وضاحت اور ان کے مابین اشتراکات وافتراکات کا جامع ومانع اور مستند بیان ہے۔ اسی رسالے میں آپؒ کا ایک اور مضمون بہ عنوان 'ذکر حبیب' بھی چھپا۔

درج بالا دونوں مضامین میں بھی آپؒ بہ طور ادیب وانشا پرداز ظاہر ہوتے ہیں مگر راقم کا دستیاب شدہ اگلا مضمون جو کہ دسمبر ۱۹۱۰ء کو ''شانِ محمدی'' کے عنوان کے تحت شائع ہوا تھا، آپؒ کے ادیب وانشا پرداز ہونے کو سند عطا کرتا ہے۔ آپؒ کی اس تحریر کو انشا پردازی کی کسی بھی سطح پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس مضمون میں ابتدائی دو سطریں ہی قاری کو اس طرح اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں کہ قاری اس کے طلسم میں گرفتار ہو کر آخر تک پڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اسی مضمون کے آخر میں آپؒ نے خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں اپنے اشعار بھی درج کیے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ شاعری بھی کرتے تھے۔ ابتدائی دور کی سطور ملاحظہ ہوں:

ناظرین والاتمکین! مَیں کیا اور میری بساط کیا کہ شان محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شایانِ شان الفاظ تحریر کر سکوں مگر برگِ سبز است، تحفہِ درویش پر غور کر کے چند سطریں صفحہ قرطاس پر ڈرتے ڈرتے لکھتا ہوں کہ کہیں کوئی غلطی بہ حکم الانسان مرکب عن الخطا والنسیان واقع نہ ہو جائے۔

اس سے اگلا مضمون بہ عنوان ''عبادت'' اپریل ۱۹۱۱ء کو شائع ہوا جس میں آپؒ نے یہ ثابت کیا

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا و مافیہا کو انسان کے لیے تخلیق کیا جب کہ انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔ اسی مضمون میں آپؒ نے یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچا دی کہ جو انسان عبادتِ الٰہی سے غافل ہے وہ انسان کہلانے کا حق دار ہی نہیں۔ علاوہ ازیں ارکانِ اسلام کی وضاحت مختلف آیات و احادیث سے کی ہے اور اسلام کو برگزیدہ و برچیدہ مذہب قرار دیا۔

''عالم کے تغیرات کا عظیم الشان انقلاب'' سے معنون مضمون جون ۱۹۱۱ء کو شائع ہوا۔ اس مضمون میں تغیراتِ عالم پر مجملاً بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ کائنات اور اس میں موجود تمام اشیا غرض کہ انسان بھی مسلسل تبدیلی کے عمل سے گزر رہا ہے۔ آخر میں کاہلی اور سستی سے پرہیز کرتے ہوئے راغب الی اللہ ہونے کی نصیحت کرتے ہوئے تغیر زمانہ پر شیخ سعدی کے چند اشعار حوالے کے طور پر دے کر اپنے بھی چند اشعار پیش کیے ہیں جب کہ مضمون کا اختتام اس ضرب المثل مصرع پر کیا ہے کہ عقل مند کو سمجھانے کے لیے ایک حرف کافی ہوتا ہے۔

بعدازاں اگست ۱۹۱۱ء کو شائع ہونے والا مضمون ''اطمینانِ قلب'' ہے۔ یہ مضمون قرآنی آیات اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ سے شروع ہوتا ہے اور پورے مضمون میں اطمینانِ قلب کا ذریعہ اللہ کی یاد اور اس کا مسلسل ذکر بتایا گیا ہے۔ فروری ۱۹۱۲ء میں شائع ہونے والا مضمون ''خلوت'' مضمون سے زیادہ خود کلامی ہے یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ خود کلامی کے انداز میں یہ مضمون تخلیق کیا گیا تھا۔ مصنف تغیراتِ عالم سے پریشان ہو کر خوشی و سکون ڈھونڈنے نکلتا ہے اور پوری دنیا کا چکر لگا کر ایک زاہد سے نصیحت پاتا ہے کہ سکون اور سچی خوشی کے لیے دنیا کو طلاق دے کر اللہ کی محبت اور اس کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔ مضمون ہذا میں پہلی بار ایک پنجابی شعر کو بہ طور حوالہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے بعد والا مضمون جس کا عنوان ''مسلمانوں کے تنزل و انحطاط کے اسباب اور ان کا سدباب'' ہے، مئی ۱۹۱۲ء کو شائع ہوا۔ اس مضمون میں مسلمانوں کی تنزلی و انحطاط پر تنقید کرتے ہوئے مغربی تعلیم و تہذیب کی نفی کی گئی ہے اور مسلمان رہ نماؤں کو خاص طور پر نشانہ ملامت بنایا گیا ہے جو مغربی تہذیب و تمدن کے دلدادہ تھے۔ نیز مسلمانوں کے انحطاط کی وجوہات بتا کر ان کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ آخر میں خدا سے دعا کی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں میں احساس پیدا کرے تاکہ مسلمان دنیا میں کامیاب ہو سکیں۔ دسمبر ۱۹۱۲ء میں ''مسلمانوں کی فریاد حضور نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں'' کے عنوان کے تحت مسلمانوں کی زبوں حالی کی فریاد بارگاہِ خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کر کے اعانت و استمداد کی درخواست کی گئی ہے۔

''اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ'' سے معنون مضمون فروری ۱۹۱۳ء میں شائع ہوا۔ اس مضمون

کی ابتدا مولانا ظفر علی خان کے شعر سے کر کے واضح کیا گیا ہے کہ اسلام ہی سچا دین ہے اور اس کی صداقت کا معیار قرآن پاک ہے۔ اس میں قبل از اسلام عرب کے حالات اور اسلام کی بدولت ان میں ہونے والی تبدیلیوں کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اسی مضمون میں ہی ہرقل اعظم اور ابوسفیان کے مابین گفت گو بھی حوالے کے طور پر دی گئی ہے اور اس نامہ مبارک خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متن بھی پیش کیا گیا ہے جو آپ خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرقل کو تحریر فرمایا تھا۔ اس کے بعد مضمون بہ عنوان ''اسلام کی کہانی اسی کی زبانی'' میں آپؒ نے واحد متکلم کے صیغہ کو استعمال کیا ہے اور اسلام کے عروج و زوال کی کہانی اسی کی زبان سے سنائی ہے۔ مضمون ہذا سے بھی مسلمان کے لیے تازیانہ عبرت کا کام لیا گیا ہے تا کہ مسلمان عظمتِ رفتہ کو یاد کر کے اپنے حالات ومعاملات سدھارنے کی سعی کریں۔

''خوش رہو اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں'' سفرِ حجاز کا پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ یہ مضمون اگست ۱۹۱۳ء کو شائع ہوا تھا۔ اسی مجلّہ میں آپؒ کا ایک اور مضمون بہ عنوان ''اللہ کا دیدار'' بھی شائع ہوا۔ مضمون مذکورہ میں ذاتِ باری تعالیٰ پر بحث اور مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے عقائد پر مختصراً بات کی گئی ہے۔ اس سے اگلا مضمون ''سفرنامہ حجاز'' سے معنون ہے اور اس میں آپؒ نے سفرِ حجاز کے دوران مصر وشام کے سفر کے حالات وواقعات بیان کیے ہیں۔ اسی سفرنامے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ کو حضرت بدرالدین (مشہور محدث کے دارالحدیث جو جامع اموی کے قریب ہے) کی طرف سے شیخ الحدیث کی سند عطا کی گئی۔

''درس محبت'' کے عنوان کے تحت لکھا گیا یہ مضمون انجمن حنیفہ جہلم کے سالانہ جلسہ میں پڑھا گیا اور اسے ملک محمد الدین ایڈیٹر صوفی، منڈی بہاؤالدین ضلع گجرات نے باہتمام حافظ مظفر الدین اسلامیہ پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم بھی کروایا۔ اس میں مسلمانیت کا معیار اور ارکانِ اسلام کی وضاحت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو ارکان مذکورہ کا عامل بننے کی دعوت بھی دی گئی ہے۔ اس مضمون کا وسطی حصہ مجلّہ صوفی میں اکتوبر ۱۹۱۸ء کو شائع بھی ہوا تھا۔ آخری مضمون جو راقم کو دستیاب ہوا ہے وہ فروری ۱۹۱۹ء کا بہ عنوان ''ذکر حبیب'' ہے۔ اس میں آپؒ اپنے دادا اعلا حضرت محترم جناب سیّد غلام حیدر علی شاہؒ کے اخلاق وفضائل پر رطب اللساں ہیں۔ مضمون ہذا بھی آپؒ کی انشاپردازی اور زبان دانی کا منھ بولتا ثبوت ہے۔

آپ کے کتب خانہ میں عبدالحلیم شرر کے رسالہ ''دلگداز'' اور ابوالکلام آزاد کے اخبار ''الہلال'' کے پرچے محفوظ تھے۔ علاوہ ازیں ہفتہ وار اور ماہانہ رسائل مثلاً پیغام، اصلاح، معارف خطیب (دہلی)، تصوف واسرارِ تصوف (لاہور)، الفیض (امرتسر) وغیرہ کے تمام پرچے موجود تھے۔ آپؒ روزانہ اخبارات کا مطالعہ فرماتے تھے۔ اس لیے نہ صرف یہ کہ آپ حالاتِ حاضرہ سے پوری طرح واقف تھے بل کہ جدید اُردو

کا مطالعہ کر کے اپنی عربی فارسی کی تعلیم کا فائدہ اٹھا کر ایک خاص اندازِ تحریر اپنا رہے تھے۔ جس میں نام ور ادیبوں کے اسالیب کے اثرات نظر آتے ہیں۔ جو بعد میں جداگانہ اسلوب سے متعصف ہوگئی۔ علاوہ ازیں جلال پور شریف سے چند میل کے فاصلے پر قصبہ ڈنگہ میں ایک مورخِ اسلام صوفی کرم الٰہی صاحب تھے۔ جو اسلامیہ سکول راول پنڈی میں مدرس تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کی عظمت اور شان دار کارناموں پر مشتمل تاریخ اسلام لکھی نیز خالد بن ولید کے عنوان سے ایک اور کتاب تصنیف کی۔ یہ دونوں کتابیں بھی آپؒ کے کتب خانہ میں تھیں۔

مسند نشینی کے بعد قریباً ایک سال تک مضمون نویسی کا سلسلہ متروک رہا۔ اس دوران آپؒ نے ملک محمد الدین مدیر رسالہ صوفی کے اصرار پر کتاب 'سیدۃ الزھرا'' کا مقدمہ لکھا جس میں متعدد مشہور شعرا مثلاً علامہ اقبال، شبلی نعمانی، سیماب وارثی، خلیق دہلوی کی نظمیں شامل تھیں۔ اگست ۱۹۱۸ء میں جہلم کی انجمن حنیفہ نے ایک تبلیغی جلسہ منعقد کیا اور آپؒ کو بھی دعوت دی۔ آپؒ چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر وہاں جا تو نہ سکے مگر 'درسِ محبت' کے عنوان سے ایک خطبہ قلم بند کر کے وہاں بھجوا دیا۔ یہ آپؒ کا پہلا خطبہ مبارک تھا جو ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۱۸ء کے رسالہ 'صوفی' میں قسط وار چھپتا رہا۔

آپؒ کی ادبی زندگی کا ایک شاہ کار نمونہ وہ ''مقدمتہ الکتاب'' ہے جو آپؒ نے اپنے دادا محترم محبوب سبحانی خواجہ سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ کے حالات و واقعات اور ملفوظات پر مبنی کتاب 'ذکر حبیب' کے لیے تحریر فرمایا تھا۔ یہ مقدمہ ۱۵ محرم ۱۳۴۲ھ بہ مطابق ۲۷ اگست ۱۹۲۳ء کو مکمل ہوا۔ اس مقدمے کی ابتدا ان الفاظ سے فرماتے ہیں :

> ''اصحابِ نظر و اربابِ بصیرت جانتے ہیں کہ عالمِ کائنات کی ہر شے اپنی ظاہری صورت اور تمثال کے علاوہ اپنے وجود میں چند حقائق مستورہ و رموزِ مکنونہ بھی رکھتی ہے بالفاظِ دیگر اس کے ظاہری مظاہر کے علاوہ اس کا ایک باطن بھی ہے اور اُس کے شہود کے سوا اُس کا، خفا بھی خود اُسی کے ضمن میں مرکوز و مستتر ہے۔''

اِس مقدمہ کی ان الفاظ میں ابتدا کر کے آپؒ کائنات کی مختلف اشیا اور اُن کے کاموں کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر علت غائی کے مطابق حق تعالٰی کا وجود ثابت کرتے ہیں اور انسان کے اندر عالم کبریٰ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو شخص اپنی ہستی کا پتہ لگائے، اپنی حقیقت اُس پر آشکار ہو جائے تو پھر خدائے لایزال اور اس کی تمام مخلوق کا راز اس پر مخفی نہیں رہ سکتا۔ یوں مسائل و نِکات تصوف بیان کرنے کے بعد شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطابق زندگی گزارنے کی تلقین مختلف اشعار، ضرب المثال، آیۂ و احادیث سے کرتے

ہیں اور آپ خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان اور محاسن بیان کرتے ہیں۔ بعدازاں اپنے دادا محبوب سبحانی خواجہ سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ کے شریعت محمدیؐ پر عمل پیرا ہونے اور آپؒ کا اپنے مرشد خواجہ شمس الدین سیالویؒ کی محبت کا بیان ہے۔ نیز اپنے دادا کے اخلاق و عمل کو بیان کیا ہے اور کتاب ''ذکرِ حبیب'' پر تبصرہ کیا ہے کہ ملفوظات اور کرامات کم ہیں جب کہ حالات بھی شرح و بسط سے تحریر نہیں کیے جا سکے۔ آخر میں دُعا کے ساتھ مقدمے کا اختتام کیا ہے۔

اُس زمانے میں مسلمانوں کی حالت بہت نازک تھی۔ وہ صرف انگریزوں کے غلام نہیں تھے بل کہ انگریزوں نے ہندوؤں کو بھی ان پر مسلط کر دیا تھا۔ مسلمانوں کو تجارت اور کاروبار سے بالکل محروم کر دیا گیا تھا۔ اُن سے اُن کی زمینیں چھین لی گئی تھیں۔ مسلمانوں کو سرکاری ملازمتیں نہیں ملتی تھیں۔ اُن پر ایسا نظامِ تعلیم مسلط کر دیا گیا تھا جو ان کی روایات اور تعلیمات کے خلاف تھا۔ ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ بچپن سے ہی ان حالات پر غور فرماتے رہے تھے۔ پھر سفرِ حجاز میں بھی مسلمانوں کا عروج و زوال ہی آپؒ کا موضوعِ فکر رہا۔ دوسروں کے خیال کے مطابق مسلمانوں کی ترقی کے لیے سائنس، فلسفہ، ریاضی، طبیعیات، صنعت وحرفت وغیرہ کا علم ضروری تھا جب کہ بعض کے خیال میں یورپ کی کورانہ تقلید ہی مسلمانوں کو ذلت کے گڑھے سے نکال سکتی ہے مگر آپؒ نے اپنے اولین خطبہ ''درسِ محبت'' میں یوں فرمایا:

> ''بامِ ترقی کا زینہ، اوجِ ارتقا کی سیڑھی اور شاہدِ مقصود سے ہم کنار ہونے کا ذریعہ اسلامی نقطۂ نظر سے صرف خدا، اس کے رسول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اعلائے کلمۃ اللہ سے محبت ہے۔''

آپؒ نے مسلمانوں کو ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی :

> ''یاد رکھو! اور دل سے یاد رکھو! کہ اگر تمھارے امراض واسقام کے لیے کوئی نسخہ مفید ہو سکتا ہے، تمھارے آلام و ہموم کے لیے کوئی شئے تسلی بخش ہو سکتی ہے اور تمھارے دردِ دل اور سوزِ جگر کے لیے کوئی مرہم کارگر ہو سکتی ہے تو قرآن کی تعلیم پر عمل پیرا ہونا، نبی اُمی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان کو آویزۂ گوش بنانا اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر جان کو وقف کر دینا ہے۔''

کتابِ ہذا میں موجود تمام خطبات کا موضوع بھی یہی ہے کہ اللہ کی محبت سے دل معمور ہونا چاہیے۔ آپ خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت دل و دماغ میں رچ بس جانی چاہیے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہر وقت جان و مال سے تیار رہنا چاہیے۔ ملتِ اسلامیہ کی خراب حالت پر آپؒ دن رات کڑھتے

رہتے تھے۔ آپؒ کے درد و سوز کو دیکھ کر آخر اللہ تعالیٰ نے آپؒ کی رہ نمائی فرمائی اور آپ کو ایسا جامع، تیر بہ ہدف اور مجرب نسخہ مل گیا جس کے استعمال سے اُمتِ مسلمہ کے تمام مسائل حل ہو سکتے تھے اور وہ تمام متعدی اور مہلک امراض سے نجات پا سکتی تھی اور وہ نسخہ ''تحریک حزب اللہ'' ہے جس نے آنے والے ۴۰ سالوں میں مسلمانوں کی علمی، دینی، سماجی اور سب سے بڑھ کر سیاسی حالت میں انقلاب برپا کر دیا۔

تحریک حزب اللہ کا اجرا

انسان فطرتاً تغیر پسند ہے اس لیے وہ لمبے عرصے تک یکسانیت قبول نہیں کرتا اور معاشرے میں تبدیلی کا خواہاں رہتا ہے۔ اس تغیر و تبدل کا محرک جب ایک شخص سے بڑھ کر عوام میں پھیل جائے اور وہ اُس کی پیروی میں چلنے لگے تو ایک نئی تحریک کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ کسی بھی تحریک کو مختلف ادوار میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کے مطابق یہ ادوار چار ہیں۔ پہلا دور تحریک کے اساسی تصور کی نمو کا دور ہوتا ہے، دوسرا ہمدردانہ جذبے کے فروغ کا دور ہے، تیسرا تقلید، پیروی اور فروغِ نظریات کا دور جب کہ چوتھا دور اُس تحریک کے زوال کا دور ہوتا ہے۔[۶]

اب مذکورہ تحریک یعنی تحریک حزب اللہ کا جائزہ لیا جائے تو اُس کے بانی سید محمد فضل شاہ صاحبؒ کے ذہن میں تحریک کا واضح نظریہ مرتب ہوا۔ اس زمانے میں بیرونِ ہند، اسلامی ممالک مثلاً ایران، مصر اور ترکی میں سیّد جمال الدین افغانیؒ کی جاری کردہ قومی تحریکیں زور پکڑ رہی تھیں اور اُن کی صدا برِ صغیر میں بھی سنائی دینے لگی تھی۔ خطبات کے مطابق بہ حکم الٰہی اور اُس زمانے کی ضرورتوں اور تقاضوں کو قرآن پاک کی سورۃ المائدہ ۵: ۵۶ سے اخذ کیا۔ اس تحریک کے ذریعے آپؒ نے مسلمانوں کو اللہ کی دنیا میں رہتے ہوئے حقیقی معنوں میں اُس کی رعایا بننے کا درس دینا چاہتے تھے اور اُن کی معاشی، معاشرتی، سیاسی، سماجی، ذہنی اور مذہبی تربیت بھی کرنا چاہتے تھے۔ آپؒ چاہتے تھے کہ ان مسلمانوں میں بھی قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں جیسی محبت الٰہی پیدا کی جائے اور زمانہ جہالیت کی طرح کی نااتفاقی، فرقہ بندی اور بدنظمی کو دور کیا جائے۔ نیز مسلمانوں کی اُس تہذیب و تمدن اور معاشرت کو دوبارہ زندہ کیا جائے جو نیست و نابود ہو چکی تھی۔

ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ نے ۵/۶ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ بہ مطابق ۲۹/۳۰ نومبر ۱۹۲۷ء کو اپنے دادا سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ کے سالانہ عرس مبارک پر ایک طویل تقریر کی جسے حزب اللہ کا افتتاحی خطبہ کہا جا سکتا ہے۔ اس تقریر کے خاتمے پر دس ہزار سامعین و حاضرین میں سے قریباً پانچ ہزار نے رکنیت قبول کرنے کا ارادہ کیا مگر آپ نے انھیں سوچنے کا وقت دیا۔ دوسرے ہی دن خدائی فوج (رضا کاران حزب اللہ)

کی بھرتی شروع ہوئی اوراڑھائی سولوگوں نے اپنا نام لکھوایا۔اس کے بعد آپ نے اعلان فرمایا کہ تحریک حزب اللہ کے اغراض ومقاصد کے لیے آپ ایک دورہ کریں گے جس میں آپ نے ترکِ نذر وضیافت کا اعلان بھی کیا۔ایامِ عرس شریف کے بعد بھی بھرتی کا کام جاری رہا اور دورے کے آغاز تک چھ سو رضا کار تحریک حزب اللہ میں اپنا نام لکھوا چکے تھے۔

تحریک کے لیے لٹریچر کے طور پر ایک کتاب بہ نام ''حزب اللہ'' تصنیف فرمائی جو معنی اور مطالب کے لحاظ سے احیائے اسلام کے لیے رہ بر کا کام سرانجام دے سکتی تھی۔اُس میں سے ایک اقتباس درج ذیل ہے:

> خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نہ تلوار تھی نہ بندوق، نہ توپ تھی نہ تفنگ، نہ ہوائی جہاز تھے نہ ڈریڈ ناٹ، نہ متحرک فولادی قلعے تھے نہ مشین گنیں، بس ایک ہی حربہ تھا ایک ہی ہتھیار تھا، ایک ہی اوزار تھا جس کے استعمال سے مخالفین کی تمام ہمتیں شکست کھا گئیں، تمام حوصلے پست ہو گئے اور مغلوب ومفتوح ہو کر اُنھوں نے اپنے تمام آلاتِ حرب اس فاتح اعظم کے مبارک قدموں میں ڈال دیے۔اِس ہتھیار کا نام عملی حیات ہے اور اوزار کا نام عملی نمونہ۔

اس کتاب کا انداز خطیبانہ ہے جس میں قرآن وحدیث کے مطالب کی تصریح وتشریح، تاریخ، سائنس، تمدن اور عمرانیات کے اُصولوں پر کی گئی تھی۔بعدازاں اُسی کتاب کا خلاصہ اور نچوڑ ایک رسالہ حزب اللہ کے نام سے لکھا اور شائع کروایا جس میں تحریک حزب اللہ کے اغراض ومقاصد اور اس کے قواعد وضوابط سادہ الفاظ میں بیان کیے تاکہ عام انسان بھی باآسانی سمجھ سکے۔یہ رسالہ ۵ بار شائع ہوا۔جس کی ایک کاپی ضمیمہ جات میں شامل ہے۔

آپ کا پہلا دورہ ۲ شوال تا ۲ ذیقعد ۱۳۴۶ھ ۲۹ مقامات کا تھا۔پہلے سال کے دوران مرکزی مجلس منتظمہ قائم کرنے کے علاوہ ۱۷ مقام پر ایسی مجالس قائم ہوگئیں۔مرکزی مجلس جوجلال پور شریف میں تھی اُس کا کام منشی محمد عالم کے سپرد کیا گیا۔اس مبارک تحریک کا پُر جوش خیر مقدم کیا گیا اور ہندستان کے ہر حصے سے اس کی تعریف وتوصیف کی گئی۔کچھ لوگوں نے ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ (امیر حزب اللہ) کو تعریف اور ہمت افزائی کے خطوط بھی لکھے۔مسلمان اخبارات میں سے زمیندار، سیاست اور انقلاب نے حوصلہ پرور تبصرے شائع کیے۔ہندو اخبارات بندے ماترم اور ٹربیون میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔

اگلے سال آپؒ نے ایک ماہ آٹھ روز کا پھر دورہ فرمایا تو انقلاب اور سیاست میں مکمل دورے کی تفصیلات پہلے صفحے پر شائع ہوئیں جس کے عنوانات تھے ''تحریکِ حزب اللہ روز بہ روز کامیاب ہو رہی ہے''

اور ''یدخلون فی دین اللہ کے روح پرور مناظر''۔ درج بالا روز نامہ اخبارات کے علاوہ ہفتہ وار اخبارات ترجمان (گجرات)، اصلاح (باغ بان پورہ) اور تازیانہ (لاہور) کے علاوہ پندرہ روزہ اخبار نیر اسلام (جہلم) بھی اس سلسلے میں پیش پیش رہے۔ راقم نے یہ معلومات کتاب امیر حزب اللہ سے حاصل کی ہیں۔ اُس زمانے کے مختلف اخبارات اور اُس میں موجود مواد پر تحقیق و تدوین خاصا طویل اور دقت طلب کام ہے۔ ہوسکتا ہے آئندہ آنے والے زمانہ میں راقم یا کوئی اور اہلِ دل و نظر اِس کام کو سرانجام دے دے۔

ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ کے سالانہ دورے

سالانہ دوروں کی بنیادی حیثیت اپنی جگہ مسلم ہے کیوں کہ انسان بھول جانا سرشت میں لے کر آیا ہے۔ پہلے یہ دورے فروری اور مارچ کے مہینوں میں ہوا کرتے تھے جو بعد عرش مبارک کی تقاریب کی وجہ سے اکتوبر نومبر میں ہونے لگے۔ بعد ازاں خزاں اور بہار دو قسطوں میں دورہ شروع کیا گیا۔ اراکینِ مجلس شوریٰ حزب اللہ کی طرف سے دورے کا لائحہ عمل ایک بڑے کاغذ پر چھپوایا جانے لگا۔ اُس پر جلی حروف میں درج ہوتا تھا ''خدائی فوج میں بھرتی ہو جاؤ'' او پر کونوں اور پیشانی پر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم اور فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْن درج ہوتا تھا۔ جلی حروف کے نیچے مسلمانوں کو ان الفاظ میں مخاطب کیا جاتا تھا کہ اگر عزت کی زندگی مطلوب ہے اور دوسری قوموں کے مقابلے میں پیچھے نہیں رہنا چاہتے تو حزب اللہ میں شامل ہو جاؤ۔ اس کے نیچے ایک سطر میں اس جماعت کے اغراض و مقاصد اور کارناموں کا ذکر ہوتا اور بتایا جاتا کہ عالی جناب تقدس مآب، حامیٔ شریعت و قامع بدعت، واقف اسرارِ حقیقت و ماہرِ رموزِ معرفت، آیۃ من آیات اللہ جناب ابوالبرکات سیّدنا و مولانا الحاج حضرت محمد فضل شاہ صاحبؒ سجادہ نشین جلال پور شریف امیرِ حزب اللہ نے مامور من اللہ ہو کر اور خدائے قیوم و قدوس کے خاص امر اور حکم کے ماتحت اس جماعت کی تشکیل مسلمانوں کی اصلاح و تنظیم کے لیے کی ہے۔ نیچے کاغذ کے تین حصے کر کے دورہ کا تفصیلی پروگرام درج کیا جاتا تھا۔ ہر حصے میں انگریزی، قمری اور ہندی تاریخیں درج ہوتی تھیں۔ دنوں کے نام ہوتے تھے۔ مقام اور تحصیل کے نام دیے جاتے تھے اور خانۂ کیفیت میں مواعظ حسنہ اور شب باشی کے متعلق تفصیل موجود ہوتی تھی۔ اس طرح عام سے عام انسان بھی دورے کی تاریخ اور مقام سے آگاہ ہو جاتا تھا۔ یہ سلسلہ آخر تک قائم رہا۔

مقام دورہ پر لوگ انبوہ در انبوہ موجود ہوتے تھے۔ جوں ہی آپؒ کی پالکی یا سواری پر نظر پڑتی، ''امیر حزب اللہ زندہ باد''، ''خدائی فوج زندہ باد'' اور ''اللہ اکبر'' کے نعرے بلند ہو جاتے تھے۔ حاضرین مل کر حزب اللہ

کی منظوم تعلیمات پنجابی زبان میں پڑھتے تھے۔ یوں پنجابی زبان میں اصلاحی نظموں کا ایک ذخیرہ جمع ہو گیا جس میں سے ایک نظم مطبوعہ شکل میں راقم کو ملی جو ضمیمہ جات میں شامل کر دی گئی ہے۔

بعد ازاں رضا کاران اور دوسرے لوگ قدم بوسی کرتے، لوگوں کا آپؒ کو اپنے گھر بلانے کا تقاضا ہوتا جو آپؒ اپنی فطرتِ کریم کی وجہ سے رد نہیں فرماتے تھے مگر نذر نیاز اور کھانے پینے کے انتظامات سے منع فرما دیتے تھے۔ اس کے بعد لوگ جلسہ گاہ کی طرف روانہ ہوتے جہاں وسعتِ جگہ کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ کہیں سائباں تو کہیں درختوں کے سائے تلے یا پھر آسمان کی نیلی چھت کے نیچے جلسہ منعقد ہوتا تھا۔ آپؒ کے لیے ایک چبوترہ سا بنا دیا جاتا جو سٹیج کا کام دیتا۔ وہاں جلوہ افروز ہو کر آپؒ نہایت مؤثر اور دلوں کو گداز کرنے والی فصاحت و بلاغت سے بھرپور بے نظیر و بے مثال خطاب فرماتے جس میں مسلمانوں کا شان دار ماضی، افسوس ناک حال اور اُمید افزا مستقبل کا بیان ہوتا۔ آپؒ نے سالہا سال ایک ہی مقصد اور ایک ہی نظریے کو لے کر شمال مغربی ہندستان کے طول و عرض میں لوگوں میں اسلام کی حقیقی روح پھونکنے اور ان میں جذبۂ جہاد کو بیدار کرنے کی سعی و کاوش کی۔ نیز اطاعتِ امیر کی مثالیں قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام سے دے کر ایک جھنڈے تلے جمع کیا۔

تقریر کے اختتام پر خدائی فوج اور رضا کاران حزب اللہ کی بھرتی ہوتی تھی۔ خدائی فوج میں شمولیت کے لیے نام اور پتہ لکھوا دینا کافی ہوتا تھا اور سالانہ ایک روپیہ رکنیت فیس اَدا کرنی ہوتی تھی مگر رضا کاران کے لیے ضروری تھا کہ وہ آپ کے سامنے قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر حلف اُٹھاتا کہ ضرورت کے وقت جنابِ امیر کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کر دیں گے۔ بھرتی کے بعد رضا کاروں کی پریڈ ہوتی تھی جو بالعموم حزب اللہ کے فوجی پنشنر اراکین یا رضا کار کراتے تھے۔ پریڈ کے بعد جلسہ منتشر ہو جاتا تھا۔

جلسہ کے بعد آپؒ مقامی مجالس منتظمہ کی کارروائی کا جائزہ لیتے، اُن کی مشکلات سنتے اور حل فرماتے۔ یوں بعد نماز عشا آپؒ فارغ ہوتے پھر آستانہ جلال پور شریف سے آنے والی ڈاک کا مطالعہ فرماتے اور ضروری جوابات عنایت فرماتے۔ اس کے بعد آپ آرام فرماتے۔ صبح با جماعت نماز کے بعد آپؒ کی قیادت میں کاروانِ حزب اللہ اگلے مقام کے لیے روانہ ہو جاتا اور دن بھر کی پھر وہی مصروفیات۔

راقم نے درج بالا تفصیلات میں سے کچھ کتاب امیرِ حزب اللہ سے لی ہیں اور کچھ اپنی والدہ اور والد محمد لعل خان سے سُنی ہیں۔ راقم کے دادا میاں علی محمد رضا کارانِ حزب اللہ میں شامل تھے۔ جب آپؒ کسی مقام پر دورہ فرمانے جاتے تو آپؒ کے ساتھ اٹھارہ بیس رضا کار بھی ہوتے تھے جو جلال پور شریف سے آپ کے ساتھ چلتے اور سارے دورے میں آپؒ کے ساتھ رہتے۔ اُن اٹھارہ بیس رضا کاروں میں راقم کے دادا میاں علی محمد بھی شامل تھے جو کئی سال تک دوروں میں آپؒ کے ساتھ ساتھ رہے۔ راقم کے دادا میاں علی محمد اگست ۱۹۸۶ء میں

فوت ہو گئے تھے۔ تب راقم کی عمر اتنی نہ تھی کہ وہ راقم سے اس موضوع پر بات کرتے۔ راقم نے کچھ باتیں اپنے والد اور دادا کی گفت گو کے دوران سُنیں۔ کچھ والد نے بتائیں اور کچھ والدہ نے بتائی ہیں۔

اِن دوروں کی ایک اور اہم بات یہ ہے کہ دوروں میں مختلف مقامات پر آپؒ قیام بھی فرماتے تھے۔ اکثر مقامات پر یوں ہوتا تھا کہ اُس علاقے کے سب سے غریب آدمی کے گھر آپؒ اپنے قریبی رضا کاروں کے ساتھ ٹھہرتے۔ آپؒ کے صاحب زادے سیّد حسنات احمد صاحبؒ کے بیٹے سیّد انوار حسنات صاحبؒ اس حوالے سے ایک واقعہ روایت کرتے ہیں کہ ۱۹۸۵ء کے الیکشن کے دوران میں سیّد انوار حسنات صاحبؒ سے ایک کمہار کی ملاقات ہوئی جو رضا کاران حزب اللہ میں شامل تھا۔ اُس کا نام راوی کو یاد نہیں لیکن اُن کے غالب گمان کے مطابق اُس کمہار کا نام اللہ بخش تھا۔ اُس نے بتایا کہ ایک مرتبہ سالانہ دوروں میں ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ اُس کے علاقے پنن وال تحصیل پنڈ دادن خان کے گاؤں لکر پنڈی میں تشریف لائے۔ مذکورہ بالا کمہار اُس گاؤں کا سب سے غریب انسان تھا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ اُس کے گھر قیام فرمائیں گے تو وہ شدید گھبرا گیا کیوں کہ غربت کا یہ حال تھا کہ ڈھنگ سے کوئی چار پائی یا بستر اُس کے گھر موجود نہیں تھا۔ آپؒ کے قریبی رضا کار غلام فرید نے اُس سے کہا کہ تم فکر مت کرو اِس کا انتظام ہو جائے گا۔ آپؒ سالانہ دورے کے دوران کھانے کے مختلف سامان، کچھ جانور، برتن، بستر، چار پائیاں وغیرہ بھی ہم راہ رکھتے تھے۔ اب اُس کے گھر میں آپؒ کے سامان سے ہی کھانے پینے اور رہنے کا انتظام کیا گیا۔ آپؒ نے عشا کی نماز کے بعد خطاب شروع کیا جو دیر تک جاری رہا اور تمام حاضرین و رضا کاران وہاں بیٹھے خطاب سنتے رہے۔ خطاب کے دوران کچھ رضا کار دیگوں میں کھانا پکاتے رہے۔ جب آپؒ کا خطاب مکمل ہوا تو کچھ رضا کاروں نے حاضرین کو کھانا پیش کیا، کھانا تناول فرمانے کے بعد آپؒ نے محض دو گھنٹے آرام فرمایا اور اس کے بعد فجر کی نماز اَدا فرما کر بقایا سارا سامان جس میں بستر، چار پائیاں، برتن، راشن، کچھ جانور حتیٰ کہ جو کچھ سامان پاس تھا وہ اُس کمہار کو دے کر وہاں سے آگے تشریف لے گئے۔ اُس کمہار نے اُس سامان میں سے کچھ سامان جس میں دیگیں اور جانور شامل تھے کو بیچ کر ایک حویلی خریدی اور بہ طور کمہار اپنے کام کو ترقی دی۔ یہاں تک کہ جب راوی سیّد انوار حسنات صاحبؒ وہاں الیکشن کے سلسلے میں تشریف لے گئے تو اُس حویلی اور ساز و سامان کے علاوہ ۵۰ کے قریب گدھے بھی تھے جو اُس نے خریدے تھے یعنی وہ انتہائی خوش حال ہو گیا تھا۔

درج بالا واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کی سب سے بنیادی ضرورت خوراک اور باقی ضروریات زندگی کے حوالے سے بھی ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحبؒ اپنے تمام رضا کاران اور ارکانِ حزب اللہ کے علاوہ عام لوگوں کا بھی خیال رکھا کرتے تھے۔ راوی سیّد انوار حسنات صاحبؒ کے مطابق یہ ایک واقعہ ہے جو اُس

کمہار نے بیان کیا۔ ایسے واقعات قریباً ہر سال ہوتے تھے اور عام غریب لوگ بھی آپؒ کے لطف وانعام سے مستفید ہوتے رہتے تھے کیوں کہ آپؒ غریب سے غریب انسان کے گھر قیام ہی اِس لیے فرماتے تھے کہ اُس کی مالی مدد کی جا سکے۔ اس وجہ سے آستانہ عالیہ جلال پور سے متعلقہ تمام افراد آپؒ کو خواجہ غریب نواز کہتے ہیں اور انہی الفاظ سے آپؒ کے دادا محبوب سبحانی سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحب کو بھی لوگ یاد کرتے ہیں۔

آپؒ کے وصال کے بعد بھی یہ تحریک سرگرم عمل رہی اور آپ کے فرزند اول اور سجادہ نشین محترم سیّد برکات احمد شاہ صاحبؒ نے اس کی صدارت سنبھالی۔ آپؒ کو امیر حزب اللہ ثانی کا خطاب دیا گیا۔ آپؒ نے ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ پر ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا جو سالانہ خطبہ ۴۶ کے عنوان سے شائع بھی ہوا۔ بعد ازاں جب ۱۹۷۳ء کا آئین رائج ہوا تو حکومت کی طرف سے نیم عسکری تنظیموں پر پابندی لگا دی گئی جس کی بنا پر تحریک ہذا کا عسکری شعبہ (فدا کارانِ حزب اللہ) تحلیل کر دیا گیا اور رضا کارانِ حزب اللہ کا شعبہ برقرار رکھا گیا۔[۷] موجودہ زمانہ میں رضا کارانِ حزب اللہ عروس مبارک پر خدمات سرانجام دیتے ہیں اور با قاعدہ خاکی لباس پہنتے ہیں اور رضا کار حزب اللہ کی سبز پٹی کندھے اور کمر کے گرد لپیٹے رکھتے ہیں۔

عرسِ خواجہ سیّد غلام حیدر شاہؒ پر خطبۂ صدارت

خواجہ غریب نواز محبوب سبحانی سیّد غلام حیدر شاہ صاحبؒ کا عرس مبارک آج بھی ہر سال ۵، ۶ جمادی الثانی کو منعقد ہوتا ہے۔ راقم کو کئی مرتبہ عرس پاک کی محفل میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ اُس زمانے میں چاند کی انھی تاریخوں کو عرس مبارک کی محافل منعقد ہوتی تھیں۔ تب اراکینِ حزب اللہ کے لیے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں خط طبع کرائے جاتے تھے جس میں قمری، عیسوی اور ہندی تقویم کے مطابق عرس مبارک اور جلسہ کی تاریخیں درج ہوتی تھیں۔ اس کا مسودہ ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ (امیر حزب اللہ) خود تحریر فرمایا کرتے تھے۔ یہ خط اراکینِ حزب اللہ کے گھروں کے پتہ پر بہ ذریعہ ڈاک بھیجے جاتے تھے۔ دفتر حزب اللہ (جو ابھی بھی درگاہ میں موجود ہے) میں خطوط تقسیم کرنے والوں کی با قاعدہ ہر سال فہرستیں بنا کرتی تھیں۔ ایک خط رضا کاران کے نام علاحدہ ہوتا تھا۔ اراکینِ مجلس شوریٰ کو علاحدہ مراسلے بھیجے جاتے تھے جس میں وقت اور دن متعین ہوتے تھے اور وہ جماعت کی ترقی اور بہتری کے لیے قرارداد پیش کر سکتے تھے۔ لیکن اس قرارداد کا تاریخ انعقاد سے ایک ہفتہ پہلے پہنچنا ضروری ہوتا تھا۔ عرسِ مبارک اور اجلاس حزب اللہ کے انتظامات کے لیے کارکنوں کو دو تین دن پہلے پہنچنے کی ہدایت ہوتی تھی۔

عرس مبارک اور جلسہ میں شمولیت کے لیے ارکانِ حزب اللہ اور رضا کارانِ حزب اللہ کو ہدایت ہوتی

تھی کہ وہ گروہوں کی شکل میں جلال پور شریف جائیں۔نظم وضبط کے لیےضروری تھا کہ ہر قافلے کا کوئی نہ کوئی سالار ہو۔ رضا کار خاکی وردی پہن کر آئیں۔ ہاتھ میں تلوار یا لاٹھی ضروری تھی۔ نیز یہ ہدایت بھی تھی کہ وہ رجز خوانی کرتے آئیں۔ایک پنجابی نظم جوعام طور پر پڑھی جاتی تھی،اُس کا ایک بند درج ذیل ہے :

کرو شکر خداوند عالی دا جس بھیجیا شاہ جلالی دا
جو نمونہ ہے پیر سیالی دا پڑھو لا الہ الا اللہ

مذکورہ بالامکمل نظم ضمیمہ جات میں ''حزب اللہ کی پنجابی تفسیر'' کےعنوان سے شامل ہے۔

ابتدا میں رضا کاروں کی تربیت کی خاطر اُن کو امیر کی طرف سے حکم ہوتا تھا کہ وہ ۲ جمادی الثانی کو جلال پور شریف پہنچ جائیں۔ اُسی رات رضا کاروں کا خاص جلسہ منعقد ہوا کرتا تھا جس میں باقی ارکان یا زائرین کوشامل ہونے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ پہلے چھے سال ۲ اور ۳ کی درمیانی رات کو یہ جلسہ ہوا کرتا تھا جو بعد میں ۳ اور ۴ کی درمیانی رات مقرر ہوا۔لنگر شریف کے انتظامات بھی ان ہی کی سپرد تھےاور اِس حوالے سے جلسہ ۵ اور ۶ کی درمیانی رات کو ہوتا تھا۔

سالانہ اجتماع کےموقع پر رضا کاروں کے لیےضروری تھا وہ پریڈ کا مظاہرہ کریں جو ابتدا میں ۴ جمادی الثانی کو ہوتا تھا مگر بعد میں عرس مبارک کے ایام میں دونوں روز ہوا کرتا تھا۔ خاکی وردی میں ملبوس،سینوں پر حزب اللہ کا خصوصی نشان جس پر ''رضا کار حزب اللہ'' تحریر تھا، لگائے ، لاٹھیاں،تلواریں اور بندوقیں ہاتھ میں لیے رضا کار کمپنی وار پریڈ کیا کرتے تھے۔ ہر سالار کے پاس پرچم ہوا کرتا تھا۔جہلم سے پنڈ دادن خان جانے والی سڑک پر گھنڈر سے لے کر لنگر شریف کے مغربی باغ تک رضا کار اپنے اپنے سالاروں کی زیرِ سرکردگی ''چپ راست'' کرتے نظر آتے تھے۔

راقم نے اپنے والدین سے سُنا ہے کہ نیچے جامع مسجد حیدریہ جو سڑک پر واقع ہے سے یہ رضا کار چپ راست کرتے کرتے اوپر روضہ پاک تک آتے تھے۔ پھر اپنے امیر یعنی ابوالبرکات سید محمد فضل شاہؒ صاحب کو نیچے جامع مسجد میں لے جاتے جہاں کہ محفل منعقد ہونا ہوتی تھی،کبھی آپؒ اُن کے درمیان پیدل تشریف لے کر نیچے جاتے اور کبھی وہ آپ کو پالکی میں سوار کر کے اُسے اُٹھا کر نیچے لے جاتے۔ نیز جب رضا کار فوجی پریڈ کرتے اوپر آتے تو فوجی انداز میں آپؒ کو سلامی بھی پیش کرتے۔

شروع شروع میں مجلس شوریٰ کے ارکان ۳ جمادی الثانی کو پہنچ جایا کرتے تھےاور اجلاس رات سات بجے منعقد ہوتا تھا جو عام طور پر دس بجے تک جاری رہتا پھر ۴ جمادی الثانی کو صبح دس بجے دوسری نشست ہوتی۔ بعدازاں ۵،۶ کی درمیانی رات کو نشست ہونا شروع ہوئی۔ آج کل اِس موقع پر قوالی کی محفل کا انعقاد کیا جاتا

ہے۔٦ جمادی الثانی کے عام اجلاس میں سے چند ایک کا ذکر درج ذیل ہے۔

پنجاب کے نام ور سیاست دان اور وزیرِاعظم سکندر حیات خان (مرحوم) تین سال لگا تار حزب اللہ کے سالانہ جلسوں میں شامل ہوتے رہے۔ دسویں خطبہ میں ''آنریبل میجر سردار سر سکندر حیات خان صاحب وزیرِاعظم صوبہ پنجاب کا خیر مقدم'' کے عنوان سے ایک سرخی بھی شامل ہے۔

خواجہ حسن نظامی دہلوی جو اُن دنوں نظام الدین اولیاؒ کے سجادہ نشین تھے، ۴۔۵ ستمبر ۱۹۳۵ء کو حزب اللہ کے آٹھویں سالانہ جلسے میں شامل ہوئے۔ اُنھوں نے اس جلسے کی مفصل کارروائی اپنے اخبار ''روزنامچہ'' میں شائع کی۔ اُنھوں نے جلسے کی کارروائی کے ساتھ یہ بھی کہا کہ دہلی میں کہا گیا تھا کہ حزب اللہ کی تحریک سرکاری ہے اور سرکاری اشارے سے جاری کی گئی ہے مگر یہ تحریک کہ جس میں ۲۸ ہزار ممبر اور ۴ ہزار رضا کار ہیں اور جس کے پروگرام میں خدمتِ اسلام، خدمتِ خلق او راصلاحِ المسلمین شامل ہے، سرکاری کیسے ہوسکتی ہے۔ اگر سرکاری ہے تو خاتم النبیّین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سرکار سے اِس کا تعلق ہے۔ برٹش سرکار سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

آپؒ کے حقیقی ماموں راجہ غضنفر علی جو دہلی میں کونسل آف اسٹیٹ کے اجلاس میں بھی تقاریر کیا کرتے تھے، نے یہاں بھی تقاریر کیں۔ مولانا خلیل احمد المعروف بابا خلیل داس چتر ویدی نے ایک جلسے میں ''ان الدین عنداللہ الاسلام'' کے عنوان سے ادیانِ عالم پر اسلام کی فوقیت کو ظاہر کیا۔

اس مقدس اور معتبر تحریک کے سالانہ اجلاس کے موقع پر جن نام ور حضرات نے تقاریر کیں یا اپنا کلام پڑھ کر سنایا اُن میں خواجہ حسن نظامی، مولانا محمد بخش مسلم، صاحب زادہ سیّد فیض الحسن، سردار سکندر حیات خان، راجہ غضنفر علی اور فردوس اسلام ابوالاثر حفیظ جالندھری کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ حفیظ جالندھری نے اپنے مخصوص وجد اور ترنم سے ''شاہنامہ اسلام'' کے کئی باب ان ہی جلسوں میں سنائے۔ اُنھوں نے اپنا مشہور و معروف ''سلام'' بھی یہاں پڑھ کر سنایا تھا۔

ایسے تمام اصحاب کے آخر میں جلسے کے اختتام پر ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ امیر حزب اللہ صاحبؒ اپنا سالانہ خطبہ ارشاد فرماتے تھے اور سالہا سال تک تمام زائرین ان خطبات سے مستفید ہوتے رہے تھے۔ آپ کا فرمان ہے کہ :

ؔ چو حزب اللہ را آغاز کردیم
مسلماں را مسلماں باز کردیم

آپؒ کا خطبہ تحریری شکل میں ہوا کرتا تھا جو حاضرینِ مجلس میں بھی تقسیم ہوتا اور جب مختلف علاقوں کے دورے پر

تشریف لے جاتے تو وہاں بھی مختلف جگھوں پر لوگوں میں تقسیم کیا جاتا۔

ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ (امیر حزب اللہ) کے خطبات صدارت کے علاوہ خطبات

جنگ عظیم اوّل کے بعد جب ترکی پر حکومت برطانیہ نے قبضہ کر لیا اور حکومت ہند کے ذریعے ابن سعود والئ نجد کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کی رُو سے بعض عرب علاقوں پر ابن سعود کی آزادانہ حکومت تسلیم کر لی گئی۔ ابن سعود نے ۱۳/ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو مکہ مکرمہ پر اور ۵ دسمبر ۱۹۲۵ء کو مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیا اور آتے ہی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے زیاراتِ مقدسہ کو گرانا شروع کر دیا تو دنیا بھر کے مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ چناں چہ مولانا عبدالباری نے ''آل انڈیا خدام الحرمین'' کی بنیاد رکھی۔ اس کا سالانہ اجلاس ۱۵ تا ۱۷/ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو لاہور میں منعقد ہوا۔ ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ اُس تنظیم کی مجلس استقبالیہ کے صدر منتخب ہوئے اور آپؒ نے ایک دردانگیز اور پُر زور خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا جس میں ان مظالم کے خلاف پُر زور صدائے احتجاج بلند کیا گیا یوں حجاز مقدس میں تشدد آمیز معاملات میں کمی واقع ہوئی۔

شدھی تحریک اور مسیحی مشنریوں کی شرانگیزیوں سے مسلمانانِ ہند وقفِ آلام ومصائب تھے۔ اُن کا مقابلہ کرنے کے لیے ''مرکزی جمعیت تبلیغ الاسلام'' قائم کی گئی جس کا مرکزی دفتر انبالہ میں تھا۔ اس کے اجلاس ہر سال منعقد ہوتے تھے۔ ۲۹۔۳۰ دسمبر ۱۹۲۹ء کو اس کا سالانہ جلسہ لاہور میں منعقد ہوا جس کی صدارت ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ نے فرمائی اور ایک خطبہ بھی ارشاد فرمایا جس میں مسلمانوں کو اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تاکہ دوسروں کا اثر مسلمانوں پر نہ پڑ سکے اور وہ پکے سچے مسلمان بن سکیں۔

تحریک حزب اللہ کے مقاصد متعین، مخصوص اور سب کے سامنے واضح تھے لیکن حاسدین اور شرانگیز عناصر ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں بھیرہ کے ایک مولوی صاحب نے دسمبر ۱۹۳۳ء میں جماعت حزب الانصار میں تقریر کرتے ہوئے آپؒ کے خلاف غیر مناسب کلمات استعمال کیے جس سے فساد برپا ہونے کا خدشہ تھا۔ آپؒ نے ارکانِ حزب اللہ کے نام ''امیر حزب اللہ کا پیغام'' کے عنوان سے ۲۵ رمضان ۱۳۵۲ھ بہ مطابق فروری ۱۹۳۴ء کو ایک رسالہ کی صورت میں چھپوا کر تقسیم کیا اور خطبہ بھی ارشاد فرمایا تاکہ سادہ طبع لوگ گم راہ نہ ہوں اور ارادت مند جوش میں آ کر کوئی انتہائی قدم نہ اُٹھالیں۔ بعدازاں یہ خطبہ اخبار ''قومیت'' لاہور کی اشاعت ۲۲ فروری ۱۹۳۴ء میں مدیر نے شائع کیا اور آپؒ کی وجود مسعود کے حوالے سے ایک علاحدہ بیان بھی دیا۔ اُس زمانے میں مدیر بشیر احمد صاحب تھے۔

۱۹۴۶ء کے انتخابات اور تبادلۂ آبادی کے موقع پر ارکان ورضا کارانِ حزب اللہ جس شان دار اخلاق

اور کردار کا مظاہرہ کیا اُس نے ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ کو یہ یقین دلا دیا کہ مشائخ عظام وہ مبارک نفوس ہیں کہ اگر وہ منظّم ہو جائیں اور اپنے اپنے ارادت مندوں کو اعلائے کلمۃ اللہ اور درسِ جہاد دے کر اُن کی تربیت کریں تو برصغیر کے مسلمان دوبارہ پہلے جیسا رعب و دبدبہ اور شان وشوکت حاصل کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں جب آپؒ ۲۴ صفر ۱۳۶۷ھ بہ مطابق ۷ جنوری ۱۹۴۸ء کو خواجہ شمس الدین سیالوی کے عرس مبارک میں شمولیت کے لیے تشریف لے گئے تو حُسنِ اتفاق سے وہاں قبلہ دیوان میر آل رسول علی خاں صاحبؒ سجادہ نشین درگاہ اجمیر شریف بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں پاک پتن شریف، تونسہ شریف، گولڑہ شریف، علی پور شریف اور مانکی شریف کے سجادہ نشین حضرات بھی موجود تھے۔ آپؒ نے اس مبارک اجتماع میں جمعیت المشائخ کی تاسیس وتشکیل کے لیے سعی وکاوش شروع کردی، یوں دیوان صاحبؒ کی زیرِ صدارت ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں ابوالبرکات سیّد فضل شاہ صاحبؒ نے ایک گھنٹہ جمعیت المشائخ کی تشکیل کی غرض سے تقریر فرمائی۔ خواجہ قمرالدین سیالوی صاحبؒ سجادہ نشین سیال شریف اور خواجہ محمد یوسف تونسوی صاحبؒ نے آپؒ کی تائید فرمائی۔ یوں جمعیت المشائخ کا قیام عمل میں آیا۔

حضرت دیوان صاحبؒ اِس کے صدر اور سیّد فضل شاہ صاحبؒ اس کے ناظم اعلا مقرر ہوئے۔ نائبین صدر میں پاک پتن شریف، تونسہ شریف، سیال شریف، گولڑہ شریف، علی پور شریف اور مانکی شریف کے سجادہ نشین حضرات شامل تھے۔ نواب میاں محمد حیات قریشی صاحب خازن تجویز ہوئے۔ اراکین کی تعداد طویل ہے۔ اس جلسہ میں کئی قراردادیں بھی پاس ہوئیں۔ اس سلسلے میں آپؒ سیّد فضل شاہ صاحبؒ نے جمعیت المشائخ کے نام سے ایک رسالہ بھی مرتب فرما کر شائع کروایا۔ اس میں آپؒ نے جمعیت کے زریں اصول و مقاصد، دستورِ اساسی اور حقیقی نصب العین کی توضیح فرمائی۔

راقم کے پاس درج بالا چاروں خطبات موجود ہیں اور جب اللہ کو منظور ہوگا وہ منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو جائیں گے۔ یعنی اس کی تدوین ہو جائے گی اور وہ کتابی شکل میں شائع ہو جائیں گے۔

ابوالبرکات سیّد فضل شاہؒ اور علامہ اقبالؔ

علامہ اقبالؔ سے آپؒ کی ملاقات کا پتہ رسالہ ''صوفی'' عرس نمبر مارچ ۱۹۱۸ء سے بھی چلتا ہے۔ اس پرچہ کے صفحہ آٹھ پر درج ہے۔ اس ملاقات میں موضوع گفت گو حقیقت اور تصوف تھا اور علامہ اقبالؔ نے اعتراف کیا تھا کہ اس سلسلے میں ان کی معلومات کا دائرہ مافی الکتاب اور قال تک محدود ہے۔ بعدازاں جب ۱۹۲۸ء میں سر ہر بلاس شاردا ممبر سنٹرا اسمبلی شملہ میں شادی بیاہ کے حوالے سے ایک ایکٹ اسمبلی میں پیش کرنا

چاہتے تھے، جس کا مقصد شادیوں پر پابندیاں عائد کرنا تھا اور اسلامی احکامات میں مداخلت کر کے شادی کرنے کی عمر مقرر کی جا رہی تھی۔ اس سلسلے میں ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ نے شملہ کا دورہ فرمایا اور وہاں لانگ وڈ ہوٹل میں قیام پذیر ہوئے۔ آپؒ کی آمد سے ممبرانِ اسمبلی اور دور دراز کے صوبوں سے آئے ہوئے اکابرین کا ہر وقت تانتا بندھا رہتا تھا۔ علامہ اقبالؔ بھی اُن دنوں شملہ میں موجود تھے۔ وہ بھی عموماً شام کے وقت تشریف لے آتے اور پھر آپؒ اور اُن میں کبھی تصوف، کبھی ماضی و حال کے فلسفہ اور کبھی اسلامی فلسفہ پر گفت گو ہوتی۔ یوں دقیق علمی مسائل پر تبادلۂ خیال ہوا کرتا تھا۔

ایک دن ڈاکٹر صاحب موصوف تشریف فرما تھے کہ اس وقت کے انگریز گورنر پنجاب سر جعفرے مونٹ مورنسی کا ایک رجسٹری لفافہ پہنچا جسے حضور قبلہ کے حکم سے ڈاکٹر صاحب نے ہی کھولا اور پڑھ کر حضور کو سنایا۔ اس میں لکھا تھا کہ آپ کے لنگر کے کثیر اخراجات کے پیشِ نظر حکومتِ برطانیہ آپ کو ایک سو مربع زرعی زمین دینے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اُمید یہ کہ آپ حکومت کی اس پیش کش کو قبول فرمائیں گے اور اپنی رضامندی سے مطلع فرمائیں گے۔

یہ خط سنانے کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے حضرتِ امیر حزب اللہ سے پوچھا کہ قبلہ حضرت صاحب اس خط کا آپ کیا جواب دینا چاہتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ لکھا جائے:

> ''فقیر نے آج تک حکومت کی نہ کوئی خدمت کی ہے اور نہ آئندہ ہو سکے گی لہٰذا مَیں کسی حالت میں خود کو اس پیش کش کا اہل نہیں سمجھتا۔ حکومت کے اس احساس کا بہت بہت شکریہ کہ لنگر شریف کے اخراجات کا اسے خیال پیدا ہوا۔ لیکن یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ لنگر بادشاہوں کے محتاج نہیں ہوا کرتے۔''

یہ جواب سُن کر ڈاکٹر صاحب وجد میں آ گئے اور بے اختیار بول اُٹھے: ''اوہ حضرت صاحب! خدا کی قسم باقی پیروں کو بھی اپنے جیسا بنا لیجیے۔''

قبلہ حضرت امیر حزب اللہ ڈاکٹر صاحب کے بے ساختہ پن پر مسکرائے اور فرمایا فقیر تو انگریزی جانتا نہیں آپ ہی اس کا جواب تیار کیجیے۔ چناں چہ اگلی صبح ڈاکٹر صاحب اور میاں عبدالحئی صاحب وکیل نے مل کر جواب کا مسودہ تیار کیا جو ٹائپ کرا کے گورنر پنجاب کو بھیج دیا گیا۔[۸] اس بارے میں ڈاکٹر عبدالغنی مؤلف کتاب امیر حزب اللہ ان الفاظ میں تعریف کرتے ہیں:

اُردو زباں شگفتہ و رنگیں بنا گیا | بے مثل و بے نظیر قلم کار اب کہاں
اقبالؔ نے بھی جس سے کیا اکتسابِ فیض | کوہ و مکاں کا محرمِ اسرار اب کہاں

جوشِ خطابت و زورِ قلم قوم پر فدا نورِ حیات بھی کیا، ایثار اب کہاں
ہم ہیں نثار ایسے مجاہد پہ اے غنیؔ ایسے جہاد کے ہیں پرستار اب کہاں

ابوالبرکات سیّد فضل شاہ صاحبؒ کا ارکان ورضا کارانِ حزب اللہ اور مریدین سے محبت کا ایک انداز

ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ کا اپنے ارکان ورضا کارانِ حزب اللہ اور مریدین سے محبت کا یہ انداز تھا کہ آپ کبھی اُن کو مرید نہ کہتے تھے بل کہ انھیں پیر بھائی کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ حالاں کہ آپؒ ان تمام اشخاص کے پیر ومرشد یعنی روحانی استاد تھے اور وہ سب آپؒ کے روحانی شاگرد اور معنوی اولاد تھے مگر یہ آپؒ کی محبت وشفقت تھی کہ ان سب کو اپنے بھائی کا درجہ دے رکھا تھا۔

اِس کے علاوہ آپؒ کے لطف وعنایت کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ آپؒ کو اپنے تمام ارکان ورضا کاران اور مریدین کے نام تک یاد تھے، نہ صرف نام یاد تھے بل کہ اُن کی نوکری اور کاروبار بھی آپؒ کو یاد ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں اُن کی تمام اولادیں جو آپؒ سے ملتی تھیں اُن کے نام اور اُن کی پڑھائی کے درجات کے بارے میں بھی علم ہوتا تھا۔ سالانہ دوروں میں جب لوگ آپؒ سے ملتے اپنا تعارف کراتے اور جب دوبارہ کبھی آپؒ کا اُدھر سے گزر ہوتا یا وہ جلال پور شریف آتا تو آپؒ کو اس کا نام اور کام یہاں تک اولادمیں سے جس جس کا تعارف آپؒ سے ہوا ہوتا اُن سب کا حال احوال، خیر خیریت اور تفصیل معلوم کرتے اور آئندہ بھی وہ ساری تفصیلات آپؒ کو یاد ہوتی تھیں۔

بیماری نے آپؒ کے جسمِ اطہر پر تو اثر ڈالا تھا مگر آپؒ کے دل ودماغ اور آپؒ کی یادداشت پر اُس کا ذرا بھی اثر نہیں ہوا۔ آپؒ کو آخری عمر تک تمام ارکان ورضا کاران اور مریدین کے بارے میں معلوم ہوتا تھا۔ یہ آپؒ کی روحانی بصیرت اور یادداشت کا ایک ادنیٰ سا شاہ کار تھا۔ نیز آپؒ کی اپنے مریدین سے محبت وشفقت، لطف وعنایت کی ایک بہترین مثال تھی۔ یہ مثال درگاہ جلال پور شریف سے ہی تعلق رکھتی ہے کہ یہاں مریدین کو بھی پیر بھائیوں کا درجہ حاصل ہے اور یہ سلسلہ آج تک یوں ہی قائم ودائم ہے۔ آپؒ کے بعد آپ کے خلفِ اوّل خواجہ سیّد برکات احمد صاحبؒ اور موجودہ سجادہ نشین خواجہ سید انیس حیدر صاحب اور پیر چن جی سرکار سیّد تنویر حیدر صاحبؒ نے بھی یہی طریقہ کار اختیار کیا ہوا ہے۔ آج بھی اِس درگاہ پر مریدین کو پیر بھائی کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے۔

ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ کے پوتے سیّد انوار حسنات صاحبؒ نے راقم کو بتایا ہے کہ

حضرت صاحبؒ کا حافظہ انتہائی درجے کا تھا۔ یہ حافظہ روحانی بصیرت کا حامل تھا کہ ہزاروں، ہزاروں اور ہزاروں لوگوں کے نام، کام اور اُن کی اولاد کے بارے میں یاد رکھنا اور شکلیں بھی یاد ہونا عام انسان کے عام حافظے کے لیے ممکن نہیں ہے۔

بیماری

سالہا سال کے مسلسل دوروں، خطبات، سفر کی مصیبتوں اور شبانہ روز ذہنی کاوشوں کی وجہ سے آپ کے دماغی اور جسمانی قوا پر دباؤ پڑا اور آپ مختلف علل واسقام میں مبتلا ہو گئے۔ اس بارے میں آپ نے ۱۹۵۲ء (۲۵ویں سالانہ خطبہ) میں فرمایا:

> ۔۔۔اب کہولت کے آثار نمایاں ہو چکے ہیں، صحت جواب دے چکی ہے، علل واسقام کا آماج گاہ بن رہا ہوں مگر بحمد اللہ کہ ناراستیِ طبع کے باوجود دماغ درست حالت میں ہے۔ اعضا و جوارح اگر چہ نسبتاً کم زور ہیں مگر ارادہ اور ہمت اسی طرح بلند اور جسم کی نقاہت نے دل ودماغ پر کوئی اثر نہیں ڈالا بل کہ جسمانی انحاط کا نعم البدل روحانی ارتقا کی شکل میں عطا ہو چکا ہے۔۔۔

۱۹۵۶ء کے خطبۂ صدارت میں اپنی صحت کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا تھا :

> ''تقریباً گزشتہ سارا سال میری صحت اچھی نہیں رہی اور مختلف علل واسقام میں یہ فقیر ماخوذ رہا ہے جس کا ناخوش گوار اثر دل ودماغ پر ناگزیر ثابت ہوا۔ خیال یہی تھا کہ سابقہ معمول کی طرح امسال خطبۂ صدارت معرضِ تحریر میں نہ لایا جائے اور ایک مختصر جیسی زبانی تقریر پر اکتفا کر لیا جائے۔ آج سے چند یوم پہلے تک یہی ارادہ رہا مگر بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ مَـــالَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَایُتْرَكُ كُلُّهٗ کے مطابق ایک چھوٹا جیسا مضمون قلم بند کر لیا جائے اور اُسے سامعین کرام کے سامنے پیش کر دیا جائے۔''

خطبہ کے آخر میں آپؒ نے دوبارہ معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ امسال کا خطبہ نہایت مختصر صورت میں پیش کیا گیا ہے اور بہت سے ضروری مباحث قلم بند نہیں ہو سکے جس کی وجہ اس فقیر کی طویل اور مسلسل علالت ہے۔

اس سال آپ کے لیے جو واقعہ روح فرسا اور جگر گداز ثابت ہوا وہ آپؒ کے چھوٹے بھائی سیّد محمود شاہ صاحبؒ پوسٹ ماسٹر جنرل مغربی پاکستان کا حرکتِ قلب بند ہونے سے فوت ہو جانے کا تھا۔ ۱۹۵۶ء میں آپؒ کے بھائی کا وصال ہوا اور ۱۹۵۸ء میں جب آپ نے ۱۶ جنوری کو حسبِ معمول اپنا دورہ شروع فرمایا جس

نے پروگرام کے مطابق ۱۹ مارچ تک جاری رہنا تھا۔ یہ دورہ پچاس مقامات کا تھا مگر آپؒ تیسرے مقام آدووال میں تھے کہ آپؒ کو اپنے جواں سال بھتیجے سیّد مظہر الحق شاہ صاحبؒ کے حرکتِ قلب بند ہونے سے وصال کی خبر ملی۔ آپؒ نے دورہ منسوخ فرمایا اور جلال پور شریف واپس تشریف لے گئے اور دورہ نامکمل رہ گیا۔ یہ آپؒ کا باضابطہ آخری دورہ تھا۔ کیوں کہ اسی سال یعنی ۱۹۵۸ء ماہ ستمبر میں جب آپؒ راول پنڈی تشریف فرما تھے تو عین اُس وقت جب آپؒ نماز میں امامت فرما رہے تھے آپؒ کے دونوں پہلوؤں پر فالج گرا اور آپ کو علاج کی غرض سے لاہور پہنچایا گیا۔ ابتدا میں آپؒ نے راجہ غضنفر علی خاں صاحب کی کوٹھی واقع گلبرگ میں قیام فرمایا۔ آپؒ کے برادر اصغر نواب سیّد مہر شاہ صاحب نے آپ کے علاج معالجہ پر خاص توجہ دی۔ فالج کی شدت کی وجہ سے اُٹھنا، بیٹھنا، پہلو بدلنا، اعضا کو حرکت دینا اُس زمانے میں محال تھا۔

آپؒ پر فالج کا حملہ ستمبر میں ہوا۔ دسمبر تک آپؒ کی طبیعت اتنی سنبھل گئی کہ سہارا لے کر تمام کام کر سکیں۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۵۸ء کو عرس مبارک تھا۔ آپؒ عرس مبارک کے لیے جلال پور تشریف لے گئے۔ بیماری کے پیشِ نظر آپؒ نے اپنے فرزندِ اکبر سیّد برکات احمد صاحبؒ کی خلافت کا اعلان فرما دیا۔ عرس کے اختتام پر آپؒ لاہور تشریف لے آئے۔ یہاں اب آپؒ نے ۳۲۔ بی، گلبرگ میں مستقل رہائش اختیار کر لی تا کہ علاج باقاعدگی سے جاری رہ سکے۔

بیماری کا غلبہ ہاتھوں، پاؤں اور زبان پر بہت زیادہ تھا۔ آپ بہ مشکل تنہا چند قدم اُٹھا سکتے تھے۔ دائیں ہاتھ پر سوجن نمودار ہوگئی اور انگلیاں سیدھی نہیں ہوسکتی تھیں۔ بایاں ہاتھ بھی کم زور پڑ گیا۔ زبان مبارک پر لکنت کا غلبہ ہوگیا۔ علاج کے بعد افاقہ ہوا تو آپؒ نے چلنا اور سیر پر تشریف لے جانا شروع فرما دیا۔ آپؒ ۳۲۔ بی گلبرگ سے قذافی سٹیڈیم گاڑی پر تشریف لے جاتے اور وہاں سیر کرتے۔ اس دوران آپؒ کے ساتھ آپؒ کے پوتے سیّد انوار حسنات صاحبؒ بھی اکثر تشریف لے جاتے۔ سیّد انوار حسنات صاحبؒ کے مطابق آپؒ وقت کے بہت پسند تھے۔ سیر کا وقت ۵ بجے کا مقرر کیا ہے تو ۵ بجے ہی تشریف لے جاتے چاہے گرمی کے موسم میں باہر موسم سخت گرم ہوتا۔ آپؒ کا خادمِ خاص غلام فرید کوشش کرتا کہ آپؒ کسی طرح کچھ دیر ٹھہر کر چلے جائیں مگر آپؒ ہمیشہ پابندیِ وقت کو ملحوظِ خاطر رکھتے اور جتنے گز تک سیر کرنی ہوتی تھی وہ تکلیف کے باوجود پوری کرتے۔ آپؒ کی سیر کم از کم ۵۰ گز یا ۱۵۰ گز ہوتی تھی۔ یعنی آپؒ نے کبھی بھی بیماری کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیا۔[۹]

اہم بات یہ ہے کہ مرض کے شدید ترین حملے کے وقت بھی آپ کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی اور بہ ہزار دقت آپؒ قیام، قعود اور رکوع کی شرائط کو پورا فرماتے۔ خادمین بھی پاس ہوتے اور کبھی کبھی سہارا بھی دینا پڑتا۔ اِس دوران آپؒ نماز کی امامت بھی فرمایا کرتے تھے۔ اِس بیماری میں آپؒ کے وجودِ اطہر پر پسینہ بہت آتا تھا۔

جسمِ مبارک ہر وقت پانی پانی رہتا تھا۔ خادمین کے مطابق آپؒ کے پسینے سے پورا کمرہ معطر ہو جایا کرتا تھا اور وہ خادمین جو زیادہ وقت پاس رہتے تھے اُنھیں اپنے لباس سے آپؒ کے پسینے کی خوش بو آیا کرتی تھی مگر یہ کیفیت ۱۹۵۸ء کے عرس مبارک میں سیّد برکات احمد شاہ صاحبؒ کو خرقۂ خلافت عطا فرمانے سے پہلے تک کی تھی۔

آپؒ نے ۱۹۵۸ء سے تادمِ آخر ۳۲۔ بی گلبرگ کو مستقل ہیڈ کوارٹر کا درجہ دے رکھا تھا کیوں کہ یہاں طبی مشورہ بروقت اور بآسانی مل سکتا تھا۔ آپؒ ہر سال عرس مبارک اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر جلال پور شریف تشریف لے جاتے۔ آپؒ کی عدم موجودگی میں جلال پور شریف میں صوفی شیر محمد سجادہ نشینی کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ موسمِ گرما کے دو تین ماہ آپؒ آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے راول پنڈی تشریف لے جاتے۔ بیماری کے اِن سالوں کے دوان آپؒ کئی بار کراچی بھی تشریف لے گئے تھے۔ اُس زمانے میں کراچی پاکستان کا دارالخلافہ ہوا کرتا تھا۔ اِن تمام اسفار کی اہم بات یہ بھی ہے کہ پیر بھائیوں کے اصرار پر آپؒ آتے جاتے راستے میں شاہراہ پر یا ریلوے اسٹیشن کے قریب دو ایک مقامات خطبہ کے لیے منظور فرما لیا کرتے تھے تاکہ سالانہ دورہ کی دیرینہ روایات بھی تازہ ہوتی رہیں۔ اس سلسلے میں آپؒ نے راول پنڈی، چکوال، گوجر خان، دینہ، مرالی، منٹگمری اور رحیم یار خان کو شرف بخشا تھا۔ ۱۹۶۲ء میں آپؒ نے پانچ سال بعد سیال شریف عرس مبارک میں بھی شمولیت فرمائی۔ وہاں سے آپؒ جھنگ تشریف لے گئے۔ واپسی پر سرگودھا اور شاہ پور کو بھی اعزاز بخشا۔

درج بالا تفصیل سے واضح ہوتا ہے آپؒ نے فالج جیسی بیماری کو بھی خود پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ حملے کے ابتدائی دو تین ماہ میں ہی اس قدر سنبھل گئے کہ بغیر سہارے کے چند گز پیدل چل لیتے تھے۔ مگر اس دورانیہ کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اگرچہ لکنت نے زبان مبارک پر قفل ڈالنے کی کوشش ضرور کی مگر آپؒ اس کے باوجود عربی، فارسی اور اُردو کے برمحل اشعار، ضرب الامثال اور آیات و احادیث اپنی روانی اور جوش سے اسے توڑ ڈالتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماری کا اثر محض جسم مبارک پر تھا۔ دل و دماغ اس بیماری کے حملے سے بالکل محفوظ تھے۔ بصارت میں گو کچھ کمی واقع ہوئی تھی مگر بصیرت میں بیش بہا اضافہ ہوا تھا۔

اس دور کی ایک اہم بات یہ ہے کہ آپؒ کے ۳۲۔ بی گلبرگ میں قیام کے دوران جماعت اسلامی کے بانی سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی کئی بار آپؒ سے ملاقات کی اور مختلف موضوعات پر دونوں بزرگوں میں گفت و شنید ہوتی رہی۔ اس دوران آپؒ کی زبان پر لکنت تو تھی مگر عربی میں آیات، فارسی اردو کے اشعار اور ضرب المثال مکمل مکمل بیان فرماتے تھے۔ ان واقعات کے شاہد آپؒ کے پوتے سیّد انوار حسنات صاحبؒ ہیں جو اس دوران ایف۔ سی کالج میں پڑھتے تھے اور کالج کے ہوسٹل میں ہی رہتے تھے۔

وصالِ پُر ملال اور قطعۂ تاریخ

آپؒ نے ساری زندگی اپنے آپ کو فقیر ابوالبرکات لکھا۔ اس سے آپؒ نے ہر ایک پر بار بار واضح کر دیا کہ آپؒ کی اصل حیثیت صاحبِ فقیر کی ہے۔ آپؒ نے زندگی بھر محض رضائے الٰہی اور اُمتِ مسلمہ کے ترفع کے لیے تمام طوفانوں اور آزمائشوں کا بے جگری اور پامردی سے مقابلہ کیا۔ آپؒ کا مقصد وحید اعلائے کلمۃ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے مسلمانوں کو تیار کرنا تھا۔ اُن کے فروعی مسائل کو ختم کر کے ایک مرکز پر اکٹھے کر کے اُن میں اسلام کی اصل روح پھونکنا تھا۔

۱۹۶۶ء کے وسط میں آپؒ کی طبیعت شدید بگڑ گئی۔ آپؒ کو میو ہسپتال میں داخل کرانا پڑا جہاں قریباً چار ماہ آپؒ نے بیماری کا مقابلہ کرتے ہوئے گزارے مگر جیسا کہ قانونِ فطرت ہے کہ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے کے مصداق ۱۷ شعبان ۱۳۸۶ھ بہ مطابق یکم دسمبر ۱۹۶۶ء بہ روز جمعرات کو آپؒ نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ اگلے روز بہ روز جمعہ جلال پور شریف میں روضہ مبارک کے اندر اپنے کریم جد اعلیٰ کے مغرب میں تدفین ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ۔ اللہ عزوجل کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول آپؒ کی ذات پر ابدالآباد تک جاری رہے۔ آمین، ثم آمین!

راقم نے اپنی والدہ محترمہ سے سُنا ہے کہ یکم دسمبر ۱۹۶۶ء کو جب ابھی اُن کی شادی نہیں ہوئی تھی وہ موضع کلری ضلع جھنگ تحصیل چنیوٹ کی رہنے والی تھیں۔ شام کے وقت علاقے کے زمیندار میاں جیون کی بیوی سے ملاقات ہوئی جو رو رہی تھیں۔ والدہ کے استفسار پر اُس نے ہچکیاں لیتے ہوئے بتایا کہ ابھی ابھی ریڈیو پاکستان سے اعلان ہوا ہے کہ ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ علاوہ ازیں اُس نے یہ بھی کہا کہ مجھ سے بہتر تو تمھارے ہونے والے سُسر اور ساس ہیں (جو رشتے میں ان کے والد کے کزن اور پھوپھی تھے) جو لاہور میں (۳۲۔ بی گلبرگ) کے نزدیک ہی رہتے ہیں اور ہر وقت حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور لاہور میں روزانہ میو ہسپتال میں راقم کے چچا غلام سرور نثار اور دادا میاں علی محمد، قاضی غلام فرید کے ساتھ مل کر حضرت صاحب کے ذاتی کام کیا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں راقم کی والدہ نے یہ بھی بتایا ہے کہ ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحب کا پہلا جنازہ لاہور میں ہوا، دوسرا جنازہ گوجرانوالہ میں ہوا، تیسرا گجرات میں ہوا، چوتھا جہلم میں ہوا اور پانچواں اور آخری جنازہ جلال پور شریف میں ہوا۔ پورے پاکستان سے لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے جنازے میں شرکت کی۔

آپؒ کے فرزندِ اکبر وخلیفہ اول صاحب سیّد برکات احمد صاحبؒ نے آپؒ کے بعد مسند نشین ہوئے۔ آپؒ نے گورنمنٹ کالج، لاہور سے بی۔اے کے بعد اورینٹل کالج لاہور کے شعبۂ عربی کے پروفیسر مولوی نجم الدین صاحب سے علوم عربی کی تکمیل کی تھی، آپؒ نے امیر حزب اللہ ثانیؒ کی حیثیت سے اپنے والد صاحب کی مبارک تحریک کو آگے بڑھایا۔ راقم کو امیر حزب اللہ ثانی صاحبؒ کا بھی ایک خطبۂ صدارت دستیاب ہوا ہے جو آپؒ کا سقوطِ مشرقی پاکستان و ہبوطِ مغربی پاکستان پر بے لاگ تجزیہ ہے۔ یہ خطبۂ صدارت آپؒ نے حزب اللہ کے چھیالیسویں سالانہ جلسہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ راقم بہ توفیق الٰہی اور بہ نظرِ کرم خواجگانِ جلال پور شریف، اِس خطبہ کو بھی کسی اور جگہ شائع کروا کے منظرِ عام پر لانے کی سعی و کاوش کرے گا۔

موجودہ زمانے میں خواجہ سیّد برکات احمد امیر حزب اللہ ثانیؒ صاحب کے خلف اکبر اور خلیفہ اوّل جناب سیّد انیس حیدر شاہ صاحبؒ سجادہ نشین ہیں اور آپؒ کے چھوٹے بھائی سید تنویر حیدر شاہ صاحبؒ المعروف چن جی سرکار بھی جلال پور شریف میں رونق افروز ہیں اور سجادہ نشین کے ساتھ ساتھ بیعت بھی فرماتے ہیں۔ حضور ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ (امیر حزب اللہ) کے وصال کے قطعۂ و مادہ ہائے تاریخ درج ذیل ہیں:

قطعۂ تاریخِ وصالِ حضرتِ ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ

حسرتا آں فاضل و روشن ضمیر — عارف و کامل فقیہہِ بے نظیر
جانشینِ پیرِ حیدر شاہؒ ولی — منبعِ عرفان، اولادِ علیؓ
مخزنِ برکاتِ، قطب الاولیا — مرکزِ حسنات، شیخ الاصفیا
سیّدِ والا نسب، صاحب جمال — بے نظیرو بے عدیل و بے مثال
عالم و واعظ خطیبِ خوش بیاں — ہادئ راہِ ہدایت بے گماں
آن امیرِ قافلہ دانائے راز — مظہر انوارِ ربِ بے نیاز
ماہتابِ معرفت، شمعِ سیال — نورِ حیدر محرمِ بزمِ جلال
آں امام الاتقیا، نُورِ مبیں — رفت از ماسوئے فردوسِ بریں

سالِ وصلش گفت ایں برقِ حزیں
آہ بُد فیاض سجادہ نشیں

۱۳۸۶ھ

(فقیر ابوالکمال برقؔ نوشاہی قادری)

علاوہ ازیں مادہ ہائے تاریخ حسب ذیل ہیں :

۱۔ وصالِ شمس العارفین ابوالبرکات امیر حضرت اللہ......۱۹۶۶ء

۲۔ وصالِ محبوبِ حق سیّد فضل شاہ صاحب جلال پوری......۱۹۶۶ء

۳۔ انتقال چشتیِ کامل......۱۳۸۶ھ

۴۔ بندۂ حق فضل شاہ......۱۳۸۶ھ

۵ وجہُ اللہ محمد فضل شاہ......۱۳۸۶ھ

۶۔ مہتابِ عرفان، ممتازِ اولیا......۱۳۸۶ھ

۷۔ روحِ بے نظیر......۱۳۸۶ھ (ابوالکمال برقؔ)

۸۔ فَقَدْ فَازَ فَوزاً عَظِیمًا ......۱۳۸۶ھ (نذر حسین شاد فاروقی)

۹۔ ہو گئی تاریک تر اخترؔ فضا آہ چراغِ دین و دنیا بجھ گیا
۱۳۸۶ھ

۱۰۔ غوثِ ماہم قطبِ ربانی بگو سالِ رحلت آں ولئی باکمال
۱۹۶۶ء

(میاں محمد شریف اخترؔ ڈاہنگروی)

خاندانی حالات، اولادِ امجاد اور خلفائے مجاز

(الف) خاندانی حالات

محبوب سبحانی خواجہ غریب نواز سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ کے خواب کے مطابق آپؒ کے دو اور بھائیوں کی بشارت بھی دکھائی گئی تھی۔ آپؒ سے چھوٹے بھائی کا نام نواب سیّد مہر شاہ صاحب ہے۔

نواب سیّد محمد مہر شاہ صاحبؒ ۲۵ شعبان ۱۳۱۴ھ بہ مطابق ۲۹ جنوری ۱۸۹۷ء کو پیدا ہوئے۔ آپؒ نے عربی کی صرف ونحو اور فارسی سکندر نامہ تک پڑھی۔ آپؒ میں معاملہ فہمی، حُسنِ تدبیر، دوراندیشی، دور بینی، جواں ہمتی اور عالی ظرفی کی صفاتِ عالیہ موجود تھیں۔ آپؒ اعلا درجے کے سیاست دان تھے۔ کونسل آف سٹیٹ، برطانوی ہند کی مرکزی اسمبلی، پنجاب کونسل اور بعد میں پنجاب اسمبلی کے سالہا سال ممبر رہے۔ حکومت برطانیہ نے نواب اور سر کے خطابات آپؒ کی خدمت میں پیش کیے جو ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کے راست اقدام کی تحریک شروع کرنے پر آپؒ نے ترک کر دیے۔ ۱۹۳۲ء میں آپ مسلمانوں کے مندوب کی حیثیت سے گول میز کانفرنس میں بہ مقام لندن شریک ہوئے۔ آپؒ نے یورپ اور امریکا کی سیاحت بھی کی تھی۔ پیر بھائیوں پر بڑی

شفقت فرمایا کرتے تھے۔

سیّد محمد کرم شاہ صاحب آپؒ کے دوسرے بھائی تھے۔ آپؒ ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ بہ مطابق ۳۰ر اکتوبر ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ مذہبی تعلیم گھر پر پانے کے بعد آپؒ نے سکول اور کالج میں انگریزی تعلیم بھی حاصل کی۔ پنجاب سول سروس میں اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر کی حیثیت سے چارج سنبھالا اور ترقی کرتے ہوئے ڈپٹی کمشنر کے عہدہ تک پہنچے۔ آپؒ یکم فروری ۱۹۶۳ء کو بہ مقام جہلم حرکتِ قلب بند ہونے سے فوت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اُنھیں غریقِ رحمت فرماویں۔ آمین!

سیّد محمود شاہ صاحب آپؒ کے تیسرے بھائی تھے۔ ۱۶ ربیع الاوّل ۱۳۲۱ھ بہ مطابق ۱۳ جون ۱۹۰۳ء کو پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ بہ طور سپرنٹنڈنٹ ڈاک خانہ جات ملازم ہوئے اور ترقی کرتے کرتے پوسٹ ماسٹر جنرل کے عہدہ تک پہنچے۔ آپ نے ۱۹۵۶ء میں حرکتِ قلب بند ہونے کی وجہ سے وفات پائی۔ آپؒ بہت دور اندیش، حلیم الطبع اور شفیق بزرگ تھے۔ آپؒ کو اپنے اس بھائی سے بے حد محبت تھی۔ اللہ تعالیٰ انھیں غریق رحمت فرماویں۔

سیّد محمد احسان الحق صاحبؒ آپ کے چوتھے بھائی تھے جو کہ دوسری والدہ سے تھے۔ آپؒ کے سنِ ولادت ۱۳۳۳ھ بہ مطابق ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئے۔ بی۔ اے کے بعد آپؒ محکمہ ایکسائز میں ملازم ہوئے اور کراچی میں اسسٹنٹ کلکٹر تھے۔

ایک اور شخصیت جو مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہی جس نے حزب اللہ کے سالانہ جلسوں پر تقریریں بھی کیں، مسلم لیگ اور قائداعظم کا پیغام پنجاب کے کونے کونے تک پہنچایا اور تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا وہ عظیم شخصیت راجہ غضنفر علی خاں صاحب کی ہے جو آپؒ کے سگے ماموں تھے۔ آپ راجہ سیف علی خان جاگیردار پنڈ دادن خان کے گھر ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم اپنے وطن سے پائی۔ بی۔ اے گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیا۔ سیّد احمد شاہ پطرس بخاری ان کے ہم جماعتوں اور دوستوں میں سے تھے۔ بی۔ اے کے بعد لا کالج میں داخلہ لیا لیکن قانون کی تعلیم مکمل نہ کر سکے۔ ۱۹۲۳ء میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کے ممبر بنے۔ وہاں قائداعظم کی آزاد پارٹی میں شامل ہو گئے۔ قائداعظم کے معتمد اور دست راست بن گئے۔ ۱۹۲۸ء تا ۱۹۲۹ء ریاست الور کے وزیر رہے۔ ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۶ء، آپ کونسل آف سٹیٹ کے رکن رہے۔ تحریک حزب اللہ کے سرگرم رکن رہے۔ ۱۹۳۵ء میں پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور سردار سکندر حیات خاں نے اُنھیں اپنا پارلیمنٹری سیکرٹری منتخب کیا۔ ۱۹۴۶ء میں عبوری حکومت کے لیے قائداعظم نے مسلم لیگ کی طرف سے جن بااعتماد دوستوں کے نام دیے، اُن میں آپ کا نام بھی شامل تھا۔ تب آپ کو وزیر صحت وخوراک اور زراعت بنایا گیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان کی پہلی کابینہ میں شامل ہوئے۔ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۲ء تک آپ ایران میں پاکستان کے سفیر تعینات رہے پھر کچھ عرصہ ترکی میں بھی سفیر رہے۔ پھر ۱۹۵۶ء تک بھارت میں پاکستان کے ہائی کمشنر مقرر ہوئے۔ بعدازاں ایک سال اٹلی میں بھی سفیر رہے۔ آپ نے اپنی آخری تقریر ۱۶/اپریل ۱۹۶۳ء کو سکھ یاتریوں کے سامنے ارشاد فرمائی۔ ۱۷/اپریل ۱۹۶۳ء کو گلبرگ میں واقع اپنے گھر میں نمازِ عصر اَدا کرنے کے دوران تسبیح حرکتِ قلب بند ہونے سے جاں بحق ہو گئے۔ اللہ انھیں غریق رحمت فرما دیں۔ آمین! آپ کے وصال پر فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے آپ کے بھانجے نواب سیّد محمد مہر شاہ صاحب کو پیغام تعزیت بھیجا۔ قومی اسمبلی نے آپ کی وفات پر قرارداد تعزیت پاس کی اور فاتحہ خوانی کے بعد آپ کے احترام کے طور پر ایک منٹ خاموشی اختیار کی۔ راجہ صاحب نے اپنے حالاتِ زندگی ''مارشل لا سے مارشل لا تک'' کے عنوان سے اخبار ''مشرق'' راول پنڈی میں قسط وار چھپوائے۔ اس میں جلیانوالہ باغ امرتسر کے سانحہ سے لے کر محمد ایوب خان کے برسرِاقتدار آنے تک کے واقعات ہیں۔

(ب) اولاد امجاد

ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ کا پہلا عقد سیّد نواب شاہ صاحب کی صاحب زادی سے ہوا جو محبوب سبحانی سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحبؒ کے داماد اور بھانجے تھے۔ آپؒ کا دوسرا نکاح مکان شریف میں حضرت حاجی سیّد آلِ رسول صاحب کی صاحب زادی سے اپریل ۱۹۱۷ء میں ہوا جو عربی سے واقف تھیں اور فارسی میں کمال مہارت رکھتی تھیں۔ آپ ۱۲ شعبان ۱۳۴۰ھ بہ مطابق ۱۰ اپریل ۱۹۲۲ء کو وفات پا گئیں۔ آپ کے صاحب زادگان والا تبار حسب ذیل ہیں :

۱۔ سیّد برکات احمد صاحبؒ : ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ بہ مطابق ۴ فروری ۱۹۱۸ء
سیّد برکات احمد صاحبؒ کے صاحب زادگان حسبِ ذیل ہیں:
(الف) سیّد انیس حیدر صاحبؒ موجودہ سجادہ نشین، آستانہ عالیہ جلال پور شریف، ضلع جہلم
(ب) سیّد تنویر حیدر صاحبؒ المعروف پیر چن جی سرکار

۲۔ سیّد حسنات احمد صاحبؒ : ۲۵ شوال ۱۳۳۷ھ بہ مطابق ۲۴ جولائی ۱۹۱۹ء
سیّد حسنات احمد صاحبؒ کے صاحب زادگان حسب ذیل ہیں :
(الف) سیّد فاروق حسنات صاحبؒ
(ب) سیّد انوار حسنات صاحبؒ
(ج) سیّد سہیل حسنات صاحبؒ

۳۔ سیّد لمعات احمد صاحبؒ : ۲۱ رجب ۱۳۴۰ھ بہ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۲۲ء

سیّد لمعات احمد صاحبؒ کے صاحب زادگان حسبِ ذیل ہیں :

(الف) سیّد پرویز حیدر صاحبؒ

(ب) سیّد توقیر حیدر صاحبؒ

ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ کا تیسرا نکاح مکان شریف کے معزز خاندانِ سادات سیّد محمد حسین شاہ صاحب کی صاحب زادی سے ہوا۔ اِس نکاح سے حسب ذیل گہر بلند اقبال صاحب زادے متولد ہوئے:

۱۔ سیّد شفقات احمد صاحبؒ : ۱۸ رجب ۱۳۴۵ھ بہ مطابق ۲۲ جنوری ۱۹۲۷ء

سیّد شفقات احمد صاحبؒ کے صاحب زادے درج ذیل ہیں :

(الف) سیّد شاہد نذیر صاحبؒ

(ب) سیّد مبشر حیدر صاحبؒ

(ج) سیّد عمران حیدر صاحبؒ

۲۔ سیّد جمیل احمد صاحبؒ : ۱۷ رمضان ۱۳۴۸ھ بہ مطابق ۱۶ فروری ۱۹۳۰ء

۳۔ سیّد طارق احمد صاحبؒ : ۱۵ جمادی الاول ۱۳۶۶ھ تا ۶/ اپریل ۱۹۴۷ء

نکاحِ سوم سے حضور ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ کی تین صاحب زادیاں بھی متولد ہوئیں۔

(ج) خلفائے مجاز

۱۔ سیّد برکات احمد صاحبؒ، فرزندِ اکبر و خلیفہ اوّل

۲۔ سیّد احمد شاہ صاحبؒ، گوہڑہ متصل منڈی بہاؤالدین

۳۔ سیّد امیر شاہ صاحبؒ، پیر کھارا، تحصیل پنڈ دادن خان

۴۔ پیر بلاول شاہ صاحبؒ، پیر کھارا، تحصیل پنڈ دادن خان

۵۔ مولوی سیّد رسول صاحبؒ، بُلّو شریف ضلع جھنگ

(کتاب ''امیر حزب اللہ'' آپؒ کے پوتے نے تالیف فرمائی)۔

۶۔ سیّد ملک شاہ صاحبؒ، شکر یلہ ضلع جہلم

۷۔ مولوی غلام رسول صاحبؒ، انگہ شاہ بلاول تحصیل خوشاب

۸۔ حافظ فتح دین صاحبؒ، لوہسر تحصیل گجرات

۹۔ الحاج سیّد احمد شاہ صاحبؒ، میرا شریف، ضلع راول پنڈی

۱۰۔ سیّد فضل الحق شاہ صاحبؒ، کھیوہ ضلع گجرات

۱۱۔ قاضی احمد الدین صاحبؒ، بھال پڑی، ضلع راول پنڈی

۱۲۔ قاضی عطا الدین صاحبؒ، بھال پڑی، ضلع راول پنڈی

۱۳۔ قاضی غلام فرید صاحبؒ، بھال پڑی، ضلع راول پنڈی

(قاضی صاحب ۱۵ سال کی عمر سے آپؒ کے ساتھ رہے۔ ان کی تعلیم و تربیت آپؒ نے خود فرمائی۔ آپؒ کی بیماری کے دنوں میں آپؒ کے تمام کام قاضی غلام فرید ہی کرتے تھے۔ فنافی الشیخ کے مقام پر فائز تھے۔ نیز رقوم کا حساب بھی رکھتے۔ سفر اور تمام معاملات آپ کے ہی سپرد تھے۔)

۱۴۔ فقیر حیدری مولوی محمد شفیع صاحبؒ

۱۵۔ میاں بہاول بخش صاحبؒ احمد وال، ضلع جھنگ

(ان بزرگ کے وسیلے سے راقم کے دادا میاں علی محمد کو بیعت کا شرف حاصل ہوا۔)

۱۶۔ صوفی خضر حیات صاحبؒ، ضلع جھنگ

....

حواشی

۱۔ عبدالغنی، ڈاکٹر، امیر حزب اللہ، ادارہ حزب اللہ، جلال پور شریف، جہلم، س ۲۰۰۵ء، ص ۳۸۔

۲۔ عبدالغنی، ڈاکٹر، مجمع البحرین، ادارہ حزب اللہ، جلال پور شریف، جہلم، س ۲۰۰۲ء، ص ۵۰۔

۳۔ عبدالغنی، ڈاکٹر، امیر حزب اللہ، ادارہ حزب اللہ، جلال پور شریف، جہلم، س ۲۰۰۵ء، ص ۴۱ تا ۴۳۔

۴۔ مضمون سفر نامہ حجاز (مصر و شام) رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ بہ مطابق اگست ۱۹۱۴ء کو مجلّہ صوفی میں شائع ہوا۔

۵۔ ایضاً، ص ۸۶ تا ۱۷۷۔

۶۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اردو، پاکستان، س ۱۹۹۹ء، ص ۴۳، ۵۳۔

۷۔ سید آفتاب شاہ (بھتیجا سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ) سے مصاحبہ۔

۸۔ عبدالغنی، ڈاکٹر، امیر حزب اللہ، جلال پور شریف، جہلم، س ۲۰۰۵ء، ص ۱۷۱، ۱۷۲۔

۹۔ سید انوار حسنات (پوتا سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ) سے مصاحبہ۔

◆◆◆

حصہ دوّم

ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحبؒ

امیر حزب اللہ

کے سالانہ خطباتِ صدارت

دوسرے سالانہ اجلاس کا خطبۂ صدارت ☆

خطبہ مسنونہ[1] کے بعد آپؒ نے فرمایا :

علمائے اُمّت و برادرانِ ملّت !

میں کئی روز سے اعصابی تکلیف میں مبتلا ہوں، اور میرے لئے کھڑے ہو کر تقریر کرنا مشکل ہے اس لئے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے بیٹھ کر اپنے خیالات پریشان پیش کرنے کی اجازت دیجئے۔[2]

ادائے شکریہ

حزب اللہ کے گزشتہ سال کی اجمالی کارروائی، جمع و خرچ کی تفصیل اور مجلس شوریٰ کی منظورہ و مصدقہ تجاویز آپ حضرات کے سامنے پیش کی جا چکی ہیں۔ مَیں اُن کے دُہرائے کی ضرورت نہیں سمجھتا اور چند دردمندانہ گزارشات پیش کرتا ہوں۔ سب سے پہلے مجھے شکریہ ادا کرنا چاہیے لیکن کس کا؟ کیا اُن حضرات کا جنھوں نے حزب اللہ کی تحریک میں نام لکھا کر اسے کامیابی کے راستے پر لگایا؟ نہیں۔ کیا اُن اخبارات کا جنھوں نے اس تحریک کے متعلق اعلیٰ درجے کے خیالات ظاہر کر کے میری حوصلہ افزائی کی؟ نہیں۔ کیا اُن علمائے کرام اور صلحائے اُمت کا جنھوں نے ذاتی طور پر مجھے نہایت ہمت افزا خطوط لکھے اور میری ناچیز مساعی پر اظہار استحسان فرمایا؟ نہیں۔ کیا آپ حضرات کا جو اس وقت بہ تعداد کثیر میرے خیالات پریشان سننے کے لئے تشریف لے آئے ہیں اور اگرچہ سفر کی کوفت اور مسافرت کی بے آرامی کے علاوہ اس وقت سردی بھی ہے مگر آپ میری باتیں سُننے کے شوق اور محویت میں سب کچھ بھُلائے بیٹھے ہیں؟ نہیں۔

مجھے شکریہ ادا کرنا ہے اُس قدوس عاجز نواز کا جس نے مجھ ایسے فقیر و ناتواں وجود کو اسلام و ملت کی اہم خدمت کے لئے چُنا اور میری ناچیز ذات کی بدولت ملت بیضا کے ایک حصے کی اصلاح کا کام شروع کرایا۔ مجھے اُس قادر بے ہمتا کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ وہی ہے جس کے فضل لایزال نے مجھے اس تحریک کے

☆ یہ خطبہ صدارت ۴ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ بہ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۲۸ء کو پڑھا گیا۔ یہ خطبہ علاحدہ شائع نہیں ہوا۔ رسالہ 'صوفی' کے شمارہ دسمبر ۱۹۲۸ء میں چھپا ہے جس میں خطبہ کے محض اہم نکات ہیں، تفصیل نہیں ہے۔

آغاز کی ہمت دلائی اور وہی ہے جس کی رحمت بے کراں کے صدقے میں گزشتہ ایک سال کے اندر اندر حزب اللہ کی تحریک نے ہندستان کے ہر گوشے میں مقبولیت عام حاصل کی۔ میرے پاس نہ محض پنجاب کے مختلف حصوں سے بلکہ مدراس، بنگلور، کلکتہ، رنگون، صوبہ جات متوسط، متحدہ وغیرہ سے متعدد حوصلہ افزا خطوط آئے اور توقع سے بڑھ کر کامیابی حاصل ہوئی۔

اظہارِ مُسرت

گزشتہ سال غالباً اسی دن یا اس سے ایک دن پہلے جب یہ تحریک شروع کی ہے تو میرے دل میں بڑا تذبذب تھا۔ مَیں نے جو بارِ گراں اپنے کندھوں پر اُٹھایا تھا اُس کی ذمہ داریوں کے تحمّل و برداشت سے عہدہ برآ ہونے کے لئے حالات یقینی طور پر نامساعد نظر آتے تھے لیکن آج وہ حالت نہیں ہے۔ آج میرا دل غیر متوقع کامیابی کی مسرتوں سے لبریز ہے۔ آج اگر خدانخواستہ وہ تمام اصحاب حزب اللہ سے علاحدہ بھی ہو جائیں جو اس وقت اس میں شریک ہیں تو میری خوشی میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ اس لیے کہ حزب اللہ کی تحریک اب ہزاروں دلوں میں گھر کر چکی ہے۔ اس کی مقبولیت اور اس کے فوائد تجربے کے میدان میں اپنی قاطعیت کے ثبوت فراہم کر چکے ہیں۔ ملت کا ایک اہم حصہ مان چکا ہے کہ اس کے سوا نجات اور فوز و فلاح کا کوئی راستہ نہیں۔ آج مجھے آپ کے سامنے حزب اللہ کے قیام کی ضرورت پر تقریر کرنے کی حاجت نہیں بلکہ آئندہ کے کام کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کروں گا۔ آج حزب اللہ کے قیام کی ضرورت کا مسئلہ باقی نہیں رہا بلکہ طے ہو چکا ہے اور عام حالات ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمات میں داخل ہو چکا ہے۔

اُمید افزا انقلاب

اسی سلسلے میں مجھے ایک اور چیز کا بہ صد خوشی اظہار کرنا چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ حزب اللہ کی تحریک نے لوگوں کی ذہنیتوں میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ جب میں تذبذب کی منزل میں تھا اور تحریک ابھی شروع نہیں کی تھی تو سوچا کرتا تھا کہ قوم کی ذہنیت میں اتنا بڑا انقلاب کیوں کر پیدا ہو سکے گا مگر خدا کا شکر ہے کہ آج ملت کے ایک اہم طبقے کا یک سالہ انقلاب خود عملی صورت میں میرے سامنے ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ملت کے زوال میں عوام کا کوئی قصور نہیں۔ قصور سب سے پہلے میرا ہے یعنی میرے ہم مسلک سجادہ نشین اصحاب کا، صوفیا حضرات کا قصور ہے، علما کا قصور ہے، اکابر کا۔ کسی نے کیا خوب لکھا ہے ؎

وَمَا أَفْسَدَ الدِّيْنَ إِلَّا الْمُلُوْكُ   وَعُلَمَاءُ سُوءٍ وَرُهْبَانُهَا [۳]

یعنی دین اُس وقت خراب ہوتا ہے، جبکہ بادشاہ بگڑ جائیں، علمائے سو خرابی پر آمادہ ہو جائیں، نام نہاد احبار و

رہبان [دوست اور راہب] حق سے کنارہ کش ہو جائیں۔ آج مجھ پر ظاہر ہو گیا ہے کہ عوام ہمیشہ صحیح راستہ اختیار کرنے کے لیے آمادہ و مستعد رہے مگر ان سے کام لینے والوں نے کام نہ لیا اور میں نے کام لے کر دیکھ لیا کہ عوام کی ذہنیت اب بھی فی الفور ہر اچھی شے کو قبول کرنے اور اس سے اپنے اندر امید افزا تغیر پیدا کرنے کے لیے تیار ہے۔

پنچایتوں کا کام

گزشتہ سال کا جمع و خرچ پیش ہو چکا ہے، آئندہ کے لئے ضروری تجاویز سامنے آ چکی ہیں مگر مختلف پنچایتوں کی کارروائیاں اور اصلاحی کام کا مرقع [خاکہ] آپ حضرات کے سامنے نہیں آیا۔ میں اتنا بتا سکتا ہوں کہ کم و بیش ساڑھے پانچ ہزار آدمی اس تحریک میں شریک ہو چکے ہیں۔ سترہ مقامات پر پنچایتیں بن چکی ہیں اور نہایت اُمید افزا طریق پر کام کر رہی ہیں۔ خود جلال پور شریف کی پنچایت کے متعلق میں کہہ سکتا ہوں کہ اُسے قائم ہوئے اب تک کم و بیش نو مہینے گزر چکے ہیں اور اس مدت میں صرف دو مقدمے عدالت تک گئے ہیں، جو بوجہ سنگین ہونے کے قابل دست اندازیٔ پولیس تھے ورنہ ساری آبادی میں سے ایک مقدمہ بھی نہ تحصیل میں گیا نہ ضلع میں نہ سب ججی میں نہ سیشن ججی میں اور غیر مشروع رسوم و بدعات کے انسداد سے جو فوائد حاصل ہوئے ہیں اُن کی ایک مثال چوہدری احمد خاں صاحب آپ کو بتائیں گے۔ (اس موقع پر چوہدری احمد خاں صاحب پنشنر سب انسپکٹر پولیس نے کہا کہ میں نے اپنے لڑکے اور لڑکی کی شادیاں کیں۔ ان دونوں میں قاضی کو پانچ پانچ روپے دینے کے علاوہ اور کوئی خرچ نہ کیا) یہ حزب اللہ کی تحریک کی برکات ہیں۔ حالانکہ ایسے مواقع پر ہر گھر میں سینکڑوں ہزاروں روپے صرف ہوتے تھے۔ جلال پور کی پنچایت نے فیصلہ کر دیا ہے کہ نہ یہاں سے کسی برات میں دس آدمیوں سے زائد جائیں، اور نہ باہر سے دس آدمیوں سے زائد آئیں۔ پچھلے دنوں باہر سے آئی ہوئی ایک برات میں گیارہ آدمی آ گئے تھے۔ ہمارے محتسب نے مثال قائم کرنے کے لئے ان میں سے ایک آدمی کو واپس بھجوا دیا۔ مجھے یہ عرض کرتے ہوئے بڑی خوشی محسوس ہوتی ہے کہ عام مجالس منتظمہ یعنی پنچایتوں کے ارکان میں ذمہ داری اور فرض شناسی کا مادہ پیدا ہو چکا ہے اور ہر پنچایت کا کام نہایت اطمینان بخش طریق پر چل رہا ہے۔

حوصلہ افزا خیر مقدم

میں انتہائی مُسّرت کے ساتھ آپ حضرات کو یہ خوشخبری سُناتا ہوں کہ ہندستان کے ہر حصے میں حزب اللہ کی تحریک کا نہایت حوصلہ افزا خیر مقدم ہوا ہے۔ میرے پاس ایسے حضرات کے ہمت افزا خطوط

موجود ہیں جن کا عام مسلک ایک حد تک ہم سے مختلف ہے۔ تمام بڑے بڑے اخبارات نے اس تحریک پر نہایت حوصلہ افزا ریویو لکھے اور اسے قوم کے لئے بے حد مفید بتایا۔ میں اُن کا بھی بے حد شکریہ ادا کرتا ہوں۔

تنگ نظر معترضین

لیکن جہاں حوصلہ افزائی کا یہ قابل صد شکریہ مسلمان موجود ہیں، وہاں نکتہ چینوں کی بھی کمی نہیں رہی اور اُنھوں نے مجھ پر اعتراض کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ سخت افسوس یہ ہے کہ یہ اعتراضات عموماً اسی طبقے کی طرف سے ہورہے ہیں جو عام مسلک ومشرب کے اعتبار سے ہمارا ہم نوا ہے۔ اس سلسلے میں تمام اعتراضات کے جوابات میں آپ کے سامنے پیش نہیں کرسکتا لیکن چند اعتراضات کے متعلق مختصراً کچھ عرض کرنا ضروری ہے تاکہ اگر وہ آپ حضرات کے سامنے بھی پیش کیے جائیں تو آپ اُن کا جواب دے سکیں۔

پہلا اعتراض

کہا جاتا ہے کہ میں نے جلب منفعت کے لیے یہ کام شروع کیا ہے۔ میں اس کے جواب میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا لیکن آپ حضرات سے اتنا کہ سکتا ہوں کہ حزب اللہ کی تحریک جب سے شروع ہوئی ہے میں بڑا کافی مالی نقصان اُٹھا چکا ہوں۔ بعض خاص احباب کو اس نقصان کی تفصیلات معلوم ہیں لیکن میں آپ حضرات کے سامنے ان تفصیلات کو پیش کرکے اپنا ناچیز خلوص عمل ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ اگر مالی نفع مقصود ہوتا تو یقین جانئے کہ گزشتہ ایک سال کے نقصانات کی بنا پر میں اب تک اس تحریک کو بند کر چُکا ہوتا۔

دوسرا اعتراض

کہا جاتا ہے کہ میرا مقصود ذاتی شہرت ہے۔ میری خواہش ہے کہ اخبارات میں میرا چرچا ہوتا رہے اور میری تعریف کی جائے۔ اس کے جواب میں مَیں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ آج تک ایک لمحہ کے لیے بھی حرصِ شہرت کی آلائش سے میرے دل کا دامن آلودہ نہیں ہوا۔ وَاللّٰہُ عَلٰی مَا اَقُوْلُ شَھِیْدٌ [۴] اور کسی نیک کام کے شروع کرنے سے ضمناً ایک ناچیز وجود کا ذکر اخبارات یا مجالس میں بار بار آتا ہے اور اس سے اس کا نام شہرت پذیر ہوتا ہے تو اس وجہ سے نیک کام کو بند نہیں کیا جاسکتا۔

تیسرا اعتراض

کہا جاتا ہے کہ میں اس طرح مُریدوں کی تعداد بڑھانا چاہتا ہوں۔ سب بھائیوں کو معلوم ہے کہ اس باب میں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے مُریدوں کی اتنی دولت مہیا کررکھی ہے کہ مجھے نو دولتوں کی طرح اس

میں ہر جائز و ناجائز ذریعہ سے اضافہ کرنے کی کوئی آرزو نہیں۔ میرا دل مہیا سامانوں پر خدا کے فضل سے بالکل مطمئن ہے۔ تاہم اگر مسلمانوں کی وسیع جماعتیں میری ناچیز مساعی کی بدولت اصلاح پاتی ہیں، بہتر مسلمان بنتی ہیں اور اس طرح میرے مریدوں اور نیک مسلمانوں کا اضافہ ہوتا ہے تو یہ کوئی گناہ نہیں بلکہ خوشی کا مقام ہے کہ میری وجہ سے خدا کے نیک اور صالح بندوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

چوتھا اعتراض

کہا جاتا ہے کہ میں نے اپنے خاندان کی روایات ترک کر دی ہیں۔ مثلاً خواجگان چشت میں سے حضرات خواجہ معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے کبھی ایسی جماعتیں نہیں بنائی تھیں۔ کتابیں نہیں چھاپی تھیں، اخبارات نے اُن کے لئے مضامین نہیں لکھے تھے۔ میرے جدامجد حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے کبھی حزب اللہ نہیں بنائی تھی۔ یہ اعتراض افسوس ناک ہے۔ میرے اجداد اور بزرگ مجھ سے بہتر مسلمان تھے۔ میں اُن کے مقابلے میں ہیچ ہوں لیکن یہ صحیح نہیں کہ میرے اجداد کا دائرہ کار کوئی اور تھا۔ وہ بھی حقیقت میں حزب اللہ ہی کے داعی تھے۔ عام مسلمانوں کی اصلاح کے نہایت زبردست رہبر تھے۔ اگرچہ اُنہوں نے حزب اللہ کا نام اختیار نہیں کیا تھا لیکن عملاً میری تحریک میں اور اُن کی تحریک میں کوئی فرق نہیں۔

پانچواں اعتراض

سب سے آخر میں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ میں اتحاد بین المسلمین کا حامی ہوں۔ ہمارے معترض بھائی سمجھتے ہیں کہ یہ میں نے بم کا گولہ پھینک دیا ہے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں حنفی المذہب ہوں، صوفی المشرب ہوں، اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتا ہوں لیکن میں متعصب و تنگ نظر نہیں ہوں۔ میں اہلِ اسلام کی تکفیر کا مشتاق نہیں ہوں۔

حضرت خواجہ سیالوی کا واقعہ

میرا مقصد یہ ہے کہ اغیار کے مقابلے میں مسلمانوں کی تمام جماعتیں اشتراک عمل کریں لیکن لوگ ان باتوں کی تہ تک نہیں پہنچے۔ یہ اپنا اپنا نقطہ خیال ہے، میں کسی کو کافر کہنے کے بجائے اپنے آپ کو مسلمان بنانا زیادہ اچھا سمجھتا ہوں۔ حضرت خواجہ شمس الدین صاحب سیالوی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس کوئی شخص تکفیر کا فتویٰ لے کر آیا۔ حضرت صاحب نے اُس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ مَیں تو اس پر دستخط نہیں کروں گا۔ میرا کام کافروں کو مسلمان بنانا ہے۔ مسلمانوں کے کافر بنانے کا کام مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ کئی اور حضرات اس کام کے لئے مل سکیں [جائیں] گے۔ آپ یہ فتویٰ اُن کے پاس لے جایئے۔

میرا مقصود

میں چاہتا ہوں کہ مختلف اسلامی فرقوں میں جو اجنبیت وغیریت ہے وہ دور ہو جائے۔ غیر مسلموں کے مقابلے میں سب متحد ہو جائیں۔ ایک دوسرے کو زیادہ اچھی طرح سمجھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اگر اہلِ حدیث یا دوسرے فرقے ہم میں شریک ہو گئے تو وہ اپنے پروپیگنڈے کی وجہ سے ہمیں تباہ کر ڈالیں گے۔ میں اس خطرے کو بالکل فضول اور لایعنی جانتا ہوں۔ اگر اس طرح اہلِ حدیث وغیرہ کو آپ پر اثر ڈالنے کا موقع ملتا ہے تو کیا آپ کو اُن پر اثر ڈالنے کا موقع نہیں ملتا؟ اگر حق آپ کے ساتھ ہے تو آپ کو کوئی جذب نہیں کر سکتا۔ اَلْحَقُّ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلیٰ [۵]۔ لیکن اگر حق آپ کے ساتھ نہیں ہے تو اس طرح دوسروں سے الگ رہ کر آپ کب تک زندہ رہیں گے۔ بکرے کی ماں کب تک بکرے کی خیر منائے گی [۶]؟ بہتر یہ ہے کہ ایسے خوف اور دہشت کے جینے کے بجائے آپ فنا ہو جائیں اور دوسرے آپ کو جذب کر لیں لیکن مجھے یقین ہے کہ ایسا نہیں ہوگا۔ اس طرح مختلف فرقوں کے اتفاقی مسائل میں متحد ہونے سے بے حد فائدہ پہنچے گا۔

اغیار کے اعتراض کی تصدیق

خدا کی شان ہے کہ پہلے جب یہ اعتراض کیا جاتا تھا کہ سجادہ نشینوں کی جماعت بالکل بے حس اور بے کار ہے اور قوم کو تباہ کر رہی ہے تو اس پر غیظ وغضب کا اظہار کیا جاتا تھا۔ اب خدا کا ایک ناچیز بندہ اصلاح کا پیغام لے کر اُٹھا ہے تو اس پر لغو اعتراض کئے جاتے ہیں اور اس طرح ثابت کیا جاتا ہے کہ سجادہ نشین واقعی بیکار ہیں اور بے کار رہنے کو اچھا سمجھتے ہیں۔

میری امارت

میرے متعلق کہا جاتا ہے کہ میں امارت کا اہل نہیں ہوں۔ میں سو دفعہ اپنی نااہلیت کا اعتراف کر چکا ہوں اور مجھ سے زیادہ میری نااہلیت کو اور کون سمجھ سکتا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ کوئی دوسرا اہل آدمی میدان میں لائیے۔ میں اُس کی ہر خدمت واعانت کے لئے حاضر ہوں لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اہل آدمی کی تلاش میں اُمت کی اصلاح کا کام روک دیا جائے اور درستی طبقاتِ ملت کے دروازے کلیتہً بند رکھے جائیں۔ میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ میں نے اب بڑے صبر وضبط کے ساتھ ان اعتراضات کے جواب میں وقت ضائع کیا ہے ورنہ مجھے اپنے کام سے اتنی فرصت نہیں کہ ان باتوں کی طرف متوجہ ہوسکوں۔

نماز جمعہ کا قیام

آئندہ کا دستور العمل عَلیٰ الْکُلِّ [مکمل طور پر] آپ حضرات کے سامنے آ چکا ہے۔ میں اُن میں سے سب سے پہلے مولوی نور محمد صاحب کی تجویز کا بالخاصہ [فطری اثر سے] ذکر کرتا ہوں۔ حزب اللہ کے ارکان کو چاہیے کہ جمعہ کی نماز کا خاص طور پر التزام کریں یا جن جن مقامات میں جمعہ پڑھا جاتا ہو وہ وہیں پڑھ لیں۔ جہاں جمعہ نہیں ہوتا وہ کسی قریبی مقام پر جا کر نماز جمعہ ادا کریں۔ اس طرح اُن کے واسطے ہفتہ وار اجتماع کا موقع ملتا رہے گا۔ میں تمام ارکان سے بہ تاکید کہتا ہوں کہ وہ اس حکم کا خاص خیال رکھیں۔

فرض تبلیغ عام

مبلغوں کا بھی عارضی طور پر انتظام ہو چکا ہے۔ مولوی نور محمد اور مولوی الہ دین صاحب ایک ایک سال کے لئے اپنی خدمات فی سبیل اللہ بلا اُجرت حزب اللہ کی نذر کر چکے ہیں۔ جو شکر کے ساتھ قبول کی جا چکی ہیں (حاضرین نے جزاہم اللہ کی آواز بلند کی) لیکن میں چاہتا ہوں کہ حزب اللہ کا ہر رکن مبلغ بن جائے۔ ہر فرد اپنے گھر میں تبلیغ کرے، اپنے دوستوں کے حلقے میں پابندئ شریعت اور ردِ بدعات کی آواز پہنچائے۔ یہ بے حد ضروری کام ہے۔

دعوتِ عام

سب سے آخر میں اپنے برادرانِ طریقت سے چند کلمات کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے اب تک ان سے کچھ نہیں کہا۔ پچھلی مرتبہ حزب اللہ کی تحریک کرتے وقت میں نے ترغیب کے ساتھ تخویف کو بھی شامل کیا تھا تاکہ ہر آدمی اچھی طرح سوچ سمجھ کر اس میں شریک ہو لیکن اس مرتبہ میں ترغیب پر زیادہ زور دیتا ہوں۔ میں جبری بھرتی نہیں چاہتا۔ ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے لیکن اپنے برادرانِ طریقت سے کہتا ہوں کہ اُنھیں خاص طور پر اس طرف توجہ کرنی چاہیے اور اس مبارک تحریک سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ وہ تحریک کی خوبیوں سے بخوبی روشناس ہو چکے ہیں، معاشرتی و اقتصادی اصلاح کے لئے کثیر التعداد ارکان نسبتاً زیادہ مفید ہو سکتے ہیں۔ ہمارے برادرانِ طریقت اگر نااہلیت کا عذر پیش کریں تو حزب اللہ کا مقصد ہی یہ ہے کہ اہلیت پیدا کی جائے۔ اگر وہ اہل ہیں تو پھر تاخیر کیوں ہے؟

فسق بعد الایمان

یہ ضروری ہے کہ عام مسلمان بھائی اس تحریک میں شریک ہو کر کوئی بُرا کام نہ کریں۔ دنیا میں صرف دو گروہ ہیں یا حزب اللہ یا حزب الشیطان ہے، تیسرا کوئی گروہ نہیں۔ اللہ کے گروہ میں داخل ہونے کے بعد

شیطان کے گروہ میں جانا بے حد بُرا ہے۔ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بعد الْاِیْمَانِ [۷]۔

اغراض ومقاصد

اب وقت زیادہ ہوگیا ہے۔آپ سفر کر کے یہاں آئے ہیں۔میں آپ کے آرام میں خلل انداز نہیں ہونا چاہتا۔اگر فرصت ملی اور صحت درست رہی تو باقی امور کل پیش کروں گا۔اب میں اختصار کے ساتھ حزب اللہ کے اغراض ومقاصد آپ حضرات کے روبرو پیش کرتا ہوں (یہاں حضرت صاحب نے کتاب حزب اللہ سے اغراض ومقاصد پڑھ کر سُنائے) جو یہ ہیں :

(۱) قیام امارت ومرکزیت (۲) تنظیم مسلمین (۳) عملی زندگی (۴) اجتماعی حیات واتحاد بین المسلمین (۵) اقتصادی ترقی (۶) معاشرتی اصلاح (۷) ترغیب تعلیم (۸) دعوت وتبلیغ (۹) بیت المال اور حج زکوٰۃ وصدقات۔

(ان تمام مقاصد کی حضرت صاحبؒ نے پوری تشریح فرمائی۔)

قواعد داخلہ

بعدازاں داخلہ کے قواعد وشرائط بیان فرمائے۔ یہ بھی سارے کے سارے قرآن سے ماخوذ تھے۔حضرت صاحبؒ نے فرمایا کہ میری تحریک کی ہر چیز حتیٰ کہ اس کا نام بھی قرآن سے ماخوذ ہے تاکہ اسلام کے کسی فرقے کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہو۔

خاتمہ سخن

آخر میں حضرت صاحبؒ نے اُن نصائح کا تفصیلی ذکر فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے حزب اللہ کے لئے مختص فرمائے ہیں۔ پھر عام مسلمانوں کو علی العموم اور برادرانِ طریقت کو علی الخصوص شراکت حزب اللہ کی دعوت دی۔ بعدازاں قرآنی ادعیہ پر خطبہ ختم فرمایا۔[۸]

....

حواشی

۱۔ مذکورہ خطبۂ صدارت سے پہلے پہلا سالانہ اجلاس منعقد ہوا،جس کی کاروائی درج ذیل ہے :
جلال پور شریف میں ۱۸/نومبر ۱۹۲۸ء کو حزب اللہ کا پہلا سالانہ اجلاس شام کے سات بجے کے قریب شروع ہوا۔ حاضرین کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی۔ابوالبرکات حضرت سید محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین امیر حزب اللہ صدر تھے۔کارروائی کا آغاز تلاوت قرآن حکیم سے ہوا، بعدازاں ایک

نعت پڑھی گئی، پھر حضرت امیر نے حزب اللہ کے معتمد اعزازی کو ارشاد فرمایا کہ وہ گزشتہ سال کی کارگزاری کی روئداد پڑھیں۔ نیز ان تجاویز و فیصلہ جات کو پیش کریں جو حزب اللہ کی مجلس شوریٰ اپنے دو اجلاسوں میں منظور کر چکی تھی۔ منشی خدا بخش صاحب معتمد نے حسبِ ارشاد گزشتہ سال کے جمع وخرچ کی روئداد پڑھ کر سُنائی اور تمام کارروائی کو وضاحت کے ساتھ پنجابی زبان میں پیش کیا، تاکہ شرکا جن میں اکثریت دیہاتی اصحاب کی تھی، اس سے پورے طور پر مستفید ہوسکیں۔ کارروائی کے پیش کرنے اور سمجھانے میں تقریباً آدھ گھنٹہ صرف ہوا۔ بعدازاں حضرت امیر نے اپنی تقریر شروع فرمائی جسے حزب اللہ کے سالانہ اجلاس کا خطبۂ صدارت کہنا چاہیے، یہ تقریر پنجابی زبان میں تھی، اس لیے کہ شرکا کی اکثریت اہل دیہات پر مشتمل تھی اور ان کی تفہیم کا اقتضا یہی تھا کہ تقریر پنجابی زبان میں کی جاتی۔ تقریر سوا دس بجے تک جاری رہی۔ شرکائے جلسہ نے انتہائی توجہ سے اسے سُنا، اور بے حد پسند کیا۔

۲۔ آپؒ کرسی پر تشریف فرما ہو گئے اور آپؒ نے فرمایا۔

۳۔ ترجمہ: دین میں فساد تین طرح سے آتا ہے۔ ایک بادشاہوں سے، دوسرا علمائے سُو کے ذریعے سے اور تیسرا راہبوں (درویشوں) کے ذریعے سے۔

دورِ عباسیہ کے شاعر اور امام عبداللہ بن المبارک کے قصیدے کا پہلا شعر ہے۔ شعر اصل میں یوں ہے :

وَهَـــلْ أَفْسَـــدَ الـــدِّيْـــنَ إِلَّا الـــمـــلـــوكُ
وَأَحبَـــــارُ سُـــــوءٍ وَرُهْبَـــــانُهَـــــا

(شعر /العصر العباسی/ عبداللہ بن المبارک/ وھل افسد /البیت ا/ https://she3r.ret)

۴۔ ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ جو میں کہہ رہا ہوں اُس پر گواہ ہے۔ (عربی جملہ)

۵۔ ترجمہ: حق غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔ (حدیث)

۶۔ پوری ضرب المثل یوں ہے :

’’بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی آخر ایک نہ ایک دن چھری تلے آئے گی۔‘‘

یہ ضرب المثل آدھی اور پوری دونوں طرح استعمال ہوتی ہے۔ بہ معنی جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

۷۔ ترجمہ: کیا ہی بُرا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا۔ (الحجرات ۴۹:۱۱)

۸۔ قواعد داخلہ اور خاتمۂ سخن

ان دونوں سرخیوں کا متن مدیر صوفی رسالہ ملک محمد الدین کا ہے۔ آپؒ کے خطبہ کے الفاظ یہاں نقل نہیں کیے گئے۔

◆◆◆

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ

حضرت مولینا ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالی

سجادہ نشین جلالپور شریف و امیر حزب اللہ

کا

خطبہ صدارت

جو آپ نے

حزب اللہ کے دسویں سالانہ اجلاس پر ارشاد فرمایا

در مطبع گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں چھپکر شائع ہوا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط☆

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰينَا وَ حَبِيْبِنَا وَشَفِيْعِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ وَاَشْيَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○ اَمَّا بَعْدُ فَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ فِیْ قُرْاٰنِهِ الْمَجِيْدِ وَفُرْقَانِهِ الْحَمِيْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط يُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ قف وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ط وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِیْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ط وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ط وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ [1]

علمائے کرام، برادرانِ طریقت وارکانِ حزب اللہ! یہ فقیر سب سے پہلے آپ کے اُس خلوص ومحبت کا صدقِ دل سے اعتراف کرتا ہے جس کے حسبِ اقتضا [خواہش کے مطابق] آپ ایسے ناخوش گوار موسم اور ایسی مصروفیت کے دنوں میں اپنے سب کام چھوڑ کر حزب اللہ کے جلسہ میں شرکت حاصل کرنے کی غرض سے یہاں تشریف لے آئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ زمیندار طبقہ بالخصوص آج کل بڑا مصروف ہوا کرتا ہے اور قلبہ رانی [کاشت کاری] میں اگر ایک دن کی تاخیر بھی ہو جائے تو اس کا اثر آئندہ فصل کے نقصان کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے مگر آپ کی قوتِ تمیزی اور معاملہ فہمی کی داد دینی پڑتی ہے کہ آپ نے اس ظاہری نقصان کو بطیّبِ خاطر [خوشی سے] برداشت کر لیا لیکن حقیقی فائدہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

☆ ۴/۵ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ بہ مطابق بدھ ۱۱ اگست/ جمعرات ۱۲ اگست ۱۹۳۷ء کی درمیانی شب پڑھا گیا۔ میر مدد علی کاتب، محلّہ شیعہ، لاہور نے کتابت کی اور مطبع گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ، لاہور میں چھپ کر شائع ہوا۔

ہمارا یہ سالانہ اجتماع اپنے اندر گوناں گوں خصوصیّات و امتیازات رکھنے والا ہے اور ہمیں اس سے جو اخلاقی فوائد اور مذہبی و سیاسی ثمرات حاصل ہوتے ہیں اور اس اجتماعی حیات کے عملی مظاہرہ سے ہمارے قوائے عمل جس طریق سے بیدار ہو کر ہمارے جسموں اور روحوں میں حیات تازہ پیدا کر دیتے ہیں اس کے مقابلہ میں راستہ کی تکالیف، موسم کی ناموافقت یا خانگی ضروریات کی تکمیل میں دو چار یوم کی تاخیر کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

حزب اللہ کا حقیقی نصب العین

میرے عزیزو! مَیں آپ کا قیمتی وقت لاطائل [فضول] تمہیدوں اور بے نتیجہ مباحث میں صرف کرنا نہیں چاہتا اور مختصر الفاظ میں ظاہر کیے دیتا ہوں کہ حزب اللہ کی وہ مبارک جماعت جس کی تاسیس و تشکیل آج سے پورے دس سال پہلے عمل لائی گئی ہے اور جس نے نہایت خاموشی لیکن مستقل مزاجی کے ساتھ اپنی زندگی کے یہ دس دور پورے کیے ہیں۔ حقیقتاً مسلمانوں کے لیے ایک آیۂ رحمت [خدا کی رحمت کا نمونہ] اور ایک نعمت غیر مترقبہ [ختم نہ ہونے والی] ہے اور اس نے جو بلند ترین نصب العین و بہترین دستور العمل مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے اگر آپ اس کی پیش کردہ تجاویز پر صحیح معنوں میں عمل پیرا اور اس کی تعلیمات سے بہرہ مند ہوں تو آپ یقین کر لیں کہ پھر آپ کی زندگی کامرانی کی زندگی ہوگی اور آپ کو عیش جاودانی حاصل ہو جائے گی۔

یہ فقیر شروع سے اپنے پہلو میں ایک دردمند اور حسّاس دل رکھنے والا ہے اور مسلمانوں کے سود و بہبود کا خواہش مند۔ اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے مجھے پتہ چلا تھا کہ ہمارا ماضی یا گزشتہ زمانہ شان دار روایات کا حامل تھا اور ہمارے آبا و اجداد نے جو محیر العقول کارنامے دنیا کے سامنے پیش کیے ہیں اور اپنی پاکیزہ حیات کا جو مظاہرہ جہان کو دکھلایا ہے اس کی نظیر ملنی محال ہے اور اس ساری کامیابی کا راز ان کی عملی زندگی اور اجتماعی حیات یا بالفاظ دیگر "ایک بنو اور نیک بنو" میں مضمر تھا۔ جب تک وہ اس کارگاہِ عالم میں سرگرم عمل رہے اور زبانی جمع خرچ سے کام لینے کی جگہ انھوں نے کچھ کر کے دکھلایا، ان کا نام روشن رہا اور ان کا علم بلند لیکن جب وہ تن آسانی اور آرام طلبی میں جا پڑے اور ان کی قوتوں میں انحطاط رُونما ہو گیا تو ان کی حالت روز بہ روز بد سے بدتر ہوتی چلی گئی اور آج ہر ایک اعتبار سے انھیں جو کم زوری لاحق ہے اور دیگر اقوام کے مقابلہ میں وہ جس سیاسی، تمدنی اور اخلاقی پستی میں پڑے ہوئے ہیں، وہ محض ان کی اپنی غفلت اور لا پروائی کا نتیجہ ہے۔ جب تک ان کے اندر اتحاد و یک جہتی، ہمدردی و اخوّت کے جذبات موجود رہے، کسی مخالف کو ان کی طرف نظر بد سے دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی لیکن جس دن سے وہ ایک دوسرے کے ساتھ خواہ مخواہ اُلجھنے اور اپنے بھائیوں کا گلا کاٹنے لگے، ان کا رعب اور اقتدار کم ہو گیا اور وہی قوّتیں جو مخالفینِ اسلام کے مقابلہ میں صرف ہوا کرتی تھیں، آپس میں ٹکرا کر رہ گئیں۔

حزب اللہ کا اجرا انھیں جذبات کے ماتحت ہوا اور مَیں نے اللہ تعالیٰ سے توفیق اور امر پا کر اپنے ضمیر کی آواز کے ماتحت یہ کام شروع کر دیا اور مسلمانوں کو وہ بھولا ہوا سبق یاد دلایا جو آج سے تیرہ سو سال پہلے خاتم النبیّین رحمۃ للعالمین، سیّد المرسلین، محمد مصطفیٰ اور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انھیں دیا تھا۔ اِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ [۲] و اِعْلَائے كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا [۳] کہ میری بعثت کی غرض دو باتوں پر موقوف ہے ایک یہ کہ تمھاری اخلاقی درستی اور تمھارے حالات کی اصلاح ہو اور دوسرا یہ کہ تم جو خدا کے حقیقی پرستار ہو، دنیا کے سامنے علمِ توحید بلند کرو اور اس کا مقصد بھی وہی ہے جو کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ پاکیزہ اخلاق حاصل کرنے سے تم نیک ہو جاؤ گے اور علمِ توحید بلند نہیں ہو سکتا جب تک تم ایک نہ بنو۔

ابتدائے کار اور مشکلات کا سامنا

میرے دوستو! دنیا میں سب سے آسان چیز کسی پر اعتراض کرنا ہے اور سب سے مشکل کچھ کر کے دکھانا ہے۔ حزب اللہ کی تحریک جب شروع ہوئی تو اس کے متعلق مختلف قسم کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ کسی صاحب نے اسے جلبِ منفعت یا حصولِ جاہ کا ذریعہ بتلایا، کسی نے اسے ایک ڈھونگ سے تعبیر کیا، غرض جتنے منھ اتنی باتیں لیکن یہ خداوندِ کریم کا خاص لطف و کرم ہے کہ مَیں نے جو اقدام بھی کیا وہ خلوص وللّٰہیت کے ماتحت ہوا اور اس میں کسی ذاتی مفاد کو دخل نہ تھا۔ مخالفین کے اعتراضات، حاسدین کی ریشہ دوانیاں میرے پائے استقلال میں تزلزل اور ارتعاش پیدا نہ کر سکیں اور مَیں نے یہ کام اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق مسلسل طور پر جاری رکھا۔ آج تک اس تحریک کی نشر و اشاعت کی غرض سے پورے دس دورے بھی ہو چکے ہیں جو کہ کامیابی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر رہے۔ میری طبیعت کچھ آرام پسند تھی لیکن یہ دھن کچھ ایسی لگی کہ محنت اور تکلیف میں لطف آنے لگا۔ غرض کہ ساری مشکلات کے باوجود تحریک کی یہ گاڑی اپنی سرعتِ رفتار سے چل رہی ہے اور مَیں نے مصلحت اسی میں سمجھی ہے کہ بجائے اس کے کہ مخالفین سے تُو تُو میں میں کرنے میں وقت ضائع کیا جائے یا ان کے فضول اور لغو اعتراضات کے جواب دینے میں سر دردی کی جائے، یہ زیادہ بہتر ہے کہ ان کے سامنے ایک ایسا بہترین لائحہ عمل اور بلند ترین نصب العین پیش کر دیا جائے کہ وہ خود بخود مجبور ہو کر ہماری تقلید اور اتباع کرنے لگیں اور ہماری پیروی کیے بغیر کوئی مفر نہ رہے۔

چناں چہ آج ہمارے معترضین بھی حالات سے مجبور ہو کر وہی باتیں کہنے اور کرنے لگے ہیں جو اس فقیر نے بکرّات و مرّات [بار بار] پیش کیں اور تحریک کی کامیابی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس نے اپنے مخالفین سے بھی زبانی نہ سہی مگر عملاً دادِ تحسین حاصل کر لی ہے۔ وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ [۴]۔

حزب اللہ کا دہ سالہ دورِ حیات اور اُس کے شان دار نتائج

آج حزب اللہ کو شروع ہوئے پورے دس سال منقضی [پورے] ہو چکے ہیں یا بالفاظ دیگر وہ اپنے عہدِ طفولیت سے نکل کر عین عنفوانِ شباب کو پہنچ چکا ہے۔ آپ اگر اس کے حاصل کردہ شان دار نتائج پر ایک عبرانی [سرسری] نظر ڈالیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اتنی قلیل مدت میں جو کامیابی اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے ہمیں حاصل ہوئی ہے شاید کسی اور تحریک کو نصیب ہوئی ہو۔ نہ صرف یہ کہ پینتیس ہزار سے زائد کلمہ گو بھائی اس کی رکنیت میں شامل ہیں اور بارہ تیرہ ہزار رضا کار اسلام کی فدا کاری میں اپنا نام لکھوا کر اپنے مال اور جانیں خدا کے راستے میں پیش کر چکے ہیں بلکہ مسلمانوں کی بگڑی ہوئی ذہنیت کی درستی پر اس تحریک نے ایک خاص اثر ڈالا ہے اور جن علاقوں میں ہماری تحریک نے اپنے قدم جمائے ہیں اور اپنا اثر و نفوذ پیدا کر لیا ہے وہاں جا کر آپ معلوم کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت درست کرنے، انھیں فضول رسموں اور رواجوں کی گرفت سے آزاد کرانے اور ان کے درمیاں رابطۂ اتحاد مستحکم بنانے میں حزب اللہ نے کیسا حیرت انگیز ذہنی اور معاشرتی انقلاب پیدا کر دیا ہے اور جس کا اثر، ان کی مالی حالت کی اصلاح اور سیاسی صورتِ حالات کی بہتری پر کیسا خوش گوار پڑا ہے۔ بالخصوص رضا کاروں کی جماعت جسے بعض شوریدہ سر اپنی دنایتِ طبعی اور خباثتِ قلبی کا ثبوت دیتے ہوئے ایک شر انگیز گروہ بتلاتے ہیں حقیقتاً اسلامی نظم و نسق اور حکم برداری و تابع داری کی ایک زندہ تصویر ہے۔ جنھیں مکلّف کر دیا گیا ہے کہ امیر کے حکم کے سوا وہ کسی سے لڑائی جھگڑا نہ کریں اور تلواریں اور لاٹھیاں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حسبِ ارشاد رکھنے کے باوجود ان کا استعمال سوائے حکم کے نہ ہونے پائے اور یہ حد بندی اور فرماں برداری کی ایک ایسی بہترین مثال ہے جس سے رضا کاروں کی فرض شناسی اور امن پسندی کا ثبوت ملتا ہے۔

حزب اللہ کے کارناموں کی تفصیل بڑی طویل ہے۔ انفرادی مثالوں سے قطع نظر یہ ظاہر کر دینا کافی ہوگا کہ اپنے پیش کردہ زرّیں اصول کی تکمیل میں اسے ایک بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے اور اگر ایک طرف اس نے مسلمانوں کے اندر ایک جماعتی نظام قائم کر دیا ہے اور مختلف عقائد رکھنے کے باوجود پینتیس ہزار مسلمانوں کو ایک جھنڈے کے تلے جمع کر دیا ہے تو دوسری طرف ان کے اندر ایک روحِ عمل پھونک دی ہے۔ انھیں اسلامی تجارت [۵] کی ترغیب دلا کر بے شمار اسلامی دکانیں کھلوا دی ہیں؛ رسوم و بدعات مروّجہ کا استیصال کر کے ان کی بگڑی ہوئی مالی حالت کو ایک طرح سدھار دیا ہے؛ خلافِ شرع اخراجات کا اپنے حلقہ اثر میں خاتمہ کر کے اس نے شریعت غرّا [روشن] کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔

اور سب سے بڑھ کر جو کارنامہ یہ فقیر نہایت فخر و مباہات سے پیش کر سکتا ہے وہ مسلمانوں کی غلط

ذہنیت کی اصلاح ہے اوران کے اعتقادات کی درستی کہ وہی مسلمان جو کہ بعض غلط رو علمائے سو کی ناقص تعلیمات سے متاثر ہو کر اور بعض گم راہ کن و بدنام کنندہ مشائخ کے دامِ تزویر[فریب کے جال] میں پھنس کر اسلام کے منہاج قویم[کشادہ راستے] اور صِـرَاطَ الْـمُسْتَقِيْـمَ سے دور جا پڑے تھے اورانھیں اتحاد بین المسلمین، حالاتِ حاضرہ اور سیاسیاتِ اسلامی جیسے ضروری امور سے جو دیدہ دانستہ بے خبر رکھا گیا تھا، آج ان معاملات میں بیش از بیش دل چسپی لینے لگے ہیں اوراپنی تقدیر پر شاکر رہنے کی جگہ وہ اپنی تدبیر سے اپنی قسمت کو بدل دینے کے لیے آمادہ کار ہو چکے ہیں۔ وَعَسَى اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۔[٦]

برادرانِ طریقت وارکانِ حزب اللہ سے خطاب

اب میرا روئے سخن اپنے مخلص برادرانِ طریقت سے ہے جن کی تعداد خداوند کریم کے لطف وکرم سے لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے کہ جب آج سے دس سال پہلے تحریک کا آغاز ہوا تو اس فقیر نے آپ کے سامنے ان تمام مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے جو ہمیں اس راستے میں درپیش ہونی ناگزیر ہیں، جماعت میں شرکت کو آپ کی مرضی اور پسند پر چھوڑ دیا تھا اور آپ کو بتلا دیا گیا تھا کہ :

گریزد از صفِ ما ہر کہ مردِ غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست[٧]

چناں چہ آپ میں سے جو اصحاب تحریک میں شامل ہو گئے ہیں وہ تو ایک طرح کی پابندیِ عہد کے مکلّف بن چکے ہیں لیکن جس امر کی مجھے دلی مسرّت ہے وہ یہ کہ دوسرے برادرانِ طریقت بھی عملی طور پر حزب اللہ کے مقررہ اصول وقواعد پر عمل پیرا ہو چکے ہیں اور بیسیوں نہیں بلکہ سیکڑوں مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں کہ رسوم اور بدعات کو ترک کرنے ،عدالتوں میں مقدمات کم لے جانے اور اسلامی تجارت کی طرف رغبت کرنے میں آپ لوگوں نے بیش از بیش دل چسپی دکھلائی ہے اور میرا حقیقی مقصد ہی عملی طور پر مسلمانوں کو اپنے پیش کردہ اصولوں پر دعوتِ عمل دینا ہے نہ کہ بے عمل ارکان کی تعداد بڑھانا۔اب بھی میری دلی خواہش یہی ہے کہ آپ نام کے حزب اللہ بنیں یا نہ بنیں مگر کام کے حزب اللہ ضرور بن جائیں۔

ارکانِ حزب اللہ! مجھے آپ سے بھی ایک دو ضروری باتیں کرنی ہیں۔ایک یہ کہ اس میں شک نہیں کہ آپ نے بھی ترکِ رسوم وبدعات میں ہمارے احکام کی تعمیل میں نہایت سرگرمی دکھلائی ہے اور یہ اخوّتِ اسلامی کا جو سلسلہ قائم کیا گیا ہے اس کے مطابق اپنی حزب اللہ کی برادری سے آپ کے تعلقات نہایت خوش گوار ہو چکے ہیں لیکن پنچایتوں کے قیام اوران کے فیصلوں کے احترام میں ابھی مجھے کچھ کم زوری نظر آ رہی ہے۔معمولی معمولی

باتوں کے لیے امیر کے پاس آنا خواہ مخواہ تکلیف دہ ہو رہا ہے آپ اپنے گھروں میں پنچایت کے مقررہ ارکان کے سامنے یہ چیزیں پیش کیا کریں۔ اگر کوئی ایسا پیچیدہ معاملہ درپیش ہو جائے جو پنچایت کے ممبروں سے نہ سُلجھ سکے تو فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ [۸] کے مطابق مجھے بھی اس میں دل چسپی لینے میں کوئی عذر نہیں۔ تجارت کے سلسلہ میں ابھی مزید توجہ کی ضرورت ہے اور دادستد [لین دین] کے معاملات میں دیانت داری کو ہر حالت میں مقدم رکھنا چاہیے۔ مسلمان دکان داروں کا فرض ہے کہ وہ کم سے کم نفع پر سودا اپنے بھائیوں کے ہاتھ بیچا کریں اور مسلمان گاہکوں کا فرض ہے کہ وہ معمولی تفاوت کی بنا پر دوسرے لوگوں کو اپنے بھائیوں پر ترجیح نہ دیں۔ یہاں سوال کسی قوم کے بائیکاٹ کا نہیں بلکہ اول خویش بعد درویش کا معاملہ ہے۔

ایک اور بات جو بے حد اہم اور ضروری ہے اور جس کے متعلق یہ فقیر اپنی متعدد تقریروں میں بار بار توجہ دلا چکا ہے وہ اطاعتِ امیر کا مسئلہ ہے۔ آپ نے جس صورت میں کہ مجھے اپنا امیر تسلیم کرلیا ہے تو پھر آپ کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ احکام کی متابعت کیا کریں اور کسی سیاسی یا ملکی معاملے میں دخل دینے سے پہلے مجھ سے استصواب کرلیا کریں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی شریر النفس تمھاری نیک دلی یا حسنِ اعتقاد سے فائدہ اُٹھا کر کوئی بات ہماری طرف منسوب کر کے تمھیں کہہ دے اور تم بلا تحقیقِ حال کوئی ایسا اقدام کرنے لگو جس پر تمھیں بعد میں ندامت اٹھانی پڑے، بلکہ جب کبھی تمھیں ہماری طرف سے کوئی حکم پہنچے تو سب سے پہلے اس کی صحت یا عدمِ صحت کے متعلق دریافتِ حال کرلیا کرو اور اپنی تسلی کے بعد اس کی تعمیل کے لیے آمادہ کار ہو جایا کرو اور اگر وہ حکم واقعی امیر کا ہو تو پھر تمھارے لیے حسبِ فرمان خداوندی وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ [۹] اس کی تعمیل واجب ہے اور یہی اطاعتِ امیر کا ایک قابلِ تحسین جذبہ تھا کہ جب تک مسلمانوں میں موجود رہا وہ کسی قوم یا جماعت سے مرعوب نہ ہو سکے اور جب ان کا شیرازہ بکھر گیا اور اِعْجَابُ لِکُلِّ ذِیْ رَأْیٍ رَأْیُہٗ [۱۰] کے مطابق ہر ایک شخص اپنی بات منوانے لگا تو انھیں یہ حالتِ بد دیکھنی نصیب ہوئی۔

برادرانِ وطن کی خدمت میں ایک درخواست

ہماری تحریک جوں جوں عالم گیر مقبولیت حاصل کر رہی ہے۔ برادرانِ وطن میں سے بعض ضرورت سے زیادہ حسّاس لوگ اسے بے اعتباری کی نظروں سے دیکھنے لگے ہیں اور انھیں ایک طرح کا خطرہ پیدا ہو رہا ہے کہ کہیں آگے چل کر یہ جماعت ہمارے خلاف کوئی عملی اقدام نہ کرنے لگے۔ مَیں انھیں تسلی دلانا چاہتا ہوں کہ حزب اللہ نے فرقہ وارانہ کشیدگیوں سے ہمیشہ اپنا دامن بچایا ہے اور آئندہ بھی اس کے سامنے تخریب کا کوئی پہلو نہیں بلکہ سراسر تعمیر ہی تعمیر ہے۔ وہ اگر مسلمانوں کو منظم ہونے کی دعوت دے رہی ہے تو اس کا مقصد صرف یہ ہے

کہ مسلمان نااتفاقیوں اور دھڑابندیوں میں پڑ کر تباہ و برباد ہو رہے ہیں، ان کے درمیان اتحاد و اتفاق ہونا چاہیے اور اگر وہ اپنی قوم کو ترکِ رسوم و رواجات کی دعوت، مقدمات سے بچنے کی ترغیب دے رہی ہے اور تجارت کرنے کی توجہ دلا رہی ہے تو اس کے پیشِ نظر مسلمانوں کی حد سے بڑھی ہوئی کم زور اقتصادی و معاشرتی کم زوری کی اصلاح ہے۔

آج ہندُستان کے اندر قوموں کی جو مسابقت شروع ہے اور ہماری ہمسایہ قومیں جس تیزیِ رفتار سے منزلِ مقصود کو پہنچ رہی ہیں، مسلمان من حیث القوم سب اقوام سے پس ماندہ اور درماندہ ہیں اور میری کوشش ہے کہ انھیں بھی اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے اور پھر تنازع للحیات و جہد للبقا کے زریں اصول کے مطابق کارگاہِ عمل میں کچھ کر کے دکھلانے کا عادی بنایا جائے یا بالفاظ دیگر اگر ہندُستان کی مختلف قوموں کو ایک گاڑی سے تعبیر کیا جائے تو مسلمانوں کی قوم کا پہیہ بہت شکستہ حالت میں ہے اور میری یہ خواہش ہے کہ اُس کی شکستگی کو دور کر کے اُسے مضبوط بنا دیا جائے تاکہ ایک پہیہ کی خرابی ساری گاڑی کے چلنے میں رکاوٹ پیدا نہ کر سکے۔ بالخصوص آزاد خیال برادرانِ وطن کو تو میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ مَیں نے مسلمانوں میں ایک احساسِ زیاں پیدا کر کے اُن کے اندر بھی جذباتِ قومی پیدا کر دیے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو وہ دن دور نہیں کہ ہماری قوم بھی حصولِ آزادی کی جدوجہد میں اپنے بھائیوں سے پیچھے نہیں رہے گی بلکہ دوش بہ دوش چلنے لگے گی۔

حزب اللہ اور سیاسیات

ہماری جماعت شروع شروع میں سیاسیات سے ذرا الگ تھلگ رہی اور مقصد صرف یہ تھا کہ پہلے مسلمانوں کو اس شجرِ ممنوعہ کے نزدیک جانے کی ترغیب دلائی جائے اور ایک نئی چیز کے سمجھنے کے قابل بنایا جائے اور جب دیکھا گیا کہ وہ اس قابل ہو چکے ہیں کہ اُن کے سامنے یہ خشک مگر ضروری مضمون پیش کیا جائے تو اسلامی سیاسیات کو حزب اللہ کا ایک جزو لاینفک بنا دیا گیا اور مسلمانوں کو یہ بات ذہن نشین کرادی گئی کہ مذہب اسلام کی بنیاد ہی سیاست پر ہے اور وراثتِ ارضی کا اصل حق دار ہی مسلمان ہے۔[۱۱] بعض تنگ نظر علما اور بے ہمت مشائخ نے دیدہ دانستہ مسلمانوں کو اس بظاہر خارزار مگر درحقیقت گل زار میں آنے سے روک رکھا تھا۔ اس فقیر نے اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے سیاست کے صحیح خط و خال مسلمانوں کو دکھلا دیے اور یہ ظاہر کر دیا کہ جب تک تم ہمسایہ اقوام کے دوش بہ دوش نہ چلنے لگو گے اور اپنے جائز حقوق کی حفاظت کے لیے میدانِ عمل میں نہ نکل آؤ گے تمھاری ہستی کے مٹ جانے کا خطرہ ہے اور ہندُستان میں تمھارا قیام یا استحکام تمھارے اپنے طرزِ عمل پر منحصر ہے۔ چناں چہ خداوند کریم کا شکر ہے کہ میری محنت رائیگاں نہ گئی اور کئی ایک دور اُفتادہ مقامات اور دیہات کے

مسلمان بھی سیاسی معاملات میں ایسی ہی دل چسپی لے رہے ہیں جس طرح کہ شہروں کے کلمہ گو بھائی۔

کانگریس اور حزب اللہ

یہ فقیر اپنے ملک کی آزادی اور ترقی کا اُسی طرح خواہاں ہے جس طرح کہ ایک بڑے سے بڑا محبِ وطن ہوسکتا ہے اور میری دلی خواہش ہے کہ میری زندگی میں ایک ایسا وقت آئے جب کہ ہمارے ہندُستان کی سرزمین اغیار کی دست بُرد سے محفوظ ہوکر حقیقی معنوں میں آزادیٔ کامل حاصل کر سکے اور اُس کے باشندے حکومتِ خوداختیاری کی دولت سے مالامال ہوسکیں اور جس حد تک کانگریس کا تعلق خواہشِ آزادی سے ہے یہ فقیر اس کے ساتھ اشتراکِ عمل کرنے کے لیے تیار ہے مگر آج کل کی کانگریس کے اندر جو عنصر کام کررہا ہے وہ ذرا تنگ نظر اور تنگ خیال ہے۔ غالب اکثریت رکھنے والی ایک قوم کا ایک اقلیت کے ساتھ یا بالفاظ دیگر ہندوؤں کا مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک ہورہا ہے اُسے یہ فقیر بہ نظر استحسان نہیں دیکھتا اور جب تک کانگریس والے نمائشی نہیں بلکہ عملی طور پر بلند نظر اور وسیع الخیال نہیں ہوجائیں گے ہماری جماعت کا ان سے اتحاد دیرطلب ہے کیوں کہ ہمارا اپنے بھائیوں سے یہ ایک جائز مطالبہ ہے کہ تم ہمارے ساتھ ایسا سلوک کرو جو ہمیشہ بڑے چھوٹوں سے کیا کرتے ہیں اور اگر تمھارا برتاؤ برادرانِ یوسفؑ کی طرح ہوا تو پھر تمھارے طرزِ عمل کی اصلاح تک ہم علیحدگی اختیار کرنے پر مجبور ہیں اور اس فقیر کی ناقص رائے میں مسلمانوں کے لیے موجودہ سیاسی بحران میں سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ کانگریس میں جذب ہونے کی بجائے اپنی ہستی کو علیحدہ رہ کر برقرار رکھیں اور انگریز کی غلامی سے نکل کر کسی دوسرے شخص یا جماعت کی غلامی قبول نہ کریں تاوقتیکہ دوسری قومیں ہماری طرف صلح اور آشتی کا ہاتھ نہ بڑھائیں اور پھر ان شاء اللّٰہ مصالحت جوئی میں ہم اُن سے بڑھ چڑھ کر ثابت ہوں گے۔

فرقہ وارانہ خیالات اور اُن کی ذمہ داری

یہ ہمارے ملک کی انتہائی بدقسمتی ہے کہ یہاں مختلف مذاہب وادیان کی وجہ سے باہم دگر کشمکش اور تصادم وتقابل کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے اور آج کل ہمارے بعض خودساختہ لیڈر اپنی رہ نمائی اور قیادت کو ہمہ گیر اور وسیع کرنے کے خیال سے ایسی اشتعال انگیز تقریریں کرتے ہیں یا ایسے حالات پیدا کردیتے ہیں یا بعض غیر ذمہ دار اخبارات اپنی جذبات کو مشتعل کرنے والی تحریروں سے ملک کے امن میں خلل ڈالنے کا موجب بن رہے ہیں۔ دراصل اس قسم کے تعصّبات اور ایسے نفاق آمیز خیالات بے حد قابلِ نفرت ہیں اور سوائے اس کے کہ قوموں کے درمیان پیدا ہونے والی نفاق کی خلیج اور زیادہ وسیع ہوجائے یا ایسی تقریروں اور تحریروں سے متاثر ہوکر رائے عامہ ایک دوسرے کے خلاف بھڑک اُٹھے اور ملک کا امن وامان خاک میں مل

جائے اور حاصل ہی کیا ہے؟

جب ساری قوموں نے ہندُستان میں رہنا ہے اور ایک کے نکالے دوسری نہیں نکل سکتی تو بجائے خصومت اور جھگڑے کے اگر آدمیّت اور شرافت کے ساتھ اوقات بسر کیے جائیں تو حرج ہی کیا ہے؟ اور پھر آزادی آزادی پکارنے والے یاد رکھیں کہ آزادی تمھارے باہمی اتفاق اور اتحاد کے بغیر حاصل ہونی قطعاً ناممکن ہے اور تم لاکھ قربانیاں کرو، ہزاروں قراردادیں پاس کراؤ، مقاومت مجہول [سول نافرمانی] سے جیل خانے بھردو، مقاطعہ جوئی [بھوک ہڑتال] کرتے کرتے خودکشی کر جاؤ لیکن جب تک ملک میں بسنے والی قوموں کے درمیان مصالحت نہ ہوگی، ان کے تعلقات خوش گوار نہ ہوں گے تب تک تمھاری ساری کوششیں بے کار اور تمھاری تمام قربانیاں بے نتیجہ رہیں گی۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں بھی چند افراد آپ کو ایسے مل جائیں گے جو فرقہ وارانہ خیالات کو ظاہر کر کے اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتے ہیں لیکن اگر بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو اس کی بہت بڑی ذمہ داری ہمارے برادرانِ وطن پر عائد ہوگی اور انھی کا متعصّبانہ اور جانب دارانہ طرزِ عمل اس ساری خرابی کا باعث ہو رہا ہے اور مسلمان اگر ذرا سی جوابی کارروائی کریں تو ان کا پریس رائی کا پہاڑ بنا کر دکھلانے لگتا ہے حالاں کہ مسلمانوں کو عافیت پسندی اور امن دوستی کا حکم دیا گیا ہے اور انھیں بتلایا گیا ہے کہ جو شخص ابتدا کرے وہی زیادہ ظالم ہے۔

اصلاحات جدیدہ کا نفاذ اور مسلمانوں کی کس مپرسی

گزشتہ سال ملک کے کونے کونے میں انتخابات کا غلغلہ بلند ہوا۔ نئی اصلاحات کے ماتحت صوبہ جاتی آزادی اسمبلیوں اور کونسلوں کی شکلوں میں ظاہر ہوئی۔ اس فقیر نے بعض کم فہم معترضین کے اعتراضات کے باوجود انتخابات میں حصہ لیا اور رائے دہندگان سے اپیل کی کہ وہ ایسے امیدواروں کو ووٹ دیں جو کہ ووٹ دیے جانے کا استحقاق رکھتے ہوں اور جو کونسلوں میں جا کر تمھاری صحیح نمائندگی کر سکیں۔ چناں چہ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ جن امیدواروں کی ہماری جماعت کی طرف سے حمایت کی گئی ان کا بیشتر حصہ کامیاب ہو گیا اور مخالفین کچھ کہیں مگر ہماری جماعت کا یہ ایک اخلاقی اور سیاسی فرض تھا کہ وہ ایسے موقع پر میدانِ عمل میں نکل آتی اور اپنی ہستی کا ثبوت پیش کرتی اور ملک وقوم کے رہ نماؤں کا یہ ایک فرض اوّلین ہے کہ وہ ایسے حالات میں ملک اور قوم کی حقیقی رہ نمائی کریں۔ چناں چہ پنجاب میں بھی اسمبلی کا قیام ہو گیا ہے اور یونینسٹ یا اتحاد پارٹی نے برسرِ اقتدار ہو کر ترتیبِ وزارت اور صوبہ کے نظم ونسق کا کام سنبھال لیا ہے۔ اُدھر ہندُستان کے گیارہ صوبوں میں سے چھ صوبوں پر کانگریس قابض ہو چکی ہے۔ ہمیں کانگریس کے قبولِ وزارت پر کوئی اعتراض نہیں جب کہ ان کی

مصلحتیں اس کی متقاضی تھیں لیکن ان کے طرزِ عمل پر بجا اعتراض ہے کہ ترتیبِ وزارت وتقسیمِ عہدہ جات کے معاملہ میں انھوں نے کسی قدر تنگ خیالی اور قومی تعصب کا ثبوت پیش کیا ہے۔ بالخصوص اڑیسہ کے مسلمانوں کو حقِ وزارت سے کلیتہً محروم کر دینا اور عذر یہ پیش کرنا کہ وہاں کے مسلم ارکان میں کانگریسی خیالات رکھنے والا کوئی نہیں ایک ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کے بالمقابل ہمارے وزیرِاعظم صاحب کا طرزِ عمل کہیں مستحسن ہے جنھوں نے اپنی پارٹی سے باہر کے ارکان میں سے بھی دو تین وزیر چُن لیے اور اپنی رواداری اور حسنِ معاملہ کا ثبوت پیش کر دیا۔ کانگریس والوں کی اگر یہ خواہش ہے کہ مسلمان بہ حیثیتِ جماعت اُن سے تعاون اور اشتراک عمل کریں تو انھیں اپنے موجودہ رویے میں ترمیم کرنی پڑے گی تا کہ کہیں وہ مقصد ہی فوت نہ ہو جائے جو کہ ہمارے اور اُن کے درمیان ایک جیسی اہمیت رکھنے والا ہے۔

آلہ، امرتسر اور پانی پت کے خوں چکاں واقعات حقائق کی روشنی میں

حضرات! یہ میری بہت بڑی فروگذاشت ہوگی۔ اگر مَیں اپنے قریب ترین مقام آلہ اور پھر اُس فساد کے شاخسانہ امرتسر میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں اور چند افراد کی بے تدبیری یا غلط روش سے جو فسادات کی صورت پیدا ہوئی ہے اس پر تبصرہ وتنقید نہ کروں۔ آلہ میں جو کچھ ہوا ہے یا امرتسر میں جو خون کی ہولی کھیلی گئی ہے کوئی امن پسند اور عافیت کوش ہندُستانی ایسا نہ ہوگا جو یہ حالات سن کر سر بہ گریباں نہ ہو جائے اور جسے صحیح معنوں میں ندامت وانفعال سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ معلوم نہیں اِن فسادات کی تحقیقات کرنے والوں نے موردالزام کس کو بنایا ہے؟ اور :

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ ظلم بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا[12]

کے مطابق کون سی قوم اس میں قصوروار ہے؟ اپنا الزام دوسرے پر عائد کر دینے سے انسان بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ اس طریق سے اگر مسلمان کہیں کہ سارا قصور سکھوں کا ہے اور ہمارے سکھ بھائی سارے الزامات مسلمانوں کے ذمہ لگا دیں تو ایک انصاف پسند صرف سنی سنائی باتوں پر اعتبار نہیں کرے گا تاوقتیکہ واقعات وشواہد سے اس کی تسلّی نہ ہو جائے۔ آلہ میں جو کچھ ہوا ہے وہ بہ قول شخصے طویلے کی بلا بندر کے سر کی طرح جھگڑا ہندوؤں اور سکھوں کا تھا، مسلمانوں کو خواہ مخواہ بیچ میں لے لیا گیا اور پھر یہ جو کچھ ہوا ہے مذہب کے نام پر نہیں ہوا اور نہ ہی اس میں مذہبی تعصّبات کو کوئی دخل تھا اور نہ فساد کے بعد بالکل سکون ہو جانا اور کسی ایک مقام پر بھی ہندو مسلم یا سکھ مسلم تصادم نہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ کوئی فرقہ وارانہ کشیدگی نہ تھی بلکہ سکھوں کے ایک اشتعال انگیز اشتہار کے

مضمون سے متاثر ہو کر اور آلہ کی مسلم آبادی کو مسلح اور مشتعل سکھوں کے جتھوں سے محفوظ رکھنے کی خاطر مسلمانوں کا اجتماع ہوا اور پھر پولیس کا نشانہ مشق بنا۔

مسلمانوں کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ آلہ میں دیوان منعقد نہ ہو ورنہ ایک قتل کی وجہ سے سکھوں کی اشتعال انگیزی کہیں مسلمانوں کی عام خوں ریزی پر منتج نہ ہو جائے۔ اگر اس موقع پر ذمہ دار اصحاب دور اندیشی اور مصلحت بینی سے کام لیتے تو کسی فساد کا امکان نہ تھا مگر ذرا سی بے تدبیری اور ناعاقبت اندیشی نے مدتوں کا امن و امان خاک میں ملا دیا اور وہی لوگ جو صدیوں سے سگے بھائیوں کی طرح گلے ملے ہوئے تھے ایک دن کے لیے بچھڑ گئے۔ گو دوسرے ہی دن انھیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور اب بھی ان کے تعلقات ویسے ہی دوستانہ ہیں، جیسے پہلے ہوا کرتے تھے۔

اس فقیر نے سُنا ہے کہ بعض سادہ لوح اشخاص نے کسی ابلہ فریب کے چکمہ میں آ کر حکام کے سامنے یہ بیان دیے ہیں کہ اس فساد کی تہ میں جماعت حزب اللہ کا دخل بھی تھا حال آنکہ یہ جماعت ایسی باتوں سے اصُولاً الگ تھلگ رہا کرتی ہے اور اس کا مقصد وحید ہی مصالحت کوشی اور امن پسندی ہے۔ آلہ اور اُس کے مضافات میں جو کچھ بھی ہوا وہ ہماری لاعلمی اور بے خبری میں ہوا اور نہایت قابلِ افسوس طریق سے ہوا اور غالبًا نادان دوستوں کی حماقت اور دانا دشمنوں کی شرارت [۳۱] سے ہوا۔ حزب اللہ کی جماعت کا اس میں کوئی دخل نہ تھا۔

لیکن کیا اس کی ذمہ داری سکھوں کے اُن لیڈروں پر عائد نہیں ہوتی جنھوں نے سکھ آبادی کو جوش دلایا، اُن کے جذبات میں ہیجان پیدا کر دیا، ان کے سامنے اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں اور انھیں آمادۂ فساد بنا کر بھیجا گیا؟ امرتسر میں اُن کے بعد جو واقعات رُونما ہوئے ہیں وہ اور بھی زیادہ افسوسناک ہیں کہ ایک بے پناہ اور مشتعل ہجوم نے نہتے اور بے خبر مسلمانوں پر ہلہ بول دیا اور اُن کا جرم صرف یہ تھا کہ آلہ میں دو تین سکھ کیوں مارے گئے؟ اگر فرقہ وارانہ کشیدگیوں کا یہی حال رہا اور ہمارے مذہبی لیڈروں اور قومی اخبارات کی یہی کیفیت رہی تو پھر اس ملک میں کسی قوم یا کسی فرد کی جان و مال محفوظ نہیں۔ پانی پت کا واقعہ ہائلہ [ہول ناک] بھی پولیس کے بے جا تشدّد کا ایک عملی ثبوت ہے اور جب تک ان واقعات کے متعلق ایک غیر جانبدارانہ تحقیقات کر کے اصلی مجرموں اور سرغنوں کو قرار واقعی سزائیں نہیں دی جائیں گی ایسے حالات کے پھر پیدا ہو جانے کا امکان ہے۔

وزیرِاعظم کی دعوت مصالحت اور اس پر اظہارِ استحسان

پچھلے دنوں ہمارے معزّز دوست سر سکندر حیات خان صاحب وزیرِاعظم نے شملہ میں ایک مجلس مصالحت قائم کی تھی اور جس کا مقصد فرقہ وارانہ خیالات کو مٹا کر پنجاب کی قوموں کے اندر مصالحت کے جذبات

پیدا کرنا ہے۔ یہ فقیر اس تجویز کو نہایت استحسان اور پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھتا ہے اور وزیراعظم صاحب کو یقین دلانا چاہتا ہے کہ اپنے مقررہ اصول کے مطابق ہماری جماعت حزب اللہ اُن کے اس نیک مقصد میں ان کے ساتھ اشتراکِ عمل کے لیے بالکل تیار ہے اور ہماری تمام کوششیں اور طاقتیں ان کا ہاتھ بٹانے کے لیے وقف ہو چکی ہیں اور یہ ہمارے صوبہ کی خوش قسمتی ہے کہ ہمیں ایک ایسا نیک خیال اور ہر دل عزیز وزیر ملا ہے جس کے دل میں بچھڑے ہوؤں کو ملانے اور ایسے شر انگیز خیالات کو مٹانے کے جذبات موجزن ہیں۔ خدا کرے کہ وزیراعظم کے نیک ارادے پورے ہو کر رہیں اور پنجاب میں امن و امان کا دور دورہ ہو اور یہاں کی تمام قومیں باہم دگر شیر و شکر ہو جائیں۔ آمین!

تقسیمِ فلسطین پر زبردست صدائے احتجاج

معزز حاضرین! اب مَیں آپ کے سامنے ایک ایسی بات ظاہر کرنے لگا ہوں جس نے کہ آج دنیائے اسلام کو وقفِ احزان بنا رکھا ہے اور سارے جہان کے مسلمان بلا لحاظ رنگ و نسل، ملک و قوم اس سانحۂ ملّی سے بہ درجۂ غایت متاثّر ہو کر ایک زبردست صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں اور وہ تقسیمِ فلسطین کا معاملہ ہے۔ ہماری سرکار برطانیہ کی یہود نواز حکمت عملی پہلے ہی کیا کم تھی؟ اور معاہدہ بالفور نے پہلے سے ہی مسلمانوں کو جس مصیبت اور تکلیف میں مبتلا کر رکھا تھا اور اُن پر جس طریق سے ظلم و ستم توڑے گئے تھے، انھیں گولیوں کا نشانہ بنایا گیا تھا، انھیں سزائے تازیانہ دے دے کر اُن کی چمڑیاں اتاری گئی تھیں۔ کیا اس میں کوئی کسر رہ گئی تھی کہ آج تحقیقاتی رپورٹ نے فلسطین کو تین حصوں پر تقسیم کر دینے کا اعلان کر کے مسلمانوں کی رہی سہی امید کو بھی منقطع کر دیا ہے؟ رپورٹ کا مفہوم یہ ہے کہ بیت المقدس اور مقاماتِ متبرکہ پر برطانیہ کا قبضہ ہو، ملک کی زرخیز اور کارآمد زمینوں پر یہود قابض ہو جائیں اور ملک کا ریگستان اور بنجر علاقہ غریب عربوں کو دیا جائے یا بالفاظ دیگر:

از صحنِ خانہ تا بہ سقف خانہ زانِ من
و از سقف خانہ تا بہ ثریا زآنِ تو [۱۴]

گھر کے صحن سے لے کر چھت تک میرا حصہ اور چھت سے لے کر آسمان تک تمھارا حصہ ہے، ایک اعرابی کی تقسیم پر عمل کر کے دکھلایا گیا ہے۔ بیت المقدس کی پاک سرزمین جسے بَارَكْنَا حَوْلَهُ [۱۵] کا خدائی خطاب حاصل ہے، جو ہمارے پیغمبروں کا مرقد، ہمارے اولیا اللہ کا مدفن اور ہمارے اسلاف کی فرودگاہ ہے، جو مسلمانوں کا قبلہ اول ہے، جسے صلیبی جنگوں میں رچرڈ شیر دل شاہِ انگلستان اور فلپ شاہِ فرانس متحدہ یورپ کے بل بوتے پر بھی فتح نہ کر سکے، آج برطانیہ کے اربابِ حل و عقد [صاحبِ اقتدار لوگوں] کی ایک جنبشِ قلم سے ہمارے ہاتھوں نکلی جا

رہی ہے اور پھر اُس پر قبضہ دلایا جا رہا ہے ایک ایسی قوم کو جو قرآنی اصطلاح [۱۶] میں ذلت، مسکنت اور غضبِ الٰہی کی مورد [اترنے کی جگہ] ہے۔

ع مدارِ روزگارِ سفلہ پرور را تماشا کن [۱۷]

برطانیہ کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ ایک ایسی سلطنت ہے جس کے زیرِ نگیں تمام حکومتوں سے بڑھ چڑھ کر مسلمان آباد ہیں، وہ چند اشخاص کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر کئی کروڑ مسلمانوں کی ناراضی مول نہ لے اور اس تقسیم والے معاملہ پر نظرِ ثانی کرے ورنہ ہم بے بس سہی، کم زور سہی، ناطاقت سہی، مگر ہمارے دلوں میں برطانیہ کی اس خود غرضانہ اور یہود نواز حکمتِ عملی سے ناسور پڑ جائیں گے اور یہ زخم کبھی مندمل نہیں ہو سکیں گے۔

خاتمہ سخن و دعا

میرے بھائیو! مَیں نے اختصار و جامعیّت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بھی آپ کا بہت سا قیمتی وقت لے لیا ہے اور اپنی طرف سے کوشش کی ہے کہ حشو و زوائد سے بچ کر اصل حقائق آپ کے سامنے لائے جائیں۔ اب مَیں اس دعا پر خاتمہِ سخن کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دیں کہ مَیں اپنی زندگی کے تمام لمحات خدمتِ اسلام و مسلمین کے لیے صَرف کر سکوں اور آپ کو توفیق دیں کہ جو چیزیں قابلِ عمل آپ کے سامنے نہایت خلوص نیّت سے پیش کی جا رہی ہیں آپ اُن سے استفادہ کر سکیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

فقیر ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ کان اللہ لہٗ سجادہ نشین و امیر حزب اللہ، جلال پور شریف۔

آنریبل میجر سردار سر سکندر حیات خان صاحب وزیرِ اعظم صُوبہ پنجاب کا خیر مقدم

خطبہ پریس میں جا چکا تھا کہ ایک نہایت مسرت انگیز اطلاع موصول ہوئی کہ ہمارے محترم دوست سر سکندر حیات خان صاحب بھی عُرس مُبارک اور حزب اللہ کے سالانہ جلسہ میں شمولیت کی خاطر تشریف لا رہے ہیں۔ اپنے معزز مہمان کے قدوم میمنت لزوم [ایسا آنا جس سے برکت ہو] پر یہ فقیر اپنے برادرانِ طریقت اور ارکانِ حزب اللہ کی طرف سے پُر تپاک خیر مقدم کرتا ہے۔

سر سکندر حیات خان صاحب نے جو وزارت مرتب کی ہے اس کا یہ ایک امتیاز خصوصی ہے کہ مسلمان ارکانِ اسمبلی کی مجموعی تعداد اکانوے میں سے بیاسی کے قریب ارکان اُن کی اتحاد پارٹی میں شامل ہو چکے ہیں اور زمیندار ارکان کی غالب اکثریت نے بلا امتیاز مذہب و ملّت اُن سے اشتراکِ عمل کر لیا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر شہری ہندوؤں اور مسلمانوں کے ایک طبقہ کا اُن کی پارٹی میں شامل ہو جانا اس امر کی دلیل ہے کہ انھیں صرف دیہاتی آبادی کا نہیں بلکہ شہری آبادی کے ارکان کا اعتماد بھی حاصل ہے۔ امید کہ ہمارے معزز دوست کو اس بات

کا خاص احساس ہوگا کہ ان کے متعلق اب ملک وقوم کی طرف بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوچکی ہیں جو کہ انھوں نے اپنے جذبات ملی وحسّیات قومی سے متاثر ہوکر خود برداشت کر لی ہیں حال آنکہ اس سے پیشتر وہ ریزرو بینک میں ایک جلیل القدر عہدہ پر فائز تھے، ایک بڑی تنخواہ لے رہے تھے اور جہاں پر اُن کے اوقات نہایت آرام و اطمینان سے بسر ہو رہے تھے لیکن ایسے نیک خیال اور دردمند دل رکھنے والے اصحاب کو جو لطف قوم وملّت کی خدمت میں آتا ہے وہ کسی دوسرے شغل میں نہیں آسکتا۔ موجودہ وزارت کے قیام میں ابھی بہ مشکل پانچ مہینے گزرے ہوں گے اور اتنے قلیل عرصہ میں اس کے حسن و قبح کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں ہوسکتی لیکن بھجوائے [عبارت کے مطابق] :

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست [۱۸]

سر سکندر حیات خان صاحب کی شخصیت اِس کے مستقبل کے خوش گوار ہونے پر دلالت کرنے والی ہے جب کہ اس سے پہلے گورنری کے منصب جلیلہ کے وقت بھی اپنی ہر دل عزیزی اور شرافت طبعی کا ثبوت دے چکے ہیں اور ہمیں یقین واثق ہے کہ غریب اور پس ماندہ مسلم قوم کے جملہ حقوق کی حفاظت اور نادار مفلس زمین داروں کے دفعِ افلاس وعُسرت کے وسائل اختیار کرنے میں ان کا وجود بے حد مفید ثابت ہوگا اور اگر ہماری یہ توقعات پُوری ہوگئیں اور ہماری دعا ہے کہ پوری ہو کر رہیں تو ہم سر سکندر حیات خان صاحب کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ انھیں ہم سب کی تائید حاصل ہوگی اور ان سے اشتراکِ عمل اور تعاون کرنے میں ہمیں حقیقی راحت محسوس ہوگی۔ **اَللّٰھُمَّ وَفِّقْهُ لِمَاتُحِبُّ وَتَرْضَاهُ۔**

....

حواشی

۱۔ التوبہ ۹:۱۱۱، ۱۱۲۔

۲۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کروں۔
(ابوبکر احمد بن عمرو (متوفی ۲۹۲ھ) مسند البزار، جز ۱۵، ص ۳۶۴، حدیث نمبر ۸۹۴۹)

۳۔ التوبہ ۹:۴۰۔

۴۔ فضیلت وہ ہے جس کی دشمن بھی گواہی دے۔ (عربی مقولہ)

۵۔ الجمعہ ۹:۲۶، ۱۰۔

۶۔ ترجمہ: اور اُمید ہے اللہ اس کے بعد کوئی صورت پیدا فرما دے۔
امیر حزب اللہ نے سورۃ الطلاق کی پہلی آیت کے الفاظ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰہُ کی جگہ وَعَسے اللّٰہُ

کہ کراُسے مقولہ بنادیا۔ مزید برآں یُحْدِثُ سے پہلے اَنْ کا اضافہ بھی کیا تھا۔ یوں اِس مقولے کا مطلب ہوا کہ اور اُمید ہے اللہ اس کے بعد اگر کوئی صورت پیدا فرمادے۔

۷۔ ترجمہ: ہماری صفوں سے ہر وہ شخص گریز کرتا ہے جو مردِ غوغا نہیں ہے۔ وہ شخص جو قتل نہیں ہوا ہمارے قبیلے سے نہیں ہے۔

(دیوان نظیری نیشاپوری، مرتبہ: مظاہر مصفا، کتاب خانہ امیر کبیر، تہران، ۱۳۴۰ھ شمسی، غزل ۱۱۴، ص ۴۳)

۸۔ الحجرات ۴۹:۱۰۔

۹۔ النساء ۴:۵۹،۸۳۔

۱۰۔ ترجمہ: ہر اہلِ رائے کو اپنی رائے اچھی لگتی ہے۔ (عربی مقولہ)

خطبہ میں یہ قول یوں درج تھا: ''اعجاب کل ذی راءٍ برایہ''

۱۱۔ النور ۲۴:۵۵۔

۱۲۔ اصل میں دوسرا مصرع یوں ہے۔ ؎ وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا (اکبرالہ آبادی)

(شمس الحق، محمد، ''اُردو کے ضرب المثل اشعار''، ادارہ یادگار غالب، کراچی، طبع اول، س ۲۰۰۳، ص ۹۲، شعر ۵۰۱)

۱۳۔ اصل ضرب المثل یوں ہے: نادان دوست سے دانا دشمن بھلا۔

۱۴۔ ترجمہ: گھر کے صحن سے چھت تک میرا ہے، گھر کی چھت کے اوپر ثریا (ستارے کا نام) تک تیرا ہے۔

اصل شعر یوں ہے۔ ؎ از صحنِ خانہ تا بہ لبِ بام از آنِ من   از لبِ بان تا بہ ثریّا از آنِ تو

(وحشی بافقی، گزیدہ اشعار، قطعات، شمارہ نمبر ۳۷، ماندہ بابا)

صاحبِ خطبہ نے تصرف کر کے لبِ بام کو سقف خانہ سے بدل دیا۔

۱۵۔ ترجمہ: جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا۔ (بنی اسرائیل ۱۷:۱)

۱۶۔ البقرہ ۲:۶۱۔

۱۷۔ ترجمہ: (ذرا) اس کمینہ پرور زمانے کی بنیاد کو تو ملاحظہ کرو۔ (ضرب المثل مصرع)

پورا شعر یوں ہے۔ ؎ زمرغانِ حرم در کامِ زاغان طعنہ انداز د   مدارِ روزگارِ سفلہ پرور را تماشا کن

(حزیں لاھیجی، شیخ علی، غزلیات، شمارہ نمبر ۶۳۷)

۱۸۔ ترجمہ: جو سال اچھا ہوتا ہے اس کی بہار (یعنی آغاز) ہی سے انداز ہو جاتا ہے۔ (ضرب المثل)

◆◆◆

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغَالِبُوْنَ

حزب اللہ کے گیارہویں سالانہ جلسہ کا

خطبہ صدارت

از

فقیر ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ کان اللہ لہ

سجادہ نشین جلال پور شریف وامیر حزب اللہ

جو

۵ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ ہجری کی

درمیانی شب کو پڑھ کر سنایا گیا۔

کتبہ محمد ظہور عفی عنہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط☆

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوۡلٰینَا وَ حَبِیۡبِنَا وَ شَفِیۡعِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَتۡبَاعِہٖ وَاَشیاعِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ O اَمَّابَعۡدُ فَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ فِیۡ قُرۡاٰنِہِ الۡمَجِیۡدِ وَفُرۡقَانِہِ الۡحَمِیۡدِ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ O یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ھَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنۡجِیۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ O تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَتُجَاھِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِاَمۡوَالِکُمۡ وَاَنۡفُسِکُمۡ ط ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ O لا یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ وَیُدۡخِلۡکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِھَا الۡاَنۡھٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ط ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ O لا وَاُخۡرٰی تُحِبُّوۡنَھَا نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتۡحٌ قَرِیۡبٌ ط وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ O یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡۤا اَنۡصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ لِلۡحَوَارِیّٖنَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ط قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ فَاٰمَنَتۡ طَّآئِفَۃٌ مِّنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَکَفَرَتۡ طَّآئِفَۃٌ ج فَاَیَّدۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلٰی عَدُوِّھِمۡ فَاَصۡبَحُوۡا ظٰھِرِیۡنَ O [1]

علمائے کرام، مشائخ عظام وارکانِ حزب اللہ! اس سے پیشتر کہ یہ فقیر اپنے منتشر خیالات آپ کی خدمت میں پیش کرے۔ آپ کے اُس خلوص ومحبت کے عملی مظاہرہ پر اظہارِ تحسین وستائش کرنا چاہتا ہے کہ آپ نے ایسے گرم اور حابس موسم اور ایسی مصروفیت کے ایام میں یہ سفر اختیار کیا ہے اور جلسہ کی شمولیت کو دوسرے مشاغل اور مصارف پر ترجیح دے کر ثابت کر دکھایا ہے کہ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی مسلمانوں کے اندر جوشِ عمل اور جذبہِ محبت موجود ہے۔

☆ ۴/۵ جمادی الثانی ۱۳۵۷ ہجری بہ مطابق پیر یکم اگست/منگل ۲راگست ۱۹۳۸ء کی درمیانی شب پڑھا گیا اور محمد ظہور عفی نے اس کی کتابت کی۔ گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ، لاہور میں باہتمام سیّد فضل شاہ پرنٹر پبلشر چھپ کر جلال پور شریف سے شائع ہوا۔

دنیا میں وہی قوم کامیابی کے مراحل طے کرسکتی ہے جس کے دل میں محنت طلبی اور مشکل پسندی کے جذبات پیدا ہو چکے ہوں اور جو اپنے ذاتی مفادات اور خانگی ضروریات کو قومی وملی مطالبات پر قربان کر دینے کا تہیہ کر لے۔ دنیا کے کام کاج چلتے رہتے ہیں اور چلتے رہیں گے مگر آج اس بات کی ضرورت ہے کہ اسلامی اور قومی ضروریات کی تکمیل کے لیے ہم اپنی سب قوتیں بروئے کار لائیں اور ساری طاقتیں خرچ کر دیں۔ یہ فقیر آپ کو مبارک باد کہتا ہے کہ آپ انھیں قابلِ قدر احساسات کے ماتحت آج یہاں جمع ہوئے ہیں اور ادائے فرض میں موسم کی خرابیاں، راستوں کی دشواریاں اور زمین داری کی مصروفیتیں آپ کے سدِّ راہ نہیں ہو سکیں لیکن آپ کو یقین رکھنا چاہیے کہ اس سالانہ اجتماع سے حاصل ہونے والے فوائد وثمرات آپ کے معمولی نقصانات کی نہ صرف پوری تلافی کر دیں گے بلکہ بلحاظ نتائج واثرات آپ کے لیے یہ شرکت بے حد مفید ومبارک ہوگی اور اتحادِ اسلامی کے اس روح پرور نظارہ اور مسلمانوں کے سامنے پیش کردہ بہترین طریقِ عمل کی یاد ہمیشہ آپ کے دل میں موجود رہ کر آپ کی طمانیت وراحت کا موجب ہوگی اور آپ اسے اپنی محنت کے اچھے پھل سے تعبیر کریں گے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

حزب اللہ کا مالہٗ وماعلیہ

آنکہ دل ہارا ہمی آرد بوجد
باز گو از نجد و از یارانِ نجد [۲]

عزیزانِ قوم! حزب اللہ کی عمر آج پورے گیارہ سال ہو چکی ہے اور یہ مبارک ومقدس جماعت جو اپنے نام اور کام کے لحاظ سے مسلمانوں کے زمانہ ماضی سے تعلق رکھنے والی ہے اور جس کا اجرا کسی بدعت کے ماتحت نہیں ہوا بلکہ احیائے سنت ورجوع الی الاصل [اصل کی طرف لوٹنا] اِس کا طغرائے امتیاز ہے اور جس کی تاسیس وتشکیل صرف میرے دماغی تخیّل تک محدود نہیں بلکہ قدرت کی راہ نمائی اور قیادت کے ماتحت یہ کام ہو رہا ہے۔ آج اُس منصبِ جلیل اور مقامِ رفیع تک پہنچ چکی ہے جس تک رسائی خداوند کریم کے خاص لطف وکرم کے بغیر بے حد مشکل ہے۔ حاسدین ومعاندین کے علی الرغم ہماری جماعت کو دن دونی رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے اور گو بلحاظ تعدادِ ارکان بھی جماعت بڑھ رہی ہے اور مسلمانوں کی موجودہ مردہ دلی، بے حسی اور غفلت وجمود کو پیش نظر رکھتے ہوئے ارکان ورضا کاران کے اعداد وشمار میں روز افزوں اضافہ بہت کچھ امید افزا ہے مگر حاصل شدہ شان دار نتائج کے حسبِ اعتبار آج اللہ تعالیٰ کے فضل وعنایت سے ہماری جماعت ہندُستان بھر کی سیاسی اور مذہبی جماعتوں سے ایک زبردست فوقیت حاصل کر چکی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ موجودہ وقت کی خالص

سیاسی جماعتیں مذہب سے بالکل بے نیاز ہو چکی ہیں اور مذہبی ادارے سیاسیات حاضرہ سے بالکل نابلد اور یہ حزب اللہ کی ہی ایک شانِ امتیازی ہے کہ ایک طرف اُس نے اسلام کو اس کے صحیح خط وخال کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے اور دوسری طرف سیاسی معاملات میں حصہ لے کر قوم کی سیاسی راہ نمائی کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے جب کہ دور حاضرہ کی مقتضیات میں سب سے اہم اقدام یہی ایک چیز ہے کہ قوم کے اندر سیاسی بیداری پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اخلاق کو بلند کیا جائے اور اسلام کا سب سے بڑا قابل فخر کارنامہ بھی یہی ہے کہ اس نے سیاست کی خشونت اور مذہب کی لینت کے امتزاج سے ایک ایسا قوام تیار کر دیا جس کے استعمال سے مسلمانوں کی قوت عمل میں حیرت انگیز ترقی ہو گئی اور انھوں نے دیکھتے ہی دیکھتے لامذہب سیاست دانوں اور سیاست ناشناس مذہبی دیوانوں کے قبضہ وتصرّف سے دنیا کو نجات دلا کر سطحِ ارضی پر ایسا خوش آئند منظر اور ایسا دل کش ماحول پیدا کر دیا ہے جس کی داستان پارینہ اب بھی اربابِ فکر واصحابِ نظر سے خراج تحسین حاصل کر رہی ہے۔

موجودہ تمام جماعتوں سے حزب اللہ کو ہی بفضلہٖ تعالیٰ یہ شرف ومجد حاصل ہوا ہے کہ اس نے اس سیاست کی آگ اور مذہب کے پانی کی آمیزش سے ایک بھاپ بنالی ہے اور ایک ایسا انجن تیار کر لیا ہے جو کہ قوم کی گاڑی کو کھینچ کر منزل مقصود تک پہنچا دے گا اور اس کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو اپنی دخانی طاقت رکھنے والے سٹیمر کی امداد سے بھنور سے نکال لائے گا۔ وَبِيَدِهِ التَّوْفِيق [۳]۔ حزب اللہ نے نہایت وسیع النظری سے کام لے کر پہلے قوم کے علل واسقام کی صحیح تشخیص کی ہے اور پھر ایک ایسا جامع، مجرّب اور بہترین نسخہ تجویز کیا ہے جس کے استعمال سے ان شاءاللہ وہ نئے سرے سے صحت منداور طاقت ور ہو جائے گی اور قوموں کی مسابقت اور دوڑ میں اگر وہ آگے نہ بڑھ سکی تو کسی صورت پیچھے بھی نہیں رہے گی۔

پیش کردہ بہترین لائحۂ عمل

عزیزانِ قوم! حزب اللہ نے آپ کے سامنے گیارہ سال سے ایک بہترین لائحۂ عمل پیش کر رکھا ہے۔ معترضین کچھ کہیں لیکن ایک مسلمہ حقیقت ہے اور اسے جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ اس سے بہتر طریق کار اور اس سے اعلا نصب العین پیش ہو ہی نہیں سکتا جب کہ ہمارے سامنے مسلمانوں کے تمام معاملات کی اصلاح اور درستی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کی اقتصادی اور معاشرتی حالت سدھر جائے۔ ہماری کوشش ہے کہ وہ مذہب اسلام کے دلدادہ ہوں اور اسلام کے زریں اصول کے ماتحت ان کے اندر اخوت، مساوات اور حریت کے بلند جذبات پیدا ہوں، وہ غلامی کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کر کے آزادی کی نعمت سے مالا مال ہو جائیں اور انھیں ایک ایسا سیاسی

نشو و ارتقا حاصل ہو جیسا کہ ان کے اسلاف کو نصیب ہو چکا ہے۔ انھی پاکیزہ خیالات اور نیک جذبات کے ماتحت اللہ تعالیٰ کے خاص امر اور حکم سے اس جماعتی نظام کا قیام عمل میں لایا گیا۔ **''ایک بنو اور نیک بنو''** کا پیغام گھر گھر پہنچایا گیا اور مسلمانوں کے اندر روحِ عمل پیدا کر دی گئی۔

حزب اللہ کے بنیادی اصول صرف دو ہیں: ۱۔ اصلاح ۲۔ تنظیم

اور باقی ساری باتیں ان کے ضمن میں آ جائیں گی۔ یہی وہ اصول ہیں جن کو بانیِ اسلام علیہ الصلوۃ و السلام نے نہایت وضاحت کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ یہی وہ اصول ہیں جو کہ ایک قوم کی ترقی کے لیے سب سے زیادہ اہمیت رکھنے والے ہیں اور یہی وہ اصول ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ایک ناچیز بندہ نے اُسی سے توفیق پا کر آج مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیے ہیں اور صرف پیش کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انھیں جامۂ عمل پہنا کر دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ وَھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ۔[۴]

حزب اللہ کے عملی کارنامے

میرے عزیزو! اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا حزب اللہ نے صرف مسلمانوں کے سامنے دوسری جماعتوں یا انجمنوں کی طرح چند مفید تجاویز اور قراردادیں پاس کی ہیں؟ یا محض زبانی جمع خرچ سے کام لیا ہے؟ اور مسلمانوں جیسی باتونی قوم کی مانند اُس کا جذبۂ کار بھی محض طلاقت لسانی [زبان کی تیزی] اور عذب البیانی [شیریں بیانی] تک محدود ہے؟ یا میدانِ عمل میں نکل کر اس نے اپنی ہستی کا کوئی ثبوت بھی دیا ہے؟ اور اسلام اور قوم کے لیے اس نے کوئی عملی اقدام بھی کیا ہے؟ یہی ایک سوال ہے جو کہ مخالفین کی طرف سے آنکھیں بند کیے ہوئے مدت سے پیش ہو رہا ہے اور باوجود جواب باصواب [بہتر جواب] کے وہ لانسلّم [ہم نہیں مانتے] رٹتے چلے آتے ہیں لیکن جس طرح کہ دو اور دو چار ہوا کرتے ہیں، جس طرح کہ آفتاب اپنے وجود کی خود دلیل ہے اور جس طرح کہ اسلام کی صداقت کسی حجت و برہان کی محتاج نہیں۔ اسی طرح حزب اللہ کے عملی کارنامے اس کثرت سے ہیں اور حزب اللہ نے کارگاہِ عمل میں نکل کر ایسے شاندار مناظر سے ناظرین کو روشناس کیا ہے کہ اُن پر تبصرہ و تنقید تحصیل حاصل میں شمار ہوگا۔ پھر بھی مختصراً:

۱۔ حزب اللہ نے اصلاح رسوم و بدعات سے مسلمانوں کے اندر اقتصادی و معاشرتی ترقی پیدا کر دی ہے۔

۲۔ حزب اللہ نے تجارت کی ترغیب دے کر مسلمانوں کے دفعِ افلاس کا ایک بہترین حل نکال لیا ہے۔

۳۔ حزب اللہ نے اطاعتِ امیر کی ضرورت ظاہر کر کے مسلمانوں کے منتشر شیرازہ کو یک جا کرنے کا ایک

عملی مظاہرہ کیا ہے۔

۴۔ حزب اللہ نے رضا کاروں یا فدا کاروں کی ایک جماعت بنا کر اسلامی رعب اور شان قائم کیا ہے۔

۵۔ حزب اللہ نے مسلمانوں کی مسخ شدہ اور غلط ذہنیت کو تبدیل کر کے ان کے اندر معاملہ فہمی کا ایک جوہر پیدا کر دیا ہے اور ان کی قوت تمیزی کو درست کر دیا ہے۔

۶۔ حزب اللہ نے تنگ نظر علما اور گم راہ کن مشائخ کے پنجۂ استبداد و دامِ تزویر [فریب کا پھندا] سے مسلمانوں کو نجات دلا کر اور فرقہ بندیوں سے بالاتر رہ کر اتحادِ اسلامی کا صحیح درس دیا ہے۔

۷۔ حزب اللہ نے مسلمانوں کو سیاسیات حاضرہ میں عملی حصہ لینے اور اسلامی روایات برقرار رکھنے پر آمادہ کار بنایا ہے۔

۸۔ حزب اللہ نے تا حال کسی ایسی جماعت سے الحاق نہیں کیا جس کی پالیسی مسلم کُشی یا رجعت پسندی پر مبنی ہو اور اِس کا مقصد وحید آزادیِ ملک کے ساتھ ساتھ ہندُستان کے اندر مسلمانوں کی فوقیت برقرار رکھنا ہے۔

۹۔ حزب اللہ نے ہر ایک موقع پر مسلمانوں کے جذبات کی صحیح ترجمانی کی ہے اور قومی خدمات انجام دینے میں یہ جماعت کسی سے پیچھے نہیں رہی۔

۱۰۔ [امیر] حزب اللہ قوم کی صحیح راہ نمائی کر رہا ہے اور کوئی شخصیت یا طاقت اُسے مرعوب نہیں کر سکتی۔
فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ۔[۵]

ارکان و رضا کارانِ حزب اللہ سے خطاب

ارکانِ حزب اللہ اور خدائی لشکر کے سپاہیو! تم نے اپنے نام غور و فکر اور سوچ بچار کے بعد اس مبارک جماعت میں درج کرائے ہیں۔ اس لیے تمھیں یاد رکھنا چاہیے کہ بہ حیثیت رکن یا رضا کار تمھارے ذمہ بہت سی ذمہ داریاں ہیں۔ آج اگر معترضین، حزب اللہ کے خلاف کچھ کہنے کی جرأت کرتے ہیں تو ان کے اعتراضات حزب اللہ کے قائم کردہ زرّیں اصُول کے خلاف نہیں ہوا کرتے بلکہ وہ جماعت کے بعض نافرض شناس یا غیر ذمہ دار افراد کی ناشائستہ حرکات کو بہ طور تمثیل پیش کر کے جماعت کا مضحکہ اڑایا کرتے ہیں حال آں کہ اصولاً اور اخلاقاً انھیں کوئی حق حاصل نہیں کہ ایک فردِ واحد کی غلطی کو وہ جماعت کی طرف منسوب کریں۔ بایں ہمہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہماری جماعت دنیا اور خدا کی نظروں میں زیادہ مقبولیت حاصل کرے تو آپ کو فرداً فرداً ایک بہترین نمونہ بن کر دکھلانا چاہیے اور یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جماعت سے الحاق کرنے کے بعد اب

آپ کی زندگی انفرادی زندگی نہیں بلکہ اجتماعی زندگی ہے اور آپ کے طریقِ عمل کا اثر صرف آپ کی ذات تک محدود نہیں رہے گا بلکہ جماعت پر پڑے گا اس لیے آپ کو ہر ایک معاملہ میں زیادہ احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔

نماز، روزہ اور دیگر اسلامی فرائض کی پابندی آپ پر لازم ہے۔

رسوم و بدعات کے انسداد کے لیے آپ اس سے بڑھ کر ساعی [کوشش کرنے والا] و کوشاں ہوں اور دوسرے لوگوں کے سامنے شادی غمی کے موقع پر ایک مثال پیش کیا کریں۔

مسلمانوں کے ساتھ بالعموم اور ارکان و رضا کارانِ حزب اللہ کے ساتھ بالخصوص آپ کے تعلقات نہایت خوش گوار ہونے چاہئیں اور اُخوّت و ہمدردی اسلامی کا آپ کو ایک نمونہ بننا چاہیے۔

تنازعات کی صورت میں عدالتوں میں جانے سے حتی الامکان پرہیز کریں اور پنچایتی فیصلوں کو ہر حالت میں ترجیح دیں۔

موجودہ وقت میں روز روز نئے نئے فرقے اور نئی نئی جماعتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ آپ چوں کہ ایک نظام کے ماتحت آ چکے ہیں اور ایک امیر کی اطاعت کا وعدہ کر چکے ہیں اس لیے آپ کو کسی دوسرے نظام کے ماتحت نہیں آنا چاہیے اور کسی دوسرے امیر کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے ورنہ آپ کا نام حزب اللہ سے خارج کر دیا جائے گا۔

آپ کو ہر قسم کی جانی و مالی قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے اور وقت کا بے تابی کے ساتھ انتظار کرنا چاہیے تا کہ اَلْمُرَابِطُ فِیی سَبِیلِ اللّٰہِ مُجَاھِد [۲] کے مطابق آپ کا شمار زندگی میں غازیوں اور مرنے کے بعد شہیدوں میں ہو اور کسی معاملہ میں جلد بازی نہیں دکھلانی چاہیے جب کہ آپ کا کام سپاہیانہ حیثیت سے سپہ سالار کے حکم کے ماتحت لڑنا ہے نہ کہ صلاح و مشورہ دینا۔

امیر کے احکام کی تعمیل کے لیے آپ کو ہر وقت کمر بستہ رہنا چاہیے جب کہ مسلمانوں کی بہتری اور ترقی کا راز ہی اطاعتِ امیر میں مضمر ہے۔ مخالفین و معاندین کی باتوں پر آپ قطعاً متوجہ نہ ہوا کریں اور جو وقت کہ ان کے ساتھ بحث و تمحیص میں بے نتیجہ ضائع کیا جائے وہ ادائے فرض میں صرف ہونا چاہیے۔ سنی سنائی اور بے اصل خبروں پر اعتبار نہ کیا کریں اور اگر آپ کے دل میں کوئی شک و شبہ پیدا ہو تو اُس کا ازالہ امیر کے پاس آ کر کر لیا کریں۔

ہر ایک حزب اللہ کے رکن اور رضا کار کا فرض ہے کہ وہ جماعتی ترقی کے لیے اپنی تمام امکانی کوششیں صرف کر دے اور دوسرے مسلمانوں کو ترغیب دلا کر جماعت میں شامل کرے تا کہ جماعت کا اثر و اقتدار اور بڑھ

جائے اوراس کی آواز زیادہ بلنداورڈ وررس ہو۔

سیاسیات حاضرہ پرایک نظر

حزب اللہ نے جب سے سیاسیات کو اپنے دستورالعمل میں شامل کیا ہے ہماری ذمہ داریاں المضاعف [دُگنی] ہوگئی ہیں اوراس امر کی ضرورت ہے کہ ہماری جماعت اب زیادہ وسیع النظراور بلند خیال ہوکر دنیا میں پیدا ہونے والے انقلابات کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا کرے اور اُن سے حاصل شدہ نتائج سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے۔

اسلام اور سیاست باہم دگر لازم وملزوم ہیں اوران کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔خود بانیِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلادرجہ کے سیاست دان،معاملہ فہم،مدّبراوررموزِمملکت سے بہ خوبی واقف تھے اور یہ آپ کی مسیحانفسی کا ایک ادنیٰ ثبوت ہے کہ عرب کے گلہ بانوں کو جہان سِتاں اور ایک پس ماندہ اور متمدن مما لک سے دورافتادہ قوم کو قیصر کے تاج اور کسریٰ کے تخت کا وارث بنادیااورآج اگر مسلمانوں کے اندر غفلت و جمود،سکون وتعطّل کی یاس انگیز کیفیات موجود ہیں تو مذہب سے بیگانگی کے علاوہ ان کا سیاسیات کو شجرِممنوع سمجھ کر اُس سے الگ تھلگ رہنا ہے اور یہ قوم کی انتہائی بدقسمتی ہے کہ اُس کے ذمہ دار طبقے ابھی تک اپنا دامن اس خارزار سے بچاتے چلے آتے ہیں اور علمائے کرام ومشائخِ عظام کی اکثریت ان بھول بھلیّوں میں پڑنے سے ہچکچاہٹ محسوس کررہی ہے حالاں کہ قرونِ اولیٰ میں یہی لوگ تھے جنھوں نے مسلمانوں کو درسِ سیاست دیکران کے اندر زندگی کی ایک روح پھونک دی اور جن کے محیّر العقول ذہنی،عقلی،دماغی اور سیاسی کارناموں سے اسلامی تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں اورآج اس امر کی ضرورت ہے کہ مشائخ اپنے زاویوں اور علما اپنے حجروں سے باہرآئیں۔درماندہ قوم کی صحیح راہ نمائی کے فرائض انجام دیں اور وقتی اور سیاسی مقتضیات کے مطابق اُس کو چلائیں تاکہ کہیں البقالالاصلح کے مسلمہ نظریہ کے حسبِ فحوائے ہماری قوم زمانہ کی چکی میں گھن کی طرح نہ پس جائے اور مسلمانوں کی ناعاقبت اندیشی اورلاپروائی ان کی مزید تباہی وبربادی کا موجب نہ بنے۔

سیاسیاتِ حاضرہ پرنقدوتبصرہ کرنے سے پہلے ہم اسے دوحصوں میں تقسیم کریں گے :

۱۔ بیرونِ ہند ۲۔ اندرونِ ہند

بیرونِ ہند یا خارجی معاملات چنداں درخورِاعتناولائقِ غوروفکر نہ ہوتے اگر مما لکِ اسلامیہ اور عالمِ اسلام کا ان سے براہ راست تعلق نہ ہوتااور چوں کہ ہندُستان سے باہر بھی ہمارے بھائی کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔اس لیے اخوّتِ اسلامی کے حسبِ اقتضا ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے معاملات سے سروکار رکھیں اور

وہ ہمارے حالات سے باخبر رہیں اور ضرورت کے موقع پر ایک دوسرے کی عملی ہمدردی سے دریغ نہ کریں۔ یادش بخیر۔

یورپ والے جو آج دنیا کے امن وامان کے ٹھیکہ دار بنے ہوئے ہیں اور جن کی لیگ آف نیشنز یا مجلس اقوام اپنے اجلاسوں میں سارے جہان کی سیاسی پیچیدگیاں رفع کرنے اور تمام سلطنتوں کو جور واِستبداد سے باز رکھنے کا دعوا بلند بانگ کیا کرتی ہے مگر حقیقت میں اُس کی تمام قراردادیں اور تمام سکیمیں ایک ردی کے کاغذ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ آج آگ اور خون کی ہولی کھیلنے کے لیے بالکل تیار ہیں اور مستقبل قریب میں ایک وقت آنے والا ہے کہ ان کی قلعہ شکن توپیں، ان کی آتش دہاں مشین گنیں، ان کے بم پھینکنے والے ہوائی جہاز اور ان کے عفریت نما جنگی ڈریڈناٹ، ان کے تمدن وتہذیب، ان کی شائستگی وعمرانیت، ان کی عیش پسندانہ شہری زندگی اور ان کی سر بفلک عمارات ودیدہ زیب مکانات کی چند دنوں کے اندر اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور جہاں آج آپ کو چہل پہل نظر آ رہی ہے۔ وہاں ایک دن الّو بول رہا ہوگا اور مسمار شدہ قلعے اور تباہ شدہ شہر اُن کے سامنے وہی نقشہ پیش کریں گے جو گزشتہ جنگ عظیم میں انٹورپ کا قلعہ یا موجودہ جنگِ چین وجاپان کا برباد شدہ شہر نانکن پیش کر چکے ہیں۔ آنے والی جنگ اٹل ہے اور کوئی طاقت اُسے روک نہیں سکتی۔ صرف وقت کا انتظار ہے اور گنتی کے دنوں کا وقفہ۔ وَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَايَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَايَسْتَقْدِمُوْنَ۔ [۸]

یورپ میں دراصل دو طاقتیں برسرِ پیکار ہیں ایک طرف جمہوریت ہے اور دوسری طرف شخصیت۔ اب سرمایہ دار اور مزدور کے باہم دگر دست وگریبان ہونے کا زمانہ گزر چکا ہے اور وہاں کے عوام بلا استثنا دو حصوں میں منقسم ہو چکے ہیں۔ ایک وہ جنھوں نے اپنی نجات اسی میں سمجھی ہے کہ کسی نجات دہندہ کے پیچھے آنکھیں بند کر کے چل پڑیں اور مسولینی اور ہٹلر کے اشاروں پر پتلی کی طرح ناچنے لگیں۔ دوسرے وہ لوگ جو جمہوری خیالات رکھنے والے ہیں اور شخصیت پرستی سے متنفّر۔ کاش! یورپ والے اسلام کی قائم کردہ جمہوریت اور مقرر کردہ شخصیت [خلیفہ] کا بہ نظرِ امعان مطالعہ کرتے اور دنیا جو اس کے ساکنین کے لیے آتش کدۂ جہنم بن رہی ہے اس کے بسنے والوں کے حق میں گلزارِ جنت بن جاتی مگر جس صورت میں کہ قدرت نے یورپ کے ملحدوں اور خدا کے منکروں کو ان کے عقائدِ باطلہ واعمالِ سیئہ کی سزا دینے کا تہیّہ کر لیا ہو تو سمجھ اور شعور کی باتیں کس کے دماغ میں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اب حالات یہ ہیں کہ

اٹلی اپنے آمرِ مطلق مسولینی کے زیرِ قیادت حبشہ کو بے ڈکار ہضم کر لینے کے بعد هَلْ مِنْ مَّزِيْد [۹] کے نعرے لگا رہا ہے۔ جرمنی ہر ہٹلر کے بل بوتے پر آسٹریا کا الحاق کر چکا ہے اور اس کے دندانِ آز زیکوسلاویا

[چیکوسلواکیہ] پر تیز ہو رہے ہیں۔ جاپان بڑی سرعت رفتار سے چین پر قابض ہوتا چلا جاتا ہے۔ سپین (ہسپانیہ) کی خانہ جنگی زوروں پر ہے۔ برطانیہ کی حالت قابلِ رحم ہے اور نہ روئے ماندن نہ پائے رفتن[۱۰۱] کا نمونہ بن رہا ہے۔ ایک طرف اُسے اپنی شخصیت پر بہت ناز ہے اور اپنی روایات برقرار رکھنے کی دُھن اور دوسری طرف عفریتِ جنگ کی لپیٹ میں آنے کا کھٹکا۔ فرانس والے الگ پریشان خاطر پھر رہے ہیں۔ ٹرکی [ترکی] کی حالت خداوند کریم کی عنایت سے تسلی بخش ہے۔ البتہ برطانیہ سے اس کا قرضہ لینا اربابِ بصیرت کی نظروں میں ضرور کھٹکنے لگا ہے۔ ہمارا پڑوسی اسلامی ملک کابل [افغانستان] بھی نظرِ بد سے محفوظ نہیں اور شامی پیر جیسی پراسرار شخصیتوں کا ظہور اس کے لیے فال نیک نہیں ہوسکتا۔ ایران کے حالات امید افزا ہیں اور رضا شاہ پہلوی کا تدبّر، بے تعصبی اور بلند خیالی اس کی ترقی کے ضامن۔ عراق و مصر میں گو نام کے مسلمان حکمران موجود ہیں مگر بے چارے کسی کی آنکھ کے اشارہ پر چلنے والے۔ خدا کرے اُن ممالک میں بھی صحیح آزادی کا جذبہ پیدا ہو۔ حجاز کے حالات اس حد تک تسلّی بخش ہیں کہ ابن سعود کی قہرمانی طاقت نے وہاں کے عربوں کی قومیت و عصبیّت کو کچل دیا ہے۔ اب ہمارے ہندُستانی حاجیوں کی جیبیں تراش خراش سے محفوظ رہتی ہیں اور بے چارے ظاہر بین لوگ وہاں کے امن وامان کے گن گاتے پھرتے ہیں حالاں کہ عرب و نجد کی آزادی چند دراہم و دنانیر کے عوض مدت سے فروخت ہو چکی ہے۔ مسلمان حکومتوں کا اتحاد مبارک ہے۔ آپس کے رشتے ناطے باہمی تعلقات کو خوش گوار بنانے والے ہیں مگر کاش کہ یہ اتحاد ممالکِ اسلامیہ کی حقیقی آزادی وحریت کا پیش خیمہ ہو اور مسلمان کے گلے سے غلامی کا طوقِ لعنت ہر جگہ اور ہمیشہ کے لیے اتر جائے۔ مصر میں خلافتِ اسلامیہ کا قیام گڑے ہوئے مردے اکھیڑنا اور گڑیوں کے کھیل کے مترادف ہے۔

مسئلہ فلسطین

بیرونِ ہند کے سیاسی بحران اور مدوجزر میں جو مسئلہ کہ ہمارے لیے سب سے زیادہ جاذبِ توجہ اور باعثِ رنج والم ہو رہا ہے اور جس قومی وملی حادثہ نے اسلامیانِ ہند کے گھروں میں صفِ ماتم بچھا رکھی ہے وہ فلسطین کی سرزمین پر بسنے والے بے کس، مظلوم مسلمان عربوں پر شیرِ برطانیہ کے وہ دردناک مظالم اور وہ ہول ناک ستم ہیں جن کے بیان کرتے ہوئے آنکھیں اشک بار ہو رہی ہیں اور جن کے سننے کے لیے پتھر کا کلیجہ ہونا چاہیے۔ ہمارے بے چارے مسلمان بھائیوں کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ برطانیہ کی یہود نواز حکمت عملی کے آگے سرِ تسلیم خم کیوں نہیں کرتے اور وہ اپنے آبائی وطن اور پشتینی جائیدادوں کو بلا حیل و حجت قرآنی اصطلاح کے مطابق

دنیا کی ذلیل ترین قوم یہود کے سپرد کیوں نہیں کر دیتے؟ اور ایسی بے خانماں خبیث قوم کو جس کی شرارتوں سے تنگ آ کر ہٹلر نے اُسے جرمنی سے خارج کر دیا اور اب اُسے آسٹریا سے بھی بیک بنی و دو گوش نکالا جا رہا ہے وہاں اپنی نو آبادی قائم کرنے اور بہترین جائیدادیں پیدا کرنے میں رکاوٹ کیوں کی جاتی ہے؟ ہمارے غیرت مند بھائیوں نے ان کے ناجائز مطالبات کو اپنی مسلمہ عزتِ نفس و خودداری کے حسبِ اقتضا پائے استحقار سے ٹھکرا دیا اور اب ان پر وہ ظلم و ستم توڑے جا رہے ہیں جن کی نظیر موجودہ زمانے میں مشکل سے مل سکے گی۔ البتہ ممکن ہے کہ اس کی کوئی مثال قرونِ مظلمہ [زمانہ جاہلیت] میں پائی جاتی ہو۔ بخت نصر کے بیان کردہ مظالم، حجّاج بن یوسف کی طرف منسوب ستم آرائیاں، رُوما کے جلنے اور نیرو کے بانسری بجانے کی کہانی، دہلی کا قتلِ عام اور نادر شاہ دُرّانی کا اُس سے لطف اندوز ہونا سب پرانے قصّے ہیں اور بے تحقیق افسانے مگر آج فلسطین کے عربوں کو جس طرح چن چن کر قتل کیا جا رہا ہے۔ جس طریق سے ان کی آزادی سلب کی جا رہی ہے۔ بجلی کے رَو والی تاروں کی باڑھ لگا کر جس طرح کہ اُن کا تعلق بیرونی ممالک سے منقطع کر دیا گیا ہے اور انھیں بالکل نہتّا کر کے اور یہودیوں کو اسلحہ بہم پہنچا کر قتل و غارت کا جو تماشا دیکھا جا رہا ہے۔ ان کے مشائخ، علما و زعما کو جس بے دردی سے ترکِ وطن پر مجبور کیا گیا ہے اور معمولی جُرموں کے عوض جو لرزہ براندام سزائیں دی جا رہی ہیں اور پھر انھیں ستم ظریفی کے ساتھ کہا جا رہا ہے کہ اپنے قتل کے فتوے پر خود دستخط ثبت کریں۔ غرض اس قسم کے بیسیوں دل خراش واقعات اور سیکڑوں تمثیلات ہیں جن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہماری صدائے احتجاج بلند کرنی از بس ضروری ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہم مجبور محض ہیں اور اپنے بھائیوں کی عملی ہمدردی کرنے سے بالکل معذور مگر انھیں یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ان کی موجودہ حالت نے ہمارے دلوں میں ناسُور ڈال دیے ہیں اور ہمارے دل کی گہرائی سے نکلنے والی دعائیں ان کے لیے وقف ہو چکی ہیں۔ ہم ملکِ معظم سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ کی سلطنت کے اندر جتنے مسلمان آباد ہیں اتنے کسی طاقت کے ماتحت نہیں۔ رعایا پروری کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے جذبات کا احساس کیا جائے اور ہمارے بھائیوں کے ساتھ جو ناروا سلوک ہو رہا ہے اس کا خاتمہ کر دیا جائے اور حکومت برطانیہ کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس کی یہ حکمت عملی اس کے لیے کبھی مفید نہیں ہو سکے گی اور عرب کے سپوت مٹ جائیں گے، تباہ ہو جائیں گے لیکن اپنی آن اور شان قائم رکھیں گے اور ہم اگرچہ ان کی کوئی عملی اعانت نہیں کر سکتے لیکن برطانیہ کا یہ طریقِ عمل ہمارے لیے بے حد دل خراش اور یاس انگیز ہے اور ہماری وفاداری کا ایک سخت کڑا امتحان۔ خدا کرے برطانیہ کے اربابِ حل و عقد کو ہوش آ جائے اور وہ مسلمانانِ عالم کی

اس اضطراب انگیز کیفیت کومحسوس کرتے ہوئے اس قضیہ نا مرضیہ [ناپسندیدہ معاملہ] کا کوئی ایسا بہترین حل تلاش کرنے میں کامیاب ہوسکیں جس سے کہ وہاں کی بدامنی ہمیشہ کے لیے رفع ہو جائے اور ہمارے فلسطینی عرب بھائی آرام کا سانس لے سکیں۔

کانگریس اور مسلم لیگ

اب ہم اندرونِ ہند کی سیاسیات پر ایک طائرانہ نظر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔آج کل ملک کے اندر جو مسئلہ کہ سب سے زیادہ اہمیت حاصل کر چکا ہے وہ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان کشمکش اور تصادم و تقابل کا معاملہ ہے۔مسلمانوں میں سے ایک اچھا وسیع النظر اور بلند خیال طبقہ کانگریس کا ہم نوا ہو چکا ہے لیکن مسلم اکثریت کانگریس سے نفور ہے اور مسلم لیگ نے جب سے نشاۃ ثانیہ حاصل کی ہے اور اُس کا نصب العین خواہ نمائشی یا حقیقی طور پر مکمل آزادی تجویز ہوا ہے بعض وہ مسلم اصحاب بھی جو پہلے اپنے طبعی تقاضائے حریّت کے ماتحت کانگریس میں شریک تھے اب مسلم لیگ کے روح رواں بن رہے ہیں۔ہم نے جہاں تک اس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کیا ہے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ دونو[دونوں] جماعتوں کے اندر خوبیوں کے باوجود چند نقائص اور کم زوریاں بھی موجود ہیں۔کانگریس والے اس میں شک نہیں کہ صحیح معنوں میں مُحبِ وطن ہیں، ملک کی آزادی کے خواہاں ہیں، ان کی سابقہ خدمات اور قربانیاں لائقِ تحسین اور ستائش ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ آج اگر غلام زاہندُستان کے اندر کوئی حریّت کا جذبہ یا آزادی کی تڑپ موجود ہے تو وہ کلیتہً کانگریس کے طفیل ہے اور اصلاحات کی شکل میں ہندُستان والوں کو جو کچھ میّسر ہوا ہے وہ انھی محبانِ وطن وعلم بردارانِ حریّت کی ان تھک کوششوں کے ذریعے سے۔بایں ہمہ ہم نے گزشتہ سال جو دوستانہ گلہ کانگریسی بھائیوں سے کیا تھا کہ جن جن صوبوں میں کانگریس کی حکومت قائم ہوچکی ہے وہاں ان کی اکثریت اقلیتوں اور بالخصوص مسلم اقلیت کے ساتھ کچھ اچھا برتاؤ نہیں کرتی ابھی تک باقی ہے اور کانگریس والوں کو چاہیے کہ اپنے منصفانہ طرزِ عمل سے یہ شکایت بالکل رفع کر دیں تا کہ ان کے متعلق جو حسنِ ظن ہمارے دلوں میں موجود ہے وہ مفقود نہ ہونے پائے۔

مسلم لیگ کا احیا اس لحاظ سے ضرور مفید ہے کہ مسلمانوں کے اندر تنظیم کا ایک نیا سلسلہ پیدا ہو گیا ہے مگر جب تک لیگ والے اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت نہ کریں گے کہ وہ ملک وقوم کے صحیح معنوں میں خادم ہیں اور جو نصب العین انھوں نے نہایت جوش وخروش سے پیش کیا ہے، اس کی تکمیل کے لیے وہ ہر قسم کی قربانیوں سے بھی دریغ نہیں کریں گے ہم اُن کے متعلق کوئی آخری رائے قائم نہیں کر سکتے اور انھیں یقین دلانا چاہتے ہیں کہ اگر ان کے پیش نظر صحیح معنوں میں ملکی آزادی اور حریّتِ کاملہ کا نصب العین ہوا اور انھوں نے اسے عملاً صادق کر

دکھایا تو حزب اللہ کی جماعت ان کے ساتھ اشتراکِ عمل کرنے کے لیے بالکل تیار ہے۔

پنجاب اسمبلی میں پیش ہونے والے قوانین

پنجاب کے حالات میں جو چیز کہ عامۃ الناس کی خاص دل چسپی کا باعث بن رہی ہے۔ وہ پنجاب کی مجلس وضع آئین وقوانین میں زمین داروں کے سود و بہبود سے تعلق رکھنے والے اور انھیں ساہوکاروں کے دست تظلّم سے نجات دلانے والے چند قوانین ہیں جن میں سے بعض زبردست بحث و تمحیص کے بعد پاس ہو چکے ہیں اور بعض زیر تجویز ہیں۔ جہاں تک ہم نے ان قوانین کا مطالعہ کیا ہے، ہم انھیں وزیر اعظم صاحب اور ان کی اتحاد پارٹی کے ایک شان دار کارنامہ سے تعبیر کریں گے۔ ان کے اجرا سے غریب اور بے زبان زمین دار فرقے کی توقعات جو اکثریت رکھنے والی حکومت سے کی گئی ہیں پوری ہو جائیں گی اور زمین داروں کو بہت کچھ عملی فائدہ پہنچنے کی امید ہے۔ اس لیے ہم وزیر اعظم صاحب اور ان کے معاونین کو ایسے بہترین قوانین کی تحریک اور منظوری پر ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہیں اور انھیں یقین دلانا چاہتے ہیں کہ جب تک ان کی حکومت اسی طریق سے غریبوں کی حامی اور انصاف کی طلب گار رہی، ہماری نیک دعائیں ان کے شاملِ حال رہیں گی۔

مسجد شہید گنج

گزشتہ سال ہائی کورٹ نے مسجد شہید گنج کا جو فیصلہ مسلمانوں کے خلاف کیا ہے اُس سے اُن کے اندر ہیجان پیدا ہو جانا ایک قدرتی بات تھی۔ ہماری ایک دو جماعتوں نے ایک دوسرے کی ضد میں آ کر سول نافرمانی یا مقاومت مجہول بھی شروع کر دی اور سادہ لوح مسلمانوں کی ایک تعداد کثیر مسجد کی حرمت کے نام پر جیل خانوں میں بھی چلی گئی۔ بالآخر وزیر اعظم صاحب کے اس اعلان سے کہ وہ اس پیچیدہ گتھی کو سلجھانے کے لیے اپنے ناخنِ تدبیر سے کام لیں گے اور ایک مصالحانہ کمیٹی بنائیں گے، انھوں نے سول نافرمانی بند کر دی یا منسوخ کر دی۔ اس فقیر نے بھی اثنائے دورہ میں مسجد شہید گنج کے مسئلہ کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ظاہر کیا تھا کہ اس کا بہترین حل یہی ہو سکتا ہے کہ پنجاب بھر کے مسلم زعما از قبیل مشائخ و علما وارباب سیاست ایک جگہ مجتمع ہو کر اس کے متعلق ایک آخری طریقِ عمل تجویز کریں جب کہ ان کے متفقہ فیصلہ کا احترام حزب اللہ کے لیے بھی واجب ہوگا اور اس کی نسبت عملی تحریک کرنے کا عزم صمیم تھا لیکن اسی خیال کے زیر اثر کہ کہیں ہمارا اجتماع وزیر اعظم صاحب کی مصالحانہ کوششوں میں دخل انداز نہ ہو اور یہ ارادہ ان کے فیصلہ کے اعلان تک ملتوی کر دیا گیا ہے اور اگر خدانخواستہ ان کی مساعی بارآور نہ ہوئیں تو اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی انتہائی کوشش کی جائے گی۔
وَمَاتَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰہ۔[11]

جمعیت المشائخ

یہ فقیر مدت سے آرزومند ہے کہ جہاں ہندُستان کے اندر ایک نہیں بلکہ علمائے کرام کی دو جمعیتیں موجود ہیں وہاں مشائخ عظام کی بھی ایک جمعیت ہونی چاہیے، جس کا قیام مسلمانوں کے لیے ایک آیۂ رحمت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جب کہ یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ عامۃ المسلمین پر جتنا اثر واقتدار مشائخ عظام کا ہے اور جس طرح کہ وہ مسلمانوں کی کسی معاملہ میں زیادہ سے زیادہ تائید حاصل کر سکتے ہیں اتنا کوئی دوسرا فرقہ نہیں کر سکتا اور اگر مشائخ عظام کسی ایک پلیٹ فارم پر مجتمع ہو کر کوئی رائے قائم کریں تو اس کی اہمیت کا کوئی ٹھکانا نہیں لیکن یہ چیز بادی النظر میں جس طرح کہ آسان نظر آتی ہے عملی اعتبار سے اتنی ہی مشکل ہے۔ بایں ہمہ اس فقیر نے یہ تہیّہ کر لیا ہے کہ امکان یا عدم امکان سے خالی الذہن ہو کر ایک دفعہ اپنی ساری طاقتیں اس مقصدِ وحید کے حاصل کرنے کے لیے صرف کر دے۔ اَلسَّعْیُ مِنِّی وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہ تَعَالیٰ۔[۱۲]

فرقہ وارانہ خیالات کے خلاف صدائے احتجاج

ملک کی آزادی میں سب سے بڑی رکاوٹ یہاں کی قوموں کے مذہبی اختلافات اور پھر معمولی معمولی باتوں پر باہم دگر آویزش ہے اور جب تک مذہبی تعصّبات کم نہیں ہوں گے ہندُستان کے باشندوں کی زندگی وبالِ جان رہے گی۔ ایک سال پہلے کے واقعات دھرانے کی ضرورت نہیں اور خدا کا شکر ہے کہ سال گزشتہ پنجاب میں فرقہ وارانہ فسادات کم رونما ہوئے بلکہ اس فقیر کی ناچیز کوششوں سے آلہ کے مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کے درمیان ایک مکمل صلح کی داغ بیل ڈالی گئی جو کہ ابھی تک قائم ہے۔ چُوا سیدن شاہ کے حالات ابھی تا حال پیچیدہ ہیں اور جب تک ہندو بھائی ہٹ دھرمی ترک نہ کریں گے، ان کی اصلاح مشکل ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ بعض خود غرض لوگ مذہب کی آڑ لے کر اور قوموں کے درمیان آتشِ فساد مشتعل کر کے اپنے ذاتی اغراض پورے کیا کرتے ہیں اور یہی لوگ حقیقتاً قوم اور ملک کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ خدا کرے ہندُستان میں بسنے والی قوموں کی ذہنیت درست ہو جائے اور وہ بجائے فتنہ وفساد کے آپس میں شیر وشکر ہو کر رہیں اور ان کا اتّحاد ان کی غلامی کی زنجیروں کو توڑنے والا ہو۔

خاتمہ کلام

میرے عزیزو! مَیں نے آپ کا بہت سا قیمتی وقت لے لیا ہے اور اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ نفسِ مطالب زیرِ بحث آئیں مگر واقعات کی کثرت نے کسی قدر طوالت پیدا کر دی ہے۔ اب مَیں صرف چند فقرے دعائیہ پیش کرنے کے بعد سخن کا خاتمہ کرتا ہوں کہ اللہ کریم اپنے الطافِ عمیم [عام مہربانی] سے ہم سب کو

خدمتِ اسلام و مسلمین کی توفیق رفیق کریں اور ہماری زندگی قوم وملّت کی خدمت گزاری کے لیے وقف ہو جائے اور ہم سب مل کر اس کارگاہِ عالم میں کوئی ایسا کارنمایاں کر کے دکھا جائیں جو کہ آئندہ نسلوں کے لیے یادگار رہے۔آمین۔وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

....

حواشی

۱۔ الصّف۶۱:۱۰ تا ۱۴۔

۲۔ ترجمہ: وہ جو دلوں کو وجد میں لاتا ہے(یعنی) نجد اور یارانِ نجد کا قصہ پھر سے کہو۔
مولانا رومؒ جب محفل میں بیٹھتے تھے تو بات شروع کرنے سے پہلے اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔
(معروف محقق اور نقاد مظہر محمود شیرانی)

۳۔ اُسی کے ہاتھ میں توفیق ہے۔ (عربی جملہ)

۴۔ ترجمہ: اور یہ میرے رب کے فضل سے ہے۔ (ضرب المثل)

۵۔ المرسلٰت ۷۷:۵۰۔

۶۔ ترجمہ: اللہ کے راستہ میں اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنے والا مجاہد ہے۔ (حدیث مبارکہ)

۷۔ خطاواروں کے ساتھ بےخطا بھی پھنس جاتے ہیں یعنی شریروں کے ساتھ مسکین بھی خرابی میں آ جاتے ہیں۔
پوری ضرب المثل یہ ہے : گیہوں کے ساتھ گھن پس جاتا ہے۔

۸۔ یونس ۱۰:۴۹۔

۹۔ ترجمہ: کیا اور کچھ ہے؟ (ضرب المثل)
یہ قرآنی الفاظ (ق ۳۰:۵۰) اپنے متن میں تو دوزخ کے منہ میں سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں کہ کیا اُس کے لیے گناہ گاروں کا ایندھن اور ہے؟ لیکن ضرب المثل میں لا انتہا ہوس کے معنوں میں رائج ہے۔

۱۰۔ ترجمہ: نہ چہرہ رکھتا ہے نہ کہیں جانے کی سکت رکھتا ہے۔
اصل فارسی محاورہ یہ ہے : نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن

۱۱۔ ترجمہ: میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ (ضرب المثل)

۱۲۔ ترجمہ: ۔کوشش میری طرف سے ہے اور اجر اللہ سے۔ (عربی ضرب المثل)

◆◆◆

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ

حضرت مولینا ابو البرکات سید محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالی

سجادہ نشین جلال پور شریف و امیر حزب اللہ

کا

خطبۂ صدارت

جو آپ نے

حزب اللہ کے چودھویں سالانہ اجلاس پر ارشاد فرمایا

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور ہسپتال روڈ میں چھپ کر شائع ہوا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط ☆

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا وَ حَبِیْبِنَا وَشَفِیْعِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ وَاَشیاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ O اَمَّابَعْدُ فَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ فِیْ قُرْاٰنِہِ الْمَجِیْدِ وَفُرْقَانِہِ الْحَمِیْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗٓ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ز یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ط ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ط وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ O اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ ھُمْ رٰکِعُوْنَ O وَ مَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ O [۱]

علمائے ملت وعزیزانِ قوم! یہ فقیر رسمی طور پر آپ کے اس گرم اور حابس موسم میں کام کاج چھوڑ کر تشریف لے آنے کا شکریہ ادا کرنا نہیں چاہتا جب کہ آپ کے شریکِ جلسہ ہونے کا مجھ پر کوئی احسان نہیں بلکہ آپ کو میرا احسان مند ہونا چاہیے کہ وقت اور حالات کی نزاکت کو پیشِ نظر رکھ کر میں نے آپ کو خود اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کی خاطر طلب کیا ہے۔ البتہ آپ کی فرض شناسی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ خدا کرے ادائے فرض میں بھی آپ ثابت قدم رہیں اور جو خوش گوار توقعات اور دل خوش کن امیدیں آپ کے متعلق میرے دل میں موجود ہیں وہ پوری ہو کر رہیں۔ آمین۔

درسِ حیات

میرے عزیزو! البقالالاصلح و تنازع للحیات کا جو قانونِ قدرت ابتدائے آفرینش [کائنات شروع ہونے کا وقت] سے لے کر اختتامِ کائنات تک اربع عناصر کے ہر ذرّہ اور مادۂ جسم اور روح کے ہر جز و اور ہر فرد

☆ ۴/۵ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ بہ مطابق اتوار ۲۹ جون/ ۳۰ جون ۱۹۴۱ء کی درمیانی شب پڑھا گیا۔ منشی غلام یٰسین چوک متی لاہور، نے کتابت کی۔ گیلانی الیکٹرک پریس لاہور ہسپتال روڈ میں چھپ کر شائع ہوا۔

میں جاری وساری ہے اُس کا انکار حقیقت کا انکار اور اس سے چشم پوشی واقعات سے اعراض کرنا ہے۔

جس طرح کہ سورج کے لیے روشنی، آگ کے لیے دھواں، پھول کے لیے خوش بو لازم وملزوم ہیں۔جس طرح کہ بعض اضطراری حرکات حیوانی خصائص میں سے ہیں اور جس طرح کہ گردشِ لیل ونہار[۲]، ثوابت وسیاروں کی محسوس ونامحسوس حرکت، سورج اور چاند کا گھٹاؤ اور بڑھاؤ، [۳] ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا گھِرنا، مینہ کا برسنا، بجلی کی چمک، رعد کی کڑک [۴] اور دوسرے مظاہر قدرت ایک پیہم یک رنگی اور تسلسل کے ساتھ قدرتی طور پر ظہور پذیر ہوا کرتے ہیں بالکل اسی طرح کارگاہِ عالم میں یہ بھی ایک مسلمہ نظریہ ہے کہ طاقت ور کو بقا اور کم زور کو فنا ہوگا، مضبوط طاقتیں اَن مٹ رہیں گی اور کم زور معدوم ہو جائیں گی۔کوہ وقار چٹانیں سمندر کی موجوں اور مدّ وجزر کی تھپکیوں میں بھی محفوظ رہتی ہیں۔دریا کا تیز بہاؤ پہاڑ کاٹ کر راستہ تو بنا لیتا ہے مگر اُس کے استحکام کو نہیں توڑ سکتا۔تن آور اور مضبوط تنے والے درخت نہایت دلیری سے طوفانِ بادوباراں کا مقابلہ کیا کرتے ہیں اور بالمقابل دریا کی طغیانی ضعیف البنیان [کم زور عمارت والے] پُلوں اور چوبیں قدم بندوں کو آن واحد میں توڑ پھوڑ دیتی ہے۔ہوا کا ایک ہی تیز وتند جھونکا کھوکھلی جڑ والے درختوں کو سربہ سجود کر دیتا ہے اور بادِ صرصر [گرم ہوا] کا ایک تھپیڑا جہاں بھاری اور وزنی جہازوں کو ہلا بھی نہیں سکتا وہاں ہلکی کشتیوں کو الٹ پلٹ کر کے رکھ دیتا ہے۔

طبقۂ حیوانات میں بھی یہ قانونِ فطرت اسی طرح عمل پیرا ہے جس طرح کہ جمادات اور نباتات میں۔صفحۂ ہستی سے بھاری بھرکم جسم رکھنے والے حیوانات معدوم ہو رہے ہیں یا معدوم ہو چکے ہیں جن کے پاس قوتِ مدافعت نہ تھی اور چھوٹے قد وقامت مگر دلیر اور چست حیوانات کُرّۂ ارض پر اُس وقت تک موجود رہیں گے جب تک کہ یہ سلسلۂ کائنات قائم ہے۔ [۵] اگر منشائے الٰہی اور اقتضائے قدرت کا تماشا دیکھنا منظور ہو تو سمندروں، دریاؤں، جنگلوں، پہاڑوں، شہروں، آبادیوں سب پر ایک عبرت انگیز نظر ڈالیں تو معلوم ہو جائے گا کہ قوی الجثہ اور زور آور جانور از قسم شیر، چیتا، گینڈا، بھیڑیا اپنے اپنے رہنے والے بھٹوں اور غاروں میں وہی حیثیت رکھتے ہیں جو کہ ایک ظالم اور خوں خوار حکم ران کی ہو سکتی ہے۔ان کے گرد وپیش والے نحیف البدن اور پست ہمت والے وحوش [جنگلی جانور] کا گزر اوقات ان کے رحم پر ہے اور اگر ان کی نگاہِ غضب آلود ہو جائے تو پھر ان کم زور جانوروں کو کوئی طاقت ان کے دستِ تغلّب سے محفوظ نہیں رکھ سکتی اور ایک بپھرا ہوا شیر ارد گرد کے گیدڑوں، لومڑیوں، ہرنوں کے لیے پیامِ موت کا حکم رکھتا ہے۔اڑنے والے پرندوں کی بھی یہی کیفیت ہے۔ مشتِ استخواں [مٹھی بھر ہڈیوں والی] چڑیوں، بھولے کبوتروں، اور بے چاری فاختاؤں کے لیے ایک باز یا شکرا کا آ جانا ملک الموت سے کم نہیں ہوتا۔سمندر اور دریا میں بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو نگل جایا کرتی ہیں اور دریا

کے بڑے جانور چھوٹے جانوروں کو ہمیشہ بے ڈکار ہضم کر جانے کے عادی ہیں۔ بعینہٖ یہی حالت انسانی آبادیوں کی ہے کہ طاقت ور کم زور کو کھائے جا رہا ہے اور مضبوط اپنے سے کم ہمت کو کچل رہا ہے۔ فتح اور کامرانی ہمیشہ بلند ہمّت اور قوی دست کے حصہ میں آیا کرتی ہے اور شکست و نامرادی خسیس [کم زور] اور ضعیف کے لیے مقدّر ہو چکی ہے۔ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا [۶] تاریخ کا مطالعہ کریں تو صاف نظر آئے گا کہ جہاں کسی قوم کے اندر جبن [بزدلی]، نامردی، ضعف و اضمحلال کے امراضِ خبیثہ پیدا ہو گئے اُسی وقت وہ قوم کسی فاتح اور جابر کے بھینٹ چڑھ گئی اور جس قوم کے اندر تہوّر و شجاعت، استقلال و پامردی کے اوصافِ حسنہ پیدا ہو گئے وہی قوم اقوامِ عالم کی صفِ اولین میں شمار ہونے لگی بلکہ اگر آپ مزید غور و فکر سے کام لیں تو آپ کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ زندگی اور موت دراصل حرکت اور سکون کے دوسرے نام ہیں۔ ہر متحرک چیز آثارِ حیات لیے ہوئے ہے اور ہر ساکن شے بے جان اور مردہ۔

یہ تعلیمات جواب یورپ والے نہایت شد و مدّ کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ دراصل قرآنِ حکیم کے بہ مطابقِ عقل، مبارک تعلیم سے ماخوذ ہیں جب کہ مسلمانوں کو نااتفاقی، فرقہ بندی اور تشتت [ٹکرے ٹکرے ہونا] و انتشار سے بدیں وجہ منع کیا گیا ہے کہ تمھارے اندر کم زوری پیدا ہو جائے گی اور تمھاری ہوا اُکھڑ جائے گی [۷] اور انھیں قوی اور صالح بننے کی اس لیے ترغیب دی گئی تا کہ ان کا رعب اور وقار قائم رہ سکے۔ [۸] جہاد فی سبیل اللہ جسے آج مسلمان عملاً ترک کر چکا ہے فی الحقیقت اسی جُہد للحیات کی ایک عملی تفسیر ہے [۹] اور بدلہ و قصاص کو زندگی اور حیات سے تشبیہ دینا البقا للاصلح کے نظریہ کی حقیقی تشریح ہے۔ ماضی کے انسانوں اور گزشتہ قصص سے قطع نظر آپ دنیا کے موجودہ حالات کا بہ غور و فکر مشاہدہ کریں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ زبردست طاقت اور مضبوط ترین قوت حاصل کیے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی اور زمانہ حال اس امر کا شاہد ہے کہ استقبال یا زمانہ آئندہ میں ہر قوم کے تحفظ و بقا کے لیے طاقت اور قوت اتنی ہی ضروری ہے جتنا کہ کسی شخص کی زندگی کے لیے کھانا اور پینا۔

یورپ کے اندر آج جس وحشت و بربریت کا دورہ ہو رہا ہے اور انسانی آبادی خود انسان کے ہاتھوں جس بے دردی اور غارت گری کے ساتھ تباہ و برباد ہو رہی ہے اس گھناؤنے منظر کے پس پردہ آپ کو پھر یہی حقیقت نظر آئے گی کہ ایک طاقت ور اپنی طاقت بڑھانے کی فکر میں ہے اور ایک قوم دوسری قوموں کو اپنا غلام بنانا چاہتی ہے۔ دوسری طرف خنجرِ استبداد سے ذبح ہونے والی قومیں ہاتھ پاؤں مارتی رہتی ہیں اور ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مطابق اپنے بچاؤ کے لیے آخری جدوجہد کرتی ہیں اور بالآخر سسکیاں لے لے کر دم توڑ دیتی ہیں۔ چیکوسلواکیہ، پولینڈ، ناروے، لکسمبرگ ہالینڈ، بلجیم، یوگوسلاویہ [یوگوسلاویہ]، یونان اور سب سے زیادہ

قابلِ ذکر فرانس کے پاس قوتِ مدافعت مضبوط نہ تھی اور آج جرمن کے دہن آز کے لیے تر لقمہ بن چکے ہیں لیکن برطانیہ تا حال اس لیے بچتا چلا آتا ہے کہ اس کے قوا مضمحل نہیں اور انگریز کے دماغ میں یہ فلسفہ پیدا ہو چکا ہے کہ ذلت اور غلامی کی زندگی سے عزت و آبرو کی موت بہتر ہے۔

اقوام و ملل کا یہ تسابق و تقابل یورپ تک محدود نہیں بلکہ نئی دنیا (امریکا) میں بھی اب ایک ہی چیز غور طلب باقی رہ گئی ہے اور وہ اپنے آپ کو محفوظ بنانا ہے۔ چین اور جاپان کی جنگ بھی دو فرقوں کے درمیان رسہ کشی کے مرادف ہے اور ہندُستان میں بسنے والی مختلف الخیال والعقیدہ جماعتوں کے درمیان بھی جو جھگڑے چل رہے ہیں اور وہ فرقہ وارانہ فسادات کی جو گرم بازاری ہے، کانگریس والوں کی لاحاصل سول نافرمانی، ہندو مہاسبھا کی سیاسی قلابازیاں، مسلم لیگ کا مجوزہ پاکستان، سکھ بھائیوں کی نرالی منطق، اچھوتوں کی باسی کڑھی میں اُبال، یہ چیزیں بادی النظر میں کس حد تک تعجّب انگیز معلوم ہوں مگر فی الحقیقت یہ جُہد للحیات کا ایک عملی نمونہ ہیں اور اقوامِ ہند کے تسابق یا گھڑ دوڑ کا ایک دل کش مظاہرہ۔ ہندُستان میں بسنے والے فرزندانِ توحید اور کلمہ گو بھائیوں کی حالت مقابلتاً زیادہ خطرناک ہے اور جو چیزیں کہ ایک قوم کی ترقی و برتری، فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہوا کرتی ہیں وہ ہماری قوم میں قریباً مفقود ہیں۔ اتفاق و یک جہتی نام کو نہیں، فرقہ بندیاں اور اختلاف بڑھ چکے ہیں، سیاسی بے داری کی جگہ قوم پر سیاسی موت طاری ہو رہی ہے، اخلاقی تنزل کی انتہا ہے، اقتصادی حالت زبوں ہے اور قوم کو اگر جسم سے تعبیر کیا جائے تو جسم کے سارے حصّے مفلوج اور ناکارہ ہو چکے ہیں۔ مشائخ بالعموم بے حِس، علما کی اکثریت نافرض شناس، امرا عیش کے دلدادہ اور عوام کالانعام۔[۱۰] اندریں حالات کوئی معجزہ ہی ہوگا جو قوم کو اس طوفانِ بلا سے بچا سکے جو کہ آج دنیا پر محیط ہو رہا ہے اور جس کی دست برد سے مستقبل قریب میں کوئی قوم بھی محفوظ نہیں رہ سکتی :

شب تاریک و بیم موج و گردابِ چنیں حائل
کجا دانند حالِ ما سبک سا رانِ ساحل ہا[۱۱]

دعوتِ عمل

رفقائے کار! متذکرہ بالا خیالات کی روشنی میں آج سے چودہ سال پہلے اس فقیر نے خدائے قدوس و قیوم سے توفیق پا کر اُسی کے امر اور حکم کے ماتحت حزب اللہ کی تاسیس و تشکیل کی اور مسلمانوں کے سامنے ایک دعوتِ عمل پیش کی۔ مقصود بالذّات ملّتِ مرحومہ کی اصلاح اور تنظیم تھی اور اس طویل عرصہ میں مَیں نے اپنی ہمت اور استطاعت سے بڑھ کر کام کیا اور حَسِبَتَـةً لِـلّٰهِ[۱۲] [اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے] یہ خدمت اپنے ذمہ

لی۔ میرے سامنے دو ہی چیزیں رہی ہیں اور اب بھی انھی دو چیزوں کی تکمیل میرا منتہائے مقصود ہے۔

ایک یہ کہ مسلمانوں کے اندر ایک جماعتی نظام پیدا ہو جائے اور ان کی زندگی جاہلیت کے زمانہ کی طرح انفرادی زندگی نہ رہے بلکہ اسلام کے پیش کردہ زریں اصول کے مطابق ان کی حیات اجتماعی صورت میں ہو، ان کے اندر اخوّت، ہمدردی، اتحاد و یک جہتی کے جذباتِ عالیہ پیدا ہو جائیں اور ان کی قوم فرقہ بندیوں اور نااتفاقیوں کی لعنتوں سے کلیۃً پاک ہو جائے اور دوسرا یہ کہ اُن کے اخلاق بلند ہوں، اُن کے عادات حسنہ اور ان کے اطوار پسندیدہ۔ ایک طرف عبادات میں وہ قاصر نہ رہیں اور دوسری طرف ان کے معاملات بہترین صورت پیدا کر لیں۔ خداشناسی، خداترسی اور خدا کی یاد اُن کا شعار ہو اور صلح پسندی، مروت، شرم، حیا، بلند ہمتی، عالی حوصلگی، صداقت روی، حق پسندی، ایثار و فدویت، صبر و تحمل، پاک نظری [اور] پاکیزہ خیالی اُن کا طغرائے امتیاز اور یہ وہی دعوتِ حقہ اور پیغامِ عمل ہے جسے حضور مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کیا اسی کا وعظ و تذکیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے رہے اور یہی چیز ہمیشہ مجدّدین امت و مصلحین ملت کے پیش نظر رہی ہے۔

چودہ سال پہلے جب **ایک** بنو اور **نیک** بنو کی صدائے دل نواز اس فقیر کی زبان سے بلند ہوئی تو بعض سطحی نظر رکھنے والے ظاہر بیں اصحاب اس سے متعجب ضرور ہوئے اور ان کی حیرت و استعجاب ایک حد تک درست بھی تھی جب کہ عرصہ ہائے دراز سے ہندوستان کا مسلمان تعمیری چیزوں سے بے خبر محض ہو رہا تھا اور اُس کے تمام ذمہ دار طبقے تخریب اور محض تخریب کے درپے تھے۔ واعظین کی گرمئ محفل باہمی انشقاق و افتراق کے تذکار کی رہین منت تھی۔ علما کے فتوے تکفیر [کافر قرار دینا] اور تفسیق [گناہ گار قرار دینا] کا پہلو لیے ہوئے اور عامۃ المسلمین کی پسند باہمی کشمکش، تصادم و تقابل اور سر پھٹول تک محدود مگر اب یہ حیرت استحسان کی صورت میں تبدیل ہو چکی ہے اور کوئی مسلمان بھی بشرطیکہ اس کا دماغی توازن درست ہو اور اُس کے دل میں تعصّب یا ہٹ دھرمی کے جذباتِ رذیلہ [گھٹیا جذبات] موجود نہ ہوں اب اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ موجودہ حالت میں ہماری تنظیم کس حد تک ضروری ہے اور ایک مرکزیت کے سوا مسلمانوں کا منتشر شیرازہ کس طرح مجتمع ہو سکتا ہے؟

اب بجائے اس کے کہ ہم وحدتِ ملّت و اتحادِ قوم پر زوردار تقریریں کریں یا فصیح و بلیغ مقالات معرضِ تحریر میں لائیں اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی عملی اقدام کیا جائے جب کہ زمانہ اب تجاویز اور غور و فکر کے قیود سے آزاد ہو کر عمل اور صرف عمل کی طرف دوڑ رہا ہے اور دنیا بھر کی قومیں اپنا ایک ایک لمحہ قیمتی سمجھ کر تگ و تاز میں مصروف ہیں۔ دوڑنے والے کے قدموں کی ذرا سی لغزش مقابل کو بڑھ جانے کا موقع دے دے گی اور مسافرِ راہ کا پاؤں میں چبھا ہوا کانٹا نکالنے کے لیے دو گھڑیاں بیٹھ جانا ہی منزلِ مقصود کی دوری کا باعث ہوگا :

گفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دُور شد[۱۳]

بلکہ یہاں سوال اب آگے بڑھنے یا پیچھے رہ جانے کا نہیں بلکہ موت اور ذلت کا سوال ہے، فنا اور بقا کا سوال ہے اور زندہ رہنے یا مر جانے کا سوال ہے۔

اگر آپ کی آنکھیں ہر چیز کو اپنے اصل رنگ میں دیکھنے کے خُوگر ہیں۔ اگر آپ کے کان نغمہ ہائے عیش اور صداہائے درد کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں اور اگر آپ کے دل حقیقت شناسی اور معاملہ فہمی کی استعداد رکھنے والے ہیں تو آپ یقین کریں کہ یہ مجذوب کی بڑ نہیں ایک مختل الحواس [پاگل] کی ژولیدہ بیانی [پریشان خیالی] نہیں بلکہ ایک سلجھے ہُوئے دماغ اور حقیقت آشنا دل کے تاثرات ہیں اور مشاہدات کے مستقبل قریب میں دوسرے ممالکِ اسلامیہ سے قطع نظر ہندُستان کا مسلمان یا ہمیشہ کے لیے صفحہ ہستی سے معدوم ہو جائے گا یا آنے والی آزمائش اور ابتلا کی گھڑیوں میں ثابت قدم رہ کر ہندُستان کی قوموں میں اپنے لیے ایک ممتاز حیثیت پیدا کرے گا۔

پہلی صورت واقعات وشواہد کی بنا پر زیادہ ممکن العمل ہے اور
دوسری امدادِ غیبی، تائیدِ ایزدی اور بعض خوارق عادات [خلافِ معمول کام] کی محتاج۔

میں یہ چند الفاظ نہایت ذمہ داری کے ساتھ عرض کرنے لگا ہوں کہ مستقبل قریب ہندُستان کے مسلمان کے لیے بے حد خطرناک ہے اور اگر مسلمانوں نے اپنی موجودہ روش کو تبدیل نہ کیا، اُن کے باہمی فسادات اسی طریقہ سے قائم رہے، ان کے اندر اجتماعی حیات پیدا نہ ہوئی، وہ کسی ایک مرکز پر اکٹھے نہ ہوئے اور غایت مافی الباب انھوں نے کسی ایک امیر کی اطاعت کا زبانی حلف نہیں بلکہ عملی اتباع نہ کیا تو البقا للاصلح کا قانون ان کے خلاف یہ سزا تجویز کرے گا کہ انھیں یا تو ہندُستان سے بہ یک بنی دو گوش نکال دیا جائے اور یا ان کی آئندہ زندگی ایسی بنا دی جائے جیسی کہ دوسری خانہ بدوش، اچھوت اور جرائم پیشہ قوموں کی ہے۔

قدرت کا فتویٰ صادر ہو چکا ہے۔ فطرت نے اپنی گواہی اُس پر ثبت کر دی ہے۔ دنیا میں ایک انقلابِ عظیم آنے والا ہے۔ امیر حزب اللہ نے اپنا فرض پُورا کر دیا۔ تمھیں لَوْمَةَ لَآ ئِـمٍ[۱۴] تنبیہ کر دی اور آنے والے خطرات سے آگاہ کر دیا، ابھی وقت باقی ہے، اب بھی اگر ذرا سنبھل جاؤ اور مُجھ پر پُورا اعتماد کر کے میری اتباع کرو جو کہ حقیقت میں خدائے بے نیاز اور اُس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع ہے تو مَیں وعدہ کرتا ہوں اور پُورے وثوق کے ساتھ کہ ان شاء اللہ ہم سب مل کر اپنی بگڑی ہوئی تقدیر کو اپنے حُسنِ تدبیر سے درست کر لیں گے اور اپنی منجدھار میں پھنسی ہوئی اور بھنور میں پڑی ہوئی کشتی کو کھیلتے ہوئے کنارے پر

لے آئیں گے اور مسلمان میرے تجویز کردہ طریقِ عمل پر کاربند ہو کر دنیا میں سرخروئی اور سربلندی حاصل کرے گا اور دوسری صورت میں اُس کا انجام نہایت بھیانک اور خطرناک نظر آ رہا ہے، جس کا تصوّر غم آمیز اور تخیل دہشت خیز ہے۔ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَايَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا۔[۱۵]

آخری فیصلہ

حزب اللہ والو! حالات کی نزاکت اور وقت کے اقتضا[۱۶] کے مطابق آج مَیں ایک آخری فیصلہ پر پہنچنا چاہتا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ میری چہاردہ [چودہ] سالہ محنت رایگاں نہیں گئی۔ میرے، جدوجہد کے خوش گوار ثمرات، میرے سامنے موجود ہیں اور میری دعوتِ حق کے عملی نتائج میرے روبہ رو۔ تم لوگوں نے میری صدائے مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ کا جواب والہانہ طور پر نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ کے الفاظ میں دیا۔[۱۷] میرے اقتصادی دستور العمل کو شان دار کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ ترکِ رسوم و بدعات و مقدمہ بازی کے معاملہ میں حزبُ اللہ کے کارنامے زریّں حروف سے لکھے جائیں گے۔ رضا کاروں کے مجاہدانہ خیالات اور سرفروشانہ جذبات سے بھی میں پوری طرح واقف ہوں اور مجھے بہ خوبی علم ہے کہ فدا کارانِ اسلام کی یہ جماعت کسی آزمائش یا امتحان سے گھبرانے والی نہیں۔ بایں ہمہ میری توقعات اور امیدیں جو مَیں نے آپ سے قائم کر رکھی ہیں ابھی تشنۂ تکمیل ہیں اور میرا حقیقی پروگرام تا حال نامکمل۔ میری آنکھیں ایک حیرت انگیز مگر دل فریب نظارہ دیکھنا چاہتی ہیں اور مسلمان کے ارتقائے منازل طے کر جانے کی شکل میں۔ میری دلی تمنّا اور قلبی خواہش ہے کہ تمھیں دنیا اور دین دونوں میں کامیاب اور کامران دیکھوں اور میرے لیے زندگی میں وہ ساعت بڑی ہی مبارک ہو گی جب کہ مَیں مسلمانوں کو اُن کے اصلی رنگ رُوپ میں دیکھوں گا۔

ایک خدا کی غلامی کرنے والا مگر اَنْـدَادًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ[۱۸] اور اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ[۱۹] کے سامنے سرکش و متمرّد، جہاں بھر کا باغی مگر ایک کا وفادار، کسی سے نہ ڈرنے والا مگر ایک کی خشیت سے لرزہ براندام، سب [سے بے نیاز] مگر آپ [ایک] کا نیاز مند، سب سے بیگانہ مگر ایک کا یگانہ، سب کی نظروں میں دیوانہ مگر ایک کا فرزانہ، کسی کی رضا جوئی میں موت سے کھیلنے والا، کسی کی تعمیلِ حکم میں پہاڑوں کی چوٹیوں سے کُود جانے والا، دریاؤں اور سمندروں میں غوطہ لگانے والا، اپنے سینہ پر تلوار کے وار اور گولیوں کی بوچھاڑ سہنے والا، قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یادگار، اسلام کا مایہ ناز فرزند اور امّتِ مرحومہ کا جاں باز سپاہی، تمھاری نمازیں، تمھارے روزے، تمھاری اسلامی صورتیں اور سیرتیں، تمھارا خلوص اور محبت، معمولی احکام کی بجا آوری سب قابلِ تحسین ہیں اور لائقِ ستائش مگر تمھارا مرض چوں کہ زیادہ خطرناک اور مزمّن [پرانا] ہے اس لیے دوائی بھی ذرا کڑوی ہو

گی۔ شیطانی اوراہرمنی قوتوں، ابلیسی وطاغوتی طاقتوں کی اہمیّت کونظرانداز نہ کرتے ہُوئے تمھیں مزید مستعدی اور تیاری سے کام لینا ہوگا اوراگرضرورت داعی ہوئی تو بڑی سے بڑی قربانی کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا ہوگا۔

یادرکھیں! حزب اللہ کی جماعت کسی خاص مذہب یا قوم کے خلاف نہیں بنائی گئی۔ انگریز سے ہمیں کوئی پرخاش نہیں، ہندو سے کوئی بَیر نہیں، سکھ سے کوئی عداوت نہیں، فرقہ بندیوں سے ہم دُور ہیں اور اختلاف وانشقاق سے نفور۔ البتہ ہم نے ایک عہد کر رکھا ہے خدا کی غلامی کا، ایک اقرار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا اور یومِ الست [۲۰] سے احکم الحاکمین کی ربوبیت کے معترف چلے آرہے ہیں اوراسی اعتبار سے ہماری دوستی اُن سے ہے جو ہمارے دوست کے دوست دار ہیں اور ہماری دُشمنی اُن سے ہے جو کہ ہمارے دوست کے دشمن ہوں۔ ان مراسمِ محبت وعداوت میں ذاتیات کا کوئی دخل نہیں، رشتہ داری کا کوئی سوال نہیں۔ بس ہمارا رشتہ اُسی سے استوار ہوگا جس نے اپنا رشتہ خدائے بے نیاز سے قائم کیا ہو اور ہماری بےتعلقی اُس سے لازم جس کا تعلق ذاتِ واجب الوجود سے منقطع ہو چکا ہو پھر اس تعلق کو نبھانے، اس رشتہ کو قائم رکھنے، اُس دوستی کا ثبوت دینے کے لیے ہم ہر وقت جاں بکف پھریں گے، ہم ہنسی خوشی اپنی جان دے دیں گے، ہماری گردنیں خُدا کے راستہ میں کٹ جائیں گی مگر جانِ جہاں کا کوئی گلہ شکوہ ہمیں سُننا اندریں منظور نہیں۔

اندریں [۲۱] حالات میرا قطعی اور آخری فیصلہ یہی ہے کہ صحیح معنوں میں حزبُ اللہ بن جاؤ اور حزب اللہ والوں کی جو خصوصیتیں قرآن حکیم میں مذکور ہیں انھیں عملی طور پر پُورا کر دکھاؤ اور وہ یہ ہیں:

۱۔ يُّحِبُّهُمْ	تم ایسا طریقِ عمل اختیار کرو کہ اللہ تعالیٰ کے منظورِ نظر بن جاؤ۔
۲۔ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ	تمھارے دلوں میں خدا کی محبت سب ظاہری محبتوں سے بڑھ جائے۔
۳۔ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمان بھائیوں سے تمھارے تعلقات بے حد خوش گوار ہوں۔
۴۔ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	غیر مسلم تمھارے اتحاد سے خائف وہراساں رہیں۔
۵۔ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے راستہ میں تمھارا مال جان وقف ہو جائے اور وقتِ ضرورت کسی ایثارِ مالی وجانی سے دریغ نہ ہو۔
۶۔ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ	ادائے فرض میں تمھیں کسی ملامت یا نکتہ چینی کی پروا باقی نہ رہے اور احقاقِ حق وابطال باطل تمھارا شعارِ زندگی ہو۔

ان کے علاوہ اطاعتِ امیر کا جو وعدہ تم نے کر رکھا ہے اُس کو پورا کر کے دکھاؤ اور امیر کے حکم کی اتباع

میں بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کرو تا کہ امیر تمھارے حالات کا جائزہ لینے کے بعد تمھاری بہتری اور برتری کے لیے کوئی فوری اور مؤثر اقدام کر سکے اور یا مجھے خدارا بتلا دو کہ ہماری ٹانگیں کم زور ہیں، ہماری ہمتیں پست ہیں اور ہمیں دنیاوی محبتوں، تن آسانیوں نے کسی کام کا نہیں چھوڑا، ہم کسی قربانی کے لیے تیار نہیں، ہم عزت کی موت مرنا نہیں چاہتے لیکن ذلت کی زندگی بہ خوشی برداشت کریں گے، تاکہ اپنا اور تمھارا وقت ضائع کرنے کی جگہ میں اپنے تبلیغی فرض کی سرانجام دہی کے بعد اور تمھاری طرف سے قطعاً مایوس اور ناامید ہو کر ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھ جاؤں اور پھر حزب اللہ کا نام نہ لُوں۔ مجھے تم سے حسن ظن موجود ہے اور مجھے علم ہے کہ آخری فیصلہ میری مرضی کے مطابق ہوگا مگر محض تمھیں بیدار اور ہوشیار کرنے کی خاطر مَیں نے دیدہ و دانستہ ایسے تیز و تلخ الفاظ استعمال کیے ہیں:

نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
حُدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی[۲۲]

حرب وجدال

دُنیا کے اندر جس سرعتِ رفتار سے انقلاب رُونما ہو رہے ہیں اُن سے چشم پوشی نہیں ہو سکتی۔ گزشتہ سال موجودہ عالم گیر و امن سوز جنگ پر مذہبی نقطہ و خیال سے ایک تبصرہ کیا گیا تھا کہ یہ جنگ حقیقتاً احکم الحاکمین کی طرف سے اُس کے سرکش اور گم راہ بندوں کو ایک عبرت انگیز سزا ہے کہ وہ مادہ پرستی اور سائنس پرستی کے ظلماتِ کُفر و شرک سے نکل کر توحید اور خدا شناسی کی روشنی میں آ جائیں اور خداوند تعالیٰ کے اس قہر و غضب سے (جو جنگ کی صورت میں رُونما ہو رہا ہے) ڈر، سہم کر اپنی بداعمالیوں اور بدعقیدگیوں سے تائب ہو جائیں۔[۲۳]

سال گزشتہ [سے] جنگ جس ہیبت زا و دہشت انگیز دور سے گزر رہی ہے اس کی کیفیات و حالات سے تعلیم یافتہ طبقہ اور ان کے ذریعہ عام لوگ بھی بہ خوبی واقف ہیں۔ نائرہ [شعلہ] مشتعل ہو رہا ہے اور دائرہ حرب وسیع۔ یہ محاربہ جدال و قتال اب یورپ تک محدُود نہیں رہا بلکہ افریقہ کے تپتے ہوئے میدانوں اور مشرقِ وسطیٰ کی آبادیوں تک بھی جنگ کا عفریت منھ کھولے پہنچ چکا ہے۔ امریکا والے بھی عملی طور پر جنگ میں شامل ہیں اور ظاہری پردۂ غیر جانب داری بھی عن قریب چاک ہونے والا ہے۔ دُور کیوں جائیں ہمارا ہندُستان شروع جنگ سے بالواسطہ اور بلاواسطہ شریکِ متحاربین ہو چکا ہے اور ہزاروں کی تعداد میں ہندُستانی سپاہی لیبیا، مصر، عراق اور شام کے میدانوں میں اور اُس کی دوسری نوآبادیوں کی افواج کے دوش بہ دوش دادِ شجاعت دے رہے ہیں۔ پھر جنگ کا عالم گیر ہو جانا ہندُستان کے لیے براہِ راست بھی خطرہ کا باعث ہو سکتا ہے اور ممکن ہے کہ کسی

سمت سے ہندُستان پر کوئی حملہ آور ہو جائے اور کانوں سے سُننے والے آنکھوں سے اس ہول ناک تباہی اور بربادی کا نقشہ دیکھ لیں۔ کَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ۔[۲۵]

برطانیہ اور ہم

جیسا کہ اس فقیر نے گزشتہ سال اپنے خطبۂ صدارت میں ظاہر کیا تھا برطانیہ کے ساتھ ہمیں بیسیوں اختلاف سہی مگر حالات کا تقاضا یہی ہے کہ اُس کی موجودہ کم زوریوں سے فائدہ نہ اُٹھایا جائے اور اپنے کسی طرزِ عمل سے اس کے لیے مشکلات پیدا نہ کی جائیں جب کہ ہندُستان کا سیاسی ارتقا بہت کچھ برطانیہ کے ساتھ وابستہ ہے اور پھر بالشوزم اور ہٹلرازم کا جامہ کم زور اور اپاہج ہندُستان کے جسم پر پورا بھی نہیں اُتر سکتا۔

مذہب کے دل دادہ ہندُستانی اور بالخصوص شمعِ اسلام پر پروانہ وار شیدا ہونے والے مسلمان ممکن ہے بالشویزم کی پیش کردہ مساوات کو بہ نظرِ استحسان دیکھیں یا ہندُستانی مزدور کی آنکھیں روس کے مزدور کی تبدیلِ ہیئت سے چندھیا جائیں لیکن معابد و مساجد کا انہدام اور لامذہبیت کے پرچار کو ہم کبھی برداشت نہیں کر سکتے اور نہ ہی آزادیِ تقریر و تحریر پر جاں دینے والے ہندُستانی جرمن کے نادر شاہی احکام کی تعمیل کر سکتے ہیں اور ہندُستان کی خوش قسمتی اسی میں ہے کہ کسی باہر سے آنے والی بڑی بلا کے پنجۂ استبداد اور دستِ تظلم میں ماخوذ ہونے کی جگہ ہم پر جو غیر حکومت مسلط ہے وہی اپنی گرفت ڈھیلی کر دے اور جنگ کے اختتام پر ہندُستان کو حسبِ وعدہ حکومت خود اختیاری دے دے تاکہ آئندہ ہم بھی اپنے تحفظ و بقا کے لیے کوئی عملی اقدام کر سکیں اور موجودہ وقت میں ہماری حالت جس خطرناک پوزیشن میں ہے وہ باقی نہ رہے۔

مسلمانانِ ہند کو برطانیہ سے بڑی شکایات اور جائز شکوے ہیں مگر ہم انھیں تقاضائے شرافت کی وجہ سے سرِ دست پیش کرنا نہیں چاہتے اور جنگ کے اختتام تک ملتوی رکھتے ہیں کیوں کہ ہمارے خیال میں ایک دشمن بھی اگر کسی مُصیبت میں مبتلا ہو جائے تو اُس کے ساتھ انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ ہمدردی کی جائے۔ اس لیے ہمیں برطانیہ کے ساتھ ہمدردی ناگزیر ہے جس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ ہمارے عقیدت مند برادرانِ طریقت و رضا کارانِ حزبُ اللہ سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں فوج میں بھرتی ہو چکے ہیں اور اُن کی اکثریت آج میدانِ جنگ میں مصروفِ کارزار ہے اور ہم اُن کے بخیریت و کامیاب واپس آنے کے لیے دست بہ دُعا۔

عراق اور شام

گزشتہ ایام عراق میں جو بدمزگی پیدا ہوئی اور آج شام میں خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے اُس کا احساس ہر ایک مسلمان کو ہونا ضروری ہے بالخصوص جب کہ عراق اور شام کی سرزمین اپنے اندر انبیائے علیہم

السلام، اولیائے وعلمائے وشہدائے رضی اللہ عنہم امت کے ہزاروں جسدِ اطہر مدفون رکھتی ہے جو کہ ہماری نگاہوں میں دُنیا بھر کے خزانوں سے زیادہ قیمتی ہیں اور تمام عالمِ اسلامی کو ان مبارک قطعہ ہائے ارضی کے ساتھ والہانہ ارادت وعقیدت ہے۔ سَلَامٌ عِبَادَ مَنْ حَلَّ بِالنَّجْدِ [۲۶] اور اگر برطانیہ ہوسِ استعمار میں ان ممالک پر حملہ آور ہوتا تو ہم بلاخوف وخطر اُس کے اس فعل پر صدائے احتجاج بلند کرتے اور کوئی طاقت اظہارِ حق سے ہمیں نہ روک سکتی اور رشید عالی گیلانی کے خروج کا مقصد اگر محض آزادیِ عراق ہوتا تو معاملہ کی نوعیّت الگ تھی مگر جرمن کا آلہ کار بن کر اُس کا برطانیہ سے تصادم اور پھر رضا کارانہ طور پر جرمنی افواج وعسا کر کو عمل ودخل کی اجازت دینا آزادیِ عراق کے لیے کوئی نیک فال نہیں تھا اور جس صورت میں کہ برطانیہ کے اربابِ حل وعقد عراق اور شام دونو [دونوں] کی آزادی کی ضمانت دے رہے ہیں اور شام پر فوج کشی کا سبب اسے فرانسیسی استحکام سے نجات دلانا ظاہر کیا جا رہا ہے تو پھر تھوڑی دیر کے لیے ہمیں برطانیہ کے وعدوں پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

بایں ہمہ برطانیہ کو اثنائے جنگ میں مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کا ادب واحترام بے حد ملحوظ رکھنا چاہیے اور مسلمان کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی کسی مسجد یا قبہ پر کسی بھی حالت میں بم باری ہو یا فوجی مداخلت۔

اندرونی خطرات اور ہمارا فرض

موجودہ سیاسی بحران میں سب سے زیادہ اہم ضروری اور قابلِ توجہ ہندُستان کا امن برقرار رہنے کا سوال ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جنگ اور ہمارے درمیان سمندر حائل ہے اور عراق وشام میں جرمن ریشہ دوانیوں کی ناکامی نے کچھ دیر کے لیے ہندُستان کو پھر محفوظ بنا دیا ہے۔ کسی دوسرے ملک کی طرف سے بھی حملہ آور ہونے کا کوئی خاص خطرہ درپیش نہیں لیکن دنیا میں پیدا شدہ بدامنی کا اثر ہمارے ملک پر بھی پڑنا ناگزیر ہے۔ غیر ذمہ دار شرارت پسند اور ادنیٰ طبقہ کے لوگ ایسے مواقع پر ہمیشہ ناجائز فائدہ اٹھایا کرتے ہیں اور فرقہ وارانہ جذبات رکھنے والوں کے لیے ایسے حالات سازگار ہوا کرتے ہیں۔ بمبئی، احمد آباد اور ڈھاکا کے فسادات اور قتل وغارت کے حقیقی اسباب یہی ہیں اور جنگ کی طوالت یا کسی ایک فریق کی کلی یا جزوی شکست ممکن ہے کہ حالات کو اور پیچیدہ بنا دے اور فتنہ انگیز لوگ جو کہ اسی موقع کے منتظر ہیں ہندُستان کے اندر شرارت اور فساد برپا کر دیں۔ موجودہ حالات گو زیادہ اضطراب انگیز نہیں مگر جس سرعتِ رفتار سے دنیا کے اندر انقلاب آ رہا ہے اُس کے حسب اعتبار واقعات میں یکا یک تبدیلی اور حالات کا فوراً پلٹا کھا جانا ایک معمولی بات ہے۔ اس لیے اگر خدانخواستہ کوئی ایسی خلفشار رُونما ہو جائے اور ملک کا امن خطرہ میں پڑ جائے تو حزب اللہ والوں کے ذمہ چند ایک فرائض

ہیں جن کی تکمیل ان کے لیے بے حد ضروری ہے۔

۱۔ اگر ہندُستان میں خدانخواستہ کوئی بیرونی حملہ ہو یا اندرونی فسادات پھوٹ پڑیں تو آپ اپنے کسی اقدام کے متعلق فی الفور امیر سے مشورہ کریں اور اس کے احکام کے ماتحت کوئی کارروائی کی جائے۔

۲۔ اگر کوئی فوری انقلاب پیدا ہو جائے اور آپ کے پاس استصواب کے لیے لمحاتِ فرصت موجود نہ ہوں تو آپ کا یہ ایک اخلاقی فرض ہے کہ اپنی ہمسایہ اقوام ہندو یا سکھوں کے مال و جان کی حفاظت کریں اور حکومت کی طرف سے قیامِ امن کے لیے جو تدابیر اختیار کی جائیں ان کے ساتھ اشتراکِ عمل ہونا چاہیے جب کہ ہم چُو قسم فسادات کا اثر ہمیشہ شرفا اور امن پسند شہریوں پر پڑتا ہے اور اسلام کے اندر دہشت انگیزی اور فتنہ وفساد بے حد مذموم افعال ہیں۔

لیکن جیسا کہ گزشتہ سال کے خطبہ میں ظاہر کیا گیا تھا۔حزب اللہ والے جہاں ایک طرف قیامِ امن کے لیے ہر قسم کے ذرائع استعمال کرنے کے لیے تیار ہیں وہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی دوسری قوم یا جماعت نے مسلمانوں کی کم زوری اور نا اتفاقی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور مسلمانوں کی عزت و ناموس پر حملہ آور ہوئی تو پھر حزب اللہ کی جماعت مسلمانوں کی آبروے [آبرو] اور اسلام کی حرمت کو محفوظ رکھنے کے لیے میدانِ عمل میں نکل آئے گی اور ہر ایک قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرے گی اور غالباً ہمارا یہ منصفانہ فیصلہ غیر اقوام کو بھی پسند رہے گا اور حکومت بھی اسے بہ نظرِ استحان دیکھے گی جس کا مقصد حفاظتِ خود اختیاری ہے اور بس۔

فرقہ وارانہ کشیدگی

ہندُستان کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں بسنے والی مختلف اقوام وملل کے درمیان فرقہ وارانہ کشیدگی، قومی اور نسلی مغائرت اور باہم دگر بے اعتمادی کے جذبات و خیالات روبہ ترقی ہیں اور مصالحت و مفاہمت کی تمام کوششیں بے نتیجہ ثابت ہو چکی ہیں اور اسی نا اتفاقی اور باہمی کشمکش کی وجہ سے ہندُستان آزادی اور حکومتِ خود اختیاری جیسی نعمت سے محروم ہو رہا ہے اور حکومت کے اس سوال کا کہ اگر تمھیں درجہِ نو آبادیات دے دیا جائے تو تقسیمِ حقوق کس طریق سے ہوگی؟ اور اقلیت والی قوموں کے جائز مطالبات کے تسلیم کیے جانے کی کیا گارنٹی ہے؟ کوئی معقول جواب بن نہیں پڑتا جب کہ سات صوبوں پر کانگریس کی چند سالہ حکومت کا گزشتہ تلخ تجربہ سامنے موجود ہے اور مسلمان اگر اپنے ہندو بھائیوں کی طرف سے بے اعتمادی کا اظہار کرتے ہیں تو وہ صحیح معنوں میں حق بہ جانب ہیں۔محض زبانی جمع خرچ سے کام لے کر آج کل کے بیدار زمانہ میں کسی کو طفل

تسلیاں دلائی جاسکتیں تاوقتیکہ اپنے طرزِ عمل سے کوئی ثبوت نہ بہم پہنچایا جائے۔

کانگریس والے اب عذرِ گناہ کی ہزار تاویلیں پیش کریں مگر اُن کا گزشتہ سلوک انصاف کی رو سے حد درجہ دل خراش تھا اور مسلمانوں نے اگر اپنے تحفظ اور بچاؤ کے لیے پاکستان کا نظریہ پیش کر دیا ہے تو وہ قطعاً موردِ الزام نہیں ہو سکتے۔ پاکستان کا لفظ آج کل غیر مسلم جماعتوں کے لیے ہوّا بنا ہوا ہے اور غلط استدلال سے کام لے کر اس کی اندھا دھند مخالفت کی جارہی ہے حال آنکہ اگر ہمارے معترضین ذرا معقولیت اختیار کریں اور مسلمانوں کے مطالبات کو پائے استحقار سے ٹھکرانے کی جگہ ان پر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو انھیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک اقلیت میں رہنے والی قوم کا اکثریت کی طرف سے بدظن ہونا قدرتی بات ہے اور پھر اُس کا اپنے تحفظِ حقوق کے لیے کوئی نظریہ قائم کرنا اس کا منطقی نتیجہ ہے۔ اگر ہمارے برادرانِ وطن کے خیال میں پاکستان کی سکیم ناممکن العمل ہے یا چند در چند نقائص ہیں تو پھر اُن کے مدبرین کا یہ فرض ہے کہ کوئی ایسا فارمولا تلاش کر لیں جو کہ پاکستان کا نعم البدل ہو سکے اور جس سے مسلمان مطمئن ہو جائیں مگر موجودہ صورتِ حالات بالکل غیر تسلی بخش ہے اور مسلمان محض دھمکیوں اور اکثریت کے رُعب سے اپنے جائز حقوق کا مطالبہ ترک کرنے کے لیے تیار نہیں۔

ہم بہ تقاضائے شرافت ہمیشہ مسلمانوں کو اپنی ہمسایہ اقوام سے حسنِ سلوک سے پیش آنے اور اُن کے حقِ ہمسائیگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے ساتھ نرمی اور ملاطفت اختیار کرنے کی ترغیب دیا کرتے ہیں لیکن ہمارے برادرانِ وطن کا بھی یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ بھی اپنی تحریروں یا تقریروں میں مسلمان بھائیوں کی دل آزاری نہ ہونے دیں حال آنکہ واقعات اس کے سراسر خلاف ہیں اور بالخصوص ہمارے سکھ بھائی اپنے ہر ایک قول اور فعل میں دائرۂ تہذیب سے باہر چلے جاتے ہیں۔ پاکستان کے خلاف ذمہ دار سکھ بھائیوں نے جو تقریریں وقتاً فوقتاً کی ہیں اور پھر ماسٹر تارا سنگھ صاحب نے جو اشتعال انگیز لب ولہجہ اختیار کر رکھا ہے اور اپنی شانِ آمریت کا جو دل خراش مظاہرہ کرنے کے عادی ہو چکے ہیں وہ ہمارے لیے نہایت صبر آزما ہے۔ ماسٹر تارا سنگھ صاحب کو یاد رکھنا چاہیے کہ مسلمان ہمیشہ دائرۂ تہذیب کے اندر رہ کر گفت گو کرے گا اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی ہمیں اخلاقاً ممانعت بھی ہے مگر اس سے اُن کا یا اُن کے کسی ہم خیال کا یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ مسلمان اپنی کم زوری کے باعث خاموش ہے اُن کا اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔

ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ ہندُستان کی فضائے امن کو مکدّر بنایا جائے اور حکومت کے لیے اور پریشانیاں بڑھائی جائیں لیکن یہ امر بھی ہماری خودداری اور عزتِ نفس کے خلاف ہے کہ ماسٹر تارا سنگھ صاحب اور اسی قماش کے چند فتنہ انگیز افراد کی اشتعال انگیزیوں سے متاثر بھی نہ ہوں اور قوم کو ایسے متعصّب اور غلط رَو

اشخاص کے رحم پر چھوڑ دیا جائے۔ مسلمان اگر پاکستان نہیں بنا سکتے تو ماسٹر صاحب کو بھی سکھستان کا تخیّل اپنے دماغ سے نکال دینا چاہیے۔ ہم اپنے کسی سکھ یا ہندو بھائی کے حقوق چھیننا اخلاقی جرم سمجھتے ہیں لیکن اپنے جائز حقوق کی نگہداشت بھی ہمارے فرائض میں شامل ہے۔ آپ امن پسند شہریوں کی طرح مفاہمت کر سکتے ہیں لیکن دھمکیوں سے ہمیں مرعوب نہیں بنا سکتے۔ سکھوں کو ان کے جائز حقوق ضرور مل جائیں گے لیکن وہ ہمارے حقوق غصب نہیں کر سکتے اور امید کہ یہ الفاظ ماسٹر صاحب کی چشمِ عبرت کے لیے سرمۂ بصیرت کا کام دیں گے۔

بایں ہمہ یہ فقیر اپنے برادرانِ وطن سے سچے دل سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ہماری اور اپنی حالت پر رحم کرتے ہوئے ان فرقہ وارانہ کشیدگیوں سے باز آجائیں، وسیع الخیالی اور رواداری سے کام لینا سیکھیں۔

(خطبہ ہذا ناقص الاخر ہے)

....

حواشی :

۱۔ المائدہ۵:۵۴تا۵۶۔

۲۔ البقرہ۲:۱۶۴۔

۳۔ یونس۱۰:۵۔

۴۔ الرعد۱۳:۱۲،۱۳۔

۵۔ العنکبوت۲۹:۶۹۔

۶۔ فاطر۳۵:۴۳۔

۷۔ الانفال۸:۴۶۔
خطبہ میں لِسُنَّتِ کی جگہ لِسُنّتہِ درج تھا۔

۸۔ الانفال۸:۶۰۔

۹۔ البقرہ۲:۱۷۹۔

۱۰۔ چوپایوں سے مشابہ لوگ، بے تمیز اور بے شعور لوگ۔ (عربی مقولہ)

۱۱۔ ترجمہ: اندھیری رات، طوفان کا ڈر اور ایسا گرداب رکاوٹ بنا ہوا ہے، ساحلوں پر بیٹھے بے نیاز لوگ ہمارا حال کیا جانیں۔ (دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار لاہور، س ندارد، ص۲۹)
اصل میں شعر یوں ہے :

شبِ تاریک و بیم موج و گردابِ چنیں حائل
کجا دانند حالِ ما سبک سا رانِ ساحل ہا

۱۲۔ خطبہ میں حسبتہً للّٰہ درج تھا۔

۱۳۔ ترجمہ : چلتے ہوئے ایک کانٹا نکالنے کے لیے میں لحہ بھر ٹھہرا اور محمل نگاہ سے اوجھل ہو گیا۔ میرے ایک لمحے کا غافل ہونے نے مجھے سو سالوں کی مسافت پیچھے کر دیا۔
(دیوانِ غزلیات ملک قمی (با مقدمہ و حواشی)، مشاہدہ مرغوب، گروہ زبان و ادبیات فارسی، دانشگاہ اسلامی علیگڑھ، علیگڑھ (ہند)، س ۲۰۱۲م، غزل نمبر ۵۲۸، ص ۳۹۱)
نوٹ: اصل شعر میں گفتم کی جگہ رفتم ہے۔

۱۴۔ المائدہ ۵:۵۴۔

۱۵۔ النساء ۴:۷۸۔

۱۶۔ خطبہ میں اقتضائے درج تھا۔

۱۷۔ ال عمران ۳:۵۲، الصّف ۶۱:۱۴۔

۱۸۔ البقرہ ۲:۱۶۵۔

۱۹۔ ال عمران ۳:۶۴۔ التوبہ ۹:۳۱۔

۲۰۔ الاعراف ۷:۱۷۲۔

۲۱۔ خطبہ میں اندرایں درج تھا۔

۲۲۔ ترجمہ: اگر (سننے والوں میں) نغمہ کا شوق نہ دیکھو تو اپنی آواز بلند کر دو، (اور) اگر محمل بھاری ہو تو حدی کو زیادہ شدت کے ساتھ پڑھو۔ (قصیدہ در مدح خانِ خاناں، ''قصائد عرفی''، مطبع رزاقی، کان پور، س ۱۳۲۳ھ، ص ۸۷)
نوٹ : خطبہ میں حُدی را تیز کی جگہ حُدی را تیر درج تھا۔

۲۳۔ خطبہ میں کیا خیات درج تھا۔

۲۴۔ خطبہ میں درج تھا، جنگ کا عالم گیر ہو کر جانا۔

۲۵۔ النبا ۷۸:۴،۵۔

۲۶۔ ترجمہ : سلام ہو اُن بندوں پر جو نجد میں رہتے ہیں۔
نوٹ : خطبہ میں عس لکھ کر اُسے عباد بنایا گیا ہے۔ الامیر الصنعانی کے کلام کا پہلا مصرع اِس سے مشابہ ہے۔ پہلا شعر یوں ہے :

سلام علی نجدو من حل فی نجد وان کان تسلیمی علی البعد لا یجدی

(شعراء العصر العثمانی، غیر مصنف، الامیر الصنانی۔ https://www.aldiwan.net,poem339)

◆◆◆

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغَالِبُوْنَ

حضرت مولٰینا ابوالبرکات

سیّد محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالیٰ

سجادہ نشین جلالپور شریف و امیر حزب اللہ

کا

خطبۂ صدارت

جو آپ نے

حزب اللہ کے پندرہویں سالانہ اجلاس پر

ارشاد فرمایا۔

حررہٗ ۔ لال دین خوشنویس چوک متی لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم ؕ☆

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوۡلٰینَا وَ حَبِیۡبِنَا وَ شَفِیۡعِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَتۡبَاعِہٖ وَاَشیاعِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ O اَمَّا بَعۡدُ فَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ فِیۡ قُرۡاٰنِہِ الۡمَجِیۡدِ وَفُرۡقَانِہِ الۡحَمِیۡدِ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡم O یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ھَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنۡجِیۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡم O تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَتُجَاھِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِاَمۡوَالِکُمۡ وَاَنۡفُسِکُمۡ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ Oۙ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ وَیُدۡخِلۡکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِھَا الۡاَنۡھٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ Oۙ وَاُخۡرٰی تُحِبُّوۡنَھَا نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتۡحٌ قَرِیۡبٌ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ O یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡۤا اَنۡصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ لِلۡحَوَارِیّٖنَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ فَاٰمَنَتۡ طَّآئِفَۃٌ مِّنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَکَفَرَتۡ طَّآئِفَۃٌ ۚ فَاَیَّدۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلٰی عَدُوِّھِمۡ فَاَصۡبَحُوۡا ظٰھِرِیۡنَ Oع [1]

علمائے کرام، ارکانِ حزب اللہ و حاضرینِ مجلس! ایسے گرم اور حابس موسم میں اپنی قسمت کا آخری فیصلہ سننے کے لیے آپ کا اجتماع آپ کی فرض شناسی اور معاملہ فہمی کا بدیہی ثبوت ہے اور میرے لیے حوصلہ افزائی کا مُوجب۔ خدا کرے ہمارا فیصلہ قوم و ملّت کی فلاح و بہبود اور اسلام و مسلمین کی بہتری و برتری پر منتج ہو اور اس دورِ امتحان، اس وقتِ آزمائش اور اِن لمحاتِ ابتلا میں ہمارے اندر اُستواریِ عزم، پامردی و استقلال کے جذباتِ عالیہ پیدا ہو جائیں اور ہمارے پائے ثبات میں کوئی تزلزل و ارتعاش نہ آنے پائے۔ آمین!

☆ ۴/۵ جمادی الثانی ۱۶۳۱ھ بہ مطابق جمعرات ۱۸/ جمعہ ۱۹ جون ۱۹۴۲ء کی درمیانی شب پڑھا گیا۔ لال دین خوش نویس چوک متی، لاہور نے اس کی کتابت کی۔ گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں بہ اہتمام ضمیر احمد خاں غوری پرنٹر چھپا۔

رزم و بزم

عزیزانِ قوم! انسانی تخلیق اور اُس کے ارتقائی منازل طے کرنے کے جو نظریے علمائے مغربین [مغربی سائنس دان] نے قائم کر رکھے ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ بنی نوع انسان کا موجودہ تمدن اُس کے پہلے طورِ معیشت، طرزِ معاشرت و طریق بود و ماند سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے اور جو انسان آج اپنی فہم و فراست اور دانش و بینش [جاننا اور دیکھنا] کے طفیل خشکی کے ہر ذرہ، سمندر کے ہر قطرہ اور ہوا کے ہر جھونکے پر قبضہ و تصرّف کیے ہوئے ہے۔ جس کے بنائے ہوئے ہوائی جہاز فلک پیما، جس کی ترقی یافتہ کشتیاں محیطِ بحر اور جس کی ریلیں اور کاریں صحرا بہ دامن ہو چکے ہیں اور جس کے علوم و فنون اور نئی نئی ایجادات و اختراعات [نے] ایک طرح کی ہنگامہ خیزی پیدا کر دی ہے اور فضائے[۲] بسیط اُس کے وسیع تجربوں اور پیدا کردہ تموّج سے تھرّا اٹھی ہے کسی زمانہ میں نانِ شبینہ کا محتاج، گرمی اور سردی کی حفاظت سے عاری اور وحشی و خوں خوار درندوں کی دست بُرد سے غیر محفوظ تھا۔ قُوت لایموت [اتنی غذا جس کے ہوتے ہوئے بندہ بھوکا نہ مرے] وُہ قدرتی پھلوں اور میووں سے حاصل کرتا، پہاڑوں کی غاریں اور بھٹ اُس کے نشیمن تھے اور درختوں کے پتے اُس کے ملبوسات۔ بالآخر قدرت کے عطیہ عظیم یعنی عقل و فکر کو بروے کار لا کر اُس نے اُس ترقی کے مدارج تدریج و امہال [مہلت دینا] سے طے کیے اور آج اُس کا تمدن معراجِ کمال تک پہنچ چُکا ہے۔

بایں ہمہ اس کی ضروریاتِ زندگی اِس حد تک وسیع ہیں کہ وہ ہر ایک کام اکیلا نہیں کر سکتا بلکہ باہم دگر تعاون و استمداد پر ہی اُس کا دار و مدار ہے اور تقسیم کار کے طفیل ہی لوازم حیات بہم پہنچ رہے ہیں۔ ہر ایک شخص کو فطرت نے کوئی نہ کوئی جوہر عطا فرمایا ہے اور ہر انسان کا میلانِ طبع کسی نہ کسی ہُنر یا کام کی طرف ہوا کرتا ہے اور یہی تنوّعِ خیالات اور اختلافِ رجحانات ارتقائے تمدن کا حقیقی سبب ہے۔ اگر ہر فردِ انسان کاشت کاری یا فلاحت [کھیتی باڑی] کو اپنا شعارِ زندگی بنا لے تو صنعت و حرفت اور تجارتی کام کیسے چلیں؟ علیٰ ہٰذالقیاس ہر ایک شخص کا تاجر یا صنّاع بن جانا شغلِ زمیں داری کو مٹا دینے والا ہے۔ اسی طریق سے اُس کا مختلف الکیفیت ذہنی ارتقا بھی ہے اور پھر اپنی اپنی پسند۔ مزید برآں دنیا میں بہت کم لوگ آپ کو ایسے ملیں گے جن کا دماغ ہر ایک معاملہ میں ایک جیسا کام کر سکتا ہے ورنہ عام قاعدہ کے مطابق ایک سپاہی جہاں فنِ سپاہ گری میں پوری طرح چست و چالاک ہوگا وہاں اُسے فنِ طبابت و جراحت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں اور ایک بہترین کاری گر اور صنّاع زمیں داری کے اصول سے ناواقف محض، ایک سیاست دان اور مدبر جسے جہاں بانی اور جہاں ستانی [دنیا چھیننا] اور حکم رانی کے تمام گُر معلوم ہیں وہاں اُس کی معلومات فلسفہ و طبیعیات میں نفی کے برابر ہیں اور اِسی طرح ایک

منطقی وفیلسوف [فلسفی] فنِ موسیقی میں ناآشنا محض۔ خطابت اور تقریر کا فن علاحدہ ہے اور درس وتدریس کا ملکہ الگ اور غالبًا اسلام کو ہی یہ شرف ومجد [بزرگی] اور مسلمانوں کو ہی یہ فخر ومباہات حاصل ہیں کہ اُس کے اعاظم رجال [عظیم لوگ] مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے اور اُن کے حکمراں جہاں ایک اعلاترین سیاست داں اور مسلمہ مفکر ہوا کرتے تھے وہاں دوسری طرف بہترین خطیب، قابل مُدرس، بہادر سپاہی، امن پسند شہری اور باانصاف جج۔ آج کے زمانے کا ڈکٹیٹر سوائے استعماری ہوس اور خواہشِ ملک گیری کے اور کچھ نہیں جانتا اور تلوار کا دھنی فنونِ لطیفہ سے سراسر عاری ہے لیکن مسلمانوں کے حکمراں عقل کی فراوانی سے نہیں بلکہ دادِالٰہی سے ہر میدان کے مرد تھے۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے مطابق قہر وغضب کے پُتلے آناًفاناً رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ محبت وملاطفت کی تصویر بن جایا کرتے تھے۔[۳]

اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اُس نے متبعّین کے سامنے صرف حرب وقتال، جنگ وجدال اور معرکۂ دار وگیر نہیں رکھا بلکہ

بیک دست جوہر بیک دست تیغ [ایک ہاتھ میں جوہر (کمال) ایک ہاتھ میں تلوار]

کے مطابق انھیں تہوّر وشجاعت، مردانگی وعزیمت [پختہ ارادہ] کے ساتھ ہی بہترین اخلاق، صلح جوئی، امن پسندی، مسکین نوازی، مسافر دوستی کی تعلیم بھی دی ہے اور رزم کے شیروں کو بزم کا میرمجلس بننا سکھلا دیتا ہے۔ دین کے جاں باز سپاہی جو موت سے کھیلنا ایک معمولی بات سمجھتے تھے مخالف طاقتوں کے جیوش قاہرہ [زبردست لشکر] اور عساکرِ عظیمہ جن کے دلوں پر ذرا رعب نہ ڈال سکے اور شمع اسلام پر پروانہ وار فدا ہونے والے مجاہد، علمِ اسلام کی حفاظت کٹے ہوئے بازوؤں کے باوجود اپنے دانتوں سے پکڑ کر کرتے رہے۔ نالۂ یتیم وآہِ بیوہ سے بدرجہ غایت متاثر ہوتے، فریادِ مظلوم سے تڑپ اٹھتے اور خدمتِ خلق کے لیے اُن کی زندگانی وقف رہتی۔ دن بھر کی محنت ومشقت کرنے والے مزدور جو اپنا خون پسینہ ایک کر کے ضروریاتِ زندگی بہم پہنچاتے اور شام کو تھکے ماندے گھر پہنچتے مگر بجائے بستر پر دراز ہونے کے وہ رات کو مسجد کی راہ لیتے اور سحر خیزی اور ذکرِ خُدا اُن کا مآلِ حیات تھا۔

آج انسان نما وحشیوں نے جو دھماچوکڑی مچا رکھی ہے اس کی علّت بھی بہ ظاہر یہی نظر آتی ہے کہ عافیت کوش اپنے حجروں میں معتکف ہیں اور خودسر بے رحم اپنی سفاکیوں میں مصروف۔ غیر مصافی آبادی پر بم پھینکنے والے اور خاطی ومعصوم کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے والے حقیقتاً رحم وملائمت کے جذباتِ لطیف سے محروم ہیں اور انسانی خون سے ہولی کھیلنے والے امن پسندی وصلح جوئی کے نام سے ناآشنا، دنیا میں رزم کی گرم بازاری ہے، جنگ کے چرچے ہیں، لڑائی کی تیاریاں ہیں، قتل وغارت کی داستانیں ہیں، تباہی وبربادی کے افسانے ہیں،

ہوائی جہازوں کی تاخت وتاراج ،توپوں کی گرج ،مشین گنوں کی بوچھاڑیں ،بندوقوں کی باڑ ہیں،کُشتیوں کے پشتے ،زخمیوں کا سسکنا،آبادیوں کی بربادی،شہروں کی ویرانی یہ روزمرّہ کی باتیں ہورہی ہیں اورانسان کے جذباتِ سفلی[پست جذبات]اورخیالاتِ رذیلہ اپنی انتہائی کمینگی اوررذالت پر پہنچ چکے ہیں اوراُس کی سنگ دلی اورقساوتِ قلبی کے مقابلہ میں وحشیت اور بہیمیّت[جانوروں والی عادات] کی بھی کوئی حقیقت نہیں اورخون آشامی کا جو چسکا اُسے پڑچکا ہے۔خداہی ہے جوحیوانِ ناطق کے کسی فردِ بشر کوخودانسان کی چیرہ دستی سے محفوظ رکھ سکے۔آج رزم کے ہنگاموں میں بزمیں سونی پڑی ہیں۔تلوار کی جھنکاراورزخمیوں کی چیخ وپکار میں شعروسخن کا کیا دخل،گرجنے والی توپوں اورمہیب آواز سے پھٹنے والے بموں کے غلغلہ میں کسی سامعہ نواز کے ترنّم کی شنوائی کس طرح ہوسکے؟

بایں ہمہ زخم خوردہ جسموں پر جس طرح مرہم لگانے کی ضرورت ہُوا کرتی ہے۔دم توڑنے والے زخمیوں کومنہ میں پانی ڈالنا جس طرح کہ اُن کے سکراتِ موت کی شدت میں کسی حدتک تخفیف کا موجب ہُوا کرتا ہے اورایک مصیبت زدہ کے لیے جس طرح کہ حوصلہ افزاکلمات باعثِ تسکین ہُوا کرتے ہیں اسی طرح آج دنیائے رزم میں افسانہِ بزم ممکن ہے کوئی انقلابی صورت پیدا کردے اوررزم پر مٹنے والے بزم کی آراستگی دیکھ کر شاید تھوڑی دیر کے لیے تیغ وسنان[تلواراورتیر] کوبھول جائیں :

اگر غم لشکر انگیزد کہ خونِ عاشقاں ریزد
من و ساقی بہم سازیم و بنیادش بر اندازیم[۴]

پیغامِ امن

آج دنیا اپنے ساکنین کی سفاکیوں، بے دردیوں اورستم آرائیوں سے تنگ آچکی ہے۔اِنسانی خون جو قیمت کے اعتبار سے ایک جنسِ گراں مایہ تھا کوڑیوں کے بھاؤ بک رہاہے اورہرایک جنس سے وہ ارزاں ہو چکا ہے۔عالمِ حیات جسے انسانی اعمال کی سزاوجزا کی عملی صورتوں میں جنت اوردوزخ سے تشبیہ دی جاسکتی ہے آج گل زارِ جناں کی جگہ آتش کدہِ جہنم بن رہاہے۔وحشی جانوراورچیرنے پھاڑنے والے درندے،کاٹنے والے سانپ اورڈسنے والے بچّھو ،جن کی اذیّت رسانی کے خوف سے آدمی کانپ اُٹھتے تھے،آج انسان کی امن سوزی،قتل وغارت گری،کشت وخون،ظلم وستم دیکھ کرلرزہ براندام ہیں اوردنیا کا ہرذی حس جان دارتسلیم کر چکا ہے کہ موجودہ زمانہ میں سب سے بڑاوحشی،موذی اورظالم وہی جنسِ شریف ہے جسے کسی زمانہ میں احسن تقویم[۵] اوربہترین تکریم[۶] کے القاب عطاہوئے تھے اور جسے اشرف المخلوقات کے خطاب سے نوازا گیا تھا۔خدا کی پیدا

کردہ مخلوق جس کے سامنے فرشتوں نے سجدے کیے جس کی رفعتِ پرواز ملائکہ مقرّبین سے بھی بڑھ گئی، اربع عناصر جس کے فرماں بردار ہیں اور دُنیا کی ہر ایک چیز جس کی محکوم و غُلام، آج اُس کا وجود سارے جہاں کے لیے ایک لعنت ہو رہا ہے اور اُس کی وحشیّت اور بربرّیت پر کائنات کا ہر ذرہ نفرین اور بیزاری کا اظہار کرنے والا۔

جوع الارض [زمین کی بھوک] کی مرض کوئی نئی نہیں بلکہ انسانی فطرت کی کم زوریوں میں یہ سب سے بڑی کم زوری ہے جس کا اظہار وقتاً فوقتاً ہوتا رہا ہے۔ بُخت نصر، سکندر رومی، نپولین بوناپارٹ سب اسی مرض کا شکار تھے اور ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک جتنی لڑائیاں ہو چکی ہیں سب کی علت یہی ملک گیری کی ہوس اور جہاں ستانی کی خواہش تھی۔ فاتحین کا مقصد مفتوح اقوام کو غلام بنانا اور اپنا دائرہ حکومت وسیع کرنا تھا۔ سوائے ایک اسلام کے جس کے پیروکاروں نے اگر مجبوریِ حالات میں جنگ بھی کی تو مقصود بالذات صلح اور امن تھا اور اُن کی تلوار کا اُٹھنا مظلوم کی اعانت، کم زور کی حمایت، حکومت اور غلاموں کی آزادی کے لیے تھا اور بس۔

آج متحاربین طاقتوں کے ارباب بست و کشاد [حکم ران طبقہ] عذرِ گناہ کے طور پر اپنی ہوس نا کیوں کو انصاف کی آڑ میں چھپانا چاہتے ہیں اور ہر ایک ڈکٹیٹر یا آمر بلند بانگ دعوا سے ثابت کرنا چاہتا ہے کہ وہ مظلوم اقوام کی حمایت اور پس ماندہ جماعتوں کے تحفّظِ حقوق کے لیے لڑ رہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا معرکۂ گیر و دار محض اس لیے گرم ہو رہا ہے، یہ ساری تباہی و بربادی محض اس لیے پھیلائی جا رہی ہے کہ مفتوح ممالک کے باشندوں کے گلوں میں ابدی غلامی کا طوقِ لعنت ڈال دیا جائے اور فاتح اقوام ان کی کم زوری سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر اپنے لیے اقتصادی، مالی اور سیاسی فوائد حاصل کریں۔ بہر کیف یہ طوفان بلا جو دُنیا کے ہر گوشہ پر محیط ہو چکا ہے اور مصیبت و دہشت کے جو بادل فضائے امن [۸] پر گھر چکے ہیں، جنگ کا عفریت جس بے دردی سے انسانی آبادی کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے اور موت کے فرشتے جس سرعت رفتار سے انسانی حیات کا خاتمہ کر رہے ہیں، یہ چیزیں ایسی نہیں جو ایک حسّاس دل پر اثر نہ ڈال سکیں اور جن سے درد مند طبیعتیں بدرجہ غایت متاثر نہ ہو سکیں۔ عام قاعدہ کے مطابق جب دو شخص یا دو جماعتیں یا دو ملک برسرِ پیکار ہوں تو ایک تیسری شخصیت یا جماعت درمیان میں آ کر باہمی صلح کرا دیا کرتی ہے اور اس طریق سے نائرۂ حرب و جدال زیادہ مشتعل نہیں ہونے پاتا۔ جمعیت الاقوام کے قیام کا مقصد بھی یہی تھا کہ اگر دو سلطنتوں کے تعلقات کشیدہ ہو جائیں تو وہ ثالث بالخیر بن کر اُن کے جھگڑے مٹا دیا کریں اور انصاف و رواداری کے مطابق متنازع امور کا فیصلہ کر دیں لیکن جس صورت میں کہ جمعیت الاقوام والے سب کے سب میدانِ کارزار میں نکل آئے ہوں اور دنیا بھر کی طاقتوں نے ایک دوسرے پر عام ہلہ بول دیا ہو اور جنگ کی آگ تمام براعظموں، تمام ملکوں اور تمام سلطنتوں میں بھڑک اُٹھی ہو تو صلح اور آشتی کی دعوت کون دے اور جب ساری دنیا آگ کی ہولی کھیل رہی ہو تو اُسے بجھائے کون؟

ایسے نازک موقع پر جب قدرت نے انسان کی بے راہ رویوں، بداعمالیوں اور بدعقیدگیوں کی سزا جنگ و جدال، حرب وقتال کی صورت دینی شروع کر رکھی ہو اور انسان کے جذباتِ سفلی نے اُس کے خیالاتِ علوی پر غلبہ حاصل کر لیا ہو، اُس کی آنکھوں میں اپنے بنی نوع کا خون جھلک رہا ہو، اُس کی رگیں فرطِ غیظ و غضب سے اُبھر چکی ہوں اور مریضِ صرع [غصہ کے بڑھ جانے کی وجہ سے مرگی کا دورہ] کی طرح اُن کے منھ سے جھاگ نکل رہی ہو۔ اُسے صلح و امن کی تعلیم دینی بالکل بے سود ہے اور ہم پُرفتم امن و دوستی کی صدا روایتی طوطے کی آواز ہوگی جو نقار خانہ میں بند کی گئی ہو[9] لیکن اگر دنیا کے سارے لوگ شراب نوشی کرنے لگیں تو کیا اُن کا یہ جماعتی فعل شراب کی حلّت کا مرادف ہوسکتا ہے؟ علیٰ ہذالقیاس معصیت کی کثرت کے باوجود گناہ گناہ ہی رہے گا ثواب نہیں ہوسکتا۔ اگر سارے جہان میں بدامنی پھیل چکی ہے۔ اگر دنیا بھر کے باشندوں نے فساد و عناد، ظلم و ستم، جور و تعدّی پر کمر باندھ رکھی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اب بدامنی کا درجہ امن سے اور جنگ کا صلح سے بڑھ چکا ہے بلکہ امن و آشتی صلح و دوستی کی بالآخر اخلاقی فتح ہوگی اور ضرور ہوگی اور بدامنی کے ستائے ہوئے اور فساد سے گھبرائے ہوئے لوگ مجبور ہوں گے کہ امن اور صلح کے دامن عافیت میں آ کر پناہ گزین ہوں۔

اگر آپ مزید غور و فکر سے کام لیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ جنگ کا حقیقی باعث اقوام و مِلل کا تصادم و تقابل ہے اور عقائد و خیالات کا تخالف [مخالف ہونا] و تضاد۔ نازی ازم والوں نے تہیّہ کر رکھا ہے کہ ہمارے خیالات ساری دُنیا میں رائج ہو جائیں، فسطائیت کا مقصد بھی یہی ہے اور بالشوزم والے بھی یہی چاہتے ہیں۔ آمریت و جمہوریت کے اختلافات بھی اصولی نوعیت کے نہیں، قومی اور نسلی سوالات بھی ایسے نہیں جو جلدی سے حل ہوسکیں اور اگر کسی ایک فریق کی شکست اور دوسرے کی فتح سے موجودہ جنگ کا خاتمہ بھی ہو جائے تو وہ حقیقی خاتمہ نہیں ہوگا بلکہ ہزیمت خوردہ اقوام انتقام کا جذبہ دل میں رکھ کر پھر زور شور سے تیاری کریں گی اور موقع دیکھ کر از سرِنو میدانِ دغا میں کُود جائیں گی اور اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ مستقبل میں انسان کی ساری کمائی ہوائی جہازوں کی تیاری، بموں کی ساخت اور دیگر آلاتِ حرب و ضرب کی صنعت پر صرف ہوا کرے گی اور یہ دنیا اپنے بسنے والوں کے لیے ہمیشہ جہنّم کا نمونہ بنی رہے گی اور خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا[10] کے مطابق درندگی و وحشیّت کا دور کبھی ختم ہونے میں نہیں آئے گا۔

اس پیچیدہ گتھی کا سلجھاؤ اور اس عقدہ لاینحل [نہ کھلنے والی گرہ] کی گرہ کشائی اگر ہوسکتی ہے تو صرف ایک طریق سے کہ دُنیا بھر کی ساری قومیں اور جہاں بھر کے سارے مذاہب تحقیق و تدقیق، فکر و امکان کے بعد اپنے مستقبل کی بہتری آئندہ زندگی کی بھلائی، عافیت کوشی، امن پسندی، دماغی سکون، جسمانی راحت اور روحانی اطمینان کے پیشِ نظر اپنے آپ کو اسلام کی آغوشِ رحمت میں ڈال دیں اور وہ اصول عملی طور پر قبول کر لیں جن پر

عمل پیرا ہونے کے بعد بدامنی کا قلع قمع ہو جائے گا۔ جھگڑے مٹ جائیں گے، اُن کے دلوں میں انتقامی جذبات کی جگہ محبت اور پریم کے خیالات پیدا ہوں گے اور دنیا اپنے ساکنین کے لیے نئے سرے سے گل زارِ جنت بن جائے گی کیوں کہ اسود و احمر، گورے اور کالے، زرد اور سُرخ کا فرق نسلی اور قومی امتیازات، ملکی اور جغرافیائی حد بندیاں اگر کوئی مذہب مٹا سکتا ہے تو وہ اسلام اور محض اسلام ہے جس نے کہ اخوّت، مساوات اور حریّت کے پاکیزہ ترین اصول دُنیا کے سامنے پیش کیے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ[۱۱] کا سبق دے کر سارے کلمہ گو مسلمانوں کو اخوّت کی ایک سلک [لڑی] میں منسلک کر دیا اور دوسری ساری برادریوں اور رشتہ داریوں ،تعلقات و علائق سے بڑھ کر ایک نیا اسلامی رشتہ قائم کر کے، اس رشتہ اور تعلق کو مشرق بعید سے لے کر مغرب بعید تک وسعت دی اور جنوب و شمال کے ڈانڈوں کو وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا[۱۲] کی رسی سے مِلا دیا۔

مساوات کی وہ مثال پیش کی جس کے سامنے آج کل کے سوشل ازم اور کمیونل ازم کے تمام اصول بالکل ہیچ ہیں۔ شاہ و گدا کو ایک صف میں کھڑا کرنا، امیر اور غریب کی ایک حیثیت قائم کرنی، دولت مندوں کے مال و منال میں مفلسوں کے حصے مقرر کرنے یہ اسلام کی مایہ ناز خصوصیات ہیں اور آزادی و حریّت جس کے لیے تمام دُنیا کی قومیں تڑپ رہی ہیں۔ اسلام کا سب سے پہلا پیغام ہے اور صرف یہ نہیں کہ مسلمان طبعًا و خلقاً خود آزاد ہوا کرتا ہے بلکہ اُس نے قرن ہائے قرن [کئی صدیوں] کی غلامی کو بھی مٹا کر رکھ دیا اور آج دنیا کے اندر اگر کوئی قوم آزادی کے سانس لے رہی ہے تو حقیقتاً اس کی آزادی اسلام کے پیش کردہ زرّیں اصول کے طفیل ہو گی اور آئندہ بھی جس قوم نے غلامی کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے اُسے ہٹلر کی تعلیم، مسولینی کی نصیحت یا شاہ جاپان کے بھروّں میں نہیں آنا چاہیے بلکہ آزادی کے طلب گاروں کو اسلام کی طرف رجوع کرنا چاہیے، جس نے ایک کی غلامی سکھلا کر اپنے متّبعین کو جہاں بھر کا آقا بنا دیا تھا اور ایک کے سامنے سر جھکانے والوں نے تمام دُنیا کو اپنے سامنے سرنگوں دیکھ لیا تھا۔

موجودہ آمریت یا ڈکٹیٹر شپ بھی ایک نہایت ظالمانہ طرزِ حکومت ہے، جمہوریت بھی نقائص سے خالی نہیں۔ ان دونوں کی جگہ اسلام نے جو طرزِ حکومت و طریقِ حکم رانی قائم کیا ہے وہ نہایت ہی مرغوب و قابل عمل ہے کہ انسانی حکومت کی بجائے حکومتِ الٰہی کی داغ بیل ڈالی جائے، اِنسانی قوانین کی جگہ خدائی قوانین نافذ ہوں اور قوم کا جو امیر یا قائد ہو اُس کی حیثیت حاکمانہ نہ ہو بلکہ غلامانہ۔ سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُم[۱۳] کا یہی مقصد ہے اور قوم کو حقِ اِحتساب حاصل ہونے سے ہی شانِ آمریت گھٹ سکتی ہے اور یہی وہ واحد طریقہ ہے جس کے اختیار کرنے سے رعایا راعی [حکم ران] کے جبر و اِستبداد سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

کاش میرا یہ پیغامِ امن دُنیا کی بے راہ رو قوموں کے کانوں تک پہنچ جائے اور اس پر عامل ہونے کے

بعد ہم اپنی آنکھوں سے وحشیت و بہیمیت کے خوں خوار مناظر کی جگہ امن و عافیت، صلح وآشتی کا دل فریب نظارہ دیکھ سکیں۔ وَلَعَلَّ اللّٰہَ اَنْ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا۔[۱۴]

وقت کا سب سے ضروری مسئلہ

میرے عزیزو! مَیں آپ کے سامنے ایک حقیقت پیش کرنے لگا ہوں۔ آپ اسے چشم بصیرت سے دیکھیں اور گوشِ شُنوا [سننے والے کان] سے سُنیں۔ یہ ایک مسئلہ ہے جو تمام مسائل کی جان ہے اور جس پر اس فقیر نے نہایت ٹھنڈے دِل سے غور کیا ہے اور آپ کو بھی اِس پر دعوتِ فکر دے رہا ہے۔ موجودہ وقت کا سب سے بڑا سوال اور اُس کا صحیح حل کار [حل] آپ کے سامنے آئے گا اور مجھے یقین ہے کہ آپ افہام وتفہیم کے بعد میرے ساتھ نہ صرف اتفاق رائے کریں گے بلکہ اشتراکِ عمل کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ آپ کے علمائے کرام اِن اہم ترین اور ضروری مسائل کی طرف بہت کم متوجہ ہوا کرتے ہیں۔ آپ کے مشائخ عظام ان چیزوں میں دخیل کار ہونا پسند نہیں کرتے حالاں کہ سب اعمال سے مقدّم انسان کی موت وحیات کا سوال ہے اور آرام و یک سوئی کا معاملہ۔ اگر انسان کی زندگی خطرہ میں پڑ جائے تو سب سے پہلے اُس خطرہ کو دُور کرنا چاہیے۔ یار لوگوں کی محفلیں اور عیش وطرب کے جلسے ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اطمینان اور دل جمعی کے بغیر نہ عبادت ہو سکتی ہے اور نہ دُنیا کے کام دھندے چل سکتے ہیں۔ آج جو چیز کہ تمام انسانی آبادی کے لیے جاذبِ توجہ اور محلِ نگاہ ہو رہی ہے اور جس نے کہ تمام مذہبی، تمدنی، اقتصادی اور معاشرتی جلسوں اور جلوسوں کو روک رکھا ہے۔ جس کی گرفت اور ہمہ گیری سے پہاڑ کے دامن میں پناہ لینے والے زاہد مرتاض [اپنی مرضی سے زہد وتقویٰ اختیار کرنے والا] اور گوشہ نشین تارک دُنیا بھی محفوظ نہیں اور جس کی ہول ناکی اور تباہی کا دائرہ اب صِرف یورپ اور افریقہ تک محدود نہیں رہا بلکہ ہمارا ہندُستان بھی بلاواسطہ اُس کی لپیٹ میں آ چکا ہے وہ موجودہ عالم گیر جنگ ہے۔ جس کی طرف سے بے اعتنائی اور بے توجہی سراسر خود فریبی ہے اور جس کی طرف سے بے پروا ہو جانا خود کشی کے مُرادف۔

گزشتہ سال کے خطبہ صدارت میں بھی اس پر نقد وتبصرہ کیا گیا تھا لیکن اُس کے بعد حالات نے زبردست پلٹا کھایا، روس اور امریکا بھی صف متحاربین میں شامل ہو گئے اور جاپان بھی کود پڑا۔ روس کی سخت جانی اور شجاعانہ مدافعت کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ امریکا کی شمولیت برطانیہ کے لیے ایک نیک فال ہے۔ جاپان نے تھوڑے عرصہ کے اندر جو اقدامات کیے ہیں اور بحر ہند و بحر الکاہل میں جو تاخت وتاراج کیا ہے اُس کی کیفیات سے بھی آپ باخبر ہیں۔ بعض جزائر اور بالخصوص برما پر اُس کا تسلّط اُس کی حوصلہ افزائی کا موجب بن رہا ہے۔

چین کی حالت بھی مخدوش ہے اور امدادی ذرائع منقطع ہو جانے اُس کے لیے مفید نہیں ہو سکتے لیکن سب سے بڑا خطرہ جاپان کی طرف سے اب ہمارے ہندُستان کو لاحق ہو رہا ہے اور کوئی تعجب نہیں اگر چین کی طرف سے فارغ ہو کر جاپانی افواج ہندُستان پر حملہ آور ہو جائیں اور یہاں کا امن و امان بھی خاک میں مل جائے۔

موجودہ جنگ کی کیفیت ملاحظہ ہو کہ بم بار طیارے بلاتمیز اس بات کے کہ آبادی مصافی ہے یا غیر مصافی، فوجی ٹھکانے ہیں یا امن پسند شہریوں کے مساکن، اندھا دھند بم برسانے لگتے ہیں تا کہ لوگوں کے اندر گھبراہٹ اور سراسیمگی پیدا ہو اور افواج کے داخلہ سے پہلے ہی طوائف الملو کی [بدنظمی] کا دوّر دورہ شروع ہو جائے۔ سقوط برما کی مثال ہمارے روئے بروئے [رو بہ رو] ہے کہ وہاں کے باشندوں کی کیا حالت ہوئی۔ ہندُستانی لوگ کِس بے سروسامانی اور غیر محفوظ حالت میں بھاگ نکلے، شرارت پسند طبقوں نے کِس طریق سے لوٹ مار مچائی اور جو تباہی کہ جاپان کے ہوائی جہاز نہیں پھیلا سکے وہ خود برما کے ادنیٰ طبقہ کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ اندریں حالات جب کہ جنگ کا عفریت منھ کھولے ہوئے ہندُستان کی طرف بڑھ رہا ہے اور گاندھی جی کی منت سماجت کے باوجود ہندُستان کو آزاد کرانے کا چکمہ دے کر ہندُستان کو غلام بنانے کی خاطر جاپانی آنے والے ہیں اور برما کے واقعات کا خود ہمارے علاقوں میں اعادہ ہونے والا ہے۔ غور طلب یہ امر ہے کہ ایسے واقعات کے رونما ہو جانے کی صورت میں ہمارے ذمہ کیا فرائض ہیں؟ اور جب کہ زندگی، عزت، ذلت، غلامی اور آزادی کے سوالات مجموعی طور پر پیدا ہو چکے ہیں تو ہم نے پہلے بہ حیثیت مسلمان اور پھر بہ حیثیت رُکن حزب اللہ کیا کرنا ہے؟

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما [۱۵]

بیرونی خطرات کے علاوہ اندرونی خلفشار کا بھی اِمکان ہے اور ممکن ہے کہ جنگ کے حالات سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر بعض شرارت پسند اشخاص امن سوز حرکات شروع کر دیں۔ فرقہ وارانہ کشیدگی بھی ایسے مواقع پر خطرناک ثابت ہوا کرتی ہے۔ جبکہ بیرونی حملہ آور سے بچاؤ کی جگہ اپنے پڑوسیوں کی طرف سے حفاظت کا سوال درپیش ہو جاتا ہے۔ جہاں تک کہ ہماری آزادی کا سوال ہے اُس کی توقع جاپان سے ہرگز نہیں ہو سکتی اور چین کی آزادی سلب کرنے والے سے یہ اُمید رکھنی کہ وہ ہندُستان کو آزاد کرائے گا، اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔ پھر اگر جاپانی فوجیں ہمارے علاقوں میں پہنچ جائیں تو ہمارا ملک روس کی طرح مسلح نہیں جس کی رعایا کا ہر ایک فرد اپنے ملک و قوم کی خاطر جان بکف ہو کر میدان میں نکل آتا ہے اور شہر اور قصبہ کے گلی کوچوں میں دست بہ دست لڑائی ہوا کرتی ہے۔ غیر مسلح آبادی سے ایک ہتھیار بند قوم کے ساتھ لڑائی کرنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ ہاں اگر حکومت اس موقع پر بھی تدّبر و معاملہ فہمی سے کام لے اور نیم عسکری جماعتوں سے پریڈ وغیرہ کی پابندیاں

ہٹادے تو ممکن ہے اُس موقع پر یہ جماعتیں کچھ مفید ثابت ہوسکیں۔ خیر اس میں حکومت کی سیاسی مصلحتیں ہوں گی مگر اندریں حالات ہماری مجبوریاں درخورِ اعتنا [قابلِ توجہ] نہیں اور اب فتح وشکست کا تمام تر انحصار مدِّ مقابل افواج وعساکر کے تصادم اور اُس کے نتائج پر ہے اور ایسے غیر مسلح اور ناتربیت یافتہ لوگوں سے کسی گوریلا جنگ وغیرہ کی کوئی توقع نہیں ہوسکتی۔ اب سوال تو صرف یہ ہے کہ ایسے حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اور حزب اللہ کی جماعت کا اِس موقع پر کیا فرض ہے؟

سب سے پہلے آپ کو غلط افواہوں اور جھوٹی خبروں پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے، جبکہ یہ لوگ دانستہ یا نادانستہ دشمن کے نقطہ نگاہ سے ففتھ کالم کا کام دے رہے ہیں اور اگر خدانخواستہ حالات بگڑ جائیں اور واقعی ملک میں بدامنی کا دور دورہ شروع ہوجائے تو حزب اللہ کے ارکان ورضا کاران کا فرض ہے کہ وہ قیامِ امن کے لیے اپنی تمام کوششیں صرف کردیں تاکہ غریب اور کم زور لوگ فساد انگیز عنصر کا نشانۂ مشق نہ بن جائیں۔ حقِ ہمسائیگی کے پیش نظر ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ بھی ہمدردی ہونی چاہیے اور اُن کی عزت وناموس کی حفاظت بھی لازم ہے جب اسلام ہمیں یہی تعلیم دیتا ہے کہ اگر تمھارا پڑوسی غیر مسلم بھی ہو تو بھی تم پر اُس کا حق ہے۔[۱۶] اگر دشمن کے ہوائی جہاز ان علاقوں پر تاخت وتاراج کریں اور بم پھینکنے لگیں تو آپ مردانہ وار اس مصیبت کا مقابلہ کریں۔ اگر کہیں آگ لگ جائے تو اُسے بجھائیں۔ اگر ملبہ کے نیچے کوئی شخص آجائے تو اُسے جواں مردی کے ساتھ باہر نکالیں۔ اپنے زخمیوں کی مرہم پٹی کریں اور اپنے حوصلہ اور ہمت کو پست نہ ہونے دیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر کوئی شخص یا قوم آپ کی عزت وناموس پر ہاتھ ڈالے خواہ وہ جاپانی افواج ہوں یا جرمن عساکر تو آپ کی غیرت وحمیّت کا تقاضا ہے کہ مرمٹ جائیں مگر اپنی عزت وآبرو، اپنی بیویوں کی عصمت، اپنی عبادت گاہوں کے تقدس پر آنچ نہ آنے دیں جب کہ عزت کی موت ذلت کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہوا کرتی ہے۔

جنگ کے آئندہ واقعات پر تبصرہ کرنا ہمارا کام نہیں اور ممکن ہے کہ جنگ کا رُخ پلٹ جائے اور برطانیہ، روس اور امریکا کی موافقت بالآخر جرمن، اٹلی اور جاپان کی شکست پر منتج ہو لیکن اگر خدانخواستہ برما کی طرح ہندُستان پر بھی جاپانی اقتدار قائم ہوجائے تو ہمارا یہ فرض ہے کہ اُس کو زائل کرنے اور اُس کی حکومت کو ضعف پہنچانے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کریں جب کہ ایک خُدا کا غلام دُنیا کی کسی طاقت کا غلام نہیں رہ سکتا اور جاپان سے ہمارے ہندو بھائی خواہ کس قدر توقعات رکھیں مگر ہمیں اُس سے بھلائی کی توقع نہیں ہوسکتی اور ایک حکومت کی غلامی سے نکل کر دوسرے کی غلامی میں جانے کی کوئی تاویل ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اس موقع پر باہمی اتفاق وہمدردی کی سخت ضرورت ہے۔ آپ تھوڑی دیر کے لیے تمام مباحث اور جھگڑوں کو بالائے طاق رکھ کر اس آنے والی مصیبت سے عہدہ برا ہونے کے لیے تیار ہوجائیں اور مصائب ونوائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لیے

ہمہ تن مستعد ہو جائیں کہ دنیا کی کامرانی اور کامیابی اُسی کے لیے ہے جس کی ہمت بلند ہو، جس کا عزم اُستوار ہو اور ایثار اور قربانی جس کا طغرائے امتیاز :

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے[17]

پاکستان واقعات کی روشنی میں

ان دنوں جو چیز کہ عام طور پر جاذبِ توجہ بنی ہوئی ہے اور مسلم و غیر مسلم کا مبحث، وہ پاکستان کا سوال ہے۔ مسلمانوں کا مطالبہ ہے کہ اسلامی اکثریت والے صوبوں میں ہمیں تناسبِ آبادی کے لحاظ سے جو اقتدار حاصل ہو، مرکزی حکومت (جس میں اکثریت غیر مسلمانوں کی ہے) اُس میں دخیل کار نہ بنے اور اسلامی صوبوں کی فیڈریشن الگ بنائی جائے اور ہندو اور سکھ بھائیوں کے خیال میں یہ چیز ہندُستان کی متحدہ قومیت کے سراسر منافی ہے اور ایک ہی فیڈریشن کے ماتحت سارے صوبے ہونے چاہیں۔ مسلمانوں کی دلیل یہ ہے کہ ہندو اور مسلمان بلحاظ مذہب، تمدن اور کلچر الگ الگ قومیں ہیں، اِن کے مفادات علاحدہ نوعیّت کے ہیں، ایک دوسرے پر ہمیشہ بے اعتمادی رہا کرتی ہے اور اندریں حالات علاحدگی کے سوا کوئی چارہ نہیں اور وہ مثال میں امریکا و دیگر بعض نو آبادیات کی طرزِ حکومت کو پیش کرتے ہیں۔ ہندو اور سکھوں نے جہاں تک انصاف کا تقاضا ہے اس معاملہ میں معقولیت اور استدلال سے زیادہ ضد اور ہٹ دھرمی اختیار کر رکھی ہے۔ ہندو مہاسبھا یا اکالی پارٹی سے قطعِ نظر جن کی ذہنیت سراسر متعصّبانہ واقع ہوئی ہے، ہندُستان بھر کی قوموں کے حقوق کی واحد اجارہ دار کانگریس کا رویہ بھی نہایت جانب دارانہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ موجودہ کانگریس کے لیڈر باستثنائے معدودے چند [گنتی کے چند لوگوں کو نکال کر] انصاف پسند اصحاب مثلاً راج گوپال اچاریہ وغیرہ اس بارے میں انصاف اور رواداری سے کام نہیں لے رہے بلکہ ہندوؤں کی اکثریت سے مرعوب ہو کر اُنھی کی ہاں میں ہاں ملانے لگے ہیں۔ سب سے افسوس ناک حالت کانگریسی مسلمانوں کی ہے جنھوں نے مسلمانوں کے جائز مطالبات کو پائے استحقار سے ٹھکرا کر اپنی مسخ شدہ ذہنیت کا عملی ثبوت پیش کیا ہے اور حضور مخبر صادق صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی پیش گوئی کو حرف بہ حرف پورا کر دکھایا ہے کہ قیامت کے نزدیک مُسلمان غیر اقوام کے اس حد تک تابع فرمان ہوں گے کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں گھسنے لگیں تو یہ بھی اُنھی کے پیچھے جائیں گے۔[18]

گزشتہ ایام سر سٹیفورڈ کرپس ہندُستانیوں سے کچھ قول و اقرار اور عہد و پیاں کی خاطر آئے تھے۔ اُن کے سامنے بھی یہ چیز شد و مد کے ساتھ پیش ہوئی اور اُن کا ناخنِ تدبّر اس پیچیدہ گتھی کو سلجھانے سے قاصر رہا۔

بالآخر اسی پاکستان کے مسئلہ لاینحل کے باعث انھیں بے نیل مرام واپس جانا پڑا۔ ہندُستان کی ایک غیر معمولی اقلیت (جس کی تعداد لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں تک ہے اور جو کہ آبادی کا تیسرا چوتھا حصّہ ہیں) کے متفقہ مطالبہ کو تسلیم نہ کرنا اور مسلمانوں کو طرح طرح کی دھمکیاں دے کر اُن سے ایک ایسی بات منوانی جو اُن کے نقطۂ خیال سے اُن کی خودکشی کے مُرادف ہو، خودغرضی اور جاہ پسندی کا ایک بدترین مظاہرہ ہے اور پھر حکومت سے محض اس بنا پر روٹھ جانا کہ وہ مسلمانوں کے جائز مطالبہ کی حمایت کیوں کرتی ہے، متعصّبانہ ذہنیت کا ایک بدیہی ثبوت اور لطف یہ کہ اگر کانگریس کا ایک پُرانا رفیق کار جس کی ساری عمر کانگریس کی غلامی میں بسر ہوئی ہو کلمہ حق زبان سے نکالتا ہے تو کشتنی، سوختنی اور گردن زدنی [قتل کرنے کے لائق، جلانے کے لائق اور گردن مارنے کے لائق] قرار دیا جاتا ہے۔

یہ فقیر گو تاحال کسی سیاسی جماعت میں شامل نہیں ہوا مگر اپنے دِل کے اندر قومی خیالات رکھنے کی وجہ سے کانگریس کا ہمیشہ مدّاح رہا ہے اور ملک کی آزادی کے لیے اُس کے مساعی جمیلہ کا معترف۔ بایں ہمہ گزشتہ انتخابات کے بعد کانگریسی وزارت رکھنے والے صوبوں میں مسلمانوں کے ساتھ جو نامِلائم سلوک روا رکھا گیا ہے اور پھر پاکستان کے معاملہ میں کانگریس والوں نے جس جانب دارانہ طریق سے اظہارِ خیالات کیا ہے یہ چیزیں ایسی نہیں جنھیں ہم نظر انداز کر سکیں۔

سوال پاکستان کے لفظ کا نہیں جو ہمارے محترم دوست مولانا آزاد کو کھٹکنے لگتا ہے بلکہ مسلمانوں کی تسلّی اور اطمینان کا ہے۔ اکثریت رکھنے والوں کا فرض ہے کہ اقلیت کو مطمئن کریں اور اگر رفع نہ ہو تو پھر اُن کے جائز مطالبہ کو فراخ دلی کے ساتھ قبول کر لیں۔ یہ کون سی عقل مندی ہے کہ چوں کہ بعض صوبوں میں مسلمان اپنی تناسبِ آبادی کے حسبِ اعتبار فائدہ میں رہیں گے اس لیے ہم اُن صوبوں میں بھی فائدہ نہیں اُٹھائیں گے جہاں کہ ہماری اکثریت ہے اور تو اور گاندھی جی جو راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں مسلمانوں کو کورا چیک دینے کے لیے تیار ہو گئے تھے آج پاکستان کے تخیّل سے ہی گھبرا جاتے ہیں۔ اصحابِ حکومت کا رویہ اِس سلسلہ میں قابلِ تعریف ہے اور کرپس مشن کا اس جھگڑے کی وجہ سے واپس چلا جانا اس امر کی دلیل ہے کہ حکومت کے اربابِ بست وکشاد مسلمانوں کے واجب اور معقول مطالبہ کو عملاً تسلیم کر چکے ہیں اور کانگریس ہندو مہا سبھا اور اکالی پارٹی سے مرعوب ہو کر اُنھوں نے مسلمانوں کی حق تلفی کو مناسب نہیں سمجھا۔

مسلمانوں کے سیاسی لیڈر قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کی زبردست قوتِ ارادی اور حسنِ تدبّر کے ہم قائل ہیں اور انھیں یقین دلانا چاہتے ہیں کہ حزب اللہ کی جماعت باوجودے کہ وہ تاحال مسلم لیگ میں منسلک یا مدغم نہیں ہوئی اور نہ ہی ہم اِس کی ضرورت سمجھتے ہیں لیکن پاکستان کے معقول ترین مطالبہ میں وہ مسلم لیگ کے

ساتھ اشتراکِ عمل کرے گی اور اُس کے حُصول کی خاطر مسلم لیگ کے جو اقدامات ہوں گے انھیں حزب اللہ کی جماعتی تائید حاصل ہوگی۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

حکومت اور ہم

موجودہ عالم گیر جنگ اور اُس کی ہول ناک تباہیاں جن کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے روز افزوں ترقی پر ہیں اور حکومت برطانیہ کا اُس میں خاص حصہ ہے بلکہ برطانیہ کے قیام و زوال اور موت و زندگی کا سوال درپیش ہے۔ جیسا کہ گزشتہ سالانہ خطبات میں یہ فقیر ظاہر کرچُکا ہے۔ برطانیہ کے خلاف چند شکایات ہونے کے باوجُود ہماری اُس کے ساتھ ہمدردی ناگزیر ہے اور اِس اعتبار سے نہیں کہ ہم اُس کے حاکمانہ اور جابرانہ اقتدار سے مرعوب ہیں بل کہ اِس لحاظ سے کہ اُس کا طرزِ حکومت آمرانہ اور ڈکٹیٹر شپ کے طریقِ حکومت سے بہتر ہے اور ہندُستان پر کسی دُوسری طاقت مثلاً جرمن یا جاپان کا اقتدار کسی اعتبار سے مفید نہیں ہوسکتا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اِس مصیبت کے وقت ہندُستان کی ساری جماعتیں متّحد ہوکر باہر سے آنے والے دشمن کا مقابلہ کرتیں اور برطانیہ کی فتح کے بعد اپنے جائز مطالبات تسلیم کرائے بغیر چین نہ لیتیں مگر معاملہ برعکس ہو رہا ہے۔

کانگریس والوں کا خیال ہے کہ اگر اِس مصیبت کے وقت برطانیہ سے ہم کچھ نہ لے سکے تو پھر کبھی کوئی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ لیکن شرافت کا تقاضا یہ نہیں کہ انسان کسی شخص یا قوم کو مصیبت میں ماخوذ دیکھ کر اُس سے اپنے مطالبات منوانے لگے بل کہ یہ ہمارا ایک اخلاقی فرض ہے کہ پہلے انگریزوں کے ساتھ مِل کر سونے کی چڑیا ہندُستان کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے والے غاصبوں کی دست بُرد سے بچائیں اور پھر انگریزوں کو مجبور کریں کہ وہ دیگر اقوامِ عالم کی آزادی کے ساتھ ہی ہندُستان کو بھی حقیقی معنوں میں آزاد کردیں۔ اس سلسلہ میں ہم نے حکومت سے سرگرم تعاون کر رکھا ہے اور ہمارے برادرانِ طریقت اور حزب اللہ کے رضا کاروں کی ایک کثیر تعداد جن کا شمار ہزاروں تک ہے حکومت کے قائم کردہ مختلف فوجی اداروں میں شامل ہوکر دادِ شجاعت دے رہی ہے۔ محصورینِ سنگاپور میں ہمارے سینکڑوں آدمی موجود ہیں۔ لیبیا میں اُن کی تعداد بہت کافی ہے۔ آسام و دیگر ساحلی مقامات میں وہ بہ کثرت موجود ہیں اور ہماری طرف سے عام اجازت نے ہی انھیں فوجوں میں بھرتی ہونے پر آمادہ کار بنایا ہے۔ ہمیں اپنے مخلص برادران طریقت اور وفادار رضا کار اتنے ہی عزیز ہیں جتنی کہ اپنی اولاد سے محبّت ہوا کرتی ہے۔ اُن کے آرام اور تکلیف کا ہمیں خاص احساس ہے اور ہم اُن کے لیے داعیِ خمس الاوقات [پانچوں وقتوں یعنی نمازوں میں دُعا کرنے والے] ہیں کہ حافظِ حقیقی اُن کے نگہبان ہوں اور وہ صحت و تندرستی کے ساتھ فتح مند اور کامران ہوکر اپنے وطن ہائے مالوف [پیارے وطن] میں واپس آئیں۔ ہماری یہ امداد تا اختتامِ جنگ جاری رہے گی اور ہم حکومت کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ اِس جنگ میں جہاں کہ آمریت اور

شخصیت پرستی اصولِ جمہوریت کو شکست دینا چاہتی ہے اور چند افراد اقوام کی آزادی سلب کرنا چاہتے ہیں، ہماری عملی ہمدردی حکومت کے ساتھ ہے اور ملکی تحفظ اور ہندُستان کے بچاؤ کے لیے ہم غیر مشروط طور پر حکومت کا ساتھ دیں گے اور مقصود بالذات لحاظ داری ہر گز نہیں بل کہ اصول پسندی اور دو آقاؤں کے درمیان امتیاز قائم کرنا ہے جب کہ ایک آقا غلاموں کو آزاد کر دینے کا وعدہ کرتا ہے اور دوسرا محض اس لیے آ رہا ہے کہ ایک کی کم زور گرفت سے نکال کر اپنے پنجۂ آہنی کی زبردست گرفت میں جکڑ لے اور ہندُستان کو کبھی آزادی کا منھ دیکھنا نصیب نہ ہو۔

آخری فیصلہ

حزب اللہ کے مخلص ارکان اور مجاہد رضا کارو! جیسا کہ آپ سے مخفی نہیں کہ حزب اللہ کے اجرا، اس کی تاسیس و تشکیل کو پورے پندرہ سال گزر چکے ہیں اور اس درمیانی عرصہ میں اس فقیر نے اپنی استعداد کے مطابق انتہائی کوشش کی ہے کہ امّت مرحومہ کے اندر جوشِ عمل پیدا ہو جائے، مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں اور ہمارا قائم کردہ جماعتی نظام نتائج کے اعتبار سے شان دار روایات کا حامل ہو۔ جلسوں کا انعقاد، مسلسل دورے، مساعی پیہم [مسلسل کوشش] انھی خیالات کے زیرِ اثر ہوتے رہے اور بِحَمْدُ اللّٰہِ کہ میری یہ تگ و دو اور میری یہ کوششیں بارآور ہوئیں اور خداوند کریم کے فضل و کرم سے ہم فخر کے ساتھ یہ بات کہنے کے قابل ہیں کہ حزب اللہ کی جماعت پنجاب بھر میں مسلمانوں کی تمام جماعتوں سے بہ لحاظ تعدادِ ارکان، بہ لحاظ جذبۂ عمل اور بہ لحاظ صحیح اقدامات بڑھ چڑھ کر ہے۔

اطاعتِ امیر کی اہمیت کو آپ بہ خوبی محسوس کر چکے ہیں۔ اپنے ذمہ کردہ فرائض کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں اور جماعتی اعتبار سے اکثریت ان اصحاب کی ہے جو کہ تعمیلِ ارشاد کے لیے ہمیشہ کمربستہ رہا کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ تعمیری کام اور پھر مسلمانوں سے کرانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ مسخ شدہ ذہنیتوں کی اصلاح اور بگڑے ہوئے خیالات کی درستی کوئی معمولی بات نہیں اور پھر صدیوں کے رسوم و رواجات کو یک قلم چھڑا [بالکل] دینا کارے دارد۔ بایں ہمہ مجھے آپ سے کوئی خاص شکایت نہیں، کوئی گلہ شکوہ نہیں بل کہ مَیں آپ کو دادِ تحسین دیتا ہوں کہ آپ نے میری باتوں کو دل کے کانوں سے سنا، میرے تجویز کردہ لائحۂ عمل کو صدقِ دل سے قبول کر لیا اور ایثار و فدویت کے لیے والہانہ طور پر اپنے آپ کو پیش کیا لیکن ع نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز [۱۹]

کے مطابق آپ کے امتحان کا وقت سامنے آ چکا ہے۔ آپ نے جو وعدے کیے تھے ان کے ایفا کے لیے عن قریب

آپ کو بلایا جائے گا۔ آج وطن کی حفاظت، ملک کی حفاظت، اسلام کی حفاظت، مسلمان کی حفاظت، مساجد و معابد کی حفاظت، عزت و ناموس کی حفاظت اور جائز حقوق کی حفاظت کے سوالات سامنے آچکے ہیں۔ جن کے لیے ممکن نہیں بل کہ اغلب [زیادہ غالب] ہے کہ آپ کو ایثار و قربانی سے کام لینا پڑے۔ موجودہ خلفشار میں وہی قوم یا جماعت محفوظ رہ سکے گی جس کے قوائے عمل غیر مضمحل ہوں، جس کی قوتِ ارادی مضبوط ہو اور جس کے افراد آزمائش و ابتلا میں ثابت قدم رہیں اور ہر قسم کی مالی، جانی قربانی و ایثار سے دریغ نہ کریں۔ مَیں آپ کو یہ بتلانا نہیں چاہتا کہ میرے پیشِ نظر کون سا اقدام ہے اور میں آپ کو مستقبل قریب میں کس قسم کی دعوتِ عمل دوں گا کیوں کہ آپ کی حیثیت سپاہیانہ ہے اور سپاہی کا کام اپنے کمانڈر یا قائد کے احکام کی تعمیل ہوا کرتی ہے اور بس اور یہ کام سپہ سالار یا کمانڈر کا ہے کہ وہ مصلحتِ وقت کے مطابق فوج کو ہتھیار بند کر دے یا ہتھیار پھینک دینے کا ایما [اشارہ] کرے۔ اسے پیش قدمی کا حکم دے یا محفوظ طریق سے پسپائی کا۔

بہر کیف صاف لفظوں میں مَیں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ امتحان کی گھڑیاں قریب ہیں، آزمائش کا وقت سامنے ہے، حالات روز بہ روز پیچیدہ ہو رہے ہیں اور وہ دن دُور نہیں جب کہ حزب اللہ کی جماعت اپنی مسلمہ آن، بان اور شان کے ساتھ میدانِ عمل میں نکل آئے اور اپنے جماعتی نظام، اطاعتِ امیر، ایثار و قربانی کا وہ مظاہرہ کرے جسے دیکھ کر مخالفین و حاسدین کی زبان سے بھی نعرۂ احسنت [اُس نے کیا اچھا کیا کا نعرہ] و صدائے آفرین بلند ہو۔ آپ اس بات کا یقین رکھیں کہ آپ نے اس فقیر پر جو اعتماد قائم کر رکھا ہے اور آپ کے دلوں میں میرے متعلق جو حسنِ ظن موجود ہے اُس کے مطابق یہ فقیر اپنے آپ کو ثابت کر کے دکھائے گا اور میرا جو بھی اقدام ہو گا وہ اسلامی تعلیمات کے عین مطابق اور امتِ مرحومہ کے مفادات کا روشن پہلو لیے ہوئے۔ وَمَاتَوْفِيْقِىٓ اِلَّا بِاللّٰهِ۔[۲۰]

چند ضروری باتیں

میرے عزیزو! آج کا خطبہ مختلف چیزوں کا حامل نہیں۔ بل کہ ایک ہی نکتہ بار بار آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ متعدد مسائل کی بہ نسبت ایک ہی مسئلہ **اقرب الی الفهم و اوصل الی المطلوب**[۲۱] ہوا کرتا ہے اور وہ ہے اپنے مستقبل کو شان دار بنانے کے لیے آپ کی تیاری اور بہ وقت ضرورت ہر قسم کا ایثار و قربانی۔ اسی ضمن میں چند اور مفید باتیں بھی آپ کے سامنے لائی جاتی ہیں جن پر کہ موجودہ حالات کے حسبِ اقتضا عمل ازبس ضروری ہے :

۱۔ آپ کو فرائض پنج گانہ کی ادائیگی میں اور زیادہ سرگرمی سے اور زیادہ حصہ لینا چاہیے جب کہ مَوت کا ہر

لمحہ کھٹکا ہے اور وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ [۲۲] کے مطابق مرنے سے پہلے آپ کی قوتِ ایمانی پوری طرح مضبوط ہونی چاہیے۔

۲۔ یا باہم دگر اخوّت، خدمتِ خلق اور ہمدردِی بنی نوع آپ کے طُغرا ہائے امتیاز ہونے چاہئیں کہ یہی چیزیں موجودہ وقت میں سب سے زیادہ ضروری ہیں۔

۳۔ چوں کہ شمال مغربی پنجاب کے اکثر اضلاع میں رضا کاروں کی بہت زیادہ تعداد افواجِ برطانیہ میں بھرتی ہو چکی ہے اس لیے اس کمی کو پُورا کرنے کی خاطر آپ کو عامۃ المسلمین کو رضا کار بننے کی پُر زور ترغیب دینی چاہیے تاکہ تعداد کے لحاظ سے ہماری جماعت کم زور نہ ہونے پائے۔

۴۔ اجناس کی گرانی اور جنگ کی وجہ سے اقتصادی کساد بازاری کے پیشِ نظر آپ کو ضروریاتِ زندگی میں اور زیادہ کفایت شعاری سے کام لینا چاہیے اور رسوم و رواجات کو کلیتًا بند کر دینا چاہیے۔

۵۔ قواعد پر پابندیاں ہونے کی وجہ سے اب آپ کا اجتماع نمازِ جمعہ کے بعد قریب کی جامع مساجد میں ہونا ضروری ہے تاکہ وہاں ایک دوسرے کے ساتھ تبادلہ خیالات و اظہارِ ہمدردی کے علاوہ آپ جماعتی نظام کی ایک جھلک دیکھ لیا کریں۔

۶۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ حزب اللہ کے عملی نمونے دنیا کے سامنے پیش کریں تاکہ لوگ آپ کی خلوص وللّہیت، آپ کے پاکیزہ خیالات و بہترین اعمال کو دیکھ کر خود بہ خود آپ کے نظام میں شامل ہونے لگیں اور بجائے وعظ و تقریر کے آپ کا اسوۂ حسنہ و طریقِ عمل لوگوں کے دلوں میں کشش و انجذاب پیدا کر دے۔

خاتمہ سخن

عزیزانِ محترم! اس فقیر نے آپ کے وقت کا ایک قیمتی حصہ لے لیا ہے اور مَیں نے اپنی طرف سے کوشش کی ہے کہ اصل مقصد کی وضاحت میں کوئی دقّت پیدا نہ ہو۔ خدائے قدوس و قیوم مجھے توفیق بخشیں کہ اصلاحِ مسلمین وارتقائے اسلام کے جو خیالات میرے دل میں موجزن ہیں وہ عملی صورت پیدا کر لیں اور آپ کو ہمّت بخشیں کہ اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر اپنا تن من دھن قربان کر سکیں اور اس کارگاہِ عمل میں آپ کے شان دار کارنامے رہتی دنیا تک سنہری حروف میں لکھے جائیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن ط۔

....

حواشی

۱۔ الصّف۶۱:۱۰تا۱۴۔

۲۔ خطبہ میں فضائے بسیط کی جگہ فقائے بسیط درج تھا۔ جملے کے مفہوم کے مطابق فضائے بسیط ہونا چاہیے تھا۔

۳۔ الفتح۴۸:۲۹۔

۴۔ ترجمہ: اگر عاشقوں کا خون بہانے کے لیے غم لشکر کشی کرے تو مَیں اور ساقی مل کر اس کی بنیاد اُکھاڑ دیں گے۔
دوسرے مصرع میں بہم سازیم کی جگہ کچھ کتابوں میں بروتازیم ہے۔
(دیوانِ حافظ، مترجم قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار لاہور، س ندارد، ص۲۹۳)

۵۔ التین ۹۵:۴۔

۶۔ بنی اسرائیل۱۷:۷۰۔

۷۔ البقرہ۲:۳۴، الاعراف۷:۱۱۔ بنی اسرائیل۱۷:۶۱۔ الکھف ۱۸:۵۰۔ طٰہٰ۲۰:۱۱۶۔

۸۔ خطبہ میں فضائے امن کی جگہ قضائے امن درج تھا جب کہ قضائے امن درج کرنے سے جملہ بے معنی ہو جاتا ہے۔ اِس لیے قضا کو فضا سے بدل دیا گیا ہے۔

۹۔ ایک آدمی کی رائے ہزار آدمیوں کے سامنے نہیں چلتی۔ (کہاوت)
اصل کہاوت یہ ہے: نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔

۱۰۔ التوبہ۹:۶۸۔
نوٹ: خطبہ میں خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا درج ہے جب کہ سورۃ میں خٰلِدِیْنَ فِیْهَا تک ہے۔

۱۱۔ الحجرات ۴۹:۱۰۔

۱۲۔ ال عمران۳:۱۰۳۔

۱۳۔ ترجمہ: قوم کا سردار اس کا خادم ہوتا ہے۔ (عربی ضرب المثل)

۱۴۔ الطلاق۶۵:۱۔
نوٹ: خطبہ میں لَعَلَّ کی جگہ وَلَعَلَّ ، یُحْدِثُ کی جگہ اَنْ یُحْدِثُ اور ذٰلِكَ کی املا ذَالِكَ درج ہے۔اب اِس کا ترجمہ یوں ہوگا۔ ترجمہ: اللہ اس کے بعد اگر کوئی صورت پیدا فرمادے۔

۱۵۔ ترجمہ: اے راہِ سلوک کے ساتھیو! اس کے بعد کیا تدبیر کی جائے۔
شعر کا پہلا مصرع یہ ہے: دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما (حافظ شیرازی)

۱۶۔ النساء ۴:۳۶۔

۱۷۔ ظفر علی خان، مولانا، کلیاتِ مولانا ظفر علی خان، زاہد علی خان (ترتیب)، بہارستان، نظم خروش و سروش، الفیصل

ناشران وتاجرانِ کتب، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، اگست ۲۰۱۱ء، ص ۹۰۔

۱۸۔ البخاری، امام محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ، باب قول النبی خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لتتبعن ۔۔۔، حدیث ۷۳۲۰۔

۱۹۔ ترجمہ: قیمت بڑھاو کیوں کہ ابھی سستے ہو۔
شعر کا پہلا مصرع یہ ہے :ع ہر دو عالم قیمتِ خود گفتہ ای
(کلیات غزلیات خسرو (جلد سوم)، پیکیجز، لاہور، س ۱۹۷۴ء، ص ۷۸)

۲۰۔ ھود ۱۱: ۸۸۔

۲۱۔ ان کی الفت کی طرف زیادہ قریب کرتا ہے اور مطلوب تک پہنچانے والا ہے۔ (عربی محاورہ)

۲۲۔ ال عمران ۳: ۱۰۲۔

◆◆◆

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ

حضرت مولینا ابو البرکات

سید محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالی

سجادہ نشین جلالپور شریف و امیر حزب اللہ

کا

خطبۂ صدارت

جو آپ نے

حزب اللہ کے سولہویں سالانہ اجلاس پر

ارشاد فرمایا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط ☆

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوۡلٰینَا وَ حَبِیۡبِنَا وَشَفِیۡعِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَتۡبَاعِہٖ وَاَشیاعِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ O اَمَّا بَعۡدُ فَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ فِیۡ قُرۡاٰنِہِ الۡمَجِیۡدِ وَفُرۡقَانِہِ الۡحَمِیۡدِ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ O بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ O یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَکُمۡ اِذَا قِیۡلَ لَکُمُ انۡفِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَی الۡاَرۡضِ ط اَرَضِیۡتُمۡ بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا مِنَ الۡاٰخِرَۃِ ج فَمَا مَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا فِی الۡاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیۡلٌ O اِلَّا تَنۡفِرُوۡا یُعَذِّبۡکُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۙ وَّیَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡہُ شَیۡـًٔا ط وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ O اِلَّا تَنۡصُرُوۡہُ فَقَدۡ نَصَرَہُ اللّٰہُ اِذۡ اَخۡرَجَہُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ثَانِیَ اثۡنَیۡنِ اِذۡ ھُمَا فِی الۡغَارِ اِذۡ یَقُوۡلُ لِصَاحِبِہٖ لَاتَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ج فَاَنۡزَلَ اللّٰہُ سَکِیۡنَتَہٗ عَلَیۡہِ وَ اَیَّدَہٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡھَا وَ جَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا السُّفۡلٰی ط وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الۡعُلۡیَا ط وَ اللّٰہُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ O اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاھِدُوۡا بِاَمۡوَالِکُمۡ وَ اَنۡفُسِکُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ط ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ O لَوۡ کَانَ عَرَضًا قَرِیۡبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوۡکَ وَلٰکِنۡ بَعُدَتۡ عَلَیۡھِمُ الشُّقَّۃُ ط وَسَیَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ لَوِ اسۡتَطَعۡنَا لَخَرَجۡنَا مَعَکُمۡ ج یُھۡلِکُوۡنَ اَنۡفُسَھُمۡ ج وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ اِنَّھُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ O ع ۱

علمائے کرام اور متوسلین حزب اللہ! خداوندکریم کا شکر ہے کہ آپ کے مذہبی جذبات اور قومی احساسات نے آپ کوموسم کی ناموافقیت اورگرمی کی شدت کی پروانہ کرتے ہوئے یہاں تشریف لانے اوراس اجتماع سے مستفید ہونے پرآمادہ کار بنایاہےاور یہ آپ کی فرض شناسی اوراسلام دوستی کاایک بیّن ثبوت ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کواحساسِ زیاں کے بعدتوفیقِ عمل بخشیں۔آج کی مجلس بہ لحاظ فوائدوثمرات و بہ اعتبار عواقب ونتائج

☆ ۴/ ۵جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ بہ مطابق پیرے/منگل ۸جون ۱۹۴۳ءکی درمیانی شب پڑھا گیا۔گیلانی الیکٹرک پریس،ہسپتال روڈلاہورمیں بہ اہتمام سید محمد فضل شاہ پرنٹروپبلشر چھپ کرجلال پورشریف سے شائع ہوا۔

شان دار روایات کی حامل ہو۔ بعد از غور و فکر ہم اپنے لیے جو لائحہ عمل تجویز کریں تائیدِ غیبی اور نصرتِ الٰہی کے تعاون سے ہم اُس پر پورے طور سے کاربند ہوں اور اس کارگاہِ عمل میں ہمارے کارنامے آنے والی نسلوں کے سامنے بہ طور نمونہ و مثال پیش ہو سکیں۔ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔[۲]

انقلاب اور اُس کا فلسفہ

برادرانِ محترم! اگر آپ تھوڑی دیر کے لیے کائنات اور اُس کے موجودات کا بہ نظر غائر مطالعہ کریں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دنیا کی ہر شے اور جہان کی ہر چیز اپنے اندر بے شمار تغیرات اور تبدیلیاں رکھنے والی ہے اور آنے والی ہر ساعت اور مستقبل کی ہر گھڑی انقلاب آفرین ہوا کرتی ہے۔

فضائے بسیط کا مشاہدہ کریں تو ہواؤں کا رُکنا، تھمنا اور پھر رُخ بدل بدل کر چلنا، صاف مطلع کے بعد اُس کا ابر آلود ہو جانا، باد و باران کا طوفان، بجلی کی چمک، رعد کی کڑک، مینہ کا موسلا دھار برسنا اور پھر یکا یک رُک جانا، مُردہ زمین میں آثارِ حیات پیدا ہونے اور کچھ عرصہ خشک سالی کی وجہ سے دوبارہ ممات کی کیفیت اور ان حالات کا بار بار اعادہ و تکرار، اُدھر زمین میں اُگنے والی گھاس اور درخت، فصل اور بوٹے عجیب قسم کے تغیرات پیش کیا کرتے ہیں۔

طاقتِ نمو حاصل ہونے کے بعد جو دانہ زمین میں بویا جائے اُس کی روئیدگی اور ارتقائی منازل طے کرنے، ایک حقیر دانہ کا بڑھتے بڑھتے مضبوط بوٹے کی شکل اختیار کر لینا اور ننھے پودے کا ایک تناور درخت بن جانا ایک حیرت انگیز مگر انقلاب آمیز حقیقت ہے۔

موسموں کی تبدیلی، گرمی کے بعد سردی اور سردی کے بعد گرمی اور دونوں کے درمیان اعتدالی کیفیت اور تداخل کا زمانہ، آسمان پر سورج کا طلوع اور غروب، چاند کا گھٹاؤ اور بڑھاؤ، سیاروں کی مختلف النوع حرکات اور تاثیرات، زمین پر سمندروں کا مدوجزر، دریاؤں کا طوفان اور سکون، برسات کے موسم میں ندیوں کی طغیانی، آبشاروں کا گرنا، پتھروں سے ٹکرا کر پانی کی آواز کا حیرت خیز ترنّم اور زیر و بم اور بارشوں کے خاتمہ پر مکمل سکوت، بہار کے دنوں نسرین و نسترن اور سرو یاسمن کی دیدہ زیبی، خودرو پھولوں کی دل فریبی، سبزہ کی لہلہاہٹ اور مناظر کی دل کشی مگر خزاں کے آتے ہی درختوں کی پت جھڑ، گھاس کا خشک ہو جانا اور دل کش منظر کی جگہ ہول ناک اور عبرت انگیز سماں یہ تمام چیزیں انقلابِ دہر اور تغیر زمانہ کے عملی ثبوت ہیں۔

دور کیوں جائیں خود حضرت انسان کی زندگی بے حد انقلاب انگیز اور تغیر آمیز ہے۔ کہاں بچپن کا معصوم زمانہ؟ کہاں شباب کی ہوس انگیز یاں اور کہاں عہد پیری کی ناتمام آرزوئیں؟ علیٰ ہذا القیاس جسمانی

،اعصابی اوردماغی قوتوں کا نمو پھر عروج اور پھر انحطاط،علوم وفنون کی تحصیل پھر تکمیل اور پھر لِکَیْلَایَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا [۳] کے مطابق حرمان ونسیان پیدا ہونا، زندگی کی بہاریں دیکھنا اور پھر موت کے آغوش میں چلا جانا یا بہ الفاظ دیگر کتم عدم سے منصہ شہود پر آنا [عدم (نہ ہونا) کے پردے سے وجود میں آنا یعنی پیدا ہونا] اور پھر کتم عدم میں روپوش ہوجانا غرض کہ دنیا میں سب سے بڑا انقلاب خود ہمارے اندر آیا کرتا ہے اور انسانی زندگی تغیرات اور تبدیلیوں کا دوسرا نام ہے۔

اسلامی حکما اور فلاسفر جو یونانی مادیتیں کے علی الرغم [۴] مادہ کو قدیم نہیں مانتے بلکہ حدوثِ عالم [جہان کے پیدا ہونے] کے معتقد ہیں۔نتائج کے ناقابلِ فہم نظریہ کی جگہ وہ ارواح واجسام کو روزمرہ پیدا ہونے والی مخلوق مانتے ہیں اور اجزا لاتجزیٰ [ناقابلِ تقسیم اجزا] یا دیمقراطسی کی جگہ وہ کُنْ فَیَکُوْنُ [۵] کے قائل ہیں۔ اپنے ان دعاوی [دعوا کی جمع] کے دلائل میں وہ ہمیشہ العالم متغیر کے صغریٰ اور کل متغیر حادث کے کبریٰ کے بعد فالعالم حادث کا منطقیانہ نتیجہ اخذ کیا کرتے ہیں اور انقلابات وتغیرات کے وجود سے ہی وہ تمام موجودات کو حادث قرار دیتے ہیں۔یہی ایک ایسی حجت قاطع وبرہان ساطع [کاٹنے والی اور ختم کرنے والی روشن چمک دار] ہے جس کے جواب میں یونانی حکما اور یورپ کے فلاسفر بالکل عاجز ہیں اور یہ مسئلہ گو اتنا آسان نہیں پھر بھی عام فہم بنانے کے لیے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو چیز غیر متغیر ہے وہ قدیم ہے اور چوں کہ خداوند کریم کی ذات بالکل غیر متغیر ہے بس یہی اُس کے قدیم ہونے کی دلیل ہے اور بالمقابل دنیا کی ہر چیز میں تبدیلیاں ہوا کرتی ہیں اور یہی تبدیلیاں اُس کے حدوث یا پیدا شدہ ہونے کا ثبوت ہیں۔

انقلاب اقوام وملل

جہاں کہ دنیا کی ہر شے انقلاب اور تغیر کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتی وہاں ملکوں ،قوموں ، جماعتوں اور فرقوں میں بھی انقلاب کا آنا ناگزیر ہے اور اگر تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ تاریخ کے تمام صفحات حقیقتاً اُن انقلابات کے افسانے ہیں جو قوموں اور ملتوں پر وقتاً فوقتاً آتے رہے ہیں اور کسی قوم کا عروج وزوال دراصل اُس کے ایجابی یا سلبی انقلاب کا ایک عملی مظاہرہ ہوا کرتا ہے۔قرونِ مظلمہ [وہ زمانے جن کے حالات اندھیرے میں ہیں] کے صحیح حالات پردۂ خفا میں ہیں اور مورخین کو بیان کرنے میں ظن اور تخمین سے کام لینا پڑتا ہے لیکن تاریخ کی تدوین وترتیب کے بعد والے واقعات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم کے اندر اس قدر زبردست انقلابات اور تبدیلیاں واقع ہوتی رہی ہیں جن کے حالات پڑھ کر انسان کبھی محوِ حیرت ہوجاتا ہے، کسی واقعہ ہائلہ کے تصور میں لرزہ براندام ہونے لگتا ہے اور کسی قومی یا جماعتی

حادثہ کے تخیل سے اُس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کوئی قوم گوشۂ گمنامی سے نکل کر بہت تھوڑے سے عرصہ میں معراجِ کمال تک جا پہنچتی ہے اور کوئی جماعت بامِ ارتقا سے گر کر قعرِ تنزل میں جا پڑتی ہے اور مختلف اعتبارات اور صورتوں سے چناں چہ تمدن وتہذیب، شائستگی وعمرانیت پہلے ہندُستان کے حصہ میں آئی پھر تمدن انتقال مکانی کر کے یونان جا پہنچا، اُس کے بعد اُس نے عرب کی سنگلاخ اور بے آب وگیاہ سرزمین کو ایک کملی پوش شہنشاہ (بابی انتَ واُمی [میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں]) کا شرفِ پابوسی حاصل کرنے کی خاطر اپنا نشیمن بنایا اور پھر بادیہ نشینانِ عرب کی ناقدردانی اور جبلی سرشت عود کر آنے کی وجہ سے یورپ کی طرف ہجرت کی اور اب دیکھیے یہ لیلائے تہذیب اور کس مجنوں قوم کو پسند کرتی ہے۔

اِستعمار اور ہوس ملک گیری کی لعنت سے (سوائے ایک اسلام کے) کسی قوم کا دامن بھی پاک وصاف نہیں رہا اور اسی جذبہ رذیلہ کے ماتحت قومیں آپس میں دست وگریباں ہوتی چلی آ رہی ہیں اور کوئی زمانہ بھی ایسا نہیں گزرا جب کہ انسانی آبادی مختلف طریقوں سے انفرادی یا اجتماعی طور پر باہم دگر متصادم نہ ہوئی ہو اور ایک بھائی نے دوسرے بھائی کا گلا محض اس لیے نہ کاٹا ہو کہ خدا کی پیدا کردہ زمین کا وارث جب مَیں بن چکا تو وہ کیوں بننے لگے؟ ان خوں چکاں واقعات اور ہیبت انگیز حالات کے ضمن میں آپ کو اقوام وملل کے انقلابات کی حقیقی تصویر نظر آئے گی کہ کس طرح بُخت نصر کے نامبارک ہاتھوں سے بیت المقدس کی تخریب ہوئی اور ساسانیوں اور کلدانیوں نے کس طرح انسانی آبادیوں پر ظلم وستم ڈھائے۔ سکندرِ اعظم رومی کی یلغار اور ہندُستان پر حملہ آور ہونے کی حقیقی غرض یہی جوع الارض یا زمین کی خواہش تھی اور فاتح کہلانے کی ہوس۔ نپولین بونا پارٹ کے کارناموں کو دنیا خواہ کسی نظر سے دیکھے مگر اُس کے سامنے بھی یہی فوقیت پسندی اور جاہ طلبی کی ناقابلِ احترام خواہشات تھیں اور آج مہذب دنیا اور متمدن ملک میں جو حشر برپا ہے، انسانی خون کی جوار زانی ہو رہی ہے اور خدا کی سرزمین جو اپنے ساکنین کے لیے آتش کدہ جہنم بن رہی ہے وہ بھی دراصل انھی جذباتِ سِفلی کے اظہار، ذاتی اغراض کی تکمیل اَور دوسروں کی تخریب پر اپنی تعمیر کے عملی مظاہر ہیں۔ شخصیّات ہمیشہ جماعتوں پر اپنے خیالات کا غیر فانی اثر ڈالا کرتی ہیں۔ ایک فاتح یا نامور کی وحشیت اور بربریت، سفاکی اور خوں ریزی اُس کی قوم یا جماعت کی فطرت ثانیہ بن کر رہ جائے گی اور ایک مُصلح یا ریفارمر کی نیک سیرتی، بلند اخلاقی اور بہترین کیریکٹر صدیوں تک اُس کے پیروکاروں اور متبعیّن کے اندر پرہیزگاری اور نیک عمل کی یادگار قائم رکھتی ہیں اور جہاں کسی انسان نما ابلیس کا اتباع اُس کے ہم خیال کیا کرتے ہیں وہاں خدائے قدوس وقیوم کے برگزیدہ اور نیک بندوں کی تقلید کرنے والے بھی موجود ہیں اور اُس وقت تک موجود رہیں گے جب تک کہ یہ دنیا قائم ہے۔ نہیں بل کہ دنیا کا قیام ہی اُن کے طفیل ہے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ایک فردِ واحد کی انقلابی ذہنیت

قوم کی قوم کو کس طرح گم راہ یا ہدایت یاب کر دیا کرتی ہے اور اس قسم کے انقلاب روزمرہ کی باتیں ہیں۔ بہ ہر کیف قوموں اور جماعتوں کے انقلاب کی کہانی کوئی نئی نہیں ہر زمانہ میں اسے دھرایا گیا ہے۔ ایک روایتی پرندہ کی طرح جو کہ (صحیح یا غلط) جل جانے کے بعد اپنے خاکستر سے پھر زندہ نکل آتا ہے۔ قومیں بھی اوجِ ارتقا سے گرتی ہیں اور گرتے گرتے خاک میں مل جایا کرتی ہیں۔ پھر اُن کے خاکی کالبد [جسم] میں روحِ حیات پھونکنے والا پھونک دیتا ہے اور انھیں نشاۃ ثانیہ حاصل ہو جاتا ہے۔

آج یورپ والے جو دنیا بھر کے اجارہ دار اور خود مختار بنے ہوئے ہیں۔ کوئی زمانہ تھا کہ اُن کے پاس پہننے کو کپڑا اور کھانے کو روٹی بھی نہ تھی۔ امریکا کی نئی دنیا گزشتہ زمانہ میں جغرافیہ عالم میں کہاں موجود تھی مگر آج سرمایہ داری کے اعتبار سے وہ سب سے ممتاز ہے۔ افریقہ کے وحشی، امریکا کے جنگلی، ہندُستان کے اچھوت ساری دنیا سے مغضوب قوم یہود آج اس انقلابی چکر میں آ کر اپنے لیے جگہ بنا چکے ہیں، نو آبادیاں قائم کر رہے ہیں، منڈیوں پر چھا گئے ہیں مگر آہ! اس انقلاب خانہ خراب کی نیرنگیاں کہ جو قوم دنیا کے حالات سنوارنے کے لیے آئی تھی آج اُس کے اپنے حالات بگڑ چکے ہیں۔ جہاں کے محتاجوں اور درماندوں کی دست گیری کرنے والی قوم آج جہاں بھر کی دست نگر اور محتاج ہے اور تمام قوموں کی سردار قوم آج تمام قوموں کی محکوم اور غلام :

ع مدارِ روزگارِ سفلہ پرور را تماشا کُن [۶]

اسلام کا پیدا کردہ انقلاب

پیرِ کُہن سال [بہت پرانا] آسمان شاہد ہے، چمکنے والا سورج، دمکنے والا چاند، روشن ستارے گواہ ہیں اور سرزمینِ عرب کے ریگِ رواں کا ہر ذرّہ زبانِ حال سے معترف کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے بنی نوعِ انسان کا ایک کامل اور مکمل فرد، زینت افزائے باغِ جہاں [دنیا کے باغ کو خوب صورتی بخشنے والا پیدا] ہوا۔ وہ مقدّس اور مطہر ہستی زیب دِہِ عالمِ تکوین ہوئی [دنیا کو خوب صورتی دینے والی ہستی دنیا میں تشریف لائی] جس کی آمد کی خوش خبری خداوند کریم کے تمام برگزیدہ رسولوں نے دی اور جس کے ظہورِ قُدسی کی بشارت تمام الہامی کتابوں میں موجود ہے۔

دنیا والے اپنے اپنے مصلحین، ریفارمروں، پیغمبروں، اوتاروں، رشیوں [سادھو]، مہارشیوں [نیک آدمی] اور مہاتماؤں [ولی] کے شان دار کارنامے بیان کیا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ توکل اور استقامت میں بے نظیر ہے، فلاں شخص نے جرأت اور بہادری کا نمونہ بن کر دکھلایا یا فلاں یادِ خدا میں اتنا مستغرق رہا، فلاں نفس کشی میں گوئے سبقت لے گیا۔ غرض کہ کسی مقدّس ترین شخصیت کا کمال اگر بیان کیا جائے تو غایت مافی

الباب دنیا بھر کے اوصاف حمیدہ میں سے اُس کے اندر کوئی ایک وصف ممتاز نظر آئے گا لیکن حضور سرور عالم خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (روحی فداہ) کا سیرت نگار آپ کے سامنے معقول دلائل و براہین اور صحیح روایات و مآخذ کی روشنی میں یہ ظاہر کرے گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا بھر کے محاسن کا مجموعہ اور جہان بھر کی خوبیوں کا مرجع تھے اور آں حضرت خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ظہور قدسی اِنسانی آبادی کے اندر ایک ایسے بے نظیر اور بے مثال انقلاب پیدا کرنے کا باعث ہوا جس سے بڑھ کر انقلاب اور تبدیلی بنی نوع انسان کے اندر نہ اُس سے پہلے کبھی پیدا ہوئی ہے اور نہ آئندہ اُس کا امکان ہے۔

فاتحین کی یلغار کا مقصد اپنی حکومت کا دائرہ وسیع کرنا ہوا کرتا ہے۔ فاتح اقوام مفتوح اقوام کی زمینوں پر قابض ہو جایا کرتی ہیں۔ ظالم اور سفاک لوگ مظلوم باشندوں پر ظلم وستم ڈھایا کرتے ہیں۔ طاقت ور انسان کم زور لوگوں کو کچل دیا کرتے ہیں اور بلقیس کی زبانی بادشاہوں کا کسی ملک میں فاتحانہ داخلہ فساد انگیزی اور طبقۂ شرفا کی تذلیل وتوہین کا مترادف ہوا کرتا ہے [۷] مگر فاتح عالم اور شہنشاہ کونین خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (روحی فداہ) اپنی ذاتی حکومت کی داغ بیل ڈالنے نہیں آیا بلکہ قیامِ حکومتِ الٰہی و ترویج قانون ِ خداوندی اُس کے پیش نظر تھا۔ اُس نے اور اُس کے نقشِ قدم پر چلنے والے اسلام کے بہادروں نے مفتوح قوموں کے ملک واملاک پر قبضہ نہیں کیا بلکہ اُن کے دلوں کی زمینوں کو اپنے پاکیزہ اخلاق کے ہتھیاروں سے مسخّر کر لیا اور جو کام جبر واستبداد سے آج تک نہیں نکل سکا وہ بانیِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عفو ودرگزر، رحمت و رفعت کے طفیل انجام پذیر ہو گیا۔

عام لڑائیوں اور جنگوں کا مقصد فساد انگیزی اور دہشت خیزی ہوا کرتا ہے مگر مسلمانوں کے جہاد کے معنی فساد اَور شرارت کے خلاف لڑنا اور اُس وقت تک جب تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار نہ پھینک دے اور خدا کی سرزمین میں کلیتہً امن وامان قائم نہ ہو جائے۔ [۸]

آج متحاربین کی زبانی آپ قیامِ امن کا لفظ سُن رہے ہیں جو کبھی شرمندۂ معنی نہیں ہوگا مگر اسلام کی امن دوستی، مصالحت جوئی اور صلح پسندی کی سیکڑوں روایات و واقعات ہم پیش کر سکتے ہیں اور فاتح عالم (بابی انت وامی) کی مبارک سیرت پڑھ کر آپ کو پتہ چلے گا کہ حضور اقدس خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کس قدر زبردست انقلاب لوگوں کی طبیعتوں، اُن کی ذہنیتوں، اُن کے اخلاق و عادات اور اُن کے رسوم و رواجات میں پیدا کر دیا۔ ایک طرف لوگوں کی مسخ شدہ ذہنیت سراسر تبدیل ہو گئی اور اُس کی جگہ ایک ایسی مقدس ذہنیت نے لے لی جس سے بڑھ کر سلجھی ہوئی ذہنیت کبھی دیکھنے میں نہیں آ سکی۔ متکبّر، خود پسند، خود رائے، وحشی اور بہائم [جانور] صفت عرب کی شوریدہ سر قوم ایک انقلاب آفرین کے تصرّف روحانی سے دیکھتے دیکھتے منکسر

المزاج، متواضع، متحمل و بردبار، بہترین اخلاق کا نمونہ اور اعلا کیریکٹر کا مجسمہ نظر آنے لگی۔ دلوں میں حسد و بغض، کینہ و انتقام کی جگہ شفقت و مرّوت، ہمدردی و دل جوئی کے جذبات پیدا ہو گئے اور اسلام کے سایہ عاطفت و دامنِ رحمت میں آ کر پشتینی دشمن اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ [9] کے حسبِ فرمان حقیقی معنوں میں بھائی بھائی بن گئے اور دوسروں کا گلا کاٹنے والے اپنے گلے دوسروں کی عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر کٹوانے پر تیار ہو گئے۔

پھر یہ انقلاب معمولی قسم کا انقلاب نہیں تھا جس کا نفوذ و اثر انسان کی زندگی کے کسی ایک شعبہ پر محدود ہو بلکہ اس کے ہمہ گیر اثرات اور دور رس نتائج نے زندگانی کے تمام شعبوں پر یکساں اثر ڈالا۔ وحشیت کی جگہ عمرانیت نے لے لی، مالی مشکلات کا حلّ کار نکل آیا، اقتصادی بدحالی دور ہو گئی، معاشرتی معاملات سُدھر گئے، رسوم و رواجات کی اصلاح ہو گئی اور عقائد و خیالات کی درستی اور اس انقلاب عظیم کی کارفرمائی ملاحظہ ہو کہ ایک طرف ہمارے انقلاب پسند اپنے خالق و مالک کے صحیح معنوں میں تابع دار و حکم بردار بن گئے۔ اُن کی پارسائی، اُن کے ورع و اتقا [پرہیزگاری اور ترقی] اور اُن کی عبادت و ریاضت کی دھوم مچ گئی اور اُن کے بہترین عادات و شمائل رہتی دنیا تک بہ طور نمونہ و مثال پیش ہوا کریں گے تو دوسری طرف اُنھوں نے حکومت الٰہی کی تاسیس و تشکیل کا وہ مُبارک کام جو ابتدائے آفرینش سے تشنہ تکمیل چلا آتا تھا اس حسن و خوبی اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیا کہ قیصر و فغفور کی شخصی حکومتوں کے مقابلہ میں اسلام اور جمہور کی حکومت قائم کر لی۔

بادشاہوں کے سامنے سر جھکانے کی بجائے انھوں نے اپنا سر شہنشاہِ ارض و سما اور خالق الکائنات و الموجودات کے تختِ جلال کے سامنے جھکانا سیکھ لیا۔ انسانی مرتبہ قوانین و احکام کی جگہ مجوزہ خدائی قوانین و احکام نے لے لی اور احکم الحاکمین کی حکومت قائم کرنے والے چند گدڑی پوش حفاۃٌ عراۃٌ [10] سر سے ننگے اور پابرہنہ قیصر کے تاج اور کسریٰ کے تخت کے مالک بن گئے اور پھر اسی پر اکتفا نہیں ہوا بلکہ علم بردارانِ اِسلام، حکومت الٰہی کے داعی و منادا ور ملت مرحومہ کے رضا کار جہاں کہیں بھی جا پہنچے انھوں نے اپنے ظاہری اور باطنی محاسن کا مظاہرہ ایسے دل کش پیرایہ میں کیا کہ اُن کی نیک دلی، اُن کی خوش اخلاقی اور اُن کی رواداری دیکھ دیکھ کر اقصائے عالم کے ساکنین کسی جبر و اکراہ سے نہیں بل کہ نہایت محبت اور رغبت سے اِن داعیانِ حق کے ذریعہ اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے اور اس کا بدیہی ثبوت آج دنیا میں ۴۰ کروڑ اسلامی آبادی سے پیش کیا جا سکتا ہے۔

اور یہ سب کچھ اُسی ایک ذات متجمع الصفات [تمام اچھی صفات] اعنی [یعنی] حضور سرورِ کائنات، فخر موجودات، رحمتہ للعالمین، شفیع المذنبین، سید المرسلین، محمد مصطفیٰ و احمد مجتبیٰ علیہ الف الف [لاکھوں] صلوٰۃ و التسلیمات کے طفیل ہوا اور ایک انقلاب آفرین ہستی نے دنیا کو ایک ایسے انقلاب سے روشناس کر دیا جس کو

دیکھ دیکھ اربابِ بصیرت و اِمعان ہمیشہ عش عش کر اُٹھیں گے اور جس کے تذکار اور کارنامے رہتی دنیا تک زرّیں حروف سے لکھے جائیں گے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔

موجودہ مسلمانوں کی بے حسی اور اس کے اسباب

مسلمانوں کا ماضی بلا ریب شان دار روایات کا حامل اور محیّر العقول واقعات پر مشتمل نظر آتا ہے اور ہمارے اسلاف کرام نے اپنی عبادت و ریاضت، سیر چشمی و قناعت، توکل و استقامت، اولوالعزمی و شجاعت، حکمت و معرفت، شرافت و نجابت، بلند ہمتی و بلند خیالی، غریب پروری و مسکین نوازی، ایثار و قربانی، تواضع و انکساری، غیرت و خودداری، ضبط علی النفس و جہاد بالنفس، خواہشات پر قابو اور جذبات پر غلبہ، اقتصادیات سے واقفیت اور معاشیات پر عبور، طرز بود و ماند و طریقِ معاشرت کی خوبی، امورِ ملکی و سیاسی سے کماحقہٗ واقفیت، جہاں بانی و جہاں ستانی [دنیا کو بنانا سنوارنا اور دنیا کو خراب کرنا یعنی حکومت کرنے کے طریقے] کا صحیح ملکہ، قیامِ امن کا پورا سلیقہ غرض کہ ایک طرف خداوند کریم کے عائد کردہ فرائض کی مکمل تعمیل اور دوسری طرف مخلوق کے حقوق کی پوری حفاظت جس طریق سے کی ہے۔ وہ مخالفین و معاندین سے بھی دادِ تحسین لے چکی ہے اور اقوامِ عالم میں آپ کو کوئی قوم ایسی نظر نہیں آئے گی جو بہ یک وقت و بہ یک زبان اتنے محاسن اور اتنی خوبیوں کا مجموعہ بن چکی ہو مگر آہ!

اُنھی اسلاف کے اخلاف [پیچھے آنے والے] اور انھی بزرگوں کی اولاد آج اُن کے برعکس ہزاروں عیوب اور سیکڑوں نقائص میں مبتلا ہو چکی ہے اور آج مسلمان ہونا اِس امر کے مُرادف ہے کہ انسان بداخلاق، بدعہد، دروغ گو، نفسانی خواہشات کا غلام، جذبات رذیلہ کا محکوم، خودغرض، فریب کار، دھوکا باز، بے ادب و گستاخ، کام چور اور بے کار محرماتِ شرعیہ کا مرتکب، اللہ تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈالنے والا اور مخلوقِ خدا کے ساتھ بُرائی سے پیش آنے والا، ماں باپ کا عاق، بھائیوں کا دشمن، مسکینوں اور غریبوں پر ظلم کرنے والا اور حرام کا مال بے ڈکار ہضم کرنے والا، نالہِ یتیم و آہِ بیوہ سے ناآشنا، عذاب و ثواب کا عملی منکر اور جنت و دوزخ کا مضحکہ اڑانے والا، رسوم و بدعات سیئہ کا پابند، فضول خرچ، عیاش، اوباش، سوسائٹی میں قابلِ نفرت اور ہم نشینوں میں لائق ملامت، کم ہمت و بزدل، قوت ارادی سے عاری، خودداری سے ناواقف اور سب سے بڑھ کر غلامانہ ذہنیت رکھنے والا اور دنیا بھر کی اہرمنی اور ابلیسی طاقتوں کا غلام، ایک احکم الحاکمین کے احکام سے بغاوت کرنے والا مگر دنیا کے ہر ذی اقتدار کا حکم ماننے والا، امورِ سیاسی سے نابلد، ملکی معاملات سے ناواقف، ماضی اور مستقبل کو فراموش کر کے محض زمانۂ حال کی دل چسپیوں پر مر مٹنے والا ناعاقبت اندیش اور غمِ فردا سے بے بہرہ اور ہم چوقسم

کم زوریوں کا نمونہ نظر آئے گا۔

مگر یہ چیزیں ایسی نہیں جو پردہ خِفا [پوشیدہ] میں ہوں یا دنیا اُن سے پوری واقفیت نہ رکھتی ہو اور یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان اقوامِ عالم کی نظروں میں بے حد ذلیل و رسوا ہو چکا ہے اور اُس کی بد اخلاقی اور بے راہ روی ضرب المثل بن چکی ہے۔ بہ ظاہر گنتی کے اعتبار سے مسلمان ۴۰ کروڑ ہیں مگر قومی لحاظ سے ان کا شمار دنیا کے ادنیٰ ترین طبقات میں بھی نہیں۔ اُن کی حکومت گئی، اُن کی سلطنت گئی، اُن کی قومیت اور عصبیت گئی، اُن کا تمدن گیا، اُن کی تہذیب گئی، ان کی حمیت اور غیرت گئی، ان کی ناموس اور آبرو گئی اور آج دنیا بھر کی قوموں کی سرتاج اور سارے جہاں کی امتوں سے افضل قوم اور امّت رسوائی اور بدنامی کے عمیق گڑھے میں گر کر عالمِ سکرات میں ایڑیاں رگڑ رہی ہے اور ستم ظریفی یہ کہ روما جل رہا ہے اور نیرو بانسری بجا رہا ہے۔[11] مسلمان تباہ و برباد ہو رہا ہے، اس کی سیزدہ صد سالہ [تیرہ سو سالہ] متاع لٹ رہی ہے، اُس کی فرومائیگی [ذلالت] اور بے عزتی کی انتہا ہو چکی ہے۔ اُس کے گلے میں غلامی کا طوق و اغلال [زنجیر] اور اُس کے پیروں میں محکومی کی زنجیریں اور سلاسل پڑ چکے ہیں۔ اُس کے ساتھ وہی سلوک ہونے والا ہے، جو کسی زمانہ میں افریقہ کے حبشیوں اور افریقہ کے وحشیوں سے ہو چکا ہے مگر ہمارے راہ برانِ قوم و رہ نمایانِ ملت، علما و زعما، صلحا و فقرا سب کے سب تماشائی حیثیت رکھنے والے ہیں اور اس مصیبت زدہ اور وقفِ آلام و احزانِ قوم کی ناگفتہ بہ حالت پر کوئی آنسو بہانے والا نہیں۔ فَآہٌ ثُمَّ آہٌ ثُـــمَّ آہٌ[12]۔ خیر علما و مشائخ پر عائد ہونے والے فرائض اور ذمہ داریوں کی جواب دہی خود اُنھی کے ذمہ ہے وہ جانیں اور اُن کا کام۔

غور طلب تو یہ بات ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ بے بسی، بے کسی، غفلت و جمود، عدم احساس اور بے حسی، تنزل و انحطاط کے حقیقی اسباب کیا ہیں اور ان تمام علّتوں کی علّت کیا ہے؟

ممکن ہے کوئی صاحبِ رائے اِس کی اور وجوہات بیان کریں اور قربِ قیامت کی یہ بھی ایک علامت ہے کہ اِعْجَابِ لِکُلِّ ذِیْ رَأْیٍ رَأْیُہٗ[13] کے مطابق ہر ایک آدمی اپنی رائے یا مشورہ کو دوسروں کی صلاح یا تجویز پر مقدم سمجھنے لگے گا مگر جہاں تک اِس فقیر نے دقتِ نظر کے ساتھ اِس مسئلہ کا مطالعہ کیا ہے اور اپنے ناخنِ تدبیر سے اِس پیچیدہ گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی ہے اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ امت مرحومہ کی ساری تباہی، بربادی، بے عزتی اور بے آبروئی کا اصل سبب ترکِ جہاد اور غلامانہ ذہنیت ہے اور بس اور حضور مخبر صادق کا یہ ارشاد کہ مَاتَرَكَ الْقَوْمُ الْجِهَادَ إِلَّا عَمَّهُمُ الْعَذَابُ[14] کہ جس قوم نے جہاد ترک کر دیا وہ ہر قسم کے عذابوں میں ماخوذ ہو جائے گی آج مسلمانوں پر عملاً صادق آ رہا ہے۔

دنیا میں سب سے بڑی نعمت آزادی ہوا کرتی ہے اور سب سے بڑی لعنت غلامی اور آج دوسرے

ممالکِ اسلامیہ سے قطع نظر ہندُستان کا مسلمان اِس نعمتِ عظمٰی سے یکسر محروم ہوکر اس بڑی لعنت کا آماج گاہ بن چکا ہے۔ ہمارا زمانہ ماضی اِس لیے شان دار تھا کہ مسلمان دنیا میں صِرف ایک کا غلام بنا مگر سارا جہاں خُدا کے غلاموں کا غلام بن گیا۔ پھر اگر آقائی میسر ہوا اور عجیب قسم کی آقائی کہ ایک طرف آقا کا اپنا سر سب سے بڑے آقا کے سامنے جھکا ہوا ہے اور بڑے بڑے حکم رانوں اور سر بلندوں کی گردنیں اُس کے آگے خم شدہ تو احکم الحاکمین کے غلام اگر اپنے اخلاقِ حسنہ و اعمالِ صالحہ کا مظاہرہ کریں تو تعجب کون سا ہے؟ اور ہمارا زمانہ حال اِس لیے خراب ہے کہ ہم نے جب سے آنکھیں کھولی ہیں غلامی اور محکومی کا عفریت ہم پر مسلّط ہو رہا ہے اور دنیا کے غلام، نفس کے غلام، شہوت کے غلام، غیر اسلامی حکومت کے غلام، غلامی کی زنجیروں میں اس قدر جکڑے جا چکے ہیں کہ انھیں یادِ خُدا کی فرصت ہی نہیں اور دنیا میں غلام کا مذہب غلامی کے ماسوا اور کیا ہے؟ اور پھر یک پیری و صد عیب کے مطابق ایک غلامی کا لفظ تمام بے اعتدالیوں، بداخلاقیوں اور انسانی کم زوریوں کی واحد تفسیر ہے :

تو خود حدیث مفصّل بخوان ازیں مجمل [15]

ذہنی انقلاب

دنیا میں آنے والے انقلابات و تغیرات مختلف نوعیات و اقسام کے ہوا کرتے ہیں اور انھیں ہم سیاسی انقلاب، تمدنی انقلاب، اِقتصادی انقلاب، معاشرتی انقلاب اور ذہنی انقلاب سے موسوم کر سکتے ہیں۔ بادی النظر میں سیاسیات میں تغیر، ہوسِ ملک گیری اور استعماری اقدام سب سے زیادہ مہیب اور خطرناک قسم کا انقلاب ہوا کرتا ہے اور آج کی جنگ اِسی نوعیت سے تعلق رکھنے والی ہے۔

یہ جو اقصائے عالم میں آپ کو حرب و جدال، ضرب و قتال، خوں ریزی و خوں آشامی، تباہی و غارت گیری کے مناظر دکھائی دے رہے ہیں۔ اِنسانی آبادیاں ایک دوسرے کو ہلاک و برباد کرنے کے لیے مختلف قسم کے آلات استعمال میں لا رہی ہیں اور سطحِ اراضی کا کوئی کونہ اور کرّہ ِزمین کا کوئی حصّہ بھی ایسا نہیں جہاں ہوائی جہازوں کی تاخت و تاراج شروع نہ ہو۔ بم بار طیارے وزنی اور ہلاکت آفریں بم نہ گرا رہے ہوں۔ توپوں کی مہیب گرج، بموں کی کرخت اور سامعہ خراش آوازیں، بندوقوں کی باڑھیں، بھاری بھرکم ٹینکوں کی نقل و حرکت نہیں بلکہ زخمیوں کی چیخ پکار، مرنے والوں کی نزعی سسکیاں، کشتوں کے پشتے، لاشوں کے انبار، برباد شدہ شہروں اور مسمار شدہ عمارتوں کے کھنڈرات دیکھ دیکھ کر انسان کا کلیجہ منھ کو نہ آتا ہو اور یہ ساری کارروائی محض سیاسی فوقیت حاصل کرنے، دوسری قوموں کو غلام بنا لینے اور اپنی حکومت کا دائرہ وسیع کرنے کی خاطر ہو رہی ہے اور موجودہ جنگ کا مقصد وحید متحاربین کا ایک دوسرے پر غلبہ و استیلا، فتح و نصرت، تصرّف و اقتدار حاصل کرنا ہے بس اور

اس جنگ کا خاتمہ ایک زبردست سیاسی انقلاب پر منتج ہوگا، بعض قومیں دوسری قوموں کو کچل کر رکھ دیں گی، دنیا کا جغرافیہ ازسرِ نو مرتب کرنا پڑے گا اور ممالک کے حدود اربعہ کا تعین نئے سرے سے ہوگا۔

مگر اس قسم کے سیاسی اور ملکی انقلابات اپنے اندر کوئی جدّت رکھنے والے نہیں بل کہ جب کبھی انسانی آبادی پر حیوانیت اور بہیمیت، وحشیت اور بربریت کا دورہ پڑا، اس کے افراد ٹولیوں کی شکل میں غضب و انتقام کی تصویر بن کر نکل آئے اور مقابل افواج و عساکر سے دست گریباں ہو گئے۔ یہ الگ بات ہے کہ پہلے جنگ تلواروں، نیزوں، تیر کمانوں سے ہوا کرتی تھی اور آج اُس کی جگہ ہوائی جہازوں، ٹینکوں، مشین گنوں اور بندوقوں نے لے لی ہے یا پہلے لڑنے والے اتنے خون آشام نہیں ہوا کرتے تھے کہ نہتی آبادیوں اور غیر مصافی [عوامی آبادیاں] علاقوں کو بھی تہ تیغ کر دیں اور آج یہ چیزیں جن کے تصّور سے ہی انسانیت کانپ اُٹھتی ہے روز مرہ کے واقعات میں شامل ہیں۔

اس معرکہ گیرودار [جنگ] میں آپ کو اقتصادی انقلاب کی جھلک بھی نظر آئے گی کہ بعض ممالک کی جنگ میں شرکت کا اصلی مقصد اقتصادی فوائد اور تجارتی فروغ حاصل کرنا ہے۔ ایک صنعت کا دِل دادہ ملک دوسرے ممالک کو اپنے زیرِ نگیں لانے کا اتنا خواہش مند نہیں ہوسکتا جتنا کہ وہ اپنی مصنوعات کی کھپت کے لیے منڈیاں تلاش کرنے کا متمنی ہوا کرتا ہے۔ مثلاً جاپان جس کے سیاسی اغراض سے اُس کے اقتصادی اغراض کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں اور اُس کا حقیقی مقصد اپنی تجارت کی توسیع اور مصنوعات کے لیے منڈیاں تلاش کرنا ہے اور باقی سب چیزیں اُس کے نزدیک ضمنی حیثیت رکھنے والی ہیں۔ معاشرتی انقلاب کا نمونہ روس والے ہمیں دکھلا چکے ہیں جہاں کے سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان کشمکش شروع ہوئی اور بالآخر سرمایہ دار مزدور بن گیا اور مزدور سرمایہ دار۔

مساوات کا پرچار کرنے والے مساوات پر قائم نہیں رہے اور بالشوزم ہو یا کمیونل ازم حقیقتاً ایک برسرِ اقتدار جماعت کی عیش پرستی اور کم زور جماعت کی بے کسی سے بڑھ کر کوئی جاذبِ نظر چیز ہمارے سامنے پیش نہیں کرسکتا اور اس بارے میں اِسلام کی تعلیمات ہی بنی نوع انسان کے سود و بہبود اور فوز و فلاح کی ضامن ہو سکتی ہیں اور انسانی دکھوں، دردوں، مشکلات و مصائب کا علاج نازی ازم، فسطائی ازم، سوشل ازم یا امپیریل ازم نہیں بل کہ اسلام ازم ہے اور آگے چل کر دنیا ان ازموں اور ان بے ہودہ اصولوں سے متنفّر ہو کر مجبور ہو جائے گی کہ اپنے آپ کو اِسلام کے آغوشِ رحمت میں ڈال دے اور اِسلام کے دامنِ عاطفت میں پناہ گزیں ہو۔ اگر تمدنی اِنقلاب سے مراد آج کل کے یورپ والوں کی قساوت قلبی، سنگ دلی، بے رحمی اور ظالمانہ افتادِ طبیعت ہے تو اللہ کریم سب کو ایسے تمدن کے سایہ سے بالکل محفوظ رکھیں اور اس نئی روشنی کے اندھیروں سے مامون۔

اس میں شک نہیں کہ اِنسانی عقل کی اُڑان اب دور تک پہنچ چکی ہے۔علم طبعیات کے تصّورات نے تصدیقات کا درجہ حاصل کرلیا ہے اورنئی نئی ایجادات واختراعات حشرات الارض کی طرح نئی نئی شکلوں میں ظاہر ہورہی ہیں مگر قُلْ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا[١٦] کے مطابق جس طرح کہ جوا اور شراب کی مضرتیں اُن کے منافع سے زیادہ ہیں اِسی طرح موجودہ تمدن کے فوائد کم ہیں اور نقصانات زیادہ اور پھر جب سے انسانی دماغ ہلاکت خیزی اور قتل و غارت کے لیے نئے نئے آلات تیار کرنے کی طرف راغب ہوا ہے۔سائنس نے اپنا شاہ کار، بمبار طیاروں، متحرک قلعوں اورٹینکوں کی شکل میں پیش کیا ہے اور پھر انسانی آبادی کو سُکھ اور چین، آرام واطمینان پہنچانے کی جگہ اُس کے ساکنین میں سنسنی پیدا کرنے کے ذرائع اور دہشت اور بے چینی پھیلانے کے اسباب پیدا کیے ہیں، ہمیں تو یہ تمدن نہیں وحشیت نظر آ رہی ہے اور خدا کرے اس غارت گر امن وامان اور حریفِ صلح وآشتی تمدن کا جلدتر خاتمہ ہو اور ہماری آنکھیں اس اِصلاح یافتہ تمدن کا پھر نظّارہ کریں جو کہ اسلام کی مبارک تعلیم سے فیض یاب ہوکر دنیا کے سامنے آیا اور عقل وحکمت ،فکر وتدبیر، دانش وتدبّر کے ساتھ ساتھ ہمدردی بنی نوع، قیام امن ومصالحت واخوّت کے زریں اصول سے مزیّن ہوکر اُس کا وجود دنیا اور دنیا والوں کے لیے باعثِ رحمت ثابت ہوا۔

آج دنیا میں ایک ہی غلغلہ بلند ہے اور جس براعظم میں آپ جائیں، جس ملک کا جائزہ لیں اور جس قوم کے خیالات معلوم کریں آپ کو ایک ہی آواز سنائی دے گی اور وہ ہے انقلاب کا نعرہ، انقلاب کا ذکر اور انقلاب کا چرچا اور پھر اُس کی مختلف اقسام کو مختلف ملکوں نے اپنے اپنے مفادات کے پیش نظر منتخب کرلیا ہے۔ دوسرے ممالک کے اندر پیدا ہونے والے انقلابات کی کیفیت آپ معلوم کرچکے ہیں ان کی کورانہ اتباع وتقلید کرتے ہوئے ہمارے ہندُستان کے باشندے بھی انقلاب انقلاب کی رٹ لگا رہے ہیں اور آج گرمیٔ محفل پیدا کرنے، تقریروں کو دل نشیں بنانے اور لیڈری کی دکان سجانے کا اگر کوئی بہترین ذریعہ ہوسکتا ہے تو یہی انقلاب آمیز گفت گو ہے اور انقلابی تجاویز۔اور پھر ہندُستانی اقوام میں سب سے زیادہ انقلاب پسند جماعت ہمارے ہندو بھائیوں کی ہے اور اُن کا مقصد ایک ایسے انقلاب سے ہے جس کے بعد، انگریزی راج کے بعد ہندو راج قائم ہوجائے۔متّحدہ قومیت کی شکر میں ابدی غلامی کا زہر لپیٹ کر وہ دوسری اقلیت رکھنے والی اقوام کو کھلا دیں اور ہندُستان حقیقی معنوں میں ہندُستان بن جائے۔سکھ بھائیوں کے دماغ بھی خالصتان کے خواب دیکھ رہے ہیں اور پدرم سلطان بود کی یاد رہ رہ کر انھیں ستا رہی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اِس انقلاب آفریں زمانہ اور اِس انقلاب انگیز وقت میں ہمارے مسلمان بھائی کس سوچ بچار میں ہیں۔کیا وہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہماری موجودہ حالت کا برقرار رہنا ہی ہمارے لیے موجبِ نجات ہے؟ اور ہماری موجودہ روش ہمارے بہترین مستقبل کی ضامن؟

ساری دنیا تہ و بالا ہو جائے ،نظامِ کائنات میں ہزاروں تبدیلیاں آئیں ، ہماری ہمسایہ قومیں خاک سے اٹھ کر افلاک تک جا پہنچیں ،ہندُستان کی سرزمین باوجود اتنی وسعت کے ہم پر تنگ ہو جائے ، دوسری ظالم اور جابر قومیں ہماری کم زوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ہمیں ترکِ مذہب یا ترکِ وطن کی دھمکیاں دیں ۔ ہمارے جائز حقوق پائے استحقار سے ٹھکرائے جائیں ، ہمارے معابد و مساجد وقفِ رحمِ اغیار ہو جائیں ، ہماری عزّت اور ناموس کس قدر شدید خطرہ میں پڑ جائے مگر ہم ٹس سے مس نہیں ہوں گے ۔ ہمارے مکفّر مولویوں کی عمر دراز ہو جو فرقہ وارانہ وعظ کر کے ایک ہنگامہ پیدا کر دیا کرتے ہیں ۔ ہمارے پیروں کو اللہ تعالیٰ دیر تک سلامت رکھیں جو ہمیں نظر بد سے بچنے کے تعویذ دیا کرتے ہیں اور امیرِ حزب اللہ کی طرح ہمیں خواہ مخواہ مستقبل کے گھناؤنے تصّور سے ڈرایا نہیں کرتے مگر مسلمانوں کو کان کھول کر سُن لینا چاہیے اور آنکھیں کھول کر دیکھ لینا چاہیے کہ اِس جنگ کے خاتمہ پر ہندُستان کے اندر جو انقلاب آنے والا ہے اور یہاں کی مختلف اقوام کے اندر جو کشمکش پیدا ہونے والی ہے اگر مسلمانوں نے بہ حیثیت القوم اُس سے عہدہ برا ہونے کی تیاری نہ کی اور اپنے اندر ایک زبردست انقلاب پیدا نہ کر لیا تو علما کے وعظ ، مشائخ کی خانقاہیں ، سہل پسندی اور عیش طلبی کے پیش نظر ترکِ جہاد کی تمام بہانہ سازیاں دھری کی دھری رہ جائیں گی اور آپ کو مجبور کیا جائے گا کہ آپ اپنا مذہب اسلام ترک کر کے شدھ ہو جائیں یا دوسری صورت میں ہندُستاں کی سرزمین کو خیر باد کہہ کر اپنے آبائی وطن عرب یا افغانستان کو ہجرت کر جائیں یا تیسری صورت میں انگریز کی غلامی کے بجائے ہندو کی غلامی اختیار کر لیں اور جہاں تک اس فقیر نے غور و فکر سے کام لیا ہے ۔ موجودہ حالات کی موجودگی میں کسی چوتھی صورت کے پیدا ہونے کا کوئی امکان نہیں ۔ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ اَنْ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۔[۱۷]

ہاں اگر آپ حالات کی نزاکت اور معاملات کے الجھاؤ کا احساس کرتے ہوئے اس بات کے طلب گار ہوں کہ اِس کارگاہِ عمل میں ہم بھی اپنے اِسلاف کرام کی یادگار قائم کرتے ہوئے کوئی عملی اقدام کریں گے تو پھر یہ فقیر آپ کے سامنے ایک بہترین لائحہ عمل پیش کرنے والا ہے اور مجھے یقین واثق ہے کہ اگر آپ نے میرے پیش کردہ نصب العین کے مطابق عمل شروع کر دیا تو ان شاءاللہ دوسری تمام ہمسایہ قوموں کی سازشیں اور خصومتیں آپ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گی ، اور اس کشمکش حیات میں نہ صِرف آپ کی کشتیِ حیات طوفانِ ابتلا کے تھپیڑوں سے محفوظ نکل آئے گی بلکہ اقوامِ عالم میں آپ کا وہ منصب رفیع اور عہدہ جلیل قائم ہو جائے گا جس کا کہ بہ حیثیتِ مسلم ، قانت ، مومن ، مخلِص آپ کو استحقاق حاصل ہے ۔

میرے عزیزو! مَیں آج آپ کے سامنے ایک نیا اور نرالا نظریہ پیش کرنے لگا ہوں اور یہ وہ نظریہ ہے جو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا گیا اور مسلمانوں نے اس کے مطابق عمل پیرا

ہو کر صوری و معنوی، ظاہری اور باطنی بے شمار فوائد حاصل کیے اور وہ ہے ایک انقلابی صورت جس کا تعلق سیاست یا تمدن، اقتصاد یا معاشرت سے ہرگز نہیں بلکہ انسان کی اپنی ذہنیت اور خیالات سے ہے اور اُس کا نام ہے "ذہنی انقلاب"۔ یہ وہی انقلاب ہے جو عرب کے چند بادیہ نشینوں، بے سروساماں مسکینوں، قوت لا یموت [اتنی غذا جس کے ہوتے ہوئے بندہ بھوکا نہ مرے] کے محتاج مزدوروں کے دماغوں میں ایک اِنسان کامل (روحی فداہ) نے ایک افسوں پھونک کر پیدا کر دیا۔ جن کی بگڑی ہوئی ذہنیتوں کی ایسے عجیب طریق سے اصلاح کی گئی کہ گدڑی پوشوں، فقر و فاقہ سے زندگی گزارنے والوں اور چند کھجوریں کھا کر اور دو تین گھونٹ پانی پی کر ایامِ زندگی بسر کرنے والوں کو دنیا کی بادشاہت کے خواب نظر آنے لگے اور خدا کے غلاموں نے اپنے قدموں کے نیچے خدا کی تمام سرزمین کو مفتوح حالت میں دیکھ لیا۔ اُن کا ذہن اور اُن کا دماغ دور تک جا پہنچا، اُن کی ہمتیں بلند ہو گئیں، اُن کے ارادے مضبوط ہو گئے، اُنھیں قلت و کثرت کی پروا نہ رہی، انھیں فریقِ مخالف کے ہتھیاروں کا ڈر نہ رہا، خوف و خطر اُن سے کوسوں دور بھاگ گیا اور رعب و دہشتِ غیر اللہ سے وہ ناآشنائے محض ہو گئے۔

اُنھوں نے تہیّہ کر لیا کہ خدا کے غلام کہلا کر ہم دنیا کے غلام نہیں رہیں گے اور خدائے قدّوس وقیّوم جس کا آقا ہو وہ اپنا آقا کسی اور کو نہیں بنا سکتا۔ اِس ذہنی انقلاب کے بعد مسلمانوں نے جو فتوحات حاصل کیں، مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک جس طریق سے اسلام کا جھنڈا لہرایا گیا اور تمام دنیا کو جس طریق سے خدا کے غلاموں نے مغلوب کر لیا یہ تمام باتیں آپ کو معلوم ہیں اور معلوم ہونی چاہئیں۔ اندریں حالات آپ بھی اپنے اس درد کا درمان اور اپنے اِس مرض کا علاج اغیار کے دواخانوں سے کیوں کرانے جائیں، میرِ حجاز کا دستِ شفقت اَب بھی آپ کی طرف دراز ہو سکتا ہے، دواخانہ حجاز سے پھر آپ اپنے آلام و اسقام کی دوا لے سکتے ہیں اور اپنے دامنِ مقصود کو شہنشاہ عرب (روحی فداہ) کی عطا فرمائی اور کرم گستری [مہربانی] کے طفیل پھر گوہر مراد سے بھر سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ جو نسخہ ہمارے بھائیوں کے لیے اُس زمانہ میں تجویز کیا گیا تھا اب بھی آپ استعمال کریں اور جو انقلاب ہمارے اسلاف کرام کے دماغوں میں پیدا کیا گیا تھا آپ بھی اپنے دماغوں اور ذہنیتوں میں پیدا کریں اور ذہنی انقلاب کا مقصد یہ ہے کہ آپ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ایک خیال اپنے دماغ میں جما لیں کہ ہم خدا کے غلام ہیں اور خدا کا غلام کسی اور کا غلام نہیں ہو سکتا۔ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ٥ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ [18]

عالم گیر جنگ اور ہمارے فرائض

گزشتہ سال کے خطبۂ صدارت میں اس فقیر نے موجودہ جنگ کو وقت کا سب سے ضروری مسئلہ ظاہر کیا تھا اور جس کی طرف سے بے اعتنائی اور بے توجہی خودکشی کے مُرادف بتلائی تھی۔ اب بھی نہایت دیانت

داری کے ساتھ میری یہی رائے ہے کہ یہ لڑائی جو دنیا کے تمام براعظموں میں لڑی جا رہی ہے، اس کی ہول نا کی اور عظمت سے قطع نظر اُس سے پیدا ہونے والے نتائج بے حدُ دور رس ہوں گے اور اِس معرکہِ دار و گیر کے بعد کئی قسم کے انقلابات دیکھنے میں آئیں گے۔ بادشاہتیں بدل جائیں گی، حکومتیں تبدیل ہو جائیں گی، دنیا کا جغرافیہ نئے سرے سے مرتب ہوگا۔ کئی قومیں اوجِ ارتقا سے گر کر قعرِ مذلت میں جا پڑیں گی اور کئی پستی سے نکل کر بامِ ترقی پر جا پہنچیں گی یا دوسرے الفاظ میں یہ سمجھ لیں کہ ایک تیز و تند طوفان چل آیا ہے جو بڑے بڑے درختوں اور مستحکم عمارتوں کو بیخ [جڑ] و بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک رہا ہے۔ جس درخت کی جڑیں زیادہ مضبوط اور جس عمارت کی بنیادیں زیادہ قوی ہوں گی وہ ممکن ہے کہ اس کی دست برد سے محفوظ رہ سکیں۔

جن علاقوں میں ابھی تک یہ نائرہِ حرب مشتعل نہیں ہوا۔ وہاں کے باشندے بھی اپنے تحفّظ و بقا کے لیے عملی تدابیر اختیار کر رہے ہیں اور ہمارے بھائی تُرک، باوجودے کہ تا حال شریکِ صفِ متحاربین نہیں ہوئے پھر بھی کیل کانٹے سے لیس ہو چکے ہیں اور آنے والے خطرات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لیے بالکل آمادہ کار۔ ہندو بھائی بھی باوجود غیر مسلح ہونے کے اپنی طاقت اور ہمت کے مطابق اپنے بچاؤ اور حفاظت کا سامان کر رہے ہیں۔ سکھ بھائی اِس مقابلہ میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہوشیاری اور بیداری کا ثبوت دے رہے ہیں اور مسلمانوں کی غفلت اور لاپرواہی کا جو رونا رویا جا چکا ہے اُس سے زیادہ اُن کی سہل انگاری اور سکون و جمود ماتم کے قابل ہے۔ خدا کرے ہماری خفتہ بخت اور بدنصیب قوم کے اندر بھی کوئی ولولۂ عمل پیدا ہو اور کم از کم وہ حفاظتِ خود اختیاری کے ضروری اور وقت کے نازک ترین مسئلہ کو سمجھ کر کوئی عملی اقدام کر سکے۔

جنگ کے حالات ایسے نہیں جن پر کسی طویل تبصرہ کی ضرورت ہو۔ جرمن باوجود انتہائی کوشش کے روس کو شکست نہیں دے سکا اور اگر اس موسم گرما میں بھی بے نیل مرام رہا تو پھر روس کا ایثار و قربانی جرمن کے لیے وبالِ جان ہو کر رہے گی، لیبیا اور مصر کی جنگ کا عملاً خاتمہ ہو چکا ہے بل کہ افریقہ کے براعظم سے اتحادیوں نے جرمن اور اٹلی کو نکال دیا ہے اور اتحادیوں کا یہ کارنامہ اُن کے مستقبل کے لیے نیک فال سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جرمن کی طاقت تا حال گو بالکل کم زور نہیں ہوئی مگر فاتحانہ عزائم رکھنے والی قوم کے لیے اِس قسم کی شکستیں یقیناً حوصلہ شکنی کا باعث ہو سکتی ہیں۔ جاپان کا زرد خطرہ ابھی تک بدستور موجود ہے اور ہندُستان کے ساحل اور سرحدی مقامات پر اُس سے جھڑپیں تشویش انگیز ضرور ہیں۔ خُدا کرے ہمارا ملک جو نہتا ہونے کے علاوہ اقتصادی مشکلات میں مبتلا ہو رہا ہے ہم چو قسم حادثات اور اقدامات سے محفوظ رہے اور انسانی خون کی ہولی یہاں کی سرزمین میں نہ کھیلی جائے۔

جیسا کہ آغازِ جنگ کے وقت اس فقیر نے اپنا مسلک واضح کیا تھا۔ ہماری ہمدردی بدستور برطانیہ کے

ساتھ ہے۔ جس کی وجہ آمریت اور جمہوریت کے مقابلہ میں جمہوریت کو ترجیح دینی ہے اور جنگ کے خاتمہ پر برطانیہ سے کسی بہتری کی توقع اور دوسری متحارب طاقتوں سے بالکل مایوسی ہے۔ ہمارے مخلص برادران طریقت اورحزب اللہ کے ہزاروں رضا کار میدانِ جنگ میں موجود ہیں اور افریقہ کی فتح کا پھریرا اُڑانے میں برطانوی، فرانسیسی اور امریکن افواج کے دوش بہ دوش۔ دعا ہے کہ ہمارے مسافر بھائی فتح ونصرت سے ہم کنار ہو کر جلدی اپنے اپنے گھروں میں بہ خیریت واپس آئیں اور برطانیہ اپنے قول واقرار، عہدو پیمان کے مطابق دوسرے آزاد ممالک کی طرح ہندُستان کو بھی خلعتِ آزادی عطا کر دے مگر مسلمانوں کے جائز مطالبات تسلیم کرنے کے بعد۔ ہندُستان کا مسلمان اِس تعاون واشتراکِ عمل کے معاملہ میں بے حد فرض شناس واقع ہوا ہے اور وہ حکومت برطانیہ کی امداد غیر مشروط طور پر کر رہا ہے۔ اب حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ جنگ کے اختتام پر ہماری قربانیوں کی قدردانی عطائے آزادی وقیامِ پاکستان کی صورت میں کرے اور اپنے مسلمانوں دوستوں کی حوصلہ افزائی اس طریق سے ہو کہ آئندہ بھی اُن سے بہتر توقعات قائم رہ سکیں۔

پاکستان اور ہم

گزشتہ سال اس فقیر نے غیر مبہم اور واضح الفاظ میں پاکستان کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا اور ساتھ ہی پاکستان کی وہ تشریح وتوضیح بھی جو کہ میرے دماغ میں موجود تھی۔ ہندو بھائی پاکستان کے لفظ سے خواہ مخواہ چراغ پا ہو رہے ہیں اور اُن کے جلسوں میں اس کے خلاف زہر اُگلا جاتا ہے اور جو امن سوز واشتعال انگیز تقریریں کی جاتی ہیں وہ استدلال اور معقولیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتیں۔ ایک قوم جو اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنے قیام واستحکام کے لیے ایک نظریہ پیش کر رہی ہو اور جسے سوائے اُس کے کوئی چارہ کار نظر نہ آتا ہو۔ چاہیے تو یہ تھا کہ معقول طریق سے اس کے نظریہ کا بطلان کیا جائے اور اس کے سامنے کوئی اس کا نعم البدل پیش کیا جائے۔ اُسے دھمکیوں سے مرعوب کرنا اور اپنی اکثریت اور طاقت سے خائف بنانا کون سی عقل مندی ہے؟

پچھلے دنوں لائل پور [فیصل آباد] ہندومہاسبھائیوں کا جو اجتماع ہوا ہے اور ڈاکٹر مونجے، شیاما پرشاد اور اس قماش کے لوگوں نے جس غیر ذمہ دارانہ طریق سے پاکستان کی مخالفت کی ہے بل کہ صاف لفظوں میں ہندوراج قائم کرنے کی دھمکی دی ہے اُس سے ہندو بھائیوں کی متعصّبانہ ذہنیت، خفیف الحرکتی [گھٹیا حرکتیں] اور گھبراہٹ وسراسیمگی کا نتیجہ اخذ کرنا پڑتا ہے۔ مسلمان کے پاکستان کا مقصد اسلامی راج کا قیام ہرگز نہیں بلکہ اپنے اکثریت والے صوبوں میں تناسبِ آبادی کے اعتبار سے اپنے حقوق لینے اور مرکز میں اپنی علاحدہ مجلس قائم

کرنی اور اُدھر متحدہ قومیت کے علم برداروں کے پیشِ نظر صرف ایک ہی نکتہ ہے کہ ہندوؤں کی اکثریت وہاں بھی رہے جہاں کہ انھیں اکثریت حاصل ہے اور لطف یہ کہ اقلیت رکھنے والے صوبوں میں بھی اکثریت مسلمانوں کی نہ ہو بل کہ ہندوؤں اور سکھوں کی اور اس دعوا کی دلیل یہ ہے کہ چوں کہ ہندُستان ہندوؤں کا اصلی وطن ہے اور مسلمانوں کی بعض قومیں دوسرے ملکوں سے یہاں آ کر آباد ہوئی ہیں اس لیے اُن کی تعداد کسی صوبہ میں خواہ زیادہ کیوں نہ ہو حکومت بہ ہر حال ہندوؤں کی ہوگی۔

چند ماہ گزرے ڈاکٹر مونجے صاحب نے ناسک میں ایک تقریر فرمائی کہ ہندُستان میں جو مسلمان آباد ہیں اُن کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کے آبا واجداد ہندو تھے اور کسی ترغیب و تحریص سے مسلمان ہو گئے دوسرے وہ جو کہ باہر سے آ کر آباد ہو گئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ چوں کہ ہندُستان کے اصلی باشندے آرین نسل سے تعلق رکھنے والے ہیں اس لیے نومسلم اقوام کو ہم شدھی کر کے اپنے ساتھ ملا لیں گے اور وہ بطیّبِ خاطر ہندوؤں میں مدغم ہو جائیں گے۔ البتہ باہر سے آنے والی قومیں ہماری بات نہیں مانیں گی اس لیے یا تو انھیں ہجرت کر کے اپنے آبائی وطن کو چلے جانے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر وہ یہاں رہنے پر مصر رہے تو پھر انھیں ہر ایک جگہ ہندو کا غلام رہ کر گزارہ کرنا پڑے گا۔ اس میں شک نہیں کہ تقریر کے الفاظ نہایت اشتعال انگیز اور دل خراش ہیں اور ہندو بھائیوں کے دلی جذبات و خیالات کے بالکل صحیح ترجمان اور آئینہ دار۔

اس کے جواب میں ہم ڈاکٹر صاحب اور دوسرے ہندو مہا سبھائی لیڈروں کی خدمت میں یہ عرض کر سکتے ہیں کہ نہ تو مسلم اقوام آپ کے کہنے کہلانے سے ترکِ مذہب کو تیار ہیں اور نہ ہی نو وارد مسلم اقوام ترکِ وطن اور ہجرت پر آمادہ اور الزامی طور پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہندُستان پر حکومت کرنے کا حق صِرف اُس قوم کو ہے جو شروع سے اس میں رہائش رکھنے والی ہو تو پھر ہندو بھائیوں کو بھی مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کرنی پڑے گی جب کہ ان کے آبا واجداد بھی اُن کی تاریخ کے مطابق ترکستان سے آئے تھے اور چوں کہ اس اعتبار سے آرین نسل کا اصل وطن ہندُستان نہیں لہٰذا ہندُستان کو اُس کے اصل باشندوں یعنی اچھوت اقوام چوہڑوں، چماروں، بازی گروں، گونڈ اور بھیلوں کے حوالے کر دینا چاہیے مگر یہ سارے مباحث بے سود اور لا حاصل ہیں۔ ہندوؤں کے دباؤ سے مسلمان ہندُستان کو نہیں چھوڑ سکتا اور مسلمان ہندوؤں یا سکھوں یا کسی دوسری قوم کو ہندُستان سے باہر نہیں نکال سکتا۔

سوال ملکی بھائیوں اور ہمسایوں سے مل کر گزر اوقات کا ہے اور ہمارا مطالبہ بالکل جائز کہ جہاں تمھاری آبادی زیادہ ہے تم اُس کے مطابق اپنے حقوق لے لو اور جہاں ہم زیادہ ہیں ہم اپنی تعداد کے مطابق حقوق لے کر رہیں گے پھر اگر ہمارے مطالبات آپ صلح اور آشتی سے تسلیم کر لیں تو چشم ما روشن دلِ ما شاد[19] لیکن دوسری

صورت میں اگر آپ پاکستان نہیں بننے دیں گے تو ہندُستان کا خواب بھی کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔ آج کا مسلمان کم زور سہی، ناعاقبت اندیش سہی، اتحاد و اتفاق کی دولت سے محروم سہی مگر وہ اتنا بے غیرت اور بے حمیت نہیں کہ اپنے قتل کے فتوا پر خود دستخط کر دے۔ ہم اپنے مشتعل اور غضب ناک ہندو بھائیوں کی طرح دائرۂ تہذیب سے باہر جانے کو ہرگز تیار نہیں مگر انھیں یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہندُستان میں پاکستان بنے گا اور ضرور بنے گا۔ حکومت مجبور ہوگی کہ پاکستان کی تصدیق کر دے۔ آپ مجبور ہوں گے کہ بالآخر اُسے منظور کر لیں اور مسلمان جب تک زندہ ہے اور دس کروڑ نفوس میں سے ایک فردِ واحد بھی باقی ہے وہ انگریز کی غلامی سے نکل کر آپ کی غلامی ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ ہاں اگر آپ ہمارے ساتھ برادرانہ اور شفقت آمیز برتاؤ کریں، ہمارے جائز حقوق اور مطالبات کو تسلیم کر لیں تو پھر ہمارا آپ کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور ہم آپ کا ادب و لحاظ اُسی طریق سے کریں گے جس طرح کہ ایک چھوٹا بھائی بڑے بھائی کا کیا کرتا ہے اور آئندہ کے تعلقات کا تمام تر دار و مدار اور انحصار آپ کے اپنے طرزِ عمل پر موقوف ہے۔

جیسا کہ گزشتہ سال ظاہر کیا گیا تھا حزب اللہ کی جماعت نہ صرف پاکستان کی زبردست حمایت کرے گی بل کہ اُس کے حصول کی خاطر جو بھی قربانی کرنی پڑی ہمیں اُس سے بھی دریغ نہیں ہوگا۔ قائداعظم مسلم لیگ مسٹر محمد علی جناح پر ہمیں پورا اعتماد ہے اور انھیں یقین دلانا چاہتے ہیں کہ کم از کم پاکستان کے مسئلہ میں غیر مشروط طور پر ہم اُن کا ساتھ دیں گے۔ وَبِیَدِہِ التَّوفِیق۔[۲۰]

امتحان ہونے والا ہے

اخلاص کیش ارکانِ حزب اللہ اور سرفروش رضا کارو! آج حزب اللہ کی تاسیس و تشکیل کو سولہ سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور اندریں اثنا بے شمار مشکلات کے باوجود اس فقیر نے اپنا پیغامِ عمل مسلمانوں کے کانوں تک پہنچانے، ان کی مسخ شدہ ذہنیت کی اِصلاح اور اُن کے اندر ایک جماعتی نظام قائم کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اس عرصہ میں جو کام ہوا ہے وہ معمولی نہیں بل کہ ایک طرف اگر میری ناچیز ہمت اور طاقت پر نظر ڈالی جائے اور دوسری طرف کام کی وسعت اور اہمیت کو دیکھا جائے تو بلا ریب تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس میں نصرتِ الٰہی اور تائیدِ غیبی کو خاص دخل ہے۔ گرمی ہو یا سردی، موسم موافق ہو یا ناموافق، مینہ برس رہا ہو یا مطلع صاف، دنیا میں رزم کی گرم بازاری ہو یا بزم کی دل فریبی، ہر ایک مانع اور رکاوٹ کو خاطر میں نہ لا کر حزب اللہ کا کاروان چلتا رہا ہے اور ان شاء اللہ چلتا رہے گا۔ مخالفین اور منافقین کس زمانہ میں نہیں گزرے؟ ہمیں اُن سے کوئی سروکار نہیں، اُن سے کوئی پرخاش نہیں۔ اگر انھیں یہ ادا نہیں بھاتی تو نہ بھائے، اپنی اپنی پسند اور افتادِ طبیعت

ہوا کرتی ہے۔

ہمارا مقصد وحید اس گئے گزرے زمانہ میں اِسلام کو فروغ دینا، مسلمانوں کا مستقبل سدھارنا اور انھیں کفرزا ہند میں عزت وآبرو کے ساتھ رہنے کے قابل بنانا ہے۔ ارکانِ خمسہ کی پابندی، رسوم و رواجات کی اصلاح ،تجارت کی طرف رغبت، مقدمہ بازی سے ممانعت، اطاعتِ امیر کا بھولا ہوا سبق یاد دلانا، مسلمانوں کی تنظیم اور اُن کے اندر مجاہدانہ احساسات پیدا کرنے سب اُسی ایک زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں۔

یہ فقیر آپ کو بار بار یاد دلا چکا ہے کہ آنے والا زمانہ بڑا نازک ہے اور ہندُستان کے مسلمان کی عزت و آبرو کا نہیں بل کہ موت اور زندگی کا فیصلہ ہونے والا ہے اور اب وہ وقت بالکل قریب آ چکا ہے جب کہ حزب اللہ کی جماعت کو میدانِ عمل میں نکلنے کی دعوت دی جائے گی اور آپ کو ایثار اور قربانی کے لیے بلایا جائے گا۔ اپنی ہمتوں کو مضبوط بنالو، اپنے عزائم استوار کرلو اور اپنے اسلاف کرام کی تقلید واتباع کرتے ہوئے مسکراہٹ اور خندہ پیشانی سے موت کے ساتھ بغل گیر ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

رضا کارانِ حزب اللہ! آپ نے میرے ساتھ حلفیہ وعدہ کر رکھا ہے کہ اسلام کی خاطر ہر قسم کی قربانی کریں گے اور ہر مصیبت اور تکلیف جو اعلائے کلمتہ اللہ کے طفیل سامنے آئے گی مردانہ وار برداشت کریں گے۔ اب امتحان ہونے والا ہے۔ کھرے کھوٹے میں تمیز ہونے والی ہے۔ خدا کے بندوں اور نفس کے بندوں کے درمیان امتیاز ہونے والا ہے۔ آؤ! سب مل کر اسلام کے جھنڈے کو سب جھنڈوں سے اونچا کریں، خدائی احکام کو دنیاوی احکام سے مقدم بنائیں، شہنشاہِ ارض وسما کی حکومت دنیا میں قائم کریں اور اسلامی راج نہیں بل کہ خدائی راج کی داغ بیل ڈالیں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، ایامِ حیات چند روزہ ہیں۔ خُدا کے راستہ میں جان دینا حقیقی اور دائمی زندگی ہے اور زندگانی پیاری کرنی موت کے مُرادف۔

خداوند کریم کی فوج کے سپاہیو! بگل بجنے والا ہے، مستعد اور ہوشیار ہو جاؤ اور امیر کے احکام کے انتظار میں گوش برآواز۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جن کی زندگی اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی میں بسر ہو اور جن کو موت اِسلام کو زندہ کرنے کی خاطر آئے۔

چند ضروری گزارشات

میرے عزیزو! خطبۂ صدارت یا میرے خیالات کا آئینہ آپ کے سامنے آ چکا ہے اور حزب اللہ کا اصل مقصد واضح ہو چکا ہے۔ مَیں نے دعوت وتبلیغ کا فرض اَدا کر دیا ہے اور اُس پر پورے طور سے کاربند اور عامل ہونے کا فرض آپ کے ذمہ ہے۔ حسبِ ذیل گزارشات نہایت ضروری ہیں اور یہ فقیر آپ کو ان کی دعوتِ عمل دیتا ہے۔

۱۔ ارکانِ خمسہ کی زبردست پابندی کریں۔

۲۔ گناہوں اور برائیوں سے اپنا دامن بچائے رکھیں اور اپنے اخلاق اور سیرت کو بلند بنائیں۔

۳۔ ذہنی انقلاب کے ماتحت یہ خیال آپ کے دل و دماغ میں مرکوز ہو جائے کہ ہم خدا کے غلام ہیں اور خدا کا غلام دنیا میں کسی اور کا غلام نہیں رہ سکتا۔

۴۔ اپنی غلامی کا مظاہرہ اپنے آقا کے احکام کی پوری تعمیل کی صورت میں ہونا چاہیے۔

۵۔ شوقِ جہاد اور درجۂ شہادت حاصل کرنے کی تمنا ہر ایک خواہش پر غلبہ حاصل کرے۔

۶۔ اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر ہر قسم کی مالی اور جانی قربانی کے لیے کمر بستہ ہو جائیں۔

۷۔ کسی موقع پر طبعی گھبراہٹ یا سراسیمگی نہ دکھائیں بل کہ صبر و تحمل و برداشت کی تصویر بن جائیں۔

۸۔ یاس و قنوط اور ناامیدی کے جذبات و خیالات کو دل سے نکال دیں اور اُس کی جگہ خود اعتمادی، بلند ہمتی و بلند خیالی پیدا کریں۔

۹۔ کوئی نہ کوئی ورزش ضرور کیا کریں اور اپنے بدن کو مضبوط اور کسرتی بنانے کی کوشش کریں۔

۱۰۔ جب تک امیر کوئی حکم نافذ نہ کرے از خود کوئی اِقدام ہرگز نہ کریں۔

خاتمۂ کلام

محترم بھائیو! مَیں نے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا ہے۔ مَیں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے میری باتیں غور اور توجہ سے گوش گزار کیں اور آپ کو میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ آخر زمانہ میں مَیں نے آپ کے سامنے قرونِ اولیٰ کا نقشہ پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق بخشیں کہ جو کام مَیں نے شروع کر رکھا ہے اُسے درجۂ تکمیل تک پہنچا کے چھوڑوں اور جو پروگرام میرے سامنے اِسلام کی ترقی اور مسلمانوں کی بہتری کا ہے وہ پورا ہو کر رہے اور آپ کو توفیق بخشیں کہ میرے پیش کردہ لائحۂ عمل اور نصب العین پر عامل اور گامزن ہو کر دنیا کی عزّت و آبرو سے آخرت کی فوز و فلاح حاصل کریں۔ آمین! وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن ؕ۔

....

حواشی

۱۔ التوبہ ۹: ۳۸ تا ۴۲۔

۲۔ ابراہیم ۱۴: ۲۰۔

۳۔ الحج ۲۲: ۵۔

۴۔ ناک کو رگڑتے ہوئے بہ معنی نہ چاہتے ہوئے۔ (عربی محاورہ)

۵۔ ترجمہ: ہوجاتو ہوجاتا ہے۔ (ضرب المثل)

۶۔ ترجمہ: (ذرا) اس کمینہ پرور زمانے کی بنیاد کو تو ملاحظہ کرو۔

پہلا مصرع یہ ہے: ''زمرغانِ حرم درکامِ زاغان طعنہ انداز د''

(حزیں لاھیجی، شیخ علی، غزلیات، شمارہ نمبر ۷۶۳)

۷۔ النمل ۲۷: ۳۴۔

۸۔ الانفال ۸: ۳۹۔

۹۔ الحجرٰت ۴۹: ۱۰۔

۱۰۔ حُفَاۃٌ اسم فاعل حَافِی کی جمع ہے۔ بہ معنی ننگے پاؤں والے اور عُراۃٌ۔ اسم فاعل عارِی کی جمع ہے، بہ معنی ننگے بدن والے مطلب واجبی سالباس پہننے والے۔

۱۱۔ دوسروں کی تباہی پر خوش ہونا۔ (انگریزی محاورہ)

۱۲۔ ترجمہ: پس افسوس پھر افسوس۔

۱۳۔ ترجمہ: ہر رائے والا اپنی رائے کو پسند کرتا ہے۔ (عربی مقولہ)

۱۴۔ الطبرانی: سلیمان بن احمد، الطبرانی، المعجم الاوسط، جز ۴، ص ۱۴۸، حدیث ۳۸۳۹۔

۱۵۔ ترجمہ: تو خود اس اختصار سے بات کی تفصیل سمجھ لے۔ (ضرب المثل مصرع)

پہلا مصرع یہ ہے: ع من از مفصل ایں نکتہ مجملی گفتم (عمان سامانی، قصائد، شمارہ نمبر ۱۰)

۱۶۔ البقرہ ۲: ۲۱۹۔

نوٹ: قرآن پاک میں یہ آیت قُلْ فِيهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ز وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط ہے۔

۱۷۔ سورۃ الطلاق ۶۵: ۱ میں یُحْدِثُ کے بعد اَنْ نہیں ہے۔

۱۸۔ مدثر ۷۴: ۵۴، ۵۵۔

نوٹ: خطبہ میں یوں تھا: ان ھذہ لتذکرۃ و من شاء ذکرہٗ۔

۱۹۔ ترجمہ: آنکھیں ہماری روشن اور دل ہمارا خوش۔ (ضرب المثل)

۲۰۔ ترجمہ: اور اُسی کے ہاتھ میں توفیق ہے۔ (عربی جملہ)

◆◆◆

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ

حضرت مولینا ابو البرکات

سید محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالی

سجادہ نشین جلالپور شریف امیر حزب اللہ

کا

خطبہ صدارت

جو

آپ نے حزب اللہ کے سترھویں

سالانہ اجلاس پر

ارشاد فرمایا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط☆

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا وَ حَبِیْبِنَا وَشَفِیْعِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ وَاَشیاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ O اَمَّابَعْدُ فَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ فِیْ قُرْاٰنِہِ الْمَجِیْدِ وَفُرْقَانِہِ الْحَمِیْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O وَ دَخَلَ مَعَہُ السِّجْنَ فَتَیٰنِ ط قَالَ اَحَدُھُمَآ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ج وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْکُلُ الطَّیْرُ مِنْہُ ط نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِہٖ ج اِنَّا نَرٰىکَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ O قَالَ لَا یَاْتِیْکُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِہٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُکُمَا بِتَاْوِیْلِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَکُمَا ط ذٰلِکُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ط اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّۃَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ O وَ اتَّبَعْتُ مِلَّۃَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ط مَا کَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِکَ بِاللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ ط ذٰلِکَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ عَلَیْنَا وَعَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ O یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ O ط مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْھَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ ط اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ ط ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ O[1]

علمائے کرام وعزیزانِ ذوی الاحترام! خدا کرے آپ کا اس شدید موسم میں یہاں تشریف لانا بہترین اور شان دار نتائج کا حامل ہو اور ہمارا یہ اجتماع محض گفت وشنید اور زبانی جمع خرچ تک محدود نہ رہے بل کہ جو عظیم الشان دستور العمل اور اعلاترین حقیقت آپ کے سامنے آنے والی ہے، رشد وہدایت کی جو راہیں آپ پر کھلنے

☆ ۴/۵ جمادی الثانی ۱۳۶۳ھ بہ مطابق ہفتہ ۲۷ مئی/ اتوار ۲۸ مئی ۱۹۴۴ء کی درمیانی شب پڑھا گیا منظور کاتب ملتانی، بیٹھک کاتباں، لاہور نے اس کی کتابت کی اور گیلانی الیکٹرک پریس، لاہور سے چھپا۔

والی ہیں آپ اُن پر عمل پیرا ہونے اور کمر بستہ ہو کر چلنے کے لیے تیار ہو جائیں کہ موجودہ وقت میں سب سے اہم واقدم [سب سے پہلے] منزل مقصود کا تعیّن اور پھر وہاں پہنچنے کے لیے والہانہ اقدام اور مجاہدانہ قدم اُٹھانا ہے اور مبارک ہیں وہ لوگ جنھیں نشانِ راہ دینے اور منزل مقصود پر پہنچانے والا کوئی دوسرا نہیں بل کہ راستہ خود رہ نمائی کر رہا ہے اور منزل تک پہنچنے سے پہلے وہ خود تقدیم کے لیے آنے والی ہے۔

یہ نرالی داستان سننے اور یہ انوکھی حقیقت معلوم کرنے کے لیے اگر آپ نے غور وفکر سے کام لیا اور دنیا کے بکھیڑوں اور جہان کے خرخشوں سے تھوڑی دیر چشم پوشی اور بے التفاتی کر کے ایک جہانِ جمال آرا کی جھلک دیکھ لی اور شاہدِ حقیقی کے جلوۂ زیبا سے اپنی آنکھیں روشن کر لیں تو پھر آپ کا یہاں آنا یقیناً نتیجہ خیز اور سودمند ہوگا۔ وَبِیَدِہٖ التَّوفِیۡق۔[۲]

فلسفہ حیات

اربع عناصر کے امتزاج واعتدال اور ایک جسم اور روح کے باہمی ارتباط واختلاط [تعلق اور ملنے] کا نام حیوان ہے اور فلسفیوں کی یہ تعریف اس کے ہر نوع پر صادق آنے والی ہے کہ جِسۡمٌ نَامٍ حَسَّاسٌ مُتَحَرِّكٌ بِالۡاِرَادَةِ[۳] کہ ایک جسم بڑھنے والا، احساسات رکھنے والا اور اپنی منشا کے مطابق حرکت کرنے والا اور پھر اُس کی سینکڑوں اقسام ہیں۔ جن میں سے بہ لحاظِ شرف ومجد وبہ لحاظِ عقل وفکر، دانش وبینش انسان سب سے مختار ومفتخر ہے اور باوجودے کہ دوسرے بعض حیوانات قد وقامت اور جسامت کے اعتبار سے اس سے کہیں بڑھ کر ہیں مگر سب کے سب اُس کے مطیع اور تابع فرماں۔ اس لیے کہ اُن کی زندگی خورد ونوش، جاگنے سونے اور بعض اضطراری حرکات پر محدود ہے اور حضرت انسان کو قدرت نے حواس خمسہ ظاہری کے علاوہ حواس خمسہ باطنی بھی عطا فرمائے ہیں۔ فہم وذکا، علم وبصیرت، حقیقت شناسی ومعاملہ فہمی کی نعمتوں سے مالا مال کیا ہے اور حقائق الاشیا کا علم بخش کر اُسے مسجودِ ملائک بنایا ہے ۔[۴]

انسانی خلقت سے پہلے دنیا کی عجیب کیفیت تھی۔ سورج کی روشنی، چاند کی ضیا پاشی، ستاروں کی جگمگاہٹ اِسی طرح سے ہوگی مگر کوئی اُن کا قدردان نہ تھا۔ مناظرِ قدرت اِن ہی رعنائیوں اور زیبائیوں کے ساتھ جلوہ نما تھے مگر کوئی داد دینے والا نہ تھا اور کوئی آنکھ اُن کی دید سے حلاوت اندوز ہونے والی نہ تھی۔ آبشاروں کا گرنا، سبزوں کی لہلاہٹ، پھولوں کا کھلنا، کلیوں کا چٹکنا، موسم بہار کا اپنی ساری دل فریبیوں سمیت آنا، بادِ نسیم کے جھونکے، بادلوں کا گھرنا، رعد کی کڑک، بجلی کی چمک، قوس قزح کی رنگینی، موسموں کے تغیرات، چلچلاتی دھوپ اور کڑکتی سردی، قلعہ ہائے کوہ وتودہ ہائے برف، دریاؤں کی روانی، سمندروں کی طغیانی اور اُن کا مد وجزر سب کچھ

تھا مگر محض بے کار اور سوائے صانعِ حقیقی وخلاّقِ ازلی کوئی ان چیزوں کا قدر دان نہ تھا اور نہ ہی ان عجائبات ونوادر کا قدر شناس۔ بالآخر فطرت نے دنیا کے سامنے اپنا شاہ کار انسانی شکل میں پیش کیا اور فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[۵] نے کُنْتُ کَنْزاً مخفیاً فَاَرَدْتُ اَنْ اُعْرَف[۶] کہ مَیں ایک پوشیدہ خزانہ تھا اور مَیں نے چاہا کہ میرے پہنچاننے والے پیدا ہو جائیں لفظ کُن سے ایک نئی مخلوق کی بنیاد ڈال دی، دستِ قدرت نے خود جس کی تخلیق کی اور مشاطہ فطرت نے خود اُس کی تزئین۔[۷]

فرشتے جن کا مآل زندگی تحمید وتمجید، تقدیس وتسبیح کے سِوا کچھ نہ تھا اس عجیب الخلقت مادی اور جسمانی کالبد کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے جو تنفّر [نفرت] پیدا ہوا کرتا ہے اسی جذبہ کے ماتحت کچھ اعتراض بھی کر بیٹھے[۸] مگر زجر وتوبیخ [ڈانٹ ڈپٹ] سے تھرا گئے اور بالآخر سیّدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے انھیں سرِ اطاعت خم کرنے اور ان کے آستان پر اپنی جبینِ نیاز رگڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔

انسان دنیا میں نو وارد ہو کر آیا مگر آتے ہی اُس نے تمام کائنات میں ہلچل مچا دی۔ سورج بے چارہ متقدمینِ فلاسفہ کے نظریہ کے مطابق متحرک تھا یا موجودہ سائنس دانوں کے خیال کے مطابق ساکن، بہ ہر حال اُس کا کام طلوع وغروب، بے پناہ ضوافگنی اور چکا چوند کرنے والی روشنی کے سوا کچھ نہ تھا۔ انسان نے آ کر اُس کی کرنوں اور شعاعوں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اُس کی گرمی سے فصل پکائے، غریبوں نے موسم سرما میں اُس سے آگ کا کام لیا، امریکا والوں نے کئی ہسپتال بنا ڈالے جہاں صرف مختلف الالوان [رنگوں] شیشوں پر شعاعوں کا انعکاس کئی قسم کے امراض کا واحد اور مجرّب علاج ہے۔

چاند کی ہلکی چاندنی بہ ظاہر اداسی پیدا کرنے والی تھی مگر مفکر انسان نے اس میں ہی دل چسپی کے سامان پیدا کر لیے۔ فصلوں، درختوں اور پودوں کی نشوونما پر اُس کے خوش گوار اثرات پڑتے ہیں۔ اُن سے قطع نظر فطرت کا حُسن جتنا چاندنی رات میں دل آویز ہوا کرتا ہے اور مظاہر قدرت کا جو دل فریب نظارہ روشن راتوں کو نظر آیا کرتا ہے اُس کی کیفیت وہی لوگ جان سکتے ہیں جنھیں کہ بصارت کے علاوہ بصیرت بھی بخشی گئی ہو۔

آسمانی بجلی کے قمقمے یا چمکنے والے ستارے رات کو اگر باہم دگر چشمک زنی کرتے نظر آئیں تو یہ ان کی سرشتِ قدیم ہے مگر فطرت شناسی کا صحیح مذاق رکھنے والے انسان کے سوا اور کون ہے جو ان کی حسن وخوبی اور رعنائی وزیبائی کا صحیح معائنہ کر سکے۔ مختلف ممالک کے مشہور ادیبوں اور شاعروں نے ستاروں کے متعلق جو بلیغ اور انوکھی تصویریں کھینچی ہیں، عجیب وغریب تلمیحات اور استعاروں سے جو کام لیا ہے اور جس قسم کی نادر تشبیہیں دی ہیں وہ اربابِ ذوق واصحابِ معانی سے پوشیدہ نہیں اور پھر وَبِالنَّجمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ[۹] کے مطابق بحری جہازوں کا ستاروں کی سمتوں کو پیشِ نظر رکھ کر چلنا، ہوائی طیاروں کا انھیں اپنا صحیح رہ نما بنانا، گم کردہ راہ مسافروں کا

انھیں دیکھ کر نشانِ منزل ڈھونڈھ لینا ایسے بدیہی واقعات ہیں جن سے کہ فطرت کی یہ حسین ترین مخلوق خود بھی ناواقف ہے۔ پھر یہی کیفیت آپ کو کائنات کی ہر شے میں نظر آئے گی کہ حسن تو موجود تھا مگر حسن شناس کوئی نہ تھا۔ نیچر کی خوب صورتی میں تو کسے کلام ہوسکتا ہے مگر اس کی مدحت سرائی کون کرتا اور نظامِ عالم کی ترتیب و تدوین، اُس کا نظم و نسق، منظّم اور مدّبر کی حیرت انگیز طاقت اور بے نظیر اقتدار تو موجود تھا مگر اُس کی اس عجوبۂ روزگار صناعی اور بے مثال کاری گری پر عش عش کرنے والا مفقود۔

اُدھر انسان کی تخلیق ہوئی اور اِدھر کائنات کے راز ہائے سربستہ کا انکشاف ہوگیا۔ اشیا تو موجود تھیں مگر ان کی حقیقتیں مستور اور انسان نے آتے ہی سب چیزوں کا حکیمانہ تجزیہ شروع کر دیا۔ خودرو بوٹیوں، گھاسوں اور بن اگائے اُگے ہوئے درختوں کو اُس نے بے کار نہیں چھوڑا بل کہ لکڑیوں کا ایندھن بنایا، اُن سے مکانات تعمیر کیے، پُل بنائے اور جڑی بوٹیوں سے دوائیں تیار کیں اور سیکڑوں امراض کا علاج ڈھونڈھ نکالا۔ زمین کا چپہ چپہ کھود کر اُس نے کئی قسم کی دھاتیں سونا، چاندی، لوہا، سکہ، پیتل وغیرہ برآمد کیں۔ پٹرول اور کوئلہ جیسی کارآمد چیزیں تلاش کر لیں جن پر کہ انسانی تمدن کا تمام دارومدار ہے۔ پھر اُس نے سمندروں کا رخ کیا اور ان کا کونہ کونہ چھان مارا اور آج غالباً کرہ ارض کے اردگرد محیط سمندروں میں سے کوئی جگہ بھی ایسی نہیں جو انسانی دست برد اور تصرّف سے محفوظ ہو اور صرف سمندروں کو ہی نہیں کھنگال ڈالا بل کہ اُن کے وسیع اور گہرے پانیوں پر بھی حضرت انسان کو اقتدار کامل حاصل ہے اور اُس کی بنائی ہوئی کشتیاں اور جہاز سمندر کی سطح پر آبی جانوروں کی طرح تیرتے نظر آتے ہیں۔ ہوائی کرہ جو کسی زمانہ میں صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کے زیرِ تصرف رہ چکا ہے[۱۰]، آج انسان نے اس پر مکمل اختیار حاصل کر لیا ہے اور جہاں کہ پہلے ملکوں اور آبادیوں کی تقسیم زمین کی حدود کے مطابق ہوا کرتی تھی اب اس طریق سے ہوائی کرّہ باہم دِگر منقسم ہوا کرے گا اور آئندہ کسی ملک کی سَطوت یا اقتدار کا اندازہ اُس کی برّی فوج کی کمی وبیشی سے نہیں لگایا جائے گا بل کہ جس حکومت کے پاس ہوائی طاقت زیادہ ہوگی وہی غالب اور فاتح متصور ہوگی۔

اس کے بعد ایجادات واختراعات پر نظر ڈالیں انسانی عقل، شعور، فہم وفراست، غور وفکر کی ترقی کہاں تک جا پہنچی ہے۔ وہ انسان جو اپنے ابتدائی دور میں پہاڑوں کی غاروں اور بھٹوں میں رہا کرتا تھا۔ جس کی گزراوقات درختوں کے پھل اور پتے تھے۔ جس کے بدن پر کیلے کے پتوں کے سوا کوئی لباس نہ تھا اور جو دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے تیز دھار والے پتھروں کی تلاش کیا کرتا تھا آج اُس کی سر بہ فلک عمارات، اس کے دسترخوان پر سیکڑوں خوش ذائقہ کھانے اور دشمن کے خلاف استعمال ہونے والے بیسیوں قسم کے آلاتِ حرب، توپیں اور بندوقیں، مشین گنیں اور بم دیکھ کر آپ اُس کے ذہنی، علمی اور عقلی ترقی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کائنات کا

کون سا راز ہے؟ جو اس سے چھپا ہوا ہے اور دنیا کی کون سی شے ہے جس کی حقیقت وہ معلوم نہیں کر سکا مگر صحیح بات تو یہ ہے کہ یہی علم اُس کی بے علمی کی دلیل ہے۔ اسی دانش و بینش نے اسے عقل و فکر سے محروم کر دیا ہے اور طرّہ یہ کہ سب کچھ جاننے کے باوجود وہ کچھ نہیں جانتا۔ وَلَنِعۡمَ مَاقِیۡلَ۔[11]

معلومم شد کہ ہیچ معلوم نہ شُد[12]

رازِ کائنات

انسانی زندگی آلام و اسقام سے بھرپور نظر آتی ہے اور حزن و ملال، مصیبت اور درد کے واقعات روزمرہ کی باتیں ہیں۔ انسان اپنے دکھوں اور دردوں کی وجہ سے آنسو بہاتا ہے۔ تکالیف اور مصائب کی گھڑیاں اُسے صفِ ماتم بچھانے پر مجبور کرتی ہیں۔ اعزہ و اقارب کی جدائی اس کے لیے سوہانِ روح بن جاتی ہے اور مرنے والوں کی یاد میں وہ آہ و بکا، نالہ و فریاد کا عادی ہے مگر دنیا میں سب سے بڑا ماتم اُس کی بے راہ روی کا ماتم ہے اور سب سے بڑی مصیبت اُس کی غفلت اور جہالت ہے۔ اس لیے کہ ظاہری دردوں کا علاج ممکن ہے، لاحقہ عوارض رفع ہو سکتے ہیں، زخموں کا اِندمال [مندمل ہونا] آسان ہے، مرنے والے مرورِ ایام کے بعد بھول جایا کرتے ہیں لیکن ایک مسافر کا منزلِ مقصود کی طرف چلنے کی بجائے مخالف سمت کی طرف چل پڑنا کس قدر افسوس ناک ہے۔ ایک پیاسا اگر دریا کی طرف قدم اٹھانے کی جگہ ایک بے آب، لق و دق صحرا کی طرف چل نکلے تو اُس کی ہلاکت کتنی یقینی ہے اور ایک صحیح الدماغ، اعلا ذہانت والے شخص سے بجائے عقل مندانہ گفت گو کے مجنونانہ اور غیر ذمہ دارانہ حرکات کا صدور کس حد تک طبعِ سلیم پر شاق ہوا کرتا ہے۔ یہی کیفیّت حضرتِ انسان کی ہے کہ جس غرض سے اس کی تخلیق ہوئی تھی۔[13] جس بلند ترین مقصد اور اعلاترین نصب العین کو لے کر وہ دنیا میں آیا تھا اور قوّتِ تمیزی، ادراک اور معرفت کے جن جواہر ریزوں سے اُس کا سینہ معمور ہو چکا تھا اس نے سب باتوں کو طاقِ نسیاں پر رکھ دیا، تخلیق کی غرض کو بھول گیا، مقاصد عالیہ کو فراموش کر بیٹھا اور حقائق و معارف سے منھ موڑ کر ظن و تخمین، قیاسات و توہمات کی بھول بھلیوں میں جا پڑا۔ وہ جو کائنات کا راز معلوم کرنے آیا تھا خود کائنات کا ہو کر رہ گیا۔ مظاہرِ قدرت کی ٹوہ لگانے والا قدرت کی صنعتوں کا دل دادہ ہو گیا اور نیچر کی لم [گہرائی] تک پہنچنے والا طلسمِ ہست و بود میں اپنا سب کچھ کھو بیٹھا۔ اس میں شک نہیں کہ صنعت عجیب تھی اور جاذبِ توجہ مگر اس سے بڑھ کر اس کا صانع لائق ہزار ستائش و تحسین تھا۔ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ۔[14]

مخلوق پر مر مٹنے والے نے کبھی خالق کا تصوّر کیا ہے؟ سورج کا وجود، اس کا حجم، اس کی تیز شعاعیں، اُس کی حرارت و تمازت، چاند کی لطیف اور ٹھنڈک پہنچانے والی ضیا، ستاروں کی چمک دمک، درخشانی و تابانی،

زمین کی وسعت ،آسمان کی پہنائی، پہاڑوں کی چوٹیاں، جنگلوں کا پھیلاؤ، ریت کے ٹیلے، پانی کے چشمے، دریاؤں کا بہاؤ،سمندروں کا تلاطم، پھولوں کے مختلف رنگ، پھلوں کے مختلف ذائقے، درختوں کے مختلف اقسام، حیوانات کی زندگی اوران کا تنوّع، خودنوعِ انسان میں عجیب وغریب تفاوت، ان کے قد وقامت، خدوخال، صورت وسیرت میں تباین وتضاد یہ سب چیزیں ایک کھلی ہوئی کتاب کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں مگر کبھی یہ بھی سوچا گیا ہے کہ اس کتاب کا مصنف کون ہے؟ اور یہ تمام کاری گریاں کس کاری گر پر دلالت کرنے والی ہیں؟

اگر دنیا میں صانع وصنعت، خالق وخلقت، علّت ومعلول کا سلسلہ موجود ہے تو پھر ان اجرامِ سماوی کا بھی کوئی خالق ضرور ہوگا۔ اگر آپ کے گرد وپیش کی کوئی چیز بھی خود بہ خود معرضِ وجود میں نہیں آئی حتا کہ آپ کے ملبوسات، مشروبات و ماکولات بھی اسی نظریہ کے ماتحت کسی صانع یا کاری گر کے محتاج نہیں بل کہ خود آپ کا سِلسلہ توالد وتناسل انھی اسباب ومسبّب والی زنجیر کی ایک کڑی ہے۔ پھر خدارا! مجھے بتاؤ کہ یہ نظامِ عالم کا قیام و استحکام، یہ اوقات معیّنہ، یہ ہواؤں کا چلنا، یہ ابر کا گھرنا، یہ مینہ کا مُوسلا دھار برسنا، یہ مردہ زمینوں کا آسمان کے پانی سے زندہ ہو جانا، یہ گھاس کا اگنا، یہ آبشاروں کا ترنّم، یہ اُبلتے ہوئے چشموں کا زیروبم، دل فریب وادیوں میں فِطرت کا بناؤ سنگار نہیں بل کہ باغ کے ایک ایک بُوٹے، درختوں کے ایک ایک پتے، ریگِ رواں کے ایک ایک ذرّے پر نظر ڈالیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ کائنات کے پردہ [میں] خالق الکائنات کا غیر مرئی مگر محسوس ہاتھ نظر آرہا ہے۔ ہر ایک صنعت زبانِ حال وقال سے اپنے صانع کی رجز خواں [قصیدہ خواں] اور دنیا کی ہر چیز میں روئے یار کا عکس موجود ہے :

ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم
اَے بے خبر ز لذّتِ شربِ مدام ما [15]

موجودہ زمانہ سائنس کا زمانہ ہے، علوم وفنون کی ترّقی کا زمانہ ہے۔ انسانی عقل کی پرواز اور تگ وتاز کا زمانہ ہے، طبیعات، مابعد الطبیعات، عِلم النفس، تشریح الابدان، فلکیات، عِلمِ نجوم، طبقات الارض، اور ہم چو قسم بیسیوں نئے نئے علوم انسانی غور وفکر کے ماتحت معرضِ ظہور میں آ چکے ہیں جن کی وجہ سے آج کا تمدن پہلے تمدن سے بے حد متضاد ہے۔[16] نقل حرکت کے ذرائع وسیع ہو چکے ہیں۔ سفر گاڑیوں، موٹروں، ہوائی جہازوں کے طفیل بے حد جلدی طے ہو رہا ہے۔ سامانِ آسائش وتعیش کی افراط ہے، تکلفات بڑھ چکے ہیں گو ساتھ ہی تصویر کا دوسرا پہلو بے حد دل خراش ہے کہ بڑھی ہوئی تہذیب نے بالآخر وحشیت کی شکل اختیار کر لی۔ اگر علاج کے طریقے نئے نئے دریافت ہو رہے ہیں تو بیماریوں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ ثروّت وتموّل کی ترقی کے ساتھ ساتھ غربت و افلاس بھی بڑھ رہا ہے۔ جہاں اصحابِ دُوَل [دولت مندوں] کے ہاں ماکولات و

فواکہات [پھلوں] کی بہتات ہے وہاں صوبہ بنگال میں ہزاروں لوگ بھوک کے عذاب سے تڑپ تڑپ کر جانیں بھی دے چکے ہیں۔ اگر ایک طرف جمعیت الاقوام نے قیامِ امن کو اپنا منتہائے مقصود قرار دے رکھا تھا تو دوسری طرف موجودہ جنگ کی ہولناکی بھی اب کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں۔ آپ موجودہ دور کو اگر ترقی کا دور قرار دیں تو آپ کی مرضی ورنہ یہ تنزل وانحطاط کا دور ہے۔ یہ بداخلاقی، بدتہذیبی، وحشیت و بربریّت، فساد و شرارت، ظلم و طغیاں، جور و عصیاں کا دور ہے جس میں کہ بدترین اخلاق کو بہترین محاسن سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ برائیوں کو نیکیوں کا نعم البدل سمجھا جا رہا ہے اور غارت گری و خوں ریزی نے امن اور صلح کی جگہ حاصل کر لی ہے۔

انسانی عقل و شعور کی اڑان دور تک جا پہنچی ہے اور اب زمین پر بسنے والوں نے آسمان والوں سے باتیں کرنی شروع کر دی ہیں۔ مریخ کے ساتھ گفت گو اور نامہ و پیام کے طریقے سوچے جا رہے ہیں۔ چاند تک رسائی حاصل کرنے کی تدابیر نکالی جا رہی ہیں۔ رصدگاہوں میں بیٹھ کر منجمین نت نئے ستاروں کا کھوج لگایا کرتے ہیں۔ ادھر ہلاکت آفریں گیسوں اور تباہی خیز بھاری بھرکم بموں کی ایجادات نے دنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ کئی قسم کی مشینوں کے بن جانے سے بے کاری اور بے روزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے اور جنگ کے بعد غالبًا سرمایہ دار اور مزدور کے باہمی تصادم و تقابل کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ غرض کہ انسانی توجّہات اس حد تک اِن ظاہری اسبابِ معیشت و سامانِ معاشرت کی طرف منعطف ہو چکی ہیں کہ اسے کسی دوسری طرف غور کرنے کی فرصت ہی نہیں اور دنیاوی معاملات میں اُسے اِس قدر انہماک ہو چکا ہے کہ وہ کسی دوسری طرف اپنا دھیان ہی نہیں لگا سکتا۔ اس کے حکم رانوں کے دماغ میں شخصیت و استبداد، ہوسِ ملک گیری و آمریّت کے خیالات جاگزیں ہیں۔ اُس کے فلاسفر انسانی آبادی کو غارت و برباد کرنے کی نئی نئی ترکیبیں سوچ رہے ہیں۔ اُس کے سرمایہ دار اپنا سرمایہ بڑھانے کی دُھن میں ہیں۔ اُس کا مزدور خون پسینہ ایک کر کے صِرف قوت لا یموت[۱۷] بہم پہنچانے کا متمنی۔

آج دنیا پر مادیت کا عفریت متسلط ہو چکا ہے اور روحانیت کو دنیا والے بھول چکے ہیں اور اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ نوعِ انسانی آج وقفِ حزن و ملال ہے۔ سب کے چہروں پر مردنی چھائی ہوئی ہے، سب کے قلوب مضطرب ہیں، دنیا کا ہر انسان دکھی ہے، مسرّت و اطمینان کا صرف نام باقی رہ گیا ہے اور گھبراہٹ و سراسیمگی، بے چینی و اضطراب، پریشانی و فکرمندی نے ہر ایک فرد کو اپنی آہنی زنجیروں میں جکڑ لیا ہے اور اُس کا باعث صِرف یہ ہے کہ انسان کی بے راہ روی اور غلط اقدام نے اُسے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ وہ دنیا میں بھیجا گیا تھا محض اس غرض کے لیے کہ کائنات کے مطالعہ سے خالق الکائنات پر ایمان لائے۔ مصنوعات کی

قدرت اور بوقلمونی اسے صانع کی طرف راغب کرے اور نعمتوں کی فراوانی اسے منعمِ حقیقی کی یاد دلائے مگر اُس کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑ گئے، اُس کے کانوں میں گم راہی کی روئی ٹھونس دی گئی اور اِس کا دل پتھر سے بھی بڑھ کر سخت ہو گیا۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنی کوشش اور ہمّت سے اپنی زندگی کو گل زار بنائے مگر وہ روز بہ روز خارزار ہو رہی ہے۔ اُس کی خواہش ہے کہ اُس کے ایامِ حیات بے فکری اور اطمینان سے بسر ہوں مگر اُس کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ وہ آرام کا متلاشی اور سکون کا متمنّی ہے مگر اس کلبہِ احزان [ماتم کدہ] و مقامِ آلام میں آرام کہاں؟ لوگ پوچھتے ہیں کہ رازِ کائنات یوں ہی مستور رہے گا یا کبھی اُس کی عقدہ کشائی بھی ہو گی؟ سائنس دان حیران ہیں کہ بے جان مادہ کے اندر اجزائے لایتجزیٰ کی ترتیب و تشکیل سے جسم تو بن سکتا ہے مگر یہ روح کہاں سے آ گئی؟ مبصرین و مفکرین قدمِ عالم کے غلط نظریہ کی تصدیق کے باوجود ابھی تک شمسی شعاعوں کی حقیقت معلوم نہیں کر سکے اور تدابیرِ امور تو وہ مسئلہ ہے جس کا حل انسانی تدبر و تفکر سے ہمیشہ بالاتر رہا ہے لیکن یہ لوگ یاد رکھیں کہ:

کس نکشود و نکشاید بہ حکمت ایں معمارا [18]

وہ کارخانۂ قدرت کا جہاں تک عمیق نظروں سے مطالعہ کریں گے وہ اور ناقابلِ فہم ہوتا چلا جائے گا اور اس میدان میں علم کے گھوڑے دوڑانے والوں نے ہمیشہ سر کے بل ٹھوکریں کھائی ہیں۔ یہ اپنی کم زور عقل اور ناقص فہم کے بل بوتے پر ایک نظریہ قائم کرتے ہیں مگر دوسرے ہی دن اِس کا بطلان ہو جایا کرتا ہے۔ آپ یورپ کے ملحدین، روس کے ناستکوں اور دنیا بھر کے مفکرین کو یہ بتلا دیں کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے سر زمین حجاز کے اندر ایک بہ ظاہر اُمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مگر حقیقتاً علوم الاوّلین والآخرین کے ماہر نے رازِ کائنات کو کھول کے رکھ دیا۔ وَلِلّٰهِ دَرَّقَائِلِهٖ۔ [19]

نگار ما کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت
بہ غمزہ ہائے ادب آموز صد مدرس شد [20]

اور رازِ کائنات کے مخفی خزانوں کی چابی اُس نے عرب کی بے آب و گیاہ اور سنگلاخ قطعہِ ارضی پر بسنے والے بدوؤں کے ہاتھ دے کر ساری دنیا میں یہ نعمتِ لازوال نہایت دریا دلی اور سیر چشمی کے ساتھ تقسیم کر دی ہے۔ شہنشاہِ کونین خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (بابی انت واُمی) کی بعثت کی غرض بھی یہی تھی کہ گم کردہ راہ، دنیا والوں کی صحیح رہ نمائی کریں، بھولے بھٹکے مسافروں کو منزلِ مقصود کا پتہ دیں اور مخلوق و خالق کا ٹوٹا ہوا رشتہ پھر جوڑ دیں۔ ساری کائنات کا راز ایک مختصر سے جملہ میں مضمر ہے اور جو شخص کہ دنیا بھر کی واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہو اُس کے لیے ایک ہی جملہ کفایت کرنے والا ہے اور وہ یہ ہے کلمہ طیّبہ۔ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ

رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

؎ یکے دواست بدارالشفاے کدہ ہا
زہر مرض کہ بنالد کسے شَراب دِہند[۲۱]

پھر جب آپ نے صدقِ دل اور خلوصِ نیت سے کلمہ طیّبہ پڑھ لیا اور زبان کے اقرار کے ساتھ آپ کے دِل نے بھی اس امر کی تصدیق کر دی کہ ایک ذات واجب الوجود کے سِوا نہ کوئی معبود ہے، نہ مقصود ہے، نہ مطلوب ہے، نہ مرغوب ہے اور صوفیا کرام کے نظریہ کے مطابق نہ موجود ہے تو پھر رازِ درُونِ پردہ کا انکشاف ہو گیا، کائنات کی پیچیدہ گتھی سُلجھ گئی، سورج کی لَم تک پہنچنے کی ضرورت نہ رہی، چاند کی حقیقت خود بہ خود کھل گئی، ستاروں کی نوعیت واضح ہو گئی، آسمان کی عظمت اور زمین کی وسعت کا راز سمجھ میں آ گیا۔ اب کسی دماغ باختہ فلاسفر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں، کسی مختل الحواس سائنس دان سے استصواب کی حاجت نہیں، کسی مفکر کے سامنے زانوئے تلمذّ تہ کرنے کا سوال باقی نہیں رہا۔ ایک ذات واحد لاشریک پر ایمان لے آنا ہی سب سے بڑا فلسفہ ہے اور اسے خالق بے ہمتا [بے مثال] مان لینے سے ہی سائنس نے جو پیچ در پیچ گرہیں ڈال رکھی ہیں وہ خود بہ خود کھل جائیں گی۔ بجائے ظن وتخمین کے [وہ] آپ کے دل میں یقیناً گھر کر لے گا، تمام آلام واحزان دور ہو جائیں گے، تمام تفکرات وترددات مٹ جائیں گے اور ان کی جگہ آپ کا دل یک سوئی، دل جمعی، مسرّت و اطمینان سے لبریز ہو جائے گا۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ ط اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ [۲۲] کہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اور اُن کے دل مطمئن ہو چکے ہیں۔ یاد رکھیں کہ اطمینانِ قلب صِرف یادِ خدا سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ

دنیا میں انسان کے علاوہ اور بھی حیوانات موجود ہیں اور بعض مقامات پر وہ اجتماعی صورتوں میں گزراوقات کیا کرتے ہیں۔ کئی بڑے بڑے جنگلوں میں ہاتھیوں کے غول نظر آتے ہیں۔ بعض جنگلات میں شیر، ریچھ اور بھیڑیوں کی ٹکڑیاں آپ کو دکھائی دیں گی۔ ہرنوں کے گلے بھی ہوا کرتے ہیں۔ اڑنے والے جانور بھی ٹولیاں بنا کر اڑا کرتے ہیں مگر یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ اُنھی سے ایک ہاتھی، شیر یا بھیڑیا دوسرے ہم جنسوں پر حکومت کر رہا ہو یا اُن کے پَے آزار ہو۔ جنگل کا مہیب جانور شیر دوسرے کم زور جانوروں کے شکار کا عادی ہے۔ ایک خوں خوار بھیڑیا، بکریوں اور بھیڑوں کے لیے بلائے بے درماں۔ باز اور شکرے، کبوتروں، فاختاؤں اور چڑیوں پر جھپٹ لگایا کرتے ہیں مگر آج تک یہ نہیں سنا گیا کہ کسی شیر نے شیر کا شکار کیا ہو یا ایک بھیڑیے نے

دوسرے بھیڑیے کو کاٹ کھایا ہو یا بازوں اور شکروں نے ایک دوسرے کو چیر پھاڑ ڈالا ہو۔ سانپ سانپ کو نہیں ڈسا کرتا اور بچھو بچھو کو نہیں کاٹتا پھر اشرف المخلوقات انسان کا اپنے دوسرے بھائی کو اپنی غلامی پر مجبور کرنا اور ذرا سی حکم عدولی پر اُسے مارنا یا پیٹنا، تازیانے لگانا، قید و بند میں جکڑ دینا، اُس کے ہاتھ اور پاؤں میں طوق و سلاسل ڈال دینا، اُسے گولی سے اڑا دینا، اُس کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال کر اُس کی تڑپتی ہوئی لاش کا دل خراش نظارہ کر کے بجائے رحم اور ہمدردی کے مسرّت کا اظہار کرنا، وحشیّت و بربریت کی ایک نہایت گھناؤنی تصویر ہے۔

یہ جو آج کل دنیا میں قیامت مچی ہوئی ہے اور انسان انسان کو ہلاک کر رہا ہے۔ اگر آپ غور و فکر سے کام لیں تو یہی نتیجہ اخذ کرنا پڑے گا کہ محض شخصیت و استبدادیت، ملوکیت وحکومت حاصل کرنے کی خاطر یہ معرکۂ رست خیز ہو رہا ہے۔ چند مہذب لٹیرے اور ڈاکو اور چند شائستہ قزاق اور چور اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل اور دائرۂ حکومت کی توسیع کی خاطر انسانی خون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔ یورپ اور ایشیا، افریقہ اور امریکا کے براعظموں میں تباہی و بربادی، غارت گری و امن سوزی کے جو خوں چکاں واقعات اور مہیب مشاہدات آپ کو نظر آ رہے ہیں۔ بم بار طیاروں کی ہولناک بم باری، توپوں کی گرج، مشین گنوں کے فائر، بندوقوں کی باڑھیں، شہروں کی بربادی، عمارتوں کا انہدام، مکانوں کی آتش زدگی، زخمیوں کی چیخ و پکار، مرنے والوں کی نزعی سسکیاں، کشتوں کے پُشتے، لاشوں کے ڈھیر اور انسانی خون کی ارزانی، یہ سب کچھ محض اس لیے ہو رہا ہے کہ ہٹلر کا نام بلند ہو، مسولینی کی تمنائیں بر آئیں، توجو کی سکیم کامیاب ہو وغیرہ وغیرہ اور یہ باتیں کوئی نئی نہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی کسی عظیم المرتبت انسان کے دماغ میں وحشیت کا غلبہ، انسانیت کا فقدان ہوا ہم جوقسم کی خوں ریزیاں اور تباہ کاریاں ہوتی رہیں۔ کروڑوں نہیں اربوں جانیں محض دیوِ استعمار و عفریتِ ملوکیت کے بھینٹ چڑھ چکی ہیں اور دنیا میں اکثر لڑائیاں محض اس لیے لڑی جاتی ہیں کہ فلاں بادشاہ یا فلاں حاکم کو دوسروں کے مقابلہ میں فوقیت حاصل ہو اور اُس کا راج اور حکومت اقصائے عالم میں پھیل جائے۔ سکندرِ اعظم رومی اور نپولین بونا پارٹ کی فتوحات کا سیلاب کیوں آیا؟ صِرف اس لیے کہ سکندر کے ہوتے ہوئے پورس یا دوسرے بادشاہوں اور راجاؤں کو حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں اور نپولین اپنا دائرہ مملکت وسیع کرنے کی خاطر اُس زمانہ کی ہر طاقت سے زور آزمائی کرنے لگا تھا۔

آج بھی یہی کیفیت ہے کہ ایک قوم دوسری قوم کو محض اس لیے کچل رہی ہے کہ وہ اُس کی غلام ہو کر رہے۔ ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ سے محض اس لیے لڑ رہا ہے کہ اُسے اپنا ماتحت بنالے اور یہ سلسلہ کارزار اور یہ معرکہ دار و گیر اس وقت تک رہے گا جب تک کہ انسان کا دماغ اِن خیالات فاسِدہ اور ان جذبات بہیمیہ سے

پاک نہیں ہوگا اور جب تک اِنسانی حکومت واقتدار کا تخیل کلیتہً زائل نہیں ہو جائے گا۔ دنیا میں ابتدائے آفرینشِ انسانی سے لے کر اب تک کئی قومیں پیدا ہوئیں، کئی حکومتیں قائم ہوئیں، اقوام وملل کے عروج وزوال کے افسانے ہر شخص کی زبان پر ہیں، جنگوں کے واقعات اور لڑائیوں کے حالات سے کتابیں بھری پڑی ہیں مگر حقیقتاً اُن سب میں ایک طرح کی یکسانیت پائی جاتی ہے اور کسی میں بھی کوئی جدّت نہیں اور غایت مافی الباب ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ ایک شخص یا اُس کے زیرِ اثر ایک قوم نے دوسرے اشخاص یا اقوام پر اپنا تسلط قائم کر لیا اور انسان نے دوسرے انسانوں کے گلے میں اپنی غلامی کا طوق ڈال دیا۔

لیکن آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے دنیا کے سامنے ایک نرالی حقیقت کا انکشاف ہوا ہے اور دنیا والوں کو ایک عجیب وغریب تعلیم سے روشناس کرایا گیا ہے۔ یہی وہ مبارک تعلیم ہے کہ جس کے ماتحت دنیا کو دائمی امن، مستقل صلح اور حقیقی سکون حاصل ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ انسان، انسانی حکومت کا جؤا اپنی گردن سے اتار دے۔ اُس کی غیرت اور خودداری اسے اپنے جیسے اِنسان کے آگے جھکنے سے روک دے اور ظاہری حکومتوں اور طاقتوں سے بالکل باغی اور سرکش ہو کر ایک احکم الحاکمین کے ساتھ اپنی وفاداری کا عہد استوار کر لے۔

یہ مبارک تعلیم جب مصلحِ اعظم، فخرِ عرب وعجم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہایت شرح وبسط اور پوری تفصیل کے ساتھ دنیا والوں کو پیش کی تو پہلے لوگوں نے اِس پر حیرت واستعجاب کا اظہار کیا اور بالآخر اپنے عقل وفکر، تدبّر وسیاست کے ترازو میں تول کر اسے بہ خوشی خاطر قبول کیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُس زمانہ کی اہرمنی قوتوں، طاغوتی طاقتوں اور ابلیسی حکومتوں نے حکومت الٰہیہ کے پرستاروں سے زبردست ٹکر لی اور آخر الامر سچائی کا غلبہ ہوا، اللہ کی طاقت غالب آ گئی اور انسان کے کم زور ہاتھوں سے بنائی ہوئی انسان پرستی کی عمارت دھڑام سے نیچے آ رہی اور خدا کے نام پر تعمیر ہونے والا قلعہ ناقابلِ تسخیر ثابت ہوا اور قیامت تک قائم رہے گا۔ انسان نے امن اور صلح کے نام پر جو ظالمانہ اور غاصبانہ قانون بنا رکھے تھے اور جن کا وجود بنی نوعِ انسان کے لیے باعثِ ہزار ننگ ورسوائی ہو رہا تھا۔ اللہ کے قانون نے آ کر معقولیت واستدلال، طبعی مناسبت واقتضائے حالات کے ساتھ انھیں شکست دی اور ناقص قانون کی جگہ کامل قانون نے لے لی۔

انسانی حکومت کس حد تک ترقی حاصل کر لے مگر اُس کی بنیاد بے حد کم زور ہوا کرتی ہے۔ ایک فاتح کی موت یا شکست ساری فوج یا قوم کے لیے پیغامِ ہلاکت ہے مگر اللہ کی حکومت ان نقصانات یا کم زوریوں سے بالاتر ہے۔ اُس کی ذات حی اور قیوم ہے اور اُسے شکست دینے والا کوئی نہیں۔ انسان کا تجویز کردہ قانون زمانہ حال کی پیداوار ہوا کرتا ہے۔ وہ چوں کہ مستقبل کے حالات سے محض بے خبر ہے اس لیے وہ آئندہ کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتا مگر خدائے لم یزل ولم یزال کا تدوین کردہ قانون تمام زمانوں پر محیط، تمام ملکوں کے

حالات کے مطابق اور ہر قوم کے لیے یکساں مفید اور کارآمد ہے۔ انسانی حکم رانوں سے غلطیوں کا امکان ایک معمولی بات ہے بل کہ ان لوگوں کی غلط روش سے دنیا نے بڑی بڑی مصیبتیں برداشت کی ہیں اور انسانی آبادیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹتے رہے ہیں مگر حاکم علی الاطلاق [ہر لحاظ سے حاکم] کی ذات غلطیوں سے بالکل مبرا اور منزہ ہے۔ انسانی فاتحین کو اپنے ذاتی مفادات دوسروں کے مفادات سے مقدّم ہوا کرتے ہیں مگر مالک الملک کے سامنے ذاتی سوال موجود ہی نہیں وہ تو اپنی مخلوق پر تمام جہان سے زیادہ مہربان ہے۔

سارے لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ ہم سب کا پیدا کرنے والا، ہمیں رزق دینے والا، ہماری پرورش کرنے والا، ہمیں آفات وبلّیات ارضی وسماوی سے محفوظ رکھنے والا، ہمیں بیماریوں سے شفا دینے والا، ہمیں صحت اور زندگی بخشنے والا وہی قادر مطلق ہے [تو] پھر ہم اُسے اپنا بادشاہ، فرماں روا اور حاکم کیوں تسلیم نہ کریں جب کہ اُس کے صفاتی ناموں میں مَلِک یا بادشاہ بھی شامل ہے۔ وہ امر مطلق ہے اور اس کے ایک مقبول پیغمبر سیدنا یوسف علی نبینا وعلیہ السلام نے اپنے وعظ وتذکیر میں وضاحت کردی کہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ [۲۳] کہ اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔ حاکم وہی ہوا کرتا ہے جو کہ سب سے زیادہ تصرف واقتدار والا ہو۔ پھر آپ بتلائیں کہ اس سے بڑھ کر اور کس کا تصرف ہے اور کس کا اقتدار؟ اُس کے تصرف کی یہ حالت ہے کہ ایک ذرّہ بھی اِس کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا اور اقتدار کی یہ کیفیت کہ تمام نظامِ عالم اُس کے اشارہ اور فرمان پر چل رہا ہے۔ دنیا کے بادشاہوں کا اس کی ذات سے مقابلہ ایسا ہے جیسا کہ ایک دریائے بے کراں کے مقابلہ میں پانی کا قطرہ یا صحرائے اعظم افریقہ کے مقابلہ میں ریگِ رواں کا ایک ذرّہ۔ وہ شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے اور بادشاہوں کا بادشاہ۔

انسانی حکومت اور ظاہری طمطراق کے نشہ میں آکر جس شخص نے بھی اُس کے ساتھ بغاوت کی یا سرکشی دکھلائی دستِ قدرت نے اُسی کا سر نیچا کردیا۔ فرعون، نمرود، ہامان وشدّاد، ابرہہ اور اس کے ہاتھیوں کے قصّے آپ کے سامنے ہیں اور آج کل یورپ والوں کا حشر آپ کے روبہ رو ہے۔ نصرت اور فتح اُسی کے ہاتھ میں ہے، عزّت اور ذلت وہی دینے والا ہے۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ [۲۴] کے مطابق زمین اس کی ملکیت ہے اور وہ جسے چاہے عطا کردے اور پھر صرف وہ حاکم اور مختارِ مطلق ہی نہیں بلکہ بنی نوعِ انسان کی ہدایت ورہ نمائی کے لیے اُس نے وقتاً فوقتاً اپنے قانون مختلف کتابوں اور صحائف کی صورت میں بھیجے ہیں اور اُس کا آخری اور مکمل قانون قرآن کریم کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے اور جس کی موجودگی میں کسی انسان کے بنائے ہوئے قانون کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ فِيْهِ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ [۲۵] کے مطابق اس میں انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اُس میں تمدن کے اعلا اصول بھی موجود ہیں، تہذیب وشائستگی،

عمرانیت و مدنّیت کی سب باتیں بھی مذکور ہیں، علم الاقتصاد کی تشریح بھی ہے اور علم النفس کا بیان بھی، معاشرتی امور بھی زیرِ بحث لائے گئے ہیں اور معاشیات پر بھی سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ ان میں فوج داری، دیوانی، محکمہ مال اور وراثت کی سب دفعات بالوضاحت پائے جاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھر کی کوئی بھی رَطب و یابِس [تر اور خشک]، معمولی غیر معمولی، دینی دنیاوی، سیاسی، ملکی بات ایسی نہیں جس پر قرآن حکیم شاہد عادل نہ ہو۔

پھر آؤ! ہادیِ اعظم، رہبرِ اکمل، ماہرِ مکمل، خاتم النبیّین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحیح اتّباع اور صحابہِ کرامؓ کی پوری تقلید کرتے ہوئے اس دورِ الحاد اور اس زمانِ ارتداد میں ہم بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی حکومت کا اعلان کریں۔ اَللّٰهُ اَکْبَر [اللہ کی] بڑائی کی خاطر میدانِ عمل میں نکل آئیں اور خدا کے بنائے ہوئے قانون کو انسان کے بنائے ہوئے قانون پر ترجیح دینے اور رائج کرنے کی خاطر تن من دھن نثار کر دیں۔

مصلحت دیدِ من آنست کہ یاران ہمہ کار
بگذ رائند و سرِ طرّۂ یارے گیرند[۲۶]

اسلامی جہاد کی حقیقت

ہمارا یہ دعوا ہے کہ امن طلبی، صلح جوئی اور مصلحت کوشی کے لیے جو اقدام اسلام نے کیا ہے وہ کسی دوسری قوم یا مذہب سے نہیں ہو سکا۔ کہنے کو تو یہ آسان بات ہے کہ اگر تمھارے ایک گال پر کوئی شخص تھپڑ رسید کرے تو دوسری گال بھی اس کے سامنے رکھ دو مگر کیا اس نظریہ کے بانی سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں نے کسی زمانہ میں بھی اس پر عمل کر کے دکھلایا ہے؟ مہاتما گاندھی کا عدم تشدد اور اہنسا کی تعلیم صرف انھی کی ذات پر محدود ہو کر رہ گئی ہے اور جمعیت الاقوام کا پیغامِ امن جنگ کی مہیب گرج میں طوطی کی آواز کے مرادف[۲۷] ہے۔

لوگ ذاتی اغراض پر ہمیشہ اصول اور اخلاق کو قربان کیا کرتے ہیں۔ جلبِ منفعت، ہوس ملک گیری اور استعمار کے سامنے نالۂ یتیم، آہِ بیوہ و فریادِ مظلوم کی شنوائی نہیں اور ایک ملک کی آبادی کی خاطر سیکڑوں ملک برباد کر دینا ایک معمولی بات ہے اور ذاتی اور شخصی اقتدار حاصل کرنے کے پیشِ نظر ہزاروں بل کہ لاکھوں انسانوں کی خوں ریزی روزمرہ کے واقعات۔ آج قیامِ امن کا بہانہ لے کر جس طرح بدامنی پھیلائی جا رہی ہے، صلح کی آڑ لے کر جنگ کے جواز کے پہلو جس دیدہ دلیری کے ساتھ پیش کیے جا رہے ہیں اور سادہ لوح قوموں کے سامنے یورپ کے شاطر جس شدو مد کے ساتھ اپنی معصومیت اور بے گناہی اور دشمن کی سنگ دلی اور خوں آشامی کا اعلان کر رہے ہیں۔

اُن سے قطعِ نظر دیکھنا یہ ہے کہ کیا واقعی اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر بسنے والی کوئی ایسی قوم موجود ہے جس کا نصب العین حقیقی معنوں میں امن پسندی اور صلح جوئی ہو؟ اور مجبور ہو کر کسی سے لڑنے بھی لگے تو اس کا اصل منشا حرب وقتال اور جنگ وجدال نہ ہو بل کہ حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا[۲۸] کے مطابق جنگ کے خلاف جنگ اور لڑائی کے خلاف لڑائی کرنا ہو؟ اور مقصود بالذّات یہ کہ مظلوم اور پس پا افتادہ اقوام کی اس حد تک حمایت کی جائے کہ وہ ظالم اور جابر اقوام کے دست برد سے بچ نکلیں۔ خدا کی زمین کو فسادات اور شرارتوں سے نجات دلا کر اس میں مصالحت اور امن پیدا کیا جائے تا کہ یہ کرۂ ارضی اپنے ساکنین کے لیے بجائے نارِ جحیم اور دوزخ کے، گل زار اور جنت بن جائے۔ چناں چہ اسلامی جہاد کی غرض یہی تھی اور مسلمان محض اس لیے دوسری قوموں سے لڑا کہ وہ انسانی شخصیتوں کا وقار قائم کرنے اور اپنا دائرۂ حکومت وسیع کرنے کی خاطر لوگوں کو مجبور کیا کرتے تھے جس کا نتیجہ ہمیشہ یہی نکلا کہ بہ قول بلقیس اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً[۲۹] بادشاہ جب کبھی ظالمانہ حیثیت سے کسی ملک میں داخل ہوئے وہاں انھوں نے فساد پھیلایا اور شرفا اور معزّزین کی تحقیر وتذلیل کی گئی اور مسلمان چوں کہ اپنا راج قائم کرنا نہیں چاہتا اور جہاد کا مقصد شخصی اقتدار یا جماعتی تفوق [برتری] ہرگز نہیں بل کہ آسمانی حکومت کا قیام اور اللہ کے قانون کی ترویج ہوا کرتا ہے اور جس کے عملی نتائج دنیا کا امن، اخوت، مساوات وحرّیتِ کاملہ کی شکل میں ظاہر ہوا کرتے ہیں۔

اس لیے ان مقاصد عالیہ کے حصول کی غرض سے جو قربانی کی جائے، خدا کا نام بلند کرنے کی خاطر جو اقدام کیا جائے اُس کی حکومت کو دوسری ظاہری حکومتوں پر فوقیت دینے کے لیے جدوجہد کی جائے اور اس کے قانون کو دوسرے انسانی خودساختہ قوانین پر ترجیح دینے کے لیے جو سعی عمل میں لائی جائے۔ اُس کا اور صرف اس کا نام جہاد ہے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ[۳۰] کہ دشمن سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک فتنہ وفساد کا قلع قمع نہ ہو جائے اور جب تک خدا کا قانون کلیۃً دوسرے قوانین پر غلبہ نہ حاصل کر لے اور لطف یہ کہ مسلمان اس وقت لڑائی کے لیے میدان میں نکلا جبکہ اُسے اِس کے بغیر مفر نہ رہا۔

آج کل کے زمانہ میں متحاربین ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی مول لیا کرتے ہیں اور معمولی معمولی بہانے بنا کر بلا اطلاع دوسرے ملکوں پر چڑھ دوڑتے ہیں حالاں کہ اگر مشرکینِ مکہ مسلمانوں اور ان کے رہ نمائے اعظم خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عبادات میں خلل انداز نہ ہوتے، انھیں ہجرت پر مجبور نہ کرتے، انھیں اپنے ظلم وستم کا نشانہ نہ بناتے اور پھر اسی پر اکتفا نہیں بل کہ مدینہ پاک پر چڑھائی کر کے وہاں

سے مسلمانوں کو نکال دینے کا تہیہ نہ کرتے تو ایک وہ قوم جو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور اُس کا نام بلند کرنے کے سوا کوئی غرض لے کر دنیا میں نہیں آئی تھی اُسے کیا ضرورت تھی کہ کسی سے خواہ مخواہ لڑائی جھگڑا کرنے لگتی مگر جس صورت میں کہ عرب کے سرداروں کی گم راہی حد سے بڑھ گئی، صنّاع عالم و خالق الکائنات کی جگہ انھوں نے خود تراشیدہ بتوں کی پوجا شروع کر دی۔ اُس کی وحدانیت و صمدیت کے مقابلہ میں لات ومنات، عزیٰ وہبل کو سراہا جانے لگا اور نعرۂ تکبیر کی بجائے بتوں کے جیکارے [نعرے] بلند ہونے لگے۔

حضور مخبر صادق خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انھیں نہایت حکیمانہ طور پر فہمائش کی، ان کی بے راہ روی سے انھیں نہایت اخلاق آمیز طریق سے متنبہ فرمایا اور خدائے قدّوس وقیّوم کی عظمت و برتری کو معقول ترین دلائل و براہین سے ثابت کر دکھلایا مگر جب ان کی فطرت مسخ ہو گئی، ان کے دلوں میں کفر و الحاد کے مرض نے جڑ پکڑ لی اور ہدایت کے تمام راستے ان پر مسدود ہو گئے اور قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہو گیا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم ہو یا دنیا اصنام پرستی، اغراض پرستی اور نفس پرستی کی لعنتوں میں گرفتار رہے؟ لوگ احکم الحاکمین کے آستانِ جبروت و بارگاہ قدس پر جبین سائی و ناصیہ فرسائی [سجدہ کرنا] کریں یا پتھروں کے گھڑے ہوئے بتوں، بعض اشخاص کے مجسموں، خود ساختہ ہیکلوں، بلند قامت اور سایہ دار درختوں، سانپوں، بچھوؤں اور دنیا کی حیرت انگیز اور دہشت خیز شے کے سامنے ماتھا ٹیکنے لگیں اور اپنے ہاتھ استمداد کے لیے پھیلانے لگیں تو پھر مسلمانوں نے دنیا کے سامنے لڑائی کا وہ نقشہ پیش کیا اور جنگ کی وہ طرح ڈالی جس کی نظیر اور مثال اس سے پہلے قطعاً موجود نہ تھی۔ مابہ النزاع صرف یہ تھا کہ مسلمان چاہتا تھا دنیا میں پرستش ہو تو واحد لاشریک کی، حکومت ہو تو ایک احکم الحاکمین کی، فرماں برداری ہو تو صرف اُسی کی، تمام جہاں کے لوگ باہم دگر درجۂ مساوات قائم رکھتے ہوئے غلامی کریں تو صرف اُسی کی اور دنیا والے صرف اُسی کے مجوزہ قانون (کتاب الٰہی) کا احترام کرتے ہوئے اُسی کی پوری پیروی کریں اور غیر مسلم کا مطالبہ یہ تھا کہ پوجا ہو ہمارے باپ دادا کے معبود بتوں کی، حکومت ہو زید عمر و بکر کی، فرماں برداری ہو حاکمِ وقت کی، غلامی اختیار کی جائے اکابر و رؤسا کی اور قانون وہ ہو جسے کوئی انسان مقنّن [قانون بنانے والا] یا قانون ساز جماعتیں مدّون کریں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ [۱۳۱] کہ جو لوگ ایمان والے ہیں وہ صرف اللہ کی بڑائی کی خاطر لڑتے ہیں اور جو خدا کے منکر ہیں ان کی جنگ ذاتی اغراض، شیطانی ترغیبات اور نفسانی خواہشات کے لیے ہے۔

ابتدائی غزوات یعنی بدر و احد و حنین میں اسی اختلافِ رائے کی بنا پر تصادم و تقابل ہوا اور ہر موقع پر خدا کے غلاموں کو شیطان کے پرستاروں پر فتح نصیب ہوئی۔ بعد ازاں جب اس زمانہ کی خود سر اور خود مختار حکومتوں

نے دیکھا کہ یہ خدا کے نام پر لڑنے والی جماعت روز افزوں ترقی کر رہی ہے اور کہیں ایسا نہ ہو یہ مذہبی دیوانے ہماری سلطنت کی طرف رخ کرنے لگیں تو انھوں نے مسلمانوں پر یلغار کر دی۔ ایک طرف رومن ایمپائر کی افواج قاہرہ ہیں تو دوسری طرف تاج دارِ ایران اپنے عظیم عسا کر لے کر میدان میں نکل آیا۔ رومی چاہتے تھے کہ ان کی بزرگی اور عظمت میں فرق نہ آئے۔ ایرانی خواہش مند تھے کہ عرب کے لوگ بہ دستور سابق ہمارے باج گزار ہو کر رہیں اور اُن پر ہماری فوقیت قائم رہے ادھر مسلمانوں نے تین محیر العقول مطالبات پیش کر دیے:

۱۔ ہماری طرح تم بھی احکم الحاکمین کی غلامی اختیار کر لو۔ پھر خدا کے سب غلام باہم دگر شیر و شکر ہو کر رہیں گے اور اندریں صورت تمھارے مِلک و املاک، تمھاری حکومت و سلطنت سب تمھیں مبارک ہو۔

۲۔ اگر تمھیں دائرہ اسلام میں داخل ہونے میں کچھ تامّل ہو تو پھر آسان بات یہ ہے کہ تمھارے بادشاہ خدا کے غلاموں کو خراج دیا کریں جب کہ زبردست حکومت کا مالک زیردستوں سے جزیہ لیا کرتا ہے۔

۳۔ اور اگر یہ بھی منظور نہیں تو آخِــرُ الْـحِيَـلَ السَّيْفُ [۳۲] کے ماتحت تلوار ہی ہمارے درمیان فیصلہ کن ثابت ہوگی۔

رومیوں نے ان پیش کردہ شرائط پر تمسخر اور ایرانیوں نے مضحکہ اڑایا اور بہ ظاہر مقابلہ ہاتھی اور چیونٹی، شاہ باز اور حقیر جیسی چڑیا کا تھا مگر فتح و شکست خدائی اعانت کے علاوہ کچھ عزائم اور ہمتوں پر بھی انحصار رکھتی ہے۔ رومی اور ایرانی دل کھول کر لڑے، بے حد دادِ شجاعت دی مگر لڑنے والوں کے پیش نظر یہی چند ایک جذبات تھے کہ ہماری بادشاہتوں کی خیر ہو، ہماری قوم ہزیمت اور شکست کے بعد تباہ حال نہ ہو جائے اور ہم کسی دوسرے کے غلام اور محکوم نہ ہو جائیں اور مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیالات کہ ہم جس کی مخلوق ہیں، ہمارا جو رزاق مطلق ہے، ہمارا جو پرورش کرنے والا ہے، ہماری صحت کا جو ضامن اور ہماری تندرستی کا جو برقرار رکھنے والا ہے، جس نے ہمیں دیکھنے کے لیے آنکھیں دیں، سننے کے لیے کان مرحمت فرمائے، بولنے کے لیے زبان بخشی، سمجھنے کے لیے دماغ عطا فرمایا، جس کے ہاتھ میں عزّت اور ذلت ہے، [۳۳] جس کے قبضے میں افلاس اور ثروت ہے، جس کی عطا کردہ نعمتوں کا کوئی شمار نہیں، آج ہم اس کے تقدیس اور بڑائی کی خاطر سر سے کفن باندھ کر نکلے ہیں یہ سامنے والے لوگ تو بھاڑے کے ٹٹو [۳۴] [کرائے کے ٹٹو] ہیں، اغراض و نفسانیت کے بندے ہیں، دنیوی لالچ اور طمع کی خاطر یہاں لڑنے آئے ہیں۔ ہمیں سوائے حصولِ خوش نودیِ رب العزّت کوئی چیز میدان میں نہیں لائی۔ ہماری نیّتوں میں خلوص ہے، ہمیں زر و جواہر کی پروا نہیں، جاہ و حشمت کی ضرورت نہیں، بادشاہت و سلطنت کی حاجت نہیں۔ ہم اپنی غلامی کا مظاہرہ اپنے آقائے نام دار کے سامنے کریں گے، اپنی عبودیت و اخلاص کیشی کا ثبوت اپنے معبودِ مطلق کو دیں گے اور اس کی بڑائی جس کا ذکر کرتے کرتے ہماری زبانیں تھک گئی

ہیں آج ہمارے ہاتھ تیغ وسنان، برچھی اور نیزہ کے استعمال سے اس کا عملی مظاہرہ کریں گے۔ ہمیں مرنے کا ڈر نہیں جب کہ موت کا آنا یقینی ہے۔ وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ [۳۵] اور پھرحی وقیوم کے راستے میں مرنے والے کب مرتے ہیں؟ وہ تو زندہ جاوید ہیں، مراوہ کرتے ہیں جو دنیا طلبی کے پیچھے جان دیں، نفسانیت اور ذاتی اغراض کے پیچھے ہلکان ہوتے پھریں۔ ہم زندہ رہیں گے تو مجاہد کہلا کر اور مریں گے تو درجہ شہادت لے کر۔

اب آپ خود ہی اندازہ لگائیں کہ فتح کِس کو ہونی چاہیے تھی اور شکست کِس کو؟ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کے غلاموں، خدا کے بندوں، وحدہ لاشریک کے پرستاروں اور احکم الحاکمین کی رعیّت نے دنیا کے بندوں، پیٹ کے غلاموں اور شیطان کی جماعت پر فتح حاصل کر لی اور قیصر کا تاج اور کسریٰ کا تخت مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

عود الٰی المقصود

میرے عزیزو! یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلمان جب تک اَلۡحُبُّ لِلّٰهِ وَالۡبُغۡضُ لِلّٰهِ [۳۶] کے زرّیں اصول پر عامل رہا۔ اُس نے اپنی دوستی اور دشمنی کا معیار اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول مقبول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بنائے رکھا اور اُس نے ظاہری علائق، ظاہری تعلقات اور ظاہری وابستگیوں سے یہ تعلق مقدم اور مرجح [افضل] سمجھا، ہر ایک معاملہ میں کامیابی اُس کے شامل حال رہی اور فتح وکامرانی اُسے حاصل مگر دوسری اقوام ومِلَل کی دیکھا دیکھی جب وہ بھی بندۂ اغراض وغلام ہوا وہوس بن گیا۔ اس کے اندر خلوص، للّٰہیت کے جذبات باقی نہ رہے اور اس کی ذاتیات نے قومی وملی مفادات پر غلبہ حاصل کر لیا۔ وہ لڑتا تو رہا مگر اللہ کے دُشمنوں سے نہیں بل کہ اپنے ذاتی دشمنوں سے۔ اُس کے فاتحین نے دوسرے مما لک پر حملے تو کیے مگر اعلائے کلمتہ اللہ اور جہادِ فی سبیل اللہ کی خاطر نہیں بل کہ اپنی بڑائی اور فوقیت حاصل کرنے اور اپنا دائرۂ حکومت وسیع کرنے کی خاطر اور اُس نے عامۃ المسلمین کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش تو کی مگر بجائے حصولِ خوشنودیِ رب العالمین وانعامِ اُخروی کے ظاہری مالِ غنیمت اور زر وجواہر کا لالچ دے کر۔ اُس وقت سے ہر ایک معاملہ میں ناکامی ہونے لگی، اُس کا رعب وتسلط دنیا سے اُٹھنے لگا اور اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر اُسے اپنی غلامی سے علاحدہ کر دیا اور اگر آپ مسلمانوں کے عروج وزوال، ارتقا وانحطاط پر ایک عبرانی نظر ڈالیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کی ترقی کا حقیقی راز احکم الحاکمین کی غلامی میں مضمر تھا اور اس کے تنزل کا اصلی سبب اُس کا حکومت الٰہیہ سے اعراض وانحراف ہے۔

یہ فقیر بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اپنے سینہ میں ایک دردمند اور حساس دل رکھنے والا ہے۔ جہاں ہر ایک قوم وملت کے ذمہ دار اور فرض شناس افراد اپنی قوم کی فلاح و بہبود کے لیے مفید ترین تجاویز سوچ کر قوم کو ان پر چلنے کی دعوت دیا کرتے ہیں وہاں یہ فقیر بھی سالہا سال کی سوچ بچار اور غور وفکر کے بعد ایک بہترین لائحہ عمل مسلمانوں کے سامنے پیش کرنے والا ہے اور آج پورے سترہ سال منقضی ہو چکے ہیں کہ اسی جگہ آپ کو ایک تحریک موسومہ حزب اللہ سے متعارف کیا گیا تھا اور اس کے اغراض ومقاصد سے آپ کو روشناس کرایا گیا تھا۔

آپ نے تحریک کے ساتھ پوری دل چسپی لے کر جو عملی ہمدردی دکھلائی ہے۔ یہ فقیر صدق دل سے اُس کا مداح اور معترف ہے اور غالباً اس تھوڑے سے وقت میں تحریک حزب اللہ کو بہ لحاظ نتائج وثمرات جو شاندار کامیابی نصیب ہوئی ہے وہ شاید ہی کسی دوسری تحریک کو اتنے قلیل عرصہ میں حاصل ہوئی ہو۔ لیکن حقیقت فہم لوگ سمجھتے تھے اور اصحابِ فکر وامعان سے یہ بات پوشیدہ نہ تھی کہ جو کچھ ہو رہا ہے محض مبادیات کی حیثیت رکھنے والا ہے اور اصل مضمون ابھی پردۂ خفا میں ہے۔ یہ ساری تیاری اور اہتمام کسی مہمان عزیز کا پتہ دینے والے ہیں اور اس منزل بہ منزل چلنے والے کارواں کی منزلِ مقصود عن قریب سامنے آنے والی ہے۔

ارکان ورضا کارانِ حزب اللہ کی اقتصادی ومعاشرتی اصلاح، ان کی ترتیب وتنظیم، ان کے اندر جذبۂ عمل وجوشِ جہاد پیدا کرنے کے لیے امیرِ حزب اللہ کے پیہم ومسلسل دورے اور تقریریں، دعوتِ فکر وعمل وتحریص، ایثار وقربانی یہ سب چیزیں محض اس لیے بروئے کار لائی گئیں کہ جماعت اُس آخری نصب العین کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے جو اُس کے سامنے پیش ہونے والا تھا چناں چہ اس گئے گزرے زمانہ میں جب کہ خُدا کا نام لینا بھی ایک طرح کا جرم ہے جب کہ اَنْدَاداً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اور اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ نے ہر طرف، ہر ملک اور ہر قوم پر اپنا تصرّف واقتدار جما رکھا ہے اور دہریت والحاد لوگوں کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔ یہ فقیر کارسازِ حقیقی، معبودِ برحق اور قادرِ مطلق سے توفیق پا کر اُس کی تقدیس وتحمید کے بعد عظمت اور بڑائی اور اس کی حکومت اور بادشاہت کا عَلٰی رُءُوْسِ الْاَشْھَادِ [گواہوں کے سامنے] اعلان کرتا ہے :

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد
من ازسرِ نو جلوہ دہم دار و رسن را [۳۷]

جماعتِ حزب اللہ سے خطاب

ارکان ورضا کارانِ حزب اللہ! تمھارے سامنے سب سے پہلے یہ فقیر ہدیہ تبریک وتہنیت پیش کرتا ہے اور تمھیں مبارک باد دیتا ہے کہ جہاں بعض دوسری جماعتیں اور تحریکیں ابھی تک اپنا آخری نصب العین تجویز

نہیں کرسکیں اور محض دفع الوقتی اور لفاظی سے قوم کے مطالبات سے پیچھا چھڑایا جا رہا ہے۔ وہاں ہم نے اپنے لیے ایک بہترین نصب العین منتخب کر کے اُس کے حصول کی خاطر والہانہ اقدام آج ہی سے شروع کر دیا ہے اور یہی وہ مبارک نصب العین ہے جیسے کہ انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وقتاً فوقتاً اپنی اپنی امتوں کے سامنے پیش کیا اور ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر حضور رحمتہ للعالمین، شفیع المذنبین، خاتم النبیین، سید المرسلین، محمد مصطفیٰ و احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک جتنے رسول اور نبی گزرے ہیں سب کی متفقہ تعلیم یہی تھی کہ مخلوق اپنے خالق، غلام اپنے آقا اور بندے اپنے معبود کے سامنے عملی طور پر سر بہ سجود ہو جائیں، اس کی حکومت اور بادشاہت کو تسلیم کر لیں اور اس کے احکام وارشادات کی تعمیل کے لیے کمر بستہ[۳۸] ہو کر رہیں۔

حکومت الٰہیہ کا قیام تو بنی آدم کی تخلیق کے وقت سے ہی چلا آتا ہے لیکن اُس کی بہ درجہ احسن تکمیل، اسلام نے آ کر کی جب کہ اللہ کے سوا تمام شیطانی حکومتوں، طاغوتی طاقتوں اور اہرمنی جماعتوں کا بہ زور شمشیر قلع قمع کر دیا گیا اور مسلمان اعلائے کلمتہ اللہ اور خداوند کا نام بلند کرنے کی خاطر اُس وقت تک لڑتا رہا جب تک کہ فتنے فسادات مٹ گئے اور جب تک کہ تمام دنیا نے خدا کے دین، اللہ کی حکومت، اور احکم الحاکمین کی بادشاہت کو بلا چوں وچرا تسلیم نہ کر لیا۔ تمام عبادات سے افضل، تمام نیکیوں سے بڑھ کر اور تمام بھلائیوں سے بہتر اسلامی نقطہ نگاہ سے جہاد اور صرف جہاد ہے اور بہ ظاہر جنگ وجدال کو نماز، روزہ، حج، زکوۃ پر ترجیح کی منطق سمجھ میں نہیں آتی مگر آپ ذرا غور وفکر سے کام لیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس ذات باری عزّ اسمہٗ کے آگے دست بستہ کھڑا ہونے، اُس کے سامنے جھکنے اور کمال عقیدت سے اُس کی آستان قدس وجلال پر سر رکھ دینے کا نام نماز ہے۔ جس کی خوش نودی حاصل کرنے کی خاطر بھوک اور پیاس کو بطیب خاطر برداشت کرنے کا نام روزہ ہے۔ جس کی رضا جوئی اور رضا طلبی کو پیشِ نظر رکھ کر مالی ایثار کرنے کا نام زکوۃ ہے اور جس کے ارشاد کی تعمیل میں طول وطویل اور تکلیف دہ سفر اختیار کرنے اور وہاں کے مقررہ مناسک ادا کرنے کا نام حج ہے اور پھر ایک مسلمان دنیا کے سارے کام جس کی مرضی اور منشا کے ماتحت کرنے کا مکلّف ہے۔ اُس کے احکام کے مطابق چلنے کا نام نیکی اور اُس کے فرمانوں سے گریز کا نام بدی ہے تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ جہاں دنیا کے بادشاہوں کے غلبہ واستیلا، اُن کا دائرہ حکومت وسیع کرنے اور دوسرے حکم رانوں سے انھیں فوقیت دینے کی خاطر ان کے لشکر میدان میں نکل آتے ہیں، خون کے دریا بہانے لگتے ہیں اور دشمن کو شکست دے کر اپنے بادشاہوں کی فتح ونصرت پر پھولے نہیں سماتے وہاں اگر مسلمان حقیقتاً احکم الحاکمین کو اپنا بادشاہ تسلیم کر کے اس کی حکومت اور بادشاہت کا اعلان کر دے اور اس امر کا تہیّہ کر لے کہ اللہ کی حکومت کو دنیا بھر کی حکومتوں پر غالب بنانا اُس کا منتہائے مقصود ہے تو پھر اس مقصد عالیہ کے حصول کی خاطر اُس کی جدوجہد اور تگ ودو کا نام جہاد ہوگا اور اب آپ ہی انصاف کریں کہ جس کا نام آپ ہر

وقت پکارا کرتے ہیں، جس کا ذکر ہر لمحہ اور ہر ساعت آپ کی زبان پر ہے اور جس کی تحمید و تقدیس میں ہر انسان بل کہ ہر شے رطب اللسان ہے۔ کیا آج دنیا میں اُسی کا راج ہے؟ یا اُس کے عملی طور پر انکار کرنے والوں کی حکومت قائم ہے؟ یا شیطانی طاقتیں برسرِ اقتدار؟

یہ جو جنگ ہو رہی ہے، یہ جو قیامت کے ہول ناک مناظر آپ کو دکھلائی دے رہے ہیں اور یہ ساری تباہی و بربادی کیا اِس غرض سے ہو رہی ہے کہ دنیا میں اللہ کی بادشاہت کا قیام ہو؟ اور اُس کے ماتحت دنیا والے امن کا سانس لے سکیں؟ یا اس لیے کہ نازی ازم کا غلبہ ہو، فسطائیت کا دور دورہ ہو، اشتراکیت یا اشتمالیت کو لوگ قبول کر لیں اور ملوکیت اور سرمایہ داری کی جونکیں مزدوروں کا خون چوستی رہیں؟ حقیقت ذرا تلخ ہوا کرتی ہے مگر مَیں تشریح طلب مطالب کے لیے ذرا اس سے آگے جانا چاہتا ہوں کہ کلمہ توحید یعنی لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ پڑھنے والو! خدارا مجھے بتلاؤ کہ جب دنیا میں حکومت دوسرے معبودانِ باطل کی ہے، دنیا پر تسلّط اَنْـدَادًا مِـنْ دُوْنِ الـلّٰهِ کا ہے اور دنیا اَرْبَـابًـا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے سامنے جھک رہی ہے تو تمھیں کیا حق ہے کہ زبان سے ایسے الفاظ نکالو جن کے معنی اصلیّت سے کوسوں دُور ہوں؟

تم جو نماز میں، قیام و قعود میں، رکوع و سجود میں اللّٰه اَكْبَرَ کہا کرتے ہو اور آج معمولی معمولی باتوں پر نعرۂ تکبیر بلند کرنے کے عادی ہو چکے ہو۔ مجھے بتلا سکتے ہو کہ تم نے ساری زندگی میں اللہ کی بڑائی، اُس کے نام کو اُونچا کرنے اور اُس کو وہ درجہ دینے کی خاطر جس کا کہ صحیح معنوں میں وہ مستحق ہے کیا کچھ کر دکھایا ہے؟ پھر اگر تمھارا نامہ اعمال اس صالح ترین عمل سے خالی ہے تو پھر تم کیوں چیخ چیخ کر اور گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے ہو؟ جاؤ اور عرقِ ندامت میں جا کر ڈوب مرو۔

عبادات کی افضلیت میں کسی کو کلام نہیں، نمازیں پڑھنی ضروری ہیں، نوافل و تہجد و اشراق روحانی ترقی کا باعث ہیں۔ مصلاؤں پر بیٹھ کر تسبیح خوانی مستحسن ہے، ذکر خفی و جلی یادگارِ اسلاف ہے، خلوت و اعتکاف سے طمانیت و سکونِ قلبی حاصل ہوا کرتا ہے مگر جس کی عبادت کی جاتی ہے، جس کا نام ہر وقت وردِ زبان ہے، جس کی یاد کے بغیر متصوّفین کے نزدیک ایک سانس لینا بھی قطعاً حرام ہے۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ آج دنیا میں اُس کا درجہ کتنا بلند ہے؟ اُس کی بادشاہت انسانی آبادی کے کتنے حصے پر مسلط ہے؟ اور اس کے احکام و ارشادات کی کہاں تک تعمیل ہو رہی ہے اور ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ خدا کی حکومت اب دنیا میں باقی نہیں رہی، اُس کی بادشاہت سطحِ ارضی کے کسی حصّہ پر بھی موجود نہیں اور اُس کے قانون کا احترام غیر مسلم بجائے خویش مسلمان بھی نہیں کر رہے۔ اندریں حالات اب دو ہی چیزیں آپ کے سامنے ہیں:

۱۔ درود و اوراد، مراقبات و مکاشفات، تسبیح و تہلیل، دل پر اللہ اللہ کی ضربیں لگانی، توجہ دینی اور ہاؤ ہو مچانی

قطعاً ترک کر دیں کیوں کہ ایک کا محکوم ہو کر دوسری حکومت کے گن گانے خود فریبی اور اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے بل کہ حقیقی معنوں میں خدا کو دھوکا دینا ہے۔ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔[۳۹]

۲۔ اپنی قلت و کثرتِ سامان، بے سروسامانی اور رہ بران طریقت کے غلط احکام اور علمائے کرام کے تن آسانی پیدا کرتے فتووں کی پروا نہ کرتے ہوئے اعلائے کلمتہ اللہ کی خاطر میدان عمل میں نکل آئیں۔ اپنی جان کو ایک ہتھیلی اور اپنے مال کو دوسری ہتھیلی پر رکھ کر اللہ کی حکومت اور خدا کی بادشاہت کا اعلان کریں اور اس جرم کی پاداش میں دنیا والے جو بھی تعزیر لگائیں اس کی قطعاً پروا نہ کریں، جو بھی سزا دیں اسے مردانہ وار برداشت کریں اور اس بلند ترین مقصد اور نصب العین کے حصول کی خاطر اپنے تمام اوقات وقف کر دیں، اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں اور اس بات پر تیار ہو جائیں :

یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید[۴۰]

ہم نے حکومت الٰہیہ قائم کر کے کسی کے خلاف لڑنا نہیں۔ نہ ہمیں برطانیہ کی طاقت سے برسرپیکار ہونا ہے، نہ اپنے ابنائے وطن ہندو اور سکھوں سے مقابلہ کرنا ہے، نہ کسی دوسری قوم پر جارحانہ اقدام پیش نظر ہے جب کہ ہمیں اِس حقیقت کا اعتراف ہے کہ انگریزوں کو طاقت اور قوت بخشنے والی بھی وہی ذات اقدس ہے اور جب تک اُس کی مشیت اور ارادہ ہوگا ہمارے یا ہندو بھائیوں کے شور و غوغا سے یہ قوم ہندُستان کو چھوڑنے والی نہیں بل کہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہندُستان سے اسلامی حکومت کا جنازہ محض اس لیے نکلا کہ مُسلمانوں نے اللہ کی حکومت سے سرتابی کی اور اپنی ذاتی حکومت قائم کرنے لگے۔ پھر ان کا اخراج جس طریق سے ہوا وہ سب کو معلوم ہے اور انگریز بھی اُسی زنجیر کی ایک کڑی ہیں جو مسلمان کو سزا دینے کی خاطر قدرت نے اِن کے اردگرد لپیٹ دی اور جس صورت میں کہ ہم نے پھر حکومت الٰہیہ کا اعلان کرنا ہے اور صرف اعلان نہیں بل کہ اُس کے ماتحت آ کر احکم الحاکمین کے ہر حُکم کی تعمیل بھی کرنی ہے۔ پھر ایجابی صورت میں قدرتی طور پر جو سلبی مناظر سامنے آئیں گے دنیا خود بہ خود انھیں دیکھ لے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اب دوسری چیز قابلِ غور و عمل قانونِ خداوندی کا احترام ہے۔ آج ہمارے ہندُستان میں انگریز کی حکومت ہے، برطانیہ کا راج ہے اور اُس کے ماتحت رہنے والے لوگ اس بات پر مجبور ہیں کہ حکومت برطانیہ ہندُستان کی رعایا کے لیے جو قانون رائج کرے وہ سب کے لیے واجب التعمیل ہو۔ چناں چہ تعزیرات ہند کی جتنی دفعات ہیں، عدالتیں انھی کے مطابق فیصلے دے رہی ہیں، وکلا انھی کی تشریح و توضیح کر رہے ہیں اور لوگ انھی کے مطابق اپنے معاہدات کو ڈھال رہے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔[۴۱] قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا آخری قانون ہے اور مسلمان اِس امر کا مکلّف ہے کہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ پڑھنے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی حکومت کے ماتحت لے

آنے کے بعد اس قانون کا عملی طور پر احترام کرے۔ اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سپرد کردے۔ اپنے تنازعات اور جھگڑوں کا فیصلہ ظاہری عدالتوں کی جگہ احکم الحاکمین کی عدالت سے کروائے اور شریعتِ غرا کی طرف سے جو احکام سرزد ہوں انھیں بلا چون و چرا تسلیم کرے۔

میرے عزیزو! سب سے پہلے آج آپ اس بھری محفل میں سچے دِل سے اِس بات کا اقرار کریں کہ آئندہ کے لیے آپ کا بادشاہ آپ کا خدا ہے اور آپ کا قانون اللہ کی کتاب یعنی قرآن حکیم ہے اور اس سلسلہ میں امیرِ حزب اللہ آپ کے سامنے جو بھی پروگرام رکھے اُس پر چلنے کے لیے تیار ہو جائیں کہ اِس سے بڑھ کر مسلمان کے لیے نہ کوئی نعمت ہے نہ عزت۔ دنیا کی ہزار بادشاہتیں اللہ کی ایک غلامی پر قربان ہیں اور دنیا کی لاکھ نعمتیں اس ایک نعمت پر تصدّق۔ یہی ایک چیز تھی جس کا اظہار مجھے شروع سے مطلوب تھا مگر دیدہ و دانستہ آپ کو اِس حقیقت کے سمجھنے کے قابل بنانے کی خاطر کچھ دیر استعارات و کنایات سے کام لیا گیا اور آج صاف اور صریح لفظوں میں اپنا مافی الضمیر پیش کر دیا گیا۔

سترہ سال کا بہ ظاہر طویل مگر حقیقتاً کام کی نوعیّت اور اہمیّت کے مقابلہ میں مختصر عرصہ آپ کے دلوں کی زمین کی درستی و اصلاح میں صرف ہوا اور آج بِحَمْدُلِلّٰہِ کہ زمین مجھے اِس قابل نظر آرہی ہے کہ اِس کے اندر توحید، وحدت پرستی اور حکومت الٰہیہ کا بیج ڈال دیا جائے۔ انسانی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اور اس راستہ پر چلنے والے مسافر کے لیے تھوڑی سی غفلت اور لاپروائی بھی منزلِ مقصود سے دور کرنے والی ہے۔ وِلِلّٰہِ دَرَقَائِلِہٖ۔[۴۲]

گفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شُد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ را ہم دُور شُد [۴۳]

ممکن ہے کہ منزلِ جاناں تک پہنچنے کے لیے ابھی کچھ مزید مہلت درکار ہو اور نصب العین حاصل کرنے کی خاطر جو جدوجہد ہونے والی ہے وہ کچھ طوالت پکڑ جائے اور میری زندگی میں وہ مبارک گھڑیاں آئیں یا نہ آئیں جن کا مجھے مدت سے انتظار ہے اور میرے بھائیوں کو بھی بے تابی کے ساتھ اِن کا منتظر رہنا چاہیے مگر سب سے اہم و اقدم، ایک قومیت[۴۴] کے لیے اپنے نصب العین کا تعین اور ایک راستہ چلنے والے کے لیے منزلِ مقصود کی تجویز اور ایک ملک کی رعایا کے لیے اپنے بادشاہ کا انتخاب ہوا کرتا ہے۔ سو خداوندِ کریم کا ہزار شکر ہے کہ ہم نے ایک نصب العین معیّن کرلیا ہے، منزلِ مقصود کا کھوج لگا لیا ہے اور رعایا نے اپنے بادشاہ، غلاموں نے اپنے آقا اور بندوں نے اپنے معبودِ حقیقی کا انتخاب کرلیا ہے :

چھانٹا وہ دِل کہ جس کی ازل میں نمود تھی
پسلی پھڑک اٹھی نظرِ انتخاب سے[۴۵]

میرا دل خوشی سے لبریز ہے اور میرے جذبات طرب سے معمور۔ میرے بھائیو! آؤ تم بھی اِس وفور انبساط اور انتہائے ابتہاج [خوب صورتی] میں میرے ساتھ شریک مسرت ہو جاؤ کہ آج ہم نے ہندُستان کی آزادی کا اعلان نہیں کرنا، سوراج اور ڈومینین سٹیٹس کا اعلان نہیں کرنا بل کہ اعلان کرنا ہے اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا۔ اعلان کرنا ہے قانونِ خدا کی ترویج کا۔ اعلان کرنا ہے اپنی غلامی اور محکومی کا۔ اعلان کرنا ہے اپنی عبودیت اور حکم برداری کا اور اس کے بعد اس بلند ترین مقصد کے حصُول، اس بہترین نصب العین کے حاصل کرنے اور اعلا ترین درجہ تک پہنچ جانے کے لیے مسلسل جدو جہد و پیہم، تگ و دو کا آغاز کرنا ہے کہ مسلمان جو حقیقی غرض دنیا میں لے کر آیا تھا وہ پوری ہو جائے اور ہم اپنی زندگی کو اس شاہ راہ پر ڈال دیں جو یوم الست سے ہمارے لیے تجویز ہو چکی ہے۔ سارے جہاں کے مسلمانوں کی عبادات، موجودہ زمانہ کے تمام صوفیا باصفا اور زاہدان مرِتاض [اپنی مرضی سے زہد و تقوا اختیار کرنے والے] کے قال و حال، علمائے کرام کے تمام مواعظ حسنہ و تقاریر دل پذیر ایک طرف اور اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کے اعلان کے بعد ایک ادنیٰ ترین اور گناہ گار مسلمان کا مجاہدانہ اقدام ایک طرف :

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝[۴۶]

ترجمہ: کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور کعبہ اللہ کی تعمیر کو اُس شخص کے برابر سمجھ رکھا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لا چکا ہو اور خدا کے راستہ میں جہاد کر رہا ہو۔ کبھی یہ لوگ خدا کے نزدیک برابری حاصل نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتے۔ جو لوگ کہ ایمان لا چکے ہیں، (اللہ کی رضا جوئی کے لیے) ترکِ وطن کر چکے ہیں، اللہ کے راستہ میں اپنی جانیں اور مال قربان کر چکے ہیں۔ ان ہی لوگوں کو اللہ کے نزدیک سب سے بڑے درجے حاصل ہیں اور یہی لوگ فوز و فلاح پانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ انھیں اپنی رحمت، اپنی رضا اور ایسے باغات کی خوش خبری دیتے ہیں جن کی نعمتیں دائمی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیش رہیں گے۔ بے شک اللہ کے نزدیک بڑے بڑے اجر ہیں۔

اب آپ نے قرآنی تقابل بھی ملاحظہ فرمالیا اور مجاہدین کے درجاتِ عالیات سے بھی واقفیت حاصل کر لی۔ اب آؤ سب مِل کر اُس کی حمد وثنا میں رطب اللساں ہو جائیں، اپنے جبیں ہائے نیاز اُس کے آستانِ جلال پر رگڑنے لگیں اور اپنے سر ہائے تسلیم کو اس کے آگے جھکا دیں کہ اِس نے اپنی کمال شانِ کریمی سے ہدایت کے راستے اِس فقیر پر اور میرے ذریعے آپ پر کھول دیے ہیں۔ وہ صِرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ جس کے لیے آپ ہر نماز میں طلبِ رہ نمائی کرتے ہیں۔ یہی ہے جس کی رہ نمائی یہ فقیر کر رہا ہے۔ انعاماتِ خداوندی میں سب سے بڑا انعام اور اس کی بخششوں میں سب سے بڑی بخشش یہی ہے جو ہمارے حصہ میں آچکی ہے۔ نمازوں کا ماحصل، روزوں کا مآل کار، زکوٰۃ کی عِلت، حج کی لِم اسی میں پوشیدہ ہے۔ نہیں بل کہ تخلیقِ آدم، خلقتِ کائنات اور ظہورِ موجودات کا راز اِسی میں مضمر ہے۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جنھوں نے اس درسِ حیات کو دِل کے کانوں سے سُنا اور اس حقیقتِ کبریٰ کو دل کی آنکھوں سے دیکھا۔ مبارک ہیں وہ دل جو کہ اپنے دِل دارِ حقیقی کو پا کر کِسی دوسری طرف ملتفت نہیں ہوتے اور مبارک ہیں وہ سر جو کہ ایک کے سامنے جھک کر سرفراز اور سر بلند ہو گئے۔

عزیزانِ من! اِس تصوّر کے بعد کہ آپ احکم الحاکمین کے تختِ جلال کے سامنے بستہ کھڑے ہو کر مناجات کر رہے ہیں، اس کے روبہ رو اپنا سرِ نیاز خم کر رہے ہیں اور اس کی آستان قدس پر آپ کی جبینِ نیاز سجدہ ریز ہے۔ آپ کو نماز میں وہ لطف آئے گا جو آگے کبھی نہیں آیا۔ اس خیال کے ماتحت کہ اپنے آقا و مولیٰ، شہنشاہِ ارض وسما کی تعمیلِ ارشاد میں آپ روزہ دار ہیں، صرف مفطرات ثلاثہ [روزے کو توڑنے والی تین چیزیں یعنی کھانا، پینا اور جماع کرنا] نہیں بل کہ تمام ممنوعاتِ شرعیہ سے آپ اجتناب کر رہے ہیں۔ آپ کے ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ، دِل سب پر اس کی ہیبت اور رعب طاری ہے اور سب کے سب منہیات [ممنوعات] سے آپ محترز [بچنے والے] ہو رہے ہیں۔ آپ کے اندر تقوا اور پرہیز گاری خود بہ خود پیدا ہو جائے گی۔ زکوٰۃ کا دینا بھی طبیعت پر بار نہ ہوگا جب کہ اُس میں رب العزت کی رضامندی نظر آئے گی اور فریضۂ حج نہ صرف تمھیں سابقہ گناہوں سے پاک وصاف کرے گا بل کہ خانۂ خدا کی عظمت، میدان عرفات کا شکوہ اجابت، توبہ کا میثاق، تجدیدِ عہد کا نظارہ تمھارے دِلوں پر ایک غیر فانی اثر چھوڑ دے گا اور تمھارے اخلاق وعادات میں ایک زبردست تبدیلی پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے اقرار اور اُس کی حکومت کے قیام کے بعد تمھیں اعمال صالح کی طرف خود بہ خود رغبت پیدا ہونی مستلزم ہے جب کہ ان سے اُس کے تقرب اور وصال کا تیقن ہے اور افعال سیئہ سے استکراہ [ناپسندیدگی] اور نفرت لازم جب کہ یہ چیزیں اُس کی ذات سے بُعدیت اور دُوری کا موجب ہیں اور ناراضی ورنجش پیدا کرنے کا سبب۔ غرض ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں [۴۸] خدا تعالیٰ کو بادشاہ

مان لینے کے بعد آپ کے تمام عقائد وخیالات کی درستی، تمام اعمال وافعال کی اصلاح اور تمام اوصاف واخلاق کی اچھائی خود بہ خود پیدا ہوجائے گی۔ پھر نہ کسی وعظ کی ضرورت ہے نہ کسی تقریر کی۔ دنیا میں سب سے بڑا وعظ یہی ہے جو آپ کو سنایا گیا ہے اور سب سے اچھی تقریر یہی ہے جو کی گئی ہے۔ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔ [۴۹]

موجودہ جنگ اور ہمارے تاثرات

وقت کا سب سے ضروری مسئلہ موجودہ عالم گیر جنگ ہے۔ جس نے کہ تمام دنیا کی توجّہات کو کلیتہً اپنی طرف منعطف کرلیا ہے اور اس معرکہ دار وگیر اور اِس ہنگامہ رستخیز میں کسی شخص کو کوئی دوسری بات نہیں سُوجھ سکتی۔ اشیاء کی گرانی اور نایابی، پیداوار کی کمی اور اجناس کی قلت نے لوگوں کی اقتصادیات اور مالیات پر بے حد بُرا اثر ڈالا ہے اور بنگال کے خوف ناک قحط کا تصوّر ہی لرزہ براندام کرنے والا ہے جہاں کہ ہزاروں نہیں بل کہ لاکھوں انسان محض بھوک کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے اور ایک ایک چاول کے دانہ کے لیے ترس ترس کر جانیں دیں اور اگر غور سے دیکھا جائے تو قحط کا حقیقی موجب یہی جنگ ہے اور جاپان کا برما وغیرہ پر قبضہ واقتدار جہاں سے بنگال میں اناج بہ افراط آیا کرتا تھا اور ان علاقوں کے جاپان کے قبضہ میں چلے جانے سے اجناس کی درآمد بند ہوگئی اور ہندُستان کے دوسرے صوبوں کی ریلیں افواج وعساکر کی نقل وحرکت اور سامانِ جنگ کے ادھر اُدھر لے جانے میں اس حد تک مصروف تھیں کہ بنگال کو بروقت امداد نہ پہنچ سکی اور لاکھوں جانیں لڑائی کے بغیر لڑائی کی بھینٹ چڑھ گئیں۔

یہ کیفیت تو اُس علاقہ کی ہے جہاں کہ جنگ کا محض اخلاقی اثر پڑا ہے۔ اب ذرا ان ملکوں اور آبادیوں کا تصور کریں جہاں کہ بم بارطیّارے بھاری بھرکم بم گرا رہے ہیں، جہاں ہیبت ناک ٹینک آتش بازی کر رہے ہیں، جہاں مہیب توپیں کئی کئی من وزنی گولے پھینک رہی ہیں۔ وہاں آپ کو کھنڈرات، گہری غاروں، جھلسی ہوئی زمین کے ٹیلوں، انسانی جلی سڑی لاشوں، نیم سوختہ ہڈیوں، بم کے شکستہ ٹکڑوں اور پھٹے ہوئے لوگوں کے بکھرے ہوئے اجزا کے سِوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔ معلوم نہیں کہ جنگ کا یا بالفاظ دیگر انسانی بدقسمتی کا خاتمہ کب ہوگا؟ اور دنیا کس وقت آرام واطمینان کا سانس لے گی؟ مگر بہ ظاہر حالات اب اتحادیوں کی حالت اچھی نظر آتی ہے۔

روس نے جرمنی کو پوری طاقت کے ساتھ دھکیل کر اپنے علاقہ سے باہر نکال دیا ہے اور جرمنوں کا وہ پہلا دم خم بالکل نہیں رہا۔ اب جارحانہ اقدام کرنے والے مدافعانہ پہلو اختیار کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں اور اگر روس کا دباؤ اسی طرح قائم رہا اور جرمنی کے علاقہ میں روسی یلغار پہنچ گئی تو ممکن ہے جرمنوں کو ہار ماننی پڑے یا

گزشتہ جنگ کی طرح پھر جرمنی میں سیاسی انقلاب آ جائے اور ہٹلر کو بھاگ جانے یا خودکشی کرنے کے بغیر کوئی مفر نہ رہے۔

اِٹلی کی حالت بھی ناگفتہ بہ[۵۰] ہو رہی ہے۔ اُس کے نصف علاقہ پر اتحادی قابض ہیں اور نصف پر جرمنی اور غالباً مسولینی کو اپنی زندگی میں ہی اپنی اُس سفّاکی اور ظلم کی سزا مِل رہی ہے جو ماضی قریب میں اُس نے غریب حبشہ پر توڑا تھا۔ ممکن ہے کہ عن قریب اتحادی روس کے حد سے بڑھتے ہوئے مطالبہ سے متاثر ہو کر یورپ میں ایک دوسرا محاذ قائم کر دیں جہاں کہ نائرہ حرب کے بے حد مشتعل ہو جانے کا امکان ہے مگر جس کے بروئے کار آ جانے سے جنگ کا خاتمہ جلدی ہونا بہ ظاہر حالات متیقّن [یقینی]۔

جاپان اور امریکا کی باہمی جھڑپیں بھی ہو رہی ہیں اور امریکا کی روز افزوں ہوائی اور بحری طاقتیں جاپان کے لیے کوئی نیک فال نہیں مگر سب سے زیادہ جاذبِ توجّہ آسام کے عِلاقہ میں اتحادی عساکر اور جاپانی افواج کی ٹکّر ہے۔ اگر اتحادیوں کو یورپ کی طرف سے فراغت ہو جائے اور وہ اپنی طاقت جاپان کے مقابلہ میں لے آئیں تو پھر یقیناً ان کا پلّہ بھاری ہو گا لیکن ان کی افواج مختلف محاذوں پر تقسیم اور ان کی بحری اور ہوائی طاقتوں کا منقسم ہو جانا جاپان کے لیے ہر اعتبار سے مفید ثابت ہو رہا ہے اور آسام کے محاذ پر اس کا بے جگری سے لڑنا بھی اِسی سبب سے ہے اور تاوقتیکہ جرمنی کو کلیۃً شکست نہ ہو جائے اتحادی جاپان پر کوئی کاری ضرب نہیں لگا سکتے۔

جاپان والوں نے اس جنگ میں کسی اصول پسندی یا رواداری کا کوئی ثبوت نہیں دیا۔ مفتوح اقوام سے اُس کا سلوک بالکل وحشیانہ ہے اور قیدیوں کے ساتھ اُس کا برتاؤ بے حد قابل نفریں۔ خدا کرے اُن کے ناپاک قدم ہندُستان کی سرزمین کو نہ چھو سکیں اور انھیں سرزمینِ ہند پر بڑھنے کی جرأت نہ ہو جہاں کے باشندے پہلے ہی سالہا سال سے غلامی اور محکومی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور بے شمار قربانیوں کے بعد انگریز نے اُن سے عطائے آزادی کا وعدہ کیا تھا اور ممکن ہے کہ جنگ کے بعد اُس کا ایفا بھی کسی مکمل یا ناقص شکل میں ہو جائے لیکن جاپان کا ہندُستان پر متسلط ہو جانا اُس کی مجوزہ آزادی کے لیے پیغامِ موت کے مترادف ہو گا۔

ہمیں حکومت برطانیہ کے ساتھ اس جنگ میں دلی ہمدردی ہے۔ جس کا اظہار آغازِ جنگ سے لے کر اب تک حزب اللہ کے ہر ایک سالانہ جلسہ میں ہو چکا ہے اور محض اس بنا پر کہ ہم آمریت کے مقابلہ میں جمہوریت کو ترجیح دیتے ہیں اور ہم نے برطانیہ سے جو بہترین توقعات قائم کر رکھی ہیں اور از اں جملہ ہندُستان میں بسنے والے مسلمانوں کی اقلیت کے ساتھ اُس کے وہ وعید و مواثیق ہیں جو وقتاً فوقتاً کر چکا ہے کہ اُن کے حقوق کی حفاظت اِس کے ذمہ ہو گی اور پھر قیامِ پاکستان میں اس کی متوقع اعانت جس کے بغیر ہمارے ابنائے وطن شاید

ہی ہمارے حقوق ہمیں دینے کے لیے تیار ہو سکیں۔حزب اللہ کے ہزاروں رضا کار اس وقت مختلف محاذ ہائے جنگ میں مصروفِ کارزار ہو کر دادِ شجاعت دے رہے ہیں۔اللہ کریم انھیں مع الخیر والعافیت اور فاتحانہ حیثیت سے واپس لائیں تاکہ اِن کے جنگی تجربات سے ملک اور قوم مستفید ہو سکے۔

پاکستان کے متعلق تجدیدِ عہد

جیسا کہ گزشتہ چند سال سے یہ فقیر پاکستان یا تحفظِ حقوقِ مسلم کے متعلق اپنے خیالات کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ ظاہر کرتا چلا آیا ہے۔اب بھی اُن ہی جذبات کے زیر اثر یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہے کہ چوں کہ یہ مطالبہ مبنی بر انصاف ہے، اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کے سِوا کِسی دوسرے کے حقوق میں کوئی دخل اندازی نہیں اور مرکز میں علاحدگی قائم کیے بغیر مسلمانوں کے معقول مطالبات کو پائے استحقار سے ٹھکرائے جانے کا خطرہ ہے۔ اس لیے پاکستان ضرور بننا چاہیے بل کہ مسلمانوں کو پاکستان بنائے بغیر چین نہیں لینا چاہیے جب کہ آزادی یا حقوق مانگنے سے نہیں ملتے بل کہ انھیں اپنے قوّتِ بازو سے حاصل کرنا پڑتا ہے۔

ہماری سیاسی جماعت مسلم لیگ نے تھوڑے عرصہ سے عام مقبولیت حاصِل کر لی ہے اور مسلمانوں کی غالب اکثریت اُن کا ساتھ دینے لگی ہے اور پھر اُس کے پیش کردہ پاکستانی نظریہ نے اِن مسلمانوں کے دلوں میں بھی ایک ولولہِ عمل پیدا کر دیا ہے جو کہ ہندُستان کی آزادی کے ساتھ ہی اپنے حقوق کا تحفظ چاہتے ہیں اور انگریز کی غلامی سے نجات حاصل کر کے اپنے ابنائے وطن کی غلامی میں نہیں جانا چاہتے۔مستقبل قریب میں جب جنگ کے اختتام پر برطانیہ ہندُستان کی مجوزہ آزادی کے متعلق کوئی اعلان کرے گا اس وقت پاکستان کے حصول کا انحصار ہماری طاقت اور جدوجہد پر ہوگا۔

اگر برطانیہ نے سمجھ لیا اور ہندو بھائیوں نے محسوس کر لیا کہ ہندُستان کا مسلمان اس مسئلہ پر متّفق الرائے ہے اور پاکستان لیے بغیر وہ ہندُستان کے اندر کِسی قسم کا کوئی آئین قائم نہیں ہونے دے گا تو پھر اِس مطالبہ کا تسلیم کیا جانا بالکل یقینی ہے اور دوسری صورت میں جب کہ حکومت اور ابنائے وطن کو اس امر کی تسلی ہو گئی کہ یہ محض چند اشخاص کی انفرادی رائے ہے اور مسلمان بہ حیثیت الجماعت اِس سے کوئی دل چسپی نہیں رکھتے اور ان کے اِس مطالبہ کو اگر نامنظور کر دیا جائے تو عامہ المسلمین میں کِسی قسم کا کوئی ہیجان یا اشتعال پیدا نہیں ہوگا تو پھر انگریز، ہندو قوم کی خوش نودی حاصل کرنے اور ہندو بھائی، اپنی خود غرضی اور مطلب براری کے پیش نظر کبھی بھی پاکستان کے لفظ کو شرمندۂ معنی نہیں ہونے دیں گے۔

بعض مسلمان اگر اپنی دوسری اسلامی جماعتوں کو توڑ کر مسلم لیگ میں مدغم نہیں ہونا چاہتے تو کم از کم

پاکستان اور دوسرے ہم چوقسم سیاسی معاملات میں جو کہ اِن کے نزدیک مسلمانوں کے مفادات کے مطابق ہوں انھیں مسلم لیگ کا ساتھ دینا چاہیے اور یہ فقیر اپنی جماعت حزب اللہ کی طرف سے مسلم لیگ کے قائداعظم مسٹر محمد علی جناح کو گزشتہ سال کی طرح پھر یقین دلاتا ہے کہ سیاسیات اِسلامیہ میں آپ کا جو اقدام بھی ملت مرحومہ کی بہتری کے لیے ہوگا آپ کو ہماری جماعتی تائید حاصل ہوگی۔ وَبِیَدِہِ التَّوْفِیْق۔ [۵۱]

آخری گزارشات

میرے عزیزو! امسال کا طویل مگر ضروری خطبہ صدارت آپ سُن چکے ہیں اور حزب اللہ کے حقیقی نصب العین سے آپ نے کماحقہٗ واقفیت حاصل کر لی ہے۔ اِس فقیر نے اپنا آخری پیغام آپ تک پہنچا دیا ہے، احکم الحاکمین کی حکومت کا اعلان ہو چکا ہے، قانون الٰہیہ پر چلنے کا آپ نے عہد کر لیا ہے۔ اب اس ضمن میں حسبِ ذیل گزارشات قابلِ عمل ہیں اور لائقِ پذیرائی:

۱۔ ہر وقت اور ہر لمحہ یہ حقیقت آپ کے پیش نظر ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے بادشاہ ہیں اور قرآن حکیم ہمارا قانون۔

۲۔ فَلْيُبَلِّغَ الشَّاهِدَ الْغَائِبَ [۵۲] کے مطابق حاضرین کا اولیّن فرض ہے کہ اس اعلان واجب الاِذعان کو ملک کے ہر گوشہ میں اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کے کانوں تک پہنچا دیں۔

۳۔ ارکانِ خمسہ و دیگر عبادات و معاملات کو ان اس خیالات کے ماتحت پورا کیا جائے کہ شاہی حُکم اور شہنشاہی فرمان کی تعمیل کی جارہی ہے۔

۴۔ جہاں کہیں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کامل قانون اور اِنسان کے بنائے ہوئے ناقص قانون میں تصادم وتقابل ہو آپ اللہ تعالیٰ کے قانون کو ترجیح دیں۔

۵۔ اللہ کا نام بلند کرنے اور اس کے قانون کا احترام قائم کرنے (یا بہ الفاظ دیگر جہاد) کی خاطر امیرِ حزب اللہ جس وقت بھی آپ کو دعوت دے آپ اس پر لبیک کہنے کے لیے فی الفور تیار ہو جائیں۔

۶۔ اپنے دِل میں خوفِ خدا و خشیت الٰہی پیدا کر لیں تا کہ دنیا کی کسی دوسری چیز کا خوف و ہراس باقی نہ رہے۔

۷۔ گزشتہ سال کی تعلیم کے مطابق ذہنی انقلاب کے ماتحت یہ خیال آپ کے دل و دماغ میں مرکوز ہو جائے کہ ہم خدا کے غلام ہیں اور خدا کا غلام دنیا میں کسی دوسرے کا غلام نہیں رہ سکتا۔

۸۔ اپنے ارادوں اور عزائم کو مضبوط بنائیں، اپنی ہمت کو بلند کریں اور اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کریں۔

۹۔ اپنے جسم اور روح کو مضبوط بنانے کی خاطر ظاہری ورزشیں بھی کریں اور روحانی ترقی کے ذرائع بھی اختیار کریں۔

۱۰۔ امیر کے احکام کے بغیر از خود کسی قسم کا کوئی اقدام نہیں ہونا چاہیے۔

خاتمۂ سخن

محترم حاضرین! مَیں شکریہ اَدا کرتا ہوں کہ آپ نے میری باتیں غور اور توجّہ سے سُن لیں مگر یہ باتیں صرف کہنے سننے کی نہیں بل کہ یہ تو دعوتِ عمل ہے جو کہ آپ کو دے دی گئی ہے۔ یہ تو ایک سب سے ضروری اعلان تھا جو کہ آپ کے کانوں تک پہنچا دیا گیا ہے اور یہ تو ایک انقلابی مہم تھی جس کا آج عملی طور پر افتتاح ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ اِس فقیر کو آئندہ بھی یہ توفیق بخشیں کہ وہ اعلائے کلمۃ اللہ اور اظہارِ صداقت میں کبھی خائف و ہراساں نہ ہو اور آپ کو ہمت عطا فرمائیں کہ جو شاہ راہِ عمل آپ کے سامنے آ چکی ہے اُس پر مردانہ وار گامزن ہو کر شاہدِ مقصود سے ہم کنار ہو جائیں اور اس بدترین زمانہ میں بہترین طریق کار دنیا کے سامنے لا کر **عِنْدِ اللّٰہِ مَاجُوْرٌ، وَعِنْدَالنَّاسِ مشکور** [اللہ کے سامنے اجر کا باعث اور لوگوں کے سامنے شکریہ کا باعث ہوں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن ط۔

....

حواشی

۱۔ یوسف ۱۲:۳۶ تا ۴۰۔

۲۔ ترجمہ: اور توفیق اُس کے ہاتھ میں ہے۔ (عربی جملہ)

۳۔ ترجمہ: حیوانی جسم بڑھنے والے، محسوس کرنے والا اور اپنے ارادے سے حرکت کرنے والا ہوتا ہے۔
(اشیا کی حقیقتوں میں سے حیوان کی حقیقت کے بارے میں اصول کتب منطق و فلسفہ)

۴۔ البقرہ ۲:۳۱ تا ۳۴۔

۵۔ الانعام ۶:۱۴۔ یوسف ۱۲:۱۰۱۔ ابرھیم ۱۴:۱۰۔ فاطر ۳۵:۱۔ الذمر ۳۹:۴۶۔ الشوریٰ ۴۲:۱۱۔

۶۔ البانی، ابوعبدالرحمٰن محمد ناصرالدین، سلسلۂ الاحادیث الضعیف والموضوع۔۔۔، جز ۱۳، ص ۵۰، حدیث ۶۰۲۳۔

۷۔ ص ۳۰:۷۱ تا ۷۵۔

۸۔ البقرہ ۲:۳۰۔

۹۔ النحل ۱۶:۱۶۔

۱۰۔ الانبیاء ۲۱:۸۱۔

۱۱۔ بہت اچھا ہے جو کہا گیا ہے۔ (عربی الفاظ)

۱۲۔ ترجمہ: مجھے معلوم ہوا کہ کچھ بھی معلوم نہ ہوا۔ (ضرب المثل مصرع)

(رُباعیاتِ عمر خیام، مترجم: سیّد اصغر علی شاہ، مکتبہ دانیال، اردو بازار لاہور، س ندارد، ص ۱۲۵)

۱۳۔ الذریٰت ۵۱:۵۶۔

۱۴۔ المومنون ۲۳:۱۴۔

۱۵۔ ترجمہ: ہم نے پیالے کے اندر رخِ یار کا عکس دیکھا ہے، اے ہمارے ہمیشہ کی پینے کی لذت سے بے خبر!

(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اُردو بازار لاہور، س ندارد، ص ۳۵)

۱۶۔ خطبہ میں متضاد کی جگہ متضاوت درج تھا۔

۱۷۔ اتنی غذا جس کے ہوتے ہوئے بندہ بھوکا نہ مرے۔

۱۸۔ ترجمہ: عقل و دانش (کی مدد) سے نہ تو کوئی یہ معما حل کر سکا ہے (اور) نہ آئندہ کر سکے گا۔ (ضرب المثل مصرع)
پورا شعر یوں ہے:

حدیث از مطرب و می گوی و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ای معما را

(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار لاہور، س ندارد، ص ۳۱)

۱۹۔ ترجمہ: کہنے والے کے اللہ کے لیے موتی ہیں بہ معنی کیا خوب کہا ہے۔ (عربی جملہ)

۲۰۔ ترجمہ: ہمارا محبوب جو کہ نہ مکتب گیا اور نہ اُس نے لکھنا سیکھا، (محض) اپنے انداز و اَدا سے سیکڑوں استادوں کو مسائل و نکات سکھا دیے۔ اصل میں یہ شعر یوں ہے:

نگارِ ماہ کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اُردو بازار لاہور، س ندارد، ص ۱۷۴)

۲۱۔ ترجمہ: تمام مے کدوں کے شفا خانوں میں ایک ہی دوا ہے۔ جس مرض کی بھی کوئی شکایت کرتا ہے اُسے شراب دیتے ہیں۔

۲۲۔ الرعد ۱۳:۲۸۔

نوٹ: خطبہ میں قُلُوْبُهُمْ کے بعد بِذِكْرِ اللّٰهِ درج نہیں تھا۔

۲۳۔ الانعام ۶:۵۷۔ یوسف ۱۲:۴۰، ۶۷۔

۲۴۔ الاعراف ۷:۱۲۸۔

۲۵۔ النحل ۱۶:۸۹۔

۲۶۔ ترجمہ:مَیں نے جو مصلحت دیکھی وہ یہ ہے کہ لوگ سب کام چھوڑ دیں اور محبوب کی زُلف تھام لیں۔
(دیوانِ حافظ،مترجم: قاضی سجاد حسین،اسلامی کتب خانہ،اردو بازار لاہور،س ندارد،ص۲۰۷)
نوٹ:اصل شعر میں بگذرائند کی جگہ بگذارند درج ہے۔

۲۷۔ ایک آدمی کی رائے ہزار آدمیوں کے سامنے نہیں چلتی۔ (کہاوت)
اصل کہاوت ہے : نقارخانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔

۲۸۔ محمد ۴۷:۴۔

۲۹۔ النمل ۲۷:۳۴۔
خطبہ میں اَفْسَدُوْھَا کی جگہ اَخَذُوْھَا درج تھا۔

۳۰۔ الانفال ۸:۳۹۔

۳۱۔ النساء ۴:۷۶۔

۳۲۔ ترجمہ: آخری حیلہ تلوار ہے۔ (عربی مقولہ)

۳۳۔ ال عمران ۳:۲۶۔

۳۴۔ خطبہ میں بھاڑے کی جگہ پچھاڑے درج تھا۔

۳۵۔ البقرہ ۲:۱۵۴۔

۳۶۔ ترجمہ:محبت اللہ کے لیے اور بغض بھی اللہ کے لیے۔
(ابوداؤد،السنن،کتاب السنۃ،باب مجانب اھل الأ ھواء و بعضھم،حدیث ۴۶۰۱)

۳۷۔ ترجمہ:ایک عرصہ ہوا منصور کی آواز پرانی ہوگئی،مَیں نئے سرے سے سُولی اور رسم کو جلوہ دے رہا ہوں۔
(سرمد شہید،رباعیاتِ سرمد،مترجم:بال مکند عرش ملسیانی،انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز،نئی دہلی،س۱۹۹۲ء، ص۱۹)

۳۸۔ خطبہ میں کمر بستہ کی جگہ کمر بسیتہ درج تھا۔

۳۹۔ البقرہ ۲:۹۔

۴۰۔ ترجمہ:یا جسم محبوب تک پہنچ جائے گا یا روح جسم سے باہر آجائے گی۔ (ضرب المثل مصرع)
پہلا مصرع یہ ہے : ع دست از طلب ندارم تا کام من برآید
(دیوانِ حافظ،مترجم: قاضی سجاد حسین،اسلامی کتب خانہ،اردو بازار لاہور،س ندارد،ص۱۶۱)

۴۱۔ ترجمہ:اس پر قیاس کرلو۔ (ضرب المثال)

۴۲۔ ترجمہ: کہنے والے کے اللہ کے لیے موتی ہیں بہ معنی کیا خوب کہا ہے۔ (عربی الفاظ)

۴۳۔ دیکھیے خطبہ ۱۴،حوالہ ۱۳۔

۴۴۔ خطبہ میں ایک قومیت کی جگہ ایک قوم میت درج تھا۔

۴۵۔ اردو کے ضرب المثل اشعار، تالیف: محمد شمس الحق، شاعر ریاض خیر آبادی، شعر ۵۱۸، ص ۹۴۔

۴۶۔ التوبہ ۹: ۱۹ تا ۲۲۔

۴۷۔ الفاتحہ ۱: ۵۔

۴۸۔ ایک بڑا آدمی کئی چھوٹے آدمیوں کے برابر ہوتا ہے، سخی کی کمائی میں سب کا حصہ ہوتا ہے۔ (ضرب المثل)

۴۹۔ المزمل ۷۳: ۱۹۔

۵۰۔ ترجمہ: نہ کہا ہوا بہتر۔ (ضرب المثل)

۵۱۔ ترجمہ: اور اُسی کے ہاتھ میں توفیق ہے۔ (عربی جملہ)

۵۲۔ ترجمہ: وہ جو موجود ہے وہ غائب کو پہنچا دے۔ (عربی جملہ)

◆◆◆

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ

حضرت مولٰینا ابُو البرکات

سیّد محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالی

سجادہ نشین جلالپور شریف و امیر حزب اللہ

کا

خُطبۂ صَدارت

جو

آپ نے حزب اللہ کے اٹھارویں (۱۸)

سالانہ اجلاس پر

ارشاد فرمایا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط ☆

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوۡلٰینَا وَ حَبِیۡبِنَا وَشَفِیۡعِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَتۡبَاعِہٖ وَاَشیاعِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ O اَمَّا بَعۡدُ فَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ فِیۡ قُرۡاٰنِہِ الۡمَجِیۡدِ وَفُرۡقَانِہِ الۡحَمِیۡدِ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ O بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ O اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ اَنۡزَلَ لَکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنۡۢبَتۡنَا بِہٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَہۡجَۃٍ ۚ مَا کَانَ لَکُمۡ اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَہَا ط ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ط بَلۡ ہُمۡ قَوۡمٌ یَّعۡدِلُوۡنَ O ط اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَہَاۤ اَنۡہٰرًا وَّ جَعَلَ لَہَا رَوَاسِیَ وَ جَعَلَ بَیۡنَ الۡبَحۡرَیۡنِ حَاجِزًا ط ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ط بَلۡ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ O ط اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَ یَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَ یَجۡعَلُکُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ط ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ط قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ (۶۲) ط اَمَّنۡ یَّہۡدِیۡکُمۡ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ وَ مَنۡ یُّرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِہٖ ط ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ط تَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ O ط اَمَّنۡ یَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ وَ مَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ط ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ط قُلۡ ہَاتُوۡا بُرۡہَانَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ O

علمائے کرام، مشائخ عظام و برادرانِ ملت! آپ کا اِس گرمی اور مصروفیت کے مواقع کے باوجود تشریف لانا مبارک ہو۔ جس سے کہ آپ کے احساسِ فرض اور والہانہ محبّت کا ثبوت مِل رہا ہے اور جو بلند منزلِ مقصود اور بہترین نصب العین ہمارے سامنے ہے۔ اُس تک پہنچنے اور اُسے حاصل کرنے کے لیے ابھی اِس سے بڑھ کر قربانیوں کی ضرورت ہے۔ منزل کا تعین ہو چکا ہے اور نصب العین تجویز کیا جا چُکا ہے۔ گزشتہ سال ایک

☆ ۴/۵ جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ بہ مطابق بدھ ۱۶ مئی/ جمعرات ۱۷ مئی ۱۹۴۵ء کی درمیانی شب پڑھا گیا۔ گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں بہ اہتمام شیخ محمد اشرف تاجر کتب پرنٹرز و پبلشرز چھپا۔

حقیقت سے آپ کو آشنا کیا گیا تھا آج اُس کی مزید وضاحت ہوگی کچھ عملی چیزیں بھی سامنے آئیں گی۔ مَیں اکیلا یہ کام کر رہا ہوں آپ میرا ساتھ دیں گے تو میری ہمّت بڑھ جائے گی اور اللہ کریم کی اعانت کے بعد آپ کی معاونت حصول مقصد میں بے حد مفید پڑے [ہو] گی۔

کسی ظاہری اور رسمی شکریہ کی ضرورت نہیں اور یہ اعتراف کافی ہے کہ اَدائے فرض میں یہ فقیر مستعد ہے اور فرض شناسی کے لیے آپ حضرات آمادۂ کار۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے حافظ و ناصر ہوں اور نیک اعمال کی توفیق ہم سب کے رفیق حال رہے۔

عرفان کی تجلی

قدرت کی تنوع پسندی اور جدّت طرازی کے حیرت انگیز مناظر اور ہوش ربا نظارے ہر وقت ہمارے سامنے ہیں بشرطیکہ دیدۂ بینا و چشمِ بصیرت موجود ہو۔ سردی کے بعد گرمی، امساکِ باراں کے بعد ابرِ رحمت کا نزول، ہواؤں کا رُکنا، تھمنا اور پھر آندھیوں اور طوفانوں کی شکل میں چلنا، بادلوں کا گھر آنا، بجلی کی چمک، رعد کی گرج، موسلا دھار مینہ کا برسنا اور مطلع کا بالکل صاف ہو جانا، دریاؤں کی روانی اور تموج اور پھر گھٹتے گھٹتے معمولی ندیوں کی صورت اختیار کر لینا، سمندروں کی طغیانی اور تلاطم اور پھر سکون و قرار یا بالفاظ دیگر مد و جزر، رات کی خوف ناک تاریکی اور دن کا پُرنوُر اُجالا، موسم کی تبدیلیاں، بہار کے بعد خزاں اور خزاں کے بعد بہار، درختوں کی روئیدگی، بالیدگی اور خمیدگی، حیوانات کی پیدائش اور ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد موت کی آغوش میں چلے جانا۔ انسانی زندگی کے مختلف مدارج کم سنی، جوانی اور بڑھاپا، ایک ہی جنس اور ایک ہی نوع میں عقلی، ذہنی اور شعوری تفاوت۔ باغ کے اندر مختلف الالوان پھول اور الگ الگ ذائقہ والے پھل، حیوانات کی ہزاروں قسمیں، نباتات کے سیکڑوں اقسام، جمادات کے بیسیوں انواع، یہ سب چیزیں قادر مطلق اور حاکم علی الاطلاق کی قدرت تامہ و حکمت فاضلہ کے عملی اور بدیہی ثبوت ہیں۔

اور قدرت کا یہ ایک قاعدہ، کلیہ اور عادت مستمرہ ہے کہ جب دنیا والے ایک چیز سے قطعاً مایوس ہو جائیں اور ساکنینِ ارض اس کے معرضِ وجود میں آنے سے بالکل ناامید۔ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ [۲] اپنی ہستی کا ثبوت ہمیشہ ناممکنات کو ممکنات اور محالات کو عدم محالات کی صورت میں دیا کرتے ہیں۔ ایک بیمار جسے ڈاکٹر اور حکیم لاعلاج قرار دے چکے ہیں اور سارے جہاں کے ماہرینِ طب اُس پر موت کا فتوا لگا چکے ہیں کسی معجزانہ طریق سے جاں بر ہو جاتا ہے۔

دو متحارب طاقتیں مصروف پیکار ہیں۔ ایک کی فتح اور دوسرے کی شکست یقینی ہو چکی ہے بل کہ ایک

کے گھر فتح مندی کے شادیانے بج رہے ہیں اور دوسرے کے گھر میں صفِ ماتم بچھائی جا چکی ہے کہ اچانک حالات نے پلٹا کھایا اور واقعات نے رنگ بدلا اور دیکھتے دیکھتے فاتح مغلوب اور مفتوح غالب ہو گیا۔ کسی مفلس قلاش کا یکا یک متمول اور باثروت اور کسی دولت مند تاجر کا ایک ہی تجارتی ہیر پھیر میں نانِ شبینہ کا محتاج ہو جانا روزمرہ کی باتیں ہیں۔

رنج کے بعد خوشی اور مسرت کے بعد الم، بیماری کے بعد صحت اور صحت کے بعد علالت، گہری تشویش اور حد سے بڑھے ہوئے اضطراب کے بعد مکمل سکون اور پورا اطمینان اور فراغت و دل جمعی کے بعد خلجان [بے چینی] و ہیجان انسانی زندگی کا لازمہ ہیں اور اِن موسمی تغیرات، جنسی و نوعی انقلابات اور جسمانی، ذہنی، دماغی و شعوری تبدیلیوں سے یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچتی ہے کہ ہمارے عقل و ادراک، ذہن و فکر، ارادہ و مشیت سے بالاتر ایک زبردست طاقت اور شخصیت موجود ہے جس کی آمریت اور فعّالی کے ماتحت سب کچھ ہو رہا ہے اور اس کی ہمہ گیر قوت اور ہمہ رس تصرف کے مقابلہ میں انسان ضعیف البیان، بالکل عاجز اور بے بس ہے۔

اور یہ اُس کی کارفرمائی اور قدرتِ کاملہ کی صریح دلیل ہے کہ جب کرۂ ارض کفر و شرک کے اندھیروں، الحاد و بے دینی کی تاریکیوں اور ظلم و عدوان کے ظلمات میں آ کر تیرہ و تاریک ہو جاتی ہے۔ جب زمین پر بسنے والی اشرف المخلوقات اپنی بداعمالیوں، بے عقیدگیوں اور بے اعتدالیوں سے اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ [۳] کے زمرہ میں شمار ہونے لگتی ہے۔ جب بنی نوعِ انسان صِرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ سے بھٹک کر، راہِ راست کو چھوڑ کر بندۂ حرص و غلامِ آرزو بن جاتا ہے۔ اُس کی ملکوتی صفات، ابلیسی خواہشات میں دب جاتے ہیں۔ اس کی نیک فطرت بُرائیوں کے افراط سے مسخ ہو جاتی ہے۔ اُس کی آنکھوں پر غفلت، گمراہی اور ضلالت کے پردے پڑ جاتے ہیں اور قرآنِ حکیم کی پیش کردہ مثال کے مطابق وہ ایک ایسا راہ رو مسافر بن جاتا ہے جو ایک بحرِ ذخار میں پھنس گیا ہو۔ جس کی موجیں زہرہ گداز اور جس کے تھپیڑے روح فرسا ہوں، اوپر کالی رات، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے اور طرہ یہ کہ مطلع ابر آلود آسمان چاندنی سے محروم، گھپ اندھیرا ایسے حالات میں جب کہ ہدایت کی تمام راہیں مسدود ہو چکی ہوں، روشنی کی ایک کرن بھی موجود نہ ہو، ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ ؕ [۴] کی کیفیت سامنے ہو، انسانی آبادی کفر کے عمیق گڑھے اور شرک کی گہری کھڈ میں جا پڑی ہو تو یکا یک آسمانِ عرفان کے اُفقِ بعید پر روشنی کی ایک کرن نظر آنے لگی۔ صبح کا اُجالا ہوا اور دیکھتے دیکھتے توحید کا سورج، وحدانیت کا آفتاب اقصائے عالم پر جلوہ فرما ہو گیا، سب اندھیرے مٹ گئے، سب تاریکیاں کافور ہو گئیں اور راہ روِ منزلِ جاناں نے راستہ پا لیا۔ بھولا بھٹکا مسافر ہدایت کی روشنی میں اپنی منزلِ مقصود پر جا پہنچا، مخلوق نے خالق کا کھوج نکال لیا، صنعت صانع کی گرویدہ ہو گئی، رزق کے متلاشیوں نے رازقِ مطلق کا دروازہ دیکھ لیا۔ ابلیسی طاقتیں، اہرمنی قوتیں اور طاغوتی

جماعتیں مغلوب و مقہور ہو کر منتشر ہو گئیں اور خدائی جماعت، اللہ کے لشکر اور حزب اللہ نے اپنی فتح و نصرت کا جھنڈا اقصائے عالم میں گاڑ دیا۔

تاریخ دان اصحاب جانتے ہیں کہ متذکرہ بالا بیان کردہ واقعہ اِس عالم کون و مکاں میں کوئی نرالا واقعہ نہیں بل کہ ہر ایک قرن [سو سال] اور ہر ایک زمانہ میں اس کا اعادہ ہوتا رہا ہے اور جس طرح کہ امساکِ باراں [بارش کے رک جانے] کے موقع پر زمین دار طبقہ مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے، زمین خشک اور بے آب و گیاہ ہو جاتی ہے، اُس میں طراوت و تازگی نام کو نہیں رہتی اور اس عالمِ یاس و قنوط میں رحمت کے دروازے کھُل جاتے ہیں، ابر گھر آتا ہے، موسلا دھار مینہ برستا ہے اور مردہ زمینوں کے جسم میں روحِ حیات حلول کر جاتی ہے۔

اسی طرح اور بعینہٖ اسی طرح جب اِنسانی قلوب کی سرزمین ایمان کی طراوت اور عرفان کی تازگی سے محروم ہو جاتی ہے۔ شرک کی بادِ سموم اور کفر کی بادِ صرصر [طوفانی آندھی] اُس میں پیدا ہونے والی انگور کو جھلسا دیتی ہے اور اُس پر تصرف رکھنے والے مردانِ خدا اُس کی تباہ حالی اور خشک سالی دیکھ دیکھ کر کڑھنے لگتے ہیں کہ اچانک بارانِ رحمت انبیائے کرام علیہم السلام و مجددین و مصلحینِ ملت رضی اللہ عنہم کی شکل میں آتا ہے اور اُس کے یمن [برکت] و فیضان سے ہدایت یافتہ انسانوں کے دلوں کی زمین سیراب ہو جاتی ہے اور اس میں توحید کا بیج پھوٹ نکلتا ہے اور زمین دار کی تجربہ کاری اور محنت شاقہ کے طفیل ایک وقت آتا ہے کہ وہ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر لے اور لوگ اس کے شیریں اور میٹھے پھل کھا کر شاد کام ہوں، اس کے سایہ کے نیچے آرام کریں اور اُن کے دلوں میں ایسے مفید اور آرام دہ درخت کا تقدس و احترام پیدا ہو۔

غرض بعثت انبیا علیٰ نبینا وعلیہم السلام

انسانی فطرت کی کم زوریوں میں سب سے بڑی کم زوری اُس کا تمرد اور سرکشی ہے، اُس کا غرور و تجبر ہے اور اُس کی خواہشِ نام و نمود و ہوسِ حکومت و فرماں روائی۔ آمریت اور فعّالیت کا مادہ، بالقوہ [حقیقت میں] ہر انسان کی تخمیر میں موجود ہے اور جب کسی شخص کو معمولی سے معمولی اختیارات بھی حاصل ہو جائیں، اُس کی حیثیت بڑھ جائے اور اُسے اقتدار نصیب ہو تو وہ ضرور ہی اپنے سے کم حیثیت والوں پر اپنا رُعب جمانے اور اپنے سے ادنیٰ طبقہ کو اپنی مرضی کے مطابق چلانے کی کوشش کرے گا۔ ایک گاؤں کا رئیس یا زمین دار اپنے محدود حلقہِ اثر میں اتنا ہی خود مختار اور آمر مطلق ہوا کرتا ہے جتنا کہ ایک جابر اور ظالم بادشاہ اپنی رعایا کو ہر جائز اور ناجائز حکم ماننے کے لیے مجبور کیا کرتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں جتنی لڑائیاں لڑی گئی ہیں، انسان کا خون خود انسان کے ہاتھوں جس بے

دردی سے بہایا گیا ہے اور خطّۂ ارضی جو اپنے ساکنین کے لیے امن کے زمانہ میں جنت کا نمونہ ہوا کرتی تھی لیکن جنگ وجدال، حرب وقتال کی آگ میں جلا کر اُسے سیکڑوں دفعہ دوزخ کی بھٹی بنایا گیا ہے۔ وہ حقیقتاً چند شوریدہ سر [سر پھرے]، دماغ باختہ اور مشتعل افراد انسانی کی امن سوز اور شرارت انگیز حرکات کے سبب ہوا اور جنگوں کے حقیقی علل و اسباب پر اگر نظر ڈالی جائے تو صاف ظاہر ہوگا کہ اُن کے محرکات ہوسِ ملک گیری، عصبی تفوق [تعصّبانہ برتری] اور منتقمانہ جذبات پر محدود ہیں اور سوائے اسلامی جہاد کے باقی سب محاربات ذاتی اغراض کی تکمیل، دائرہ حکومت کی توسیع اور دوسری قوموں کو غلام بنانے کی خاطر ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ یہ سیاسی کشمکش، یہ قومی اور نسلی تصادم وتقابل اور یہ استعمار کوئی نئی باتیں نہیں بل کہ اِن کا تعلق حضرتِ انسان کی تاریخ قدیم سے ہے اور اب تو بعض ممالک میں نام نہاد جمہوریتیں اور بے اختیار مجالسِ وضع آئین وقوانین بھی موجود ہیں لیکن قرونِ مظلمہ اور متوسط میں تو مطلق العنان حکم رانوں اور خودسر بادشاہوں کے چشم وابرو کے اشاروں پر ہی دنیا ناچتی رہی اور دنیا والے اُن ہی کے احکام کے ماتحت ایک دوسرے کا خون بہاتے رہے۔

استبداد وملوکیت کی یہ لعنتیں اور شخصیت پرستی، شاہ پسندی کی یہ مصیبتیں ہمیشہ انسانی آبادی پر مسلّط رہیں اور ابھی تک متسلط ہیں حالاں کہ تقاضائے انصاف یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان پر کیوں حکومت کرے؟ جب کہ بہ لحاظِ خلقت، بہ لحاظِ جسامت، بہ لحاظِ قد وقامت، بہ لحاظِ فکر وشعور اور بہ لحاظِ دانش وبینش وہ باہم دگر مساوی ہیں بل کہ بعض حالات میں محکوم افراد حاکم سے کئی ایک متمایز [جدا] اور اعلا صفات رکھنے والے ہوا کرتے ہیں۔

اگر مزید غور وفکر سے کام لیا جائے تو حاکمانہ اقتدار میں آپ کو ایک محض شخصی فوقیت نظر نہیں آئے گی بل کہ ایک فساد انگیز عنصر کا اپنے ناجائز مطالبات اور سفیہانہ خواہشات کی تکمیل کے لیے ایک فرد واحد کو آلہ کار بنانا اور اُس کے ذریعہ قتل وغارت، لوٹ کھسوٹ کرنا ہے اور بس اور جب کبھی دنیا والے کسی وحشی صفت اور بہائم وصف اِنسان کے دستِ تظلّم میں پھنس گئے۔ اس کے ساکنین کے لیے فتنہ وفساد، شر وعناد کی زندگی دوبھر ہوگئی اور امن پسندوں اور عافیت کوشوں نے اِن امن سوز حرکات کے خلاف اپنے خالق، اپنے مالک اور اپنے شہنشاہ کے سامنے دست ہائے دُعا بلند کیے تو قادر مطلق نے ہمیشہ اُن کی دعاؤں کو سُنا، ان کی التجاؤں کو شرفِ پذیرائی بخشا اور اُن کی اجابتِ دُعا مقدّس ہستیوں، پاک انسانوں اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور مقبول رسولوں علیہ السلام، پیغمبروں علیہ السلام، مصلحین رحمتہ اللہ علیہم ومجددین رحمتہ اللہ علیہم، اُمت کی شکلوں میں متشکل ہوکر ظہور پذیر ہوئی۔

جن کے قدومِ میمنت لزوم کی غرض وغایت ہمیشہ یہ رہی ہے کہ انسان انسان کی پرستش نہ کرے بل

کہ پرستش کرے ایک ذات بے ہمتا اور واجب الوجود کی۔ انسان کا سر کسی خود ساختہ بُت، کسی تعمیر کردہ ابوالہول، کسی تراشیدہ پتھر، کسی بلند قامت درخت، کسی کنڈلی مارنے والے سانپ، کسی ڈسنے والے بچھو اور غایت مافی الباب کسی ظاہری طمطراق رکھنے والے انسان کے سامنے نہ جھکے۔ وہ آگ کا پجاری نہ بنے، اُس کی جبینِ نیاز سورج چاند اور ستاروں کے سامنے سجدہ ریز نہ ہو، وہ کائنات کی کسی چیز کو معبود و مسجود نہ بنائے بل کہ اُس کی گردن فرطِ عقیدت سے اگر جھکے تو خالق الکائنات کے سامنے، اس کی پیشانی اگر رکھی جائے تو فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی آستانِ قدس وجلال پر اور اگر اس کا ماتھا رگڑا جائے تو خدائے قدوس وقیوم کی مبارک چوکھٹ پر۔

یہ حقیقی اسلامی تعلیمات ہر ایک رسول اور ہر ایک نبی علیٰ نبینا وعلیہم اسلام نے اپنی اپنی امتوں کے سامنے پیش کیں اور حقیقاً سب انبیا علیہم السلام کی غرضِ بعثت یہی پیغامِ حق پہنچانا، اسی توحید کا سبق دینا اور گم کردہ مخلوق کو اِسی صراطِ مستقیم پر چلانا تھا۔ سیّدنا ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ السلام نے توحید کا یہ درس آگ میں کود کر دیا۔[۶] سیّدنا موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ السلام نے یہ صدائے حق فرعون کے خدائی تخت کے سامنے بلند کی[۷]، سیّدنا عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام نے سولی چڑھنا [تکالیف] گوارا کر لیا مگر اظہارِ صداقت سے باز نہ آئے[۸] اور ہمارے آقائے نام دار، علم بردارِ توحید، یکہ تازِ نبوت، سرتاجِ رسالت، رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین، سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، محمد مصطفیٰ واحمد مجتبیٰ خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے توصاف الفاظ میں فرما دیا اَنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاِخْلَاقِ (وَاِعْلَائے کَلِمَۃُ اللّٰہِ هِیَ الْعُلْیا)[۹] کہ میری بعثت کی غرض اِن دو چیزوں کے بغیر کوئی نہیں کہ:

۱۔ لوگوں کے اخلاق وعادات کی درستی واصلاح کروں۔

۲۔ اور خدائے لم یزل و لا یزال کی حکومت کے اعلان کے بعد اس کی بلند وارفع شان کو اور بڑھاؤں۔

اس اعلائے کلمۃ الحق اور اس اظہارِ صداقت کے طفیل مبلغِ اعظم اور مصلحِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سیکڑوں مشکلات کا سامنا ہوا، بیسیوں مصائب وتکالیف اُٹھانے پڑے۔ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کی صدائے دل نواز جہاں مسلمین قانتین اور مومنین مخلصین کے لیے ایک پیغامِ رحمت اور ایک پیامِ امن تھا وہاں اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور اَنْدَاداً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے پجاریوں پر ایک برقِ خاطف [اچکنے والی بجلی] بن کر گری۔ لات و منات، عزیٰ وہبل کی پرستش کرنے والے گھبرا اُٹھے۔ اکابرِ قریش جو شخصی حکومت کرنے کے عادی تھے اس نئی اور نرالی طرزِ حکومت کے تخیل سے جھنجلا گئے۔ رومن امپائر اور ایرانی شہنشاہیت کے درباروں میں کھلبلی مچ گئی اور جہاں سیّدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو صرف ایک نمرود کی سُلگائی ہوئی آگ میں جَست لگانی پڑی تھی۔

جہاں سیّدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو صرف ایک فرعون کی قہرمانی طاقت سے نبرد آزما ہونا پڑا تھا وہاں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کو سارے جہان کی لگائی ہوئی آگ سے دوچار ہونا پڑا اور نہ صرف حضور خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (بابی انت واُمی) نے آتش کدہِ عالم کی لپکتی ہوئی اور شعلہ زن آگ سے اپنا دامن بچا لیا بل کہ ابرِ رحمت کے چھینٹوں سے آتش کدہِ ایران سرد پڑ گیا، عرب کا تنور ٹھنڈا ہو گیا اور عجم کی لگائی ہوئی آگ بجھ گئی اور اِدھر بہ یک وقت مقابلہ کرنا پڑا، عرب کے سرداروں، قبائل کے تاج داروں، رومن امپائر کے ڈکٹیٹر ہرقل اور ایران کے شہنشاہ یزدگرد کی افواج وعساکر سے اور مابہ النزاع صرف یہی تھا کہ وہ لوگ صرف انسان کے پجاری تھے اور حضور خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انھیں واحد لاشریک کی پرستش کی دعوت دی۔ انھوں نے دنیا کے اندر انسان کی حکومت قائم کر رکھی تھی اور حضور خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انھیں انسانی حکومت کا طوقِ لعنت گلے سے نکال کر احکم الحاکمین کا طوقِ غلامی گلے میں ڈالنے کی ترغیب دلائی۔ پہلے انسان کے بنائے ہوئے ناقص قانون کو لوگوں نے قبول کر رکھا تھا اور حضور خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کے سامنے اللہ تعالیٰ کا تجویز کردہ کامل اور مکمّل قانون قرآن حکیم کی شکل میں رکھ دیا۔ بالآخر حق اور باطل ٹکرا گئے۔ خدا کے غلاموں اور دنیا کے غلاموں کی آویزش ہو گئی۔ اکیلے خدا پرستوں کا مقابلہ انسان پرستوں، اوہام پرستوں، اصنام پرستوں، آتش پرستوں، شخصیت پرستوں، ملوکیت پرستوں کی متفقہ جماعتوں سے ہو گیا۔

دنیا میں یہ جنگ ایک نرالی نوعیت رکھنے والی تھی۔ عرب سرداروں کا مقصد اپنے وقار واقتدار کا قیام، رومن امپائر والوں کی غرض اپنی وسیع سلطنت کی بقا وتحفظ اور اپنے بادشاہ کی عظمت وجلال کی برقراری، ایرانیوں کی خواہشیں بہ دستورِ سابق سرزمینِ عرب کا زیرِ نگیں رہنے اور اس کے ساکنین سے حصولِ خراج مگر مسلمانوں کا مقصدِ وحید حکومت الٰہیہ کا قیام، قانونِ خداوندی کا احترام اور ان دو چیزوں کے حاصل کرنے کے لیے مجاہدانہ اقدام۔ جہاں ایک طرف کسریٰ ایران نے اپنے خزانوں کے منھ لڑنے والوں کی خاطر کھول دیے، قیصرِ روم نے اپنا سب کچھ لڑائی جیتنے کے لیے لٹا دیا، عرب کے سردار اپنی پردہ نشین بہو بیٹیاں رجز خوانی کرنے اور لڑنے والوں کی ہمت بڑھانے کے لیے میدانِ جنگ میں نکال لائے وہاں ایک مجسّمہِ صداقت و وقار، اولوالعزم، بلند ہمت، صاحبِ عزیمت، اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام بنی نوع انسان کو پہنچانے والا آخری نبی خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (روحی فداہ) اپنے ہاتھ اُٹھا کر اپنے مالک سے کہہ رہا تھا کہ احکم الحاکمین تم جانتے ہو کہ میرے ساتھی سر سے کفن باندھ کر کیوں نکلے ہیں؟ کسی ذاتی غرض کے لیے نہیں، ہوسِ ملک گیری کے لیے اور اپنا نام ونمود حاصل کرنے کے لیے نہیں، طمع اور لالچ کے لیے نہیں، سونا چاندی یا جواہرات کے لیے نہیں بل کہ صرف تیرا نام

بلند کرنے کی خاطر اور صرف تیرا غلام بنانے کی خاطر۔ اگر بدر کے میدان میں تیرے غلام شکست کھا گئے، تیرے نام لیواوں کی ہزیمت ہوئی تو پھر نعرۂ توحید کون بلند کرے گا؟ تیرے احکام کی تعمیل کون کرے گا؟ تیرے تختِ جلال کا طواف کرتے ہوئے سُبُوحٌ قُدُوسٌ [۱۰] کس کی زبان پر ہوگا؟

احکم الحاکمین کو داعیِ صدق و منادیِ حق کی پُرخلوص التجائیں پسند آ گئیں اور دل کی گہرائی سے نکلنے والی دعائیں مقبول ہوئیں۔ فرشتوں کو حکم ملا کہ کفار و مشرکین کی صفیں اُلٹ دو۔ ہواؤں کو حکم ملا کہ اِن بے دینوں پر سنگ ریزوں کی بے پناہ بارش کرو۔ کارکنانِ قدرت کو فرمایا: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ [۱۱] کہ عن قریب ان کے لشکروں میں بھاگڑ پڑ[بھگڈر مچ] جائے گی اور یہ پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے۔

غرض کہ ہر ایک میدان میں اللہ کے لشکر اور خدائی فوج کو فتح مندی نصیب ہوئی اور شیطان کی فوج اور ابلیس کے پرستاروں کو شکست فاش اور اِس کی حقیقی وجہ صرف یہ ہے ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَامَوْلٰى لَهُم [۱۲] کہ یہ سب کچھ اِسی طفیل ہوا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اور ایمان والوں کے ساتھی تھے اور کافروں کا ساتھی کوئی نہ تھا۔

حکومت الٰہیہ کا صحیح اسلامی تخیل

حضرت انسان کی تخلیق تکریم اور احسن تقویم کے امتیازات کی حامل تھی۔ دیگر حیوانات کے مقابلہ میں منعمِ حقیقی نے اسے فہم و ادراک، عقل و شعور، معاملہ فہمی و حقیقت شناسی، نقد و تبصرہ، وجدان و عرفان و دیگر کمالات سے مفتخر بنایا۔ شروع شروع میں اسے ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانے سے فراغت نہ ہوئی مگر جب اس نے ماکولات و مشروبات و ملبوسات کا انتظام کر لیا، جب اُس نے سردی اور گرمی سے بچنے کے لیے مامن و مساکن [گھر] بنا لیے، جب اس نے دوسرے موذی اور وحشی جانوروں کے حملوں کے مقابلہ کے لیے آلاتِ دفاع تیار کر لیے تو پھر اپنے چاروں طرف ایک عبرانی نظر ڈالی۔ اُس نے کائنات کا بہ غور و فکر مطالعہ کیا۔ اس کے سر پر دن کو تیز اور چکا چوند روشنی پھیلانے والا سورج موجود تھا، رات کو ٹھنڈی اور لطیف چاندنی کا نور برسانے والا چاند چمک رہا تھا اور پھر آسمان کے نیلمیں [نیلم کا] رنگ والے شامیانہ پر ٹکے ہوئے موتیوں کی طرح چمک دمک دکھانے والے ستارے باہم دگر چشمک زنی کر رہے تھے۔ یہی نہیں بل کہ آسمانی فضا بادلوں کی گڑگڑاہٹ، ہواؤں کی سرسراہٹ، مہیب طوفان ہائے ابر و باد، مسلسل برف ریشی، ژالہ باری، موسلا دھار مینہ سے مرتعش ہو رہی تھی۔ کبھی آسمان کا نکھرا ہوا رنگ دیدہ زیبی پیدا کر رہا تھا اور کبھی قوس و قزح کی رنگینی دل فریب ہو رہی تھی۔

اُس کے پیروں میں زمین کا زمردیں فرش بچھا ہوا تھا اور سطح ارضی کے مختلف اقسام، متنوع اشکال

دل کشی کا باعث بن رہے تھے۔اس کے گرد و پیش کہیں ریگ رواں کے ٹیلے، کہیں پتھریلی چٹانیں، کہیں کفِ دست میدان، کہیں لق و دق صحرا، کہیں سرسبز پہاڑ، کہیں خوش منظر وادیاں، کہیں بہنے والے دریا، کہیں اُبلتے ہوئے چشمے، کہیں گرنے والی آبشاریں، کہیں کھلنے والے پھول۔غرض کہ نیچر اپنی خوب صورتی پر مُسکرا رہی تھی اور فطرت اپنی عجوبہ کاری پر متبسم۔

یہ سب مناظر دوسرے جان دار حیوانات کے سامنے بھی موجود تھے مگر اُن کے اندر تجسّس کا مادہ نہ تھا۔ ان سارے نوادر و عجائب کو سب کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں مگر ان کی ٹوہ لگانا اور ان کی لم [حقیقت] تک پہنچنے کے لیے کسی دوسرے نوع حیوان کو توفیق نہ ہوئی اور بالآخر انسان، حقائق الاشیا کا کھوج لگانے والا انسان، معارف مستورہ [چھپے ہوئے راز] کو منکشف کرنے والا انسان، فطرت بین آنکھیں، فطرت فہم دماغ اور فطرت شناس دل لے کر آگے بڑھا اور اپنی خداداد ذہانت اور فطری شعور سے کام لے کر اِس کائنات کے بہتے ہوئے دریا کا منبع اور نیچر کے گرتے ہوئے آبشار کا سرچشمہ معلوم کرنے کے لیے کمرِ ہمت چُست باندھ لی۔آغاز کار میں علم و یقین کم تھا اور ظن و تخمین زیادہ، عقل کی اڑان محدود تھی اور شعور کی پرواز کم اس لیے اندازہ یہ لگایا گیا کہ خود کائنات کے اندر جو چیزیں مہتم بالشان ہیں وہی کائنات کی تخلیق کا موجب ہوسکتی ہیں۔سورج کو اس لیے دیوتا بنایا گیا کہ اس کے اندر گرمی اور حرارتِ تنویر اور روشنی سب سے بڑھ کر ہے۔چاند اور ستاروں کا تقدّس بھی اسی اعتبار سے تھا کہ وہ کائنات کی حسین ترین تزئین ہیں۔بڑے اور سایہ دار درختوں کی پوجا ان کی عظمت کے باعث ہونے لگی۔آتش پرستی کی تحریک آگ کی بے پناہ جھلسنے اور جلانے والی طاقت کے ذریعے پھیلی۔

اس کے بعد اِنسان کے عقلی اور شعوری ارتقائی دور آنے لگے۔تمدن و تہذیب، شائستگی و عمرانیت ترقی پذیر ہونے لگے۔ساتھ ہی اُس نے سوچا کہ کائنات کے یہ اجزا اپنے اندر دل کشی اور جاذبیت تو ضرور رکھتے ہیں مگر ان کے اندر خالقیت کی قدرت نہیں ہوسکتی۔یہ بے جان چیزیں نیچر کے زبردست مگر غیر مرئی ہاتھ میں کھلونوں کی طرح موجود ہیں اور مٹی کے ڈھیلوں کی طرح بے حس و حرکت۔اس لیے مخلوق کسی خالق، صنعت کسی صانع اور کاری گری کسی کاری گر پر دلالت کرنے والی ہے۔پھر اُس نے اپنی ناقص عقل اور بے حقیقت فہم کے مطابق مظاہرِ قدرت کو تقسیم کرتے ہوئے ہر ایک کے لیے علاحدہ علاحدہ خالق تجویز کیے۔کوئی خالق الخیر تھا، کوئی خالق الشر، کوئی آگ کا دیوتا تھا اور کوئی پانی کا۔ایک کا کام بارش برسانا تھا اور دوسرے کا ہواؤں کو چلانا، ایک نور اور روشنی کا مرجع تھا اور دوسرا ظلمت و تاریکی کا مآل اور پھر انھی خیالات و اعتقادات کے زیر اثر اس نے اپنے ہاتھوں طرح طرح کے بت تراشے، مجسمے بنائے، ہیکل تیار کیے اور مصر و ہندُستان کے مندر اور استھان [ہندو فقرا کا مسکن یا اُن کے دیوتاؤں کی جگہ جیسے کالی جی کا استھان] اصنام سے بھر گئے۔اِس میں شک نہیں کہ اُس زمانہ

کے لوگوں نے فنِ مصوری اور نقّاشی کو بدرجہ کمال پہنچا دیا اور بعض عجائب خانوں میں بتوں اور مجسموں کے ایسے ایسے نادر نمونے موجود ہیں جنھیں دیکھ کر ماہرینِ فن عش عش کر اُٹھیں مگر اصنام پرستی یا اوہام پرستی سے انسان کو کوئی ظاہری یا باطنی فائدہ نہیں پہنچا اور سوائے تضیع اوقات یا اعتقادی یکسوئی کے علم الاصنام والے ہمارے سامنے کوئی خاص کارنامہ پیش نہیں کر سکتے۔

پھر جب دنیا میں اصنام پرستی زوروں پر تھی، اوہام پرستی درجہِ کمال پر پہنچ چکی تھی، آتش کدہِ ایران کبھی سرد نہیں ہوا تھا، عیسائیت کا صرف نام رہ گیا تھا اور حقیقتاً جہاں تثلیث کے نا قابل فہم نظریہ کی بنا پر وہ شرک کی ایک بدترین قسم بن چکی تھی، منی گوتم بدھ کے عین اسلامی تعلیمات اور حکیمانہ ارشادات کو اُس کے پیروکاروں نے بالائے طاق رکھ کر بدھ پرستی شروع کر دی تھی۔

فاران کی چوٹیوں سے شمسِ نبوت طلوع ہوا، بوقبیس کی پہاڑیوں پر قمرِ رسالت چمکا اور دنیا کا سب سے بڑا موحد، خالق ومخلوق کے درمیان رابطۂ اتحاد پیدا کرنے والا، سب سے بڑا مبلغ، کفر وشرک، بے دینی والحاد کا قلع قمع کرنے والا، سب سے بڑا مجاہد میدانِ عمل میں آ گیا اور گم کردہ راہ بنی نوعِ انسان کی رہ نمائی، بھولے بھٹکے ہوئے کاروان کو منزلِ مقصود کا پتہ دینے اور راہ رو منزلِ جاناں کو صراطِ مستقیم دکھلانے کے لیے آمنہ کا لعل، مکّہ کا یتیم، مدینہ کا بانکا، عرب کا سپوت، عجم کا فخر خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہاتھ میں قرآنِ حکیم جیسی مشعلِ ہدایت اور دوسرے ہاتھ میں شریعت کا آتشین کوڑا اور حکومت کی تیز تلوار لے کر آیا اور آتے ہی اعلان کر دیا۔ لا الہ الا اللّٰہ کہ یہ تمھارے خود ساختہ اور خود تراشیدہ بت جو کہ وَاِنۡ يَّسۡلُبۡهُمُ الذُّبَابُ شَيۡـئًا لَّا يَسۡتَنۡقِذُوۡهُ مِنۡهُ ‌ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالۡمَطۡلُوۡبُ [۱۳] ایک مکھی کو بھی نہیں اُڑا سکتے اور جن کا عدم و وجود برابر ہے اِس قابل نہیں کہ ان کی پرستش کی جائے۔ یہ تمھاری جلائی ہوئی آگ پانی کے ایک چھینٹے سے بجھائی جا سکتی ہے اور اِس کی بے وفائی کا یہ عالم کہ ساری عمر کے پجاری پر بھی کبھی مہربان نہیں ہو سکتی اور جب بھی وہ اِس میں ہاتھ ڈالے گا یہ اُسے جلا کر رکھ دے گی۔ تمھاری تحریف شدہ عیسائیت ومسخ شدہ یہودیت اپنی پیچیدہ تعلیم اور ناقص استدلال کے باعث معقولیت سے کوسوں دور جا پڑی ہے اور خدا کے ہاں بیٹے بیٹیوں کے اعتقادات نے اس کی ذات کو انسانیت کے مرادف بنا دیا ہے حالاں کہ اس کی ذات ان نسبتوں اور رشتہ داریوں سے ارفع واعلا ہے۔

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ‏ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ‏ ○ لَمۡ يَلِدۡ ۙ ۥ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۙ‏ ○ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○ ؏ (الاخلاص۱۱۲:۱تا۴)

ترجمہ: (کہہ دو) اللہ اپنی ذات، صفات میں واحد لاشریک ہے وہ بے نیاز مطلق ہے نہ اُس کا کوئی بیٹا [اولاد] ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا [اولاد] اور نہ اس کا کوئی سہیم وشریک ہے۔

کوئی انسان ایسا نہیں جو کہ خدا کی طرح پوجا جائے اس لیے اے گروہِ انسان! اے اشرف ترین مخلوقات! اے ماحصلِ کائنات! آؤ! داعیِ حق کی پکار سنو، منادِ حق کی باتیں سنو اور اِس بات پر ایمان لے آؤ کہ دنیا میں لائقِ عبادت صرف ایک ہے، لائقِ پرستش صرف ایک ہے، لائقِ حکومت صرف ایک ہے اور وہ ہے ذاتِ واجب الوجود حضرت باری عَزَّ اِسْمُہٗ جو خالق الکائنات بھی ہے اور حافظ الکائنات بھی۔ جو فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بھی ہے اور اُن کے نظم و نسق کا ذمہ دار بھی۔ جس نے تمام جہان کو پیدا بھی کیا ہے اور اس کا محافظ اور نگہبان بھی ہے۔ جس نے سورج، چاند، ستارے بنائے مگر اُن کا طلوع و غروب، اُن کا گھٹاؤ بڑھاؤ اور ان کے حرکات و سکنات بھی اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ دنیا کی ہر ایک چیز اسی کی پیدا کردہ ہے اور اسی کے اختیار و تصرف میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰی ط یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ط ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ O فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ج وَ جَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ط ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ O (الانعام ۶:۹۵۔۹۶)

ترجمہ: بے شک دانوں اور گٹھلیوں کی قطع و برید خدا کے ہاتھ میں ہے۔ مُردوں سے زندے اور زندوں سے مُردے نکالنے اُسی کا کام ہے۔ اسی قادر مطلق کا نام اللہ ہے اور تم کس سوچ میں پڑے ہو۔ صبح کا اُجالا اُس کی ذات سے ہے۔ اس نے رات کو تمھارے آرام کی خاطر بنایا اور سورج اور چاند کے اندر بہ ظاہر محوری حرکات پیدا کیں۔ یہ باتیں اسی ذات غالب اور علیم کے اندازہ و اختیار سے ہو رہی ہیں۔

اسلامی تعلیم سے پیش تر [زمانہ جاہلیت میں] بھی خدا کا تصور انسان کے دماغ میں موجود تھا مگر صرف بہ طور معبود کے۔ جس کے پجاریوں کے دلوں میں عزت و احترام صرف اس حد تک محدود ہوا کرتا ہے کہ اس کے خوش ہو جانے سے ہمارے سامنے مسرّت کے دروازے کھل جائیں گے اور اس کی ناراضی ہمارے لیے تکلیف دہ ہوگی مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ماورا الورا اور محیط الکل ذات کا تصور مسلمانوں کے سامنے قرآنی تصریحات کے مطابق یہ پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ کی مختلف حیثیات ہیں اور ایک طرف اگر ہم اُسے معبود حقیقی سمجھ کر اس کے سامنے اپنی جبینِ نیاز رکھ دیں گے تو دوسری طرف اُسے ہم آمر مطلق سمجھیں گے۔ ایک بادشاہ نہیں بل کہ بادشاہوں کا بادشاہ اور شہنشاہوں کا شہنشاہ جس کے قبضۂ اقتدار و دستِ تصرف میں دنیا بھر کی تمام حکومتیں ہیں اور دنیا کے تمام حکم ران اس کے غلام و باج گزار ہیں:

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِیَدِکَ الْخَیْرُ ط اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌO (ال عمران۳:۲۶)

ترجمہ: کہہ دو کہ یا اللہ! دنیا کا مالک تو ہی ہے جسے چاہے تو بادشاہ بنا دیتا ہے۔ جسے چاہے حکومت و سلطنت سے محروم کر دیتا ہے۔ تُو ہی عزت دینے والا ہے اور تُو ہی ذلیل کرنے والا۔ بہتری اور بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے اور تو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔

بل کہ اس سے بڑھ کر دوسری تمام حکومتوں کے انکار اور احکم الحاکمین کی واحد طاقت کو تسلیم کرنے کی صاف الفاظ میں تعلیم دی گئی :

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ کَذَّبْتُمْ بِہٖ ط مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِہٖ ط اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط یَقُصُّ الْحَقَّ وَ ھُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ O (الانعام۶:۵۷)

ترجمہ: کہہ دو کہ میرے پاس رب کی طرف سے ایک روشن دلیل موجود ہے اور تم خواہ مخواہ مجھے جھٹلاتے ہو۔ تمھاری جلد بازی کا تو میرے پاس جواب نہیں مگر یہ بات یاد رکھو کہ خدا کے سوا نہ کسی کا حکم ہے نہ حکومت۔ یہ خدا نے سچائی کی بات کہہ دی ہے اور وُہ ہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

اور وجہ یہ ہے کہ جب اقصائے عالم نہیں بل کہ کائنات کے ہر ذرّہ پر اس کا تصرف موجود ہے اور کارفرمائی مسلّم، تمام حاکمانہ اختیارات اُسی کے ہاتھ میں ہیں اور ہر چیز کی نقل وحرکت اُسی کی مشیّت و ارادہ کی محتاج تو پھر ان ظاہری مقتدر ہستیوں کو بھی اُسی نے ایک وقتی اقتدار بخشا ہے اور اُسی کی نگاہِ انتخاب نے بعض افراد کو چند روزہ حکومت کے لیے منتخب فرمایا ہے اور جس طرح کہ سورۃ فاتحہ میں حمد کے الف لام کو استغراق کا الف لام قرار دینے سے تمام حمدیں خدا کے لیے ہو جائیں گی اسی طرح حکومت کو اللہ تعالیٰ کا خاصہ سمجھنے سے تمام حکومتوں کا وہ مالک متصوّر ہوگا اور تمام ظاہری حکم ران اس کے تابع فرماں۔

بل کہ اس فقیر کے ناقص خیال میں اللہ کے لفظ کے اندر ہی اُس کی حکومت کی شان بالکل عیاں ہے۔ اللہ کے لفظی معنی صرف معبود کرنے میں ایک ایسی فروگزاشت موجود ہے جس سے کئی ایک غلط فہمیوں کا احتمال ہو سکتا ہے۔ فی زمانہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت ایسی بھی ہے جن کے تصوّر میں اللہ تعالیٰ محض ایک معبود کی حیثیت رکھنے والا ہے اور غایت مافی الباب اس میں خالقیت کی وصف تو موجود ہے مگر کبھی اُن کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں گزری کہ خالق الکائنات مالک الکائنات بھی ہے اور مسلمان تو دنیا میں آیا ہی اِسی غرض سے تھا کہ اس کی بادشاہت کا اعلان کرے اور دنیا والوں کو صاف لفظوں میں سنا دے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ O (الملک:۱)

ترجمہ: وہ ذات بڑی برکت والی ہے کہ جس کے ہاتھ میں حکومت اور بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا فِیْهِنَّ ط وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ O (المائدہ:۱۲۰)

ترجمہ: اللہ کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے اندر موجود ہے سب کی بادشاہت اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قُلْ لِّمَنْ مَّافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط قُلْ لِّلّٰهِ ط (الانعام:۱۲)

ترجمہ: کہہ دو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟ جواب دو کہ اللہ کا۔

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط وَ یَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ ۵ ط قَوْلُهُ الْحَقُّ ط وَ لَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ط عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ط وَ هُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ O (الانعام:۷۳)

ترجمہ: اور وہی ذات ہے جس نے کہ حق کے ساتھ آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جس دن وہ کہتا ہے ہو جا بس وہی بات ہو جاتی ہے۔ اس کی بات سچی ہے اور اس کی بادشاہت کا ثبوت اس دن ملے گا [اُسی کی بادشاہت ہوگی] جب کہ صُور پھونکا جائے گا، وہ ظاہر باطن کے جاننے والا ہے اور حکمت والا خبردار ہے۔

قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ یُجِیْرُ وَ لَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ O سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ O (المؤمنون:۸۸۔۸۹)

ترجمہ: کہہ دو کہ کون وہ ذات ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور ہر ایک اس کے پاس آ کر پناہ لیتا ہے لیکن اُس کو کسی پناہ کی ضرورت نہیں۔ اگر تم ان باتوں کو جان لو تو جواباً یہ کہیں گے کہ وہ ذات اللہ تعالیٰ کی ہے تو کیا کسی نے تم پر جادو کر دیا ہے۔

پھر اُس کی حکومت اور بادشاہت صرف خطہِ ارضی کے ساکنین تک محدود نہیں بل کہ قیامت کے دن جب کہ دنیا میں خدائی دعوا کرنے والے از قبیل شداد و نمرود، فرعون و ہامان اور موجودہ زمانہ کے خودساختہ ڈکیٹٹروں کے موجود ہوں گے تو وہاں بھی انھیں مخاطب کر کے پوچھا جائے گا۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ط لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ O(المومن:۱۶)

ترجمہ: کہ آج کس کی بادشاہت ہے؟ (اور جب سب دم بہ خود ہو جائیں گے تو خود ہی ارشاد ہوگا)

بادشاہت ہے اللہ کی جو وحدہ لاشریک ہے اور سب غالبوں پر غالب۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ط يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ط (الحج:۵۷)

ترجمہ: اُس دن بادشاہت اللہ تعالیٰ کی ہوگی اور وہی اُن پر حکم کریں گے۔

پھر جو مسلمان اللہ تعالیٰ کو خالق ماننے والے ہیں اور اس کے غیر محدود اختیارات کے قائل ہیں۔ انھیں ساتھ ہی اسے آمرِ مطلق اور فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ[۱۴] بھی ماننا پڑے گا اور اس اعتقاد کے بغیر ان کے ایمان کی تکمیل نہیں ہوگی۔ ملاحظہ ہو:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف:۵۴)

ترجمہ: کہ یاد رکھو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اور حکم ران بھی وہی۔

پھر ہم اپنے پیش کردہ نظریہ کے ثبوت میں کہ اللہ سے مراد ایک ایسی بلند و بالا ہستی اور ایک ایسی رفیع المنزلت و عظیم الشان ذات ہے جس کے اندر معبودیت اور شہنشاہیت کے دو گونہ حیثیتیں بہ درجۂ اتم موجود ہوں۔ ہم قرآنی استدلال پیش کرتے ہیں :

وَ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط وَ مَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ O ج يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ O اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ O لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ج فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ O (الانبیاء:۱۹تا۲۲)

ترجمہ: اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو لوگ اس کا قرب حاصل کر چکے ہیں وہ نہ تو عبادت کر کے تکبّر کا اظہار کرتے ہیں اور نہ عبادت کرتے کرتے تھکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مسلسل مشغول رہتے ہیں۔ کیا مشرک اس اعتقاد میں ہیں کہ زمین میں رہنے والے معبودانِ باطل کسی تخلیق کی قدرت رکھتے ہیں؟ یاد رکھو کہ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی معبود ہوتا تو دونوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ پس عرش کا مالک اللہ تعالیٰ ان غلط منسوب باتوں سے پاک ہے۔

اس جاری شدہ سلسلہ میں ایک اور چیز بھی محلِ نظر اور قابلِ غور ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ بنی نوعِ انسان، معبود اور حاکم کی دو بہ ظاہر الگ الگ حیثیتوں مگر حقیقتاً ایک ہی حیثیت کو بہ خوبی ذہن نشین کر لے اور جب بھی ایک ایمان دار کی زبان سے اللہ کا لفظ نکلے۔ معاً اس کا دھیان ایک ایسی طاقت کی طرف لگ جائے جو کہ اس لحاظ سے بھی قابلِ پرستش ہے کہ اس کی ذات تمام نیکیوں کا سرچشمہ اور ہدایتوں کا مرجع ہے مگر اس اعتبار سے بھی لائقِ تعظیم و تکریم کہ اُس کے اختیارات احاطہ تدبیر سے بالاتر اور اس کے تصرفات احاطۂ بیان سے ارفع و

اعلا ہیں۔ اس لیے اُس نے اپنے آپ کو ایک بادشاہ سے تشبیہ دی اور چوں کہ بادشاہوں کے پاس تخت اور کرسیاں ہوا کرتی ہیں اور عامۃ الناس اِن چیزوں کو بادشاہت کا لازمہ سمجھتے ہیں۔ اس لیے ہمارے شہنشاہِ ارض و سمانے بھی یہ یقین دلانے کی خاطر کہ مجھے بھی بادشاہی اختیاراتِ کلیۂ حاصل ہیں اور میرے پاس بھی تخت موجود ہیں، افواج وعساکر موجود ہیں، فرماں بردار وحکم بردار فرشتوں کے جمِ غفیر موجود ہیں۔ حسب ذیل ارشادات سے اپنی عظمت وجلال کا اظہار فرمایا :

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ (البقرہ:۲۵۵)

ترجمہ: کہ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین سے بھی وسیع تر ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ (یونس:۳)

ترجمہ: بے شک تمھارا رب وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے کہ آسمانوں اور زمین کو چھے دن میں پیدا کیا اور پھر عرش پر متمکن [استویٰ] ہو گیا اور ہر کام کی تدبیر کر رہا ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (ھود ۱۱:۷)

ترجمہ : اور وہی ذات ہے جس نے کہ آسمانوں اور زمین کو چھے دن میں پیدا کیا اور اُس کا عرش پانی پر تھا۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہٰ:۵)

ترجمہ: وہ رحمٰن ہے جو کہ عرش پر متمکن [استویٰ] ہے۔

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ (الزمر:۷۵)

ترجمہ: اور دیکھے گا تُو فرشتوں کو جو کہ عرش کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہوں گے اور اپنے رب کی حمد وثنا میں تسبیحیں کہنے والے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ (المدثر:۳۱)

ترجمہ: تمھارے رب کے لشکر کی تعداد اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الصفت:۱۷۳)

ترجمہ: ہمارے لشکر کے لیے ہی غلبہ اور نصرت۔

اسی پر اکتفا نہیں بل کہ قرآن حکیم میں ایسے واقعات بھی مذکور ہیں جہاں کہ خدائی حکومت کا انسانی

حکومت کے ساتھ تصادم ہوااور بہ لحاظِ قوت وطاقت اور بہ لحاظِ دلیل وبرہان انسانی حکومتوں کو منھ کی کھانا پڑی اور دونوں طریق سے شکست فاش اُٹھانی پڑی۔فرعون،شداد،نمرود،ہامان،ابرہہ کے قصے بالتفصیل قرآن حکیم میں مذکور ہیں کہ اُن کے خدائی دعووں کا بالآخر کیا حشر ہوا۔فرعون کو اس جُرم کی پاداش میں دریائے نیل میں غرق ہونا پڑا۔ابرہہ یا اصحاب فیل ابابیل کے پھینکے ہوئے سنگ ریزوں کے شکار ہوئے۔مگران واقعات سے بڑھ کر عبرت انگیز اور نصیحت آمیز ایک مباحثہ ہے جو کہ بانیِ فطرت سلیم سیّدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام اور اِس زمانہ کے ایک بادشاہ کے درمیان ہوا۔ملاحظہ ہو:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ O

(البقرہ:۲:۲۵۸)

ترجمہ: کیا تم نے اس شخص کے حالات کو بہ غور نہیں دیکھا؟ جس نے کہ ابراہیم (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) کے ساتھ پروردگار کے بارہ میں جھگڑا کیا جبکہ خدا نے اسے بادشاہ بنا رکھا تھا جب کہ ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مار دیتا ہے۔اس نے کہا کہ مَیں بھی جلا سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں۔ابراہیمؑ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو سورج کو مشرق کی سمت سے لے آتے ہیں تو اسے مغرب کی طرف سے لے آ کر دکھا۔یہ بات سُن کر کافر مبہوت ہو کر رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں فرماتے۔

آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکومت اور فرماں روائی کو صرف رعب اور دباؤ سے تسلیم نہیں کراتا بل کہ اربابِ بصیرت واصحابِ اِمعان کو دلائل قاطعہ وبراہین ساطعہ سے قائل کیا جاتا ہے کہ وہ بلاچوں وچرا اُس کی لازوال حکومت اور بے پناہ طاقت کو تسلیم کر لیں اور احکم الحاکمین کے نافذ کردہ احکام کی پوری طرح پابندی کرنے لگیں اور چوں کہ مالک الملک اور شہنشاہِ ارض وسما باوجود ہر جگہ موجود ہونے کے ظاہر میں آنکھوں سے اوجھل ہے اور شاہ رگ سے نزدیک[۱۵] ہوتے ہوئے بھی عامۃ الناس اپنی کم نظری اور بے بصرتی کے باعث اس کو دیکھنے سے قاصر ہیں۔

دوسرا ظاہری قاعدہ بھی ہے کہ جاہ وجلال رکھنے والے بادشاہ اور طنطنہ وطمطراق رکھنے والے حکمران اپنے احکام اپنے نائبین کے ذریعہ رعایا کو پہنچاتے ہیں۔بعینہٖ اسی طرح خالق الکائنات نے مخلوق کے پاس اپنے نائبین اور خلفا،رسولوں،نبیوں،مصلحین ومجددین علیہ السلام ورضی اللہ عنہم کی صورتوں میں مبعوث کیے جن کا مقصد وحید تلقینِ خدا شناسی،ترغیبِ وفاداری واجرائے احکام خداوندی تھا اور بس۔اللہ کریم کے سب سے منظور

نظر اور برگزیدہ رسول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خطاب ہوتا ہے :

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا نِ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ص فَـاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ O (الاعراف:۱۵۸)

ترجمہ: (کہہ دو) اے گروہ انسان! مَیں تم سب کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام رساں ہو کر آیا ہوں۔ وہ اللہ جس کی آسمانوں اور زمین پر بادشاہت ہے۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جس کے قبضۂ اقتدار میں تمھاری زندگی اور موت ہے۔ بس تم اللہ اور اس کے رسول نبی اُمیؐ پر جس کا کہ خدا کی ذات اور اس کے کلمات پر پورا یقین ہے ایمان لے آؤ اور اس کی تابع داری کرو تا کہ تمھیں ہدایت حاصل ہو۔

یہ جو جابجا قرآن حکیم میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اطاعت کو خدا کی اطاعت اور آپ خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافرمانی کو اللہ کی نافرمانی سے تعبیر کیا گیا ہے[۶] اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ چوں کہ اللہ کا رسول اُس کی طرف سے مامور ہو کر اُس کا پیغامِ عمل پہنچانے کی خاطر آیا ہے اس لیے اُس کے نافذ کردہ احکام حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے جاری شدہ احکام ہیں اور اس کی اطاعت فی الحقیقت خداوند تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اس لیے تم شہنشاہی فرمان کو اُس کے برگزیدہ رسول کی زبان سے سن کر اس کی تعمیل کے لیے فی الفور کمر بستہ ہو جایا کرو اور تمھارے لیے دنیا میں ایک ہی قانون واجب العمل اور لائقِ پذیرائی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا قانون ہے جو کہ قرآنِ حکیم کی شکل میں تمھارے سامنے آچکا ہے اور اس کی دفعات شرح وبسط کے ساتھ تمھارے روبہ روپیش ہو چکی ہیں اور جو شخص شہنشاہ اعظم کے احکام کی تعمیل سے گریز کرے گا، اس سے بڑھ کر کافر، ظالم اور فاسق اَور کون ہو سکتا ہے؟

وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ:۴۴)

ترجمہ: اور جو شخص کہ اللہ تعالیٰ کے صادر کردہ احکام کی تعمیل نہ کرے، پس یہی لوگ کافر ہیں۔

وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (المائدہ:۴۵)

ترجمہ: اور جو شخص کہ اللہ تعالیٰ کے نافذ کردہ احکام کو بجا نہ لائے، پس یہی لوگ ظالم ہیں۔

وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (المائدہ:۴۷)

ترجمہ: اور جو شخص کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کردہ احکام سے منحرف ہو جائے پس یہی لوگ فاسق ہیں۔

مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ اللہ کے بغیر کسی اَور کو اپنا حاکم یا ثالث نہ بنائیں اور اپنے تمام جھگڑے اور

تنازعات خداوند تعالیٰ اور اُس کے رسول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیش کیا کریں۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (الانعام:۱۱۴)

ترجمہ: کیا مَیں کسی اور کو خدا کے سوا حکم کرنے والا بناؤں اور اُس کی وہ ذات ہے جس نے تم سب کی طرف ایک مفصل اور جامع کتاب اتاری ہے اور جو لوگ اہلِ کتاب ہیں، بہ خوبی جانتے ہیں کہ یہ کتاب (قرآن حکیم) تمھارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ اُتاری گئی ہے۔ پس تمھیں شک کرنے والوں کا ساتھ نہیں دینا چاہیے۔

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء:۶۵)

ترجمہ: پس قسم ہے تیرے پروردگار کی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے جب تک جھگڑے مٹانے میں (اے محمدؐ) تمھیں حاکم نہیں بنائیں گے اور پھر تمھارے فیصلہ سے (خواہ ان کے خلاف کیوں نہ ہو) ان کے دلوں میں کوئی انقباض [گرانی] بھی نہ ہوگا اور اسے بلا چوں و چرا تسلیم کرلیں گے۔

اب رہا یہ سوال کہ حکومت الٰہیہ کا اجرا کس نوعیت سے ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جامع اور مانع قانون قرآنِ حکیم کی صورت میں اس کے آخری پیغام رساں خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دنیا کو پہنچا دیا لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کو نہ ماننے والے لوگ بھی ہیں، انسانی بنائے ہوئے ناقص قانون کو پسند کرنے والے طبقات بھی ہیں اور شیطانی ترغیبات و ابلیسی تعلیمات کے زیر اثر آکر خدائی احکام وارشادات کو پس پشت ڈالنے والے افراد بھی ہیں۔ پھر جب تک کہ ایک حکومت ظاہری طور پر قائم نہ ہو جائے، جب تک کہ حکومت کے پاس افواج وعساکر نہ ہوں اور جب تک کہ حکومت کے پاس اثر واقتدار نہ ہو اُس وقت تک عامۃ الناس سے کسی بہتر سے بہتر حکم اور کسی مفید سے مفید سکیم کو تسلیم کرانے اور اُس پر عمل کرنے کی توقع لاحاصل ہے۔ چناں چہ ان ہی امور کو ملحوظ رکھ کر احکم الحاکمین نے وراثتِ ارضی یا خلافتِ الٰہی کے قیام کو ضروری سمجھا اور مسلمانوں کو استخلاف فی الارض کی بشارت دی اور زمین کی بادشاہت کی نوید۔ لیکن ساتھ ہی اس خلافت یا بادشاہت کو چند شرائط کے ساتھ مشروط کر دیا گیا کہ بادشاہ تو تم ضرور بنا دیے جاؤ گے، دیگر اقوامِ عالم پر تمھارا تسلط تو ضرور ہو جائے گا اور خدا کے غلام دنیا بھر کو اپنا غلام ضرور بنالیں گے لیکن ان کے اندر اور دوسرے بادشاہوں کے اندر ایک ما بہ الامتیاز قائم رہنا چاہیے اور وہ امتیازات کیا ہیں؟ ملاحظہ ہوں:

وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ

لِّیَبۡلُوَکُمۡ فِیۡ مَاۤ اٰتٰىکُمۡ ؕ اِنَّ رَبَّکَ سَرِیۡعُ الۡعِقَابِ ۫ ۖ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (الانعام:۱۶۵)

ترجمہ: اور وہ ذات ہے جس نے تم کو زمین کا جانشین مقرر کیا اور بعض کو بعض پر درجات دے کر سربلند کیا تا کہ عطا کردہ نعمتوں سے تمھاری آزمائش کرے۔ بے شک تمھارا پروردگار جلدی عذاب دینے والا ہے اور ساتھ ہی اُس کی ذات بخشنے والی اور مہربان بھی ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۪ وَ لَیُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِیۡنَهُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَهُمۡ وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا ؕ یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِكُوۡنَ بِیۡ شَیۡـًٔا ؕ وَ مَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ○ وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ○

(النور:۵۵۔۵۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایمان داروں اور نیک اعمال والوں سے وعدہ کیا ہے کہ عن قریب تمھیں زمین کا خلیفہ بنا دیا جائے گا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا گیا اور جس دین کو کہ خدا نے ان کے لیے پسند کیا اُس پر وہ ثابت قدم رہیں گے اور اُن کے خوف وخطرات کو امن سے بدل دیا جائے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بنائیں گے اور جس نے اس کے بعد کفر کیا بس وہی لوگ فاسق ہیں اور نماز کو قائم کرو اور زکوۃ دو اور رسول کی تابع داری کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

خلافتِ ارضی یا زمین کی بادشاہت جب کہ وہ ایک مسلمان کے پاس آجائے حسب ذیل شرائط سے مشروط ہوگی:

۱۔ عطا کردہ انعام اور حاصل شدہ اختیارات کا جائز استعمال۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت وانابت [رجوع] میں مکمل انہاک۔

۳۔ شرک اور بے دینی سے قطعاً اجتناب۔

۴۔ نماز کی پابندی۔

۵۔ زکوۃ کی ادائیگی۔

۶۔ اطاعتِ رسول مقبول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اور جب تک مسلمان حکم ران اِن شرائط اور ضوابط کے ماتحت چلتے رہے اُن کی حکومت کو کوئی زوال نہیں آیا لیکن جب اُنھوں نے خلوص وللّٰہیت کی جگہ ذاتی مفادات کو مقدم کرلیا، اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال شروع کر دیا، غرور ونخوت میں آکر عاجزی اور انکساری ترک کر دی، ہوا و ہوس، لہو ولعب میں پڑ کر عبادت کی

فرصت نہ رہی، بے دینی اور الحاد نے فطرت کو مسخ کر دیا، نمازیں جاتی رہیں، زکوۃ کی ادائی باقی نہ رہی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت سے جو حقیقتاً خداوند تعالیٰ کی اطاعت تھی، گریز شروع ہوا۔ اندریں حالات ان سے شہنشاہِ اعظم نے نیابت چھین لی، خلافت سے محروم کر دیا اور انھیں وہ سزائیں دیں جو کہ ایک باغی اور سرکش غلام کو اس کا بااختیار و با اقتدار آقا دیا کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت موجود ہے، اس کا بنایا ہوا قانون موجود ہے، اس کے لامحدود اختیارات اور ہمہ گیر اقتدارات موجود ہیں لیکن حکومت الٰہیہ کے ماتحت خلافتِ الٰہیہ موجود نہیں۔ خدا کی بنائی ہوئی سرزمین پر اُس کا بنایا ہوا قانون نافذ نہیں اور مسلمانوں کی عیش پسندی، تن آسانی، فرض ناشناسی، خدا سے دوری اور مہجوری، دین سے انحراف و اعراض نے یہ صورتِ حالات پیدا کر دی ہے کہ دنیا میں حکومت ہے اَنْدَاداً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کی، راج ہے اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کا، قانون رائج ہے انسان کا اپنا بنایا ہوا، غلبہ و تصرّف ہے حزب الشیطان کا۔ بن علیہ [اس بنا پر] حکومت الٰہیہ کا اجرا و قیام [۱۷] سے مقصود بالذات صرف یہ بات ہے کہ خدا کی بنائی ہوئی زمین پر خدا کا بتایا ہوا قانون نافذ ہو جائے۔

حزب اللہ اور اُس کا حقیقی نصب العین

آنکہ دل ہارا ہمی آرد بوجد
باز گو از نجد و از یارانِ نجد [۱۸]

جیسا کہ گزشتہ سال کے خطبۂ صدارت میں یہ فقیر بلا لومۃ لائم نہایت صاف اور کھلے الفاظ میں اس امر کا اظہار کر چکا ہے [کہ] حزب اللہ کا حقیقی نصب العین قیامِ حکومت الٰہیہ، نفاذِ قانونِ خداوندی اور اِن دونوں چیزوں کو حاصل کرنے کی خاطر ہر ممکن جدوجہد، ایثار و قربانی ہے۔ آغازِ تحریکِ حزب اللہ کے وقت بھی یہی مقصد وحید میرے پیش نظر تھا اور اب بھی اسی مقصد کے حصول کی خاطر میری کوششیں ان شاء اللہ وقف رہیں گی۔

نشانِ راہ تو اٹھارہ سال کے عرصہ سے دیکھ لیا گیا تھا اور کاروان کو سیدھا اسی راستہ پر چلایا گیا البتہ منزل دُور تھی اور راستہ پُر پیچ و پُر خطر۔ قدم قدم پر ٹھوکروں کا احتمال تھا، چپہ چپہ صبر آزما اور حوصلہ طلب تھا۔ بالآخر منازل ہفت خوان طے کرنے اور والہانہ اقدامات کا انجام آپ کے سامنے ہے۔ نصب العین متعین ہو چکا ہے، مطمع نظر سامنے آ چکا ہے اور حزب اللہ کی حقیقت پوری وضاحت کے ساتھ منکشف ہو چکی ہے کہ جہاں آج کل دنیا میں شیطانی حکومتوں کا غلبہ ہے، اہرمنی طاقتوں کا عمل دخل ہے، ابلیسی قوتیں برسرِ اقتدار ہیں وہاں ہماری بہ حیثیت مسلمان اور بہ حیثیت اللہ تعالیٰ کے پرستار ہونے کے یہ خواہش ہے، یہ تمنا ہے، یہ آرزو ہے کہ بنی نوع انسان کو بالعموم اور خدائے قدّوس کی ذات پر کامل ایمان رکھنے والوں کو بالخصوص اللہ تعالیٰ کی حکومت تسلیم کرنے

کی دعوت حقہ پیش کی جائے اور اسے بادشاہ مان لینے کے بعد اُس کے مجوّزہ قانون (کتاب اللہ) کی پوری پابندی کرنے پرآمادہ کاربنایاجائے تاکہ دنیاجن خطرات اورمصیبتوں میں ماخوذ ہےاوردنیاوالوں کی زندگی باہمی کشمکش، تصادم وتقابل، جنگ وجدال، حرب وقتال کی وجہ سےجس طرح کہ وقفِ آلام واحزان ومورِ تفکرات و مصائب ہورہی ہے اس سے چھٹکارا حاصل کرسکیں۔ غارت گری، فساد انگیزی، ظلم وعدوان، جور وعصیان، وحشیّت وبربریت کا قلع قمع ہوجائے اور صلح وامن، دل جمعی واطمینان کا دوردورہ ہو۔جس کے اندر ظالم کوظلم سے باز رکھا جاسکے، مظلوم کی اعانت ہوسکے، یتیموں کی دست گیری اور بیواؤں، مسکینوں محتاجوں کے ساتھ شفقت و مروّت۔ یہ چیزیں خدائی حکومت قائم [کیے] اورخدائی قانون نافذ کیے بغیر کبھی حاصل نہیں ہوسکتیں۔

آپ نے علم برداران تمدن و مدعیانِ تہذیب کے اخلاق واطوار کا اندازہ موجودہ جنگ سے بہ خوبی لگایاہوگا کہ ان کے اندرانسانیت اور ہمدردیِ بنی نوع کے جذبات کس حدتک موجود ہیں اورعفو ودرگذر، لطف وکرم و ملاطفت کے خیالات عالیہ کہاں تک اُن کے دلوں میں پائے جاتے ہیں۔آہ! ان انسان نما درندوں، ان شقی القلب وحشیوں اوران سنگ دل ظالموں نے اپنی ذاتی اغراض کی تکمیل، اپنی شخصیتوں کی بڑائی اور ملک گیری و استعمار کے ہوس میں اللہ کی بنائی زمین پراتنی بڑی خوں ریزی کی ہے، اِس قدر قتل و غارت کی ہے اور بے گناہ انسانوں کا خون ندیوں کی شکل میں اس بے دردی سے بہایا ہے جس کی کوئی نظیر زمانہ سابق میں موجود نہیں اور ابھی معلوم نہیں یہ نئی روشنی اوراس کے پروانے زمانہ مستقبل میں اور کیا گُل کھلائیں گے؟

زمین کی اعتباری ماں اپنے فرزندوں کی ظالمانہ اور وحشیانہ حرکات سے نالاں ہے۔آسمان پر بسنے والے فرشتے بنی آدم کی فتنہ انگیزی اورخون آشامی سے لرزہ براندام اورتہذیب وشائستگی ان غیر مہذب و ناشائستہ اخلاق کے بدترین مظاہرہ سے نالہ کناں اورستم ظریفی یہ کہ امن کے نام پر بدامنی، اخلاق کے نام پر بداخلاقی اور صلح کے نام پر جنگ ہورہی ہے۔انصاف کی دُہائی دے کر بے انصافی سے کام لیاجارہاہےاورقانون کی آڑ میں قانون شکنی ہورہی ہے۔انصاف پسند اور صلح طلب افراد حیران ہیں کہ کیا ہونا چاہیے تھا اور کیا ہورہاہے؟ غریب اوربیکس لوگ سراسیمہ ولرزاں کہ ہم کدھر جائیں؟ کدھر بھاگ نکلیں؟ جہاں انھیں امن و عافیت نصیب ہومگران لٹیروں اورقزاقوں کی دست بُرد سےاب کون بچ سکتا ہے؟ جن کے اڑنے والے بم بارطیارے مصافی اور غیر مصافی آبادی کی تمیز کیے بغیراندھادھند بم برسانے کے عادی ہوچکے ہیں۔جن کے سامنے ایک مچھر ماردینا یا ایک انسان قتل کردینا ایک ہی حیثیت رکھتا ہےاورجنھوں نے انسانی خون سے ہولی کھیلنا ایک شغلِ بے کاری بنا رکھا ہے۔ پھر دنیا کی نجات ساکنین ارض کی رہائی اور دنیا میں بسنے والوں کا چھٹکارا قطعاً نہیں ہوسکتا جب تک کہ لوگ شیطانی حکومت کے دستِ تظلّم سے نِکل کر خدائی حکومت کے زیرسایہ نہیں آئیں گےاور جب تک انسان

کے بنائے ہوئے ناقص قانون کو ترک کر کے خدا کے بتائے ہوئے کامل قانون کی پناہ نہیں لیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی حکومت امن کی کفیل، انصاف کی حامل اور رواداری کی ضامن ہے اور خداوند کریم کا مجوزہ قانون اعانتِ مظلوم، انصافِ بے کس اور حقیقی مساوات پیش کرنے والا ہے۔ بنی نوعِ انسان کی طرف اس کے خالق و مالک کا آخری پیغام جو کہ آخری رسول خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لے کر آئے ہیں اِس حد تک مبارک اور مفید ہے، اس حد تک لائقِ عمل و قابلِ پذیرائی ہے اور اُس میں انسان کی ترقی، مدارج اور ارتقا کے اس قدر پاکیزہ اصول موجود ہیں کہ اس کی تعلیمات کے زیر اثر عرب کے بدوی بادیہ نشین افراد، مہذب ممالک سے دُور افتادہ لوگ، اخلاق و تمدن کے مدارج عالیہ پر پہنچ گئے۔ ایک بہترین تہذیب و عمرانیت کے مالک بنے اور جن کے نقشِ قدم پر چلنا آج مہذب ترین اقوام کے لیے باعثِ ہزار فخر ہے اور یہ قدوس بندہ نواز کی شانِ کریمی ہے کہ اُس نے اِس فقیر پر ہدایت کی راہیں کھول دیں اور ایک ایسے بہترین نصب العین کی رہنمائی فرمائی جس سے بہتر کوئی نصب العین دنیا میں موجود ہی نہیں اور جس کی وضاحت گزشتہ سال کے خطبۂ صدارت اور سالانہ دورہ کی تقریروں میں کی جا چکی ہے اور وہ ہے حکومت الٰہیہ کا قیام، قانونِ خداوندی کا احترام اور ان مقاصد عالیہ کے حصول کی خاطر مجاہدانہ اقدام۔

دعوتِ فکر و عمل

برادرانِ ملت! حکومت الٰہیہ تو ایک جامع سکیم تھی جس کی بعض دفعات اور جزئیات پہلے وقتاً فوقتاً آپ کے سامنے آتی رہیں اور گزشتہ سالانہ جلسہ کے موقع پر اسے پوری وضاحت کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ الفاظ نہایت موزوں اور برجستہ ہیں لیکن معانی طلب، تخیل بڑا بلند، ارفع و اعلا ہے لیکن عمل کا محتاج۔ نصب العین بے حد دیدہ زیب اور دل فریب ہے مگر تشنۂ تکمیل۔ صرف زبان سے کہہ دینا کہ ہم نے حکومت الٰہیہ قائم کر لی ہے اور ہم نے خدائی قانون کو مان لیا ہے یا ہم ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار ہیں ایک ابلہ فریبی بل کہ خود فریبی سے بڑھ کر اہمیت نہیں رکھتی۔ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ ان مقاصد عالیہ کے حصول کی خاطر ہم نے جس والہانہ اور مجاہدانہ اقدام کا وعدہ کیا ہے اس کا ایفا کس طریق سے ہو؟ اگر ہم ان دونوں مقاصد کی تکمیل کرنا چاہیں تو ہمارے سامنے دستور العمل یا پروگرام کیا ہوگا؟ اور لطف یہ کہ اِدھر اِس فقیر کی زبان سے حکومت الٰہیہ کا لفظ نکلا اور اُدھر تمام اسلامی جماعتوں، اداروں اور مجالس میں یہی آواز بازگشت سنائی دینے لگی۔

ہمارے بھائیوں کی میرے ساتھ یہ ہم نوائی فال نیک سے تعبیر کی جا سکتی ہے اور جس صورت میں کہ ہر ایک مسلمان کا مآل حیات اور مقصدِ زندگی اسی چیز کا حصول ہے تو پھر ان کی یہ موافقت لائقِ تبریک و تہنیت و

قابلِ تحسین وآفرین ہے لیکن سوال صرف ایک پروگرام کا ہے جس کو اختیار کرنے اور ایک دستورالعمل کا ہے جس پرعمل پیرا ہونے سے ہم اپنے مقصد وحید میں کامیاب ہوسکیں اور اپنی زندگی میں وہ دل کش نظارہ ہمارے سامنے آ جائے جس کی کہ ہمیں ہر وقت خواہشِ دید ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت دنیا کے ہر حصہ میں قائم ہو اور اس کا قانون بنی نوع انسان کے ہر طبقہ میں نافذ و رواج پذیر۔ دوسری جماعتوں یا ان کے اربابِ بست و کشاد کے زاویہ ہائے نگاہ سے بالکل خالی الذہن ہو کر یہ فقیر صرف ذاتی غور وفکر کے بعد حسب ذیل دستورالعمل پیش کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ [19]

۱۔ ایجابی اور سلبی کیفیات کے پیشِ نظر جب تک کہ پہلے تخریب کا عمل ظہور میں نہیں آئے گا تعمیر میں دقتوں اور دشواریوں کا احتمال ہے۔ نفی ماسوا پہلے ہے اور اثباتِ توحید بعد میں۔ حکومت الٰہیہ ایک تعمیری نظام ہے اور اَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ یعنی اللہ کے سوا معبودانِ باطل سے بے تعلقی بل کہ سرکشی اور بغاوت اس کا تخریبی پہلو ہے مگر اس تخریب کے بغیر اِس محل کی تعمیر ناممکن ہے۔ اس لیے سب سے پہلے دل دادگانِ حکومت ِالٰہیہ وشیفتگانِ اقتدارِ خداوندی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذہنیتوں میں ایک زبردست تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کریں اور وہ یہ کہ اُن کے دل جری اور مضبوط ہو جائیں۔ خشیت الٰہی کے بغیر کوئی خوف و ہراس، کوئی ڈر خطرہ باقی نہ رہے اور وہ ہر انسان کو اپنے جیسا انسان سمجھنے لگیں اور کسی کی ظاہری وجاہت یا حکومت کا کوئی رُعب اُن پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ وہ انسان کے بنائے ہوئے قانون کو نہایت حقارت کی نگاہوں سے دیکھیں اور ان کی نظر انسانی کم زوریوں کا جائزہ لیتی ہوئی اس کے غلط طریق ہائے کار پر جا ٹھہرے تاکہ انسانی بے راہ رویوں اور خود غرضیوں کو دیکھتے ہوئے اس کے دل میں غلط روانسانوں کے متعلق ایک بے پناہ جذبہ تنفر پیدا ہو جائے اور وہ ایسے غاصب، جابر اور ظالم انسانوں اور ان کے بنائے ہوئے خودغرضانہ اور ذاتی مصلحتوں پر مبنی قوانین کی عدم تعمیل کو اپنا فرضِ اوّلین قرار دے۔

۲۔ جیسا کہ ایک بدصورت کی بدصورتی سے تنفر آپ کو ایک خوب صورت کی طرف زیادہ راغب کرتا ہے۔ اسی طرح ظالم انسان اور اس کے ظالمانہ قانون سے پیدا شدہ نفرت آپ کو ایک منصف، عادل اور رحیم ذات اور اُس کے بنائے ہوئے منصفانہ اور عادلانہ قانون کی طرف خود بہ خود کھینچ لائے گی اور آپ کو اس کی حکومت کے ماتحت رہنے اور اس کے قانون کو اپنانے میں ایک دلی مسرت اور اطمینان پیدا ہوگا اور آپ اپنے کو ایسے شہنشاہ حقیقی کی غلامی میں شامل ہونے اور اُس کے احکام کی تعمیل کو اپنا فخر سمجھنے لگیں گے اور جب تک کہ آپ کی ذہنیت اور میلانِ طبع اس چیز کو قبول نہ کرے گی محض پند وموعظت یا تقریر وتحریر سے آپ کے اندر یہ انقلاب پیدا نہیں ہوسکتا۔

۳۔ جب آپ کا دل اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال اور اُس کے قانون کے بہترین فوائد وثمرات سے متاثر ہو گیا تو پھر آپ کو طبعاً حکومت الٰہیہ کے ماتحت آ جانے اور اللہ تعالیٰ کے تجویز [نازل] کردہ قانون کو قبول کر لینے کی طرف رغبت پیدا ہو گی اور پھر آپ اپنے کو خود بہ خود اُس کا پابند بنا لیں گے اور یہی انقلابی چیزیں ہیں جن کے بغیر ہم اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اِس ذہنی انقلاب اور خیالات کی تبدیلی کے بعد احکم الحاکمین کی حکومت کو تسلیم اور قانونِ خداوندی کے احترام کا عملی ثبوت حسبِ ذیل طریقوں سے ہمیں دینا پڑے گا۔ قانونِ ارشاداتِ الٰہیہ کو ہم دو حصّوں میں تقسیم کر سکتے ہیں :

۱۔ عبادات ۲۔ معاملات

اور پھر بہ لحاظ نتائج بھی ان کی دو نوعیتیں ہوں گی :

۱۔ جزا ۲۔ سزا

یا بہ الفاظ دیگر ایک مسلمان جو ذمہ شدہ عبادات کو بہ طریقِ احسن پورا کرتا ہے اور ظاہری معاملات یا حقوق العباد کا بھی پورا پابند ہے وہ مستحقِ جزا ہے اور عبادات میں کوتاہی کرنے والا اور معاملات میں خیانت برتنے والا مستوجبِ سزا اور یہ عذاب وثواب یا پاداشِ عمل ہی ایک ایسی چیز ہے جو کہ انسان کے دل میں نیکیوں کی ترغیب اور برائیوں سے اجتناب پیدا کر دیا کرتی ہے۔ بایں ہمہ اگر نیکی کو اس لحاظ سے اختیار کیا جائے کہ اس کے اندر بہتری کا راز مستتر [چھپا ہوا] ہے اور بدی کو بدیں وجہ ترک کیا جائے کہ اس میں بُرائی اور خرابی ہے تو طبیعت نسبتاً زیادہ مائل بہ نیکی ومتنفر از بدی ہو سکتی ہے اور اس سے بڑھ کر جب انسان ایک محسن ومربی ومنعم کے نفسِ احکام کی تکمیل کرے اور اس طریق سے اپنی احسان مندی سے عہدہ برا ہونے کی کوشش کرے یا اس کے حکم امتناعی [روکنے کا حکم] کے ماتحت کسی ارادہ کا ترک۔ جس کے ضمن میں اس کی حصول خوش نودی مطلوب ہو تو یہ چیز اور زیادہ وزن دار ہو جایا کرتی ہیں اور اس نظریہ کے ماتحت آپ پہلے عبادات کی طرف آئیں اور پھر معاملات پر غور کریں۔

۱۔ عبادات سے مقصود بالذات منعم حقیقی کی تعمیل ارشاد کے علاوہ خود انسانی زندگی کی بہتری کے عملی وسائل ہیں۔ نماز سے ضبطِ اوقات، تواضع وانکساری، یگانگت واتحاد، مساوات ویک رنگی۔ روزہ سے ضبط علیٰ النفس، اعتماد علیٰ النفس، قدرِ عافیت، خشیت الٰہی، برقراریِ صحت۔ زکوٰۃ سے ہمدردیِ بنی نوع، ایثارِ مالی۔ حج سے اتحادِ بین المسلمین، اجتماعِ ملی، تجدیدِ عہد وتوثیقِ میثاق جیسے مفید اور عملی نتائج حاصل ہو سکتے ہیں اور ان سے کوتاہی انسانیت کے کمالات سے محرومی ہے۔

۲۔ معاملات کی درستی فطرت کے عین مطابق ہے۔حقوق الوالدین،حقِ استاد،حقِ جوار،حقوق ذوی القربیٰ،مساکین،غربا اور یتیموں اور بیواؤں پر شفقت،رشتہ داروں اور گھر والوں سے حسنِ سلوک،داد وستد میں دیانت داری،مصارف میں اعتدال پسندی،زبان کی حفاظت،سچائی کی حمایت،باطل سے نفرت و دیگر اخلاق آمیز باتیں ایسی نہیں جنھیں کہ ایک عقل سلیم رکھنے والا انسان از خود قبول نہ کرے اور منہیاتِ شرعیہ بد دیانتی،حق تلفی،خیانتِ امانت،لغو گوئی و بے ہودہ سرائی،غرور و تبختر،خود نمائی و خود ستائی،جھوٹ اور بہتان، غیبت اور تہمت،مردم آزاری وخود مطلبی،جوا اور شراب،زنا اور بد چلنی و دیگر ہم چو قسم بدعملیاں ایسی نہیں جنھیں کہ ایک حق پسند اور انصاف شعار انسان طبعاً ناپسند نہ کرے۔

پھر جب ہمیں اِس بات کا یقین ہو جائے گا کہ احکم الحاکمین کے تجویز کردہ آئین وقوانین تمام تر ہماری فلاح و بہبود کے لیے ہیں اور اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں جس پر کہ کسی قسم کا اعتراض وارد ہو سکے تو پھر ایک طرف شہنشاہِ ارض وسما کا پُر شکوہ تصور اور دوسری طرف اس کے جاری کردہ قانون کی جامعیت اور موزونیت ہمیں اُس کے تعمیل احکام پر پوری طرح آمادہ بنا دے گی اور کم از کم ایک مسلمان اُس کے قانون کا بہ درجۂ احسن احترام کرنے لگے گا۔اب سب سے زیادہ محلِ نظر حکومت الٰہیہ کا سوال نہیں جو کہ ہمارے قائم کیے بغیر بھی قائم ہے اور دنیا کے انکار کے باوجود بھی اس کا قیام و دِوام واستحکام مستلزم ہے بل کہ خلافتِ ارضی کا معاملہ ہے اور ایک ایسے بہ اختیار و بہ اقتدار نظام کے قیام کا مسئلہ جس کے ماتحت قانونِ خداوندی کا نفاذ ہو سکے مگر حقیقتاً یہ چیز بھی اگر بہ غور دیکھا جائے تو کوئی زیادہ حل طلب نہیں ہو گی۔اللہ تعالیٰ کی حکومت تسلیم کر لینے اور اُس کے قانون کو اپنا قانون بنا لینے کے بعد جب جمہور مسلمین نے ایک شخص زید،عمر و بکر کو اِس قابل سمجھ لیا کہ اسے اپنا امیر یا خادم بنائیں یا کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے از خود مامور فرما دیا کہ وہ مسلمانوں کی قیادت یا رہنمائی کرے تو قدرت کی طرف سے خود بہ خود ایسے اسباب پیدا ہو جائیں گے جو کہ خلافتِ ارضی کے قیام کا باعث ہوں۔سرِ دست تو آپ استخلاف فی الارض کی اہلیت پیدا کرنے کی کوشش کریں اور جو دستور العمل آپ کے سامنے رکھا گیا ہے اُس پر پُوری طرح پابند ہو جائیں۔ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡراً۔[۲۰]

موجودہ جنگ اور اس کا خاتمہ

دنیا میں جس چیز کی ابتدا ہے اس کی انتہا بھی ہے اور انسانی زندگی میں درپیش آنے والے مسائل خواہ ان کا تعلق صلح اور امن سے ہو یا جنگ وجدال سے وقتی حیثیت رکھنے والے ہوا کرتے ہیں۔سکون کے بعد تحرک اور حرکت کے بعد تعطل مستلزمات میں سے ہیں اور جہاں کی یہی نیرنگیاں اور دنیا والوں کی یہی جدّت طرازیاں

حدوثِ عالم اور نا ثباتیِ دہر کا ایک عملی ثبوت ہیں۔ وہ جنگ جس نے کہ کرۂ ارضی پر ایک معرکۂ رستخیز اور نمونۂ قیامت قائم کر دیا، جس کی ہول نا کی اور ہیبت انگیزی کی داستانیں آئندہ نسلوں کو لرزہ براندام بنایا کریں گی، جس کے دائرہ کی وسعت اور جس کے نائرہ کا پھیلاؤ قرونِ اولیٰ میں کوئی مثال نہیں رکھتا، جس نے دنیا کے تمام براعظموں کو بلا استثنا اپنی لپیٹ میں لے لیا، جس کے کشتگانِ ناز کی تعداد لاکھوں سے بڑھ کر کروڑوں تک پہنچ چکی ہے، جس کے پیدا کردہ مالی نقصانات کی تلافی ایک صدی تک بھی نہیں ہو سکتی، جس کی ڈھائی ہوئی عمارتوں اور برباد کردہ آبادیوں کی از سرِ نو تعمیر کے لیے ایک طویل زمانہ درکار ہے، جس کے ہاتھوں انسانیت اور عمرانیت کا جنازہ نِکل گیا، جس نے وحشیت و بہیمیت کے زہرہ گداز مناظر دکھلائے، جس کے پھونکے ہوئے صور اور بہ جائے ہوئے بگل کو سُن کر انسان اپنے ہوش وحواس، عقل وخرد سے باہر ہو گیا اور مہلک ترین اسلحہ سے مسلح ہو کر اس نے اپنے بھائیوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔

چند اشخاص و افراد کی بدحواسی اور دماغی توازن کھو جانے سے ساری دنیا کے حواس بجا نہ رہے اور ان فاتر العقل دیوانوں کے پیچھے پڑ کر تمام لوگ پاگل ہو گئے۔ آخر اس حماقت کا خاتمہ بھی ہونا تھا اور مریضِ جنون کو دماغی سکون بھی آنا تھا۔ متواتر چھے سال کا عرصہ دنیا بھر کے لیے جس ابتلا و آزمائش کا زمانہ رہا ہے اور اندریں اثنائے بنی نوعِ انسان کو جن دہشت انگیز حالات و اضطراب آمیز کیفیات سے سابقہ پڑا ہے اس کی کیفیت سے کون ناواقف ہے؟ شہر تو شہر دُور افتادہ دیہات تک اس زلزلہ کا اثر جا پڑا ہے اور تعلیم یافتہ اور اخبار بین طبقہ سے قطع نظر ایک بے سمجھ گڈریا اور جاہل کسان بھی جنگ کی تباہ کاریوں سے پوری طرح واقف ہے۔ جنگ کے دوررس اثرات نے انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر نہایت مضر اثر ڈالا ہے اور ایک طرف اگر لڑائی کے باعث کُشتوں کے پشتے لگ گئے ہیں، زخمیوں کی کثیر تعداد مرہم پٹی سے محروم ہو چکی ہے، سر بہ فلک عمارتیں زمین بوس اور تعمیر کے بہترین نمونے ملیا میٹ ہو چکے ہیں۔

جنگ کے دیوتاؤں کی اصلاح میں آنسو اور خون جنگ کے صحیح ترجمان ہیں اور ان دو چیزوں کی فراوانی سے ہی جنگ کا صحیح نظارہ سامنے آ سکتا ہے تو دوسری طرف جنگ کا براہِ راست اثر انسانی اخلاق کے لیے تباہ کن ثابت ہوا۔ آہِ یتیم و نالہ بے کس کا اثر، ہزار ہا بے گناہوں اور مظلوموں کی فریادیں اکارت چلی گئیں، معاشرتی نظام درہم برہم ہو گیا، اقتصادی حالات بد سے بدتر ہو گئے اور تمدن میں وہ انقلاب آیا کہ آج دنیا کا سب سے بڑا متمدن ملک آپ کو سب سے زیادہ غیر متمدن نظر آئے گا اور مدعیانِ تہذیب و اخلاق نے بدتہذیبی اور اخلاق سوزی کے جو گھناؤنے اور مکروہ مناظر پیش کیے ہیں دنیائے اخلاق ہمیشہ ان پر آنسو بہایا کرے گی۔ بہ ہر کیف جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ بنی نوعِ انسان نے اپنی قبر اپنے ہاتھ سے کھودی۔ خون کے دریا بہا کر اپنے انتقام کی پیاس بجھا

لی اور اُس وقت تک دم نہ لیا جب تک کہ دوسرے لڑنے والے میں دم خم موجود تھا۔

جیسا کہ گزشتہ جلسہ سالانہ کے موقع پر اِس فقیر نے حالاتِ جنگ کا مطالعہ کرتے ہوئے اور قیافہ شناسی سے کام لیتے ہوئے اندازہ لگایا تھا۔ بالآخر روسی یلغار اور اتحادیوں کے دباؤ کی تاب نہ لا کر جرمن نے ہتھیار پھینک دیے اور اپنے آپ کو ان حکومتوں کے رحم پر ڈال دیا۔ معلوم نہیں جنگ کے محرّکِ اوّل اور برہم زن امنِ عالم ہٹلر کا کیا حشر ہوا؟ واقعی لڑتا ہوا مارا گیا یا کسی گم نامی کے گوشہ میں روپوش ہو گیا۔ دونوں صورتوں میں اس کی جسمانی یا اخلاقی موت ہو چکی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اُس کے افسانۂ حیات کو دشمن بھی نہیں بھول سکتے مگر یہ زندگی بھی کوئی زندگی ہے جس کا مقصد سارے جہاں کی زندگی تباہ کرنا ہو اور یہ موت بھی کوئی موت جو ربع مسکونِ عالم کی اکثر آبادی کو موت کے گھاٹ اُتار آئے۔ بہ ہر کیف جرمن ختم ہو گیا، جرمن کی قوم وقفِ رحمِ اغیار بن گئی، ہٹلر کی اُمنگیں خاک میں مل گئیں، اُس کے ارادے پورے نہ ہو سکے اور اس کی دل فریب خوابیں شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکیں۔

اب سارا یورپ روس اور اتحادیوں کی بلا اشتراک ملکیت ہے۔ خدا کرے اس شاملات کی تقسیم میں کوئی خانہ جنگی شروع نہ ہو جائے اور روس کا دہنِ آز کسی لقمۂ تر کے لیے کھلا نہ رہ جائے۔ جاپان کی حالت بھی اب قطعاً مخدوش ہے اور سارے ایشیا کی فتح کے خواب دیکھنے والا اب اپنے تحفظ اور بقا کی فکر میں سہا جا رہا ہے۔ برما برطانیہ نے واپس لے لیا۔ فلپائن امریکا کے قبضہ میں آ گیا۔ دوسرے جزائر شرق الہند بھی یکے بعد دیگرے جاپان سے چھینے جا رہے ہیں بل کہ جرمن کے فاتحین کو اب غالباً جاپان کو نیچا دکھلانے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی اور دنیا میں برطانیہ کو پھر امن کا سانس لینا نصیب ہو گا اور ہندُستان والے بھی جو بیرونی خطرات و حملوں سے ہراساں تھے مطمئن ہو جائیں گے۔

ہم نے آغازِ جنگ سے لے کر اس وقت تک اپنے تمام سالانہ خطبہ ہائے صدارت میں برطانیہ کی فتح اور جرمن و جاپان کی شکست کی خواہشیں ظاہر کی ہیں اور اُسی شخصی حکومت کی ناپسندیدگی اور جمہوریت کو بہ نظر استحسان دیکھنے کی بنا پر اور اس حاصل کردہ عظیم الشان فتح کے موقع پر ہم برطانیہ کو ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہیں اور وہ دن دور نہیں جب کہ میدانِ جنگ میں مصروف پیکار ہمارے حزب اللہ کے ہزاروں رضا کار فتح و نصرت کا پھریرا [جھنڈا] بلند کرتے ہوئے اپنے گھروں میں واپس آئیں گے اور مادرِ وطن اپنے ان بہادروں کے کارناموں پر فخر کرے گی۔ ساتھ ہی حُسن ظن سے کام لیتے ہوئے اب ہماری یہ توقع بے جا نہ ہو گی کہ برطانیہ کو اب اپنے کیے ہوئے وعدوں کے مطابق اور ہندُستانی بہادروں کے شان دار کارناموں کے عوض ہندوستان کو مکمل آزادی دے دینی چاہیے اور آزادی کی تجویز کردہ شرائط میں مسلمانوں جیسی وفادار جماعت کو ان کے جائز

حقوق یعنی پاکستان کولازمی قرار دینا چاہیے جب کہ مجوزہ پاکستان کے بغیر مسلمانوں کے لیے آزادی بالکل بے معنی، بالکل غلامی کے مرادف ہے۔

حالات بعداز جنگ اور حکومت کا فرض

تعمیری پہلو سے تخریبی صورتیں ہمیشہ آسان ہوا کرتی ہیں۔ ایک چیز کو بنانا مشکل ہے اور بگاڑنا آسان۔ فسادانگیزی اور غارت گری پر اتنا وقت نہیں لگتا جتنا کہ قیامِ امن اور اصلاحِ ذات البین کے لیے ایک عرصہ بکار [درکار] ہوا کرتا ہے۔ کسی کو زخم پہنچانا مطلوب ہو تو تلوار کی ایک ضرب یا برچھی کے ایک وار سے چند ثانیوں کے اندر وہ مجروح ہوسکتا ہے لیکن اگر زخموں کا اِندمال [زخم کا مٹنا] چاہیں تو عملِ جراحی کے ماتحت مہینوں کی مہلت ہونی چاہیے۔

موجودہ عالم گیر جنگ نے چھے سال جو دھما چوکڑی مچا رکھی تھی اور جس سُرعتِ رفتار سے اس نے مالی، جانی، اخلاقی، اقتصادی، تمدنی نقصانات پہنچائے وہ اعداد وشمار سے متجاوز ہیں۔ لاکھوں بچے یتیم ہوگئے، لاکھوں عورتیں بیوہ ہوگئیں، ہزاروں بے گناہ مارے گئے، زخمیوں کے لیے ہسپتالوں میں جگہ نہیں رہی، مُردے دفن کیے یا جلائے بغیر گل سڑ رہے ہیں۔ یورپ کے بڑے بڑے شہر جنھیں اُم البلاد اور عروس البلاد سے موسوم کیا جاتا تھا اور جن کی خوب صورتی، رونق، چہل پہل ضرب المثل تھی آج عفریتِ حرب کے آہنی پنجہ میں آکر کچلے جاچکے ہیں۔ عمارات کھنڈرات ہوگئیں، سڑکیں ویران، باشندے ڈر کے مارے بھاگ گئے اور وہاں اُلو بول رہا ہے۔

متحارب طاقتوں نے نتیجہ سے بے پروا ہوکر محض ایک جنگ جیتنے کا جذبہ سامنے رکھ کر سر دھڑ کی بازی لگادی۔ روپیہ، بارود اور پٹرول کی شکل میں اُڑایا گیا۔ تمام صنعتی کارخانوں میں اسلحہ سازی کا کام ہونے لگا۔ لوہا اور فولاد بھٹیوں میں پانی کی طرح سیال کر کے اس سے ہوسِ انتقام پورا کرنے کے کئی سامان تیار ہوئے۔ بھاری بھرکم بموں کی ساخت سائنس کا ایک حیرت انگیز کرشمہ ہے اور اُڑنے والے بم، پھٹنے والے راکٹ محیر العقول ایجاد یں۔ ابھی شکر ہے کہ گیسوں کا استعمال کم ہوا اور انسان آخری تباہی سے کسی قدر بچ نکلا۔ بایں ہمہ نقصانات کا کوئی اندازہ نہیں اور نہ ہی تلافی کا کوئی امکان ہے لیکن ان ہلاکت آفرینیوں اور تباہ کاریوں سے قطع نظر اب سوال جنگ کے بعد پیدا ہونے والے صورت حالات کا ہے۔

لندن تو نہ ایک دن میں بنا ہے نہ بن سکتا ہے۔ پیرس اور برلن بھی کہیں صدیوں میں جاکر اپنی پہلی حالت پر آئیں گے اور یورپ کی تعمیر کے لیے عمرِ نوح علیہ السلام وصبرِ ایوب علیہ السلام درکار ہے لیکن اس چھے سال کے طویل عرصہ میں جو خانماں بربادی ہوئی ہے اور لاکھوں نہیں بل کہ کروڑوں انسان موت کے گھاٹ

اُتارے جا چکے ہیں اور ان کے پس ماندگان کس مپرسی اور غربت وافلاس میں گرفتار ہیں ان کا کیا بنے گا ؟ اور پھر تخفیفِ افواج کے سلسلہ میں لاکھوں کروڑوں اشخاص جو اپنے گھروں کو لوٹ آئیں گے۔ اُن کے گزارہ کی کیا صورت ہوگی؟ سُنا گیا ہے یورپ اور امریکا میں ابھی سے یہ سوال زیر بحث آ رہا ہے اور عاقبت اندیش لوگ حالات بعد از جنگ سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہر قسم کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور غالبًا انہوں نے بے کاروں کا کوئی بہترین حل ضرور تلاش کرلیا ہوگا۔

ہمارا ہندُستان جو جوشِ وفاداری کے زیر اثر رضا کارانہ طور پر شریکِ جنگ ہوگیا اور جس کے بہادر جنگ جو سپاہیوں نے یورپ کے میدانوں، مصر کے صحراؤں اور آسام و برما کے محاذوں پر اپنی بہادری اور شجاعت کا سکّہ بٹھا دیا اور دنیا نے تسلیم کرلیا کہ بہ لحاظِ فرض شناسی، تحمل و برداشت اور حوصلہ مندی کے ہندوستان کا سپاہی ایک بہترین سپاہی ہے۔ مسٹر فلپس کی رائے کچھ ہو اور ایرانی کچھ کہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ سب لوگ محض پیٹ کی خاطر بھرتی نہیں ہوئے بل کہ حفاظتِ ملک اور ہمدردیِ حکومت کی تحریک بھی ضرور موجود تھی اور اس اعتبارت سے ہندُستانی سپاہی کا درجہ برطانیہ اور امریکا کے سپاہی کے برابر سمجھنا چاہیے بل کہ اس اعتبار سے اور بھی زیادہ کہ دونوں کی تنخواہوں میں زمین آسمان کا فرق ہے مگر لڑنے میں یہ اس سے آگے اور اب جب کہ تخفیف کا عمل ہونے والا ہے اور لاکھوں ہندُستانی سپاہی ضرورت نہ رہنے کی وجہ سے واپس گھر لوٹنے والے ہیں، سوال اُن کے روزگار کا پیدا ہوگا۔

ہندُستان ایک زرعی ملک ہے اور ملک کی آبادی کا کثیر حصّہ محض زراعت اور فلاحت پر گزر اوقات کرتا ہے۔ ہندُستان کا غلّہ اگر ملک سے باہر نہ جائے تو باشندوں کے لیے مکتفی [کافی] ہوسکتا ہے لیکن بھوکا ہندُستان اس بات پر مجبور ہے کہ خود بھوکا رہ کر دوسرے ممالک کی بھوک دور کرے اور لنگوٹی پہننے والے ہندُستان کو حکم ہے کہ وہ دوسرے ممالک کا ستر پوش بنے۔ بعض مفلوک الحال خاندانوں کے افراد جنھیں ایمرجنسی کمیشن مِل چکے ہیں اب گھر واپس آکر گھاس نہیں کاٹ سکتے اور نہ ریوڑ چرا سکتے ہیں۔ فسٹ کلاس کے ریلوے کمروں میں سفر کرنے والے مسافروں کو تھرڈ کلاس کے ڈبوں میں دھکے کھانے سے عار ہوگا۔ سول کے محکموں میں ملازمتیں محدود ہیں اور اگر فوجی خدمات رکھنے والے کو ترجیح بھی دی گئی تو بھی ایک انار وصد بیمار[۲۳] والی دقت پیش آئے گی۔

آج کل جنگ کی برکات کی وجہ سے روزگار عام ہے۔ مزدور بے کار نہیں، زمین دار کی جنس مہنگے بھاؤ بک رہی ہے اور یہی چیزیں شدید قحط سالی اور گرانی کے باوجود لوگوں کو بھوکا مرنے سے بچا رہی ہیں لیکن جنگ کے بعد جب بے کاری اور بے روزگاری بڑھ گئی، اُجرتیں گھٹ گئیں، اجناس کی قیمتیں گرگئیں تو ضروریاتِ زندگی کا مسئلہ نہایت شدومد کے ساتھ سامنے آجائے گا اور حکومت کا فرض ہے کہ وہ ابھی سے ایسے وسائل وتدابیر اختیار

کرے جن سے کہ ہندُستان کا مستقبل اقتصادی اعتبار سے بہتر ہو سکے۔ صنعتی ادارے کھولے جائیں، پارچہ بافی اور دیگر ضروریات کے کارخانے قائم ہوں، ہندُستانی مصنوعات کو فروغ دیا جائے، دوسرے مما لک سے درآمد ہونے والی اشیا پر کڑی پابندیاں لگائی جائیں اور ہندُستان سے برآمد ہونے والی چیزوں کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ اِس کے علاوہ رفاہ عامہ کے کام شروع کرا دیے جائیں، دست کاری کے سکول کھولے جائیں اور اس سلسلِہ میں اور بھی جو وسائل و ذرائع ملک سے بے کاری و بے روزگاری دور کرنے کی خاطر اختیار کیے جاسکیں انھیں بروئے کار لایا جائے تاکہ ہندُستان کے باشندے بعد از جنگ آرام کا سانس لے سکیں اور امن کی زندگی بسر کر سکیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بھوک اور ناداری، افلاس اور غربت سے مجبور ہو کر نوجوان کوئی انقلاب برپا کر دیں اور دنیا سیاسی جنگ کے بعد ایک اقتصادی جنگ کا تماشا دیکھنے لگے۔

یہ باتیں تو حکومت سے متعلق ہیں۔ اب ہندُستانی باشندوں کا بھی یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ اپنے مستقبل کی بہتری کے پیشِ نظر اسراف اور فضول خرچی سے باز آجائیں اور اپنی آمدن یا ذرائع آمدن کا ایک حصہ جمع کرنا شروع کر دیں کہ بہ وقتِ ضرورت وہ پس انداز شدہ رقم کام آ سکے۔ ساتھ ہی جنگ سے واپس آنے والے نوجوانوں کو صنعت و حرفت کی طرف لگانے کی کوشش کریں تاکہ وہ کسی نہ کسی کام میں مصروف ہو کر ملک کے اندر کوئی بدامنی پیدا نہ کر سکیں اور اپنی روزی اپنے ہاتھ سے کمانے کی عادت ڈال کر محتاجی اور دست نگری کی زندگی سے محفوظ رہیں۔

پاکستان کا نظریہ

اب جنگ کے اختتام پر نئی اصلاحات کی ترویج مستلزم ہے۔ سان فرانسسکو میں کانگریس والوں کا شور وغل بے اثر نہیں رہ سکتا۔ ہندُستان کے کشکول میں بھی طلب کردہ بھیک کے چند ٹکڑے ڈالے جائیں گے۔ مکمل آزادی ملنے کی توقع کم ہے اور نوآبادیاتی طرزِ حکومت کا اجرا زیادہ متوقع اور ہمارے ہندو بھائیوں کا نصب العین بھی مستعمراتی طریقِ حکومت ہے نہ کہ مکمّل ذمہ دارانہ حکومت۔ بہ ہر کیف جو کچھ ملنے والا ہے اس میں مسلمان بھی برابر کا حصّہ دار ہے بل کہ تناسبِ آبادی کے لحاظ سے اگر جنگی خدمات کا جائزہ لیا جائے اور اسی اعتبار سے حکومت کی داد و دہش کی تقسیم ہو تو پھر مسلمان کا استحقاق اور بڑھ جائے گا لیکن جب تک پاکستان کے نظریہ کے مطابق مسلمانوں کے حقوق کا تحفّظ نہ ہوا یہ مزعومہ [خیالی] آزادی مسلمان کے لیے بالکل غلامی کے مرادف ہو گی۔ غالب اکثریت رکھنے والی بیدار اور ہوشیار قوم کا اقلیت اور پھر کم زور اقلیت سے جو سلوک ہو گا وہ مخفی نہیں۔ ہم اس حد تک تو کانگریس والوں کے ساتھ ہیں کہ ہندُستان کو آزادی ملنی چاہیے اور ضرور ملنی چاہیے لیکن یہ بات

کبھی برداشت نہیں کر سکتے کہ انگریز سے آزاد ہوکر مسلمان ہندو کا غلام بن جائے۔

ہمارا مبنی بر انصاف مطالبہ یہ ہے کہ ہندو اپنی جگہ آزاد ہو اور مسلمان اپنی جگہ اور دو آزاد قوموں کے اشتراک کے ساتھ حکومت کا کام چلایا جائے۔ اگر جرمن کی بیسیوں ریاستیں مجتمع ہو کر ملک کا نظم و نسق برقرار رکھ سکتی ہیں۔ اگر لبنان کی مختلف ریاستوں کے اجتماع سے ایک حکومت چل سکتی ہے تو پھر ہندُستان کی دو قومیں جن کے اندر بنیادی اختلافات موجود ہے۔ جن کا تمدن، جن کی معاشرت، جن کی طرز بود و باش، جن کی زبان، جن کے خیالات، جن کے عقائد اور جن کا نصب العین یقیناً الگ الگ ہے وہ اگر ایک دوسرے سے علاحدہ رہ کر اور اپنی اپنی حکومتیں قائم کر کے پھر آپس میں مِل کر ایک نظام کو چلائیں تو اس میں کون سی قباحت ہے؟ ہمارے بعض مسلمان بھائی جو کہ سودائے وطن پرستی میں مبتلا ہیں اور جنھیں قوم پرستی کے خطاب نے اسلام دوستی سے دُور کر دیا ہے، معقولیت اور استدلال سے بے نیاز ہو کر یوں ہی اکھنڈ ہندُستان کی رٹ لگائے پھرتے ہیں۔ اگر ہماری ہمسایہ قوم میں انصاف اور رواداری کے جذبات موجود ہوتے تو مسٹر محمد علی جناح یا اُن کے ہم خیالوں کو کیا پڑی تھی کہ وہ ساری عمر کانگریس کا ساتھ دے کر اب اس کے راستہ میں روڑے اٹکانے لگتے؟ دراصل ابنائے وطن کی متعصّبانہ ذہنیت اور فرقہ وارانہ طبیعت نے مسلمان کو چوکنا کر دیا ہے کہ وہ اپنے حقوق طلبی کے معاملہ میں لحاظ داری کو ترک کر دے لیکن باعزت مفاہمت کے لیے بھی ہمیشہ تیار ہے۔

بل کہ یہ فقیر تو اس حد تک جانے کے لیے تیار ہے کہ اگر کوئی ایسا نظریہ پیش کیا جا سکے جو کلیۃً پاکستان کا موید بھی نہ ہو مگر اُس کے اندر اقلیتوں کی معقول حفاظت کا لحاظ بھی رکھا گیا ہو تو ملک کی آزادی اور ہندُستان کی آزادی کے پیشِ نظر مسلمانوں کو اور زیادہ اپنا وطن دوستی کا ثبوت دینے کی خاطر اسے بھی قبول کر لینا چاہیے لیکن پاکستان کے استرداد [مسترد ہو جانا] میں اگر مسلمانوں کے جائز مطالبات کو ٹھکرانا مطلوب ہے تو پھر مسلمان وہ آزادی لینے کے لیے تیار نہیں جس میں کہ اسے پھر کسی دوسرے کی غلامی اختیار کرنی پڑے اور اگر حصولِ آزادی میں مزید تاخیر واقع ہوئی تو اس کی ذمہ داری کلیۃً ہمارے ملکی بھائیوں پر ہوگی نہ کہ انصاف پسند اور رواداری سے کام لینے والے مسلمانوں پر۔

جیسا کہ سنین ماضیہ کے خطباتِ صدارت میں یہ فقیر اعلان کر چکا ہے کہ پاکستان کے حصول اور اپنے جائز مطالبات منوانے کے معاملہ میں ہماری عملی ہمدردی مسلم لیگ اور اس کے قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کے ساتھ ہے اور حزب اللہ کا نصب العین ہی قیام حکومتِ الہیٰہ ہے جس کا دوسرا نام آپ پاکستان رکھ لیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ پاکستان میں جو قانون رائج ہوگا وہ انسان کا بنایا ہوا نہیں بل کہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہوگا جس کے بغیر پاکستان کا لفظ کبھی شرمندۂ معنیٰ نہیں ہوسکتا۔

اختتامِ کلام

میرے عزیزو! امسال کا خطبہ کسی حد تک طویل ہو گیا ہے اور اختصار کی کوشش کے باوجود چوں کہ پیشِ نظر مسائل بے حد اہمیت رکھنے والے تھے اِس لیے اُن پر کسی قدر روشنی ڈالنا پڑی۔ آپ کے ذمہ عائد شدہ فرائض اب المضاعف [دوگنا] ہو چکے ہیں۔ ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں، عملی جدوجہد کا آغاز کر دیا گیا ہے اور پیش کردہ دستور العمل کو سامنے لا کر ان پر آپ کو حرکت عمل کرنی پڑے گی۔ مختصراً:

۱۔ آپ کا دل اس خوشی سے معمور اور آپ کی طبیعت اِس نعمت سے مسرور ہونی چاہیے کہ آپ احکم الحاکمین کا طوقِ غلامی اپنے گلے میں ڈال چکے ہیں اور جو سر کہ اس کی بارگاہ میں جھک گیا، وہ سر بلند ہو گیا اور جو گردن اس کے سامنے خم ہوگئی، وہ دنیا کے سامنے اکڑ گئی۔

۲۔ آپ کو چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے یہ خیال ذہن نشین ہونا چاہیے کہ آپ حکومت الٰہیہ کے ماتحت آ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر چکے ہیں۔ اس کے قانون کو اپنا قانون مان چکے ہیں اور ان دونوں مقاصد عالیہ کی تکمیل آپ کا مآل حیات ہے۔

۳۔ شہنشاہِ ارض و سما کے احکام کی تعمیل میں آپ بے حد سرگرمی دکھلائیں اور عبادات و معاملات میں کسی قسم کی کوتاہی واقع نہ ہو تا کہ آپ کا شمار وفادار رعایا میں ہو سکے۔

۴۔ آپ کا دل خشیتِ الٰہی سے لبریز ہو جائے اور دنیا کی کسی طاقت کا خوف و ہراس آپ کے دل میں نہ رہے۔

۵۔ جہاں کہیں خدا کے بنائے ہوئے کامل قانون اور انسان کے بنائے ہوئے ناقص قانون میں تصادم ہو جائے وہاں آپ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کی پابندی کریں اور اسے ترجیح دیں۔

۶۔ استخلاف فی الارض کی نعمت سے متمتع [مستفید] ہونے کی خاطر آپ جہاد کے لیے ہر لحہ کمر بستہ رہیں اور امیر کے احکام کے منتظر۔

۷۔ عبادات میں انہاک اور روحانیت میں ترقی کر کے آپ اپنے اندر اس چیز کی صلاحیت پیدا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو وراثتِ ارضی کی نعمت سے مالا مال کر دے۔

۸۔ عامۃ المسلمین کو اس بہترین نصب العین کی دعوت حقہ دے کر آپ اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کریں تا کہ بہ لحاظِ تعداد بھی ہماری جماعت فوقیت حاصل کرے۔

۹۔ امیر کے نافذ کردہ احکام کے بغیر کسی قسم کا کوئی اقدام نہیں ہونا چاہیے۔

۱۰۔ امیر کی طرف سے جاری شدہ اسلامی احکام کی تعمیل میں کسی قسم کا عذر یا انکار اللہ تعالیٰ کی حکومت سے بغاوت کے مرادف [مترادف] ہوگا۔

تتمۂ سخن

محترم حاضرین! آپ کے سامنے اِس فقیر نے اپنے دردِ دل کا اظہار کردیا ہے اور اپنے خیالات بلاکم وکاست پیش کردیے ہیں۔ میرا دل مسرور و مطمئن ہے کہ اس گئے گزرے زمانہ میں مَیں نے اعلائے کلمۃ الحق کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ یہ توفیق بخشیں کہ اس کا نام بلند کرنا میرا شعارِ زندگی رہے اور آپ کو بھی ہمت عطا کریں کہ آپ قیامِ حکومت الٰہیہ کے سلسلہ میں میرے سچے مددگار اور رفیق کار بن جائیں جب کہ مسلمانوں کی فلاح، اسلام کی ترقی اور دین کی بہتری کا راز صرف اِسی ایک نکتہ میں مُضمر ہے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ط۔

....

حواشی

۱۔ النمل ۲۷: ۶۰ تا ۶۴۔

۲۔ البروج ۸۵: ۱۶۔ ھود ۱۱: ۱۰۶۔

۳۔ التین ۹۵: ۵۔

۴۔ النور ۲۴: ۴۰۔

نوٹ: خطبہ میں ظُلُمٰتٌ کی جگہ ظُلُماتٌ درج تھا۔

۵۔ الانعام ۶: ۱۴۔ یوسف ۱۲: ۱۰۱۔ ابرھیم ۱۴: ۱۰۔ فاطر ۳۵: ۱۔ الذمر ۳۰: ۶۴۶۔ الشوریٰ ۴۲: ۱۱۔

۶۔ الانبیاء ۲۱: ۶۰ تا ۷۰۔

۷۔ طٰہٰ ۲۰: ۲۴ تا ۷۹۔

۸۔ ال عمران ۳: ۴۹ تا ۶۳۔

۹۔ نوٹ: خطبہ میں وَاِعْلَائِے کی جگہ وإلا عْلِاَ درج تھا۔

۱۰۔ ترجمہ: نہایت ہی پاک، بڑا مقدس۔

۱۱۔ القمر ۵۴: ۴۵۔

۱۲۔ محمد ۴۷: ۱۱۔

نوٹ: خطبہ میں ذٰلِكَ کی جگہ ذالِكَ درج تھا۔

۱۳۔ الحج ۲۲:۷۳۔

نوٹ: خطبہ میں الذُّبَابَ کے بعد شَیْئًا درج نہیں تھا۔

۱۴۔ البروج ۸۵:۱۶۔

۱۵۔ ق ۵۰:۱۶۔

۱۶۔ النساء ۴:۸۰۔

۱۷۔ خطبہ میں جملے یوں درج تھے:

......کہ دنیا میں حکومت ہے انداداً من دون اللّٰہ کا راج ہے۔ ارباباً من دون اللّٰہ کا قانون رائج ہے۔ انسان کا اپنا بنایا ہوا غلبہ و تصرف ہے۔ حزب الشیطان کا نبأ علیہ حکومت الٰہیہ کے اجر و قیام سے......

۱۸۔ ترجمہ: وہ جو دلوں کو وجد میں لاتا ہے (یعنی) نجد اور یارانِ نجد کا قصہ پھر سے کہو۔

مولانا رومؒ جب محفل میں بیٹھتے تھے تو بات شروع کرنے سے پہلے اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

(معروف محقق اور نقاد مظہر محمود شیرانی)

۱۹۔ البقرہ ۲:۱۲۷۔

نوٹ : خطبہ میں رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ درج تھا۔

۲۰۔ الطلاق ۶۵:۱۔

نوٹ: خطبہ میں لَعَلَّ اللّٰہ کے بعد اَنْ بھی درج تھا۔

۲۱۔ حضرت نوحؑ کی عمر۔ (تلمیح)

۲۲۔ حضرت ایوبؑ کا صبر۔ (تلمیح)

۲۳۔ چیز تھوڑی ہے اور ضرورت مند زیادہ۔ (ضرب المثل)

◆◆◆

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغَالِبُوْنَ

حضرت مولینا ابوالبرکات

سیّد محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالی

سجادہ نشین جلالپور شریف و امیر حزب اللہ

کا

خطبۂ صدارت

جو

آپ نے حزب اللہ کے بیسویں

سالانہ اجلاس پر

ارشاد فرمایا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط ☆

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا وَ حَبِیْبِنَا وَشَفِیْعِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ وَاَشیاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ O اَمَّابَعْدُ فَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ فِیْ قُرْاٰنِہِ الْمَجِیْدِ وَفُرْقَانِہِ الْحَمِیْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم O یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ ط اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَۃِ ج فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ O اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۵ وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ وَلَا تَضُرُّوْہُ شَیْئًا ط وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ O اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ج فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ وَ اَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا وَ جَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی ط وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا ط وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ O اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاھِدُوْا بِاَمْوَالِکُمْ وَ اَنْفُسِکُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ O [1]

حاضرین کرام ذوی المجد والاحتشام! آپ حضرات کا ایسے مخدوش حالات میں جب کہ ایک طرف فرقہ وارانہ جذبات برانگیختہ ہو رہے ہیں اور دوسری طرف حکومت کی طرف سے قیامِ امن کے بہانہ سے شہری آزادی پر ناقابلِ برداشت پابندیاں عائد کر چکی ہیں، تیسرا موسم بے حد مصروفیت کا ہے، فصل کی کٹائی اور برداشت کے دن ہیں اور تمام طبقات کے سامنے آئندہ سال کے لیے قوت لایموت [اتنی غذا جس کے ہوتے ہوئے بندہ بھوکا نہ مرے] بہم پہچانے کا سوال درپیش، جلسہ میں شامل ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کا دل مسلمانوں پر بہ حیثیت القوم جو ابتلا اور آزمائشیں آ چکی ہیں اور ملت مرحومہ کی کامیابی یا ناکامی، ارتقا یا تنزل،

☆ ۴/۵ جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ بہ مطابق ہفتہ ۲۶ اپریل/اتوار ۲۷ اپریل ۱۹۴۷ء کی درمیانی شب پڑھا گیا۔ یہ خطبہ غیر مطبوعہ ہے

حکومت یا غلامی، عزت یا ذلت اور غایت مافی الباب زندگی یا موت کے دوراھے پر کھڑی ہو کر قطعی فیصلہ کے بعد ایک آخری قدم اُٹھانے والی ہے اور ہندُستان کے مسلمان پر اس سے نازک وقت کبھی نہیں آیا کہ یا وہ اپنے عزم راسخ، بلند ہمتی اور اولعزمی کے پیروں سے اُڑان کر کے عرشِ بریں تک جا پہنچیں اور یا اپنی کم مائیگی، بے حسی اور بزدلی کے باعث فرشِ زمین پر ایڑیاں رگڑتا ہوا اور سسکیاں لیتا ہوا ہمیشہ کے لیے دم توڑ دے اور اس کی لاش حشرات الارض اور کیڑے مکوڑوں کے بھینٹ چڑھ جائے، ان فیصلہ کُن حالات سے متاثر ہوا ہے۔

خدا کرے ہمارے یہ احساسات دیرپا ہوں۔ ہمارے جذبات کا اشتعال ہنگامی اور وقتی نہ ہو اور اپنی قسمت کے بنانے یا اپنی تقدیر کے سنوارنے کے لیے ہم جو اقدام بھی کریں اسے تائیدِ غیبی حاصل ہو اور نصرت الٰہی شامل ہو۔ رسمی شکریوں میں تضیع اوقات کی ضرورت نہیں جب کہ مقصود بالذات اَدائے فرض ہے۔ یہ فقیر آپ کے سامنے بہترین تدابیر پیش کر کے اُن پر کاربند ہونے کی دعوتِ عمل دے گا اور اپنے متعلقہ فرض سے عہدہ برائی مطلوب ہو گی اور آپ کا فرض احکامِ امیر کی متابعت اور ایسے نازک زمانہ میں اپنے اور اسلام کے ننگ و ناموس کی حفاظت کے لیے مجاہدانہ طور پر میدان عمل میں نکل کر ایثار و قربانی کے فقید المثال نمونے پیش کرنا ہے اور بس :

؎ اب ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے جب مزاج تیرا امتحان پر [۲]

ترکِ مبادیات وعود الی المقصود

حضرات جیسا کہ آپ سے مخفی نہیں یہ فقیر حزب اللہ کے سالانہ اجلاس پر ہمیشہ ایک خطبہ صدارت تحریری صورت میں پیش کیا کرتا ہے جس میں کہ کئی دفعہ ضروری مباحث زیرِ عنوان ہوا کرتے ہیں اور کافی وقت مبادیات [ابتدائی باتوں] پر صرف ہو جایا کرتا ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ ایک دعوا کے اثبات کے لیے جب تک کہ معقول شواہد و دلائل سامنے نہ لائیں جائیں اُس کی معقولیت مستلزم نہیں ہو سکتی اور ایک نظریہ قابلِ تسلیم نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُس پر پوری طرح جرح وقدح نہ کی جا سکے مگر گزشتہ سنین [سالوں] میں یہ فقیر، حزب اللہ کا جو حقیقی نصب العین حکوت الٰہیہ کی صورت میں پیش کر چکا ہے اور مسلمانوں کے روبہ رو ایک بہترین لائحہ عمل اور طریق کار لا چکا ہے وہ صرف ایک تجویز یا سکیم نہیں تھی جیسا کہ فی زمانہ بعض ژولیدہ [پریشان] دماغ قوم کو صرف سکیموں کی بھول بھلیوں میں ڈال کر اُن کی قوتِ عمل کو بے کار کر دیا کرتے ہیں بل کہ ایک عملی کارنامہ تھا جس پر کاربند ہونے کے لیے جماعت کو دعوتِ عمل دی گئی۔ حکومت الٰہیہ کی صرف اعتقاداً نہیں بل کہ عملاً داغ بیل ڈال

دی گئی۔ دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے یہ بات ثابت کی گئی کہ مسلمانوں کی زندگی کا مقصد اور حیات مآل ہی اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کرنا، اُس کے مرتب کردہ قوانین کا اجرا اور اُس کے مصدرہ [صادر شدہ] احکام کی تعمیل کروانا ہے۔ قران حکیم کی روشنی اور آیاتِ بینات کی تائید سے یہ حقیقت واضح کی گئی اور عامتہ المسلمین کو بالعموم اور جماعت حزب اللہ کو بالخصوص اس بلند ترین مقصد کے حصول اور اس اعلاترین منصب کو حاصل کرنے کی خاطر والہانہ اقدام کے لیے تیار رہنے کی ترغیبیں دلوائی گئیں۔

حزب اللہ کے بیس سالانہ اجلاسوں کا انعقاد اِسی غرض سے تھا کہ جادہ پیمایانِ راہِ عشق [راہِ عشق کی مسند پر بیٹھنے والے] تیز گام ہو جائیں اور اپنی صحت و آرام کی پروانہ کرتے ہوئے امیر حزب اللہ کی کوچہ گردی اور صحرا نوردی صرف اس لیے تھی کہ کاروانِ طریقِ محبت آہستہ خرامی چھوڑ کر تیز روی اختیار کریں تاکہ کہیں غفلت کی ایک گھڑی اور بے فکری کی ایک ساعت محمل یار کو نظروں سے اوجھل نہ کر دے جب کہ پھر اُس کو ڈھونڈ نکالنا کوئی آسان کام نہیں۔ وَلَنِعْمَ مَاقِيْلَ۔[۳]

گفتم کہ خار از پاکشم محمل نہاں شد ازنظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد[۴]

یہ اُس قدوس بندہ نواز کا بڑا اکرم اور احسان ہے کہ امیر حزب اللہ کی کوششیں رائیگاں نہیں گئیں۔ بست [۲۰] سالہ تگ و دو بے سُود ثابت نہیں ہوئی، میری صدائیں صدا بہ صحرا کا نمونہ نہیں بنیں بل کہ میری پُکار سُن لی گئی ہے۔ وَمَنْ دَقَّ بَابَ الْكَرِيْمِ انْفَتَحَ[۵] کے مطابق میرے بار بار کھٹکھٹانے پر کریم نے اپنی رحمت کا دروازہ کھول دیا ہے اور اس کرم نے اپنی نوازش ہائے بے کراں سے میری جھولی بھر دی ہے۔

مَیں نے اور میرے ساتھیوں نے بیس سال کا جو طویل سفر کیا تھا وہ بڑا مبارک نکلا۔ وہ دیکھو منزلِ مقصود سامنے نظر آ رہی ہے۔ جس لیلائے مطلوب کی تلاش میں ہم بیس سال مجنوں وار مارے مارے پھرتے رہے اس کے محمل کی جھلک صاف دکھائی دے رہی ہے۔ ہمارا اتنی مدت دامن پھیلا کر منعمِ حقیقی سے مانگنا بے کار نہیں گیا بل کہ دامنِ مراد گوہرِ مقصود سے بھرنے والا ہے۔ اب وفورِ جذبات کی یہ صورت ہے کہ زبان کچھ کہنا چاہتی ہے مگر الفاظ میں ترتیب نہیں۔ قلم کچھ لکھنا چاہتا ہے مگر انگلیوں میں ارتعاش ہے۔ خیالات کی رو معلوم نہیں کدھر کو جا رہی ہے۔ یہاں مبادیات کا کیا ذکر؟ ڈر ہے کہ کہیں نفسِ مضموں ہی ذہن سے نہ اتر جائے۔

جس طرح کہ ایک پیاسا جس کا گلا کانٹے کی طرح خشک ہو رہا ہو اور جس کا سینہ کباب کی طرح جل رہا ہو ٹھنڈے اور شیریں پانی کے چشمہ پر جا کر ایک پُرمسرت کیف محسوس کرتا ہے۔ جس طرح کہ ایک نان شبینہ کے محتاج، مفلس اور قلاش کو یکا یک گنج بے کراں اور خزانہ قارون کے مل جانے کی صورت میں ایک بے انتہا اور

بے پایاں فرحت وانبساط نصیب ہوا کرتی ہے اور جس طرح کہ ایک عاشقِ حقیقی اور طالبِ مولا اپنی عبادات اور ریاضات میں انہماک کرتے کرتے اور تقرب الی اللہ کی خاطر اَنْدَاداً وَاَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ سے بُعدیت اختیار کرتے کرتے بالآخر تجلیات وعرفان کا مورد ہو جانے کے بعد ایک نا قابلِ بیان لذت محسوس کرنے لگتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح میرا دل وفورِ مسرت سے لبریز ہے، میری آنکھیں آنے والے عجیب وغریب نظاروں کے دیکھنے میں محو ہو چکی ہیں اور میرے کانوں میں جشنِ شادمانی کے دل کش وسامعہ نواز نغمے گونج رہے ہیں۔ اب کسی گلہ شکوہ کا وقت نہیں، اب پارینہ داستانوں کے دہرانے کا زمانہ نہیں، اب ایامِ ماضی کی بوقلمونیوں [رنگینیوں] یا زمانہ حال کی بدشگونیوں پر آنسو بہانے کی فرصت نہیں۔

آؤ! آنے والے خوش آئند زمانہ کا استقبال کریں۔ غلامی اور محکومی کے اغلال وسلاسل کو توڑ پھوڑ کر حکومت الٰہیہ کے ماتحت خلافتِ ارضی کا تاج سر پر رکھیں۔ ہندستان کے تخت پر اپنے اسلاف کے طرح نہایت شان وشوکت سے متمکن ہوں اور دو سو سال بعد ہندستان کی سر زمین کو پھر اسلامی طنطنہ وطمطراق، جاہ وجلال [اور] سطوت وشوکت سے روشناس کرائیں :

آفتابِ تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
ہم نشیں ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک [۶]

ہدیۂ تبریک وتہنیت

معزز حاضرین! ممکن نہیں بل کہ اغلب ہے کہ آپ میں سے کافی حضرات یہ خیال دل میں لے کر آئے ہوں گے کہ آج امیر حزب اللہ ہمیں کوئی داستانِ غم وکیفیتِ الم سنائے گا۔ گزشتہ سال ہندستان کے مسلمانوں کے لیے ایک آزمائش وامتحان کا سال تھا جس میں کہ ان کا خونِ ناحق پانی کی طرح بہایا گیا۔ ان پر محض مسلمان ہونے کے جرم میں وہ لرزہ براندام کرنے والے مظالم توڑے گئے جن کو سن سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بہار کے خوں چکاں واقعات ہمارے سامنے ہیں، گڑھ مکتیشر کا میلہ ہم نہیں بھولے۔ بمبئی اور کلکتہ اور پھر پنجاب کے فسادات کی یاد کیسے مٹ سکتی ہے؟ یہ سب کچھ درست ہے بل کہ ممکن ہے کہ آئندہ سال اس سے بھی بڑھ کر غم انگیز والم خیز واقعات اپنے اندر رکھنے والا ہو۔

اس فقیر کے سینہ میں بھی آپ کی طرح ایک دردمند دل ہے جو ہمیشہ آہِ بیوہ، نالۂ یتیم وفریادِ مظلوم سے متاثر ہوا کرتا ہے اور آپ کیا جانیں کہ آپ رات کو خوابِ شیریں کہ مزے لیا کرتے ہیں تو یہ فقیر کس کرب و اضطراب میں کروٹیں بدلنے کا عادی ہے اور جہاں آپ دنیا کے تفکرات سے کبھی چھٹکارا حاصل کر کے اپنے دل کو

کسی نہ کسی طرح بہلانے کی تدابیر نکال لیا کرتے ہیں وہاں اس فقیر کو کس حد تک دل گرفتگی رہا کرتی ہے اور ملتِ مرحومہ کا غم میرے لیے کس قدر سوہانِ روح اور اذیت دہ بن چکا ہے۔

بایں ہمہ آپ اسے میری سنگ دلی سمجھیں یا بے فکری، کم حوصلگی قرار دیں یا ذکی الحسی میرے سامنے جو ایک طرب آمیز، بہجت خیز [خوب صورت] وانبساط انگیز کیفیت آ چکی ہے، مجھے جو بشارت اور خوش خبری پہنچائی گئی ہے اور میرے کانوں نے جو دل خوش کُن قصہ سنا ہے۔ اگر وہ صحیح ہے اور اس کی صحت میں روایتہً یا درایتہً کوئی کلام نہیں تو پھر ہم اسلام کے راستہ میں مرنے والوں کا نہیں بل کہ زندہ ہونے والوں کا ماتم بعد میں کریں گے، خوشی کے شادیانوں میں غم کی صدائیں دب کر رہ جاتی ہیں اور پھر خاص کر جب کہ اس خوشی کا حصول آئندہ کے لیے تمام دکھوں اور دردوں کو مٹانے والا ہو اور اس مسرت کا ورود ہم چو قسم آلام وہموم [اندیشوں] کا کلیتہً استیصال کرنے والا۔

غرض کہ یہ فقیر نہایت صدقِ دل اور مسرت سے لبریز الفاظ میں اپنے بھائیوں کی خدمت میں ہدیہ تبریک وتہنیت پیش کرتا ہے اور مبارک باد عرض کرتا ہے کہ ایک سال کے مختصر عرصہ کے بعد یعنی ۲۵ جون ۱۹۴۸ء کو ہندُستان پر برطانوی اقتدار کا خاتمہ ہو جائے گا اور انگریز اپنی مرضی ومنشا کے مطابق بلا جبر واکراہ از خود ہندُستان کی اس سرزمین کو جس پر انھوں نے بلاشراکت غیرے تقریباً دوسو سال تک نہایت شان وشکوہ کے ساتھ حکومت کی، بعض سیاسی مصلحتوں، بعض ملکی مجبوریوں اور بعض رازہائے درونِ پردہ کی بنا پر ہمیشہ کے لیے اپنے دستِ تغلب وتصرف سے آزاد کر دیں گے اور ہمارا زاد بوم [جائے پیدائش] ہندوستان، ہمارے آبا واجداد اور خود ہمارا وطن ہندوستان، ہمارا تمام دنیا کے ممالک سے اپنے اندر بیسیوں خصوصیات وامتیازات رکھنے والا پیارا ہندُستان کلیتہً خود مختار ہو جائے گا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ۔[۷]

بریں مژدہ گر جان فشانم رواست
کہ ایں مژدہ آسائشِ جانِ ماست [۸]

ہندُستان کی آزادی ہندُستان میں بسنے والی ساری قوموں کو مبارک ہو۔ بارہ سو سال تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہندوؤں کو مبارک ہو کہ اب جس انگریز کو نکالنے کی خاطر اُنھوں نے ہزار جتن کیے، سیکڑوں قربانیاں دیں، وہ اُن کے ڈر سے نہیں بل کہ اپنے مفادات کے پیشِ نظر جا رہا ہے مگر خُدا کرے ہمارے ہندو بھائی جاتے جاتے کہیں اُسے پھر یہاں رہنے پر مجبور نہ کر دیں گو انھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے اور یہ اُن کی خودداری اور عزتِ نفس کے بالکل خلاف ہے۔

چالیس سال تک حکومت کرنے والے اور محکوم وغلام ہو جانے کے بعد بھی حکومت کے خواب دیکھنے

والے سکھوں کو مبارک ہو کہ انگریز کے چلے جانے کے بعد پنجاب کا میدان اُن کے لیے خالی ہو گیا ہے اور مہاراجہ پٹیالہ یا دوسرے سکھ ریاستوں کے بل بوتے پر وہ اپنی دوبارہ حکومت قائم کر لیں گے لیکن انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ پنجاب کسی کی جاگیر نہیں اور آج کا مسلمان سو سال پہلے والا مسلمان نہیں رہا۔ یہاں تو اب آپس میں مل جُل کر رہنا پڑے گا اور وہ دیکھ لیں گے کہ سمجھوتہ کی صورت میں مسلمان کس حد تک ہمسایہ نوازی اور رواداری کا عادی ہے۔

اور سب سے بڑھ کر مسلمانوں کو مبارک ہو کہ جس انگریز نے اپنی سیاسی چالوں اور ڈپلومیسیوں سے کام لے کر تمھارے تاج و تخت پر قبضہ کر لیا۔ جس انگریز نے ایک طرف تمھاری حکومت چھین لی اور دوسری طرف تمھاری تجارت، تمھاری صنعت اور تمھاری حرفت کو تباہ و برباد کر کے تمھیں مفلس اور قلاش بنا دیا۔ جس انگریز کے ڈر کے مارے تمھارے علما نے مسئلہ جہاد کو بالکل طاق نسیان پر رکھ دیا اور جس انگریز کے بنائے ہوئے قانون کے ماتحت تم اللہ تعالیٰ کے بنائے قانون کو ہمیشہ نظر انداز کرتے چلے آئے۔ جس انگریز کا حقِ وفاداری اَدا کرتے ہوئے تم نے دونو [دونوں] عالم گیر جنگوں میں اُس کے ساتھ غیر مشروط طور پر تعاون کیا۔ اُس کی رضا جوئی اور رضا طلبی کی خاطر تم نے اپنے مقاماتِ مقدسہ پر بھی گولیاں چلانے سے دریغ نہ کیا اور اُس کی استعماری قوتوں کو برقرار رکھنے کی خاطر تمھارے نوجوان دنیا کے ہر حصہ میں جا پہنچے (یورپ، ایشیا، افریقہ دنیا کا کون سا ملک ہے جہاں ہمارے ہندُستانی مسلمان انگریز بہادروں کی ہمدردی کی خاطر نہیں گئے)۔ جرمن سے تم لڑے، جاپان سے تم دست و گریباں ہوئے، اٹلی سے تم نے چپقلش کی اور غایت مافی الباب اپنے اسلامی بھائی ترکوں سے تم نے جنگ کی تا کہ انگریز کی خوشی حاصل کر سکو اور ان سارے کارناموں کا بدلہ، اس مکمل وفاداری کا صلہ اور ان گراں قدر خدمات کا عوض ہندُستان کے مسلمانوں کو کیا ملا کہ وہ قوم جس نے کہ گزشتہ جنگ کے نازک ترین لمحات میں ہندُستان کے سات صوبوں میں منظّم بغاوت کی جب کہ ایک طرف جاپان ہندُستان پر سقوط برما کے بعد حملہ کرنے والا تھا، اِن امن کے پجاریوں نے باقاعدہ سازش کے ماتحت ہلہ بول دیا۔ سرکاری عمارتیں جلا دیں گئیں، ریل کی پٹڑیاں اکھیڑ دی گئیں، حکومت کے ملازموں کو نذرِ آتش کر دیا گیا اور ابھی جاپان نے معلوم نہیں کس کم زوری کے باعث حملہ نہ کیا ورنہ یہاں تو جنگ سے پہلے ہی نائرہ حرب مشتعل ہو چکا تھا۔ اُس موقع پر مسلمانوں نے اپنی وفاداری اور امن پسندی کا وہ ثبوت دیا جس کی کہ کوئی نظیر موجود نہیں۔ اُن صوبوں میں بھی بالکل پُر امن رہے جہاں کہ یہ کھیل نہیں کھیلا گیا اور وہاں بھی جہاں کہ ہمسایہ قوم انگریز کے خون سے ہولی کھیل رہی تھی لیکن جب جنگ ختم ہوئی تو انگریز بہادر نے اپنے ازلی وفاداروں سے تو بات تک کرنا گوارا نہ سمجھی لیکن اُنھی باغیوں کے سرداروں کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ گلے لگایا اور آج ہندُستان کے بڑے بڑے عہدوں پر بھی یہی لوگ

فائز ہیں :

مدارِ روزگارِ سفلہ پرور راتماشا کن

مسلمان برطانیہ سے جو بڑی بڑی اُمیدیں لیے بیٹھا تھا وہ سب کی سب خاک میں مل گئیں اور انگریز نے اپنے طرزِعمل سے یہ ثابت کر دکھایا کہ اگر بعض مبصرین اُس پر اسلام منافرت کا الزام لگایا کرتے تھے [تو] وہ غلط نہ تھا بل کہ یہ ہندُستان کے مسلمان کی ایک صریح غلط فہمی تھی جس کا کہ اب عملاً انکشاف ہو گیا ہے اور اگر یہ پہلے رفع ہو جاتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔ پھر بھی مسلمانوں کو مبارک ہو کہ تمھاری سادہ لوحی اور نیک دلی سے ناجائز فائدہ اُٹھانے والا انگریز جا رہا ہے اور اُس کے جانے کے بعد نتائج خواہ کیسے ہوں اور مسلمانوں کو خواہ کتنے مصائب و تکالیف سے دوچار ہونا پڑے مگر انگریز کا اِس اعتبار سے ہندُستان سے چلا جانا بڑا ہی مبارک ہے کہ اُس کا وجود مسلمانوں کے لیے مسعود نہ تھا اور جہاں ایک طرف وہ اسلامی حکومت کے زوال کا حقیقی موجب ہوا ہے وہاں اُس نے مسلمانوں کو اپنے ایامِ حکومت میں کوئی بھی فائدہ نہیں پہنچایا بل کہ آج دوسری اقوام کی یہ ساری شوخیاں، مسلمانوں کو محکوم بنانے کے ناپاک ارادے اور انگریز سے خفیہ تجارتی و صنعتی معاہدات کرنے کے بعد مسلمانوں کے جائز حقوق کا اِسترداد [لوٹانا] اور پاکستان جیسے مبنی بر انصاف مطالبہ کو تسلیم نہ کرنا حقیقتاً انگریز کی شہ اور بل بوتے پر ہے۔

یہ فقیر دوبارہ اپنے بھائیوں کی خدمت میں ہدیہ تہنیت پیش کرتا ہے کہ انگریز ہندُستان سے جا رہا ہے۔ انگریزی تسلط و اقتدار کا خاتمہ ہونے والا ہے اور ہندُستان کی سرزمین جو دو سو سال تک کفر و الحاد کے زیرِ نگیں رہی ہے پھر نعرۂ تکبیر سننا چاہتی ہے اور گم راہ انسانوں کی جگہ واحد لاشریک کے ظلِ عاطفت میں آ جانے کی طلب گار۔ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡراً۔[10]

مسلمانوں کا مستقبل

انگریزوں کا ہندُستان چھوڑ کر چلا جانا بالخصوص جب کہ یہاں کی بسنے والی قوموں کی آپس میں کوئی مفاہمت نہ ہوئی ہو اور اکھنڈ ہندُستان اور پاکستان کے جھگڑے بہ دستور چل رہے ہوں۔ مصالحتی کمیشن بالکل بے نیل و مرام واپس چلے گئے ہوں اور سر سٹیفورڈ کرپس جیسے مدبر اور لارڈ ویول جیسے تجربہ کار کے ناخن ہائے تدبیر سے بھی یہ گتھی نہ کھل سکی ہو بل کہ اختلاف کی یہ خلیج روز بہ روز وسیع ہوتی چلی جا رہی ہو کوئی معمولی بات نہیں اور اس کے عواقب و نتائج بے حد دور رس اور خطرناک ثابت ہوں گے۔

اگر ہندو، مسلمان اور دوسری اقلیت رکھنے والی اقوام کے درمیان سمجھوتہ ہو جاتا اور سب طبقات کے

ارباب حل وعقد ایک جگہ بیٹھ کر ہندُستان کا آئین مرتب کرتے اور آزاد ہندُستان کی آئندہ سیاسی، اقتصادی ،صنعتی اور زرعی ترقیات کو پیشِ نظر رکھ کر اور ملک کی فارغ البالی اور خوش حالی کے خیالات کے ماتحت ایک بہترین دستور العمل تجویز کرتے تو اِس سے بڑھ کر ملک کی خوش نصیبی اور ہندوستانیوں کی نیک بختی اور کیا ہو سکتی تھی مگر شومئی قسمت سے حالات کی نزاکت حد سے بڑھ چکی ہے اور ابنائے وطن کی خود غرضیوں اور تعصّبات نے کم از کم مسلمانوں کو تو نہایت بے دل اور مایوس بنا دیا ہے۔

جیسا کہ یہ فقیر پہلے بھی اپنے خطبہ ہائے صدارت میں ظاہر کر چکا ہے [کہ] مسلمانوں کا مطالبہ پاکستان بالکل مبنی بر انصاف ہے اور اُس کے اثبات کے دلائل بے حد معقول اور نا قابلِ تردید لیکن اکھنڈ ہندُستان کی منطق بالکل نرالی قسم کی ہے جس میں معقولیت اور استدلال کا شائبہ تک نہیں۔ مابہ النزاع صرف یہ بات ہے کہ کیا ہندُستان کے اندر ایک قوم بستی ہے یا دو قومیں؟ ہندو بھائیوں کا دعوا یہ ہے کہ صرف ایک قوم، جس کا نام ہندُستانی ہے اور مسلمانوں کے خیال کے مطابق دو قومیں ایک ہندو اور ایک مسلم۔

مسلمان یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ دونوں قوموں کے اندر کوئی ایک چیز بھی مشترک نہیں جو کہ اُن کی وحدت کے ثبوت میں پیش کی جا سکے۔ اُن کا تمدن الگ الگ ہے، اُن کی تہذیب الگ الگ، اُن کا طریق معاشرت، طرز بود و ماند، افتادِ طبیعت، خیالات وعقائد ہی الگ الگ نوعیت کے ہیں بل کہ زبان، کلچر، رسوم و روایات کسی چیز میں بھی موافقت نہیں پائی جاتی۔ اندریں حالات دو قومیں علاحدہ علاحدہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں اور اُن کی یک جائی اور ایک دوسرے کے ساتھ جبراً ملا دینے سے وہ کبھی مطمئن نہیں رہ سکتے۔ اِس لیے بہتر یہی تھا کہ جہاں جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی اُن صوبوں کی زمامِ حکومت اُن کے ہاتھ دے دی جاتی اور جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی وہاں کے نظم ونسق کی ذمہ داری اُن کے سپرد کر دی جاتی۔ ساتھ ہی دونوں فریق اپنے اپنے صوبوں کی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دے دیتے اور باہم دگر اعتماد اور بھروسہ سے جس طرح کہ ایک گاؤں میں دو مختلف قومیت رکھنے والے خاندان امن اور چین کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اسی طرح پاکستان اور ہندُستان کی بہ ظاہر علاحدگی لیکن حقیقتاً دوسروں کے مقابلہ میں یک جہتی فالِ نیک سے تعبیر کی جا سکتی مگر آج کل کا زمانہ رواداری اور انصاف کا زمانہ نہیں بل کہ زور اور طاقت کا زمانہ ہے۔ اس دور میں کم زور اور ناتواں ،ضعیف اور کم ہمت انسانوں کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں بل کہ جو قوم بھی طاقت ور ہوگی، متحد ہوگی، جس کے قوائے عمل مضبوط ہوں گے، جس کی ہمت قوی اور ارادے مستحکم، وہی بادشاہ بنے گی، اُسی کے نام کا سکہ چلے گا، اقوامِ عالم میں اُسے ہی امتیازی درجہ حاصل ہوگا اور اُس کے ظلم وستم کو بھی لوگ جرأت وشجاعت سے موسوم کریں گے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ مسلمانوں کے معقول مطالبات کو منوانے اور پاکستان جیسے منصفانہ نظریہ کو تسلیم کرانے کے لیے انگریز ہندو پر زور ڈالتے اور عطائے آزادی کو قیامِ پاکستان کے ساتھ مشروط کر دیتے مگر ایسا نہیں ہو رہا اور قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ انتقالِ اختیارات کے وقت مسلمانوں کو نظر انداز کر دیا جائے گا اور موجودہ مرکزی حکومت جس میں کہ کٹر اور متعصب ہندوؤں کی اکثریت ہے اور بہترین محکموں پر وہ پہلے سے قابض ہو چکے ہیں، کو ہی نمائندہ سمجھ کر حکومت کی باگ دوڑ اُن کے سپرد کر دی جائے گی۔

اب آپ یہ تصور کر لیں کہ انگریزوں کا آخری فرد بھی ہندُستان سے رُخصت ہو چکا ہے۔ وائسرائے بہادر بھی جا چکے ہیں، گورہ فوجیں بھی یہاں موجود نہیں، فوج کا محکمہ ایک سکھ وزیر کے ماتحت ہے، بیرونی معاملات اور اندرونی معاملات کی ذمہ داریاں ایسے وزرا کے سپرد ہیں جن کا تعصب کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ چند ایک معمولی اور نکمے محکمے محض اشک شوئی کی خاطر مسلمانوں کے پاس ہی ہیں مگر اُن کا بھی انگریزی راج ختم ہو جانے پر اُن کے قبضے سے نکل جانا مستلزم۔

ہندو قوم بے حد منظّم ہے، بڑی مال دار ہے، اُس کے اربابِ تمول و ثروت نے اپنے خزانے لیڈروں کے حوالے کر رکھے ہیں، اُن کا پراپیگنڈہ بے پناہ صورت کا ہے اور جہاں ایک طرف ہندُستان میں ان کا پریس کا کام کر رہا ہے، خبر رساں ایجنسیاں اُن کی زر خرید ہیں، مسلمانوں جیسی سادہ لوح قوم کو دھوکا دینے اور گم راہ کرنے کی خاطر اُن کے تنخواہ دار علمائے سو سرگرمِ عمل ہیں، لالچی مسلمانوں کے ضمیر خرید کر اور انھیں دوسرے مسلمانوں سے لڑانے کی خاطر وہ روپیہ کو پانی کی طرح بہا رہے ہیں وہاں دوسری طرف یورپ اور امریکا میں انھوں نے اپنے کاز کو تقویت دینے اور اکھنڈ ہندُستان کا جواز ثابت کرنے کے لیے کئی قسم کی ایجنسیاں کھول رکھی ہیں۔ بہت سے کثیر الاشاعت اور رائے عامہ کو متاثر کرنے والے اخبارات سے ساز باز کر رکھی ہے اور اُن کے ایجنٹ دنیا کے ہر گوشہ میں پھیل کر بہ مختلف الحیل لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا رہے ہیں اور انگریز کے چلے جانے کے بعد اگر بدقسمتی سے باہمی مفاہمت و مصالحت کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی تو یہ امر یقینی ہے کہ ہندُستان کے مسلمان کو کم زور بنانے، اس کے مطالبات کو پائے استحقار سے ٹھکرانے اور غایت مافی الباب اسے اس بات پر مجبور کرنے کے لیے کہ یا وہ انگریز کی جگہ ہندو کا غلام بن کر رہے اور یا ہندُستان کو چھوڑ کر جہاں اس کا سینگ سمائے چلا جائے، ہندو مشینری کا ہر ایک پرزہ حرکت میں آئے گا اور مسلمان کی زندگی اور موت کا سوال اپنی اصلی شکل میں آ جائے گا۔

ادھر ہمارا دوسرا پڑوسی سکھ بھی غافل نہیں۔ چہل [۴۰] سالہ حکومت کی بو باس ابھی تک اس کے دماغ میں موجود ہے۔ وہ صرف انگریزی اقتدار کے ہٹ جانے کا منتظر ہے۔ اِدھر انگریز نے ہندُستان کو چھوڑا اُدھر

ہمارے سکھ بھائیوں نے اپنے آبائی روایات کے مطابق پنجاب کی سرزمین کو اپنے زیرنگیں کرنے کی ٹھان لی۔ یہ صرف سکھوں کا تخیل یا تصور نہیں بل کہ یہ منصوبہ مدت سے پکایا جا رہا ہے۔ پہلی سکیم کے مطابق جاپان کے ہندُستان پرحملہ کرنے کی دیرتھی کہ سکھ بھائیوں نے کرپان لے کر پنجاب کے کونے کونے پر پھیل جانا تھا بل کہ ہم نے تو یہ سنا ہے کہ بادشاہ، وزیر، حکامِ ضلع سب منتخب کر لیے گئے تھے اور اب بھی صرف انگریز کے چلے جانے کے منتظر ہیں اور اس کے بعد مہاراج پٹیالہ جو اپنی تمام فوجیں پنتھ کے حوالے کر دینے کا اعلان کر چکے ہیں، دوسری سکھ ریاستوں میں بھی یہ کھچڑی پک رہی ہے، کشمیر سے بھی ساز باز شروع ہے اور سکھ آزاد ریاست کے قیام کا بھوت تقریباً ہر ایک سکھ کے دماغ پر سوار ہو چکا ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ سخت جان مسلم اللہ کریم کی شانِ بے نیازی کے طفیل ان آنے والے حادثات سے بچ کر نکل جائیں لیکن اغیار نے ہمیں نیست و نابود کرنے ہندُستان سے ہمارا نام و نشان مٹانے اور بقیۃ السیف[11] کو اپنا حقیر غلام بنانے کا جو تہیہ کر رکھا ہے وہ کسی تشریح و بیان کا محتاج نہیں اور لطف یہ کہ جہاں ہندُستان بھائی پاکستان کی مخالفت میں ایڑی سے چوٹی تک زور لگا رہے ہیں، مسٹر پٹیل چیلنج کر چکے ہیں کہ ہندُستان کے اندر یا ہندو رہیں گے یا مسلمان۔ پنڈت نہرو مسلمانوں کو اپنا دشمن قرار دے چکے ہیں، ماسٹر تارا سنگھ کی کرپان مسلمان کی خون آشامی کے لیے نیام سے تڑپ تڑپ کر باہر نکل رہی ہے، گیانی کرتار سنگھ کو لاہور کے شاہی قلعہ پر پھر بسنتی رنگ کا جھنڈا لہراتا ہوا نظر آ رہا ہے۔

راشٹریہ سیوک سنگھ والوں نے صلیبی جنگ کے عیسائیوں کی طرح مسلمانوں کو غارت و برباد کرنے کی قسمیں کھا رکھی ہیں۔ اکالی دل کی فوج کو ماسٹر تارا سنگھ بڑی کوشش سے ترتیب دینے میں مصروف ہیں۔ انڈین نیشنل آرمی کے بے روزگاروں کو کانگریس والے محض مسلمانوں سے لڑانے کی خاطر بھرتی کر رہے ہیں۔ وہاں دیکھنا یہ ہے کہ بالمقابل مسلمانوں نے اگر جارحانہ اقدام کے لیے نہیں تو کم از کم مدافعت کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ ہماری فعال اور واحد سیاسی نمائندہ جماعت مسلم لیگ نے جہاں مسلم نیشنل گارڈ کو خلافِ قانون قرار دیے جانے اور بعد میں پبلک سیفٹی آرڈیننس کے خلاف جس پُر جوش سول نافرمانی کا آغاز کیا تھا اور مسلمانوں کے اندر ایک جوشِ عمل پیدا کرایا تھا اس نے حصول پاکستان اور پاکستان کے مخالفین سے عہدہ براہونے کے لیے کون سی موثر تدابیر اختیار کر رکھی ہیں؟ اور اگر سردار بلدیو سنگھ نے ہندُستانی فوجوں کو مسلمانوں پر یلغار کرنے کا حکم دے دیا۔ اگر مہاراجہ پٹیالہ کی فوجوں نے دوسری سکھ ریاستوں کے اشتراک کے ساتھ اسلامی علاقوں پر ہلہ بول دیا تو کیا پاکستان زندہ باد کے نعرے اور ہلالی نشان کی سبز جھنڈیاں تمھیں ان حملوں سے بچا سکیں گی؟ اور کیا وہ مسلمان جس کے پاس بندوق اور توپ کی جگہ ایک لاٹھی یا ایک چاقو بھی نہیں نہتا مسلح افواج کا مقابلہ کر سکے گا؟

یہ فقیر بالطبع امن پسند ہے اور ہر ایک مسلمان کو طبعاً صلح جُو ہونا چاہیے لیکن مسلمان کی تو یہ بھی شان ہے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ [۱۲] کہ اُس کی ہیبت اور سطوت سے اغیار لرزہ براندام ہوا کرتے ہیں اور آپس میں اُس کے افراد نہایت پیار اور محبت سے رہا کرتے ہیں۔ میرا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ہم خواہ مخواہ اپنے ابنائے وطن سے جھگڑا مول لیں یا حزب اللہ کا لشکر کسی غیر اسلامی علاقہ پر چڑھائی کر دے۔ سوال تو حفاظتِ خود اختیاری اور اپنے بچاؤ کا ہے۔ ہم نے تو کسی پر حملہ آور نہیں ہونا اور نہ ہی لڑائی کی ابتدا اسلام میں جائز ہے لیکن اگر دوسری قوم ہم پر حملہ آور ہو جائے اور بہار کے خونیں واقعات کا پنجاب میں اعادہ ہونے لگے تو پھر حزب اللہ والوں کا، مسلم لیگ والوں کا اور دوسری اُن تمام برخود غلط انداز اسلامی جماعتوں کا فرض کیا ہے؟ جو کہ محض اپنا جھوٹا اقتدار قائم رکھنے کی خاطر اب تک مسلم لیگ سے عملاً علاحدگی اختیار کیے بیٹھے ہیں حالاں کہ بہار کے اندر کانگریسی مسلمان بھی کانگریسی ہندوؤں کے ہاتھوں ذبح ہو چکے ہیں اور امرتسر کے احرار بھی محض مسلمان ہونے کے جرم میں وقفِ رحمِ اغیار بن چکے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ۔ [۱۳]

یہ مسئلہ بڑا غور طلب ہے اور اگر آپ اسے موجودہ وقت کے تمام مسائل کی جان قرار دیں تو بالکل حق بہ جانب ہوں گے کہ جب انگریز ۲۵ جون ۱۹۴۸ء کو اپنا اقتدار ہٹا لے گا اور عطائے تُو بہ لقائے تُو کے مطابق آزادی کا لقمہ جبراً ہندُستانیوں کے گلوں میں ٹھونس دے گا اور کیفیت یہ ہوگی کہ مسٹر گاندھی اپنے ضدی چیلوں کی ضد اور ہٹ دھرمی سے بے زار ہو کر الگ منھ بسورے بیٹھے ہوں گے، نہرو اور پٹیل کے غصہ کا پارہ اسی طرح تیز ہوگا، جے پرکاش نرائن اور دوسرے زہریلی ذہنیت رکھنے والے مہاسبھائی لنگر لنگوٹ کس کر میدان میں نکل آئیں گے، ماسٹر تاراسنگھ الگ جنگ کا بگل بجا رہے ہوں گے، اس وقت مسلمانوں کی صحیح پوزیشن کیا ہونی چاہیے کہ کیا ہندوؤں اور سکھوں سے ڈر کے مارے وہ ان کے سامنے اپنے اپنے گھٹنے ٹیک دیں؟ اور ان کی خوشنودی مزاج حاصل کرنے کی خاطر پاکستان کا کھلونا اُن کے بھینٹ چڑھا دیں؟ اور یا اپنے آبا و اجداد کی جاگیر ہندُستان کو جسے انھوں نے اپنا قیمتی خون بہا کر حاصل کیا، جس کو فتح کرنے کی خاطر انھوں نے سرزمینِ ہند کے ایک ایک چپہ پر خون کی ندیاں بہا دیں، جن کے تعمیر کردہ مساجد و معابد، خانقاہیں اور مقبرے آج بھی مرنے والوں کی ہیبت و جلال کا سکہ ناظرین کے دل میں بٹھانے والے ہیں۔ جن کی مبارک روحیں اپنے ناخلف جانشینوں کو آج بھی زبانِ حال سے دعوتِ جہاد دے رہی ہیں، ایک کے قبضۂ غاصبانہ سے نکل کر دوسروں کے قبضۂ تصرف میں نہیں جانے دے گا اور اگر سیاسی مصلحتیں یا ملکی حالات سارے ہندُستان پر قبضہ کر لینے کی اجازت نہ بھی دیں تو [کیا] کم از کم مجوزہ پاکستان کے علاقوں پر وہ پہلے اپنے خدائے برتر اور پھر اپنے قوتِ بازو پر بھروسہ کرتے ہوئے قبضہ نہیں کر لے گا؟

دوسروں کی بات جانے دیجیے۔ امیرِ حزب اللہ تو اس بات میں دوٹوک فیصلہ کرنا چاہتا ہے کہ حزب اللہ کی جماعت جس غرض کے لیے بنائی تھی وہ مقصد وحید سامنے آ چکا ہے۔ حزب اللہ کے رضا کاروں کو جس کام کے لیے بھرتی کیا گیا تھا وہ اب بالکل رو بہ رو آ چکا ہے۔ اگر کانگریس والے ہندو یا ان کے حاشیہ بردار سکھ ہمارے ساتھ ایک باعزت سمجھوتہ کرلیں تو چشم ما روشن دل ما شاد،[۱۵] وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا[۱۶] کے مطابق اگر وہ صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو ہمیں بھی بڑھانا چاہیے لیکن اگر وہ ہماری تذلیل اور تخریب کے در پے ہوں، ہمیں اپنا غلام بنانا چاہتے ہوں، ہمارے جائز حقوق غصب کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہوں، پاکستان جیسا واجبی مطالبہ بھی نہ تسلیم کریں تو پھر ہم مسلم لیگ کا احترام ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اُسے آگے بڑھنے کو کہیں گے اور حزب اللہ کی جماعت حصولِ پاکستان کی خاطر اس قومی جنگ میں صف اول میں جگہ لے گی اور دنیا کو ثابت کر دکھائے گی کہ امیر حزب اللہ کی بست [۲۰] سالہ جدوجہد بے سود ثابت نہیں ہوئی بل کہ اعلائے کلمۃ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کا جو سبق امیرِ حزب اللہ مسلسل بیس سال سے دیتا چلا آیا ہے اس کے عملی کارنامے آ کر دیکھ لیں اور اگر مسلم لیگ والوں نے گزشتہ ایام کی طرح مسلمان میں صرف جوشِ عمل پیدا کرنے پر ہی اکتفا کیا اور پھر مسلمان کے مشتعل جذبات پر قابو نہ پا سکے یا قابو پانے کی کوشش نہ کی اور پاکستان کے حصول کی خاطر کوئی صحیح پروگرام قوم کے سامنے نہ رکھا تو پھر امیرِ حزب اللہ اس کام کا بیڑا خود اٹھائے گا اور اللہ کریم کے لطف و کرم اور اس کے مقبول بندوں کی دعاؤں پر بھروسہ کرتے ہوئے حکومت الٰہیہ کے عملی قیام کا اعلان کر دے گا اور اس کے بعد

ع یا تن رسد بجاناں یا جان زتن بر آید[۱۷]

یا بلند ترین نصب العین کو حاصل کر لے گا ورنہ اپنی حقیر جان اور جماعت حزب اللہ کی ناچیز جانیں اس قربان گاہ توحید اور اس جلوہ گاہ رسالت پر قربان کر دے گا۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمان کے اندر جذبہ شہادت بہ درجۂ اتم موجود ہے اور اس اسلامی تعلیم کے مطابق مسلمان کی زندگی عجیب زندگی اور مسلمان کی موت عجیب موت ہے کہ زندہ رہے تو غازی اور مجاہد بن کر اور مرے تو شہید ہو کر پھر بھی ایک نہتی قوم کا مسلح قوم سے لڑانا خودکشی کے مرادف ہوا کرتا ہے۔ اس لیے وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ[۱۸] کے مطابق ہر مسلمان کا بالعموم اور ارکان و رضا کارانِ حزب اللہ کے ہر فرد کا بالخصوص یہ ایک فرض اولین ہے کہ وہ اپنی ہمت و استطاعت کے مطابق آنے والی قومی جنگ کے لیے تیاری کرے۔ جسم کو مضبوط بنائے، مالش کیا کرے، ڈنڑ پیلے، کشتی کیا کرے، کبڈی کھیلے، گتکا بازی سیکھے اور جو ہتھیار بھی حاصل کر سکے اُسے ضرور حاصل کرے خواہ اپنی جائیداد بیچ کر کیوں نہ خریدنا پڑے اور سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ تیاری تو مکمل ہو لیکن اقدام اطاعتِ امیر کے ماتحت ہونا چاہیے جب کہ فریضہ جہاد احکامِ امیر کے بغیر ادا ہی نہیں ہو سکتا

اور وہ لشکر کس کام کا جو کہ اپنے سپہ سالار کے حکم کے بغیر حملہ کر دے۔

ہم اپنے ہندو اور سکھ بھائیوں کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے اندر امن پسندی اور صُلح جوئی کو جو درجہ حاصل ہے وہ فساد وعناد کو ہرگز نہیں۔ مسلمان کبھی جنگ کا آغاز نہیں کرتا لیکن اگر اُسے جنگ سے مفر نہ ہو تو پھر اُس کے لیے پیٹھ پھیر کر بھاگنا قطعاً حرام ہے [۱۹] اور آپ دیکھ لیں گے کہ اگر حالات سے مجبور ہو کر مسلمان کو جنگ کرنی ہی پڑی تو وہ بزدلوں کی طرح نہیں لڑے گا۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اثنائے جنگ میں وہ عورتوں کی عصمت دری نہ کریں، اُن پر ہاتھ نہ اُٹھائیں، کم زوروں، بوڑھوں اور بچوں کو ہلاک نہ کریں، دشمنوں کے گھر نہ جلائیں، اُن کی فصل برباد نہ کریں بل کہ جوان جوانوں سے لڑیں اور دادِ شجاعت دیں۔ باقی رہا ہمیں دھمکیوں سے مرعوب کرنا سو اب وہ پہلا زمانہ نہیں رہا۔ پدرم سلطان بود [۲۰] کا فلسفہ ناقابل تسلیم ہے اور ان شاء اللہ دُنیا دیکھ لے گی کہ بہ ظاہر کم زور مگر ایمانی طاقت رکھنے والا مسلمان امتحان کے وقت کیا کچھ کر دکھائے گا :

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی [۲۱]

میرے بھائی اس دُعا پر آمین کہیں کہ اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرِ دِیْنَ مُحَمَّدٍ واَجْعَلْنَا مِنْھُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنُ مُحَمَّدٍ وَّلَاتَجْعَلْنَا مَنْھُمْ۔ [۲۲]

ہندُستان میں فرقہ وارانہ فسادات پر ایک نظر

اگر کسی ملک کے اندر استخلاص [چھڑانا] وطن اور حصولِ آزادی کی خاطر کوئی جدوجہد شروع ہو جائے اور مظلوم رعایا، ظالم حکومت کے خلاف مظاہرے شروع کر دے یا معاملات کے نازک صورت اختیار کر جانے کے بعد کشت وخون تک بھی نوبت پہنچ جائے تو گو فساد اور غارت گری اخلاقاً نادُرست اور اصولاً ناقابل ستائش ہے مگر کم از کم شورش پسندوں کی طرف سے ایک وجہِ جواز ضرور موجود ہوتی ہے کہ ہمارا مقصد غیر ملکی اقتدار سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے اور اپنے وطن و ملک کو آزاد کرانا لیکن اگر ایک ملک میں بسنے والی قوموں کے اندر ہم چوقسم چپقلش شروع ہو جائے اور رعایا کے لوگ راعی کے خلاف نہیں بل کہ آپس میں ہی دست و گریبان ہونے لگیں اور بھائی اپنے بھائی کا گلا کاٹنے لگے تو اس سے افسوس ناک حقیقت اور کیا ہو سکتی ہے؟

۱۸۵۷ء کے غدر میں مسلمانوں نے اگر اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو واپس لینے کی خاطر خروج کیا یا ۱۹۴۲ء میں ہندو اکثریت والے صوبوں میں حکومت کے خلاف منظّم طریق سے بغاوت ہوئی تو کم از کم اس کی تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ دونوں قوموں نے اپنی آزادی کی خاطر ایسا کیا اور یہ چیزیں آج کل کے مہذّب ممالک

میں بہ نظرِ استحسان دیکھی جاتی ہیں۔ امریکا اور آئرلینڈ میں جو کچھ ہو چکا ہے اُس کے اندر ذم [مذمت] کی نسبت مدح کے پہلو زیادہ نمایاں ہیں لیکن تقریباً ایک سال سے ہندُستان کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے اور جس بے دردی اور خوں خواری سے ہندو اور سکھ مسلمانوں کا گلا کاٹ رہے ہیں اور مسلمان ہندوؤں اور سکھوں کا خون گرانا اپنا شعارِ مذہبی سمجھنے لگے ہیں۔ ہندُستان کے اندر بسنے والی قوموں کے ماتھے پر یہ ایک کلنک کا ٹیکا ہے۔

ان فرقہ وارانہ فسادات کی ابتدا کلکتہ سے ہوئی پھر بمبئی بھی اُس کی لپیٹ میں آ گیا اور دوسرے کئی بڑے شہر بھی اس وبا سے بچ نہ سکے۔ بعد میں نواکھلی کا علاقہ متاثر ہوا اور پھر بہار میں جو کچھ ہوا، ظالم بلوائیوں نے جس طریق سے وہاں کے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا اور محض اس جرم میں کہ یہ شخص مسلمانوں کے گھر کیوں پیدا ہوا ہے، بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور بیماروں تک تہ تیغ کر دیے گئے اور تقریباً پچاس ہزار کلمہ پڑھنے والوں کو کلمہ پڑھنے کے پاداش میں شہید کر دیا گیا اور یہ کارروائی اتفاقاً نہیں ہوئی بل کہ موجودہ بہار کی مہاسبھائی حکومت کی سازش اور اعانت سے بیس بیس پچیس پچیس ہزار ہندو بلوائیوں نے ہر ایک قسم کے آلاتِ حرب سے مسلح ہو کر گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر قلیل مسلم آبادی کے محاصرے کر لیے اور اُس وقت تک خونِ مسلم سے ہولی کھیلی گئی جب تک کہ فرزندانِ توحید کا ایک دودھ پیتا بچہ بھی موجود تھا۔ اُس کے ساتھ ہی گڑھ میکتیشور میں جو کچھ ہوا اور مسلمانوں کو جس بے دردی سے ہلاک کیا گیا، اُن کے گھروں کو جس طریق سے جلایا گیا۔ یہ داستانیں ابھی تک تازہ ہیں اور مسلمانوں کا خون جس ارزانی سے بہایا گیا ہے وہ اب تک زبانِ حال سے اپنی بے بسی اور مظلومی کا دکھڑا رو رہا ہے۔

ہمارا پنجاب پہلے ان فرقہ وار جھگڑوں سے تقریباً محفوظ رہا مگر بُھس میں چنگاری ڈال[۲۳] کر تماشا دیکھنے والے یہاں بھی پہنچ گئے اور لاہور سے اُٹھنے والا شعلہ امرتسر، ملتان، لودہانہ [لدھیانہ]، اور جالندہر [جالندھر] کے شہروں کے امن کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہوا راول پنڈی تک جا پہنچا اور ڈویژن راول پنڈی کے دو تین اضلاع بھی اُس کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اس وقت بھی فضائے امن بالکل صاف نہیں ہوئی اور اگر ہمارے نام نہاد وزیرِ اعظم پنڈت نہرو اور اُن کے رفیق کار مسٹر پٹیل کی متعصّبانہ ذہنیت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی اور پنڈت جی یہ چیلنج دیتے رہے کہ اگر پاکستان کی رُکاوٹ میں ہمیں مسلمانوں سے جنگ بھی کرنا پڑی تو ہم اُس کے لیے تیار ہیں اور ادھر ماسٹر تارا سنگھ اور اسی قماش کے لوگ بجائے قیامِ امن اور مشتعل جذبات فرو کرنے کے اس بھڑکنے والی آگ کو اپنی غیر ذمہ دارا اور اشتعال انگیز تقریروں سے اور ہوا دیتے رہے تو ممکن نہیں بل کہ اغلب ہے کہ ہندوستان کا سارا خرمن ہی اس آگ کی لپیٹ میں آ کر جل بُھن کر راکھ ہو جائے اور آئندہ نسلیں آج کل کے فساد انگیز اور شرارت پسند رہنماؤں کی اس خودکُشی اور گھر پھونک تماشا دیکھنے[۲۴] والی پالیسی پر ہمیشہ لعنت اور نفرین بھیجتی رہیں گی۔

جہاں تک اس فقیر نے اس معاملہ پر غور وفکر سے کام لیا ہے ان فسادات اور قتل و غارت کی ذمہ داری عامتہ الناس پر بالکل نہیں بل کہ اِس کے ذمہ دار وہ لیڈر اور رہ نما ہیں جو ہر وقت قوم کو اشتعال دلاتے رہتے ہیں اور اُن کے جذبات کو برانگیختہ کرنا ہی اُن کی زندگی کا مقصد ہے اور لطف یہ کہ جب وہ سادہ مزاج لوگ ان دوست نما دشمنوں کی باتوں میں آ کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور بلا تمیز خاطی و معصوم، کم زور و قوی، بیمار و تندرست، جوان یا بوڑھا، بچہ یا عورت صرف مذہبی مغائرت کو سامنے رکھ کر ہر ایک دوسرے مذہب رکھنے والے کو اپنا نشانۂ مشق بنانے لگتے ہیں تو اس وقت یہ لیڈر پولیس یا فوج کی حفاظت میں اپنی کوٹھیوں کے اندر نرم گدیلوں اور سپرنگ دار صوفوں پر دراز ہو کر اپنی اس ابلہ فریبی پر زیرِ لب متبسم نظر آتے ہیں اور غایۃ مافی الباب جب کرفیو آرڈر لگ جائے، دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ہو جائے، شہروں میں ہُو کا عالم نظر آنے لگے، لوگ گھروں میں چھپ کر اپنی جانیں بچا رہے ہوں تو یہ لیڈر اپنی عالی شان کاروں پر سوار ہو کر محض دکھاوے کی خاطر بہ ظاہر قیامِ امن کا پیغام لے کر شہر کی چند سڑکوں پر مٹر گشت کر دیں گے اور یا اگر اپنی آمدن کے ذرائع میں مزید توسیع مطلوب ہوئی تو مظلومین، مجرومین و مقتولین کی خاطر چندہ کی فہرست کھول دیں گے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ہندُستان کے عام باشندے اپنا دماغی توازن کھو چکے ہیں۔ جنھوں نے کہ کبھی تخلیہ میں بیٹھ کر اس بات پر غور و خوض نہیں کیا کہ ہم ان لیڈروں کے کہنے میں آ کر اپنے ہمسایوں، اپنے برادرانِ وطن اور پشت ہا پشت کے تعلق داروں سے بلا وجہ کیوں لڑتے ہیں؟ اور یہ لیڈر جو ہمیں لڑاتے ہیں خود آپس میں کیوں نہیں لڑتے؟ کاش بدقسمت ہندُستان کے باشندے ان تلخ حقیقتوں کو سمجھنے لگیں اور اس معرکہ رست خیز و سانحہ الم انگیز کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے اور ملک کے اندر امن و امان، صلح و ہمدردی کا دور دورہ ہو۔

یہاں ایک بات ضروری طور پر قابل ذکر ہے کہ عربی ضرب المثل اَلْبَادِیْ اَظْلَمُ کہ جو ابتدا کرے وہی زیادہ ظالم ہے کے مطابق دیکھنا یہ ہے کہ فسادات کی ابتدا کس کی طرف سے ہو رہی ہے؟ کلکتہ میں پہلے کس قوم نے ہنگامہ مچایا؟، بمبئی میں پہل کس کی طرف سے ہوئی؟ نواکھلی میں شرارت کی بنیاد کس نے رکھی اور بہار کے خوں چکاں اور ہوش ربا سانحہ کا ذمہ دار کون ہے؟ لاہور میں کس کی نیام سے تلواریں باہر نکل آئیں؟ عام جلسوں کے اندر اشتعال انگیز تقریریں کس نے کیں؟ راول پنڈی میں ابتدا کس کی طرف سے ہوئی اور اس ساری خرابی اور کشت و خون کا بانی کون ہے؟

اب آپ مختلف قوم کے لیڈروں کا طرزِ عمل ملاحظہ فرمائیں۔ گاندھی جی نواکھلی کے حالات سے متاثر ہو کر فوراً وہاں جا پہنچے اور مسلمانوں کو صلح و امن کا وعظ سنانے لگے۔ حالاں کہ نواکھلی کا واقعہ بہار کے سانحہ سے ایک اور سو کی نسبت بھی نہیں رکھتا۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ نواکھلی کی ہندو آبادی نے مصلحتاً اپنی جان کے بچاؤ کی خاطر

تبدیلِ مذہب کرالیا   مگر بہار کے غیرت مند مسلمانوں کے ٹکڑے اُڑا دیے گئے اور اُنھوں نے کسی نازک ترین موقع پر بھی اپنی ہر چیز سے پیارے مذہب کو نہیں چھوڑا۔ مسٹر گاندھی کا اب بہار جانا یا نہ جانا برابر ہے۔ وہاں کے بقیۃ السیف مسلمان تو اب معلوم نہیں کہاں کہاں ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور سندھ، بنگال، پنجاب تک ہجرت کر کے جا پہنچے ہیں اور سارا بہار بلا شرا کت غیرے بہار کے ہندوؤں کی جا گیر بن چکا ہے پھر گاندھی جی کا وہاں اب جانا سوائے طفل تسلی اور ظاہری نمائش کے بالکل بے سود نظر آتا ہے۔ سردار پٹیل نے گزشتہ میرٹھ کانگریس کے اجلاس میں کھلم کھلے الفاظ میں یہ ارشاد فرمایا تھا اور اُنگلیوں پر گن کر کہ اگر نوا کھلی میں ایک ہندو مارا گیا ہے تو بہار والوں نے ایک کے بدلہ چار مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا ہے۔ جے پرکاش نارائن کے ملفوظات تو اس قدر اشتعال انگیز ہیں کہ اُن کا ذکر کرنا مسلمانوں کے منجمد خون کو کھولانے کے مرادف ہے۔ کیا ماسٹر تارا سنگھ اور اُن کے حواریوں نے فساداتِ پنجاب پر کسی افسوس یا تاسف کا اظہار کیا ہے یا سکھوں کو امن و سکون کی تعلیم دی ہے؟ یا بالمقابل ہمارے مسلم لیگ والے فسادات کے ایام میں در بہ در ٹھوکریں کھاتے رہے۔ دیہ بہ دیہ پھرتے رہے اور جہاں کہیں بھی جذبات میں کشیدگی کی خبر پہنچی وہاں سو کام چھوڑ کر جا پہنچے اور مسلمانوں کو امن پسندی کی تعلیم دی اور آج تک اُن کے ذمہ دار اصحاب اسی کوشش میں ہیں کہ پنجاب میں بسنے والی اقوام کا ایک دوسرے پر اعتماد پیدا ہو جائے اور بعض کم زور طبیعتوں والے لوگ جو یوں ہی بلا سبب ڈر کے مارے ترکِ وطن کرنے لگے ہیں، اپنے اپنے گھروں میں آرام و اطمینان سے بیٹھ جائیں۔

اگر مسلمان لیڈر یا مسلم لیگ کے اربابِ حل و عقد فرقہ وارنہ فسادات کے مجوز ہوتے تو گزشتہ سول نافرمانی کے موقع پر جب کہ پنجاب بھر کے مسلمان حکومت کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کر رہے تھے اور اُن کے جلسوں اور جلوسوں نے تعدادِ حاضرین و شاملین کا ایک ریکارڈ قائم کر دیا تھا۔ اگر رہ نماؤں کی طرف سے اشارہ ہو جاتا تو سارے پنجاب کا امن خاکستر ہو کر رہ جاتا مگر اُس موقع پر کسی دوسری قوم کے کسی فرد کی نکسیر تک نہ پھوٹی اور اتنے زبردست ہنگاموں کے باوجود کسی دوسری قوم کا ایک پائی تک کا نقصان تک نہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ مسلمان کی لڑائی اُس وقت کی ظالم اور جابر حکومت سے تھی اور اُس میں کسی فرقہ وارانہ خیالات کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔ دراصل یہ ساری خرابی اُس وقت پیدا ہوئی جب کہ خضر وزارت کے مستعفی ہو جانے پر ہندو اور سکھوں کے لیڈروں نے یہ سمجھا کہ اب مسلم لیگ کی وزارت قائم ہو جائے گی اور اُسے ناکام بنانے کے لیے انھوں نے بلا لحاظ نتائج اپنی قوموں کو خاک و خون کے گڑھے میں دھکیل دیا۔ جب معاملات ذمہ دار ہاتھوں سے نکل کر عوام کے ہاتھوں میں آ جائیں تو اُس وقت اخلاق یا تہذیب کا برقرار رہنا مشکل ہو جایا کرتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ رائے عامہ نے مشتعل ہو کر بعض علاقوں میں ایسی حرکات کی ہوں جو نہیں ہونی چاہیں تھیں اور لڑائی جھگڑ

ے کے وقت ایسی حرکات کا صدور ہر ایک قوم کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ اگر ڈویژن راول پنڈی کے چند دیہات میں لوٹ مار ہوئی ہو تو اُس لوٹ کھسوٹ کے مقابلہ میں یہ بالکل بے حقیقت ہو گی جو کہ صوبہ بہار میں کی گئی ہے۔ اگر ان اضلاع میں چند سو آدمی انھی فسادات میں مارے گئے ہیں تو ان کی تعداد اُن ہزار ہا کی تعداد میں شہید ہونے والے بہاری مسلمانوں سے کہیں کم ہے جو نہایت بے دردی سے پولیس اور فوج کی موجودگی میں قصابوں نے ذبح کر ڈالے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ :

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا [25]

طاقت ور مارے اور رونے نہ دے۔ [26] ہندوؤں کے پاس چوں کہ حکومت ہے، روپیہ ہے، پریس ہے اور پراپیگنڈہ کے وسیع ذرائع و وسائل، اس لیے اُن کی ہر ایک کمینی سے کمینی حرکت بھی تاویلات کے ذریعہ قابلِ تحسین ہو جاتی ہے اور مسلمان کے پاس چوں کہ خدا کے نام اور اپنے مذہب کی جاگیر کے بغیر کچھ نہیں اس لیے اگر وہ کوئی اچھا کام بھی کرے تو اُس میں بھی سو عیب نکل آتے ہیں۔

اب حالات یہ ہیں کہ بہار کے خونیں واقعات کی ابھی تک تحقیقات بھی شروع نہیں ہوئی، اثنائے فساد میں وہاں کی پولیس اپنی آنکھوں سے تماشا دیکھتی رہی مگر ٹس سے مس نہ ہوئی۔ فوج موقع پر پہنچ گئی مگر وزیرِ اعظم صاحب نے اُسے گولیاں چلانے کی اجازت نہ دی۔ وہ سارے بلوائی، وہ سارا خون آشام گروہ، وہ سارا فسادانگیز عنصر اب تک بہار میں کھلے بندوں دندناتا پھر رہا ہے مگر آج تک کسی نے اُن سے نہیں پُوچھا کہ تمھارے منھ میں کے دانت ہیں؟ اور ادھر چند غیر ذمہ دار اشخاص یا چند غنڈوں نے اکثر گاؤں چھوڑ کر بھاگ جانے والے ہندوؤں اور سکھوں کے گھروں کو ضرور جلایا یا کم قیمت اور بے حیثیت اشیا پر ضرور قبضہ کیا مگر اب سارے ہندوستان کی فوجوں اور ساری پنجاب کی پولیس نے راول پنڈی، کامل پورہ، جہلم وغیرہ اضلاع کا محاصرہ کر رکھا ہے اور مسلمان غنڈوں نے کیا لوٹ مار کی ہو گی جو دُرگت کہ بے گناہ ذی حیثیت اور شریف مسلمانوں کی غیر مسلم فوجیوں اور پولیس والوں کے ہاتھوں ہو رہی ہے۔

ہمیں صحیح شکایات پہنچی ہیں اور ہم اس کا ثبوت دینے کو تیار ہیں کہ ایک گاؤں میں فوج کا ایک دستہ پہنچتا ہے اور بلاتمیز بے گناہ یا گنہگار سارے گاؤں کی تلاشی شروع ہو جاتی ہے۔ جذبۂ انتقام سے بھرپور ہندو یا سکھ ہر ایک قیمتی چیز کی طرف جو کہ گھر والوں کی اپنی ملکیت ہے اشارہ کر دیتے ہیں اور نہایت بے دردی سے گھر کا سارا اثاثہ لوٹ کر یہ فوجی لوگ اپنی لاریوں پر لاد کر لے جاتے ہیں اور بعض حالات میں اُن چیزوں کو داخلِ خزانۂ حکومت بھی نہیں کرتے بل کہ بے ڈکار خود ہضم کر جاتے ہیں۔ ایسے مواقع پر ہمیشہ لوٹ کھسوٹ کرنے والا ادنیٰ

طبقہ ہوا کرتا ہے مگر گرفتار ہونے والے سب شرفا ہیں جنھوں نے کہ ان بھاگنے والے ہندوؤں اور سکھوں کو اپنے گھروں میں پناہ دی اور عام لوگوں کے سامنے ہم چوقسم حرکات نہ کرنے کے لیے ہاتھ جوڑتے رہے۔

اگر گرفتاریوں کی یہی رفتار جاری رہی اور ڈویژن راولپنڈی کے مسلمانوں کو اسی طریق سے ملیا میٹ کیا گیا تو جہاں کہ موجودہ حکومت کی ظالمانہ اور وحشیانہ حرکات تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ کے لیے یادگار رہیں گی وہاں پنجاب مسلم لیگ کے ارباب بست وکشاد بھی اس امر کے ذمہ دار ہوں گے کہ انھوں نے مسلمانوں کو تو شرارت اور فساد سے روک دیا لیکن اب وہ حکومت کو اس ناانصافی اور ظلم وستم سے کیوں منع نہیں کرتے؟ اور اس کے خلاف پُرزور طریق سے صدائے احتجاج بلند کرنے سے کیوں ہچکچاتے ہیں؟ اگر کسی مسلمان نے کسی ہندو یا سکھ کو قتل کیا ہے تو اُس کی سزا اُسے ملنی چاہیے۔ اگر کسی مسلمان نے کسی ہندو یا سکھ کا گھر جلایا ہے یا سامان لوٹا ہے تو وہ یقیناً قانونی طور مستوجب سزا ہے لیکن اگر حکومت محض ہندوؤں کی ناز برداری یا سکھوں کے تالیف قلوب کی خاطر ناکردہ گناہ مسلمان شرفا سے حوالاتیں بھرتی جائے یا جھوٹی شہادتیں لے کر انھیں قید کردے تو اُس کا یہ فعل عام مسلمانوں کے لیے بے حد صبر آزما واذیت دہ ہے۔

مناسب یہ ہوگا کہ ان فسادات کی تحقیقات کے لیے ایک غیر جانب دار ٹربیونل قائم کیا جائے اور ایسے جج مقرر کیے جائیں جن کے خیالات فرقہ وارانہ جذبات سے بالاتر ہوں اور جن کے سامنے انصاف اور حق رسی کے بغیر اور کچھ نہ ہو لیکن پنجاب بھر میں سے متعصب ترین اشخاص کو منتخب کر کے اس کام پر لگانا اور غیر مسلم فوجی لوگوں کے ہاتھ مسلمانوں کی عزت وناموس کو سپرد کر دینا بالکل غیر آئینی صورت ہے اور یہ فقیر اپنی جماعت حزب اللہ کی طرف سے اس صریح طرف داری پر زبردست صدائے احتجاج بلند کرتا ہے اور گورنر صاحب سے متدعی ہے کہ وہ اس معاملہ میں کسی ایک فریق کی بھی جانب داری نہ کریں اور بے گناہوں کو تعصب اور عصبیت کا شکار نہ ہونے دیں۔ ساتھ ہی مسلمانوں سے ہماری یہ استدعا ہے کہ اگر ابنائے وطن اپنی مسخ شدہ اور متعصّبانہ ذہنیت سے کام لے کر اس قسم کے فسادات برپا بھی کر دیں تو ہمیں اپنے اسلامی تعلیمات اور بلند ترین اخلاق کے پیش نظر کوئی ایسی جوابی کارروائی نہیں کرنی چاہیے جس کا اثر کہ مسلمانوں کی شہرت پر پڑنے والا ہو۔

اگر بہار کے ہندوؤں نے وہاں کی مسلمان آبادی کو بے دریغ تہ تیغ کیا ہے تو سارے جہان کی لعنتیں اُن کے لیے وقف ہو چکی ہیں اور رہتی دُنیا ہمیشہ ایسے وحشیوں اور درندوں کو نہایت بُرے الفاظ سے یاد کرے گی لیکن اگر کسی علاقہ کے مسلمان بھی اُن ہی کی طرح ستم آرائیاں کرنے لگیں تو پھر اُن میں اور بہار کے عفریتوں میں فرق کیا ہوگا؟ اسلام ہمیں رواداری کی تعلیم دیتا ہے۔ بہار کے ہندوؤں سے اگر بدلہ لینا ہو تو بہار جا کر لینا چاہیے، پنجاب کے ہندوؤں سے نہیں لیا جا سکتا۔ دوسرا ہم پنجاب کو پاکستان بنانا چاہتے ہیں اور اقلیت رکھنے والی

قوم کو جب تک یہ تسلی نہ ہوئی کہ پاکستان بن جانے کی صورت میں اُن کا مال اور جان مسلمانوں کے ہاتھوں محفوظ رہیں گے تو وہ آخر دم تک شور وشیون کرتے چلے جائیں گے۔ ہمیں اپنے طرزِ عمل سے ان قوموں کے سامنے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ اگر چند غیر ذمہ دار اشخاص کے ہاتھوں کچھ خون خرابہ ہو گیا ہے تو ہمیں اُس کا افسوس ہے۔ آئندہ کے لیے ہم مسلمان تمھیں یقین دلاتے ہیں کہ تم بے شک اپنے اپنے گھروں میں واپس چلے جاؤ ہم تمھارے مال وجان اور عزت وآبرو کی ان شاءاللہ پوری طرح حفاظت کریں گے تاکہ یہ تقسیمِ پنجاب اور تقسیمِ بنگال کے جو نئے سئٹ سامنے آ چکے ہیں اُن کا خاتمہ ہو جائے اور ہمارے ہمسایہ ہندو اور سکھ اس بات کا اعتراف کرلیں کہ ہمیں پاکستان بننے میں کوئی اعتراض نہیں اور ہمیں مسلمانوں پر پورا بھروسہ اور اعتماد ہے۔

یہ فقیر دوسری دل شکستہ اور آزردہ اقوام کے دلوں میں اعتماد پیدا کرنے کی خاطر عن قریب کوئی موثر اور عملی تدابیر بھی اختیار کرے گا جب کہ مصلحتاً اور اخلاقاً یہ ایک ضروری اقدام ہے اور اپنے متعلقین اور ارکان ورضا کارانِ حزب اللہ کو پر زور طریق سے توجہ دلاتا ہے کہ اگر آپ اسلامی تجارت کو فروغ دینا چاہیں تو بے شک دیں، اپنی دکانیں کھولنی چاہیں تو ضرور کھولنی چاہئیں لیکن ہمسایہ ہندو اور سکھوں کے ساتھ اپنا رویہ نہایت نرمی اور ملاطفت کا رکھیں۔ پاکستان قائم ہو جانے کی صورت میں ان اقوام کو ذمیوں کی حیثیت حاصل ہو جائے گی اور ذمیوں کے مال ومتاع اور جانوں کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ شرعاً لازم ہو جایا کرتی ہے۔

ے من آنچہ شرط بلاغ است با تو مے گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر وخواہ ملال [۲۷]

کرپان اور تلوار

ان دنوں ایک اور سوال جاذبِ توجہ ہو رہا ہے کہ جن شہروں یا اضلاع میں ہنگامی قانون کا اجرا کیا گیا ہے وہاں کوئی شخص اسلحہ لے کر چلنے کا مجاز نہیں۔ چناں چہ اگر کوئی مسلمان تلوار لے کر باہر نکلے تو اُس سے مواخذہ کیا جاتا ہے لیکن سکھ عام طور پر کرپان لٹکائے ہر جگہ پھر رہے ہیں اور حکومت اُن سے اس لیے تعرض نہیں کرتی کہ یہ اُن کا ایک مذہبی شعار ہے۔ اس کا نتیجہ بدیہی طور پر یہ نکل رہا ہے کہ ایک قوم کو بالکل نہتا کر دیا گیا ہے اور دوسری قوم باقاعدہ مسلح ہو رہی ہے۔ اب مناسب تو یہ تھا کہ یا ان پابندیوں کے ایام میں سکھوں کو بھی کرپان لے کر چلنے سے منع کر دیا جاتا اور اگر وہ کرپان رکھنے پر بضد ہوتے تو پھر مسلمانوں کو بھی تلوار لے کر چلنے پھرنے کی اجازت دے دی جاتی۔ مسلمانوں کے لیے یہ تفریق ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ چکی ہے اور حکومت کو اس معاملہ میں فوری کارروائی کرنی چاہیے۔

باقی رہا مذہبی شعار والا معاملہ سو جس طرح سکھوں کے کسی گرو صاحب نے انھیں کرپان رکھنے کا مکلّف بنایا ہے وہاں مسلمانوں کے رہنمائے اعظم، نبی اکرم خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ارشاد ہے کہ اَلْجَنَّۃَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوفِ [۲۸] کہ جنت تلوار کے سائے کے نیچے ہے یا بہ الفاظ دیگرِ جنت کا حصول تلوار کے ساتھ مستلزم۔ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان اگر سو جائے تو تلوار اُس کے سرہانے پڑی ہونی چاہیے کیوں کہ معلوم نہیں دشمن کس وقت اُس پر حملہ کر دے۔ قرآن حکیم میں بھی اسلحہ کی حفاظت کی تصریح موجود ہے۔[۲۹] اندریں حالات اگر حکومت نے یک بام و دو ہوا[۳۰] کے مطابق اس ناجائز تفریق کو نہ ہٹایا تو پھر مسلمان مجبور ہوں گے کہ اپنا مذہبی نشان قائم رکھنے کی خاطر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے قانون کو انسان کے بنائے ہوئے قانون پر ترجیح دیں اور اس کے عوض لاحق ہونے والی تکالیف کا مردانہ وار مقابلہ کریں۔

ترغیبِ تجارت وصنعت

میرے عزیزو! یہ فقیر اس سے پیشتر متعدد مواقع پر آپ کو اسلامی تجارت وصنعت کو فروغ دینے کی پُر زور توجہ دلا چکا ہے اور اب تو قدرتی طور پر حالات ایسے پیدا ہو چکے ہیں کہ مسلمان کو تجارت وصنعت اختیار کیے بغیر اور ہر قسم کی اسلامی دکانیں کھولے بغیر مفر نہیں۔ مسلمانوں کی اقتصادی حالت روز بہ روز کم زور ہوتی چلی جارہی ہے اور مالی مشکلات میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

گزشتہ جنگ کے موقع پر کئی قسم کے روزگار نکل آئے تھے، فوجوں کی بھرتی عام تھی، کئی کارخانے کھل گئے تھے، مزدوری عام ملنے لگی تھی مگر جنگ کے خاتمہ کے بعد ہر ایک محکمہ میں تخفیف کا عمل شروع ہو گیا ہے۔ سپاہی ہزاروں کی تعداد میں ریلیز ہو کر گھروں میں آرہے ہیں، اسلحہ سازی کے کارخانے بند ہو جانے اور ضروریاتِ جنگ کی فراہمی کا کام ختم ہو جانے کی وجہ سے اب مزدور پیشہ لوگ بھی بے کار ہو چکے ہیں۔ زراعت اور کھیتی باڑی کی حالت بھی امساکِ باراں اور خشک سالی کے باعث خراب ہو چکی ہے، بے روزگاری روز بہ روز بڑھ رہی ہے اور بے کاری کا زمانہ پھر عود کر آیا ہے۔ ایسے حالات میں تجارت وصنعت اختیار کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

اس سلسلہ میں یہ فقیر کسی دوسری قوم کے بائیکاٹ کو مطلقاً پسند نہیں کرتا مگر تجارت کسی کا ورثہ تھوڑی ہے بل کہ دنیا میں سب سے پہلے مسلمانوں نے تجارت کا آغاز کیا اور اسی تجارت کے طفیل وہ اقصائے عالم میں پھیل گئے۔ اگر درمیانی عرصہ میں مسلمان اپنے اس اہم ترین شغل سے محروم رہ گئے ہیں تو اب انھیں اس طرف پوری توجہ دینی چاہیے۔ ہر ایک گاؤں اور ہر ایک قصبہ میں وہ ہر قسم کی دکانیں کھول کر اپنا روزگار بنائیں اور عام مسلمان کسی دوسری قوم کا بائیکاٹ نہ کریں بل کہ صرف مسلمان دکان داروں کو ترجیح دیا کریں اور اول خویش بعدہ

درویش [۳۱] کے مقولہ پر عمل کر کے دکھائیں۔

دادوستد کے معاملات میں جہاں مسلمان دکان داروں کو عام نرخوں کے مطابق سودابازی کرنی چاہیے وہاں خریداروں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ پائی پیسہ کے لالچ میں آ کر دوسروں کو ترجیح نہ دینے لگیں۔ باہمی اعتماد سے ہی یہ کام چل سکتا ہے اور اگر مسلمانوں نے تجارت کی طرف پوری طرح توجہ کر لی اور چھوٹے دیہات میں معمولی خوردہ فروشی کی دکانیں اور بڑے قصبات اور شہروں میں تھوک فروشی کی دکانیں کھول لیں تو ان شاءاللہ اُن کے مالی حالات میں ایک انقلابِ عظیم آ جائے گا اور جہاں ہمارے ہندو بھائی محض دکان داری کے طفیل کافی خوش حال نظر آتے ہیں وہاں مسلمانوں کی بدحالی بھی دور ہو جائے گی۔خصوصیت کے ساتھ فوج کے نام کٹون اور پنشن یافتہ مسلمانوں کو اِس طرف متوجہ ہونا چاہیے اور اولین فرصت میں دکانیں کھول کر بے کاری کا بہترین شغل پیدا کر لینا چاہیے۔

صنعت اور حرفت کی طرف بھی مسلمانوں کی توجہ بہت کم ہے حالاں کہ اب ملکی مصنوعات کی ترقی کا زمانہ ہے اور ہندُستان کو آزادی مل جانے کے بعد اس میں اور فروغ ہونے کا یقینی احتمال۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ شروع میں ہی بڑے کارخانہ دار بن جائیں بل کہ آہستگی اور استقلال کے ساتھ آپ گھریلو صنعتوں کو معمولی پیمانہ پر شروع کر کے بے شمار ترقی دے سکتے ہیں۔ صابن سازی، برتن سازی، ملمع سازی، ٹرنک سازی وغیرہ بیسیوں صنعتیں ہیں جن پر تھوڑی سی توجہ کرنے سے آمدن کی ایک معقول سبیل پیدا ہو سکتی ہے۔

حزب اللہ کے ارکان اور رضا کاروں کو خصوصیت کے ساتھ تجارت اور صنعت و حرفت کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے تا کہ مسلمانوں کے افلاس و احتیاج کے دفعیہ کی عملی تدابیر سامنے آ جائیں اور قوم اس نکبت دادبار کے عمیق گڑھے سے باہر نکل آئے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔ [۳۲]

جماعتِ حزب اللہ اور مسلم لیگ

جماعت حزب اللہ کی تشکیل و تاسیس کو اب پورے بیس سال گزر چکے ہیں اور اندریں اثنا امیر حزب اللہ نے جماعت کے اغراض و مقاصد کی نشر و اشاعت کی خاطر سالانہ جلسے بھی منعقد کیے۔ ہر سال دورہ بھی کرتا رہا اور بحمدُ لِلّٰہ کہ پنجاب بھر میں بالعموم اور ڈویژن ہائے راول پنڈی، ملتان و لاہور میں بالخصوص حزب اللہ کو اسلامی طبقات میں ہر دل عزیزی حاصل ہو چکی ہے اور جہاں ہزاروں کی تعداد میں ارکان و رضا کارانِ حزب اللہ سے متوسل ہیں وہاں دوسرے مسلمان بھی جو کہ حزب اللہ میں شامل نہیں عملاً ہر معاملہ میں ہمارے ساتھ تعاون کرنے لگے ہیں اور ماشاءاللہ ہماری جماعت بہ لحاظ تعداد اور بلحاظ مقبولیت روز بہ روز ترقی کر رہی ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی جماعت تو کافی عرصہ سے موجود ہے مگر اُس کی قبولیتِ عامہ اور عامتہ المسلمین میں اثر ورسوخ صرف دو تین سال کے اندر اندر ہوا ہے اور اس میں شک نہیں کہ موجودہ وقت میں ہندُستان بھر کی تمام اسلامی جماعتوں اور اداروں سے مسلم لیگ فوقیت حاصل کر چکی ہیں بل کہ صحیح معنوں میں ہم اُسے مسلمانوں کی ایک ذمہ دار اور نمائندہ واحد سیاسی جماعت کا لقب دے سکتے ہے۔ بایں ہمہ بدقسمتی سے مسلم لیگ کے علاوہ جتنی بھی اسلامی جماعتیں ہیں خواہ ان کا حلقہ اثر محدود ہو یا وسیع تا حال مسلم لیگ کے ساتھ متفق الرائے نہیں ہوسکیں اور ابنائے وطن کی متعصّبانہ ذہنیت اور فرقہ وارانہ عصبیت بھی انھیں مسلم لیگ کے قریب نہیں لاسکی۔ حالاں کہ ایسے نازک مرحلہ پر جب کہ ہندُستان کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے اور مسلمانوں کے مستقبل کا سوال سامنے ہے، سب کا کسی ایک نقطہ پر متحد ہوجانا ازبس ضروری تھا لیکن جماعت حزب اللہ نے آغاز کار سے لے کر اب تک مسلم لیگ کے ساتھ مکمل اشتراکِ عمل کیا ہے۔ گزشتہ انتخابات کے موقع پر ترکِ خطابات کے سلسلہ میں ہماری جماعت مسلم لیگ کے دوش بہ دوش کام کرتی رہی ہے اور آئندہ بھی ان شاءاللہ تعالیٰ پاکستان قائم کرنے کی جدوجہد میں یا اس ضمن میں اگر کوئی اور قربانی کا معاملہ سامنے آیا، ہماری جماعت اپنے امیر کے زیرِ قیادت مسلم لیگ کے معاونینِ خصوصی میں شمولیت اپنے لیے موجبِ فخر سمجھے گی جب کہ مسلم لیگ کے نصب العین پاکستان اور ہمارے نصب العین حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے مرادف، بشرطیکہ اس میں جاری ہونے والا قانون انسان کا بنایا ہوا نہ ہو بل کہ اللہ تعالیٰ کا تجویز فرمودہ یا بالفاظ دیگر قرآنی احکام کا اجرا اور اسلامی تعزیرات کی ترویج۔

گزشتہ ایام مسلم لیگ والوں نے جو سول نافرمانی کی ہے وہ واقعی اُن کا ایک بڑا کارنامہ تھا اور ایک طرف اگر اُن کے رہ نماؤں نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ وہ اسلامی مفادات اور قومی معاملات میں باوجود آرام پسند اور لذائذ ونِعَم میں پرورده ہونے کے قید و بند کی سختیاں بھی جھیل سکتے ہیں وہاں قوم نے بھی اپنے بے پناہ جوش وخروش اور فقید المثال [بے مثال] ضبط وسکون سے ایک محیر العقول نمونہ پیش کیا ہے۔ امیر حزب اللہ بھی اس معاملہ میں اپنے بھائیوں کے دوش بہ دوش رہا۔ یہ الگ بات ہے کہ میری عزتِ نفس یا خودداری کسی ظاہری عدالت میں خود کو پیش ہونے سے مانع ہوئی یا احکم الحاکمین کا پرستار کسی حاکمِ وقت کے دروازہ پر جانے سے متامل ہوا لیکن جہاں تک قانون شکنی کا تعلق تھا وہاں گزشتہ دورہ میں اُسے توڑ دیا گیا اور ارکان ورضا کارانِ حزب اللہ کو بھی اس فقیر کے محبوس ہوجانے کے بعد اپنے آپ کو قید ہونے کی خاطر پیش کرنے کے لیے تیار کیا گیا لیکن اگر حکومت نے کسی مصلحت کی بنا پر اس فقیر کو گرفتار نہیں کیا تو اس میں قصور حکومت کا ہے نہ کہ اس فقیر کا اور یہ سارا اقدام محض مسلم لیگ کے وقار کو قائم رکھنے کی خاطر کیا گیا جب کہ مسلم لیگ کے قائداعظم، مایہ نازِ اسلام ومسلمین مسٹر محمد علی جناح کی اس فقیر کے دل میں خاص قدر ومنزلت ہے اور مسلمانوں کے لیے ایسی عظیم المرتبت شخصیت ایسے دورِ

قحط الرجال میں بے حد غنیمت ہے۔اللہ کریم اُس کی عمر دراز کریں اور مسلمانوں کو اُس کی ذات ستودہ صفات سے بیش از بیش مستفید ہونے کا موقع عطا فرمائیں۔آمین!

خطاب بہ ارکان ورضا کاران حزب اللہ

ارکان ورضا کاران حزب اللہ! آپ کو اب زیادہ فرض شناسی سے کام لینا چاہیے۔ملکی حالات پیچیدہ ہو چکے ہیں، سیاسی عقدے لاینحل ہو رہے ہیں۔ ہندوستان آزاد ہونے والا ہے مگر پابندیاں المضاعف ہو رہی ہیں۔نفسا نفسی کا زمانہ آرہا ہے، جہد للحیات وتنازع للبقا کے پیش نظر ہر ایک قوم اپنے مستقبل کو شاندار بنانے کی فکر میں ہے اور ہماری ذمہ داریاں دوسروں سے بڑھ کر ہیں۔مسلمانوں کی عام صف میں بھی ہم نے شامل رہنا ہے اور اپنے ذمہ عائد کردہ فرائض کے حسب اقتضا کچھ آگے بھی بڑھنا ہے۔الرحیل[کوچ کرو] والنفیر [بھاگو] کی آوازیں کانوں میں آرہی ہیں۔اقوام وملل کی فوجوں نے کوچ شروع کر دیا ہے، قافلے روانہ ہو چکے ہیں، ہمارا قافلہ بھی پابہ رکاب ہے، منزل پُرخطر اور کٹھن ہے اور راستہ کی مشکلات لرزہ براندام کرنے والی۔اس سفر میں کم حوصلہ والے اور بزدل نہ جائیں، ڈرپوک اور آرام طلب اس لشکر میں شامل نہ ہوں۔ہاں ہمت والے نوجوانو! دل گردہ مضبوط رکھنے والے بہادرو! امیر کے احکام کے ماتحت قدم اُٹھاؤ لیکن اُٹھایا ہوا قدم آگے جائے اور ان شاء اللہ پیچھے نہیں ہٹے گا۔بس امیر کی آواز پر کان لگائے رکھو اور جب امیر مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ کا نعرہ لگائے تو نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ کے نعرے لگاتے ہوئے میرے پیچھے دوڑ پڑو تا کہ مَیں تمھیں وہ چیز لے دوں جو تم صدیوں سے کھو چکے ہو۔وہ خزانہ تمھارے حوالہ کر دوں جو کہ تمھارے باپ دادوں نے جمع کر رکھا تھا۔

ہم نے کسی قوم پر حملہ نہیں کرنا، کسی غریب اور کمزور کو نہیں ستانا، کسی دکان کو نہیں لوٹنا، کسی کے گھر آگ نہیں لگانی بل کہ اپنا سب کچھ لٹا کر خدا کی خدائی کو لوٹنا ہے۔اپنا سب کچھ کھو کر کائنات کی ہر ایک نعمت کو پانا ہے اور کسی کی رضا کے پیچھے اپنا تن من دھن دے کر اُس کی سب املاک پر قبضہ جمانا ہے۔

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ [۳۳]

اسلام کے سرفروش مجاہدو! یاد رکھو جہاد میں شرطِ اولین اطاعتِ امیر ہے اور اگر تم صدقِ دل سے اس فقیر کو امیر مان چکے ہو اور ضرور مان چکے ہو تو پھر حکم کے بغیر کوئی حرکت بھی نہیں کرنی اور حکم کے ماتحت سب کچھ کرنا ہے۔ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَھْدِکُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ۔[۳۴] اے قوم کے افراد! میری تابع داری کرو تا کہ مَیں تمھیں سیدھے راستہ پر لے چلوں۔

اب باتوں کا زمانہ نہیں عمل کا وقت ہے۔ فضول جوش وخروش کا نہیں صبر وضبط کا وقت ہے۔ گھبراہٹ وسراسیمگی کا نہیں تحمل و بردباری کا وقت ہے اور کامیابی اُسی کے لیے مقدر ہو چکی ہے جسے کامیابی کا یقیں ہو۔ جسے اپنے خدا کے بعد اپنے قوتِ بازو پر بھروسہ ہو اور جو قوم کہ اپنے قائد یا امیر کے ماتحت یک جسم و یک جان ہو کر میدانِ کارزار میں نکل آئے اور اپنی یک جہتی، یک رنگی اور ہم آہنگی سے اللہ کریم کی خوش نودی حاصل کر لے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ [۳۵] کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو بڑا پسند فرماتا ہے جو کہ اُس کے راستہ میں سیسہ کی آمیزش والی دیوار کی طرح ڈٹ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ فقیر آپ پر پورا اعتماد کرتا ہے آپ اس فقیر پر پورا بھروسہ رکھیں تا کہ :

گر غم لشکر انگریزد کہ خونِ عاشقاں ریزد
من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم [۳۶]

خاتمہ سخن

معزز سامعین! آپ نے اس فقیر کی طویل مگر ضروری باتوں کو غور و توجہ سے ملاحظہ فرمایا۔ اللہ کریم اس فقیر کو آئندہ بھی احقاقِ حق و ابطالِ باطل کی توفیق بخشیں اور آپ حضرات کو سچائی اور حقانیت کی عملی معاونت نصیب فرمائیں۔

یہ فقیر آپ حضرات کا شکر گزار ہے کہ آپ نے میری داستان دھیان سے سنی اور آپ میرا شکریہ اَدا کریں کہ میں نے کوئی داستان نہیں سنائی بل کہ اپنا دل چیر کر آپ کے سامنے رکھ دیا ہے اور وہ حقیقت سامنے لے آیا ہوں جو کہ موجودہ وقت میں سارے حقائق کی جان ہے۔ وَوَفَّقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ لِمَا يُحِبُّهٗ وَيَرْضَا۔ [۳۷] وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن ؕ

....

حواشی

۱۔ التوبہ ۹: ۳۸ تا ۴۱۔

۲۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر (دیوان دوم)، کلب علی خاں فائق (مرتبہ)، مجلس ترقی ادب، لاہور، جنوری ۱۹۹۱ء، ص ۱۳۴۔

اصل شعر یوں ہے : کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز — آیا ہے جب مزاج تیرا امتحان پر

۳۔ جو کہا گیا ہے بہت اچھا ہے۔ (عربی الفاظ)

۴۔ دیکھیے خطبہ۱۴،حوالہ۱۳۔

۵۔ ترجمہ: جس نے سختی کا دروازہ کھٹکھٹایا تو دروازہ کھل گیا۔ (عربی مقولہ)

۶۔ نظم''خضرِ راہ''، بانگِ درا بہ حوالہ کلیات اقبال (اُردو)، اقبال اکادمی، پاکستان، لاہور، اشاعت پنجم، س۲۰۰۰ء،ص۲۹۲۔

۷۔ ترجمہ: اس پر اللہ کی حمد ہے۔ (عربی جملہ)

۸۔ ترجمہ: اس خوشی کی نوید پر جان قربان کردوں تو جائز ہے کیوں کہ یہ نوید میری جان کے آرام کے لیے ہے۔

۹۔ ترجمہ: (ذرا) اس کمینہ پرور زمانے کی بنیاد کو تو ملاحظہ کرو۔ (ضرب المثل مصرع)

پورا شعر یوں ہے :

ے زمرغانِ حرم در کامِ زاغان طعنہ اندازد
مدار روزگارِ سفلہ پرور را تماشا کن

(حزیں لاھجی، شیخ علی، غزلیات، شمارہ نمبر۷۶۳)

۱۰۔ الطلاق ۶۵:۱۔

۱۱۔ ترجمہ: تلوار سے بچے ہوئے۔ (ضرب المثل)

۱۲۔ الفتح ۴۸:۲۹۔

۱۳۔ الحشر ۵۹:۲۔

۱۴۔ ترجمہ: تیرا دینا تیری ملاقات کے ساتھ (فارسی ضرب المثل)

۱۵۔ ترجمہ: آنکھ ہمارے روشن اور دل ہمارا خوش (ضرب المثل)

۱۶۔ الانفال ۸:۶۱۔

۱۷۔ ترجمہ: یا جسم محبوب تک پہنچ جائے گا یا روح جسم سے باہر آجائے گی۔

مکمل شعر یوں ہے :

ے دست از طلب ندارم تا کام من برآید
یا تن رسد بجاناں یا جان ز تن برآید

(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اُردو بازار، لاہور، س ندارد، ص۱۶۱)

۱۸۔ الانفال ۸:۶۰

۱۹۔ الانفال ۸:۱۵،۱۶۔

۲۰۔ ترجمہ: میرا باپ بادشاہ تھا۔ (ضرب المثل)

۲۱۔ بانگ درا، علامہ اقبال، نظم: شمع اور شاعر۔

۲۲۔ ترجمہ: اے اللہ امداد فرما اُن کی جو سیّدنا خادم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی مدد کرے اور ہمیں اُن میں سے کر دے اور جو سیّدنا خادم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو چھوڑے تو انھیں چھوڑ دے اور ہمیں اُن میں سے نہ بنا۔ (جمعہ کے خطبہ میں شامل دُعا)

۲۳۔ لڑائی کروا کر تماشا دیکھنے والے کے لیے کہتے ہیں۔ (ضرب المثل)

۲۴۔ اپنا نقصان کر کے خوش ہونا (ضرب المثل)

۲۵۔ شمس الحق، محمد، اردو کے ضرب المثل اشعار، ادارہ یادگار غالب، کراچی، طبع اول، س۲۰۰۳ء، ص۹۲، شعر۵۰۱

۲۶۔ زبردست جو چاہے کر لے۔ (ضرب المثل)

۲۷۔ ترجمہ: پیغام پہنچانے کی جو شرط ہے وہ مَیں تجھے کہہ رہا ہوں، تو چاہے میری بات سے نصیحت پکڑے چاہے رنجیدہ ہو۔

(قصیدہ ''در پندہ موعظہ''، کلیات شیخ سعدی، تصحیح آقای محمد علی فروغی، طہران، ۱۳۳۸ھ شمسی، ص۴۵۴)

۲۸۔ البخاری الجامع الصحیح، بدء الوحی، حدیث ۲۹۶۶۔

۲۹۔ النساء۴: ۱۷، ۱۰۲۔

۳۰۔ اس عمل میں مستعمل ہے جب کسی ایک قاعدہ یا دستور پر عمل نہ کریں۔ (ضرب المثل)

۳۱۔ اپنوں کا حق دوسروں سے زیادہ ہے۔ (ضرب المثل)

۳۲۔ ابراہیم۱۴: ۲۰۔ فاطر۳۵: ۱۷۔

۳۳۔ ترجمہ: میرے جنون کے صحرا میں جبرائیلؑ آسان شکار ہیں، اے ہمت مردانہ تو یزداں پر کمند ڈال۔

(پیامِ مشرق، اقبالؒ، مترجم: میاں عبدالرشید، شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلیشرز، چوک انارکلی لاہور، س۱۹۹۱ء، ص۳۰۶۔

۳۴۔ المومن۴۰: ۳۸۔

خطبہ میں یَقَوْمِ کی جگہ یَاقَوْمِ درج تھا۔

۳۵۔ الصّف۶۱: ۴۔

۳۶۔ ترجمہ: اگر عاشقوں کا خون بہانے کے لیے غم لشکر کشی کرے تو مَیں اور ساقی متفق ہو جائیں گے اور اس کی بنیاد اُکھاڑ پھینکیں گے۔

(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اُردو بازار، لاہور، س ندارد، ص۲۹۳)

۳۷۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمھیں اُن کاموں کی توفیق دے جنھیں وہ پسند کرتا ہے اور اُن پر راضی ہوتا ہے۔ (دُعائیہ کلمات)

◆◆◆

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ

حضرت مجیبنا ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالی

سجادہ نشین جلالپور شریف و امیر حزب اللہ

کا

خطبۂ صدارت

جو آپ نے

حزب اللہ کے اکیسویں سالانہ اجلاس پر

ارشاد فرمایا

کاتب: محمد اعظم خوشنویس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ط ☆

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰينَا وَ حَبِيْبِنَا وَ شَفِيْعِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ وَاَشياعِهٖ اَجْمَعِيْنَ O اَمَّابَعْدُ فَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ فِىْ قُرْاٰنِهِ الْمَجِيْدِ وَفُرْقَانِهِ الْحَمِيْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم O بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم O اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ط وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ O ۘ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ لا اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ط وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ O يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ Oۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ O [۱]

حاضرین والاتمکین! امسال کا اجتماع کوئی معمولی اجتماع نہیں اور نہ ہی آج کا جلسہ کوئی عام جلسہ۔ ہم تو اس لیے اکٹھے ہوئے ہیں کہ گزشتہ ایام گردشِ لیل ونہار اور نیرنگئ روزگار کی وجہ سے ہمیں جن ہوش رُبا واقعات و صبر آزما صورت حالات کا سابقہ کرنا پڑا۔ مسلمانوں پر مصیبتوں، تکلیفوں، آزمائشوں اور ابتلاؤں کے جو پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ مسلمان کا قیمتی خون جس بے دردی سے بہایا گیا اور محض کلمہ توحید پڑھنے کی پاداش میں کلمہ پڑھنے والوں کو بلا دریغ تہ تیغ کیا گیا اور لاکھوں فرزندانِ توحید ظالم اور وحشی سکھوں اور سفاک اور بے رحم ہندوؤں کے ہاتھوں شہید ہو گئے اور لا تعداد مسلمان اپنے ملک و املاک، قیمتی جائیدادیں، زرخیز زمینیں اور شان دار عمارات چھوڑ کر بہ یک بنی و دو گوش بے سروسامانی کی حالت میں خانماں برباد ہو کر ترکِ وطن پر مجبور ہوئے اور اب در در کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔ ادھر ہندوستھان [ہندُستان] میں چار کروڑ مسلمان وقفِ رحمِ اغیار بن چکے

☆ ۴/۵ جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ بہ مطابق بدھ ۱۴/اپریل/ جمعرات ۱۵/اپریل ۱۹۴۸ء کی درمیانی شب پڑھا گیا۔ محمد اعظم نے اس کی کتابت کی اور دین محمدی پریس، لاہور سے چھپا۔

ہیں، ان کی جان خطرہ میں ہے، ان کا مال خطرہ میں ہے، ان کی عزت و ناموس خطرہ میں ہے، ان کی بیویوں کی عصمت خطرہ میں ہے، وہ ہر طرح سے محصور ہو رہے ہیں، باہر جائیں تو کہاں جائیں اور ٹھہر جائیں تو کس حوصلہ پر؟

پاکستان کا مسلمان بھی کلیتاً غیر محفوظ ہے۔ دشمنانِ اسلام پاکستان کو مٹا دینے اور وہاں کے مسلمانوں کو ختم کر دینے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ ان ناپاک ارادوں کی تکمیل اور ان خوف ناک عزائم کو پورا کرنے کی خاطر زبردست تیاریاں ہو رہی ہیں اور ادھر مسلمان ابھی تک اُسی خوابِ غفلت میں پڑا ہوا ہے اور مشرقی پنجاب، دہلی اور ہندوسکھ ریاستوں کے اندر اس کا جو قتلِ عام ہوا ہے وہ بھی اسے بیدار نہیں کر سکا اور یہ خوں چکاں واقعات بھی اسے ہوشیار نہیں کر سکے۔ حالات بے حد مخدوش ہو چکے ہیں، پانی سر سے گزر چکا ہے۔ پاکستان اور ہندُستان کے مسلمانوں کا مستقبل بہ ظاہر بڑا ناخوش گوار اور تاریک نظر آ رہا ہے اور تقدیر ہماری بے تدبیری پر خندہ زن ہے۔

قدرت کا فتوا ہمیشہ کم زوروں اور بزدلوں کے خلاف ہوا کرتا ہے۔ آج ہم نے ان باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا ہے۔ ڈوبنے والے کی آخری جدوجہد ہے اور مرنے والے کی نزعی سسکیاں اور اس کے بعد یا تو ہم اپنے بلند عزائم، مضبوط ہمتوں، بے مثال قربانیوں اور سرفروشیوں کے طفیل نہ صرف اپنے بے گناہ شہید بھائیوں کا انتقام لیں گے بل کہ مخالفین کو مجبور کریں گے کہ وہ ہمارے سامنے گھٹنے ٹیک دیں اور ہندُستان کے اندر ہمارے باج گزار ہو کر رہیں اور دوسری صورت میں ہم مفتوح و معتوب و مقہور ہو کر اپنے آپ کو دریائے اٹک کی پُرشور موجوں کے حوالے کر دیں گے تاکہ ہماری لاشیں آبی جانوروں کی بھینٹ چڑھ جائیں اور دنیا ایسے کم ہمتوں، بے حمیتوں اور بے غیرتوں کے وجود سے ہمیشہ کے لیے پاک ہو جائے۔

اگر آپ اپنے کام کاج چھوڑ کر تشریف لے آئے ہیں اور اس فقیر کی مخلصانہ دعوت آپ کو یہاں کھینچ لائی ہے تو خدارا ایک آخری فیصلہ کر کے واپس جائے۔ اب باتوں کا وقت نہیں عمل کا زمانہ ہے، رسمی تکلفات کی ضرورت نہیں کچھ کر کے دکھانا پڑے گا۔ خدا کرے ہمارا اجتماع بہ لحاظِ نتائج شان دار ہو اور آج کی صحبت میرے اور آپ کے لیے بہترین روایت کی حامل ہو۔ آمین۔

تحریک حزب اللہ اور اس کا پس منظر

میرے عزیز بھائیو! آج سے اکیس سال پہلے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق اور ہمت کے ماتحت مشیت ایزدی، منشائے الٰہی اور تائید غیبی کے حسبِ ایما اس فقیر نے حزب اللہ کی مبارک تحریک کا آغاز کیا۔ مسلمانوں کے سامنے ایک بہترین عمل اور بلند ترین نصب العین رکھا گیا، انھیں درسِ حریت و سبق آزادی دیا

گیا، اتحاد و یک جہتی کے فوائد ظاہر کیے گئے، اپنے منتشر شیرازہ کو مجتمع کرنے اور اپنی بکھری ہوئی قوتوں کو یک جا کرنے کی توجہ دلائی گئی، ایک بنو اور نیک بنو کا الہامی پیغام پہنچایا گیا اور پھر اس کی مکمل تشریح کی گئی۔ اسی پر اکتفا نہیں بل کہ ان قابلِ عمل و لائقِ پذیرائی اغراض و مقاصد کی نشر و اشاعت کی خاطر یہ فقیر ہر سال مختلف اضلاع میں مسلسل دورے کرتا رہا اور اپنا پیغامِ عمل پہنچاتا رہا۔ تکلیف دہ سفر نے میری صحت پر نہایت ناخوش گوار اثر ڈالا اور مجھے اس کے طفیل متعدد عِلل و اسقام کا آماج گاہ ہونا پڑا مگر بَحَمْدُ لِلّٰہِ کہ ادائے فرض میں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی اور کاروانِ راہ نے راستہ کی صعوبتوں اور رکاوٹوں کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنا سفر جاری رکھا اور منازلِ ہفت خوان طے ہوتے چلے گئے۔

اس ساری تگ ودو، اس ساری جدوجہد، ان با قاعدہ دوروں، ان سیکڑوں جلسوں اور ان بے شمار تقریروں سے مقصود بالذات صرف یہ تھا کہ میری آنکھیں مسلمانوں کا مستقبل دیکھنے لگی تھیں اور عامتہ المسلمین کے لیے یہ راز دروں پردہ تھا۔ میرے کانوں کے اندر نالۂ یتیم، آہِ بیوہ، زخمیوں کی چیخوں اور دم توڑنے والوں کی سسکیوں کے آواز آرہی تھی اور عام لوگوں کے کان اس کی سماعت سے عاری ہو چکے تھے۔ میری بصیرت نے وہ چیزیں دیکھ لیں جن کی وجہ سے بصارت محروم تھی اور اللہ تعالیٰ کے نور کی روشنی میں مَیں نے مسلمانوں کے بھیانک اور خوف ناک، دردانگیز و وحشت ناک مستقبل کا معائنہ کرلیا جس کا کہ عامتہ الناس کے دماغوں میں تصور بھی نہ آسکتا تھا۔

مَیں نے لگی لپٹی بغیر اور کنایۃً و استعارتاً نہیں بل کہ صراحتاً اپنی تقریروں میں ان امور کی وضاحت کی اور کھلے لفظوں میں مسلمانوں کو بتلایا کہ اگر تم نے اپنے مستقبل کو سنوارنے اور اپنی آئندہ زندگی کو بہتر بنانے کا اقدام نہ کیا اور اسی طرح خوابِ غفلت میں پڑے رہے۔ جہاد کے اہم ترین فریضہ کو طاقِ نسیان میں رکھتے چلے آئے اور قومی و ملکی اور اسلامی اور مذہبی فرائض سے تم نے اپنے ذاتی اغراض مقدم رکھے اور نفسانی خواہشات کو قومی مطالبات پر ترجیح دی تو تمھیں ہندُستان کی سرزمین سے بہ یک بنی و دو گوش نکال دیا جائے گا۔ تمھیں ترکِ مذہب یا ترکِ وطن پر مجبور کیا جائے گا اور تمھاری ایمانی کم زوری اور روحانی کم زوری یا جسمانی کم زوری سے تمھارے مخالفین ناجائز فائدہ اٹھا کر تمھیں ملیامیٹ اور نیست و نابود کردیں گے اور ہندُستان کی سرزمین تمھارے لیے ہسپانیہ کی سرزمین بن جائے گی جہاں کہ چھے سو سال تک بڑے طنطنہ و طمطراق سے حکومت کرنے کے باوجود مسلمانوں کو بہ مختلف الحیل مجبور کرکے نکال دیا گیا۔

امیر حزب اللہ نے جو جو باتیں کیں وہ سو فی صدی درست نکلیں۔ میرے قیاسات صحیح نکلے اور میرے اندازے درست۔ اب وہی لوگ جو حزب اللہ کے بلند ترین نصب العین و بہترین اغراض و مقاصد کو شکوک انگیز

نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے اس کی تائید وتصدیق کرنے لگے ہیں اور سَتُبْدِيْ لَكَ الْاَيَّامُ مَا كُنْتَ جَاهِلًا [۳] کے مطابق خود گردش زمانہ نے میرے تصورات کی تصدیق کر دی ہے اور یہ فقیر نہایت وثوق اور اعتماد کے ساتھ اپنے اس پرانے دعوا کو دہراتا ہے کہ مسلمان جب تک ایک اور نیک نہیں بنے گا۔ جب تک کہ کفر وشرک کے مقابلہ میں مسلمانوں کے تمام افراد اور جماعتیں متحد نہیں ہوں گی۔ جب تک مسلمانوں کے دلوں میں خوفِ خدا پیدا نہیں ہوگا، پرہیز گاری اور تقوا پیدا نہیں ہوگا۔ جب تک وہ لالچ اور طمع، نفسانیت وخود غرضی کو ترک کر کے اپنے دلوں میں خلوص وللّٰہیت پیدا نہیں کرے گا۔ جب تک کہ اس کی محبت اور دشمنی کا معیار اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہیں ہوں گے۔ تب تک اس کی زندگی کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ وجہاد فی سبیل اللہ نہیں بنے گا۔ جب تک پاکستان قائم ہو جانے کے باوجود وہ حکومت الٰہیہ کو اپنا مالِ زندگی ومرجع کار نہیں بنائے گا اور جب تک اللہ کے بتائے ہوئے جامع ومانع قانون کو وہ انسان کے بنائے ہوئے ناقص اور نکمے قانون پر ترجیح نہیں دے گا اس وقت تک وہ نہ دنیا میں چین حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کو آخرت کا سکون نصیب ہو سکتا ہے۔

گزشتہ سال اس پر جو ستم آرائیاں ہوئی ہیں، کفار ومشرکین نے اس پر جو یلغاریں کی ہیں اور مسلمانوں کے خونِ ناحق سے مشرقی پنجاب، دہلی اور غیر مسلم ریاستوں میں جو ہولی کھیلی گئی ہے وہ اگر چشم بینا کے لیے سرمہِ بصیرت ہو سکتی ہے اور ان زہرہ گداز وجان گسل واقعات، حوصلہ شکن وصبر آزما حادثات کا اعادہ مسلمان کو اگر پھر منظور نہیں تو اس کی واحد صورت یہ ہے کہ میرے پیش کردہ پروگرام پر مسلمان چلنے لگیں اور جو کچھ ہو چکا ہے اس پر صبر وشکیب کرتے ہوئے جو کچھ ہونے والا ہے اس سے عہدہ برا ہونے کے لیے تیار ہو جائیں اور ترکِ جہاد کی معصیت کے باعث تباہ ہونے والی قوم! اب تو خدارا آنکھیں کھولے اور اگر زبانی نہیں تو کم از کم عملی طور پر حزب اللہ میں شامل ہو کر اپنے مستقبل کو خوش گوار بنانے کی کوشش کرے۔ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ [۴] میری قوم میری تابع داری کرتا کہ مَیں تمھیں سیدھے راستہ پر لے جاؤں۔

گزشتہ سال کے حالات پر تبصرہ

جب سے تاریخ کا سلسلہ کتم عدم سے منصۂ شہود پر آیا ہے انسانی آبادی کے باہم دگر تصادم وتقابل ہونے لگے ہیں اور بعض اوقات انسانیت نے وحشیت وبربریت، حیوانیت وشیطنت کے جذبات سے متاثر ہو کر اپنے آپ کو بالکل کھو دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی یہ خوب صورت زمین جس پر قدرت نے اپنے دستِ خاص سے قسم قسم کی گلکاریاں اور طرح طرح کی رعنائیاں پیدا کی ہیں انسان کے بے رحم اور سفاک ہاتھوں سے خود

انسانی خون کے دھبوں سے بدنما ہونے لگی ہے۔ ایسا مہیب دور اور ایسا ہیبت ناک زمانہ آج تک نہیں آیا جس میں کہ انسان نے اپنے اخلاق کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہو۔ اس کی فطرت رحم و درگزر سے عاری، اس کی جبلت ملاطفت ولینیت سے ناآشنا ہو چکی ہو۔

انسان بدء[ابتدائے]شعور سے جنگ وجدال، حرب وقتال کا خوگر ہے اور اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر سیکڑوں نہیں ہزاروں لڑائیاں لڑی جا چکی ہیں اور کون سا ملک یا علاقہ ہے جہاں کہ توپوں کی گرج، بندوق کی دنادن، تلواروں کی چخ چخ اور ٹینکس کے ہارن سنائی نہ دیے ہوں؟ اور جب تک جوع الارض کی نامراد مرض میں انسان مبتلا ہے۔ یہ چیزیں اب روزمرہ کے واقعات میں شمار ہونے لگی ہیں لیکن یہ کہیں نہیں سنا گیا کہ ایک علاقہ میں بسنے والے لوگ محض اس بنا پر کہ ہمارے ہمسائے عقیدہ کے اعتبار سے ہمارے ہم نوا کیوں نہیں اور وہ گوردواروں یا مندروں کی جگہ مسجدوں میں کیوں جایا کرتے ہیں اور بتوں اور دیویوں کی پوجا کرنے کی جگہ وہ ایک واحد لاشریک کی پرستش کیوں کرتے ہیں، حقِ ہمسائیگی، دیرینہ مراسم، خاندانی تعلقات کو بالائے طاق رکھ کر چند شوریدہ سر اور متفنی افراد کے بہکانے سے مشتعل ہو کر دوسری جماعت پر اچانک حملہ آور ہو گئے ہوں اور اپنی وحشت اور درندگی کا وہ مظاہرہ دنیا کو دکھلایا ہو جس کا تصور بھی لرزہ براندام کرنے والا ہے۔ ان عفریتوں، سانپوں اور بچھوؤں نے اپنے دستِ ظلم کا نشانہ صرف مردوں کو نہیں بنایا بل کہ چھوٹے معصوم بچے بھی ان کے نشانہ ستم سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ صنفِ لطیف اور کم زور مخلوق نے جس کا احترام ہر زمانہ میں کیا گیا ہے، اس پر ہاتھ اٹھانا پرلے درجے کی بزدلی اور جرم قرار دیا گیا ہے۔ ان موذیوں اور درندوں کے ہاتھوں وہ ہول ناک مظالم برداشت کیے ہیں، اس وحشیانہ طریق سے ان کی بے عزتی اور عصمت دری کی گئی ہے اور ان کے ساتھ وہ ناقابل برداشت سلوک روا رکھا گیا جسے دیکھ دیکھ اخلاق نے سر پیٹ لیا اور انسانیت اب تک ماتم کناں ہے اور لطف یہ کہ سب کچھ ایک گہری اور ناپاک سازش کے ماتحت ہوا اور اس کی ذمہ داری صرف بہائم[درندہ] صفت اور وحشی سکھوں کے عام اور جاہل طبقہ اور کمینہ خصلت اور مہاسبھائی زہریلے جذبات رکھنے والے عام ہندوؤں کے سر پر نہیں بل کہ کئی سکھ ریاستوں کے فرماں روا، سکھوں کے چوٹی کے لیڈروں کے وہ رہ نما جو ساری دنیا کے سامنے اب تک اپنی اصول پسندی اور انصاف پروری کا ڈھنڈورا پیٹتے چلے آئے ہیں اس مسلم کشی اور مسلمانوں کو مکمل طور پر تباہ و برباد، تاخت وتاراج کر دینے والی سازش میں برابر کے حصہ دار تھے۔

دراصل مدت مدید سے ہندوؤں اور سکھوں کے گھر یہ کھچڑی پک رہی تھی کہ اس وقت کے متحدہ ہندُستان سے مسلمان کو بہ حیثیت القوم کس طرح نکال دیا جائے؟ اور کس طریق سے ہندُستان کو صحیح معنوں میں ہندُستان بنایا جائے؟ تجویز یہ تھی کہ ادھر انگریز کا تصرف اور اقتدار ختم ہوا اور ادھر تمام اختیارات یہ قومیں سنبھالیں

اور کسی نہ کسی بہانہ سے بہار کے خون چکاں اور الم ناک حادثہ کو بہ تدریج سارے ملک میں دھرایا جائے اور مسلمان کو مجبور کر دیا جائے کہ وہ ہندُستان کی سرزمین سے ہجرت کر کے کسی دوسرے ملک میں چلا جائے اور یا وہ اپنے تمدن، اپنی تہذیب، اپنی ثقافت، اپنے کلچر، اپنی زبان، اپنی معاشرت بل کہ اپنے مذہب کو کلیتًا ترک کر کے اپنے آپ کو ہندوازم یا سکھ ازم میں مدغم کر دے تا کہ ان کی خواہش کے مطابق سارے ہندُستان کی قومیت ایک ہو، سیاست ایک ہو اور دوقوموں کا نظریہ بالکل مٹ جائے۔

تقسیمِ ہندُستان کے خلاف ابنائے وطن نے جس جوش وخروش سے مخالفت کی ہے اور ہر ایک مرحلہ پر جو طوفانِ بدتمیزی مچایا ہے اس کے اندر یہی جذبات کارفرما تھے اور بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر یہ تقسیم کی صورت پیدا نہ ہوتی اور مسلمان اپنی نیک دلی یا خوش اعتمادی سے متحدہ ہندُستان کو مان لیتا تو آج اسے کہیں بھی سر چھپانے کو جگہ نہ ملتی اور مشرقی پنجاب، دہلی اور ہندو سکھ ریاستوں سے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو کہیں بھی ٹھکانا نہ ملتا اور ان کے لیے سوائے دریاؤں میں ڈوب مرنے یا کنوؤں میں پھاند جانے کے اور کوئی چارہ کار نہ رہتا۔ یہ مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ قائدِ اعظم صاحب کے مسلمہ تدبر اور سیاست دانی کے طفیل اور انگریزوں کی مصلحت بینی اور دور اندیشی کے باعث پاکستان مل گیا اور ہندو اور سکھ کو بھی اسے بادل ناخواستہ تسلیم کرنا پڑا۔

مگر جب ان قوموں نے دیکھا کہ اب کوئی طاقت پاکستان بننے میں رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتی اور انگریزوں نے فیصلہ کر لیا کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو تمام اختیارات دونو [دونوں] ڈومینوں کے سپرد کر دیے جائیں گے تو ایک طرف انھوں نے اس تاریخ کو جشنِ آزادی منانے کی ٹھان لی اور دوسری طرف اس ہولی کو مسلمان کے خون سے کھیلنے کا تہیہ کر لیا۔ ادھر مسلمان اپنی سادہ لوحی اور حسن ظنی کی وجہ سے بالکل غافل تھا اور اس کے وہم وگمان میں یہ بات نہ تھی کہ ہماری ہمسایہ قومیں جن کے ساتھ ہمارے دوستانہ تعلقات پشت ہائے پشت سے چل رہے تھے اور بہ ظاہر آپس میں شکر رنجی یا بگاڑ کی کوئی صورت نہ تھی یا غایت مافی الباب چند سیاسی اختلافات تھے جن کا فیصلہ بھی تمام قوموں کے صلاح ومشورہ اور باہمی افہام وتفہیم سے ہو چکا تھا۔ اس لیے مسلمان بھی اپنے برادران یوسفؑ [۵] سے مل کر اس مسرت انگیز وبہجت آمیز [خوش گوار] تقریب پر خوشی منانے کے لیے تیار ہو گیا اور اس خیال سے بہ درجۂ غایت مسرور ہوا کہ اب دونوں قومیں انگریز کی صد سالہ گرفت سے چھٹکارا حاصل کرنے والی ہیں اور ملک کی آزادی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہو گی جس سے کہ ملک کے تمام باشندوں کو متمتع ہونے کا موقع مل سکے گا مگر یہاں تو سر منڈاتے ہی اولے پڑنے [۶] کا قصہ ہو گیا۔

ابھی پندرہ اگست کا جشنِ آزادی منانے کا وقت ہی نہ پہنچا کہ مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا گیا اور

بہ یک وقت ڈویژن ہائے جالندھر وانبالہ، ریاست ہائے پٹیالہ، نابھا، جیند، فرید کوٹ، کپورتھلہ اور بھرت پور میں مسلمانوں کا قتلِ عام ہونے لگا۔ اگر مقابلہ صرف سول آبادی میں بسنے والے مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کا آپس میں ہوتا تو یقیناً صورت حالات اس سے مختلف ہوتی مگر یہاں تو مسلمانوں کو ختم کرنا مقصود تھا۔ اس لیے ہندو اور سکھ ریاستوں کی تمام فوجوں، ہندُستان کے تمام غیر مسلم فوجیوں، ہندو اور سکھ پولیس کے تمام سپاہیوں نے مسلح ہو کر بہ یک وقت مسلمانوں پر ہلہ بول دیا اور یہ ظالمانہ اور وحشیانہ اقدام اس سُرعت اور برق رفتاری سے ہوا کہ مسلمانوں کو سمجھنے کا موقع بالکل نہیں مل سکا۔ گولیوں کی اچانک بوچھاڑ اور تلواروں اور کرپانوں کا بہ یک وقت میانوں سے نکل کر مسلمانوں کے سینوں میں پیوست ہو جانا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ یہ صحیح بات ہے کہ مسلمان تابِ مقاومت [مقابلے کی طاقت] نہیں لا سکا اور نہ ہی اسے دماغی توازن قائم رکھنے کا موقع مل سکا ہے۔ اس سے بڑھ کر قیامت اور کیا ہوگی جو مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی اور اس سے بڑھ کر مصیبت کا تصور اور کیا ہو سکتا ہے جو مسلمانوں پر وارد ہوئی؟

اگر آپ کے دل میں درد کا شائبہ تک موجود ہے اور آپ کے احساسات میں انسانی ہمدردی کی ایک جھلک تک باقی ہے تو آپ اندازہ لگائیں کہ مسلمانوں کے گاؤں پر دس ہزار مسلح سکھ اچانک حملہ کر دیتے ہیں۔ آبادی بالکل بے فکر تھی، رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، لوگ اپنے بستروں پر بڑے خراٹے لے رہے تھے کہ وحشی اور درندے انسانوں کی شکل میں گاؤں کے اندر گھس آتے ہیں اور اندھا دھند بندوقوں برین گنوں، اور سٹین گنوں کی باڑھ شروع ہو جاتی ہے۔ گھروں کے اندر دستی بم پھینکے جا رہے ہیں، لوگ بے تحاشا باہر بھاگنے لگتے ہیں اور گھر سے نکلتے ہی تلواروں، کرپانوں، کلہاڑیوں اور چھریوں والے سکھوں سے ان کی مڈبھیڑ ہو جاتی ہے جو کہ انھیں گاجر مولی کی طرح ذبح کر دیتے ہیں اور جن کی سنگ دلی کا یہ عالم کہ ننھے ننھے بچوں کی درد بھری چیخیں، بے چاری عورتوں کے دردناک شور وشیون [چیخ و پکار] ضعیف، کم زور اور بوڑھوں کی عاجزانہ التجاؤں کا ان کے پتھر کے بنے دلوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور جب تک کہ مسلمانوں کا ایک بچہ بھی موجود ہے ان کی خون آشام تلواریں نیام میں نہیں آتیں۔

ادھر مسلمان مہاجرین کا ایک قافلہ پاکستان کو جا رہا ہے جو غریب ڈر کے مارے گھر کا تمام اثاثہ، اپنی تمام منقولہ وغیر منقولہ جائیدادیں چھوڑ کر صرف تین کپڑوں میں ملبوس اپنی جان اور اپنی عزت و ناموس کو بچانے کی خاطر گھر سے نکلے ہیں۔ راستے میں ظالم اور لٹیرے انھیں گھیر لیتے ہیں۔ پہلے ان پر گولیاں چلا کر انھیں مرعوب کیا جاتا ہے پھر ان کا ہر مرد اور بچہ تہ تیغ کر دیا جاتا ہے اور جوان عورتوں کو بھیڑ بکری کی طرح ہانک کر لے جاتے ہیں اور پھر ان کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کیا گیا ہے، جس طریق سے ان کی عصمت دری کی گئی ہے اور مال مویشیوں

کی طرح انھیں ایک دوسرے کے ہاتھ فروخت کیا گیا ہے یہ داستانِ الم سنانے کا نہ مجھے حوصلہ ہے اور اس کے سننے کی نہ آپ میں طاقت۔

؎ سرکنم نالہ اگر تاب شنیدن داری
سینہ بشگافم اگر طاقت دیدن داری ۷

ہلاکو خان اور چنگیز خان کے ظلم کی داستانیں اس جور و تعدی کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہیں۔ بخت نصر کا قتل عام اس کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے اور مبصر کا یہ قول سو فی صدی درست ہے کہ صرف اسلامی تاریخ میں نہیں بل کہ انسانی تاریخ میں اس واقعہ ہائلہ [ہول ناک] اور اس فاجعہ عظیم کی کوئی مثال موجود نہیں۔ آج تک کسی انسانی نہیں بل کہ حیوانی غول نے اپنے بنی نوع کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا جو کہ ۱۹۴۷ء کے اندر ساری مہذب دنیا کے سامنے کیا گیا ہے اور جب تک انسانی مخلوق اس دنیا کے اندر موجود ہے، دردمند افراد ہمیشہ اس واقعہ کو یاد کر کے خون کے آنسو بہایا کریں گے اور اس سانحہ کی یاد ان کے لیے سوہانِ روح بنی رہے گی۔

دس لاکھ سے زائد مسلمانوں کا قتل، پچاس ہزار کے قریب مسلمان عورتوں کا اغوا، ایک کروڑ کے لگ بھگ مسلمانوں کی ہجرت یا مجبوری حالات میں ترکِ وطن کوئی معمولی بات ہے؟ اور کیا ہم یا ہماری آئندہ نسلیں اسے بھول سکتی ہیں؟ آپ کہتے ہیں صبر و ضبط سے کام لیں تحمل و برداشت شیوۂ اسلام ہے، مسلمان مصیبت میں گھبرایا نہیں کرتا، مسلمان پر آزمائش آیا کرتی ہیں۔ یہ درست ہے اور بہ حیثیت مسلمان کے اسلامی تعلیمات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا ہمارا فرضِ اولین کہ ہم بامتثال حکم [حکم کی تعمیل میں] آہ و بقا نہیں کریں گے، جزع فزع [چیخ و پکار] نہیں کریں گے، سینہ کوبی ہمارے ہاں ممنوع ہے لیکن ان زہرہ گداز و جان گسل واقعات کی یاد کو ہم کبھی بھول نہیں سکتے۔ مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے حالات کو ہم کسی صورت فراموش نہیں کر سکتے۔

حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہمیں قیامِ امن کی ترغیب دے۔ اربابِ بست و کشاد اپنی سیاسی اور ملکی مصلحتوں سے مجبور ہیں کہ وہ ہمیں اپنے جذبات قابو میں رکھنے پر آمادہ کار بنائیں اور ہم خود بھی کوئی ایسی حرکت نہیں کرنا چاہتے جس سے کہ ہماری نوزائیدہ حکومتِ پاکستان کے نظم و نسق میں خلل واقع ہو بل کہ ایک امن پسند شہری کی طرح ہمارا یہ فرض ہے کہ اپنی اسلامی ریاست کے قیام میں ہم نے جو عملی حصہ لیا ہے اسی طرح اس کے بقا و استحکام میں بھی اس کے معاون کار اور مددگار رہوں۔ بایں ہمہ ہماری اپنی غیرت، جذبہ ملی اور اسلامی عصبیت کا یہ تقاضا ہے کہ مناسب وقت آنے پر ہم اپنے معصوم ذبح کیے ہوئے بچوں کے خون، باعصمت اور حیادار بہنوں، ماؤں اور بیٹیوں کی عصمت دری اور بے گناہ اور مظلوم بھائیوں کے ناحق قتل کا بدلہ لیں اور یہ انتقام لینے کی خاطر اپنی تیاری مکمل کر رکھیں۔ جب کہ نص قطعی کے مطابق وَ لَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰأُولِى الْاَلْبَابِ۔ ۸

اگر ہم نے بدلہ اور قصاص نہ لیا تو پھر ہم زندہ نہیں رہ سکیں گے بل کہ بے غیرتی اور بے ہمتی کی ملعون زندگی بسر کر کے خیب وخسران [ذلت ونقصان] کی غیر طبعی موت سے مر جائیں گے اور بدلہ لینے کی صورت میں ہماری زندگی رشکِ ارم ہوگی۔ ہماری موت جسے قرآنِ حکیم نے بَلْ اَحْیَآءٌ [9] زندگی سے تعبیر فرمایا ہے۔

مقصد تو صرف گزشتہ سال کے حالات پر تبصرہ تھا اور ماضی قریب پر ایک عبرانی نظر ڈالنی۔ مندرجہ بالا امور کی حیثیت تو سلبی تھی۔ اب ایجابی صورت یہ ہے کہ ۱۵۔ اگست کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہماری دیرینہ تمنائیں برآئیں، مسلمان کے عمق قلب [دل کی گہرائیوں] سے نکلنے والی دعائیں مستجاب ہوئیں اور پاکستان کا وہ خواب جو پہلے ڈاکٹر محمد اقبال (مرحوم) کو نظر آیا اور بعد میں قائداعظم مسٹر محمد علی جناح دیکھتے چلے آئے اس کی تعبیر عملی رنگ میں ظاہر ہوگئی اور ہندُستان کو دونو [دونئ] آبادیات ہندوستھان [ہندُستان] اور پاکستان کی شکل میں تقسیم کر دیا گیا۔

تقسیم کے فوائد یا مضرات پر اب بحث لاحاصل ہے جب کہ تقسیم ہو چکی ہے اور ملکی حالات، قومی تعصّبات اور ناپاک جذبات کے پیش نظر ضرور ہونی چاہیے تھی اور یہ ہماری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے پاکستان بنتے دیکھ لیا اور ہمارے کانوں نے پاکستان بن جانے کے نغمہ ہائے جان نواز سن لیے۔ دنیا میں آزادی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور نہ غلامی سے بڑھ کر کوئی لعنت۔ ہندو تو اس لیے خوشی کے شادیانے بجاتا ہے کہ اس نے انگریز کی حکومت سے رہائی حاصل کر لی اور ایک ہزار سال کے غلام نے آزادی کا سانس لیا اور ہمیں اس لیے مسرت ہے کہ جس زمین پر ہمارے آباؤاجداد نے ایک ہزار سال تک بلاشرکت غیرے حکومت کی اور پھر گردشِ لیل ونہار و نیرنگیٔ روزگار سے ہمارا تاج وتخت چھن گیا اور ہماری گم راہی وضلالت، تن آسانی و غفلت، ترکِ جہاد وایثار کے طفیل ایک صدی سے زائد غلامی کا طوقِ لعنت ہمارے گلے میں پڑا رہا۔ اب قدوس بندہ نواز کے الطاف ومراحم [مہربانی] کے باعث ہماری گردن سے اتار لیا گیا ہے اور ہم اس وقت اتنے ہی آزاد ہو چکے ہیں جتنی کہ کوئی قوم موجود زمانہ میں آزاد ہو سکتی ہے۔ دنیا کی حکومتوں میں بہ لحاظِ وسعتِ آبادی پاکستان کا پانچواں درجہ اور اسلامی ممالک میں پہلا درجہ ہے اور پھر ہماری جماعت حزب اللہ کو تو خوشی منانی چاہیے کہ تعمیرِ پاکستان میں ہم سب سے پیش پیش رہے اور ان شاء اللہ تکمیلِ پاکستان میں بھی ہم مسابقت کریں گے۔

قیام کے بعد اِستحکامِ پاکستان

تمام دنیا کے لوگ سن چکے ہیں کہ مسلمانوں کے متفقہ مطالبہ کی منظوری قیام پاکستان کی شکل میں ظاہر ہو چکی ہے۔ ۱۵ جون ۱۹۴۸ء کی مقررہ میعاد سے پہلے ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو ہی ہندُستان کو دو حصوں میں تقسیم کر

کے ایک کا نام ہندوستھان [ہندُستان] اور دوسرے کا نام پاکستان رکھ دیا گیا ہے۔ دونئ حکومتوں کو درجہ مستعمرائی یا ڈومین حاصل ہو چکا ہے۔ دونوں کا ایک جیسا رتبہ قائم ہو چکا ہے اور انھیں قریباً مکمل آزادی مل چکی ہے اور برطانیہ کے ساتھ نوآبادیات کے تعلقات قائم رکھنے یا نہ رکھنے، اب دونوں حکومتوں کے اربابِ بست وکشاد کی مرضی پر منحصر ہے۔ ہندوستھان [ہندُستان] میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہاں کے نظم ونسق کا جو حال ہے اور وہاں کی پارٹیاں آپس میں اگر دست وگریباں ہو رہی ہیں اور گاندھی جی کا افسوس ناک قتل جن شرارت آمیز جذبات کے ماتحت ہوا ہے ہمیں ان معاملات سے کوئی خاص دل چسپی نہیں اور اگر ہمدردی ہے تو وہاں کے بے چارے چار کروڑ مسلمانوں کے ساتھ جو کہ اس تقسیم کے بعد کلیتًہ وہاں کی متعصب اور ظالم حکومت کے رحم پر ہیں اور ان کی جان مال، عزت وناموس ہر وقت خطرہ میں ہے اور خداوند کریم کی ذات ہی ہے جو کہ ان غریبوں کو ان ظالموں اور سفاکوں کی دست برد سے محفوظ رکھ سکیں۔

اب دیکھنا تو یہ ہے کہ تائیدِ ایزدی اور الطافِ خداوندی سے پاکستان تو بن گیا۔ قائداعظم صاحب حق بہ حق دار رسید[۱۰] کے مطابق گورنر جنرل بھی بنا دیئے گئے۔ آئین ساز اسمبلی یا پاکستان کی اسمبلی کا ایک اجلاس بھی ہو گیا۔ پاکستان کے نوٹ اور سکے بھی رائج ہو گئے۔ ڈاک خانہ میں پاکستانی ٹکٹ بھی آ گئے مگر کیا وہ توقعات اور امیدیں جو عامتہ المسلمین کو قدرتی طور پر پاکستان سے ہونی چاہئیں تھیں پوری ہوئی ہیں یا نہیں؟ کیا خودمختار اسلامی سلطنت کے اندر شرعی قوانین کا اجرا ہوا ہے؟ کیا دستور ساز اسمبلی نے آئین اسلامی کے نفاذ وترویج کے متعلق غیر مبہم الفاظ میں کوئی اعلان کیا ہے؟ کیا منہیات شرعیہ چوری، شراب، زنا، قماربازی کے انسداد واستیصال کے لیے کسی قسم کی عملی کارروائی کی گئی ہے؟ کیا حدودِ شرعیہ قائم کرنے کی خاطر کوئی محکمہ بنایا گیا ہے؟ کیا مساجد کے احترام اور قرآن وحدیث کی تعلیم کی خاطر مدارس کے قیام کی کوئی سبیل پیدا کی گئی ہے؟ اور اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو خدارا بتلایئے کہ پاکستان نے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچایا؟ اور اگر حکومت واصحابِ اقتدار کی امورِ دین واحکامِ شریعت سے بے توجہی اور بے اعتنائی کی یہی صورت رہی تو پھر حکومت برطانیہ اور حکومت اسلامیہ میں فرق کیا رہا؟

ہم پاکستان کے ارباب بست وکشاد کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہیں اور اسلامی حکومت کی وفاداری ہمارا جزو ایمان مگر حکومت کے ذمہ دار اصحاب کا بھی یہ فرض اولیں ہے کہ کہ وہ پاکستان کو صحیح معنوں میں پاکستان بنانے کی کوشش کریں ورنہ موجودہ حالات بے حد صبر آزما اور حوصلہ شکن ہیں۔ ادھر پاکستان بنا ادھر لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہو گیا اور اس لوٹ کا دائرہ یہاں تک وسیع ہوا کہ راعی اور رعایا دونوں کے ادنیٰ اور اعلا افراد نے ماشاءاللہ دستِ تغلب وتصرف دراز کرنے میں ایک دوسرے سے مسابقت اختیار کی اور بعض وہ متدین

[دین دار] اور متقی اصحاب بھی جن کی ساری عمر ہم چو قسم بد دیانتیوں سے محفوظ رہ چکی ہے اس لوٹ میں شامل ہو گئے اور غیر مسلموں کے مال و متاع کو شیرِ مادر سمجھ کے بے ڈکار ہضم کر گئے۔ ہم مزید تشریح و تفصیل میں کیوں جائیں یہاں تو این خانہ ہمہ آفتاب است" والا معاملہ ہے اور تفتیشِ جرائم کرنے والے یہاں آ کر خود جرائم کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ اگر یہ درست ہے کہ غیر مسلم جو چیزیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں وہ حکومت کی ملکیت ہیں تو پھر یہ خائن اور غدار حکومت کے چور ہیں اور اگر ابھی تک اخلاقی یا قانونی اعتبار سے وہ چیزیں اپنے اصل مالکوں کے مِلک سے باہر نہیں جا چکیں تو پھر چوری ہر حالت میں چوری ہے خواہ کسی مسلمان کی ہو یا غیر مسلم کی اور شریعت کے اندر ایک جرم کا ارتکاب ممنوع ہے اور یہاں کسی مذہب کی تخصیص نہیں یہ تو رہا دن دہاڑے لوٹ کھسوٹ کا حال۔

قیامِ پاکستان کے بعد مروجہ قانون کی جو مٹی پلید ہو رہی ہے اور جس کھلے طریق سے چوری، ڈاکہ زنی، قتل عمد، اغوا، تخویفِ مجرمانہ [ناجائز دھمکیوں] کی جو وارداتیں ہو رہی ہیں اور پاکستان کے اندر جو لاقانونی، بدامنی اور دہشت انگیزی پھیلی ہوئی ہے اسے دیکھتے ہوئے حیرت و استعجاب دامن گیر ہوتے ہیں کہ کیا یہی وہ پاکستان تھا جس کے حاصل کرنے کی خاطر مسلمان مدت ہائے مدید سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتے رہے اور جس کے حاصل کرنے کی تگ و دو میں انھیں کئی قسم کی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ سول نافرمانی ہوئی، قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں تب کہیں جا کر ہمارا دامن مقصود گوہرِ مراد سے بھرا۔ بعض ناعاقبت اندیش اصحاب یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دے لیتے ہیں کہ ایسے انقلابات کے بعد اس قسم کی خرابیاں قدرتی طور پر پیدا ہو جاتی ہیں لیکن رفتہ رفتہ حکومت کے استحکام کے بعد خود بہ خود ان کا ازالہ ہو جائے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب تک پاکستان والوں نے اصولی طور پر اس خداداد حکومت کے اندر تبدیلیاں نہ کیں اور انسان کے بنائے ہوئے ناقص اور نامکمل قانون کو کلیتہً ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے مکمل اور جامع قانون کی طرف رجوع نہ کیا، یہ طوائف الملو کی اور یہ بدامنی کسی حالت میں رفع نہیں ہو سکتی جب کہ موجودہ تعزیراتِ ہند کے دفعات جرائم کی روک تھام کرنے کی جگہ جرائم کی حوصلہ افزائی کرنے والے ہیں اور قانون کی گرفت اور دباؤ اتنا کم زور ہے کہ مجرم اس سے خائف اور ترساں ہونے کی جگہ اس کی آڑ لے کر جرم کرتے ہیں اور قانونی موشگافیاں انھیں صاف بری کرا دیتی ہیں۔ جرم کی روک تھام کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ خشیت الٰہی ۲۔ تعزیر کا ڈر

اور یہاں دونوں چیزیں مفقود ہیں۔ ایمانی کم زوری اور عام طبیعتوں میں کفر و الحاد کے گھر کر جانے کے باعث خوفِ خدا تقریباً ناپید ہو چکا ہے اور چوں کہ جرم کی نوعیت کے مطابق سزا بہت ہلکی ہے اس لیے لوگ

سزا کو معمولی اور قابلِ برداشت سمجھ کر جرائم کا کھلم کھلا ارتکاب کرتے ہیں اور نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ کسی شریف کی عزت بدمعاشوں کے ہاتھوں محفوظ نہیں، کوئی شخص ڈر کے مارے اکیلا سفر نہیں کر سکتا، غنڈوں کے حوصلے بڑھ چکے ہیں جب کہ انھیں قانون کا کوئی ڈر نہیں اور خیانت پیشہ لوگ اسی وجہ سے دلیر ہو گئے ہیں کہ بددیانتی کی لعنت میں غریب طبقہ سے لے کر اعلا طبقہ تک سب پھنس چکے ہیں اور جب جرم کی نوعیت ایک ہے تو پھر طبقات کی تمیز کیسے ہو سکے؟ اصلاح کی بہ ظاہر کوئی صورت نہیں۔ تفتیشِ جرائم کرنے والے خود مجرم ہیں اور عدالت کرنے والے خود غاصب، محافظ لٹیرے ہیں اور محتسب خائن۔ سانپ تو نکل گیا مگر لکیر موجود ہے۔[۱۲] انگریز تو چلا گیا مگر اس کا بنایا ہوا ملعون قانون ابھی تک پاکستان پر مسلط ہے۔

ان واقعات کی روشنی میں بہ حیثیت پاکستانی کے دلی ہمدرد و خیر خواہ ہونے کے ہم نے اس امر پر غور کرنا ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد اس کا استحکام کیسے ہو سکے اور یہ ملک جسے قائم ہوئے صرف ابھی آٹھ ماہ کا قلیل عرصہ ہو چکا ہے اور جو ایک طرف کفار و مشرکین کی نظر میں کانٹا بن کر کھٹک رہا ہے اور وہ یہ چاہتے ہیں کسی نہ کسی ذریعہ سے اسے تاخت و تاراج کر دیا جائے اور لڑائی جھگڑا کر کے، اقتصادی دباؤ ڈال کر، ناکہ بندی کر کے اسے مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی حاصل کردہ آزادی ترک کر کے ان کے ظلِ عاطفت میں پناہ لینے پر مجبور ہو جائے اور دوسری طرف اندرونی جھگڑے، بدامنی، بدنظمی نے اس کی جڑیں کھوکھلی کر رکھی ہیں، جرائم کی تعداد میں روز بہ روز اضافہ ہو رہا ہے، وارداتیں بڑھ رہی ہیں اور حکومت ان کی روک تھام سے عاجز آ چکی ہے۔ کون سی عملی تدابیر اختیار کرنی چاہییں جن سے کہ پاکستان اپنے دشمنوں سے بھی محفوظ رہ سکے اور اس کا بگڑا ہوا نظم و نسق بھی درست ہو جائے؟ چناں چہ بہ طور لف و نشر غیر مرتب ہم پہلے اس کی اندرونی اصلاح و درستی پر نظر ڈالتے ہیں اور پھر بیرونی حملوں کی روک تھام کا مسئلہ بیان کریں گے۔ وَبِیَدِہِ التَّوْفِیْقُ۔[۱۳]

حکومت الٰہیہ کی ضرورت و اہمیت

؎ آنکہ دل ہا را ہمی آرد بوجد ۔۔۔ باز گو از نجد و از یاراں نجد[۱۴]

حضرات! گزشتہ انتخابات کے موقع پر مسلم لیگ والوں نے رائے عامہ کو ہم خیال بنانے کے لیے ایک رجز خوانی شروع کر رکھی تھی اور پاکستان کی تشریح کرتے ہوئے یہ کلمات ہر ایک رضا کار اور ورکر کی زبان پر تھے کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ عام مسلمانوں نے یہی سمجھا اور یہی سمجھنا چاہیے تھا کہ پاکستان کا قیام حکومت الٰہیہ کے مرادف ہوگا اور ہر ایک مسلمان کے دل میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ ادھر اگر پاکستان مل گیا تو ادھر احکامِ شریعت کا نفاذ ناگزیر ہے۔ اسلامی ریاست کے اندر اسلامی آئین ہی رواج

پذیر ہوگا اور غیر مسلم حکومت نے جو ناقص قانون ہمارے سر پر تھوپ رکھے ہیں، ہماری دستور ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس میں ہی انھیں کلیۃً منسوخ کر کے ان کی جگہ اسلامی اور شرعی احکام نافذ کیے جائیں گے اور یہ توقعات ہر مسلمان کے دل میں پیدا ہونا قدرتی طور پر درست ہیں کیوں کہ مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں کہلا سکتا جب تک کہ وہ اپنے آپ کو اسلام کے قائم کردہ اصول وضوابط کے ماتحت نہ لے آئے اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات کی تعمیل سے سر مو گریز یا تجاوز کرے گا اس کا نام مسلم نہیں بل کہ نصِ قرآنی کے مطابق فاسق ہوگا۔[۱۵] پہلے تو یہ ایک عذر لنگ بھی موجود تھا کہ جس صورت میں کہ غیر مسلم آبادی بھی پاکستان میں شامل ہے ہم ترتیبِ آئین میں صرف اسلامی احکام کو کیوں مقدم رکھیں جب کہ وہ شرعاً ان احکام کے مکلّف نہیں مگر آج تو یہ عذر بھی تمام غیر مسلم طبقات کے پاکستان سے چلے جانے کی وجہ سے رفع ہو چکا ہے۔

اس معاملہ میں ہم غیر ضروری تاویلات کے قائل نہیں اور کوئی بھی غلط استدلال خواہ وہ کسی کی طرف سے پیش کیا گیا ہو ہمیں اس میں مطمئن نہیں کر سکتا کہ قرآن حکیم کی موجودگی میں ہم کسی دوسری کتاب کی طرف ترتیبِ آئین و دستور میں رجوع کریں۔ آئینِ ٹرکی [ترکی]، آئینِ ایران، آئینِ افغانستان بل کہ آئینِ عرب کو ہم پائے استحقار سے ٹھکرا دیں گے۔ اگر اس کے اندر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے قانون کی جگہ کسی انسان کے بنائے ہوئے قانون کا عمل دخل ہوا۔ ہم ایک سچے مسلمان کی طرح سیاسی مصلحتوں، ملکی فوائد اور اقتصادی ترقیوں سے بے نیاز ہو کر یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر ظاہری طور پر ہمیں دنیاوی نقصان بھی برداشت کرنا پڑیں۔ ہمارے مالیات پر خدانخواستہ بُرا اثر بھی پڑ جائے۔ یورپ کی منڈیوں میں اگر ہماری ساکھ برقرار نہ بھی رہ سکے تو اس کی پروا نہیں۔ ہم کسی حالت میں بھی قرآنی تعلیم، اسلامی احکام اور شرعی قانون سے باہر نہیں جا سکتے اور اگر ہمارا یہ عقیدہ ہے اور صحیح عقیدہ ہے کہ ہم ایک واحد لاشریک کی رعایا ہیں، وہی ہمارا حاکم الحاکمین ہے اور وہی ہمارا حقیقی بادشاہ ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ذات واجب الوجود کو اپنا حکم ران تسلیم کر کے اس کے مصدرہ [جاری کردہ] احکام کی خلاف ورزی کرنے لگیں بل کہ ہمارا فرضِ اولیں ہے کہ مالک الملک نے جو احکام آج سے تیرہ سو سال پہلے نافذ فرمائے تھے اور جو حدود قائم کی تھیں اور درمیان میں مجبوریٔ حالات اور غیر مسلم تصرف وتقلب سے ان کا نفاذ واجرا نہ ہو سکا مگر اب جب کہ اسی کے لطف وکرم سے ہمیں آزادی مل چکی ہے اور ہم نے انتظامی معاملات خود طے کرنے ہیں اور دستور خود بنانا ہے تو ہم کیوں قرآن حکیم اور اس کی تفسیرِ حدیث اور فقہ سے بے اعتنائی کریں اور دنیاوی مصلحتوں کی وجہ سے ہماری نظریں کبھی امریکا کی پارلیمنٹ کا جائزہ لینے لگیں اور کبھی الحاد زدہ ترکی کی ظاہری ٹیپ ٹاپ سے متاثر ہو کر اس کے غیر اسلامی اور غیر شرعی مرتب کردہ آئین کی طرف اٹھنے

لگیں؟

ہمارے پاس بہ فضلہ تعالیٰ دنیا بھر کی کتابوں کی جامع و مانع کتاب موجود ہے جس پر لفظی نہیں بل کہ معنوی طور پر صدیوں تک عمل ہوتا چلا آیا۔ جو امن کی ضامن، تہذیب کی علم بردار اور مدنیت کی محافظ ہے اور جس کے اجرا کے بعد یہ تمام بدعنوانیاں ان شاء اللہ رفع ہو جائیں گی۔ بدنظمیاں باقی نہیں رہیں گی۔ چوروں کے ہاتھ کاٹے جانے کے بعد چوری کا قلع قمع ہو جائے گا۔ زانی کو سنگ سار کرنے اور کوڑے لگائے جانے سے زنا کی مکمل طور پر روک تھام ہو جائے گی۔ شراب نوشوں کو درے لگانے سے بادہ آشامی [شراب نوشی] کا خاتمہ ہو جائے گا۔ سینماؤں پر احتساب ہو جانے سے بے حیائی کے مناظر پھر سامنے نہیں آئیں گے۔ عورتوں کی بے پردگی باقی نہیں رہے گی۔ عصمت اور حیا کا دور دورہ ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو قرونِ اولیٰ کی طرح کہ ایک بڑھیا سونے کا ایک بڑا ٹکڑا کھلے ہاتھ میں لے کر صفا سے حضر موت تک اکیلی چلی جائے گی اور راستہ میں کوئی شخص یہ سوال بھی نہیں کرے گا کہ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے؟ اب بھی ایک کم زور عورت بیش قیمت طلائی کنگنوں کی جوڑی ہاتھ میں ڈال کر تنہا پشاور سے کراچی تک پیدل سفر کرے گی اور کسی بدمعاش کو جرأت نہ ہوگی جو کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔

یہ فقیر اس امر سے تو متفق نہیں کہ بعض علما کے خیال کے مطابق ہم دستور ساز اسمبلی کا بائیکاٹ کر دیں مگر یہ بات بے حد ضروری ہے کہ جب دستور ساز اسمبلی اجلاس منعقد کرے اور وہاں یہ دستور سازی کا مسئلہ سامنے آئے تو کسی تمہید یا مبادیات کے بغیر قائداعظم قرآن حکیم کو ہاتھ میں لے کر یہ اعلان کر دیں کہ اسلامی حکومت کا مکمل دستور اور جامع آئین آپ کے سامنے ہے۔ اس کی موجودگی میں کسی دوسرے دستور یا آئین کی قطعاً ضرورت نہیں۔ آپ حضرات دوسرے انتظامی امور پر نقد و تبصرہ کرتے رہیں۔ یہ خدمت اب علمائے کرام و مشائخ عظام کے سپرد ہوگی کہ وہ قرآن حکیم کی روشنی میں موجودہ ملکی و سیاسی حالات کو پیشِ نظر رکھ کر ایک جامع آئین تیار کر دیں اور بہترین دستور مرتب فرمائیں لیکن اگر ایسا نہ کیا گیا اور قرآن حکیم کی موجودگی میں کسی دوسری پارلیمنٹ کی طرف رجوع کیا گیا تو وہ آئین یا دستور جس کا ماخذ قرآن حکیم کی جگہ کوئی دوسرا ہو، ہمیں کسی حالت میں بھی منظور نہیں ہوگا اور اربابِ حکومت کے احترام کے باوجود ہم اللہ اور اس کے رسول مقبول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو زیادہ قابلِ احترام سمجھتے ہوئے ہر ایسے آئین کو یا دستور کو مسترد کر دیں گے جس کے اندر قرآنی تعلیم یا اسلامی احکام کو ملحوظ نہ رکھا گیا ہو اور اس کے بعد ہم اپنی کم زور ہمت اور ناچیز طاقت کے باوجود اس وقت تک عملی مخالفت کرتے چلے جائیں گے جب تک کہ ہم اپنے مقصدِ وحید یعنی حکومت الٰہیہ کے حصول میں کامیاب نہ ہو جائیں مگر ظُنُّوا الْمُؤْمِنِينَ خَيْرًا [۱۶] کے مطابق ہمیں قبل از وقت مایوس نہیں ہونا

چاہیے جب کہ آئین ساز مجلسِ عمل کے ارکان ماشاءاللہ مسلمان ہیں، اسلامی تعلیمات سے بے خبر نہیں اور غالباً وہ کوئی ایسی غیر اسلامی حرکت نہیں کریں گے جس پر کہ بعد میں انھیں پچھتانا پڑے۔ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِكَ اَمۡرًا۔[۱۷]

دعوتِ جہاد

روز قیامت ہر کسے در دستِ گیرد نامہ — من نیز حاضر می شوم تصویرِ جاناں در بغل[۱۸]

میرے عزیزو! آپ حضرات سے مخفی نہیں کہ اپنی افتادِ طبیعت [فطرت کی رو سے] اور اپنی پسند کے مطابق آغاز کار سے لے کر اب تک اس فقیر کو جس مسئلہ کے ساتھ بے حد شغف وانہماک رہا ہے وہ جہاد کا مسئلہ ہے اور اب تو پیش آمدہ حالات وواقعات اور مسلمانوں کے سر پر گزرنے والے مصائب ونوائب نے اس امر کی تصدیق کر دی ہے کہ جہاد کا اہم ترین فریضہ ادا کیے بغیر مسلمانوں کا مستقبل کبھی سدھر نہیں سکتا بل کہ پاکستان اور ہندُستان کے اندر بسنے والے مسلمانوں کے تحفظ و بقا کے لیے اگر کوئی چیز عملاً مفید ہو سکتی ہے تو وہ جہاد اور صرف جہاد ہے۔

اس فقیر نے مسلسل اکیس سال سے درسِ جہاد دینا شروع کر رکھا ہے۔ ہر تقریر کا موضوع اور ہر تحریر کا عنوان یہی رہے گا اور خداوند کریم کی عنایت سے مجھے اس حد تک اس معاملہ میں کامیابی ہو چکی ہے کہ اب مسلمانوں کے سامنے اگر جہاد کا ذکر چھیڑا جائے تو پہلے کی طرح انھیں یہ بات نامانوس معلوم نہیں ہوتی بل کہ انھوں نے اس معاملہ میں دل چسپی لینا شروع کر رکھی ہے اور اب بیگانگی باقی نہیں رہی دراصل سن ستاون [۱۸۵۷ء] کے غدر یا اسلامی اصطلاح میں خروج کے بعد یہ مسئلہ طاقِ نسیان پر رکھ دیا گیا تھا۔ مسلمان انگریز کی غلامی پر قانع ہو گیا۔ اسے ہاتھوں میں پڑی ہوئی غلامی کی کڑیوں اور پاؤں میں ڈالی ہوئی محکومی کی زنجیروں سے ایک گونہ انس ہونے لگا۔ علمائے کرام نے بے اعتنائی سے کام لیا۔ مشائخ عظام نے بے رخی دکھلائی۔ عوام سے توقع ہی کیا تھی؟

نتیجہ یہ نکلا کہ درس گاہوں کے اندر روزمرہ قرآن حکیم کی تلاوت ہوتی تھی، جہاد کی آیتیں پڑھائی جاتی تھیں مگر نہ معلمین نے ان کی صاف تشریح کی اور نہ متعلمین نے انھیں گوشِ حق نیوش [حق سننے والے کانوں] سے سنا۔ متصوفین نے اپنے معتقدین کو جہاد بالنفس کے طور طریقے ضرور بتلائے لیکن جہاد بالسیف وبالمال کی تعلیم وتعلم سے اغماض برتا گیا۔ کیا ہوا جو کارخانہ میں روائتی طوطی کی آواز[۱۹] کے مطابق اس فقیر نے سال بھر کے بعد ایسے علاقوں کا دورہ کر دیا جو ویسے بھی فوجی تربیت اور فوجی خاندانوں سے تعلق رکھنے کے

باعث اس چیز کی اہمیت کو محسوس کرنے والے تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اگر اس فقیر نے دعوتِ جہاد کا کام شروع کیا تھا اور لَوْمَةَ لَآئِمٍ ط[۲۰] اس وقت کی غیر مسلم اور جابر حکومت کی عائد کردہ پابندیوں کی پروا نہ کرتے ہوئے بر سر منبر نہایت شرح وبسط، وضاحت اور تفصیل کے ساتھ یہ مسئلہ بیان کرنے کی جرأت کی تھی تو علما اور مشائخ میری حوصلہ افزائی کرتے۔ میرے ساتھ مل کر مسلمانوں کو اس طرف مزید توجہ دلاتے تاکہ مسلمان اس کی اہمیت سے خبر دار ہو کر اعدائے اسلام کے مقابلہ کی تیاری کر لیتے اور ان کی غفلت ولا پراہی، کم زوری اور بزدلی سے دوسری قومیں جو ناجائز فائدہ اُٹھانے والی تھیں اس کی روک تھام ہو سکتی مگر یہ مسلمانوں کی انتہائی بدقسمتی ہے کہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے دین کے دشمنوں، اپنے مذہب کے دشمنوں، اپنی عزت وناموس کے دشمنوں کو تیاری کرتے دیکھا، پریڈ کرتے دیکھا، نشانہ بازی کرتے دیکھا، بندوقوں، رائفلوں، تلواروں اور کرپانوں سے مسلح پھرتے دیکھا مگر ٹس سے مس نہ ہوئے اور اس زعم باطل [غلط خیال] میں مبتلا رہے کہ ہم مسلمان کافروں پر غالب ہیں۔ اعتقاد غلط نہ تھا مگر غلبہ واستیلا کے ساتھ ایمان کی شرط بھی موجود ہے۔

وَلَاتَهِنُوْا وَلَاتَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ[۲۱]

اور قرآن حکیم نے ساتھ ہی یہ حکم دیا ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّااسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ[۲۲]

کہ دشمنوں کے مقابلہ میں حسبِ استطاعت قوت پیدا کرو اور جہاد کی خاطر گھوڑے تیار کرو۔

اور ادھر کفر نے متفق اور ہم آہنگ ہو کر یہ فیصلہ کر لیا کہ ہندُستان کی سرزمین کو مسلمان کے وجود سے بالکل پاک کر دیا جائے اور ایک متنفس کو بھی باقی نہ رہنے دیا جائے جو کہ کلمہ توحید پڑھنے والا ہو۔ اسی پخت وپز اور ایک گہری اور منظم سازش کے ماتحت اقدام کیا گیا اور خوں چکاں واقعۂ بہار، ہیجان خیز سانحہ گڑھ مکتیشر، سانحہ ہوش رُبا وفاجعہ عظیم [ہول ناک] قتلِ عام مسلمانانِ مشرقی پنجاب، دہلی وریاست ہائے پھلکیاں وغیرہ سب ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں اور ابھی تک اس مصیبت کا خاتمہ کب ہوا ہے؟ گودھرا بمبئی میں کل مسلمان کے خون کی ہولی، ہولی کے دن کھیلی گئی ہے اور معلوم نہیں ابھی ہماری قسمت میں اور کیا لکھا ہے اور پردۂ تقدیر سے کیا کچھ ظاہر ہونے والا ہے؟ لیکن کیا مسلمان ان صبر آزما اور ہوش ربا حادثات کے بعد بھی اسی طرح خوابِ خرگوش میں پڑے سوتے رہیں گے؟ کیا لاکھوں مسلمانوں کی شہادت، ایک کروڑ مسلمانوں کی ہجرت اور ہزاروں پرہیز گار اور نیک عورتوں کی عصمت دری ان کے لیے تازیانہ عبرت کا م نہ دے گی؟ کیا ان کے اندر قومی غیرت، اسلامی حمیت اور دینی جوش کا بالکل فقدان ہو گیا ہے؟ اور اگر خدانخواستہ یہ بات درست ہو تو پھر عین ہندُستان اور پاکستان میں بسنے والے دس کروڑ مسلمانوں کا فاتحہ پڑھنا ہوگا اور معاف رکھا جائے کہ دنیا میں بے غیرت اور بے

حمیت قوم یا افراد اس قابل نہیں ہوا کرتے کہ کسی کی نگاہوں میں ان کا احترام ہو یا مرنے کے بعد کوئی ان کی قبر پر جا کر فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

اسلام کے اندر بزدلوں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ بے غیرتی بڑا جرم ہے۔ہمیں اتنا دور جانے کی ضرورت نہیں۔ دراصل بات صرف اتنی ہے کہ پہلے مسلمان کو فریضۂ جہاد سے ناواقف رکھا گیا تھا۔اب ان شاء اللہ وہ اس فریضہ پر پابندی کے ساتھ عمل شروع کر دے گا اور اگر ترکِ جہاد عسکری نظام سے بے بہرہ ہونے اور خشیت غیر اللہ کی نامراد مرض میں مبتلا ہونے کے باعث مسلمان سکھوں اور ہندوؤں سے مار کھا چکا ہے اور مغلوب ہو چکا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ آئندہ بھی اپنے نیک و بد کا احساس نہ کرے اور جو ظلم وستم مشرقی پنجاب میں ڈھائے گئے ہیں ان کا اعادہ مغربی پنجاب یا پاکستان کے دوسرے حصوں میں ہونے لگے۔

حکومت کا فرض ہے کہ وہ پر جوش، حساس مبلغین کے ذریعہ سارے پاکستان میں جہاد کے مسئلہ پر وعظ و تبلیغ کا سلسلہ فی الفور شروع کرا دے۔ حضرات مشائخ کا فرض ہے کہ وہ اپنے ارادت مندوں کے سامنے وقتی حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر اوراد و وظائف سے مقدم مسئلہ جہاد کی اہمیت پیش کریں اور انھیں جہاد پر آمادہ کار بنائیں۔علما کرام کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی تمام تقریروں اور وعظوں کو صرف دعوتِ جہاد تک محدود کریں اور عامۃ المسلمین کا یہ فرض ہے کہ وہ پاکستان کی حفاظت، ہندستان میں بسنے والے مسلمانوں کی حفاظت، اپنے دل و جان، مِلک و املاک، عزت و ناموس کی حفاظت، اپنی مستورات کی عصمت کی حفاظت، اپنے ننھے بچوں کے نازک جسموں کی حفاظت کے لیے جہاد کی تیاری شروع کر دیں۔اسلحہ کی فراہمی شروع کر دیں۔ ورزش اور کسرت سے اپنے جسموں کو مضبوط بنانا شروع کر دیں تا کہ آنے والے معرکۂ اسلام وکفر و جنگِ مسلم و غیر مسلم میں ہم فَتْحِ مُبِیْن حاصل کر سکیں اور ایک طرف اگر مشرقی پنجاب، دہلی وغیرہ کے بے گناہ شہدائے اسلام کا بدلہ لیں تو دوسری طرف فتح و نصرت کا پھریرا [جھنڈا] اُڑاتے اور علمِ جہاد بلند کرتے ہوئے فلک شگاف نعرہ ہائے تکبیر کے ساتھ دہلی کی چار دیواری کو پھاند کر لال قلعہ پر پاکستان کا جھنڈا گاڑ دیں اور کفر و شرک کے پرستاران کو توحید کے علم بردار ہمیشہ کے لیے اپنا غلام اور مطیع فرمان بنالیں۔ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔[۲۳]

آپ اسے کسی مجذوب کی بڑ نہ سمجھیں اور نہ مَیں آپ کو طفل تسلیاں دینی مناسب سمجھتا ہوں بل کہ یہ ایک حقیقت نفس الامری [واقعی] ہے کہ اگر آپ نے اس بات کا عزم بالجزم کر لیا کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے ملک اور اپنی پشتینی جاگیر کو واپس لے کر چھوڑیں گے اور عزم مصمم کے ساتھ ہر ایک قسم کی قربانی اور تکلیف کو مردانہ وار برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور اسلامی تعلیم کے ماتحت کہ اگر زندہ رہے تو غازی، مرگئے تو شہید۔[۲۴] آپ کے دلوں میں شوقِ جہاد و خواہشِ غزا [جہاد کی خواہش] پیدا ہو گئی تو پھر ان شاء اللہ تعالیٰ نصرت آپ کے

ہم رکاب ہو گی اور فتح آپ کے قدم چوم لے گی۔

یہ سب بزدلی اور کم ہمتی کے خیالات ہیں کہ دشمن کے پاس فوج زیادہ ہے، اسلحہ زیادہ ہے، گولہ بارود زیادہ ہے، ہوائی جہاز زیادہ ہیں۔ عزم راسخ اور بلند ارادوں کے سامنے یہ چیزیں بے حقیقت ہُوا کرتی ہیں اور کَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيۡرَةًۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ [۲۵] کے مطابق ایسے سیکڑوں واقعات ہیں کہ تھوڑی سی جماعت نے ایک عظیم الشان لشکر پر فتح حاصل کر لی۔ اس زعم باطل میں ہرگز نہ رہیں کہ کشمیر کا جھگڑا اگر طے ہو گیا تو پھر دونوں حکومتیں امن و امان سے رہیں گی۔ پہلے تو کشمیر والا معاملہ ہی طے ہونا مشکل ہے اور دوسری صورت میں اگر تعلقات خوش گوار نہ ہوں اور دلوں میں باہم دگر منافرت [نفرت] اور مخاصمت [لڑائی] کے جذبات موجود ہوں تو معمولی بگاڑ پر بھی لڑائیوں کی نوبت آ جاتی ہے اور پھر ہمارے پڑوسیوں نے ہمارے ساتھ جو سلوک کیا ہے اور کر رہے ہیں ان کے پیش نظر دائمی صلح کا کوئی امکان نہیں۔ ماسٹر تارا سنگھ غلط نہیں کہتا کہ لڑائی ہو کر رہے گی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ دوسری قومیں تو لڑائی کی تیاری میں دن رات مصروف ہیں۔ بھرتی زوروں پر ہے۔ پنڈت نہرو جبری بھرتی کا اعلان کر چکے ہیں۔ عورتیں نشانہ بازی کی مشق کر رہی ہیں۔ اسلحہ دھڑا دھڑ تقسیم ہو رہا ہے مگر اس کے مقابلہ میں آپ کیا کر رہے ہیں؟ حکومتِ پاکستان کیا کر رہی ہے؟ حکومت کے ذمہ دار عہدہ دار کیا کر رہے ہیں؟ مگر بے چاری حکومت پر الزام نہ لگاؤ وہ کئی اہم ترین مسائل میں الجھی ہوئی ہے۔ آپ خود فرض شناسی سے کام لیں اور اس معاملہ میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں۔

پاکستان اور ہندُستان جغرافیائی اعتبار سے ایک ہی ملک ہے۔ اس کی لفظی تقسیم تو ہو چکی ہے معنوی نہیں ہو سکتی اور اچھی طرح سے یاد رکھیں اس برّ اعظم [برصغیر] میں ایک ہی قوم حکومت کر سکتی ہے خواہ اس کا نام ہندو ہو یا مسلمان۔ پھر آپ آخری فیصلہ صادر کریں کہ کیا اس ملک پر آپ خود حکومت کرنا چاہتے ہیں یا انگریز کی غلامی کے بعد ہندو کا غلام بننا چاہتے ہیں؟ جو کہ اپنی طبعی فرومائیگی، رذالت، تعصب اور خود غرضی کے اعتبار سے انگریز سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے اور غلامی کا طوقِ لعنت جو ایک دفعہ ہم اپنے گلے سے اتار چکے ہیں، دوبارہ گلے میں نہیں ڈالنا چاہتے تو بس دیر کس بات کی ہے؟ مرنے کے لیے نہیں بل کہ زندگانی حاصل کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ کفر پر غلبہ و استیلا حاصل کرنے اور اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے تیار ہو جائیں اور بالخصوص جماعت حزب اللہ کا ہر رکن اور رضا کار تیار ہو جائے جس طرح کہ انھوں نے کشمیر کے محاذ پر جانے کے لیے اپنی بے مثال جرأت و شوق و ولولہ کا ثبوت دیا اسی طرح اس اسلام اور کفر کی آخری کش مکش میں میرا ساتھ دیں تا کہ مجاہدین کی صف میں ہماری جماعت کا نمبر اول رہے اور مسابقتِ جہاد میں ہم پیش قدمی دکھا کر ایک طرف اللہ کریم کی اِنَّ

اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ [۲٦] رضا جوئی حاصل کریں اور دوسری طرف دنیا میں بسنے والی بہادر قوموں کے سامنے سرخروئی نصیب ہو:

یا رب ایں آرزوئے من چہ خوش است
تو بریں مدعا مرا برساں [۲۷]

مسئلۂ مہاجرین

آج پاکستان کے اندر پیش آمدہ اہم ترین معاملات میں مہاجرین کے بسائے جانے کا سوال غیر معمولی اہمیت حاصل کر چکا ہے۔ کم وبیش ایک کروڑ مسلمان ہندوستان سے ترکِ وطن اور ہجرت کر چکے ہیں۔ جن کی غالب اکثریت اس وقت مغربی پنجاب میں پناہ گزینوں کی حیثیت سے مقیم ہے مگر ان کی اقامت و استقامت میں بے شمار دشواریاں حائل ہو رہی ہیں۔

جس وقت انبالہ اور جالندھر کے ڈویژنوں پر منظم سازش کے تحت بے پناہ حملے شروع ہوئے اور مسلمانوں کو اپنی جان اور اپنے اہل وعیال کی جان کے لالے پڑ گئے۔ حملوں کی رفتار بڑھتی چلی گئی اور انھیں اپنے علاقوں میں کوئی بھی جائے پناہ نظر نہ آئی تو انھوں نے مجبور ہو کر پاکستان کا رخ اختیار کیا۔ بعض مہاجرین تو گھر سے ہی بے سروسامان ہو کر نکلے۔ بعض گھر سے تو کچھ لے آئے مگر رستہ میں ان سے ہر ایک چیز چھین لی گئی۔ ان کی ہجرت کا قصہ بے حد دردناک ہے اور راستہ میں ان پر جو کیفیت گزری۔ جس طریق سے ان کے ارد گرد گھیرا ڈال کر انھیں گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ ان کی جوان عورتوں کو چھین لیا گیا۔ ان کی تلاشی لے کر ان کے پاس کچھ بھی نہ رہنے دیا گیا اور پھر پیدل قافلوں کے علاوہ مہاجرین کی سپیشل ٹرینوں پر جس بے دردی اور سفاکی کے ساتھ حملے کیے گئے اور ان کا قتل عام کیا گیا ان وارداتوں کا حال خون کے آنسو رلانے والا ہے۔ ظالموں اور درندوں نے معصوم بچوں کے بھی ٹکڑے اڑا دیے اور عورتوں کی بے حرمتی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ لاکھوں مسلمان تو اثنائے سفر میں شہید کر ڈالے گئے اور بقیۃ السیّف نہایت کس مپرسی اور غربت وافلاس کی حالت میں پاکستان پہنچے۔ نہ کھانے کے لیے ان کے پاس ایک دانہ اور نہ پہننے کے لیے ایک کپڑا، خوف وہراس، دہشت، سراسیمگی۔ مزید برآں اب سوال ان ساٹھ لاکھ نفوس کے مغربی پنجاب میں اور چالیس لاکھ کے قریب دوسرے پاکستان اور اسلامی ریاستوں میں آباد کرنے کا ہے۔

ہم مغربی پنجاب کی حکومت کے ارکان کی ان مساعی جمیلہ کی داد دیتے ہیں جو انھوں نے ایسے نازک حالات میں ان لوگوں کی اعانت کے سلسلہ میں اختیار کیں اور لاہور کے اصلی باشندوں اور دوسرے شہر کے بسنے والے انصار مسلمین کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے ادائے فرض میز بانی میں کسی کوتاہی سے کام نہیں لیا

بل کہ اپنی طاقت اور وسعت سے بڑھ کر ان خانماں برباد بھائیوں کی دست گیری اور اعانت کی لیکن ان ساری ہمدردیوں اور خیر سگالیوں کے باوجود ابھی تک یہ مسئلہ لاینحل نظر آتا ہے۔ اتنی کثیر تعداد کو آباد کرنا کوئی عام کام نہیں۔ لاہور کے کیمپوں میں اس وقت بھی کئی لاکھ پناہ گزین نہایت غیر یقینی حالات میں دن گزار رہے ہیں اور حکومت انھیں کسی جگہ آباد کرنے سے قاصر ہے۔

مغربی پنجاب کے تمام بڑے شہر، چھوٹے قصبات بل کہ عام دیہات مہاجرین سے بھر چکے ہیں اور مصیبت یہ کہ ان کے تمدن اور ہمارے تمدن میں بڑا فرق ہے۔ طرزِ رہائش، طریقِ معاشرت بالکل الگ ہیں اور جہاں ہمیں ان کے اندر کئی نقائص نظر آتے ہیں وہاں انھیں بھی ہم سے کئی شکایات ہیں اور ابھی تک وہ بے چارے پوری طرح مطمئن یا صحیح طرح قدامت گزین نہیں ہو سکے اور ان کے کئی قافلے تو یوں ہی مارے مارے پھرتے ہیں۔ ایک جگہ چند دن ٹھہرے۔ جی نہ لگا تو وہاں سے دوسری جگہ چل دیے۔ ان کے راشن اور خوراک کا معاملہ اور بھی پیچیدہ ہو رہا ہے۔ حکومت کب تک انھیں خوراک بہم پہنچائے گی؟ اور اگر ان کا راشن آج بند ہو جائے تو ہزاروں نہیں لاکھوں مہاجرین بھوک سے مر جائیں اور لطف یہ کہ موجودہ آخری زمانہ میں نہ وہ مہاجر پہلے جیسے اور نہ وہ انصار اگلے انصار۔ مہاجر چاہتے ہیں کہ انصار کو ان کہ گھروں سے نکال کر خود ان کی جائیدادوں پر قابض ہو جائیں اور بعض انصار کی یہ غرض ہے کہ اگر مہاجرین گھروں سے کوئی چیز بھی لائے ہیں تو وہ ہم چھین لیں۔

حکومت کے اکثر ارکان کا رویہ بھی اس معاملہ میں بہت ناتسلی بخش ہے۔ وہ ان لوگوں سے ہمدردی کرنے کی جگہ سختی سے پیش آتے ہیں اور ابھی تک ان کے دماغوں میں نوکر شاہی والے زمانہ کی رعونت موجود ہے اور ہمدردئ بنی نوع یا ہمدردئ اسلام کے جذبات مفقود ہیں اور جب تک یہ ساٹھ لاکھ کی تعداد مغربی پنجاب میں کسی ٹھکانے نہ لگائی جائے گی نہ ملک میں امن قائم ہو سکتا ہے اور نہ ہی ہم یہ برداشت کر سکتے ہیں کہ ہم تو دو وقت کی روٹی شکم سیر ہو کر کھائیں اور ہمارے سامنے ہمارے بھائی بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔ اس گتھی کے سلجھانے کے لیے سب سے بڑھ کر باہم دگر تعاون کی ضرورت ہے اور باہمی اعتماد کی احتیاج کہ مہاجرین ایک جگہ استقامت سے بیٹھ جائیں۔ بے کار نشینی ترک کر دیں اور کوئی نہ کوئی روزگار اختیار کریں۔

ہم لوگ بہ حیثیت انصار ان کے دکھ سکھ میں سچے دل سے شریک ہوں اور اپنی ہر امکانی کوششیں ان کے سود و بہبود اور انھیں ہر قسم کی سہولت پہنچانے کے لیے وقف کر دیں۔ حکام بھی اس معاملہ میں پوری دل چسپی لے کر ان غریبوں کے لیے کوئی کام مہیا کریں۔ مزدوری کے مواقع باہم پہنچائیں اور جب تک کہ ان کے گزر اوقات کی کوئی بہترین سبیل نہ نکل آئے، ان کا موجودہ راشن بہ دستور قائم رہے۔ مہاجرین کے نوجوانوں کو

پاکستانی فوج میں ضرور بھرتی ہو جانا چاہیے تاکہ کسی موقع پر وہ اپنے ان دشمنوں سے انتقام لے سکیں جو کہ ان کے ترکِ وطن کا باعث ہوئے ہیں اور جنھوں نے ان کے ننگ و ناموس پر ہاتھ ڈالا ہے۔

بہ ہر کیف امیرِ حزب اللہ اپنی جماعت کے تمام ارکان اور اپنے مخلص برادرانِ طریقت سے نہایت پُرزور طریق سے اپیل کرتا ہے کہ وہ سب کے سب مہاجرین کی امداد اور اعانت کے لیے کمربستہ ہو جائیں اور اپنے اوقات کا ایک حصہ ان کی خدمت گزاری کے لیے وقف کر دیں کہ دنیا میں سب سے بڑی عبادت اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور پھر ایسی حاجت منداور بے وسیلہ مخلوق کے ساتھ عملی ہمدردی ہوا کرتی ہے۔

اللہ کریم ہمیں نیک کاموں کی توفیق عطا فرمائیں اور ہماری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور مخلوقِ خدا پر شفقت کے لیے وقف ہو جائے۔آمین!

مسلمانانِ کشمیر کا جہادِ حریّت اور جماعتِ حزب اللہ کی اس میں عملی شمولیت

گزشتہ چند ماہ سے کشمیر کے قضیہ نامرضیہ نے ایک نازک صورت پیدا کر لی ہے اور اب اس کا تعلق صرف ریاست کشمیر کے مسلمانوں اور وہاں کی ظالم حکومت سے نہیں رہا بل کہ اسے ایک طرح کی بین الاقوامی حیثیت حاصل ہو چکی ہے اور پھر سکیورٹی کونسل یا متحدہ مجلس اقوام کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہو جانے سے ساری دنیا کی نظریں اس طرف اٹھ رہی ہیں۔

دراصل ہندُستان میں بسنے والے مسلمانوں کے خلاف جو وسیع اور منظّم سازش کی گئی تھی اور جس باقاعدہ طریق سے اسے چلایا گیا تھا کشمیر میں مسلمانوں کا قتل عام بھی اس زنجیر کی ایک کڑی تھی جو شیطانی اور ابلیسی قوتیں دوسری ہندو اور سکھ ریاستوں میں بروئے کار آئیں وہی کشمیر میں خوں ریزی اور خوں آشامی کرنے لگی تھیں اور اگر ریاست کپورتھلہ میں مسلمانوں کو ان کی اکثریت کے باوجود نیست و نابود، تاخت و تاراج کر دیا گیا تو کشمیر میں وہی کھیل کھیلنے میں کون سی رکاوٹ تھی؟ اور مقصود بالذات صرف یہ تھا کہ ریاست کشمیر میں بیاسی فی صدی مسلمانوں کی آبادی کو کچل کر رکھ دیا جائے اور ان کے قتل و نہب [لوٹ کا مال] اور ہجرت و فرار کے بعد اٹھارہ فی صدی آبادی والے ڈوگرے بلاشرکت غیرے وہاں دندناتے پھریں۔ چناں چہ اسی آزمائے ہوئے طریق سے جموں اور پونچھ کے اندر مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کر دیا گیا۔ باہر سے سکھوں کے مسلح دستے منگوائے گئے۔ مہاراجہ بہادر ڈوگروں کی آبادی میں خود بہ نفس نفیس آتشیں اسلحہ تقسیم کرتے پھرے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں پونچھ اور میرپور کے غیرت منداور بہادر مسلمانوں پر جنھوں نے عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دے کر ایسی ظالم اور جابر، متعصب اور مسلم کش حکومت کے خلاف اعلان جہاد کر دیا اور شروع شروع میں ہی ڈوگرہ فوجوں

کو دشوار گزار دروں اور پہاڑوں میں گھیر کر انھیں موت کی نیند سلا دیا۔

مہاراجہ نے جب دیکھا کہ ریاست کے مسلمانوں کو مار کر باہر نکالنا کوئی آسان بات نہیں اور اب تو دو صورتیں ہیں یا تو مسلمانوں کی غالب اکثریت والی ریاست کو پاکستان میں شامل کر دیا جائے جب کہ جغرافیائی لحاظ اور حدود دوار بعہ کے اعتبار سے پاکستان میں شامل ہونا چاہیے تھا اور یا ہندوستھان [ہندُستان] سے امداد طلب کی جائے اور ریاست کشمیر کا ہندُستان میں شمولیت کا اعلان کر دیا جائے۔ چناں چہ عواقب ونتائج سے بے پروا ہو کر اور مسلمانوں کے جوشِ ایمان کی تاب نہ لا کر مہاراجہ صاحب نے ہندُستان میں ریاست کے شمول کا اعلان کر دیا اور وہاں کے غدارِ اعظم شیخ عبداللہ کو قید خانہ سے باہر نکال کر قلم دانِ وزارت اس کے سپرد کر دیا گیا۔ یہ بھی زمانہ کی ستم ظریفی ہے کہ وہی شیخ عبداللہ جو کشمیر چھوڑ دو کے نعرے لگا کر جیل خانہ گیا تھا اب سنہری اور روپہلی [چاندی جیسی] مصلحتوں کی وجہ سے کشمیر نہ چھوڑو کی رٹ لگا رہا ہے۔

اس کے بعد جنگ نے طول کھینچا۔ مجاہدین پونچھ ومیر پور ہی کیا کم دلیر تھے کہ باہر سے بھی مجاہدین کے جتھے ان کی مدد کے لیے جانے لگے چناں چہ ہماری جماعت حزب اللہ کی طرف سے تقریباً ایک ہزار سرفروش اور اولوالعزم وہ رضا کار جو کہ فوج سے ریٹائر ہو چکے تھے یا پنشن لے چکے تھے اور جنھیں فنونِ حرب سے پوری واقفیت تھی اس فقیر کے ایما اور ترغیب پر میدان کشمیر پہنچ گئے اور کئی ایک خوں ریز معرکوں میں دادِ شجاعت دے کر اب نئی پالیسی کے ماتحت واپس آ چکے ہیں۔ یہ تعداد تو بیرون ریاست سے جانے والے رضا کاروں کی تھی۔ پونچھ، میر پور، مظفر آباد میں ہمارے ہزاروں رضا کار اب تک مصروف پیکار ہیں اور آزاد کشمیر حکومت کے ذمہ دار افسر اس بات کا اعتراف کر چکے ہیں کہ اس موقع پر حزب اللہ کے رضا کاروں نے جو عملی کارنامے کر دکھلائے ہیں وہ اس جنگ کی تاریخ مرتب ہونے کی صورت میں سنہرے حروف میں لکھے جائیں گے۔

ہمارے معترضین اکثر حزب اللہ والوں پر ہم چو قسم اعتراض کے عادی ہیں کہ ہماری جماعت نے آج تک کیا کچھ کر کے دکھایا اور ان کی کم نگاہ آنکھوں کے لیے یہ بات سرمۂ عبرت ہوگی کہ ماشاء اللہ ہماری جماعت کسی مذہبی، ملی یا قومی اقدامات میں آج تک کسی دوسری جماعت سے پیچھے نہیں رہی۔ معرکہ انتخابات میں ہم پیش پیش رہے۔ سول نافرمانی میں ہم نے مسلم لیگ کا عملاً ساتھ دیا اور اب کشمیر کے معاملہ میں تو فخر ومباہات کے ساتھ اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ ہماری جماعت نے اس موقع پر بے مثال جرأت، جسارت اور جوشِ عمل کا ثبوت دیا۔ ایک ہزار رضا کارانِ حزب اللہ خوش خرام نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے ہوئے کشمیر چلے گئے اور تقریباً دو ہزار رضا کاروں کے نام ہماری مرتب کردہ فہرست میں اور موجود ہیں جو کہ میدانِ کارزار میں جانے کے لیے بے قرار تھے اور اب بھی بالکل تیار ہیں مگر عدم ضرورت کے باعث نہ جا سکے۔

امیرِ حزب اللہ کے سامنے گزشتہ دورہ میں رضا کاروں کی ٹولیاں پیش ہوئیں اور کسی ایک جلسہ میں جتنے رضا کارانِ حزب اللہ نے مجاہدینِ کشمیر کی فہرست میں نام لکھوایا ان میں سے ایک نے بھی روانگی کے وقت کوئی عذر یا بہانہ پیش نہیں کیا اور اپنے جذبۂ کامل سے ثابت کر دکھایا ہے کہ میری اکیس سال کی کوشش رائیگاں نہیں گئی بل کہ کئی ہزار سرفروش و جاں باز رضا کار اسلامی خدمات سرانجام دینے اور دشمنانِ اسلام سے نبرد آزما ہونے کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔

کشمیر کا معاملہ ابھی تک طے نہیں ہوا۔ متحدہ اقوام کی مجلس بہ ظاہر اس کے طے کرنے سے قاصر نظر آتی ہے اور غالبًا یہ فیصلہ کسی ایوان میں نہیں ہوگا بل کہ میدانِ جنگ کے اندر ہی فتح وشکست کی صورت میں یہ فیصلہ ہو سکے گا کہ کشمیر ہندوستھان [ہندُستان] میں شامل ہو یا پاکستان میں۔ پاکستانی نمائندہ [28] نے اپنی مسلمہ قابلیت سے اس کیس میں جان ڈال دی ہے اور اخلاقی طور پر پاکستان دنیا کے سامنے فتح حاصل کر چکا ہے۔ اللہ کرے ظاہری طور پر بھی ہمیں فتح نصیب ہو اور وہ مبارک وقت جلدی آئے جب کہ ہم ریاست جموں و کشمیر کو دولتِ خداداد پاکستان کا ایک حصہ دیکھ سکیں۔ اس موقع پر ہمارے ہمسایہ بھائی پٹھانوں نے بھی بہت کچھ کر دکھایا ہے اور ان کا کشمیر کے محاذ پر جانا بے نتیجہ نہیں رہا۔ اگر ان لوگوں نے کچھ بدعنوانیاں بھی کی ہیں تو انھیں نظر انداز کر دینا چاہیے اور مسلمان کی تو یہ شان ہے کہ خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدَرَ [29] کے مطابق اس کی نظر محاسن پر ہوا کرتی ہے معائب پر نہیں۔ اس جنگ کا تمام بہ ظاہر کچھ غیر یقینی جیسا ہے مگر جنھیں کہ اللہ تعالی کی وحدانیت پر یقین ہے اور اس بات کا اطمینان کہ فتح و نصرت اس کے دستِ قدرت و پنجۂ تصرف میں ہے، اسے ناامید ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ اس کی رحمت اور شفقت پر بھروسہ رکھیں اور اس بات کے منتظر رہیں کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے اور ہم سب کا یہ فرض ہے کہ نماز ہائے پنج گانہ میں اپنے مجاہدین بھائیوں کی شان دار فتح کی دعائیں مانگیں اور اگر پھر ضرورت ہو تو حزب اللہ والے بہ دستور سابق سب سے آگے بڑھ کر کفار و مشرکین کی افوج وعسا کر سے نبرد آزما ہو جائیں۔ اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّلَا تَجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔ [30]

قیام جمعیت المشائخ

حضرات! گزشتہ سال کی الم ناکیوں اور سفاکیوں کی داستانِ غم و کیفیت الم آپ سن چکے ہیں۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا [31] کے مطابق ہر تنگی کے بعد فراخی اور مصیبت کے بعد آرام بھی مقدر ہو چکے ہیں اور غالبًا آپ کو یہ معلوم کر کے دلی مسرت ہوگی کہ امسال اس فقیر کی ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل ہوگئی ہے جس کا اظہار وقتاً

فوقتاً میری جانب سے ہوتا رہا مگر كُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا[۳۲] کے مطابق ہر کام ایک وقت معین ہوا کرتا ہے۔ چناں چہ سیال شریف گزشتہ عرس مبارک بعد از افہام و تفہیم، غور وفکر جمعیت المشائخ کی تشکیل عمل میں لائی گئی۔ جس کا مقصد وحید مشائخ عظام کو ایک مرکز پر لا کر ان کے جماعتی نظام سے ملت اسلامیہ کی سود و بہبود اور مسلمانوں کی بہتری اور برتری کے وسائل تلاش کرنا اور انھیں عملی جامہ پہنانا ہے اور قیام حکومت الٰہیہ، ترویجِ قانونِ اسلامیہ ونفاذِ آئین قرآنیہ انھیں حضرات کی مساعی جمیلہ وتوجہات کے انعطاف سے ہوتا ہے۔

جمعیت المشائخ کے اغراض ومقاصد ایک رسالہ کی صورت میں طبع ہو چکے ہیں۔ اس کے صدر حضرت دیوان صاحب قبلہ سجادہ نشین اجمیر شریف اور نائبین صدر چند مشہور درگاہوں کے سجادہ نشین منتخب کیے جا چکے ہیں۔ نظامت کا کام اس فقیر کے سپرد ہوا ہے اور ہم کوشش کر رہے ہیں کہ یہ جمعیت مشائخ عظام کی ایک نمائندہ جمعیت بن جائے اور ان حضرات کے اجتماع سے قوم وملت کو زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کا موقع ملے۔ ان شاء اللہ عن قریب جمعیت کا ایک اجلاس بھی کسی مرکزی قیام پر بلایا جائے گا اور وہاں تقریباً وہ تمام ضروری مباحث سامنے لیے جائیں گے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ کوئی دستور العمل مقرر کرنا یا تجاویز منظور کرنی آپ کے رہ نماؤں کا کام ہوگا اور بہ حیثیت ایک مخلص عقیدت مند وارادت کیش کے اس پر عمل کرنا آپ کا کام۔

آپ دعا کریں کہ اللہ کریم اس خالص اسلامی اور روحانی جماعت سے مسلمانوں نے جو توقعات قائم کی ہیں وہ پوری ہو جائیں اور اس نازک زمانہ میں مسلمان اکابر اور قوم کے حقیقی رہ نماوں کا اجتماع بہترین نتائج پر منتج ہو۔ آمین!

جماعتِ حزب اللہ کو دعوتِ عمل

ارکان و رضا کارانِ حزب اللہ! بیان کردہ واقعات و کیفیات کی روشنی میں آپ نے ہندُستان اور پاکستان میں رہنے والے مسلمانوں کے پیش آمدہ مشکلات کا اندازہ لگالیا ہے اور آپ اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہوں گے کہ ہمارا مستقبل ابھی تک ناخوش گوار صورت حال کی گرفت سے باہر نہیں اور کئی ایک خطرات کا اسے سامنا ہوا ہے۔ یہ غفلت اور لاپرواہی کا وقت نہیں اور نہ ہی تعطل وسکون کا زمانہ۔ آپ کی ذمہ داریاں، مسلمان اور حزب اللہ کا رکن ہونے کی حیثیت سے دوسرے مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کر ہیں اس لیے اپنی فرض شناسی سے کام لیتے ہوئے آپ کو مندرجہ تحت قابلِ عمل تجاویز کو فی الفور عملی جامہ پہنانے کی ضرورت ہے۔

۱۔ رضا کاروں کو جب کہ امسال اثنائے دورہ میں حکم دیا گیا ہے، باقاعدہ پریڈ شروع کر دینی چاہیے اور ہفتہ میں دو دفعہ جمعہ کو بعد نمازِ جمعہ اور دوشنبہ [سوموار] کو بعد از نمازِ ظہر ایک کھلے میدان میں جمع ہو کر فوجی طریق

پر پریڈ کریں اور ایک شخص کو جو پریڈ کے طریق سے واقف ہو انسٹرکٹر یا قواعد ماسٹر مقرر کر لیا جائے اور چوں کہ مسلمانوں میں پابندی اوقات نہ کرنے کی مرض پیدا ہو چکی ہے۔ اس لیے جو رضا کار دیدہ دانستہ پریڈ میں شامل نہ ہو اس پر ایک پریڈ ترک کرنے پر ایک روپیہ جرمانہ ہوگا اور یہ رقم مقامی جماعت کے پاس ہی بعض قومی ضروریات کے لیے جمع رہے گی۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ رضا کاروں کو نشانہ بازی کی مشق بھی کرائی جائے لیکن پریڈ ہر حالت میں لازمی ہے جب کہ اس طریق سے سپاہیانہ عزم، بدن میں چستی، احساسِ فرض اور جہاد کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔

ارکان و رضا کارانِ حزب اللہ کو آتشیں اسلحہ بعداز حصول لائسنس ضرور خرید کرنے چاہئیں اور قرض دام لے کر یا کوئی چیز بیچ کر بھی اسلحہ لینا پڑے تو بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے جب کہ موجودہ حالات میں اسلحہ کے بغیر ہم اپنی جان اور عزت محفوظ نہیں رکھ سکتے بل کہ یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ اپنی عورتوں کو بھی تلوار چلانے اور بندوق کا نشانہ لگانے کی مشق کرائی جائے تاکہ عندالضرورت وہ ان کا استعمال کر کے اپنے آپ کو دشمنوں کے پنجہ سے محفوظ رکھ سکیں۔

۲۔ پاکستان کی حکومت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قائم ہو چکی ہے۔ اب اس کے تحفظ و بقا کا مسئلہ درپیش ہے۔ چوں کہ اس کی تعمیر میں ہماری جماعت نے بھی سرگرم حصہ لیا تھا اس لیے اب بھی ہمارا فرض ہے کہ اسے مخالفین و معاندین کے دستِ تصّرف وتغلب سے بچانے کے لیے اپنی ہر امکانی کوشش صرف کر دیں۔ قیامِ امن و امان میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں۔ لوٹ کھسوٹ کا مال برآمد کرنے میں پوری سرگرمی دکھلائیں۔ خائن اور غداروں کے سیاہ کارنامے اربابِ بست وکشاد کے سامنے ظاہر کریں اور بہ حیثیت ایک وفادار شہری کے حکومت کے ساتھ انتظامی معاملات میں مکمل طور پر تعاون کریں تاکہ حکومت، اعدائے اسلام کے مقابلہ کی پوری طرح اندرونی معاملات سے مطمئن ہو کر تیاری کر سکے اور اسے قیامِ امن کی خاطر فوج اور زائد پولیس رکھنے کی ضرورت نہ رہے۔

۳۔ مہاجرین کے مسئلہ میں ہمیں اور زیادہ دل چسپی لینی چاہیے اور ہمدردی دکھلانی چاہیے تاکہ ان کی جمعیت خاطر [تسلی] ہو جائے اور ان کی پریشانی اور خانہ بدوشی سے ملک کے اندر جو خلفشار پیدا ہو رہا ہے اور حکومت بھی ان کی طرف سے عہدہ برا نہ ہو سکنے کے باعث دفاعی اور حفاظتی تدابیر اختیار کرنے اور تعمیری کاموں کی طرف متوجہ ہونے سے معذور ہو رہی ہے وہ رفع ہو جائے اور وہ صحیح معنوں میں آباد و شاد نظر آئیں۔

۴۔ عام صنعت و حرفت کی ترویج اور بالخصوص گھریلو صنعتوں کو ترقی دینے میں ہماری جماعت کو پوری توجہ

دینی چاہیے۔ آج کپڑے کا قحط محض اس وجہ سے ہے کہ پاکستان اپنے ہمسایہ ملک کا محتاج ہے اور اسے ہماری تکالیف کا کوئی احساس نہیں۔ حالاں کہ پارچہ بانی کے کارخانے تو اب بنے ہیں پہلے سارا ملک کھڈیوں کے بنے ہوئے کپڑوں پر انحصار کرتا تھا اور آج بھی اگر پارچہ بانی کے دستی کام پھر سے شروع ہو جائیں تو پاکستان کو کپڑے کی خاطر کسی دوسرے ملک کا محتاج نہیں ہونا پڑے گا۔ حکومت کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ ان گھریلو صنعتوں کی حوصلہ افزائی کریں اور ایسے صناعوں کی دل کھول کر اعانت۔ پارچہ بافی کے علاوہ صابن سازی، ٹین سازی، رنگ سازی، کاغذ تیار کرنے، برتن بنانے، لکڑی کا کام، بیسیوں ایسی صنعتیں ہیں جن کی طرف مسلمان اگر متوجہ ہوں تو ایک طرف دوسرے ملکوں کی دست نگری باقی نہ رہے اور دوسری طرف بے روزگاروں کے لیے بہترین روزگار کی سبیل بیدا ہو جائے جب کہ ہمارا ملک کسی زمانہ میں بڑا صنعتی ملک تھا اور ہماری مصنوعات کی دنیا بھر کو مانگ ہوا کرتی تھی۔

۵۔ پاکستان کی تجارت تقریباً نوے فی صدی غیر مسلم قبضہ میں تھی۔ اب ہندوؤں اور سکھوں کے چلے جانے سے سارا میدانِ تجارت ہمارے ہاتھ میں ہے مگر ابھی تک مسلمانوں نے کچھ سرمایہ کی کمی، کچھ ناواقفیت اور کچھ حد سے بڑھی ہوئی خودغرضی اور لالچ وطمع سے کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں کیا اور جو اسلامی دکانیں اور کارخانے چل پڑے ہیں وہ پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکے۔ تجارت کے اصول ملحوظ رکھ کر کام چلانا چاہیے۔ ارزاں فروش بسیار فروش [۳۳] کا تجارتی گر سامنے ہو۔ نفع بازی ہو مگر مناسب طریق سے۔ حصہ داریا ہم دگر دیانت داری کو ملحوظ رکھیں اور گاہکوں کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آنے کی عادت ڈالی جائے اور مسلمان نے تجارت کو اپنا لیا اور اسے تجارت سے پوری واقفیت پیدا کر لینے کے بعد اس سے دل چسپی پیدا ہوگئی تو ان شاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی اقتصادی خوش حالی پر اثر پڑے گا اور مسلمانوں کی غربت وافلاس کا مسئلہ خود بہ خود حل ہو جائے گا۔ سرمایہ داروں کو بالخصوص اس طرف متوجہ ہونا چاہیے تا کہ خوردہ فروشی کے ساتھ ساتھ تھوک فروشی کی دکانیں بھی کھل جائیں اور منڈیوں میں آڑھت کی دکانیں پوری آب وتاب کے ساتھ چل نکلیں۔

۶۔ ہمیں مہاجرین سے ہم آہنگ ہو کر حکومت پر زور ڈالنا چاہیے کہ وہ تعمیرِ پاکستان کے سلسلہ میں نہروں، سڑکوں اور ضروری عمارات کے کام فی الفور شروع کر دے تا کہ ملک میں روزگار کی کوئی صورت نکل آئے۔

۷۔ چوں کہ ہر ایک مہذب ملک کی ترقی کا راز اس کی آبادی کی تعلیم پر ہوا کرتا ہے اور پھر اسلام نے تعلیم کو فرض قرار دیا ہے۔ اس لیے ہماری جماعت کے ہر رکن کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی اولاد کو ضرور ہی تعلیم دلائے

اور حکومت کو بھی جبری اور لازمی تعلیم کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ ساتھ ہی نصاب میں تعلیمِ قرآن حکیم اور مسائلِ اسلامیہ کو بالالتزام ضرور شامل کیا جائے تا کہ پاکستان کی آئندہ نسلیں زیورِ علم سے آراستہ ہو کر صحیح معنوں میں تہذیب یافتہ کہلا سکیں۔

۸۔ اگر ہماری دیرینہ خواہشات کے التجاؤں کی تکمیل، نفاذِ آئینِ اسلامی وترویجِ قانونِ شرعی کی صورت میں ہوگئی تو ان شاء اللہ جرائم کا انسداد خود بہ خود ہو جائے گا اور صحیح معنوں میں امن وامان کا قیام مستلزم مگر اس کے ساتھ ہماری جماعت کو مقدمہ بازی سے اجتناب اور اپنا روپیہ ناحق عدالتوں میں صرف کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے تا کہ اس کا مصرف کسی کارِ خیر پر ہو سکے اور جو وقت اس قسم کی تگ ودو میں صرف ہوا کرتا ہے وہ کسی قومی یا ملی کام پر خرچ ہو۔

۹۔ پاکستان بن جانے کے بعد ہمارے لیے یہ لازم ہے کہ ہم اس کی عزت وحرمت برقرار رکھنے اور اسے صحیح معنوں میں پاکستان بنانے کی خاطر اپنے اخلاق درست کریں۔ خلوصِ عمل، دیانت داری، بے نفسی، بے غرضی، ہمدردیٔ اسلام ومسلمین کے جذبات ہمارے اندر پیدا ہو جائیں اور بجائے اس کے کہ ہم حکومت سے استدعا کریں کہ وہ شراب کی بندش کا قانون نافذ کرے، زانی کو شرعی حد لگائے، چور کا ہاتھ کاٹے۔ ہم خود ہی کیوں نہ ایسے نامشروع [ناجائز] امور سے مکمل طور پر کنارہ کش ہو جائیں تا کہ جرائم کے ناپید ہونے سے تعزیز اور سزا کا سوال ہی نہ پیدا ہو مگر ساتھ ہی ہم حکومت سے بھی پُرزور مطالبہ کریں گے کہ وہ اجرائے احکامِ شرعیہ و اقامتِ حدودِ اسلامیہ میں اب تاخیر نہ کرے ورنہ وہ عنداللہ وعندالناس جواب دہ ہوگی۔

الغرض اب حزب اللہ والوں کو جب کہ ان کے سامنے حکومت الٰہیہ قائم کرنے کا ایک دیرینہ اور بہترین نصب العین موجود ہے، اپنے طرزِ عمل سے ایسا ماحول پیدا کرنا چاہیے کہ حکومت الٰہیہ جلد سے جلد قائم ہو سکے۔ ایک طرف ہمیں حکومت پر زور ڈالنا چاہیے کہ وہ اپنے وعدوں کو پورا کرتے ہوئے پاکستان کے اندر آئین اسلامی واحکامِ قرآنی کا نفاذ کرے اور دوسری طرف اپنی پاک بازی، نیک خیالی، تقوا وطہارت، خدا ترسی وخشیت الٰہی، عبادت وریاضت، صفائے قلب وروحانیت کا ایسا مظاہرہ کرنا چاہیے کہ جو مقصد ہم حکومت کے سامنے دست بستہ التجاؤں سے حاصل نہ کر سکیں وہ ہمیں اپنے اندر ایک اخلاقی انقلاب اور روحانی تبدیلی پیدا کرنے سے خود بہ خود حاصل ہو جائے اور حکومت مجبور ہو جائے کہ وہ ہمارے نیک جذبات وبلند خیالات کا احساس کرتے ہوئے وہی قانون بنائے اور وہی آئین مرتب کرے جسے کہ ہم قبول کرنے کو تیار ہوں۔ حکومت غیر کی نہیں ہماری اپنی ہے۔ ہم نے ہی پاکستان بنایا ہے اور ہم ہی اس سے مناسب استفادہ کریں گے۔ اوپر والی کابینہ

کے ارکان صوبہ جاتی مجالس کے ارکان نے منتخب کیے ہیں اور انھیں ہم نے چنا ہے وہ ہماری بات کیوں نہ مانیں گے؟ اور ہمارے جذبات کا احترام کیوں نہ کریں گے؟ دوسری صورت میں پھر ہم نے ان کا انتخاب کرنا ہے اور ان شاءاللہ آئندہ ہمارا انتخاب ذاتیات سے بالاتر ہوگا اور وہی نمائندے اسمبلیوں میں جایا کریں گے جو ہمارے خیالات اور اسلامی جذبات کی صحیح ترجمانی کر سکیں۔

خاتمۂ سخن

حضرات! اس فقیر نے آپ کا قیمتی وقت اپنی داستانِ درد سنانے میں ضائع تو نہیں کیا، صَرف ضرور کیا ہے۔ خدا کرے میری پیش کردہ تجاویز شرفِ پذیرائی حاصل کر سکیں اور میرے عمقِ قلب اور دل کی گہرائی سے نکلی ہوئی آواز کو آپ دل کے کانوں سے سن کر اس پر پوری طرح دھیان دے سکیں اور تقاضائے وقت واقتضائے حالات ہم سب کو ایک ایسے صِرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پر لے جائے جس پر چل کر ہمیں دنیاوی فوائد واخروی نجات حاصل ہو سکے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

....

حواشی

۱۔ التوبہ ۹:۱۹تا۲۲۔
۲۔ خطبہ میں ہسپانیہ کی جگہ ہسپانیکہ درج تھا۔
۳۔ ترجمہ: جس چیز سے تو جاہل تھا وہ چیز تیرے سامنے (آنے والے) دن ظاہر کر دیں گے۔ (عربی مقولہ)
۴۔ المومن ۴۰:۳۸۔
نوٹ: خطبہ میں یقَوْمِ کی جگہ فَیَاقَوْمِ درج تھا۔
۵۔ کسی قریبی دوست، عزیز یا رشتہ دار کی طرف سے زیادتی کے موقع پر استعمال کی جاتی ہے۔ (تلمیح)
۶۔ کام شروع ہوتے ہی خرابی ہونا۔ (کہاوت)
۷۔ ترجمہ: مَیں نالہ بلند کرتا ہوں اگر تم میں سننے کی ہمت ہے، مَیں اپنا سینہ چیر کر دکھاتا ہوں اگر تم میں دیکھنے کی طاقت ہے۔
۸۔ البقرہ ۲:۱۷۹۔
۹۔ البقرہ ۲:۱۵۴۔ ال عمران ۳:۱۶۹۔
۱۰۔ ترجمہ: حق والے کے پاس حق پہنچ گیا۔ (ضرب المثل)
۱۱۔ ترجمہ: یہ گھر کا گھر ہی آفتاب ہے۔ (ضرب المثل)

۱۲۔ موقع ہاتھ سے جائے تو افسوس کا کوئی فائدہ نہیں۔ (ضرب المثل)
پوری ضرب المثل یہ ہے۔ سانپ تو نکل گیا (اُس کی) لکیر پیٹا کرو۔

۱۳۔ ترجمہ: اُسی کے ہاتھ میں توفیق ہے۔ (عربی جملہ)

۱۴۔ ترجمہ: وہ جو دلوں کو وجد میں لاتا ہے (یعنی) نجد اور یارانِ نجد کا قصہ پھر سے کہو۔
مولانا رومؒ جب محفل میں بیٹھتے تھے تو بات شروع کرنے سے پہلے اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔
(معروف محقق اور نقاد مظہر محمود شیرانی)

۱۵۔ النساء۴:۱۳۶۔

۱۶۔ ترجمہ: مومنوں کا گمان ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔ (ضرب المثل)

۱۷۔ الطلاق ۶۵:۱۔
نوٹ: خطبہ میں لَعَلَّ کی جگہ وَلَعَلَّ درج تھا اور ذَلِكَ کی جگہ ذَالِكَ درج تھا۔

۱۸۔ ترجمہ: قیامت کے دن ہر شخص اپنے ہاتھ میں اعمال نامہ پکڑے گا، میں بھی بغل میں محبوب کی تصویر لے کر حاضر ہوں گا۔
(ہلال احمد قادری، شاہ، نغمات الانس فی مجالس القدس، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، بار اول، ۲۰۱۶ء، ص ۲۳۱)

۱۹۔ ایک آدمی کی رائے ہزار آدمیوں کے سامنے نہیں چلتی۔ (کہاوت)
اصل کہاوت ہے: نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔

۲۰۔ المائدہ ۵:۵۴۔

۲۱۔ ال عمران ۳:۱۳۹۔

۲۲۔ الانفال ۸:۶۰۔

۲۳۔ ابراہیم ۱۴:۲۰۔ فاطر ۳۵:۱۷۔

۲۴۔ النساء ۴:۴۷۔
نوٹ: خطبہ میں ذَلِكَ کی جگہ ذَالِكَ درج تھا۔

۲۵۔ البقرہ ۲:۲۴۹۔

۲۶۔ الصّف ۶۱:۴۔

۲۷۔ ترجمہ: اے میرے رب! میری یہ آرزو کتنی اچھی ہے، تو اس مُدعا پر مجھے پہنچا دے۔

۲۸۔ پاکستانی نمائندہ ظفر اللہ خان تھا جو اُن دنوں پاکستان کا وزیرِ خارجہ تھا۔
(زاہد چودھری، حسن جعفر زیدی، پاک بھارت تنازعہ اور مسئلہ کشمیر کا آغاز، ادارہ مطالعہ تاریخ، واپڈا ٹاؤن، لاہور، س ۲۰۱۲ء، ص ۲۱۷)

۲۹۔ ترجمہ: جو صاف ہوا اُسے لے لو جو گدلا ہے اُسے چھوڑ دو۔ (ضرب المثل حدیث)

۳۰۔ ترجمہ: اے اللہ! مدد فرما اُن کی جو خاتم النبیّین سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کی مدد کرے اور ہمیں اُن میں سے کر دے اور جو خاتم النبیّین سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کو چھوڑے تو انھیں چھوڑ دے اور ہمیں اُن میں سے نہ بنا۔ (جمعہ کے خطبہ میں شامل دُعا)

۳۱۔ الانشراح ۹۴:۶۔

۳۲۔ ترجمہ: ہر کام اپنے وقت پر ہوا کرتا ہے۔ (ضرب المثل)

۳۳۔ ترجمہ: سستا بیچنے والا زیادہ بیچنے والا ہے۔ (ضرب المثل)

◆◆◆

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ

حضرت مولینا ابو البرکات سید محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالی

سجادہ نشین جلالپور شریف و امیر حزب اللہ

کا

خطبۂ صدارت

جو آپ نے

حزب اللہ کے بائیسویں سالانہ اجلاس میں

ارشاد فرمایا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط ☆

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوۡلٰینَا وَ حَبِیۡبِنَا وَ شَفِیۡعِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَتۡبَاعِہٖ وَاَشیاعِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ O اَمَّابَعۡدُ فَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ فِیۡ قُرۡاٰنِہِ الۡمَجِیۡدِ وَفُرۡقَانِہِ الۡحَمِیۡدِ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ O بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ O یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ حَسۡبُکَ اللّٰہُ وَ مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ O یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ عَلَی الۡقِتَالِ ط اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ یَغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ ج وَ اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ مِّائَۃٌ یَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاَنَّہُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَفۡقَہُوۡنَ O اَلۡئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنۡکُمۡ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیۡکُمۡ ضَعۡفًاط فَاِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ ج وَاِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ اَلۡفٌ یَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفَیۡنِ بِاِذۡنِ اللّٰہِ ط وَ اللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ O[۱]

حاضرینِ کرام ذوِی المجد والاحتشام! آپ جس خلوص و محبت ذوق و شوق کے ساتھ حزب اللہ کے بائیسویں سالانہ اجتماع میں شمولیت کی غرض سے تشریف لے آئے ہیں اس فقیر کو اس کا صمیم قلب سے اعتراف ہے۔ آپ نے ادائے فرض کا عملی ثبوت دیا ہے کہ سب کام کاج چھوڑ کر شرکتِ جلسہ کو ترجیح دی اور حقیقت یہ ہے کہ آج کا اجتماع ایک تاریخی حیثیت رکھنے والا ہے جب کہ تاریخ ہم کو نہیں بنائے گی بل کہ ہم نے اپنے لازوال اور مہتم بالشان کارناموں سے تاریخ کو بنانا ہے اور مبارک ہیں وہ قومیں جن کی الوالعزمی، بلند ہمتی، عزم و استقلال کے افسانے دنیا کی زبانوں پر ہیں اور جن کا ادب و احترام، تقدس و عظمت لوگوں کے دلوں میں۔ جس صورت میں کہ ہم نے انفرادی زندگی ترک کر کے اجتماعی حیات پیدا کر لی ہے اور افراد کی ذمہ داریوں کی جگہ

☆ ۴/۵ جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ بہ مطابق اتوار ۳ اپریل/ پیر ۴ اپریل ۱۹۴۹ء کی درمیانی شب پڑھا گیا۔ گیلانی الیکٹرک پریس، ہسپتال روڈ، لاہور میں بہ اہتمام منشی محمد عالم پرنٹر پبلشر چھپ کر جلال پور شریف، ضلع جہلم سے شائع ہوا۔

جماعت کی ذمہ داریاں اپنے سر لے لی ہیں، ہماری طرف اصحابِ نظر کی نگاہیں اُٹھنی ناگزیر ہیں اور ہمارے اعمال، افعال واقوال کا محاسبہ مستلزم۔ پھر آئیں اپنے بہترین طریقِ عمل، بلندترین اخلاق اوراعلاترین سیرت کا ہم دنیا کونمونہ دکھلائیں اور جوتوقعات ہماری ذات اور ہماری جماعت سے حسنِ ظن سے کام لے کر یا حقیقتاً ہمارے دوستوں نے قائم کررکھی ہیں وہ پوری ہوکر رہیں۔

آج زمانہ سرعت رفتار سے حقائق پسندی کی طرف جارہاہے۔نمائش اورتصنع مرغوب خاطرنہیں رہے بل کہ معیاری چیزوں کی مانگ ہے۔اب صرف زبانی جمع خرچ کا وقت نہیں بل کہ عملی اورٹھوس کام کی قدر و قیمت ہے۔اس لیے ہماری جماعت کو جو ماشاءاللہ پہلے سے ہی فعال اور سرگرم عمل جماعت ہے اس کارگاہِ عمل میں [اسے] اور زیادہ مسابقت دکھلانی چاہیے اورمہینوں کا راستہ ہفتوں میں اور ہفتوں کا دنوں میں طے کرنے کے لیے کمر ہمت چُست باندھ لینی چاہیے۔کاروانِ راہ کواب یاس وقنوط سے کیاواسطہ جب کہ منزلِ مقصودسامنےنظر آرہی ہواورآبلہ پائی کی کیا شکایت جب کہ بسترِ راحت کھلا پڑا ہو۔البتہ یہ ضرورسوچنا چاہیے کہ کٹھن راستہ پر چلنے والے کہیں پھولوں کی تلاش میں کانٹوں سے الجھ کر نہ رہ جائیں اور سنگلاخ زمین کی ٹھوکریں تیزخرامی میں خلل انداز نہ ہونے لگیں۔ہمت اور جواں مردی سے کام لینے والےمشکل سامشکل راستہ طے کرلیتے ہیں اورکم ہمتوں اور بزدلوں کوتواس پُرخوف وخطرسفر کا خیال بھی نہیں کرنا چاہیے :

گریزداز صفِ ماہر کہ مرد غوغانیست کسے کہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست[۲]

تحریک حزب اللہ پرایک تنقیدی نظر

فیضی احسنت ازیں عشق کہ دوران امروز گرم دارد ز تو ہنگامۂ رُسوائی را[۳]

مبارک تھا وہ وقت اورسعید تھی وہ ساعت جب کہ دستِ قدرت نے میری رہ نمائی کی۔ایک غیر مرئی مگرمحسوس ہاتھ نے مجھے اشارہ کیا اور رُشد و ہدایت کی راہیں مجھ پرکھول دی گئیں۔مَیں نے اپنی کم مائیگی، بے بضاعتی [کم ہمتی] اور عدمِ تحمّل و برداشت کے کئی عذرات پیش کیے مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔اب اس میں میرا کیا قصور جب کہ فطرت کا یہی انتخاب تھا اورقدرت کا یہی فیصلہ۔جوہرا گرناقابل بھی ہوتو صناع ازل اسے قابل بنا سکتا ہے اور قابل کو ناقابل بنا دینا بھی اسی کے اختیار میں ہے۔ظلوم وجہول انسان نے پہلے بھی امانت کے تحمّل سے انکار نہیں کیا تھا اوراپنی حکم برداری اورتعمیلِ ارشاد کا ثبوت دیا تھا۔[۴] اس لیے مجال چون و چرا کیسے ہوسکتی؟ باتمثالِ امرآستان قدس پراپنی جبینِ نیاز رکھ دی گئی اور جوکام میرے ذمہ لگایا گیا اس کی انجام دہی کے لیے سر تسلیم خم کر دیا گیا۔ابتدائے کار میں لوگ یہ نہیں سمجھ سکے کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کا

نصب العین کیا ہے؟ خدائی آواز کو ظاہر بینوں نے انسانی آواز سمجھا اور قدرت کے اٹل فیصلہ کو ایک انسان کی معمولی تجویز پر محمول کیا۔

میں نے بہتیرا سمجھانے کی کوشش کی کہ حزب اللہ کی تحریک میرے دماغ کا اختراع نہیں۔ یہ صدا گو میری زبان سے نکل رہی ہے مگر صدا دینے والا کوئی دوسرا ہے، مَیں جو یہ کہتا ہوں کہ اِنّی اَرٰیٰ مَالَا تَرَوْنَ [۵] کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں تم اسے نہیں دیکھ سکتے۔ مَیں جو کچھ سن رہا ہوں تمھاری قوت سامعہ اس کی سماعت سے محروم ہے اور جن واردات قلبی کا میرا دل مورد [اترنے کی جگہ] ہو رہا ہے تم پر کبھی ان کا القا نہیں ہوا تو تمھیں تعجب ہوتا ہے حالاں کہ اس میں حیرت کی کون سی بات ہے؟

اس عجوبۂ روزگار دنیا میں اس سے بڑھ کر حیرت انگیز و تعجب خیز واقعات رونما ہو چکے ہیں اور اب بھی ان کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ دنیا جس کے اندر تم بستے ہو اس کے علاوہ بھی اسی عالمِ کون و مکاں کے اندر دنیا موجود ہے۔ یہ جہاں تو مادہ پرستوں کا جہاں ہے، روحانیت کا جہاں دوسرا ہے جس میں ایسے نوادر و عجائبات اور ایسے مناظر و مشاہدات ہیں کہ تمھارا واہم و گمان بھی وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ یہ کرخت اور سامعہ نواز آوازیں وہاں نہیں ہیں بل کہ موسیقی کے انتہائے کمال ترنم سے بڑھ کر سامعہ نواز لوریاں سنی جاتی ہیں اور سننے والا فرطِ تاثر سے جھومنے لگتا ہے۔ تم نے بڑے دل کش اور دل فریب مناظر دیکھے ہوں گے مگر ان میں وہ رعنائی اور زیبائی کہاں جو عالم قدس کے ہر منظر کے اندر موجود ہے اور ہمیں تو نہایت عجز سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ نہ الفاظ میں قدرت ہے کہ مناظر درونِ پردہ کا نقشہ کھینچ سکے اور نہ زبان کی یارائی کہ اپنی قوتِ بیانی سے اظہارِ حقیقت کر سکے :

ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشتی [۶]

مقصود بالذّات یہ تھا کہ اس فقیر نے تحریکِ حزب اللہ کے سلسلہ میں جو بھی اقدامات کیے ہیں وہ اپنی مرضی و منشا سے نہیں کیے بل کہ

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ۔۔۔ آنچہ نقاشِ ازل گفت ہماں من گویم [۷]

کے مطابق عمل میں لائے گئے ہیں اور تحریک کی شان دار کامیابی، معاندین کی ذلت آمیز ناکامی، بے پناہ حسن قبول، مسلمانوں کی اس کے ساتھ والہانہ عقیدت، رضا کاروں کے اندر ایثار و قربانی کے پُر جوش جذبات کا پیدا ہونا، علالت و کم زوری کے باوجود اس فقیر کا مجاہدانہ عزم۔ یہ اس امر کا بدیہی ثبوت ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، تائید غیبی سے ہو رہا ہے اور کسی دوسری جماعت پر خدائے قدوس و قیوم کا ہاتھ ہو یا نہ ہو مگر ہماری جماعت کی پشت پر اللہ کریم کا دستِ شفقت ضرور موجود ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ موجود رہے گا۔

حزب اللہ کے بائیس سالہ دورِ حیات پر اگر عبرانی نظر ڈالیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس جوش و

خروش، جس سرگرمیِ عمل اور جن بلند عزائم کے ساتھ آغاز کار ہوا تھا اور عامۃ المسلمین نے میری صداؤں پر لبیک کی جو آواز بلند کی تھی اب بھی وہی دل چسپی ہے، وہی خلوص ومحبت کے مظاہرے ہیں، لبیک کی وہی صدائے بازگشت ہے اور مرورِ ایام نے کاروان کی رفتار پر کوئی اثر نہیں ڈالا بل کہ قافلہ پہلے سے بڑھ کر تیز خرامی دکھلا رہا ہے اور روز بہ روز کامیابی کے امکانات روشن ہور ہے ہیں۔ وَھٰذَامِنْ فَضْلِ رَبِّیْ۔ [8]

گزشتہ دو سال مسلمانوں کی آزمائش وابتلا کا زمانہ تھا اور امتحان کے پرچے ان کی علمی استعداد سے بڑھ کر مشکل مگر خداوند کریم کے لطف وکرم سے ہماری جماعت ان آزمائشوں میں پوری اتری اور مصائب و تکالیف کا انھوں نے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ بالخصوص اب دیانت داری اور بد دیانتی کا سوال سامنے آیا تو ہم فخر و مباہات سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ بحیث الجماعت حزب اللہ ہی ایسی جماعت نکلی جس کے بعض غلط رو افراد سے قطع نظر ارکان کی غالب اکثریت نے دیانت اور امانت کے وہ عملی ثبوت پیش کیے کہ مخالفین کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ وَالْفَضْلُ مَاشَھِدَتْ بِہِ الْاَعْدَاءُ [9] زبان سے اپنا تدین [دین دار ہونا] یا تقوا بیان کرنا اور بات ہے مگر موجودہ زمانہ میں عملاً دیانت داری بڑی مشکل اور آپ نے دیکھا اور سنا ہوگا کہ اس دورِ ابتلا میں بڑی بڑی مقدس شخصیتوں کے پائے ثبات میں بھی تزلزل واقع ہوگیا تھا مگر حزب اللہ والے باوجوے کہ وہ مالی اعتبار سے کوئی اہمیت رکھنے والے نہیں تھے اور لوٹ کھسوٹ میں اگر وہ بھی شامل ہوجاتے تو ایک معمولی بات تھی مگر آخرت کے لذائذ وانعامات اور اُخروی فوائد وثمرات پر نظر رکھنے والوں نے متاعِ دنیا کی پروا نہیں کی اور اپنا دامن ان جرائم سے ملوث نہیں ہونے دیا۔

اس معاملہ میں ہماری تحقیقات کا نتیجہ یہی نکلا کہ جس وقت غیر مسلم اقوام کا مال متروکہ جدی جائیداد کی طرح تقسیم کیا جارہا تھا اور بلند دعاوی رکھنے والی جماعتیں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اس مالِ غنیمت کو لوٹ لینے پر ٹوٹ پڑی تھیں۔ اس وقت پاکستان بھر میں صرف حزب اللہ کی ایک جماعت ایسی تھی جس کے اندر خشیت الٰہی اور خوفِ خدا کا غلبہ تھا اور جس نے اطاعتِ امیر کا حلف اٹھا رکھا تھا اور انھی جذبات کے ماتحت وہ باوجود قدرت کے اپنے دوسرے بھائیوں کی اس غلط روش سے اظہارِ بےزاری کرتے ہوئے الگ تھلگ کھڑی رہی۔ وَلَاتَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ [10] کی عملی تفسیر بن کر دکھلا دی۔ ہماری جماعت کا یہ کارنامہ زریں حروف سے لکھنے کے قابل ہے اور آج اخلاقیات کا سبق دینے والوں کو ہماری جماعت کو سب سے بڑی ڈگری دینے کے لیے تیار ہوجانا چاہیے لیکن جن لوگوں نے ایثار علی النفس کا یہ ثبوت دیا ہے انھیں کسی سے دادِ تحسین لینے کی ضرورت نہیں بل کہ جس ذات والا صفات کی حصول خوشنودی کی خاطر انھوں نے یہ ضبط علی النفس کی بہترین مثال پیش کی ہے وہی اس کا اجر عطا فرمائے گا۔

جماعتی نظام تو اور بھی ہیں جن کی مدح سرائی کے لیے بعض اخبارات کے اوراق وقف ہو چکے ہیں۔ پراپیگنڈہ کے اعتبار سے انھیں ہم پر ضرور فوقیت حاصل ہے اور لفاظی کے میدان میں وہ ضرور آگے نکل چکے ہیں لیکن عملی طور پر اگر احتساب کیا جائے تو بہ فضلِ تعالیٰ ہماری جماعت سب سے مقدم اور مرجح نظر آئے گی اور اطاعتِ امیر کا جو جذبہ حزب اللہ والوں میں کارفرما ہے اس کی نظیر دوسری جماعتوں میں بہ مشکل مل سکے گی۔ گزشتہ انتخابات، مقاومت مجہول [سول نافرمانی]، جہادِ کشمیر۔ تینوں موقعوں پر حزب اللہ والوں نے اپنی حکم برداری اور تعمیلِ ارشاد کا وہ نمونہ دکھلایا کہ دیکھنے والے حیران ہو کر رہ گئے۔ جہادِ کشمیر کی خاطر عام لوگوں نے چندے دیے ہیں، سامان خورد و نوش بہم پہنچایا ہے، معرکۃ الآرا تقریریں بھی ہوئیں اور ہمدردی کا زبانی اظہار بھی کیا گیا مگر جان کو ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جنگ میں کود جانا یہ کوئی معمولی بات نہیں اور پھر جب کہ کوئی ظاہری طمع و لالچ سامنے نہ ہو۔ حزب اللہ کے جاں نثار رضا کاروں اور سرفروش فدا کاروں نے گزشتہ سال اپنی بے مثال قربانی کا جو ثبوت دیا ہے اور تقریباً ایک ہزار رضا کار کڑکڑاتی سردیوں اور برف کے طوفانوں میں اوڑی اور ٹیٹوال کے محاذوں پر چار ماہ سے زائد عرصہ، راشن کی بے قاعدگی کے باعث بھوک سے نڈھال مگر جذبۂ جہاد سے مالا مال ہو کر محض غلبۂ اسلام کی خاطر لڑتے رہے اور پونچھ، میرپور، مظفرآباد کے ہزاروں رضا کاروں نے بہ تعمیلِ حکمِ امیر جس تہوّر و شجاعت سے کام لیا ہے اور اسلحہ کی قلت، دشمن کی کثرت کے باوجود اپنے حوصلے نہیں ہارے اور موت سے ہم آغوش ہونے اور جامِ شہادت نوش کرنے کی خاطر جو محیر العقول مناظر دکھلائے ہیں وہ جماعتِ حزب اللہ کے کارناموں میں ایک قابلِ فخر کارنامہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جماعت کے بعض افراد نا فرض شناس بھی ضرور ہیں اور ان کی نازیبا حرکات جماعت کو بدنام بھی کیا کرتی ہیں مگر دنیا میں کون سی ایسی جماعت موجود ہے یا پہلے زمانہ میں موجود تھی جس کے تمام ارکان اصلاح یافتہ قرار دیے جائیں۔ قلیل افراد کی کمزوریوں کو جماعتی کمزوری سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ عوام کی نظریں جماعت کے ہر فرد کا جائزہ لیتی ہیں مگر میری نگاہیں جماعت کو بحیث الجماعت دیکھنے کی عادی ہیں اور بَحَمْدُ لِلّٰہِ کہ اس اعتبار سے جماعت مستحق تحسین و آفرین ہے اور جماعت کے ذمہ جو بھی کام لگایا گیا ہے اس کی سرانجام دہی میں اُس نے کوئی غفلت نہیں دکھلائی۔

پابندی صوم و صلوٰۃ، ترک رسوم و بدعات، ایثار و قربانی، دیانت و امانت، جہاد کی تیاری، اطاعتِ امیر یہ ایسی باتیں ہیں جن کا کہ ہر ایک موقع پر جماعت عملی ثبوت پیش کر چکی ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی اس فقیر کی بائیس سال کی تربیت رائیگاں نہیں جائے گی اور جو بیج بویا جا چکا ہے آج آپ کی نظروں میں ایک لہلہانے والی سرسبز کھیتی کی شکل میں موجود ہے اور جب کھیتی تیار ہو گئی اور آپ کے گھر دانوں سے بھر گئے تو اس قحط سالی کے

زمانہ میں آپ کو ان سے فارغ البالی اور خوش حالی نصیب ہوگی اور حزب اللہ والے ایک ایسا اسوۂ حسنہ چھوڑ جائیں گے جو کہ آئندہ نسلوں کے لیے مشعل ہدایت کا کام دے گا۔ وَبِيَدِهِ التَّوْفِيْقَ۔[11]

گزشتہ سال کے واقعات پر ایک لمحۂ فکریہ

حضور مخبر صادق خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کے مطابق قربِ قیامت کی یہ علامت ہوگی کہ امت مرحومہ پر اس قدر مصیبتیں ٹوٹ پڑیں گی اور [انھیں] اتنی آزمائشوں اور ابتلاؤں سے دو چار ہونا پڑے گا کہ ابھی ایک مصیبت سے چھٹکارا نہ ہوا ہوگا کہ دوسری اُس سے بڑھ کر سامنے آجائے گی[12] اور بقول شاعر

ے ایک مشکل سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
پڑ گئی اور یہ کیسی میرے اللہ نئی[13]

مسلمان مصائب ونوائب کے تسلسل اور آفات وبلیات کے تواتر سے گھبرا کر چیخ اٹھے گا ھٰـذِہٖ ھٰـذِہٖ یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟

چناں چہ گزشتہ سال مسلمانوں پر درد وغم کے جو پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ آگ اور خون، آنسوؤں اور آہوں کے جو درد انگیز مناظر اور ہوش رُبا نظارے دنیا کے سامنے آچکے تھے۔ ایک قوم کو محض اس جرم پر تہ تیغ کیا گیا کہ وہ خدا کا نام کیوں لیتی ہے۔ ایک جماعت کے گھر لوٹے گئے۔ مکانوں کو آگ لگائی گئی۔ ان کی ہلاکت کے لیے کئی قسم کے آتشیں اسلحہ سے کام لیا گیا۔ ان کی عورتوں کی عصمت دری ان کے سامنے کی گئی۔ ان کے معصوم بچوں کو ٹکڑے کر دیا گیا۔ ان کی عورتیں چھین لی گئیں اور ابھی تک ان کی ایک کثیر تعداد دشمن کے قبضہ میں ہے۔ انھیں دیس نکالا دیا گیا اور محض اس جرم پر کہ وہ انسان کے اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کی جگہ ایک واحد لاشریک کی پوجا کیوں کرتے ہیں اور احکم الحاکمین کی چوکھٹ پر پانچ وقت ان کی جبینِ نیاز کیوں رگڑی جاتی ہے۔

مشرقی پنجاب، ہندو اور سکھ ریاستوں اور پایۂ تخت دہلی کے اندر مسلمانوں کا جس بے دردی سے قتل عام ہو چکا ہے اور ان کے خون ناحق کے جو دریا بہہ چکے ہیں یہ داستانِ غم اگر پرانی بھی ہوگئی تو بھی مورخ جب کبھی یہ زہرہ گداز اور جاں گسل واقعات قلم بند کرے گا اس کے قلم سے خون ٹپکنے لگے گا اور داستان سرا جب بھی یہ سہمگیں اور ہوش رُبا کہانی بیان کرنے لگے گا آنسوؤں اور ہچکیوں کے بغیر ایک لفظ ادا نہیں کر سکے گا لیکن خیال یہ تھا کہ اتنی ستم آرائیوں اور ظلم انگیزیوں کے بعد شاید قدرت کو رحم آجائے اور مسلمانوں کو کوئی ٹھنڈا سانس لینا

نصیب ہومگر یہ قانونِ قدرت ہے، یہ فطرت کا اٹل فیصلہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت ہے کہ جب ایک قوم بے راہ روی، غلط اقدام اور گم راہی وضلالت کے سبب سے اوج ارتقا سے قعرِ تنزل میں گرنے لگتی ہے اور جب ایک قوم عیش پسندی، آرام طلبی اور ترکِ جہاد میں مبتلا ہو کر اپنا وقار کھو بیٹھتی ہے اور جب ایک قوم کی بداعمالیوں، بے اعتدالیوں اور بُرے افعال کا محاسبہ شروع ہو جاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے اس سنگین سزا سے نہیں بچا سکتی جو عدالت عالیہ نے اس کے لیے تجویز کر دی ہو۔ اسے پہلے بار بار تنبیہ کی جاتی ہے۔ داعیانِ حق اسے سمجھانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے۔ اصحابِ بصیرت و امعان عواقب و نتائج سے خبردار کرتے ہیں۔ قدرت خود اس کو مختلف صورتوں سے متنبہ کرتی ہے۔ کبھی زلزلے کے ہچکولوں سے، کبھی رعد کی کڑک سے، کبھی وبائی امراض کے حملوں سے مگر وائے بر تقدیر کہ قوم سب کچھ دیکھنے کے باوجود کچھ نہیں دیکھتی، سب کچھ سننے کے باوجود کچھ نہیں سنتی اور حقیقتوں کے سامنے آجانے کے باوجود کچھ نہیں سمجھتی۔ غفلت و جمود، تعطل و سکون میں پڑ کر وہ حرکت چھوڑ دیتی ہے حالاں کہ حرکت کا نام زندگی ہے اور سکون کا نام موت۔ پھر اس پر دائمی موت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کے قوائے عمل بے کار ہو جاتے ہیں اور اس کے احساسات بالکل کند اور جب حیات ہی ختم ہو جائے، زندگی باقی نہ رہے اور آنکھیں بینائی سے محروم، کان شنوائی سے عاری اور دماغ وجدان سے معطل ہو جائے تو ایسے مردہ کو خواہ چیلیں کھا جائیں خواہ جانور اور درندے اس کی بوٹیاں نوچ لیں، خواہ اس کی ہڈیاں مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں کیا فرق پڑتا ہے؟

جسدِ عنصری کی اہمیت روح سے ہے اور جب روح ہی چلی گئی تو پھر انسانی لاشہ اور ایک بے جان پتھر میں کیا فرق ہے؟ مسلمانوں کی بے حسی اور جمود جب درجۂ کمال پر پہنچ گئے اور قوتِ عمل سراسر مفقود ہو گئی اور آثارِ حیات باقی نہ رہے تو مرگِ مفاجات کا حملہ یقینی تھا اور ان کی تباہی و بربادی مستلزم۔

یہ سکّھوں کی چیرہ دستی، یہ ہندوؤں کی یلغار، یہ لاشوں کے ڈھیر، یہ مرنے والوں کی نزعی سسکیاں، یہ دم توڑنے والوں کے آخری سانس، یہ زخمیوں کی چیخ و پکار، یہ یتیموں کا نالہ و فریاد، یہ بیواؤں کی دردناک چیخیں، یہ آگ کا طوفان، یہ خون کے دریا، یہ آنسوؤں کی جھڑیاں، یہ آہوں کی دردنا کی بہ ظاہر اس میں سے ہر ایک ہوش ربا و صبر آزما کیفیت رکھنے والی واردات ہے مگر یہ چیزیں تعجب انگیز مطلق نہیں اور فلک پر چمکنے والے سورج، ضیا گستر چاند اور جگمگانے والے ستاروں نے اس سطحِ ارضی پر ہم چو قسم بہت سے مناظر دیکھے ہیں اور جب کبھی ایک قوم کو پاداشِ عمل کے طور پر قدرت سزا دیتی ہے تو یہ خوں چکاں واقعات اور دہشت انگیز حالات سامنے آجایا کرتے ہیں۔

غرض خیال یہی تھا کہ غلط رو مسلم اور گم کردہ راہ مسلمان پر غم و الم، مصیبتوں اور تکلیفوں کے جو بادل چھا

رہے ہیں وہ قہرِ الٰہی اور غضبِ خدا کی آگ برسا کر چھٹ جائیں گے اور ہلاکت آفرینی اور تباہ خیزی کے جو طوفان امنڈ آئے ہیں ان کی شدّت گھٹ جائے گی مگر ابھی تک حالت بہ دستور ہے۔ نہ مطلع ہی صاف ہونے میں آتا ہے اور نہ یہ طوفانِ بلا ہی ٹلتا دکھائی دیتا ہے اور صرف اسی کی ذات ہے جو اپنے رحم وکرم کے دامن میں ہمیں چھپالے اور ہمارے عیوب اور کم زوریوں کو اپنے عفو ودرگزر کے ہاتھوں سے ڈھانپ لے ورنہ انڈونیشیا کے مسلمانوں کی آزادی جس خطرہ میں ہے۔ اعرابِ فلسطین جس ذلت آفریں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ حیدر آباد کے سقوط کے بعد وہاں کے فرزندانِ توحید پر جو ظلم وستم توڑے جا رہے ہیں۔ ہندوستھان [ہندُستان] کے اندر بسنے والے چار کروڑ مسلمان جس طریق سے خوف وخطر کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ چالیس پچاس ہزار جو مسلمان عورتیں غیر مسلموں کے قبضہ میں ہیں اور ان کی بازیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ کشمیر کے نہتے مسلمان جن مظالم کا شکار ہو کر ترکِ وطن پر مجبور ہو چکے ہیں۔ پاکستان قائم ہو جانے کے بعد اس کے استحکام کو جو شدید خطرہ لاحق ہے اور دشمن اسے نیست و نابود کرنے کے جو منصوبے سوچ رہا ہے یہ باتیں ایسی نہیں جو مسلمانوں کو بحیث القوم اپنی طرف متوجہ نہ کر سکیں جب کہ مسلمان کے مستقبل کا تمام تر دارومدار ان مشکلات سے عہدہ برائی اور ان مصائب سے چھٹکارا حاصل کرنے میں ہے اور ہمیں ان پیدا شدہ حالات کا جائزہ لینا ہے جن کے ساتھ ہماری آئندہ زندگی وابستہ ہے اور ہماری موت وحیات کا انحصار۔

قائداعظمؒ کی رحلت

ہرگز نمیرد آنکہ دِلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما[۱۴]

سالِ گزشتہ کے دردناک واقعات میں قابلِ ذکر سارے جہاں کے مسلمانوں کے لیے بالعموم اور پاکستان کے مسلمانوں کے لیے بالخصوص حضرت قائداعظمؒ مسٹر محمد علی جناح کا ظاہری طور پر ہم سے روپوش ہو جانا ہے اور ایسے وقت میں ہمیں داغ مفارقت دے جانا ہے جب کہ ابھی پاکستان ایک نیا پودا تھا اور معصوم بچّہ جس کی حفاظت ونگہداشت کے لیے ایک تجربہ کار باغ بان اور نگران کار کی ضرورت تھی۔ قائداعظم کی وفات کو ہم ایک سانحۂ ملی اور حادثۂ قومی سے تعبیر کریں گے اور مسلمانوں کی یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ انھیں ایسے بطلِ جلیل، پیکرِ تدبر وسیاست ومجسمۂ دیانت وصداقت کی رہ نمائی سے ایسے وقت محروم ہونا پڑا جب کہ ان کی بے حد ضرورت تھی۔

قدرت کے باغ میں ہمیشہ قسم قسم کے پھول پیدا ہوتے ہیں مگر اپنی قسم کا نرالا پھول کبھی کبھی کِھل کر جاذبِ نگاہ ہوا کرتا ہے۔ اندھوں کی دنیا میں آنکھوں والے روز نہیں آیا کرتے۔ قومیں تو ہر وقت موجود رہتی ہیں

لیکن ان کی اصلاح کرنے والے افراد قرنوں اور صدیوں کے بعد تشریف فرمائے عالم ہوا کرتے ہیں۔

قائداعظم کے اندر وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو کہ ایک سیاسی لیڈر یا رہنما کے اندر ہونی چاہئیں۔ عزم و وقار، بلند خیالی، علوہمتی، اعتماد علی النفس، ارادہ کی پختگی، زبردست قوتِ فیصلہ، سیاسی شعور، تدبر و فراست اور سب سے بڑھ کر خلوص وللّہیت، بےغرضی و بےنفسی یہ ایسے حمیدہ اخلاق و پسندیدہ اوصاف ہیں جن کا بہ یک وقت ایک انسان کے اندر اجتماع مشکل ہوا کرتا ہے اور پھر پاکستان کا قیام بڑی حد تک قائداعظمؒ کا شرمندۂ احسان ہے۔ انگریز کی اسلام دشمنی اور ہندوؤں اور سکھوں کی زبردست مخالفت کے باوجود برعظیم ہندُستان [برصغیر] کو دو حصوں میں تقسیم کرالینا اور دو قوموں کے بہ ظاہر مشکل نظریہ کو منوالینا اور اس گئے گزرے زمانہ میں جب کہ مسلمانوں کی بقیۃ السیف حکومتیں بھی وقفِ رحمِ اغیار بن چکی ہیں، ایک نئی اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈال دینی جو کہ آج دنیائے اسلام کے اندر بڑی ممتاز حیثیت رکھنے والی ہے، یہ کارنامہ قائداعظم کی سوانح حیات میں آبِ زر سے لکھا جائے گا۔

پاکستان کا قیام ایک معجزہ سے کم نہیں جب کہ مسلمانوں کے دماغوں کے اندر اس کا تخیل یا تصور بھی صحیح معنوں میں موجود نہ تھا اور عام نگاہوں میں اس کی حیثیت ایک مجذوب کی بڑ سے زیادہ نہ تھی چہ جائے کہ قائداعظم کی اَن تھک کوششوں اور بے پناہ قوتِ ارادی کے طفیل وہ ایک حقیقت کی شکل میں ہمارے سامنے آ گیا۔

قائداعظم کی ذات صرف مسلمانانِ پاکستان کے لیے موجبِ فخر نہ تھی بل کہ انھیں ایک بین الاقوامی شہرت حاصل تھی اور موجودہ زمانہ کے اعاظم رجال [بڑے لوگوں] میں انھیں ایک بلند ترین مقام نصیب تھا۔ افسوس کہ موت نے انھیں مہلت نہ دی اور فرشتۂ مرگ انھیں ہم سے چھین کر لے گیا ورنہ استحکامِ پاکستان میں ان سے بڑی بڑی توقعات تھیں اور آئینِ پاکستان تیار کرنے میں آج جو حقیقی خلا نظر آ رہا ہے ان کی موجودگی میں کسی فکر وتردّد کی ضرورت نہ تھی اور ان کی قانونی قابلیت اور آئینی مہارت، آئین و دستور کے بہترین طریق سے تیار ہو جانے کے ضامن تھی۔

دوست تو دوست دشمنوں کے دل کو اگر چیر کر دیکھیں تو وہ بھی ان خوبیوں کے مداح و معترف نظر آئیں گے اور یہی فضل وکمال کی اعلا دلیل ہے۔ گو وہ ہم سے ہمیشہ کے لیے ظاہری طور پر جدا ہو چکے ہیں لیکن انھوں نے ہمارے سامنے جو بہترین مثال قائم کی ہے، ہمارے سپرد جو قیمتی امانت کر گئے ہیں اور بنا بنایا پاکستان جو ہمارے حوالہ کر دیا ہے۔ ہم ایک طرف اگر ان کی سیاسی زندگی و دیگر اوصاف سے عملاً مستفید ہو سکتے ہیں تو دوسری طرف ان کی روح کو تسکین اور راحت پہنچانے کا واحد ذریعہ ان کے بابرکت ہاتھوں سے لگائے پودے پاکستان کی حفاظت اور خوردسال بچہ پاکستان کی پرورش ہے۔ آپ کو اگر قائداعظم کی ذات سے واقعی محبت تھی اور اب بھی

ہےتو اس کا عملی ثبوت پاکستان کو مضبوط اورخوش حال بنانے کی صورت میں پیش کریں۔اسے اغیار کی دست برد سے بچانے کے لیے سینہ سپر ہوجائیں اور پاکستان کو حقیقی معنوں میں پاکستان بنا کر چھوڑیں۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْہُ وَارْحَمْہُ وَاَدْخِلْہُ فِی جَنَّاتِ النَّعِیم۔[۱۵]

حیدرآباددکن کا سقوط

اس سال مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ الم ناک وحسرت انگیز، ہوش ربا و دردزا[درد دینے والا] جوحادثۂ الیمہ وصدمۂ عظیمہ موردِ آلام واحزان وموجبِ یاس وحرمان ہوا ہے وہ حیدرآباددکن کا سقوط ہے۔ حیدرآباد چوں کہ ہندوستھان [ہندُستان] اور پاکستان میں واقع ریاستوں میں سب سے بڑی ریاست تھی۔وہاں عرصہ بعید سے مسلمانوں کی حکومت چلی آتی تھی۔ریاست کے مسلمان باشندے بڑے بڑےخوش حال اور فارغ البال تھےاورسب سے بڑھ کرحیدرآباد مسلمانوں کا مایہ ناز علمی گہوارہ تھا۔اُردو یونیورسٹی تھی،اصحابِ فنون کا مرکز تھااورقوم کواپنی اس واحد سر برآوردہ[سراُٹھائے ہوئے] ریاست پرغرور وفخر۔

یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ وہاں کا حکم ران اس قدر کم زوری اور بزدلی دکھائے گا اورایسی رذالت اور بے غیرتی کا ثبوت دے گا۔خیال یہی تھا کہ ہندُستان کی گیدڑ بھبھکیوں سے شیرانِ دکن کبھی مرعوب نہیں ہوں گےاورریاست کی حفاظت اورشانِ اسلامی کو برقرار رکھنے کے لیے ریاست میں بسنے والا ہر مسلمان اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہادے گا۔جس قوم کے اندر سیّد قاسم رضوی جیسے غیور، شجاع،مجاہداور غازی موجود ہوں اس قوم کوکون فنا کرسکتا ہے؟اوراگرنظام بدانجام اپنی قارونی دولت بچانے اور اپنے ذاتی اغراض برلانے کی ہوس میں آکر ہتھیار نہ ڈال دیتا تو حیدرآباددکن کا فتح کرلینا کوئی آسان کام نہیں تھااورسیّد قاسم رضوی کی خالص اسلامی تعلیم اور مجاہدانہ ترغیب ایسی نہیں تھی جو نازک سے نازک موقع پر بھی رضا کاروں کے ہمت واستقلال میں ذرا بھرفرق آنے دیتی۔اگر یہ واقعہ درست ہے کہ جب انڈیا کے ٹینکس کثیر تعداد میں آگے بڑھے اور رضا کاروں کی دو نالی چھرے والی بندوقیں ان کی رفتار کو نہ روک سکیں تو رضا کار ہزاروں کی تعداد میں اپنے بہادر امیر کے حسبِ فرمان ٹینکوں کے سامنے لیٹ گئے۔ٹینکس چلانے والے چوں کہ انسان نہیں تھے بل کہ بدترین وحشی اورخوں خوار درندے۔اس لیےانھوں نے مجاہدین کی قیمتی جانوں کی پروانہ کرتے ہوئے ان کےاوپر ٹینکس دھکیل دیےاور ہزاروں بے گناہ لاشے حبِ قوم وحبِ وطن پر فدا ہوکرتڑپتے رہ گئے۔

حیدرآباد کا قتلِ عام مشرقی پنجاب اورریاست ہائے پھلکیاں کے قتلِ عام سے کم نہیں رہا۔وہاں بھی نہتی آبادی کو تہِ تیغ بے دریغ قتل کیا گیا۔وہاں بھی پردہ نشین اور مجسمۂ عفت وعصمت عورتوں کی کھلے بندوں

عصمت دری کی گئی۔ وہاں بھی چھوٹے بچوں اور ضعیف بوڑھوں کی لاشیں سنگینوں اور نیزوں پر چڑھائی گئیں۔ وہاں بھی مسلمانوں کے گھر تاخت و تاراج کیے گئے اور شریف طبقہ کی عزت و آبرو کو خاک میں ملا دیا گیا۔فرق صرف اتنا تھا کہ مشرقی پنجاب اور ملحقہ ریاستوں کے مسلمان بھاگ کر پاکستان پہنچ گئے تھے اور حیدرآباد کے مسلمانوں کو چاروں طرف سے محصور کر کے کہیں باہر بھی جانے نہیں دیا گیا اور آبرو باختہ اور خانماں برباد فرزندانِ توحید کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ ایسے زہرہ گداز مظالم اپنی آنکھوں سے دیکھیں مگر اُف تک نہ کریں اور آج حیدرآباد دکن کے لاکھوں مسلمان خون کے گھونٹ پی پی کر نظام کی جان کو رو رہے ہیں اور لطف یہ کہ اس قوم فروشی، ملت کشی اور غداری کے بدلے جو توقعات نظام نے نہرو اور پٹیل سے قائم کر رکھی تھیں وہ بھی پوری نہیں ہو سکیں اور اس کے لیے ازاں سو راندہ و ازیں سو در ماندہ[16] والا معاملہ ہو رہا ہے۔

ایک غلطی ہم سے بھی ہوئی کہ پاکستانی مسلمانوں نے حیدرآباد دکن سے بہت بڑی فضول اُمیدیں قائم کر رکھی تھیں۔اس کی فوجی طاقت کے اظہار میں غلط بیانیوں سے کام لیا گیا۔اس کے ہوائی جہازوں کی تعداد غلط مشتہر ہوئی۔اس کے ٹینکس کے جھوٹے افسانے شائع کیے گئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ ادھر حیدرآباد کا سقوط ہوا اور ادھر عامۃ المسلمین کے حوصلے پست ہو کر رہ گئے۔

ہمیں اس موقع پر وزیرِاعظمِ پاکستان کی دوراندیشی اور مصلحت بینی کی داد دینی پڑتی ہے کہ انھوں نے فوراً دورہ شروع کر کے مسلمانوں کے حوصلے بڑھائے اور انھیں ڈھارس دی ورنہ قوم حقیقتاً مایوس ہو چکی تھی حالاں کہ مسلمان کو کسی نازک سے نازک مرحلہ پر بھی نا امید نہیں ہونا چاہیے اور مسلمانوں پر ایسے سیکڑوں وقت آچکے ہیں جب کہ بہ ظاہر سارے مادی وسائل ختم ہو چکے تھے اور دنیا نے مسلمانوں کے ہمیشہ کے لیے مٹ جانے کا فتوا لگا دیا تھا مگر مسلمان نے اپنے عزمِ صمیم اور بلند حوصلگی سے کام لے کر آخری وقت میں اپنی قسمت کا پانسہ پلٹ دیا اور شکست خوردہ فوج نے ایسا بے جگری سے حملہ کیا کہ فاتح لشکر کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔

اس میں شک نہیں کہ حیدرآباد کے سقوط نے ہمارے بلند ارادوں پر ناخوش گوار اثر ڈالا ہے اور بعض حساس طبیعتیں اس سے بے حد متاثر ہوئی ہیں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم صبر و ضبط کی عنان [لگام] کو ہاتھ سے دے کر سینہ کوبی کرنے لگیں یا ٹسوے بہانے لگیں بل کہ ہمیں اس واقعہ سے عبرت حاصل کر کے اپنی طاقت کو اور زیادہ مستحکم بنانا چاہیے اور اس امر کا تہیہ کر لینا چاہیے کہ انڈیا والوں نے ہمارے جو علاقے غصب کیے ہیں، ریاست جوناگڑھ جس نے پاکستان میں اپنی شرکت کا اعلان کر دیا تھا مگر اسے بہ زورِ شمشیر اپنے میں شامل کر لیا ہے اور سومنات کی تاریخی مسجد کو پھر مندر میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔اگر اللہ کریم نے ہمارے بازوؤں میں قوت دی اور ہماری قوت ایمانی بڑھ گئی تو ان شاء اللہ ہم میں سے پھر کوئی محمود غزنوی پیدا ہوگا جو کہ سومنات کے مندر کو

دوبارہ مسجد کی شکل میں تبدیل کر دے گا اور حیدرآباد پر بھی ہمارا صدیوں سے قبضہ چلا آتا تھا اس لیے ہماری زندگی میں یا ہمارے بعد کوئی ایسا وقت ضرور آئے گا جب اس پر بھی اسلامی جھنڈا لہرایا جائے گا اور اگر قاسم رضوی دہلی کے لال قلعے پر ہلال کا پرچم نہیں لہرا سکا تو اس کی معنوی اولاد اس کی وصیت کو پورا کر کے دکھائے گی۔ اگر یہ درست ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے اور سومنات کا مندر پھر مندر بن سکتا ہے تو سومناک کی مسجد پھر مسجد بن جائے گی اور دہلی، آگرہ اور حیدرآباد بل کہ بحر ہند، خلیج بنگال کے تمام ساحلی شہروں تک اسلامی عساکر کی یلغار پہنچ جائے گی اور فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ [۱۷] پے در پے شکستوں کے بعد بھی اللہ کے لشکر کی بالآخر فتح ہوگی اور خدائی فوج کی نصرت۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ۔ [۱۸]

ہندُستان کے اندر بسنے والے مسلمان

تقسیمِ پاکستان و ہندُستان کے بعد مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد مجبور و مقہور ہو کر ہندُستان سے ہجرت کر کے پاکستان پہنچ چکی ہے مگر اس کے باوجود ابھی تین کروڑ سے زائد مسلمان ہندُستان کے اندر موجود ہیں اور ان کی موجودہ زندگی موت سے بدتر ہو رہی ہے۔ ان پر بے پناہ مظالم توڑے جا رہے ہیں۔ انھیں اپنی جان اور مال، عزت و آبرو کا ہر وقت خطرہ لاحق ہے اور فرطِ خوف و ہراس سے ان کے خون خشک ہو رہے ہیں۔ ان کے لب تبسّم سے نا آشنا ہو چکے ہیں۔ ان کی تمام مسرتیں اور راحتیں مفقود ہو چکی ہیں۔ ان کی جائیدادیں بمختلف الحیل ان کے قبضہ سے نکالی جا رہی ہیں۔ ان کی زبان، ان کا کلچر اور ان کا تمدن غصب کیا جا رہا ہے۔ راہ گیر غیر مسلم ان پر پھبتیاں اڑاتے ہیں، آوازے کستے ہیں مگر وہ اپنے حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے دم بہ خود ہو کر اور خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے ہیں اور جواباً اُف تک نہیں کرتے اور یہ وہی لوگ ہیں جن کی عملی قربانیوں سے پاکستان بنا، جو مسلم لیگ کے روحِ رواں تھے اور جنھوں نے خود سب کچھ کھو کر پاکستان والوں کا سب کچھ بنایا۔

اب ان کے سامنے صرف دو صورتیں ہیں کہ یا تو ہندُستان کو چھوڑ دیں اور یا اسلام کو چھوڑ دیں مگر وہ ہندُستان کو چھوڑ کر کہاں جائیں؟ پاکستان میں جہاں کہ ایک کروڑ مہاجرین پہلے سے موجود ہیں اور زیادہ کی گنجائش نہیں اور ترکِ مذہب بھی موجودہ نسل تو نہیں کر سکتی۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں ضعفِ ایمانی یا حالات کی مجبوری کے باعث اسلام کو خیر باد کہہ دیں یا مذہبی تعلیم کی کلیۃً بندش انھیں اسلام کی حقیقت سے ہی نا آشنا کر دے۔ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر یہ تقسیم والا سلسلہ نہ ہوتا تو شاید ہندُستان کے مسلمانوں کو یہ مجبوریاں لاحق نہ ہوتیں بل کہ یہ فرقہ وارانہ فسادات بھی نہ ہوتے اور مسلمان اس دار و گیر اور قتل و نہب سے محفوظ رہ جاتے لیکن یہ بات قطعاً غلط اور معترضین کی حقیقت ناشناسی کی دلیل ہے۔ دراصل ہندوؤں اور

سکھوں کا ناپاک ارادہ یہ تھا کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد مسلمانوں کو اپنی کثرتِ اتفاق اور طاقت کے بل بوتے پر بالکل فنا کر دیا جائے اور انھیں مجبور کیا جائے کہ یا تو وہ برعظیم ہند [برصغیر] سے باہر نکل جائیں یا انھیں مرتد کر کے اپنے اندر شامل کر لیا جائے۔

ڈاکٹر مونجے، پرکاش نرائن، پٹیل و دیگر ہم چوقسم ہندو مہا سبھا ہیت کے خیالات رکھنے والے لیڈروں کی تقریریں یہی اندازِ سخن لیے ہوئے تھیں اور تقسیم سے پہلے بہار کے فسادات کے اندر یہی جذبہ کارفرما تھا بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستان کتم عدن سے منصۂ شہود پر نہ آتا اور ہندوؤں کی خواہشات کے مطابق اکھنڈ ہندُستان رہ جاتا تو آج جس مصیبت میں ہمارے ہندُستان کے اندر بسنے والے مسلمان بھائی مبتلا ہیں، ہم پاکستان میں رہنے والے بھی اُسی میں ماخوذ نظر آتے ہیں اور آج اگر ہمارے ہندُستان میں رہنے والے بھائیوں کو کم از کم ایک جائے پناہ نظر آ رہی ہے تو وہ بھی کہیں دکھلائی نہ دیتی لیکن اب غور طلب بات یہ ہے کہ ہندُستان میں بود و باش رکھنے والے فرزندانِ توحید کو ہم ان ظالموں، وحشیوں اور درندوں کی دست برد سے کیسے بچائیں؟ اور وہ کون سا طریق ہے جس سے ہم اپنی عملی ہمدردی کا اظہار کر سکیں؟ اگر ہمارے پاس اتنی جگہ ہوتی جہاں کہ تین کروڑ آبادی سما سکتی تو ہم بلا تامل ان سب کو اپنے ہاں بُلا لیتے اور اپنی راحت کا شریک بناتے مگر جیسا کہ ظاہر کیا جا چکا ہے، ایک کروڑ مہاجرین کا گزارہ بھی یہاں کثرتِ آبادی وقلتِ رقبہ کی وجہ سے بہ مشکل تمام ہو رہا ہے۔ حکومتِ پاکستان کے اندر بھی اتنی سکت یا ہمت نہیں کہ ہندُستان پر حملہ کر کے اپنے بھائیوں کو وہاں کے اسلام دشمن کافروں کے قبضہ سے چھڑا سکے اور ادھر پانی سر سے گزر رہا ہے اور کروڑوں ستم رسیدہ اور دستِ ظلم کے شکار بھائی نہایت عاجزی اور درماندگی کے ساتھ ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔

اس لیے خواہ اس فقیر کی اس تجویز کو آپ قابل عمل سمجھیں یا نا قابلِ پذیرائی۔ سوائے اس کے کوئی علاج نہیں کہ ہم پاکستان میں رہنے والے سارے مسلمان خواہ وہ انصار ہوں یا مہاجر اس امر کی تہیّہ کر لیں کہ اپنی تمام قوتوں کو یک جا کر کے، ایثار اور قربانی کی ہر قسم کو بروئے کار لا کر اور جہاد و قتال کے جذبات سے سرشار ہو کر اور حکومت کی اعانت حاصل کر کے ہندُستان پر اپنا قبضہ جما لیں گے اور نہ صرف اپنے قیدی بھائیوں کو اس قیدِ غم والم سے نجات دلائیں گے بلکہ ظالموں کو ان کے ظلم کا مزہ چکھایا جائے گا اور مظلوموں کی دست گیری واعانت کی جائے گی جب کہ جہاد کا مقصد وحید بھی ظالموں کی سرکوبی اور مظلوموں کی اعانت ہے۔ آپ متعجب کیوں ہوتے ہیں؟ کس کے وہم وگمان میں تھا کہ اس گئے گزرے زمانہ میں جب کہ مسلمان وراثتِ ارضی کی نعمت سے محروم ہو چلا تھا اور اس کی حکومتیں یکے بعد دیگرے تاخت و تاراج ہو چکی تھیں پاکستان نام کی ایک وسیع سلطنت

اس کے قبضہ میں آجائے گی اور اگر آپ اسے ایک معجزہ سے تعبیر کریں گے اور دادِ الٰہی سے موسوم تو پھر جس خدائے قدوس وقیوم نے ہمیں پاکستان عطا کر دیا ہے تو کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ برعظیم ہند [برصغیر] کا باقی علاقہ بھی ہمارے زیرِ نگیں کر دے۔

اگر ہمارے آباواجداد نے تیغ وسناں، تیروکمان سنبھال کر سارا ہندُستان فتح کر لیا تھا تو کیا ہمارے جسموں میں ان کا خون رواں نہیں؟ کیا ہمارے سامنے ان کے شان دار کارنامے موجود نہیں؟ کیا ہماری ہمتیں اور ہمارے عزائم اتنے بلند نہیں کہ ہم اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیۡہٖ [19] کے مطابق تاریخ کو پھر دہرائیں اور اپنے باپ دادا کی چھینی ہوئی وراثت اور مغصوضہ [چھینی ہوئی] جائیداد غاصبین اور ظالمین سے لے کر چھوڑیں۔ ورنہ یاد رکھیں اگر تین کروڑ مسلمان مرتد ہو گئے۔ اگر اتنی کثیر تعداد کسی خارجی اعانت سے مایوس ہو کر اسلام چھوڑ بیٹھی تو قیامت کے دن ہمیں اس کی جواب دہی کرنی پڑے گی اور سارا بوجھ ہمارے سروں پر آجائے گا۔ کم از کم آپ یہ ارادہ تو کر لیں کہ ہم ہندُستان کو ان شاء اللہ ضرور فتح کر لیں گے اور پاکستان کی سلطنت کی حدود تھوڑے سے رقبہ تک محدود نہیں رہیں گے بل کہ ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست [20] کے حسب فحوائے چوں کہ ہمارے خدائے لم یزل ولا یزال کی حکومت کا دائرہ تمام اقصائے عالم پر وسیع ہے۔ اس لیے ہماری حکومت جو حقیقتاً اسی کی طرف سے ایک عطیہ کی حیثیت رکھنے والی ہے، بہ لحاظِ رقبہ، بہ لحاظِ آبادی، بہ لحاظِ ذرائع آمدن اور زیادہ وسیع ہو جائے گی اور پھر دیکھیں پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے اور وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِاللّٰہِ [21] کے مطابق اور وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ [22] کے حسبِ ارشاد کس طرح فتح کے دروازے کھلتے ہیں اور نصرت وکامرانی نصیب ہوتی ہے۔

؎ یارب ایں آرزوئے من چہ خوش است
تو بایں مدّعا مرا برساں [23]

چالیس ہزار مسلمان عورتیں

صنفِ ضعیف اور بہ لحاظِ خلقت کم زور عورت کا احترام ہر زمانہ میں ہر قوم کرتی چلی آئی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جعفر طیارؓ کو جب وہ ایک جنگ پر جا رہے تھے ارشاد فرمایا کہ جواں مرد جواں مردوں سے نبرد آزما ہوں، عورتوں پر بالکل ہاتھ نہیں اُٹھانا، بوڑھوں اور بچوں کو قتل نہیں کرنا، مکانات نہیں جلانے، کھیتیاں برباد نہیں کرنی۔

رحمتہ للعالمین خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے بنی طے کا باغی قبیلہ پیش ہوتا

ہے۔ساتھ عورتیں بھی ہیں۔ارشادِ نبوی خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ تم میں ایک بڑا سخی حاتم طائی نامی بھی گزرا ہے۔ایک بوڑھی عورت سامنے آتی ہے اور اپنے آپ کو حاتم کی بیٹی ظاہر کرتی ہے۔حضور سرور عالم خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بڑھیا تمھیں اپنے باپ کے نام پر آزاد کیا جاتا ہے۔ بڑھیا وہاں ہی کھڑی رہتی ہے اور حضور خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استفسار پر عرض کرتی ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حاتم کی بیٹی اس کی بیٹی کی نسبت سے خود تو آزادی حاصل کرلے لیکن اس کا قبیلہ قید و بند کی زنجیروں میں جکڑا رہے۔دریائے رحمت جوش میں آتا ہے اور حکم ملتا ہے کہ سارے قبیلہ کو رہا کر دیا جائے۔

مگر ہم یہ کس کی باتیں کررہے ہیں؟ اسلام کی۔جس کی تعلیمات سراسر بلند اخلاق سکھلانے والی ہیں اور جو دنیا کے لیے سعادت مندی اور تہذیب و شائستگی کا پیغام لایا تھا لیکن اس وقت ہمارے سامنے ایک دوسری قوم ہے جس کے آباواجداد کم وبیش ایک ہزار سال کی غلامی کی لعنت میں مبتلا رہے۔جس کے اندر خساست [گھٹیا پن]، رذالت، کمینگی اور غلامی کے جذباتِ خبیثہ گھر کر گئے۔جس کی فطرت شقادت آمیز اور جس کی جبلت شیطنت انگیز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا غضب جب مسلمانانِ ہند پر نازل ہوا تو پہلے اُس نے انگریز کی شکل اختیار کر لی پھر سکھوں کا دھارن سادھ [روپ دھار] لیا اور اب ہندُستان کے اندر پھر وہ ہندوؤں اور سکھوں کی صورت میں نمودار ہوا۔اِن دونوں ننگِ بنی آدم قوموں نے اپنے پڑوسی باپ دادا کے ساتھ مل کر زندگی بسر کرنے والے بے گناہ، بے تقصیر مسلمانوں پر جو ظلم و ستم ڈھائے ہیں۔جس بے دردی اور ظلم کے ساتھ ان کا قتلِ عام کیا ہے اور بوڑھوں، بچوں، اندھوں، اپاہجوں، ضعیفوں، بیماروں، مردوں، عورتوں سب کو ان قصابوں نے جس وحشیانہ طریق سے ذبح کیا ہے یہ دبستانِ الم کوئی فراموش ہونے والی نہیں اور صدیوں تک یہ ناسور مندمل ہونے والا نہیں مگر سب سے بڑھ کر بقیۃ السلف [باقی رہ جانے والے] جینے مگر حقیقتاً مرنے والے مسلمانوں کے سینوں پر جو چرکا لگایا گیا ہے۔وہ ان کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کا جبری اغوا ہے اور گھروں، میدانوں، قافلوں اور گاڑیوں سے جوان عورتوں کا جبراً چھین لینا ہے۔

صحیح تعداد ممکن ہے اس سے زائد ہو مگر تخمینہ کے مطابق مشرقی پنجاب اور ہندو ریاستوں سے قریباً پچاس ہزار مسلمان عورتیں ہندوؤں اور سکھوں نے چھین رکھی ہیں اور دس ہزار کے قریب عورتیں باہمی تبادلہ کے سلسلہ میں واپس آ گئی ہیں اور وہ بھی نابالغ لڑکیوں اور بوڑھی عورتوں کی شکل میں اور ابھی تک چالیس ہزار معصوم، بے گناہ اور عصمت مآب نوجوان عورتیں ان سفاک بھیڑیوں اور دنیا کے بدترین وحشی درندوں کے قبضہ میں ہیں اور ان کی ہوس ناکی کا شکار ہورہی ہیں۔

چاہیے تو یہ تھا کہ تبادلہ کا سلسلہ اس شرط سے عمل میں آتا کہ ہندُستان والے ساری مسلمان عورتوں کو دیانت داری کے ساتھ ان کے وارثوں کے حوالے کر دیتے اور پاکستان والے پوری کوشش سے کام لے کر ان کی تمام عورتیں ان کے سپرد کر دیتے مگر ہمارے ارباب بست وکشاد کی غلطیوں کا خمیازہ اب اس شکل میں اٹھانا پڑا ہے کہ ان کی ایک عورت بھی اب پاکستان میں موجود نہیں اور ہماری چالیس ہزار عورتیں ان کے قبضہ وتصرّف میں ہیں۔

مسلمانوں کو یہ کب معلوم تھا کہ ہمارا سابقہ ایک ایسی کمینہ اور رذیل قوم سے پڑنے والا ہے؟ انھوں نے ہر معاملہ میں رحم دلی دکھلائی اور رواداری سے کام لیا ورنہ مسلمان بھی اگر چاہتے اور ان کے اخلاق بھی اگر پست ہو جاتے تو وہ بھی بھاگنے والے ہندوؤں اور سکھوں کی ایک کثیر تعداد عورتوں کو ان سے چھین سکتے تھے مگر ہوا یہ کہ جب کہیں کوئی ہندو خاندان کسی مسلمان شریف کے ہاں پناہ گزیں ہوا تو ان کی حفاظت کی خاطر وہ خود سینہ سپر ہو گیا مگر ان پر آنچ نہ آنے دی اور مسلمانوں کے سامنے سیکڑوں ہزاروں عورتیں آئیں مگر انھیں اپنی ماں بہن سمجھ کر چھوڑ دیا گیا یا کسی محفوظ جگہ پہنچا دیا گیا۔

اب ان مظلوم اور بے کس عورتوں کی بازیابی بہ ظاہر محال ہو چکی ہے اور عذر لنگ یہی ہے کہ ہماری عورتیں واپس دلاؤ لیکن جب ایک چیز کا وجود ہی نہ ہو تو اس کا حصول کیسا؟ اب اس کے لیے تمام جتن بے کار ہیں، تمام کوششیں بے سود ہیں۔ اخلاق کے نام پر اپیل وہ سُن سکتا ہے جس کے اندر اخلاق موجود ہوں۔ بھیڑیے کے آگے ہاتھ جوڑ کر آپ اپنی بھیڑ واپس نہیں لے سکتے۔ سانپ اور بچھو جب ڈسنے لگیں تو خدا کا واسطہ ڈالنے سے وہ باز نہیں آئیں گے۔ اگر آپ کے اندر غیرت اور حیا کا مادہ موجود ہے۔ اگر آپ کے اندر اُن پاک باز، پردہ دار اور باعصمت بیویوں کی عصمت دری اور جانوروں کی طرح کوڑیوں کے مول گھر گھر بکنے کا احساس موجود ہے۔ اگر آپ کی حمیّت اِسلامی اور غیرت ایمانی بالکل فنا نہیں ہوئی تو خدارا مجھ سے وعدہ کریں کہ ہم اپنی عورتوں کو واپس لے کر چھوڑیں گے اور اگر منت سماجت سے کام نہ چلا اور حقِ ہمسائیگی وجوار کو نظر انداز کر دیا گیا تو پھر آخِرُ الْحِیلَ السَّیْفَ [۲۴] کے مطابق ہم لڑ کر مر جائیں گے مگر اپنی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو واپس لے کے رہیں گے۔

اسلام کی یہ تعلیم نہیں کہ کسی غیر مسلم عورت کو لے اڑیں لیکن اسلام کی تعلیم یہ بھی نہیں کہ ہماری عورتیں دوسری قومیں چھین لیں اور ہماری رگِ حمیت پھڑک نہ اُٹھے یا ہمارا خون نہ کھولنے لگے۔ وَ لَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ [۲۵] کا مفہوم یہی ہے اور وَلَوْلَادَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ آلایۃ [۲۶] کا یہی مقصد باقی رہا۔ اس سلسلہ میں ہمارا عملی اقدام، سو اس کی تشریح پہلے باب میں کی جا چکی ہے اور چوں کہ ہندُستان کے اندر بسنے والے مسلمان اور چالیس ہزار مسلمان عورتیں ایک ہی مرض میں مبتلا ہیں۔ اس لیے

دونوں کا علاج بھی ایک ہے اور وہ ہے جہاد اور فقط جہاد۔

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے[۲۷]

کشمیر کا جہادِ حریت

کشمیر کی ریاست ہمارے پڑوس میں واقع ہے۔ وہاں کے بسنے والے مسلمان بھائی بہ لحاظِ تمدن و معاشرت، بہ لحاظِ طرز بودوماند وثقافت ہم سے ملتے جلتے ہیں اور پاکستان کے ساتھ کشمیر کا واسطہ چولی دامن کا واسطہ[۲۸] ہے۔ کشمیر کو اگر پاکستان سے الگ کر دیا جائے تو باقی جسم بلا دماغ رہ جائے گا اور کشمیر پر کسی دوسرے کا قبضہ پاکستان کو پنجرے میں بند کر دینے کے مترادف ہے۔ گزشتہ سال کشمیر کے حالات پر روشنی ڈالی گئی تھی اور اس امر کا اظہار کیا گیا تھا کہ حزب اللہ کی جماعت نے اپنے مظلوم کشمیری مسلمان بھائیوں کی عملی اعانت سے کوئی دریغ نہیں کیا اور ایک ہزار رضا کار جو فوجی تربیت یافتہ تھے، ہمارے علاقوں سے جا کر آزاد کشمیر فورس کے نام سے ادڑی اور ٹیٹوال کے محاذ پر پورے چار ماہ لڑتے رہے ہیں اور اندرونِ کشمیر میں رہنے والے رضا کاروں کی ایک کثیر تعداد اپنے دوسرے بھائیوں کے دوش بہ دوش مصروف پیکار رہی ہے مگر یہ کسی پر احسان نہیں ہم نے اپنا فرض اَدا کیا اور بَحَمْدُ لِلّٰہِ کہ احسن طریق سے۔

اب عارضی طور پر لڑائی بند ہو چکی ہے لیکن لڑائی بند ہونے سے پہلے ہندُستان والے فوجی درندوں کی چیر پھاڑ اور بدترین مظالم کے مظاہرے سے خوف زدہ ہو کر لاکھوں مسلمان سرزمینِ کشمیر سے ترکِ وطن پر مجبور ہو گئے تھے اور آج کالا، واہ اور مانسر کے کیمپوں میں کشمیری پناہ گزین قافلے اپنی جان اور عزت بچا کر بے سروسامانی کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں اور اس بات کے منتظر کہ کہیں حالات مساعد [مددگار] ہوں اور وہ اپنے وطن میں جا کر اپنی جائیدادیں سنبھال سکیں۔ ان پر جو افتاد پڑی ہے اور انھیں جس طریق سے نشانۂ ستم بنایا گیا ہے اس کی کیفیت وہی تھی جو مشرقی پنجاب میں ظاہر ہو چکی ہے۔ جس کا اعادہ ریاست حیدرآباد میں کیا جا چکا ہے اور جس کو پھر کشمیر کے علاقوں میں دھرایا گیا ہے۔ سانپ جہاں بھی ڈستا ہے ایک ہی طریق سے اور بچھو کسی کو بھی ڈنگ مارے گا اس کی نوعیت ایک ہی ہوگی۔ ظالم قوم کے سامنے سوال مسلمانوں کو ختم کرنے کا ہے اور اس کے لیے جو بھی حربے وہ استعمال کرتی ہے ان میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ وہی عورتوں کی عصمت دری، وہی بلاتمیز سن و سال و بلاامتیاز مرد و عورت کا قتلِ عام۔ ہاں کشمیر میں یہ جدت بھی سنی گئی ہے کہ قیدیوں کی آنکھیں نکال لینی، ان کے کان کاٹ دینا اور عورتوں کے پستانوں کی قطع و برید۔ ان مظالم کا بدلہ تو ان سے اللہ تعالیٰ لیں گے یا اللہ کی طرف سے مامور غیرت مند مسلمان۔

اب جب کہ عارضی مصالحت ہو چکی ہے اور جمعیت متحدہ اقوام کا منتخب کردہ کمیشن مکمل صلح کرانے کی غرض سے کوہ کندن وکاہ برآوردن [۲۹] کے مطابق ابھی تک مبادیات طے کرنے میں مصروف ہے اور اس کے ارکان دہلی سے کراچی، کراچی سے کشمیر اور کشمیر سے رجعت قہقہری کرتے ہوئے [الٹے پاؤں واپس جاتے ہوئے] پھر دہلی کا چکر کاٹ رہے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ باہمی مصالحت کی شرائط کیا ہوں گی اور کیا وہ شرائط فریقین کے لیے قابلِ تسلیم ہوں گی یا نہیں؟ کشمیر والوں کا یہ آخری مطالبہ ہے اور پاکستان والے بھی اس پر مصر ہیں کہ کشمیر کے ہندُستان یا پاکستان سے الحاق کا فیصلہ ریفرینڈم یا رائے شماری سے ہو اور اس کی معقولیت میں کیا کلام ہوسکتا ہے کہ اس دورِ آزادی وزمانۂ حریت میں ایک مسلمہ نظریہ کے مطابق ہر قوم کو یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ اپنی قسمت کا فیصلہ اپنی کثرت رائے سے خود کرے اور چوں کہ جمعیت اقوام سے آنے والی مجلس کا [تعلق] اُن حکومتوں سے ہے جو کہ آزادیِ ضمیر کے ساتھ آزادیِ افکار و آرائے کی موید ہیں۔ اس لیے وہ کسی ایسی سکیم کی مجوّز یا مویّد نہیں ہوگی جو کہ غیر منصفانہ ہو۔ مثلاً تقسیمِ کشمیر کا مطالبہ بالکل ایک لغو اور بے ہودہ قسم کا ہے اور تقسیمِ ہند و پاکستان کے جو خطرناک و ہیبت انگیز نتائج ہمارے سامنے آچکے ہیں ان کے پیشِ نظر یہ تجویز درخورِ اعتنا ہرگز نہیں ہوسکتی اور اگر بہ فرضِ محال ہم اسے تسلیم کرلیں تو نقصان سراسر مسلمانوں کا ہے۔ ریاست کے جس علاقہ میں مسلمانوں کی اکثریت تھی وہاں تو پھر بھی ان کی اکثریت رہے گی لیکن جہاں کہ وہ اقلیت میں تھے وہاں اُن کا وجود پہلے ہی ختم کیا جا چکا ہے۔ اگر کہیں وہ باقی رہ بھی گئے ہیں تو انھیں کلیۃً ختم کردیا جائے گا اور تقسیم کے سلسلہ میں پہلے ہی کتنے لاکھ بے گناہ مسلمانوں کی شہادت کا رونا ہم رو رہے ہیں کہ اُس علاقہ میں باقی رہنے والے مسلمانوں کے لیے پھر صفِ ماتم بچھانی پڑے۔

رائے شماری میں بڑے حزم واحتیاط کی ضرورت ہے۔ دشمن جہاں ظالم ہے وہاں چالاک بھی حد درجہ کا ہے۔ کشمیر کے سادہ لوح مسلمانوں کو بہکانے، ورغلانے اور غایت ما فی الباب خرید کرنے کے لیے ہر جائز ناجائز حربے استعمال کیے جائیں گے بل کہ یہ سلسلہ ابھی سے شروع کردیا گیا ہے اور غدّار عبداللہ کی غدّار پارٹی مصروفِ عمل ہو چکی ہے۔

یہ انتخابات اگر معرضِ وجود میں آئے تو بہ لحاظِ نوعیت اپنی نظیر آپ ہی ہوں گے۔ ایک طرف سونے چاندی کی نہریں بہائی جائیں گی۔ ایک طرف عبادالدراہم مولوی اور عبادالدنانیر پیر قرآن اور حدیث کی آڑ لے کر آیتوں اور حدیثوں کے غلط معنی بیان کریں گے اور کفار ومشرکین کی اطاعت کو جزوِ ایمان قرار دیں گے۔ انڈیا کی حکومت کو ظلِ الٰہی سے تعبیر کیا جائے گا اور نہرو اور پٹیل کو خلیفۃ اللہ فی الارض سے منسوب اور دوسری طرف علمائے حق وارباب صدق وصفا کشمیر کے مسلمانوں کو حکومت الٰہیہ سے روشناس کرائیں گے۔ کفر و شرک کی ریشہ

دوانیوں سے آگاہ کریں گے۔ اسلام و کفر، توحید و شرک، قرآن اور ویدوں کا مابہ الامتیاز [۳۰] ظاہر کریں گے اور ظاہری لالچ کی جگہ باطنی انعام و اکرام سے مالا مال ہونے کی ترغیب دلائیں گے۔ حالات کچھ کیوں نہ ہوں، انڈیا والے اپنا سارا خزانہ کیوں نہ صرف کر دیں۔ عبداللہ پارٹی اپنی ابلہ فریبیوں اور چرب زبانیوں کا خواہ کتنا ہی مظاہرہ کیوں نہ کریں انشاءاللہ جھوٹ پر سچائی کی فتح مقدر ہو چکی ہے اور باطل کے مقابلہ میں حق کا غلبہ مستلزم۔

اس فقیر نے تہیہ کر رکھا ہے کہ رائے شماری کے وقت اگر داخلہ پر کوئی خاص بندش نہ ہوئی تو کشمیر جا کر وہاں کے مسلمان بھائیوں کو بالعموم اور اپنے مخلص برادرانِ طریقت ارکان و رضا کارانِ حزب اللہ کو بالخصوص اَدائے فرض کی توجہ دلائے گا اور انھیں کفر کے بالمقابل اسلام کا ساتھ دینے پر آمادہ کار بنائے گا۔

آج کی مجلس میں بھی ایک خاصی تعداد ریاست جموں و کشمیر کے بسنے والوں کی موجود ہے۔ انھیں یہ فقیر بہ حیثیت ان کے مذہبی و روحانی رہ نما اور بہ حیثیت امیرِ جماعتِ حزب اللہ حکم دیتا ہے کہ ریفرنڈم یا رائے شماری کے وقت آپ نہ صرف اپنے ووٹ شمولِ پاکستان کے حق میں دیں بل کہ اپنی ہر امکانی کوششیں دوسرے مسلمان بھائیوں کو اس معاملہ میں ہم خیال بنانے میں صرف کر دیں کہ وہ دنیاوی لالچ یا طمع کی پروا نہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا اور حضور آقائے دو جہاں خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوش نودی حاصل کرنے کی غرض سے سچائی اور صداقت کا ساتھ دیں۔ کانگریس کے ترنگے جھنڈے کے نیچے آ جانے کی جگہ اسلامی علم کے ماتحت آ جائیں جب کہ ہندوستھان [ہندُستان] میں شامل ہونے کی صورت میں انھیں مال اور جان کے اتلاف [ضائع ہونے]، عزت و آبرو کی بربادی کا خطرۂ عظیم لاحق ہوگا اور پاکستان میں شامل ہو کر وہ اپنی ایک وسیع اسلامی برادری کے سلک میں منسلک ہو جائیں گے اور امن و سلامتی، اطمینان و فراغت کی زندگی بسر کریں گے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

اور اگر خدانخواستہ فی مابین مصالحت نہ ہو سکی، ہندوؤں کا بنیاپن اصلاحِ احوال میں مانع ہو گیا اور پھر لڑائی چھڑ گئی تو یہ فقیر صاف لفظوں میں اعلان کرتا ہے کہ ہمارا ہر ایک رضا کار اور تعلق دار آزادیِ کشمیر کی خاطر اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دے گا اور جب تک ہم کشمیر کو پاکستان کا ایک جز و لاینفک [۳۱] نہ بنا لیں گے ہم نہ کبھی چین سے بیٹھیں گے اور نہ دشمنوں کو بیٹھنے دیں گے۔ یہ ہماری جماعت کا آخری فیصلہ ہے اور اللہ کریم ہمیں اس پر پوری طرح پابند ہونے کی توفیق بخشیں۔ آمین۔

مسئلہ فلسطین

انگریز کی اسلام دشمنی ایک حقیقت مسلمہ ہے اور مسلمانوں کو بحیث القوم جو نقصانات برطانیہ کے

ہاتھوں اٹھانے پڑے ہیں تاریخ دان طبقہ سے ان کی تفصیلات چھپی ہوئی نہیں۔ دراصل صلیبی جنگوں میں جو پے در پے شکستیں اور یکے بعد دیگر ہزیمتیں اسلامی مجاہدین نے انگریزوں کو دی ہیں اور جس خیب وخسران [رسوائی و نقصان] سے بے نیل مرام یہ قوم ارض قدس سے نکالی گی ہے اس دن سے ان کے دلوں میں مسلمانوں کی دشمنی و عداوت کے جذبات پیدا ہو چکے ہیں اور برطانیہ کے ہر فرد کے رگ وریشہ میں مسلمانوں سے بدلہ اور انتقام لینے کی روح سرایت کر چکی ہے۔ اسلامی ممالک کے تاخت وتاراج اور اسلامی سلطنتوں کو تباہ وبرباد کرنے کی پالیسی اسی قوم کو طغرائے امتیاز رہا ہے۔ مصر وسوڈان، عراق وشام، ٹرکی وایران کے اندر برطانیہ کی تخریبی حکمت عملیوں نے جو کارہائے نمایاں کر دکھائے ہیں اور اسلامی شہنشاہیت [خلافت] کی جڑوں کو کھوکھلا کر کے ان کے رعب و وقار، اثر واقتدار کو جس طرح زائل کر دیا ہے۔ سرزمین عرب کے اندر حجاز ویمن، کویت وسعودی ریاست کو باہم دگر ٹکرا کر ایک طرف مسلمانوں کو کم زور کرنے اور دوسری طرف اپنے سیاسی فوائد حاصل کرنے کی جو چالیں چلی گئی ہیں اور کرنل لارنس کے ذریعے جو ساز باز ہوتی رہی ہے ان سے قطع نظر خود ہمارا ملک ہندوستھان [ہندُستان] انگریز کی چالاکی وعیاری، مکروفریب، ڈپلومیسی وابلہ فریبی کا ایک عملی مظہر بن چکا ہے۔ ہندُستان کی ایک بہت بڑی اسلامی سلطنت کے حقیقی زوال کا باعث بھی یہی قوم ہے اور مسلمانوں کو تاج وتخت، جاہ وجلال، توقیر واقبال سے محروم کرنے والی یہی نسل ہے۔

کیا حسنِ ظن اور نیک دلی سے کام لینے والے مسلمانوں کو اب بھی اس قوم کی عداوت اور دشمنی کا ثبوت نہیں مل سکا؟ جب کہ مسلمانوں کی وفاداری کا صلہ انھیں ہندوؤں اور سکھوں کے لیے بے رحم ہاتھوں میں سونپ کر خود ایک تماشائی کی حیثیت اختیار کر لینے، ضلع گورداسپور کو تناسب آبادی کے نظریہ کے علی الرغم انڈیا سے ملحق کر دینے اور کشمیر کے لیے ایک راستہ کھول دینے اور پھر مسلمانوں کے فوجیوں کو دور دراز ملکوں میں بھیج کر ہندو اور سکھ افواج کو نہتی آبادی کے کشت وخون کے لیے کھلی چھٹی دے دینے کی صُورت میں سامنے آچکا ہے۔ یہی جذبۂ عداوت فلسطین کی سرزمین میں بروئے کار آ رہا ہے۔ جرمن اور آسٹریا کے بھگوڑے یہودیوں کو پہلے انگریز نے ہی فلسطین کو اپنا وطن بنانے پر اکسایا بعد میں معاہدہ بالفور کا ڈھونگ رچا کر اُن کے پاؤں مضبوط کر دیے اور جب دیکھا کہ ان کی طاقت اب کم زور نہیں رہی اور عربوں سے وہ دو دو ہاتھ کر سکتے ہیں تو پھر چپکے سے اپنا پاؤں نکال لیا اور ناصح مشفق بن بیٹھا۔

اب حالت یہ ہے کہ یہودیوں کی امداد پر تمام طاغوتی داہرمنی طاقتوں، ابلیسی اور شیطانی حکومتوں نے ایکا کر رکھا ہے اور خود ساختہ حکومت اسرائیل کو قریباً سب نے تسلیم کر لیا ہے۔ اسلحہ کی بہم رسانی کے علاوہ یورپ اور روس سے دھڑا دھڑ فنونِ حرب کے ماہر رضا کارانہ صورت میں فلسطین پہنچائے جا رہے ہیں۔ عرب بے چارے

مصیبت کے مارے مشرقی پنجاب اور کشمیر کے مہاجرین کی طرح ترکِ وطن پر مجبور ہو کر در بہ در ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں نان شبینہ کے محتاج ہیں، نہ بدن پر کپڑا ہے اور نہ کھانے کے لیے لقمہ اور گزشتہ سردیاں اُن غریبوں نے آسمان کے نیچے بغیر مکان و بستر بسر کی ہیں اور دنیا کے اندر اپنی تہذیب و عمرانیت کا ڈھنڈورا پیٹنے والے سب کچھ دیکھنے کے باوجود انجان بنے بیٹھے ہیں اور انگریز یہود کی خرمستیوں سے نالاں ہونے کے باوجود اس بات کا متمنی ہے کہ خواہ یہود شرق اردن پر قابض ہو کر اس کے مفاد کو نقصان کیوں نہ پہنچائیں۔ مصر کے ساتھ اس کا معاہدہ خواہ قائم رہے یا ٹوٹ جائے لیکن یہ کیا اس کے لیے کم خوشی کا باعث ہے کہ ایک ایسی سرزمین سے جہاں کہ اُس کے آباؤ اجداد کو دھکے دے کر مسلمانوں نے نکال دیا تھا کہ وہاں ان مسلمانوں کی نسلوں کو یہود پامال کر رہے ہیں؟

پاکستان نے اخلاقی طور پر اعرابِ فلسطین کی ضرور امداد کی ہے اور چاہیے تو یہ تھا کہ اسلامی ہمدردی کے حسب اقتضائے [اقتضا] ہماری حکومت اس سلسلہ میں کوئی عملی اقدام بھی کرتی۔ اس فقیر نے حالات سے متاثر ہو کر حزب اللہ کی جماعت کی طرف سے ایک ہزار تربیت یافتہ اور فوجوں سے سبک دوش شدہ یا پنشنر رضا کاروں کی پیش کش کر رکھی ہے جو کہ حکومت سے کوئی تنخواہ نہیں لیں گے البتہ اُن کے لیے اسلحہ، وردی اور آلاتِ حرب بہم پہنچانے کی ذمہ داری حکومت کی ہوگی۔ دفتر خارجہ سے ہمیں اطلاع موصول ہو چکی ہے کہ بشرطِ ضرورت ہمارے رضا کاروں کو سب سے پہلے جہادِ فلسطین میں عملاً حصہ لینے کو بھیج دیا جائے گا۔

اس فقیر نے ایسے رضا کاروں کی فہرست بھی مرتب کر کے رکھی ہے اور جن سرفروشوں نے اپنے قبلہ اوّل کی حفاظت اور ایک ایسی مقدس سرزمین سے جس کا ایک ایک چپہ باعثِ یمن و برکت ہے،[۳۲] جس کے کونہ کونہ میں ہمارے اسلاف اکرام اپنے خون کا دریا بہا چکے ہیں اور ہلال و صلیب کی چپقلش میں وہ ایک سو سال تک لڑائی کر کے زبردست فتوحات حاصل کر چکے ہیں، اپنے نام لکھائے ہیں، وہ تیار رہیں اور ہمارا حکم پہنچتے ہی منزلِ مقصود کو روانہ ہو جائیں جب کہ نور دین زنگیؒ اور صلاح الدین ایوبیؒ کی روحیں تمھیں پکار رہی ہیں اور اسلام کے مجاہدین و فاتحین کی آنکھیں تمھارا راستہ دیکھ رہی ہیں۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جن کی موت، موتِ شہادت ہو اور خوش قسمت ہیں وہ نوجوان جنھوں نے جہاد کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا ہو۔

انڈونیشیا کا معاملہ

جزائر شرق الہند و جاوا سماٹرا بہ لحاظ وسعتِ رقبہ و کثرتِ آبادی خصوصیت رکھنے والے ہیں اور ان جزیروں میں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے۔ ان کی مجموعی تعداد چار کروڑ کے قریب ہے اور اگر اسلام پھیلا

ہے تو بعض غلط بیان مورخین کے قول کے مطابق کہ فلاں ملک میں اسلام بہ زورِ شمشیر پھیلا۔ تلوار کے زور سے نہیں بل کہ عرب سوداگروں اور تاجروں نے اپنے اخلاق و عادات، داد وستد معاملات و عادات کے ایسے نمونے پیش کیے کہ وہاں کی اصل آبادی خود بہ خود اسلام کی گرویدہ ہوگئی اور جو کام تلوار سے کبھی نہیں ہو سکا وہ مردِ مومن کی نگاہ سے ہو گیا۔ وہاں پہلے حکومت ہالینڈ کی تھی اور ڈچ حکم ران تھے۔

گزشتہ جنگ عظیم کے بعد جب کہ تمام قوموں کے اندر بے داری کا جذبہ کارفرما ہوا تو انڈونیشیا (یعنی جاوا، ساٹرا اور دیگر جزائر شرق الہند) کے مسلمانوں نے بھی اپنا حقِ آزادی طلب کیا اور معمولی قربانیوں کے بعد اپنی ایک خود مختار حکومت قائم بھی کر لی۔ اُس وقت ہالینڈ جرمن کی دست برد سے کم زور ہو چکا تھا وہ اس نئی حکومت کے قیام کو نہ روک سکا۔ بعد میں جب ملکہ ہالینڈ[۳۳] نے برطانیہ کے شاہی خاندان سے دور یا نزدیک رشتہ کا واسطہ دے کر امداد طلب کی تو برطانیہ والے جو اسلام دشمنی پر ادھار کھائے بیٹھے تھے جھٹ ہالینڈ کی امداد پر تیار ہو گئے اور اصول پسندی، حریت پسندی، آزاد خیالی سب باتوں کو بالائے طاق رکھ کر اس کا ساتھ دینے لگے۔

انڈونیشیا کے غیرت منداور بہادر مسلمانوں نے موت کو غلامی پر ترجیح دینے کا فیصلہ کر لیا اور اپنی آزاد سرزمین کی حفاظت و نگہداشت کے لیے اپنے سروں پر کفن باندھ کر نکل آئے۔ شروع شروع میں انگریزوں کے اسلحہ سے مسلّح اور برطانیہ کے جہازوں پر سوار ہو کر جانے والے ولندیزوں نے کچھ فتوحات بھی حاصل کیں مگر اب گوریلا جنگ میں انڈونیشیا کے مجاہدین روز بہ روز کامیابی حاصل کر رہے ہیں اور ادھر لیک سکسیکس میں متحدہ اقوام کی مجلس جس کے پاس جنگ بند کرانے کے لیے نہ کوئی فوج ہے نہ کوئی طاقت اور یوں ہی خیال آفرینیوں اور خیال آرائیوں میں مصروف ہے اور اس کے مرسلہ وفود جو کارروائیاں یہاں کشمیر کے سلسلہ میں کر رہے ہیں وہی انڈونیشیا میں ہو رہی ہیں حالاں کہ کشمیر کی صلح بھی اگر ہو گی تو ہندستان اور پاکستان کی اپنی مفاہمت پر اور انڈونیشیا کا مسئلہ بھی اگر حل ہوگا تو ہالینڈ اور وہاں کے باشندوں کے ایک نتیجہ پر پہنچ جانے کی صورت میں۔

خیر متحدہ اقوام کی بے کار مجلس اور بے نتیجہ مباحث سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ ہمیں تو اپنے دُور دراز بسنے والے بھائیوں سے ہمدردی ہے اور اگر ہمارے بس میں ہوتا اور حکومتِ پاکستان وہاں مجاہدین کے پہنچانے کا کوئی بندوبست کر سکتی تو ان شاءاللہ ہمارے رضا کار وہاں بھی پہنچ کر اپنے بھائیوں کے دوش بہ دوش لڑنے کے لیے تیار ہیں اور کم از کم سردست ہمارا یہ فرض اولین ہے کہ ہم اپنے جاوا ساٹرا میں بسنے والے مسلمانوں کی فتح و کامرانی اور جو جنگِ آزادی انھوں نے شروع کر رکھی ہے اُس میں حصولِ کامیابی کے لیے ہر نماز کے بعد خشوع وخضوع سے دعا کیا کریں جب کہ دل کی گہرائی اور عمقِ قلب سے نکلنے والی دعائیں ہمیشہ مستجاب ہوا کرتی ہیں۔

اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرَ دِيْنَ وَاخْذُلْ مِنْ خَذَلَ الْمُسْلِمِيْنَ۔[۳۴]

حکومت الٰہیہ کا قیام واہتمام

شکر صد شکر ہر آن چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمدز پسِ پردۂ تقدیر پدید[۳۵]

حضرات! جیسا کہ آپ سے مخفی نہیں ہر جماعت کا کوئی نہ کوئی نصب العین یا زاویہ نگاہ ضرور ہوا کرتا ہے۔ کارروانِ راہ کے سامنے جب تک منزلِ مقصود نہ ہوتو وہ اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بغیر کہاں جا سکتا ہے؟ راہ نورد خواہ تیز گام ہو یا آہستہ خرام اُسے کہیں پہنچنا ہوتا ہے ورنہ یوں ہی بے کار گشت اور بلا مقصود سفر اختلالِ دماغ کی دلیل ہے۔ افراد کے سامنے بھی مآلِ حیات موجود ہونا ناگزیر ہے اور اقوام و مِلل بھی اپنے روبہ رو ایک منتہائے مقصود رکھ کر اُس کے حصول کی خاطر سرگرمِ عمل ہوا کرتی ہیں اور جن چیزوں کے ہم طلب گار ہیں اور جو دشوار گزار منازل طے کر کے ہم ایک مخصوص مقام پر پہنچنا چاہتے ہیں اور ہماری حیات کا جو ماحصل اور ہماری زندگی کا جو مقصدِ وحید ہے اس کا تعین و تشخص کیے بغیر ہمارا کوئی اقدام بھی مستحسن نہیں ہوگا۔

ایک تاجر کا منتہائے مقصود منافع کا حصول متعین ہو چکا ہے۔ اس لیے اس کا لین دین کے معاملات میں انہماک ایک واجب فعل متصور ہوگا۔ کسان کا مآل کار غلہ اندوزی ہے اور اس کی خاطر اگر وہ چلچلاتی دھوپ میں اپنا خون پسینہ ایک کر دیتا ہے تو ہم اس کی فرض شناسی کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے اور ایک طالب علم اگر کسی بڑی تعلیمی ڈگری حاصل کرنے کی خاطر موسم سرما کی طویل اور ٹھنڈی راتوں میں گھنٹوں دماغ سوزی کرتا ہے اور نیند کے غلبہ کے باوجود بھی نہیں سوتا تو ہم اس کے فعل کو تمسخر و تضحیک کی نگاہوں سے نہیں بل کہ تحسین و آفرین کی نظروں سے دیکھیں گے۔ علیٰ ہذا القیاس[۳۶] اگر ایک جماعت اپنے مقررہ نصب العین کے حصول کی خاطر سرگرم عمل ہو جائے، والہانہ اقدامات کرنے لگے اور اس کی حیات کے اکثر لمحات اور زندگی کے کثیر اوقات اسی جدوجہد، تگ و دو میں صرف ہونے لگیں تو ہمیں اُس کے اِس طریقِ عمل پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں بل کہ اُس اصول پسندی اور معارف پروری کا اعتراف کرنا پڑے گا۔

آج کی دنیا مختلف اصولوں کی پیروی میں بٹ چکی ہے اور جمہوریت، اشتراکیت، اشتمالیت، شخصی اقتدار اور سرمایہ داری وہم چو قسم خیالات رکھنے والے اپنے آپ کو راستی پر اور دوسروں کو غلطی پر سمجھ رہے ہیں بل کہ باہمی کش مکش، تصادم و تقابل نے آج انسان کو موردِ آلام و تفکرات بنا رکھا ہے۔ پہلے زمانوں کی لڑائیاں ہوسِ استعمار و خواہش ملک گیری کی خاطر لڑی جاتی تھیں مگر آج اپنے غلط یا صحیح کی ترویج و اشاعت اور اپنے عقائد کو دوسروں پر ترغیب و تحریص یا ترہیب [ڈرانا] و جبر سے ٹھونسنے کی خاطر فوج کشیاں ہو رہی ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ جمہوریت پسند طبقہ راستی پر ہے یا کمیونزم کے خیالات رکھنے والے حق کے علم بردار ہیں۔ مقصد تو یہ ہے کہ ہر ایک کے سامنے کوئی نہ کوئی نصب العین ضرور ہے اور اُس کو فروغ دینے اور ممتاز بنانے کی خاطر یہ ساری کدوکاوش جاری ہے اور زبانی پراپیگنڈہ سے نکل کر زورآزمائی تک نوبت پہنچ چکی ہے۔

اقتصادی اور معاشرتی پروگرام خواہ کسی نوعیت کے ہوں ان میں کسی ایک چیز کا دائمی وجود باقی نہیں رہ سکتا اور زمانہ کے حالات بدل جانے اور ضروریاتِ زندگی میں انقلاب آجانے، معیارِ حیات بلند یا پست ہو جانے سے ان میں ترمیم و تنسیخ ہو جایا کرتی ہے۔ اشتراکیت کا جو تصور لینن کے دماغ میں تھا وہ اب سٹالن کے دماغ میں متمکن نہیں۔ وِلسن کے چودہ نِکات اب ٹرومین کے سامنے داستانِ پارینہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔

لیکن مذہب انسان کے سامنے جو طریقِ عمل پیش کرتا ہے اور اُسے جس حقیقی، ازلی، ابدی نصب العین سے روشناس کراتا ہے۔ اس کے سامنے جو بہترین اصول اور بلندترین اخلاق لائے جاتے ہیں اور جس شاہ راہِ عمل پر چلنے کی اُسے دعوت دی جاتی ہے۔ مرورِایامِ زمانہ کا ہیر پھیر، وقتی انقلابات ان کے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتے اس لیے اور محض اس لیے کہ جس ذات واجب الوجود اور جس ہستی مطلق نے یہ تعلیمات انسانی ارتقا کے لیے پیش کر رکھی ہیں۔ اُس کی وسیع نظریں ماضی، حال اور مستقبل تینوں کا جائزہ لینے والی ہیں اور انسان اوجِ ارتقا کی کتنی منزلیں طے کر جائے مگر شاہینِ فطرت کی اُڑان سب سے اوپر ہوا کرتی ہے۔ اسلام دُنیا کے سامنے ایک وہ نصب العین لایا جس کی دنیا کو اشد ضرورت تھی۔ استبدادیت و شخصی طرزِ حکومت سے دنیا والے بے زار ہو چکے تھے۔ انسانی روح ذاتی حکومت کے پنجرے میں پڑ کر پھڑ پھڑا رہی تھی۔ ظلم وستم، طغیان وعدوان کا دور دورہ تھا۔ حکومت کے نشے میں سرشار ایک شیطان بہ صورتِ انسان لاکھوں انسانوں کے لیے وبالِ جان ہو رہا تھا۔ بزن و بکُش [مارو اور قتل کرو] کے احکامات جاری تھے۔ مزدور کے خون و پسینہ سے قصرِ استبداد کی تعمیر ہو رہی تھی۔ ایک طرف عیش وعشرت کی فراوانی تھی اور دوسری طرف غربت وافلاس کی ارزانی۔ ایک شخصی اقتدار کی بحالی کی خاطر ہزاروں جانیں قربان کر دی جاتیں اور ایک ملک کی فتح کے لیے لاکھوں انسان لقمۂ اجل بنا دیے جاتے۔ غرض کہ خود انسان کے ہاتھوں انسانیت کراہ رہی تھی اور آدمیوں نے آدمیت کا جنازہ نکال رکھا تھا۔

عین اس حالت یاس وقنوط اور ان اوقاتِ صبر آزما و حوصلہ شکن میں دنیا کا سب سے بڑا انقلاب پسند اور جہاں کا سب سے بڑا فاتح سامنے آیا اور اس نے مجبور و مقہور انسان کو سمجھایا کہ یہ تم نے غیر فطری و غیر طبعی صورت حال کیوں پیدا کر رکھی ہے۔ انسان انسان کے آگے کیوں سرنگوں ہوتا ہے؟ ایک نوع اپنی نوع کے آگے کیوں جھکتی ہے؟ قیصریت وکسرٰیت کا مقصد کیا ہے؟ استبدادیّت وشخصیت کے معنی کیا ہیں؟ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ [۳۷] یہ تو سب نام ہی نام ہیں جن کو

تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے اتنی اہمیت دے رکھی ہے حالاں کہ اللہ کی جانب سے نہ اس کے لیے کوئی حکم ہے اور نہ کوئی دلیل۔ ان سب اَنْدَادًا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ سے اعراض کرو۔ یہ جو تم نے اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ بنا رکھے ہیں ان سب سے روگردانی اختیار کرو اور اِنِّـیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْن [۳۸] اپنے منھ مخلصانہ طور پر زمین اور آسمانوں کے پیدا کرنے والے کی جانب پھیر دو اور شرک و کفر سے کنارہ کشی اختیار کرلو۔

خیر البریہ [ساری مخلوق سے افضل] کا صرف ایک نصب العین ہے۔ انسان کا صرف ایک منتہائے مقصود ہے اور بنی نوع آدم کا صرف ایک سرمایہ حیات اور وہ ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

کہ اللہ کے بغیر کوئی اِلٰهَ نہیں، احکم الحاکمین کے بغیر کوئی حاکم نہیں۔ دنیا اس کی پیدا کردہ ہے اور وہی دنیا کا بادشاہ ہے۔ سارا جہان اس کی مخلوق ہے اور وہی مخلوق کا نگران کار۔ اعتقادی لحاظ سے نہیں بل کہ عملی لحاظ سے حکومت اُسی کی ہونی چاہیے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ [۳۹] بادشاہت کے لیے اسی کی ذات مستحق ہے اور اس کی حکومت کے اندر اُسی کا قانون رائج ہونا ضروری ہے۔ تم جسے اپنا امیر بناؤ گے وہ ذاتی طور پر مطلق العنان نہیں ہوگا مگر بہ حیثیت نائب اور خلیفہ کے حقیقی شہنشاہ اور اصلی احکم الحاکمین کے احکام نافذ کرے گا اور اس کے مقررہ قوانین و قواعد پر انسان کو چلائے گا لیکن اس کی یہ مجال نہیں ہوگی کہ اپنی طرف سے سنت اللہ اور قانونِ خدا کے اندر دخیل کار ہو سکے۔ اطاعتِ امیر کے ساتھ شرط لگائی گئی ہے۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ [۴۰] کہ اگر امیر یا خلیفہ کے ساتھ تمھارا اختلاف رائے ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف رجوع کرو۔ لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِی مَعْصِیَةِ الخَالِقِ [۴۱] کا بھی یہی مقصد ہے کہ (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہونی چاہیے)۔ ان صاف وصریح ارشادات کے بعد قصرِ استبداد دھڑام سے نیچے جا پڑا اور انسان انسان کے تسلّط اور دست برد سے قطعاً آزاد ہو گیا۔ حکومت الٰہیہ کے قصرِ رفیع کی بنیاد ڈالی گئی اور شخصیت و استبدادیت کی مسمار شدہ عمارت پر جمہوریت کا عالی شان محل تعمیر کیا گیا۔

آپ بہ نظرِ امعان مطالعہ فرمائیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب تک خلافت راشدہ کے زمانہ میں خلیفہ کی حیثیت ایک نائب و نگران کار کی رہی، خشیت الٰہی و خوفِ خدا سے وہ ہر وقت مرعوب اور متاثر رہا اور مسلمانوں کے سامنے اعلائے کلمۃ اللہ، کا نام بلند کرنے اور اپنے شہنشاہِ اعظم کی حکومت کا دائرہ اقصائے عالم میں وسیع کرنے کا جذبہ کارفرما رہا، ہر میدان میں فتح ان کے ہم رکاب رہی اور نصرت نے ان کے قدم چومے

لیکن جس وقت مسلمان کی بدقسمتی سے عنانِ حکومت خود غرض، بے دین، نفس پرست اور جاہ طلب بادشاہوں کے ہاتھ آ گئی اور انھوں نے اسلام کے منہاج قویم کو چھوڑ کر قیصر و کسریٰ سے رشتہ جوڑا۔ عربی سادگی کی جگہ عجمی تکلفات نے لے لی۔ ایک واحد لاشریک کی پرستاری کے ساتھ ساتھ بادشاہِ وقت کی غلامی کو بھی لازم قرار دے دیا گیا۔ خدائے قدوس وقیوم کی پرستش میں بادشاہ سلامت بھی شریک ہونے لگے تو محض اسی شرک پرستی اور ترکِ توحید کے جرم میں ان کی حکومت کو پہلے زوال شروع ہو گیا اور پھر وہ کلیۃً وراثت ارضی سے محروم کر دیے گئے۔ سقوطِ بغداد، تسخیرِ غرناطہ، زوالِ ترکی، غصبِ ہند اور دوسرے اسلامی ممالک کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے بتدریج چلا جانا محض اسی وجہ سے ہوا کہ انھوں نے کسی انسان کو اللہ تعالیٰ کا شریک وسہیم [حصہ دار] بنا لیا۔ ایک انسان از خود مطلق العنان حکم ران بن بیٹھا ورنہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت صحیح معنوں میں قائم ہو جائے، اس کا قانون عملی طور پر نافذ ہونے لگے اور پھر ایسی حکومت کو کوئی زوال پہنچ سکے یا کوئی بدخواہ اس کی طرف نظرِ بد سے دیکھ سکے۔

حزب اللہ کا شروع سے نصب العین حکومت الٰہیہ کا قیام ہے اور اب تو ماشاء اللہ پاکستان والے خود اس چیز کو اہمیت دے چکے ہیں۔ انگریز کے زمانہ اور برطانیہ کی حکومت کے دنوں میں بھی اس فقیر نے اپنے نصب العین کو بغیر کسی ابہام یا اجمال کے صاف اور کھلے لفظوں میں پیش کیا اور حزب اللہ والوں کو حکومت الٰہیہ قائم کرنے کی خاطر ہر قسم کی مالی و جانی قربانی کے لیے تیار رہنے کی پُرزور ترغیب دلائی۔ اس زمانہ میں قطع نظر اس کے کچھ ایسی باتیں منھ سے نکالنی سڈیشن یا بغاوت میں شمار ہوا کرتی تھیں اور اس فقیر نے اپنی جرأتِ ایمانی و جسارتِ ملی سے کام لے کر اور اَلْكَلِمَةُ الْحَقّ عَلٰى لِسَانِ سُلْطَانٍ جَائِرٍ [۴۲] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ خاتم النّبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟ فرمایا: بادشاہ ہو، جابر ہو، اس کے سامنے جا کر سچی بات کہہ دینا سب سے اچھا عمل ہے، اظہارِ حق سے عمل صالح کا استحقاق پیدا کرنے کی پوری کوشش کی۔ یہ بات کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ یہ الفاظ جو زبان سے نکالے جا رہے ہیں ان کا مطلب بھی کبھی نکل سکے گا اور امیرِ حزب اللہ کو جو یہ خواب آ رہا ہے کبھی شرمندہ تعبیر بھی ہو گا مگر قربان جائیں اس منعم حقیقی، حاجت روا، بندہ نواز، اللہ کریم کی ذات پر اور اس کے بے کراں احسانات و بے پایاں الطاف پر کہ اس نے اس فقیر کی التجا کو قبول فرما لیا اور ایسے قدرتی سامان مہیا کر دیے کہ انگریز ہندوستان چھوڑنے پر مجبور ہو گیا اور تقسیمِ ہند کے سلسلہ میں پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا اور ایک آزاد اسلامی سلطنت کی داغ بیل ڈال دی گئی۔

گزشتہ سال اس فقیر نے اربابِ حکومت سے بڑے دردمند مگر کھلے الفاظ میں یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ

وہ غیر مبہم اور واضح الفاظ میں اس امر کا اظہار کر دے کہ پاکستان کی حکومت خالص اسلامی ریاست ہوگی اور اس کے اندر جو قانون رائج ہوگا وہ انسان کا بنایا ہوا ناقص قانون نہیں بل کہ اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا کامل قانون ہوگا اور یہ تجویز پیش کی گئی تھی :

> جب دستور ساز اسمبلی اجلاس منعقد کرے اور وہاں یہ دستور سازی کا مسئلہ سامنے آئے تو کسی تمہید یا مبادیات کے بغیر قائداعظم قرآن حکیم کو ہاتھ میں لے کر یہ اعلان کر دیں کہ اسلامی حکومت کا مکمل دستور اور جامع آئین میرے اور آپ کے سامنے ہے اس کی موجودگی میں کسی دوسرے دستور یا آئین کی قطعاً ضرورت نہیں۔

افسوس کہ قائداعظم صاحب تو ترتیبِ دستور [۴۳] سے پہلے ہی چل بسے اور اس سعادت کو اللہ نے کسی دوسرے شخص کے لیے مختص کر دیا مگر یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ قائداعظم (مرحوم) نے اپنی کئی تقریروں اور تحریروں میں اس بات کو تسلیم کر لیا تھا کہ پاکستان کا دستور اسلامی ہوگا اور عام مسلمانوں نے جو توقعات اس بارے میں قائم کر رکھی ہیں وہ پوری ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دیں ہمارے پاکستان کے وزیراعظم لیاقت علی خان صاحب کو جنھوں نے ۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو اپنی معرکۃ الآرا قرارداد مقاصد ایوانِ اسمبلی میں پیش کر کے اور پھر اسے اسمبلی کے ارکان کی کثرت رائے سے پاس کروا کر مسلمان کے مطالبات کو عملاً تسلیم کر لیا ہے اور حکومت الٰہیہ کے نظریہ کو مان لیا ہے۔ دستورِ جمہوریت کی تائید کی گئی اور اصولِ جمہوریت، حریت و مساوات و رواداری اور عدل عمرانی کو اسلام کی تشریح کے مطابق ملحوظ رکھنے کا وعدہ کیا گیا۔ یہ الفاظ واقعی قابلِ قدر ہیں کہ جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ

وہ انفرادی یا اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن کریم اور سنت رسول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں متعین ہیں، تربیت دے سکیں۔

اس فقیر نے قرارداد مقاصد اور وزیراعظم کی ضمنی تقریر کو کئی دفعہ بہ نظر غائر مطالعہ کیا ہے اور چوں کہ الفاظ بڑے ذو معنی اور پیچیدہ ہیں اور مخالف و موافق دونوں اس لفظی گورکھ دھندے سے فائدہ اٹھا کر اخذ نتائج کر سکتے ہیں۔ اس لیے اپنی رائے کے اظہار سے کچھ دیر اجتناب کیا لیکن پورے غور و فکر اور مکمل سوچ کے بعد یہ فقیر اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ محرک کی نیت نیک اور ارادہ اچھا ہے اور اصولی طور پر حکومت الٰہیہ کو تسلیم کر لینا اور اسلامی اصول کو مان لینا اور پھر ایسے ماحول میں جہاں کہ وزیراعظم صاحب رہا کرتے ہیں مُغتمات سے ہے اور ہمیں کوئی حق نہیں کہ ظُنّوْ الْمُوْمِنِیْنَ خَیْراً [۴۴] کے مطابق ہم کسی کی نیت پر حملہ کریں بل کہ ہم نہایت سچے دل اور صمیم قلب سے وزیراعظم صاحب کو مبارک باد دیں گے کہ انھوں نے بین الاقوامی حالات سے بے نیاز ہو کر، ہمسایہ

حکومت کے فرقہ وارانہ جذبات کی پروا نہ کرتے ہوئے اورحزبِ مخالف کی غلط منطق اورفضول استدلال سے متاثر ہوئے بغیراس قرارداد کومجلس آئین ساز سے منظور کرالیا ہےاورسعادت دارینی حاصل کرلی ہے۔اس میں شک نہیں کہ نقادنظریں قرار داد کوتشنۂ تکمیل سمجھیں گی اور بعض الفاظ کا ابہام انھیں کھٹکنے لگے گا۔ وزیراعظم نے اثنائے تقریر میں کلیسائی طرزِحکومت کا جومضحکہ اڑایا ہے وہ بھی تشریح طلب ہےاوراسلامی حکومت کوامیر کے بغیر صرف جمہور کے ہاتھ میں دے دینے کا نظریہ بھی محلِ نظر جب کہ ہمارے خیال میں اسلام نے جوملکی نظام ہمارے سامنے پیش کیا ہے وہ جمہوریت اورشخصیت کےامتزاج کا نام ہے۔

قرآن حکیم نے بھی اطاعتِ امیر کولازم قرار دیا ہے [۴۵] اورحضور مخبر صادق خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو اس سلسلہ میں یہاں تک ارشاد موجود ہے کہ اِتَّبِعُوا الْاَمِیْرَ وَلَوْ کَانَ فَاسِقاً۔ امیر کی تابع داری کروخواہ فاسق وفاجر ہی کیوں نہ ہو۔ [۴۶] دوسری حدیث میں عَبَداً حَبشِیّاً کالفظ آتا ہے کہ خواہ غلام حبشی کیوں نہ ہو ہاں وَشَاوِرْ ھُمْ فِی الْاَمْرِ [۴۷] اور وَاَمْرُ ھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ [۴۸] کی آیتیں جمہوریت کی اہمیت ہی واضح کرنے والی ہیں اورخلفائے راشدین رضی اللہ عنھم کا اس پر تعامل بھی رہا۔

بہ ہرکیف ہم اس امر کا انتظار کریں گے کہ دستورساز جماعت ترتیبِ دستور میں اصول اسلامیہ کی کس حدتک پاس داری کرتی ہےاوروزیراعظم صاحب نے جووعدے کیے ہیں وہ کس حدتک پورے کیے جاتے ہیں۔ دراصل اب یہ ساری ذمہ داری اس مجلس کے سرپر آپڑی ہے جوکہ دستور بنائے گی اوراگراس نے کوئی غلط قدم اٹھایا تواس کی جواب دہی اب وزیراعظم صاحب کے ذمہ نہیں ہوگی۔انھوں نے تواس قرارداد مقاصد کو پاس کرا کراپنا فرض بہ طریق احسن پورا کردیا ہے۔اب خدا کرے مجلس دستورساز کوبھی اپنے فرائض کا احساس ہو اور سیاسی مصلحتوں، ذاتی خیالات وعقائداورمغرب زدہ جماعت کوخوش کرنے کی بجائے وہ ترتیبِ دستور میں اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کریں اور دنیا کے سامنے اپنی اسلام دوستی، اصول پرستی اور دیانت داری کا عملاً ثبوت چھوڑ جائیں۔

ایک بات البتہ وزیراعظم صاحب کےنوٹس میں لانے کی ہے کہ دستورسازی کے لیے جوارکان منتخب کیے گئے ہیں ان میں سوائے ایک دوحضرات کے اکثریت ایسے اصحاب کی ہے جن کا مبلغ علم دینیات ہرگزنہیں بل کہ ان کا تعلیمی کمال انگریزی زبان دانی یا انگریزی ادب تک محدود ہے۔اس لیے جب تک مشائخ عظام اور علمائے کرام کی چندممتاز اورقابل ہستیوں کو وہ اس مجلس میں شامل نہیں کریں گےاس امر کا امکان موجود ہے کہ اصول اسلامی سے مراد وہ اصول لے لیے جائیں جنھیں کہ یہ ہم چوقسم اصحاب اپنے خیال کے مطابق صحیح تصور کرتے ہیں یا وہ ایسی دوراز کارتاویلات سے کام لیں گے جن کی کہ اسلام کے اندرکوئی گنجائش نہیں۔اگرمجلس

دستور ساز میں اضافہ ارکان کی گنجائش نہ ہو تو بھی ایک امدادی مجلس ایسی ضرور مقرر کر دینی چاہیے جو کہ قرآن حکیم اور سنت نبوی خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں دستور مرتب کرنے میں معاون کار ہو سکے۔

اس سلسلہ میں یہ فقیر دعا کرے گا کہ اللہ کریم دستورِ پاکستان مرتب کرنے والے ارکان پر ہدایت کی راہیں کھول دیں اور وزیر اعظم صاحب نے جس حکومت الٰہیہ کے قیام کا اعلان کیا ہے وہ لفظاً نہیں بل کہ معنًا، لساناً نہیں بل کہ عملاً حکومت الٰہیہ بن کر رہے اور ہمارا یہ مطالبہ پورا ہو جائے کہ اللہ کی حکومت میں اللہ کا قانون نافذ ہونا چاہیے۔

اسلام اور اشتراکیت

موجودہ وقت میں دنیا کے سامنے سب سے بڑھ کر جو چیز جاذب توجہ ہو رہی ہے وہ اشتراکیت یا کمیونزم کا اثر ونفوذ ہے اور روسی خیالات وعقائد کی عملاً نشر واشاعت اور اب یہ معاملہ زبانی پراپیگنڈہ سے بڑھ کر جنگ وجدال، محاربہ وقتال کی صورت اختیار کر رہا ہے۔ دنیا کا کون سا ملک ہے جہاں اشتراکیت واشتمالیت کا بیج نہ بویا جا رہا ہو؟ اور بہ ظاہر کوئی حکومت بھی ایسی نظر نہیں آتی جہاں کمیونزم والے اپنی الگ کھچڑی نہ پکا رہے ہوں۔ یورپ کے اندر سُرعت رفتار سے اشتراکیت پھیل رہی ہے۔ امریکا جو حقیقی معنوں میں سرمایہ دار ملک ہے اور جہاں کی جمہوریت پسندی دوسرے فرقوں پر غالب ہے وہاں بھی یہ مرض سرایت کر چکا ہے اور ایشیا تو آج کل اشتراکیت کی آماج گاہ بن چکا ہے اور مشرق بعید کے ممالک بہ درجۂ غایت اس سے اثر پذیر ہو چکے ہیں۔ چین پر کمیونسٹوں نے مکمل قبضہ کر لیا ہے اور ان کے بے پناہ سیلاب کو دیوارِ چین بھی نہیں روک سکی۔ برما، آسام اس کی زد میں آ چکے ہیں۔ انڈیا کے اندر بھی اشتراکیت نے وسیع جال بچھا رکھے ہیں اور بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی[۴۹] والا معاملہ ہو رہا ہے۔ اگر فوجی قوت کے بھروسہ پر انڈیا میں مجوزہ دعوے سے ہڑتال نہیں ہو سکی یا ایک دفعہ انڈیا والوں نے اپنا دامن کمیونزم سے چھڑا بھی لیا ہے لیکن معلوم نہیں یہ لاوا پھر کس وقت پھوٹ پڑے اور انڈیا کے امن وامان کو خس وخاشاک کی طرح بہا لے جائے۔

پاکستان تا حال اشتراکیت کی دست برد سے بچا ہوا ہے مگر تا بہ کے [کب تک]؟ اور لطف یہ کہ یہ بلا کہیں باہر سے نہیں آتی بل کہ ملک کے اندر ہی خیالات وانقلابات انگیز جذبات کی ایک رو پیدا ہو جاتی ہے اور دلوں کی دنیا میں اندر ہی اندر ایک تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور مزدور سرمایہ دار اور کاشت کار زمین دار کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ غریب جو امیروں کی امارت کو پہلے صرف للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے اب ان کی

آمریت کو خاک میں ملا دینے کے لیے میدان میں نکل آتے ہیں اور باہم دگر تصادم و تقابل کے بعد مزدور اور غریب اپنی کثرت تعداد، عزم راسخ اور ایثار و قربانی کے طفیل غیر متوقع طور پر کامیابی حاصل کر لیتے ہیں اور ایک حقیقی معنوں میں انقلاب آجاتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کے مسلمہ نظریات کی روشنی میں اشتراکیت کی کیا حیثیت ہے؟ اور مسلمانوں کو کہاں تک اس کا ساتھ دینا چاہیے یا اس سے علاحدگی اختیار کرنی چاہیے؟

جہاں تک اس فقیر نے اس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کیا ہے اسلام کے اپنے زریں اصول اس قدر مرغوب خاطر اور ہر دل عزیز ہیں کہ ان کی موجودگی میں کمیونزم یا اشتراکیت پر کوئی شخص توجہ ہی نہیں دے سکتا اور دنیا کے اندر اگر کوئی مسلک ایسا موجود ہے جس پر اشتراکیت کا افسوں نہ چل سکے اور اس کا پروپیگنڈا بے نتیجہ ہو کر رہ جائے وہ اسلام اور صرف اسلام ہے لیکن اسلام وہ نہیں جو موجودہ زمانے کے مسلمانوں کی ذات میں نظر آرہا ہے بل کہ وہ حقیقی اسلام جو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے دنیا کے سامنے آیا اور جس نے اپنے بہترین اصول و اخلاق سے سارے جہان کو گرویدہ بنالیا۔ وہ اسلام جس نے عملی طور پر سرمایہ داری کا خاتمہ کر دیا، جس نے غلامی کا قلع قمع کر دیا، جس نے عورت کی حیثیت کو بلند کیا، جس نے غریبوں کو دولت مندوں کا حصہ دار بنایا اور جس نے حریت، اخوت اور مساوات کے حیرت انگیز مناظر دکھلا کر ساری دنیا سے داد تحسین حاصل کی۔

پاکستان کو اگر اشتراکیت کے طوفان سے بچنا ہے تو اس کے بچاؤ کی صرف ایک صورت ہے کہ مسلمانوں کو پھر سے مسلمان بنایا جائے۔ عبادات میں، معاملات میں، اخلاقی اعتبار سے، تمدنی لحاظ سے، اقتصادی اور معاشرتی حیثیت سے وہ پکے مسلمان بن جائیں۔ یہ شریف اور کمین کا سوال باقی نہ رہے۔ یہ زراعت پیشہ اور غیر زراعت پیشہ کا امتیاز اٹھ جائے۔ زمین دار اپنے مزارعین کے دکھ سکھ میں شریک ہوں۔ امیر غریبوں کی دل کھول کر اعانت کرنے لگیں۔ محتاجوں اور مفلسوں کے لیے کام مہیا ہو جائیں اور بیت المال سے مستحقین کو وظائف ملنے لگیں۔ یتیموں اور بیواؤں کی دست گیری ہونے لگی۔ اسلامی بیت المال کے ذریعہ زکوۃ، صدقات اور عشر وصول کر کے حق داروں پر تقسیم کیے جائیں۔

مزدوروں کی اجرت معقول ہو اور کام کا وقت محدود۔ حکومت رفاہ عام کے کاموں میں زیادہ دل چسپی لینے لگے۔ صنعت و حرفت اور دست کاریوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ کسانوں کے لیے بہ شرط ضرورت حکومت کی طرف سے بلاسود قرضہ پر بیج مہیا کیے جائیں۔ بیل خرید کو تقسیم کیے جائیں۔ آمدن اگر کم ہو تو معاملہ یا ٹیکس معاف کر دیے جائیں۔ تعلیم جبری اور لازمی ہو۔ حفظان صحت کا خاص خیال رکھا جائے۔ حکام اور پولیس والوں کے جبر و ستم سے لوگوں کو رہائی دلائی جائے۔ ہر ایک معاملہ میں انصاف اور رواداری سے کام لیا جائے، پھر ایسے حالات میں اگر کمیونزم کا کوئی خطرہ باقی رہ جائے تو کسی کو اشتراکیت کا نام لینا بھی یاد رہ جائے تو ہم ذمہ دار ہیں۔

دراصل اشتراکیت حکومت کے غلط طرزِ عمل سے پھیلا کرتی ہے۔ امیر طبقہ کی ہوس ناکی اور استبدادیت کے اندر اس کی نشو ونما ہوا کرتی ہے اور جب حکومت خدا کی ہو، اس کی ہیئت ترکیبی علیٰ نہج الشریعت اور مسلمانوں کا اعلا طبقہ ادنیٰ طبقہ کا ہمدرد اور خیر خواہ بن جائے تو پھر اشتراکیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔

وزیرِاعظم صاحب نے جو قرارداد مقاصد منظور کرائی ہے اگر اسے صحیح معنوں میں بروئے کار لایا گیا اور مسلمانوں کو اسلامی اصول واخلاق کا نمونہ بننے کے ذرائع استعمال کیے گئے تو کسی دوسرے ملک کو اشتراکیت کا ہوا ڈرانے لگے تو الگ بات ہے کم از کم پاکستان یا اس کے نقشِ قدم پر چلنے والے دوسرے اسلامی ممالک اس کی دست برد سے ان شاء اللہ تعالیٰ کلیتاً محفوظ رہیں گے اور حکومت پاکستان کو ہم ایک مخلصانہ مشورہ دیں گے کہ وہ صرف مرض کو تشخیص نہ کرے بل کہ علتِ مریض کو پہچان کر اس کے استیصال کی کوشش کرے اور وہ مسلمانوں کی موجودہ بے دینی، الحاد اور مذہب سے بیگانگی ہے۔ انھیں مذہب کے قریب کر دیں، ان کے اندر اسلام دوستی اور دین داری کے خیالات پیدا کر دیں پھر خود بہ خود ایک ایسا ناقابلِ شکست قلعہ اور حصنِ حصین [مضبوط قلعہ] پیدا ہو جائے گا جس کی دیواروں سے اشتراکیت یا اشتمالیت کی موجیں کسی حد تک ٹکراتی رہیں وہ دیوار کے ایک پتھر کو بھی اپنے مرکزِ ثقل سے متزلزل نہیں کرسکتیں۔ یاد رکھیں۔

اشتراکیت اگر زہر ہے تو اس کا فاد اسلام بشرطیکہ اپنی غلط آرا وافکار سے بنایا ہوا اسلام نہ ہو بل کہ وہ اسلام جو قرون اولیٰ کا اسلام تھا۔

مغربی پنجاب کے آئندہ انتخابات

بعض ناخوش گوار اور ناخوش آئند حالات کے باعث مغربی پنجاب میں بدقسمتی سے جو صورت حال رونما ہو چکی ہے اور جس کی وجہ سے جمہوری نظام میں جو تعطل پیدا ہو چکا ہے اس کی تمام ذمہ داری ان بعض برخود غلط انداز لوگوں پر ہے جنھوں نے ادائے فرائض میں کوتاہی دکھلائی اور بدنظمی پھیلانے کا باعث ہوئے اور حکومت کو مجبوراً دفعہ نمبر ۹۲ نافذ کرنی پڑی حالاں کہ موجودہ جمہوری زمانہ میں یہ چیز غیر پسندیدہ اور نامستحسن ہے۔ امید ہے کہ اس تعطل کو جلد از جلد ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی اور جمہور کو اپنے صحیح نمائندوں کے انتخاب کا موقع دیا جائے گا۔

جیسا کہ یہ فقیر اپنی ایک گشتی چٹھی کے ذریعہ اطلاع دے چکا ہے۔ اب نئے انتخابات عن قریب معرض ظہور میں آنے والے ہیں اس لیے ہمارے برادرانِ طریقت، ارکان ورضا کارانِ حزب اللہ کو فرض شناسی اور ذمہ داری سے کام لیتے ہوئے اور ایک نظام کے ماتحت متفقہ اقدام کے پیشِ نظر کسی امیدوار سے از خود کوئی وعدہ

نہیں کرنا چاہیے اور انتخابات قریب آ جانے کی صورت میں بعد از غور وفکر، صلاح ومشورہ ہم جو فیصلہ کریں گے اس کے مطابق وہ اپنی ساری کوششیں بروئے کار لائیں اور اس امیدوار کو ووٹ دلوائیں جسے ہماری جماعتی تائید حاصل ہو۔

کیوں کہ ووٹ ایک قومی امانت ہے اور یہ اس شخص کے حوالہ کرنی چاہیے جو کہ صحیح طور پر امانت داری کی اہلیت واستحقاق رکھنے والا ہو۔

ارکان ورضا کارانِ حزب اللہ کو دعوت عمل

حزب اللہ کے وفادار اور جاں نثار سپاہیو! تم نے بائیس سال کا عرصہ اس فقیر کی رفاقت میں گزارا ہے اور مجھے اس بات کا فخر ہے کہ اطاعتِ امیر کے سلسلہ میں تم نے ہمارے احکام کی جو تعمیل اور ہمارے فرمانوں کی جو اطاعت کی ہے اس کی مثال موجودہ زمانہ میں نہیں مل سکتی۔ تم نے اپنی برادری، اپنے رشتہ داروں اور اپنے اعزّہ واقارب کے جذبات کی پروانہ کرتے ہوئے ترکِ رسوم وبدعات میں حزب اللہ کے مقررہ اصول کی متابعت کی۔

تم نے گزشتہ داروگیر میں ہمارے پاس خاطر [دل] سے صبر وضبط کا بہترین نمونہ دکھلایا۔ گزشتہ سول نافرمانی کے موقع پر تم نے کسی ظاہری ترغیب سے متاثر نہ ہوکر اپنے ہر اقدام کو امیر کے ہر حکم کے ماتحت لازم قرار دیا۔ تم نے جہادِ کشمیر میں امیر کی دعوت پر اپنے آپ کو مجاہدانہ طور پر پیش کیا۔ تمھارے اندر اطاعتِ امیر نے اطاعتِ خدا واطاعتِ رسول اللہ خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جذبہ بھی بہ طریق احسن پیدا کر دیا ہے۔ سطحی نظر رکھنے والے اگر تم سے مایوس ہوں تو ہوں یہ فقیر قطعاً مایوس نہیں بل کہ نہایت فخر ومباہات کے ساتھ دوسری جماعتوں کے مقابلہ میں ہم اپنی جماعت کو پیش کر سکتے ہیں جس کے اندر ایثار وقربانی کا جذبہ موجود ہے۔ جو دین کے فدائی اور اسلام کے شیدائی ہیں۔ جن کا جینا اللہ کے لیے اور مرنا اللہ کے لیے ہے۔ جن کے جذبات کے اندر بلندی ہے اور خیالات میں وسعت۔ جن کے دلوں میں اسلامی تڑپ ہے اور دماغوں میں احساسِ برتری، ان کی تربیت بہترین ماحول میں ہو چکی ہے اور استاد نے اپنے بائیس سالہ نصابِ تعلیم میں انھیں بہت کچھ سمجھا دیا ہے اور وہ بہت کچھ سمجھ چکے ہیں مگر یہ فقیر چاہتا ہے کہ

ع نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز[۵۰]

کے مطابق ہماری جماعت ارتقائی منازل طے کرنے میں اور زیادہ سرگرمی اور تیز خرامی سے کام لے اور اس سے بڑھ کر ترقی یاب کہلائے۔

امسالہ دورہ میں رضا کاروں کے سامنے دو مسائل خصوصیت کے ساتھ سامنے لائے گئے تھے۔اقامتِ صوم صلوٰۃ [اور] جسمانی ورزش کہ آپ نماز کی پوری پابندی کریں تا کہ تمھاری روحانی حالت اچھی طرح سدھر جائے اور پریڈ باقاعدگی کے ساتھ کیا کریں تا کہ تمھاری جسمانی اصلاح ہو سکے۔

اور اب پھر ان دونوں امور کی طرف یہ فقیر توجہ دلاتا ہے۔نماز کی پابندی کے یہ معنی نہیں کہ آپ دیگر فرائض سے غفلت اختیار کریں لیکن نماز کی اقامت اور نماز کو اپنے حق کے ساتھ اَدا کرنے سے ایک طرف اگر فحشا وَمنکر سے انسان بچ نکلتا ہے تو دوسری طرف رجوع الی الحق ہو جانے سے حق سبحانہ وتعالیٰ کے تمام ارشادات کی تکمیل اپنے اوپر لازم سمجھنے لگتا ہے۔جسمانی ورزش چوں کہ دواعیٔ [اسباب] جہاد میں شامل ہے اور ہماری زندگی کا مآل کار جہاد اور صرف جہاد ہے۔اس لیے باقاعدہ پریڈ (جس کے لیے جمعہ اور سوموار کے دو دن مخصوص کیے گئے ہیں) اور دوسری ہلکی یا بھاری ورزشوں سے بدن میں چستی پیدا ہو گی۔منجمد خون حرکت میں آئے گا اور قوتِ جسمانی اور قوتِ روحانی کی یک جائی فتح ونصرت کے دروازے کھول دے گی اور نماز و ورزش اکٹھا ہونا ترقی ظاہری و باطنی کا موجب ہو گا۔

زمانہ ایک نہایت نازک دور سے گزر رہا ہے اور پاکستان کے قیام کے باوجود اس کے استحکام کا سوال درپیش ہے۔حکومت الٰہیہ کا وعدہ تو ہو چکا ہے لیکن ابھی اس کا ایفا باقی ہے۔دشمن زبردست چالاک ہے۔مسلمان کم زور اور سادہ لوح ہے۔ہمارا مستقبل اگر خطرناک نہیں تو محفوظ بھی نظر نہیں آتا۔ہم بہت کچھ کر چکے ہیں مگر ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔غفلت اور لاپرواہی کا وقت نہیں۔ہمت اور عزیمت کا وقت ہے۔حوصلے بلند رکھو۔عزائم کو استوار بناؤ۔خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی کے بغیر دنیا کے تمام خوف و ہراس نزدیک نہ پھٹکنے دو اور بہ یک دست جو ہر بہ یک دست تیغ کے مطابق اپنی زندگی کو ایسے سانچے میں ڈھال لو کہ تمھارے ایک ہاتھ میں موتیوں کا ڈبہ ہو اور دوسرے ہاتھ میں آب دار شمشیر۔اگر تمھیں عبادت کرتا دیکھا جائے تو جنیدؒ اور بایزیدؒ کی یاد تازہ ہونے لگے اور میدانِ جنگ میں خالد بن ولیدؓ، ضرار بن ازورؓ اور صلاح الدین ایوبیؒ کے نمونے سامنے آ جائیں۔

کسی کے اعتراض کی پروا مت کرو، اپنے کام سے کام رکھو اور اپنے مستحسن طریقِ عمل، اپنے بہترین اخلاق اور اپنے مبارک اقدامات سے دنیا کے سامنے قابلِ تقلید نمونے اور لائقِ عمل مثالیں چھوڑ جاؤ۔اللہ کریم ہر نیک ارادہ وعمل میں تمھارے ناصر ونگہبان ہوں۔آمین۔

خاتمۂ سخن

حضرات! اس فقیر نے آپ کا کافی وقت لے لیا ہے۔معاملات چوں کہ تشریح طلب تھے اس لیے

اختصار کی گنجائش نہ نکل سکی۔ مَیں آپ کا دوبارہ شکریہ اَدا کرتا ہوں کہ آپ نے میری باتیں غور اور توجہ سے گوش گزار کیں اور آپ کو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ آپ کے سامنے حقیقت شناسی اور مصارف پروری کی راہیں کھول دی گئیں۔

لیکن اگر آپ مجھ پر اور اپنے آپ پر صحیح معنوں میں احسان کرنا چاہتے ہیں تو پھر الفاظ کے چکر سے نکل کر معانی اور مطالب کی دنیا میں آ جائیں اور اپنے قول کی پاس داری کرتے ہوئے میدانِ عمل میں گامزن ہوں اور مبارک ہیں وہ لوگ جنھوں نے اس کارگاہِ عمل میں اپنی قوت کا مظاہرہ کیا اور سعادت مند ہے وہ جماعت جس کے اعمال نے اس کے اقوال کے ساتھ مطابقت کی۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

....

حواشی

۱۔ الانفال ۸:۶۴ تا ۶۶۔

۲۔ ترجمہ:۔ ہماری صفوں سے ہر وہ شخص گریز کرتا ہے جو مردِ غوغا نہیں ہے۔ وہ شخص جو قتل نہیں ہوا ہمارے قبیلے سے نہیں ہے۔

(دیوان نظیری نیشاپوری، مرتبہ: مظاہر مصفا، کتاب خانہ امیر کبیر، تہران، ۱۳۴۰ھ شمسی، غزل ۱۱۴، ص ۴۳۷)

۳۔ ترجمہ: فیضی! تیرے عشق پر آفرین ہے کہ آج کے دور میں تیرے ہی دم سے رسوائی کا ہنگامہ گرم ہے۔

(کلیاتِ فیضی، مرتبہ: ڈاکٹر اے۔ ڈی۔ ارشد، ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور، چاپ اول، مئی ۱۹۶۷ء، ص ۲۰۳)

۴۔ الاحزاب ۳۳:۷۲۔

۵۔ ترجمہ: جو کچھ مَیں دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے۔

(ابن ماجہ، السنن کتاب ابواب الزھد، باب الحزن والبکار، حدیث ۴۱۹۰)

۶۔ ترجمہ: اس کا ذائقہ تو نہیں پہچانے گا، خدا کی قسم جب تک تو خود نہ چکھے۔ (ضرب المثل مصرع)

نوٹ: پہلا مصرع یہ ہے۔ ع صفتِ بادۂ عشقش زمنِ مست مپرس

(کلیات جامی، شعاع ادب، لاہور، س ۱۹۶۰ء، ص ۳۹۶)

۷۔ ترجمہ: مجھے آئینہ کے پیچھے طوطے کی مانند رکھا ہوا ہے، جو نقاشِ ازل نے کہا تھا وہی مَیں کہتا ہوں۔

(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار لاہور، س ندارد، ص ۲۸۷)

نوٹ: دیوانِ حافظ میں نقاشِ ازل کی جگہ استادِ ازل اور من کی جگہ می درج ہے۔

۸۔ ترجمہ: اور یہ میرے رب کے فضل کی وجہ سے ہے۔ (ضرب المثل)
یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی عنایات کے اعتراف وتشکر کے لیے بولے جاتے ہیں۔ آیت قرآنی (النمل ۲۷:۴۰) کا حصہ ہیں۔

۹۔ ترجمہ: فضیلت وہ ہے جس کی دشمن گواہی دے۔ (عربی مقولہ)

۱۰۔ المائدہ ۵:۲۔

۱۱۔ ترجمہ: اور اُسی کے ہاتھ میں توفیق ہے۔ (عربی جملہ)

۱۲۔ مشکوۃ شریف، جلد چہارم، حدیث نمبر ۱۳۵۰۔

۱۳۔ ظفر علی خان، مولانا، کلیاتِ مولانا ظفر علی خان، زاہد علی خان (ترتیب)، بہارستان، الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، اگست ۲۰۱۱ء، ص ۲۷۴۔
اصل میں شعر یوں ہے :

اک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
پڑ گئی اور یہ کیسی میرے اللہ نئی

۱۴۔ ترجمہ: وہ کبھی نہیں مرتا جس کا دل عشق کے باعث زندہ ہوگیا، دنیا کے دفتر میں ہمارا امر ہونا لکھا جا چکا ہے۔
(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اُردو بازار، لاہور، س ندارد، ص ۳۵)
نوٹ: دیوان حافظ میں ثبت است کی جگہ ثبت ست ہے۔

۱۵۔ ترجمہ: اے اللہ! اس کو بخش دے اور اس پر رحمت فرما اور اسے جنتِ نعیم میں داخل فرما۔ (دُعائیہ کلمات)

۱۶۔ ترجمہ: اِس طرف سے ٹھکرایا ہوا اور اُدھر سے گرا ہوا۔ (ضرب المثل)
اصل ضرب المثل یہ ہے۔ ازیں سو راندہ و ازاں سو ماندہ

۱۷۔ المائدہ ۵:۵۶۔

۱۸۔ ال عمران ۳:۱۳۔ النور ۲۴:۴۴۔

۱۹۔ ترجمہ: بیٹا باپ کا راز ہوتا ہے۔ (ضرب المثل)

۲۰۔ ترجمہ: ہر ملک ہمارا ملک ہے کیوں کہ ہمارے خدا کا ملک ہے (ضرب المثل مصرع)
پہلا مصرع یہ ہے : ع خندید و دستِ خویش بہ شمشیر بردو گفت
(پیامِ مشرق (اقبالؒ)، مترجم میاں عبدالرشید، شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلیشرز، چوک انارکلی لاہور، س ۱۹۹۱ء، ص ۲۳۶)

۲۱۔ ال عمران ۳:۱۲۶۔ الانفال ۸:۱۰۔

۲۲۔ الصّف ۶۱:۱۳۔

۲۳۔ ترجمہ: اے میرے رب! میری یہ آرزو کتنی اچھی ہے، تو اس مُدعا پر مجھے پہنچا دے۔

۲۴۔ ترجمہ: آخری حیلہ تلوار ہے۔ (عربی مقولہ)

۲۵۔ ترجمہ: اور تمھارے لیے قصاص میں حیات ہے اے عقل مندو! (البقرہ ۲:۱۷۹)

نوٹ: خطبہ میں یٰٓاُولِی کی جگہ یَا اوّلِیْ درج تھا۔

۲۶۔ البقرہ ۲:۲۵۱۔ الحج ۲۲:۴۰۔

۲۷۔ پہلا مصرع یہ ہے : ع ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا

(دیوانِ غالب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، فروری ۱۹۸۶ء، ص ۱۸۰)

۲۸۔ ایک دوسرے سے جدا نہ ہونے والے، لازم وملزوم (ضرب المثل)

اصل ضرب المثل ہے : چولی دامن کا ساتھ ہونا۔

۲۹۔ ترجمہ: پہاڑ کھودنا اور تنکا باہر نکالنا۔ (ضرب المثل)

۳۰۔ خطبہ میں ما بہ کی جگہ ما بہہ درج تھا۔

۳۱۔ ترجمہ: ایسا جز جو الگ نہ ہوسکتا ہو۔ (ضرب المثل)

۳۲۔ بنی اسرائیل ۱۷:۱۔

۳۳۔ ملکہ کا نام جولیانا تھا۔ ۱۹۴۸ء میں تخت نشین ہوئی۔

(اُردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، س ۱۹۸۴ء ایضاً، ص ۱۰۰۹)

۳۴۔ ترجمہ: اے اللہ! جو دین کی مدد کرے تو اُس کی مدد کر اور جو مسلمانوں کو چھوڑے تو اُسے چھوڑ دے۔

(دُعائیہ کلمات)

۳۵۔ ترجمہ: صد شکر کہ وہ چیز جس کی میرے دل نے خواہش کی تھی، آخر تقدیر کے پردے سے نمودار ہوگئی۔

اصل شعر یوں ہے:

؎ للہ الحمد کہ آن نقش کہ خاطر می خواست
آمد آخر ز پسِ پردہ تقدیر پدید

(جامی، عبدالرحمٰن، دیوانِ جامی، جلد اول، فاتحۃ الشباب، غزل نمبر ۲۶۷، ص ۳۵۹)

۳۶۔ ترجمہ: اس پر قیاس کرلو۔ (ضرب المثل)

۳۷۔ النجم ۵۳:۲۳۔

نوٹ: خطبہ میں سُلْطٰنٍ کی جگہ سُلْطَانٍ درج تھا۔

۳۸۔ الانعام ۶:۷۹۔

۳۹۔ الانعام ۶:۵۷۔ یوسف ۱۲:۴۰، ۶۷۔

۴۰۔ النساء ۴:۵۹۔

۴۱۔ البغوی، الحسین بن مسعود، شرح السنۃ، جز ۱۰، ص۴۴، حدیث ۲۴۵۵۔

۴۲۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الفتن، باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر، حدیث ۴۰۰۲۔

۴۳۔ خطبہ میں ترتیب کی جگہ ترہیب درج تھا۔

۴۴۔ ترجمہ: مومنوں کا گمان ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔ (ضرب المثل)

۴۵۔ النساء۴:۵۹۔

۴۶۔ جامع ترمذی، جلد اول، حدیث نمبر ۱۷۷۵۔

۴۷۔ ال عمران۳:۱۵۹۔

۴۸۔ الشوریٰ ۴۲:۳۸۔

۴۹۔ جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ (ضرب المثل)
پوری ضرب المثل یہ ہے: بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی آخر ایک نہ ایک دن چھری تلے آئے گی۔

۵۰۔ ترجمہ: قیمت بڑھاؤ کیوں کہ ابھی سستے ہو۔ (ضرب المثل)
شعر کا پہلا مصرع یہ ہے: ع ہر دو عالم قیمتِ خود گفتہ ای
(کلیات غزلیات خسرو (جلد سوم)، پیکیجز، لاہور، س۱۹۷۴ء، ص۷۸)

◆◆◆

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغَالِبُوْن

حضرت مولانا ابو البرکات سید محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالی

سجادہ نشین جلال پور شریف و امیر حزب اللہ

کا

خطبۂ صدارت

جو آپ نے

حزب اللہ کے تئیسویں سالانہ اجلاس پر

ارشاد فرمایا

1950

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ☆

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوۡلٰینَا وَ حَبِیۡبِنَا وَشَفِیۡعِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَتۡبَاعِہٖ وَاَشیاعِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ ○ اَمَّا بَعۡدُ فَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ فِیۡ قُرۡاٰنِہِ الۡمَجِیۡدِ وَفُرۡقَانِہِ الۡحَمِیۡدِ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَتُجَاھِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِاَمۡوَالِکُمۡ وَاَنۡفُسِکُمۡ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ○ۙ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ وَیُدۡخِلۡکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡھٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ○ۙ وَاُخۡرٰی تُحِبُّوۡنَہَا نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتۡحٌ قَرِیۡبٌ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ○ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡۤا اَنۡصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ لِلۡحَوَارِیّٖنَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ فَاٰمَنَتۡ طَّآئِفَۃٌ مِّنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَکَفَرَتۡ طَّآئِفَۃٌ ۚ فَاَیَّدۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلٰی عَدُوِّھِمۡ فَاَصۡبَحُوۡا ظٰھِرِیۡنَ ○ ع [1]

مشائخ عظام، علمائے کرام و حاضرین والا تمکین! آپ جن محبت آمیز و خلوص انگیز جذبات و احساسات کے حسب اقتضا حزب اللہ کے تیئسویں سالانہ اجلاس میں موانع اور رکاوٹوں کی پروا نہ کرتے ہوئے عدیم الفرصت ہونے کے باوجود فرصت نکال کر بہ غرضِ شمولیت تشریف لے آئے ہیں اس کی اِس فقیر کے دل میں

☆ ۴/۵ جمادی الثانی ۱۳۶۹ھ بہ مطابق جمعرات ۲۳ مارچ / جمعہ ۲۴ مارچ ۱۹۵۰ء کی درمیانی شب پڑھا گیا۔ کاتب بشیر احمد چوک متی لاہور نے کتابت کی اور بہ اہتمام منشی محمود عالم محررِ خصوصی، جلال پور شریف ضلع جہلم، نے گیلانی پریس لاہور سے شائع کروایا۔

بڑی قدر و منزلت ہے اور اس گئے گزرے زمانہ میں جب کہ عامۃ الناس ادائے فرائض میں کوتاہی دکھلانے اور اپنے اوقاتِ عزیز غیر ضروری اور بے تعلق معاملات میں بسر کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ اگر کسی جماعت کے اندر احساسِ فرض پیدا ہو جائے اور اس کی زندگی تضیعِ اوقات کی جگہ ایسے کاموں پر صرف ہونے لگے جو کہ ملک و ملت، قوم و مذہب کے لیے مفید اثرات کے حامل ہوں تو اسے مغتنمات [غنیمتوں میں] میں شمار کرنا چاہیے۔ ہمارا آج کا اجتماع کوئی معمولی نوعیت کا نہیں اور ہم اس لیے اکٹھے نہیں ہوئے کہ مقررین اپنے فنِ خطابت کا مظاہرہ کریں اور سامعین کے لیے تفننِ طبع کے سامان مہیا کیے جائیں بل کہ آج ہم نے اپنے مستقبل کے متعلق، اپنی آئندہ زندگی کے متعلق، اپنے تحفظِ ناموس کے متعلق، اپنی حفاظتِ خود اختیاری کے متعلق اور غایت مافی الباب اپنے فنا و بقا اور اپنی حیات و ممات کے متعلق ایک آخری فیصلہ کرنا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ آئندہ سالانہ اجلاس تک کیا کچھ ہونے والا ہے۔ پاکستان کا مسلمان مستقبل قریب میں اپنی شومئی قسمت کے طفیل کسی گوشۂ گمنامی اور قعرِ مذلت میں جا پڑے گا یا خوبیِ تقدیر اُسے اقوام و ملل کے بلند ترین مقام پر پہنچا دے گی مگر یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عن قریب اسلام اور کفر کی آخری کشمکش ہونے والی ہے۔ فرزندانِ توحید اور پرستارانِ طاغوت کی باہمی چپقلش مقدر ہو چکی ہے اور نور اور ظلمت، حق اور باطل، صدق اور کذب کی آویزش ناگزیر ہے۔ ان نازک ترین حالات میں جب طبلِ جنگ بج رہا ہو اور اس جہاد کا وقت قریب آ چکا ہو جس کی دعوتِ حقہ یہ فقیر آغازِ کار سے دیتا چلا آیا ہے۔ اگر آپ کو یہاں طلب کیا گیا ہے اور آپ تشریف لے آئے ہیں تو نہ کوئی ہمارا احسان آپ پر ہے اور نہ ہمیں آپ کا شکر گزار ہونا چاہیے بل کہ شکر ہے کہ جانبین نے ادائے فرض کر دیا۔ ہم نے دعوت دینے کی صورت میں اور آپ نے دعوت قبول کرنے کی شکل میں۔

اب آئیں ان ضروری اور اہم ترین مسائل پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کریں اور پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں کے سامنے بالخصوص اور سارے جہان کے مسلمانوں کے روبہ رو بالعموم، ایک ایسی شاہ راہِ عمل لانے کی کوشش کریں جس پر چل کر وہ ایک طرف اپنے دشمنوں پر فتح مندی حاصل کر سکیں اور دوسری طرف انھیں اقوامِ عالم پر فوقیت و برتری نصیب ہو۔ وَمَا تَوْفِيْقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ۔[۲]

خدائی آواز

آج سے پورے تیئیس سال پہلے اس فقیر کی بہ ظاہر محدود مگر حقیقتاً وسیع دنیا کے اندر ایک انقلابِ عظیم رونما ہوا۔ ہدایت و رشد کی تمام راہیں مجھ پر کھول دی گئیں۔ مناظرِ قدرت جنھیں پہلے سرسری نگاہوں سے دیکھا جا

رہا تھا بصیرت کی آنکھیں کھل جانے سے اپنی پوری رعنائی وزیبائی کے ساتھ جلوہ گر ہوگئے۔ مظاہرِ فطرت جن کی بوقلمونی اور عجوبہ روزگاری پر ایک ہلکی سی چلمن پڑی ہوئی تھی، دستِ شوق نے اس کو ہٹا دیا اور کمالِ زیبائش و آرائش کے ساتھ صاف طور پر مجھے نظر آنے لگے۔ آنکھیں پہلے ہی روشن تھیں مگر ان کی قوتِ بصارت بڑھا دی گئی۔ کان پہلے ہی سننے والے تھے مگر قوتِ سامعہ میں اضافہ ہوگیا۔ دل پہلے ہی حساس واقع ہوا تھا مگر یکا یک فقاہت [دانش مندی] سے بھرپور ہوگیا اور یہ تمام نعمتیں جو مجھے حاصل ہوئیں اکتسابی نہیں تھیں بل کہ وہبی اور عطائی۔ ان کا حصول بتدریج وامہال [ترقی دیتے ہوئے] نہیں ہوا بل کہ مَـرَّةً وَّاحِدَةً [ایک ہی بار]۔ آنکھ جھپکتے دیر لگتی ہے مگر ان کے میسر آنے میں کوئی وقت صرف نہیں ہوا اور دوسرے الفاظ میں یہ ایک حقیقی معجزہ تھا اور بدیہی کرامت کہ دیکھتے دیکھتے قلب ماہیت [حقیقت تبدیل] ہوگئی۔ دماغ کے اندر بجلی جیسی چمک پیدا ہوئی جس نے سارے جسم کو منور کر دیا۔ دل کے اندر ایک نورانی شعاع ڈالی گئی جس سے کہ اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔

مَیں نے اللہ تعالیٰ کے نور کی روشنی میں کیا دیکھا؟ مسلمانوں کا مستقبل۔ شروع میں دل خراش، غم انگیز، ستم زا مگر آخر میں راحت آمیز، فرحت خیز وانبساط درآغوش۔ آج سے تیئیس سال پہلے مَیں نے انھی آنکھوں سے مشرقی پنجاب، ریاست ہائے پھلکیاں، دہلی، بہار، گڑھ مکتیشر، حیدرآباد دکن، کلکتہ وغیرہ کے خونیں مناظر دیکھے۔ ملتِ مرحومہ کے فرزند لاکھوں کی تعداد میں خاک وخون میں تڑپتے نظر آئے۔ مَیں نے انھی کانوں سے زخمیوں کی چیخ وپکار، مرنے والوں کی نزعی سسکیاں، یتیموں کے نالے اور بیواؤں کی آہیں سنیں۔ ہولی کا تہوار چند دن ہوئے گزر چکا ہے جب کہ ہندُستان کے اندر بسنے والے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی اور یہ سلسلہ تین چار سال سے برابر جاری ہے مگر میرے لیے یہ چیز مطلقاً تعجب انگیز نہیں جب کہ یہ جاں گداز، روح گسل اور لرزہ براندام کرنے والے نظارے مَیں عالم تخیل میں نہیں بل کہ جہانِ تکوین [مخلوق کے جہان] میں پہلے دیکھ چکا ہوں۔ ابھی اور بہت سے واقعات، متضاد حالات میں کتمِ عدم سے منصۂ شہود پر آنے والے ہیں جن کا عوام کو علم نہیں مگر مجھے ان کا علم ہے۔ جن کا ظہور بعض صورتوں میں حوصلہ شکن اور صبر آزما ہوگا اور بعض میں ہمت افزا اور اطمینان بخش لیکن یہاں تک تو صرف تحدیثِ نعمت مطلوب تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ خدائی آواز جو ہمیں ماضی کی داستانیں سنا کر اصلاحِ حال کرنا چاہتی ہے اور جس کا منتہائے مقصود انسانی مستقبل کو سنوارنا اور اقوام وملل کے سامنے ایک بہترین لائحۂ عمل پیش کرنا ہوتا ہے۔ موجودہ وقت میں اس کی کیا پکار ہے؟

یہ خدائی آواز وہی ہے جو فاران کی چوٹیوں پر سُنی گئی، جبل بوقبیس پر اس کی گونج پیدا ہوئی اور حرمِ مکہ، غارِ حرا، اور مسجد نبوی خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اندر اس کے دل کش ترنم اور سامعہ نواز لَے

نے ایمان پرور قلوب کے اندر ارتعاش پیدا کر دیا اور ان کے سارے جسم خوف و رجا کے دوگونہ اثرات سے تھرتھرانے لگے۔ قدرت نے فتوا دیا۔ فطرت نے اسے دُہرایا۔ انسانیت نے اسے قبول کیا۔ روحانیت نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ وراثتِ ارضی کے مالک صالحین ہیں [۳] اور جس قوم کے اندر صلاحیتِ بقا موجود نہ رہے اس کا نام و نشان مٹا دیا جاتا ہے اور جس قوم کے قوائے عمل مضبوط ہوں، اس کے ارادے اور حوصلے بلند ہوں، اس کے عزائم قوی ہوں، ایثار اور قربانی اس کا شیوہ ہو اور سرفروشی و جاں بازی اس کا وطیرہ۔ اس کو بقائے دوام، سربلندی اور کامیابی حاصل ہوگی۔

خدائی آواز آئی کہ ہم کسی قوم کو مٹانا نہیں چاہتے لیکن اگر وہ اپنے مٹ جانے کے درپے ہو جائے تو ہم اس کی مدد بھی نہیں کرتے۔ یہ فطرت کا اٹل قانون ہے [۴] کہ آگے بڑھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جائے اور پیچھے رہ جانے والوں پر رحمت کے دروازے بند کر دیے جائیں۔

مَیں نے دیکھا کہ سب سے آگے بڑھنے والی قوم سب سے پیچھے رہ گئی ہے۔ مسلمان جو اَلْاَعْلَوْنَ [۵] کا لقب لے کر آیا تھا اب احساس کہتری کا شکار ہو کر سب سے نیچے چلا گیا ہے اور اس کی غلط روی اور کج رفتاری کی صرف ایک وجہ تھی کہ اس نے ساری آوازیں سننے کے لیے اپنے کان کھول دیے مگر خدائی آواز سننے کے وقت کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ وہ دنیا بھر کے عجائبات دیکھنے کے لیے بے تاب رہا اور ہر ایک چیز کا سیر چشمی سے مطالعہ کیا مگر مناظر قدرت و محاسنِ فطرت جب اس کے سامنے آئے تو اس ظلوم وجہول [۶] نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی۔ اس نے اپنی بیماریوں، کلفتوں اور مصیبتوں کا اظہار ہر راہ گیر کے سامنے کیا مگر شافی مطلق، مسبب الاسباب، مصیبتوں سے نجات دلانے والے، تکالیف رفع کرنے والے حکیم علی الاطلاق کی درگاہ عالیہ کی طرف جانے میں اس نے ہچکچاہٹ محسوس کیا اور وہ اس کے آستانِ قدس پر اظہارِ عجز و نیاز کے لیے فرصت نہ نکال سکا۔ اس بغاوت و سرکشی کی سزا ملنی مستلزم تھی اور ان کوتاہیوں اور غلطیوں کا خمیازہ اٹھانا لازم پھر وہی کچھ ہوا جو ایسے حالات میں ہوا کرتا ہے حکومت گئی، دولت گئی، رُعب گیا، اقتدار گیا اور مسلمان کو عرش سے اتار کر فرش پر پھینک دیا گیا۔ خدا کی آواز پر کان نہ دھرنے والوں پر خدا کی بے آواز لاٹھی [۷] پڑی اور انھیں بہ یک بنی و دو گوش [۸] خلافتِ ارضی، تاج و تخت، حکومت و سلطنت سے محروم کر دیا گیا اور ان کی جگہ دوسری قوموں کو ان پر مسلّط جنھوں نے باقی کسر بھی نکال دی اور ہندستان کے اندر فاتح مسلمان، مفتوح اور آقائی اقتدار رکھنے والا غلامی کی لعنت میں مبتلا ہو گیا۔

میرے کان چوں کہ حقیقی سماعت رکھنے والے تھے۔ میری آنکھیں چوں کہ حقیقت میں واقع ہوئی تھیں اور میرا دل دانائے راز۔ اس لیے مَیں نے خدائی آواز کو پوری توجہ سے سنا۔ قدرت کے غیر مرئی مگر نشانِ

منزل دینے والے کے ہاتھ کے اشاروں کو دیکھ لیا اور بنی نوع انسان کو راہِ راست پر چلانے والی تعلیم کے رموز و نِکات میرے ذہن نشین ہو گئے۔ پھر مَیں نے اس خدائی آواز، اسی پیغامِ حق، اسی ندائے ایمان کو لوگوں کے کانوں تک پہنچانے کی خاطر ہر سال مسلسل اور طویل دورے کیے۔ جہاں تک میری زبان نے میرے خیالات و جذبات کی ترجمانی میں میرا ساتھ دیا اس سے کام لیا اور اس ساری تگ و دو، اس ساری کوچہ گری وصحرا نوردی، ان سارے دوروں، ان ساری تقریروں، ان سارے جلسوں سے مقصد صرف یہی تھا کہ خدا کے بندوں کو خدائی آواز سنا کر انھیں خدا کا بنایا جائے اور جب وہ صحیح معنوں میں خدا کے بن گئے تو پھر خدا کی ساری کائنات کے مالک ہو جائیں گے اور خدا کی حفاظت میں آ جانے والوں پر کوئی دشمن، کوئی غنیم [لٹیرا] غالب نہیں آ سکتا۔

نتیجۂ کار

اب دیکھنا یہ ہے کہ ۳۲ سالہ محنت شاقہ اور جدوجہد کا نتیجہ کیا نکلا؟ اور حزب اللہ کی تحریک سے جو توقعات دوستوں نے قائم کر رکھی تھیں اور جو مایوسیاں معاندین کے پیشِ نظر تھیں ان میں دونوں کو کس حد تک کامیابی و ناکامی حاصل ہوئی؟

حقیقت یہ ہے کہ جو کامیابی اس معاملہ میں ہماری جماعت کو عَلٰی رَغِمْ اَنْفِ الْمُعَانِدِیْنَ [9] نصیب ہوئی ہے وہ ہماری امیدوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے اور چوں کہ خدائی آواز کی تشہیر و اشاعت میں کوئی ذاتی خواہش، کوئی نام و نمود، کوئی جلبِ منفعت، کوئی حصولِ اقتدار پیشِ نظر نہیں تھا بل کہ سارا کام اتنا طویل عرصہ خلوص وللّٰہیت سے ہوتا رہا اور میرا دامنِ عصمت کسی ریاکاری، تصنع و بناوٹ، ظاہری خواہشات واغراض سے ملوث نہ ہونے پایا اس لیے ہماری اس جنس گراں مایہ نے معیاری مقبولیت حاصل کر لی ہے اور کٹھالی میں پڑ کر یہ طلائے خالص اور زیادہ پاک وصاف ہو گیا ہے۔ تحریک کی مقبولیت کا اب یہ عالم ہے کہ جو لوگ اتنا عرصہ خداواسطہ کی مخالفت کرتے رہے وہ آج موافقین کی صفِ اوّل میں شامل ہو چکے ہیں اور معترضین کا وہ فرقہ جو ہمیشہ تاریک پہلو کی تلاش میں رہا کرتا تھا آج صدقِ دل سے اس فقیر کے خیالات کی تائید میں رطب اللسان ہو رہا ہے۔

مقصود بالذات یہ تھا کہ مسلمان کے سامنے اس کا ماضی رکھ کر اس کے حال کو درست کیا جائے اور اس کے مستقبل کو بہترین وخوش گوار بنانے کی عملی تدابیر سامنے لائی جائیں۔ ازاں جملہ دعوتِ جہاد کو خصوصیت حاصل رہی اور بِحَمْدُلِلّٰہِ کہ میرے دل کی گہرائی سے نکلنے والی آوازیں صدا بہ صحرا ثابت نہیں ہوئیں بل کہ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ کے نعرۂ حق کے جواب میں اب سیکڑوں نہیں بل کہ ہزاروں ارکان ورضا کارانِ حزب اللہ

بڑے جوش وخروش اور والہانہ عقیدت وارادت ومحبت کے ساتھ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ کے جوابی نعرے بلند کر رہے ہیں اور جہاں کہ ہم نے اپنی بے پناہ قوتِ ارادی اور زبردست حرارتِ ایمانی کے طفیل پاکستان ایسی بہ ظاہر ناممکن الحصول نعمت حاصل کر لی ہے وہاں ان شاء اللہ تعالیٰ نہ صرف اس کا استحکام ہمارا جزوِ ایمان رہے گا بل کہ ہمارا جوشِ عمل اگر اسی طرح قائم رہا تو اس کے نتائج قوم وملت کے لیے زیادہ خوش گوار اور مفید ہوں گے۔

مسلمانوں کا امتحان

الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ھُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ۝ وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ ۝ (العنکبوت۲۹:۱تا۳)

ترجمہ : کیا لوگوں کا یہ گمان ہے کہ دعوا ایمان کرتے ہوئے وہ کھلے چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کا امتحان نہ لیا جائے گا؟ حالاں کہ پہلے لوگوں کا بھی ہم نے امتحان لیا تھا تا کہ اللہ تعالیٰ سچوں اور جھوٹوں میں تمیز کر سکیں[کو جان سکیں]۔

یہ ایک مسلمہ نظریہ ہے کہ دنیا کے اندر وہی قوم بامِ ارتقا تک پہنچ سکتی ہے اور اسی جماعت کو عروج وکمال نصیب ہوتا ہے جس کے افراد ہر مصیبت اور ہر تکلیف کو مردانہ وار برداشت کرنے والے ہوں اور جو کہ ہر کڑی سے کڑی آزمائش اور مشکل امتحان سے بطیّب خاطر عہدہ برآ ہونے کی ہمت رکھتے ہوں۔ فتح ونصرت کی حق دار وہی جماعت ہوا کرتی ہے جس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائے۔ جس کے حوصلے بلند ہوں، جس کی ہمت مردانہ ہو، جس کا دل مضبوط ہو اور جس کے ارادے ناقابلِ شکست ہوں۔ بزدلوں، کم ہمتوں، بے حوصلوں اور گھبراہٹ وسراسیمگی دکھلانے والوں کے لیے ناکامی، شکست خوردگی اور خیب وخسران مقدر ہو چکے ہیں۔

دیگر اقوامِ عالم سے قطع نظر مسلمان ایک بڑی جماعت کی حیثیت سے دنیا میں آیا۔ شروع سے ہی اس کے عزائم بلند تھے۔ تکبر وانانیت نہیں، غرور اور فخر نہیں بل کہ اعتماد علی النفس، خودداری کے جذبات عالیہ کا اس نے آغازِ کار میں ہی مظاہرہ کیا۔ بلند نگاہی، بلند خیالی اور بلند نظری فطرت نے اس کی جبلت میں ودیعت کر رکھی تھی اور تہور وشجاعت، مردانگی وبسالت اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ مادہ پرست لوگوں کے سامنے یہ ایک تعجب انگیز امر تھا کہ بوریا نشینوں کو تاج وتخت کے خواب نظر آنے لگے اور پھٹے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے، الجھے ہوئے بالوں والے اور نانِ شبینہ کے محتاج، نحیف البدن، کم زور جسم، مٹھی بھر اشخاص نے تمام زمین کی بادشاہت لے لینے اور قیصر وکسریٰ کی حکومت چھین لینے کا کھلے لفظوں میں اعلان کر دیا۔ بعض ظاہر بینوں کو ان کے دماغی توازن میں خلل کا گمان ہوا۔ بعض برخود غلط اندیش لوگ ان کی ان لاف زنیوں[شیخی] پر تمسخر اڑانے لگے، استہزا کرنے لگے مگر

آگے چل کر صاف ظاہر ہوگیا کہ جس مبارک تعلیم کے ماتحت اور جس بلند و بالا شخصیت (روحی فداہ) کے زیر اثر جو کچھ کہا جا رہا تھا بالآخر اُسے طے کر کے چھوڑا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ بغیر کسی آزمائش یا امتحان کے وہ کامیاب ہوتے چلے گئے اور قدرت ان پر اتنی مہربان ہوگئی کہ کسی ظاہری محنت و مشقت کے بغیر ہی ان کا دامنِ مقصود گوہر مراد سے بھر دیا بل کہ قدرت اپنے مقررہ قوانین سے کبھی باہر نہیں جاتی۔ سنّتِ الٰہی ناقابل تغیر و تبدل ہے اور اس میں کسی ادل بدل یا تحویل کی گنجائش ہی نہیں۔

مسلمانوں کے سامنے بڑے بڑے امتحان تھے، بڑی بڑی آزمائشیں تھیں جس سے ان کو دوچار ہونا پڑا۔ سب سے پہلے تبدیلِ مذہب کا سوال سامنے آیا اور اس کی خاطر انھیں قربانیاں دینی پڑیں۔ جسمانی اذیتیں سہنی پڑیں، لوہے کی گرم سلاخوں سے انھیں داغا گیا، سخت گرم ریت اور پتھروں پر لٹایا گیا، بیدوں اور قمچیوں سے ان کی کھال ادھیڑی گئی اور اسی پر اکتفا نہیں بل کہ قبولِ اسلام کے جرم میں انھیں دیس نکالا لینا پڑا اور قبولِ دین کی خاطر گھر بار ملک واملاک، مقبوضات اور جاگیریں، تعلقات اور رشتے چھوڑنے پڑے اور پھر محض اللہ کریم اور رسولِ خدا خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت رکھنے کے طفیل انھیں دشمنوں کی قہرمانی قوتوں اور بے شمار لشکروں سے لڑنا پڑا اور ان ساری آزمائشوں اور ابتلاؤں کے بعد کہیں جا کر انھیں چین حاصل ہوا اور اطمینان نصیب۔

یہ تو قرونِ اولیٰ کا ذکر تھا۔ بعد میں بھی مسلمان کی زندگی ہمیشہ وقفِ مصائب و نوائب و مورد مشکلات و تکلیفات رہی اور اب تک رہتی چلی آ رہی ہے۔ کوئی بھی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس میں مسلمان بحیث القوم کسی نہ کسی آزمائش اور امتحان سے نہ گزرے ہوں یا دوسری غیر اسلامی عقائد رکھنے والی قوموں نے صرف اختلافِ مذہب کی وجہ سے ان کے ساتھ جنگ نہ کی ہو۔ جنگ یرموک، جنگ قادسیہ، محاربہ مصر، صلیبی معرکے، تاتاری یلغار، بغداد کا قتلِ عام اور پھر ترکوں سے لڑائیاں سب ایک مقصد کے پیش نظر ہوئے کہ مسلمان ایک خدا کا کیوں پرستار ہے؟ وہ توحید کو تثلیث پر کیوں ترجیح دیتا ہے؟ وہ انسان کی پوجا کرنے کی جگہ اللہ کی عبادت کیوں کرتا ہے؟ وہ ایک کے سامنے جھکتے ہوئے دوسروں کے سامنے کیوں اکڑتا ہے؟ وہ ایک کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال کر سارے جہان کو اپنا غلام کیوں تصور کرتا ہے؟ یہی مابہ النزاع تھا جو کہ بدر اور حنین اور تبوک کے محاربات کا متحرک بنا۔ یہی اختلاف تھا جس کے سبب مسلمانوں کو رومن امپائر سے ٹکر لینی پڑی اور یہی جھگڑا ہلال اور صلیب کی باہم دگر آویزش کی صورت میں صدیوں تک چلتا رہا۔

اور آج ہمارے بھارت یا ہندوستھان [ہندُستان] میں بسنے والے کروڑوں مسلمان اگر تہ تیغ بے دریغ کیے جا رہے ہیں اور سرزمین ہند سے الامان والحفیظ" کی جو دردناک صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور چار کروڑ

مسلمان جس دہشت زدگی، خوف و ہراس، پریشاں حالی اور بے اطمینانی سے اپنے مستعار ایامِ حیات بسر کر رہے ہیں اس کا صحیح باعث بھی یہی اقرارِ توحید و رسالت خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے اور یہی اِدعائے [دعوا] اسلام و اظہارِ ایمان ہے۔

مگر یہ ہماری قوم کے لیے نئے امتحان نہیں۔نئی آزمائشیں نہیں وہی پرانی حکایتیں ہیں جو دھرائی جا رہی ہیں، وہی قصص ہائے پارینہ ہیں جو سنائے جا رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ قدرت کی طرف سے مسلمان کے ایمان کا آخری امتحان ہے اور اگر مسلمان اس میں کامیاب ہو گیا تو پھر اس کے لیے عیش جاودانی ہے اور دو جہاں کی کامرانی اور فیل ہو جانے کی صورت میں اس کا مستقبل انتہائی تاریک اور ہیبت ناک ہو جائے گا۔ جتنا کہ ہسپانیہ یا سپین کے مسلمان کا ہو چکا ہے اور پھر یہ آزمائش صرف اندورنِ ہند بسنے والے مسلمانوں تک محدود نہیں ہے، ارضِ فلسطین کے کلمہ گو بھائی اسی ابتلا میں ماخوذ ہیں، افریقہ کے مسلمان اس کی گرفت سے باہر نہیں اور دور کیوں جائیں ہماری نوزائیدہ اور خداداد اسلامی حکومت پاکستان کے مسلمانوں کا جو امتحان ہونے والا ہے وہ اپنی سخت نوعیت کے اعتبار سے سب پر گوئے سبقت [۱۲] لے جائے گا۔ دوسرے متذکرہ ممالک کے اندر مسلمان اپنی ذات کا ذمہ دار ہے اور پاکستانی مسلمان پر دوسری ذمہ داریاں بھی آ پڑی ہیں۔انھیں اپنے گھر والوں کا فکر ہے اور ہمیں اپنے پڑوسی اور ہم سایہ مظلوم مسلمانوں کا غم ہلکان کیے جا رہا ہے۔ بہ مختلف الحیل وہ اپنی جان شاید بچا سکیں مگر ہمارے لیے راہِ فرار کہاں؟ جب کہ ہمارا درد آشنا دل کلکتہ کے خونیں واقعہ سے بھی متاثر ہو جاتا ہے اور آسام، یو پی، سی پی، اور بہار کے مسلمانوں کو وقفِ رحمِ اغیار دیکھ کر اور ان پر بے پناہ مظالم توڑے جانے اور ان کے قتلِ عام کی خبروں سے خون کے آنسو بہانے لگتا ہے۔

ہمارے مسلمان بھائی اگر بھارت والوں کے دستِ تظلم اور جور و ستم سے مجبور ہو کر صرف اپنی جان اور عزت بچا کر پاکستان میں آنا چاہیں تو باوجود یہ کہ ہمارے پاس ان کو ٹھہرانے کی جگہ نہیں اور ہمارے پاس اپنی قوت لایموت [اتنی غذا جس کے ہوتے ہوئے بندہ بھوکا نہ مرے] سے بڑھ کر حقِ میزبانی اَدا کرنے کی گنجائش نہیں مگر ہماری اخوتِ اسلامی، مذہبی ہمدردی اور بلند اخلاقی کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اپنے مظلوم، بے کس اور بے وطن بھائیوں کو گلے لگا لیں۔ خود فاقہ کشی کرنے لگیں مگر ان کو بھوکا نہ رہنے دیں۔ اپنا بدن چیتھڑوں سے ڈھانپ لیں مگر ان کو سردی سے اکڑا ہوا نہ دیکھیں اور ادھر یہ کیفیت کہ بے رحم، سنگ دل، اخلاق باختہ، وحشی صفت، حیوان سیرت دشمن ہمارے درپے آزار ہو رہا ہے اور پاکستان اس کی حریص اور طماع نظروں میں کانٹا بن کر کھٹک رہا ہے اور وہ لڑائی مول لینے کے لیے بہانے تراش رہا ہے۔

غرض کہ مسلمانانِ عالم بالعموم اور مسلمانانِ پاکستان بالخصوص آج جس نازک دور سے گزر رہے ہیں

اور مسلمان کی جان، مسلمان کی عزت و ناموس، مسلمان کے ملک و املاک اور مسلمان کی حکومت اور خاص طور پر پاکستان کو جو خطرۂ عظیم لاحق ہے اور ہمارا مستقبل قریب میں جو زبردست امتحان اور کڑی آزمائش ہونے والی ہے اس کا تصور ہی کم زور ایمان رکھنے والوں کے لیے لرزہ براندام کرنے والا ہے اور اسی وحدۂ لاشریک کی ذات ہے جو ہمیں ان آنے والے حوادث و مشکلات سے محفوظ رکھے اور بہ صورت امتحان ہمیں اس سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق دے۔ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔ [۱۳]

پاکستان اور اُس کا مستقبل

یادش بخیر! ہماری بہترین توقعات کا مرجع و مآل، ہماری زندگی و حیات کا ماحصل، ہماری شبانہ روز جدوجہد اور تگ و دو کا منتہائے مقصود، ہماری رویائے صادقہ کی صحیح تعبیر اور ارتقائی منازل طے کرنے کے متعلق قرآنی ارشادات کی عملی تفسیر، الہامی لقب سے ملقب اور بہترین عنوان سے معنون ہونے والا پاکستان، آج بہ صد خوبی اور رعنائی و بہ ہزار کشش و دل فریبی صرف ہمارے سامنے نہیں بل کہ دنیا بھر کے سامنے جلوہ گر ہو رہا ہے۔ اس کی تخلیق میں مخلوق کا کوئی ہاتھ نہیں بل کہ خالقِ ازل نے لفظ کُنْ کے ارشاد سے اسے عالمِ کون و مکاں میں ایک ممتاز جگہ عطا فرما دی۔ اِدھر اس کی تاسیس و تشکیل ہوئی اور اُدھر اس کی شہرت چار دانگ عالم [پوری دنیا میں] میں پھیل گئی۔ پاکستان کا قیام فی الحقیقت ایک معجزہ ہے جس کا ظہور انسانی عقل و فکر سے بالاتر ہوا اور وہم و گمان کی اڑان سے بہت اوپر۔ پہلے اس کی حقیقت ایک دل خوش کن تخیل سے بڑھ کر نہ تھی، اس کا مقصد اغیار کو چھیڑنے سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ اول تو انگریز کا ہمارے ملک سے چلا جانا ہی بعید از قیاس تھا پھر قوموں کی قلت و کثرت، دوسری قوم کی مالی اور اقتصادی فوقیت، ان کا باہمی اتحادِ عمل اور مسلمانوں کا باہم دگر تشتت [پراگندگی] و افتراق۔ یہ ایسی چیزیں تھیں جن کے پیشِ نظر اسلامی ریاست کا علاحدہ قیام بہ ظاہر حالات ناممکن نظر آتا تھا مگر چوں کہ قدرت ہر چیز پر قادر ہے اور خدائے قدوس و قیوم کی مشیت و ارادہ کے سامنے امکانات کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس لیے پاکستان کا قیام چودھویں صدی کے اندر قدرت کا ایک شاہ کار سمجھ لیں اور محیر العقول خدائی کارناموں کا ایک حیرت انگیز کارنامہ۔

اور جب کہ یہ ایک سب سے بڑی اسلامی سلطنت اللہ تعالیٰ کے دین سے معرضِ وجود میں آ گئی ہے اور دنیا کی تمام سلطنتوں نے اسے لفظی طور پر نہیں بل کہ حقیقی طور پر تسلیم کر لیا ہے اور پھر اتنے قلیل عرصہ میں اس نے جس سرعت رفتار سے ارتقائی منازل اور ترقی کے مدارج طے کیے ہیں، تجارتی منڈیوں میں اس کے اجناس کی جو مانگ ہے، سکہ کی قیمت نہ گھٹانے سے اس کی جو توقیر ہو رہی ہے، اس کی زرعی حالت جس طریق سے تسلی

بخش ہے اور اس کی فوجی طاقت ایک قلیل عرصہ میں جس طرح کافی ترقی کر چکی ہے یہ اور دوسری تمام باتیں اس امر کا زندہ ثبوت ہیں کہ ان شاء اللہ ہماری نوزائیدہ مملکت اور ہماری نئی حکومت کو تائیدِ غیبی حاصل ہے اور جس صنّاعِ ازل نے اس کی بنیاد رکھی ہے وہی حافظِ حقیقی اسے شرِ اعدا و مخالفین سے محفوظ و مامون بھی رکھے گا اور یہی ایک چیز ہماری دلی تسکین و قلبی طمانیت کا موجب ہے۔ لیکن اگر آپ بہ نظرِ غور و فکر مطالعہ کریں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ پیش کردہ ایجابی پہلو جس حد تک امید افزا و تسلی بخش ہیں اس کا سلبی پہلو اسی قدر فکر انگیز و تردد خیز نظر آتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ اللہ کریم کی حفاظت میں آجانے سے انسان مخالفین و معاندین کے دستِ تصرف و تغلب سے نجات حاصل کر لیتا ہے مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ہمارے دشمن ہماری تاک میں ہیں۔ پاکستان انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتا اور اسے نیست و نابود کرنے، اس کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دینے اور اسے بھارت یا ہندوستھان [ہندُستان] میں شامل کر لینے کے متعلق بڑی کھچڑی پک رہی ہے۔

ہندو مہا سبھا، راشٹریہ سیوا سنگ اور سوشلسٹ کھلم کھلا اور کانگریس والے در پردہ زبردست تیاریاں کر رہے ہیں کہ جلد از جلد پاکستان کو ختم کر دیا جائے۔ برصغیر ہند میں بسنے والے مسلمانوں کو ختم کر دیا جائے۔ اس ملک سے اسلام کا جنازہ نکال دیا جائے۔ پاکستان، ہندو اور سکھ کے سینہ پر سانپ بن کر لوٹ رہا ہے۔ پاکستان کا وجود ان کے لیے ایک بلائے بے درماں سے کم نہیں اور جب تک یہ کانٹا نکل جائے وہ آگ پر لوٹتے رہیں گے حالاں کہ پاکستان نے ان کا کچھ نہیں بگاڑا بل کہ ایک بہترین ہمسایہ ثابت ہوا ہے۔ اپنی کم زوری یا شرافت کے باعث اس نے بھارت کے معاملات میں اس کی طرف سے جبر و ستم ہونے کے باوجود دخل دینا پسند نہیں کیا حالاں کہ بھارت کا چپہ چپہ آج مسلمان کے خونِ ناحق سے رنگین ہو رہا ہے اور وہاں ہمارے بھائی گاجر مولی کی طرح کاٹے جا رہے ہیں۔ ان کی قیمتی جائیدادیں نہایت بے دردی کے ساتھ چھینی جا رہی ہیں، انھیں بے قصور پکڑا جا رہا ہے، انھیں ڈرا دھمکا کر سہم زدہ کر کے گھروں سے نکالا جا رہا ہے مگر ہم اتنے بے بس ہیں کہ اپنی طاقت کی کم زوری اور دشمن کی طاقت مضبوط ہونے کی بنا پر خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے ہیں مگر اپنے مظلوم اور ستم رسیدہ بھائیوں کی کوئی اعانت نہیں کر سکتے کہ کہیں ہمارے کسی طرزِ عمل سے بھارت والوں کو غصہ نہ آجائے اور وہ ہم پر ہلہ نہ بول دیں۔

کشمیر کا مسئلہ ہماری کم زوری کا بدیہی ثبوت ہے کہ رائے شماری کے معقول مطالبہ کو بھی بھارت مسترد کر دیتا ہے۔ کشمیر کے مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر گھروں سے نکالا جا رہا ہے اور باہر سے ہندو اور سکھوں کو لا کر سرعت رفتار سے آباد کیا جا رہا ہے کہ آبادی کا موجودہ تناسب برقرار نہ رہے مگر ہم سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ ہمارے پاس فوجیں کم ہیں، ہتھیار کم ہیں، قیادت ناقص ہے اور قائدین

بے ہمت۔

لیکن یہ صورتِ حال کب تک قائم رہے گی؟ اگر کسی شریف قوم سے واسطہ ہوتو وہ ہماری اس رواداری تحمل و برداشت، صبر وضبط کی داد دے سکتی ہے مگر سابقہ ایک ایسی ذلیل قوم سے ہے اور ایک ایسی بدترین مخلوق سے جن کے سامنے شرافت نام ہے کم زوری کا اور اصول پسندی کو وہ بے چارگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ سو اتفاق سے ہمیں ایک کمینہ اور بزدل دشمن سے سابقہ آپڑا ہے جس کی ڈائری میں مروّت، شفقت، رحم اور درگزر کے الفاظ موجود نہیں۔ جس کے گھناؤنے اخلاق کا مکروہ مظاہرہ مشرقی پنجاب، ریاست ہائے پھلکیاں، حیدرآباد دکن اور کشمیر میں بہ طور قسط اول ہو چکا ہے اور جس کی خوں ریزی، خون آشامی اور قتل ونہب کے مناظر آج کلکتہ، یوپی، سی پی اور آسام کے صوبوں میں دکھلائی دے رہے ہیں۔ یہ وہ قوم ہے جس نے اپنے محسن اعظم گاندھی جی کو ذبح کر دیا۔ راج گوپال اچاریہ جیسا غیر متعصب اور حقائق پسند شخص آج مدراس میں بیٹھا ہوا اپنی قوم کی بے راہ روی اور ستم گری پر آنسو بہا رہا ہے اور جس پر غلط اعتماد اور بھروسہ کرنے والے اور اپنی قوم کے غدار مسلمان آج حقیقتوں کی دنیا میں آکر اپنے غلط اقدام پر کڑھنے لگے ہیں مگر غلط روی کی وجہ سے اتنے دور جا چکے ہیں کہ اب ان کے لیے واپس آنا بھی مشکل ہے۔

اب ذرا انصاف ملاحظہ ہو کہ کلکتہ میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ اندازہ کے مطابق دس ہزار سے زائد مسلمان شہید ہوگئے، کروڑوں کی مالیت کا نقصان ہوا مگر نہرو صاحب کی معلومات کی بنا پر صرف بارہ مسلمان مارے گئے اور وہ بھی مشرقی بنگال میں مسلمانوں نے جو فسادات کیے تھے ان کی صدائے بازگشت کے طور پر۔ حالاں کہ وہاں جو کچھ ہوا وہ کلکتہ کے دردناک واقعات کا ایک ردِعمل تھا اور وہاں کی حکومت نے فوراً حالات پر قابو پالیا مگر بھارت کے اندر نہ صرف یہ کہ ہولی کے دن مسلمانوں کے خونِ ناحق کے ساتھ بیسیوں مقامات پر ہولی کھیلی گئی بل کہ یہ شدومد کے ساتھ اب تک چل رہا ہے اور ہندوستھان [ہندُستان] کے تمام اطراف واکناف اور اندرونِ ملک میں مسلمانوں کے لہو سے ہاتھ رنگے جا رہے ہیں اور حکومت بجائے اپنی رعایا کے بے کس ومظلوم افراد کی حفاظت کرنے کے اپنے طرزِعمل سے ظالموں کے حوصلے بڑھا رہی ہے اور اس کے اربابِ حل وعقد اپنی شرانگیز اور زہریلی تقریروں سے فضائے امن کو اور مکدر کر رہے ہیں اور بھارت کے اخبارات والے مشرقی بنگال کے غلط اور سو فی صد جھوٹے واقعات بیان کر کے جلتی آگ پر تیل ڈال رہے ہیں اور اگر یہی لیل ونہار رہے تو زیادہ سے زیادہ ایک سال کے اندر سارا بھارت مسلمانوں کے وجود سے خالی ہو جائے گا۔ اکثر مسلمان جامِ شہادت نوش کر لیں گے، ایک کثیر تعداد پاکستان بھاگ آئے گی اور بہت سے کم زور ایمان والے مسلمان ارتداد کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہو جائیں گے اور اس ساری فتنہ انگیزی اور شرارت کا مقصد ہی یہی ہے کہ ایک

طرف بھارت کو مسلمانوں کے وجود سے پاک کر لیا جائے اور دوسری طرف پاکستان پر مہاجرین کا اتنا بوجھ ڈال دیا جائے جس سے کہ اس کی کمر ہمت شکست ہو جائے اور اقتصادی طور پر وہ تباہ ہو کر اپنی موت آپ مر جائے۔

لیکن یہ سکیم تو وہاں کے اعتدال پسندوں اور بین الاقوامی حیثیت رکھنے والے لوگوں کی ہے جو ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے ہیں مگر وہاں ایک اور طبقہ ایسا بھی موجود ہے اور جسے ہندو مہا سبھا اور سیوا سنگ سے موسوم کیا جاتا ہے جو مسلمانوں کو اتنی ڈھیل دینی پسند نہیں کرتا اور جس کو آج کل بھارت میں انھی انتہا پسندی کے خیالات کے باعث بڑی مقبولیت ہو رہی ہے۔ اس کا یہ مطالبہ ہے کہ ایک تو پاکستان کو بہ زورِ شمشیر فتح کر کے اسے حیدر آباد دکن کی طرح بھارت میں شامل کر لیا جائے۔ دوسرا بھارت کے اندر بسنے والے مسلمانوں اور پاکستان کے تمام مسلمان باشندوں کو تہ تیغ بے دریغ کر دیا جائے تاکہ سارے برصغیر ہندو پاکستان میں ایک متنفس بھی ایسا باقی نہ رہے جس کا اعتقاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت پر ہو۔ وَلِنِعْمَ مَاقِیْلَ۔[14]

بجرمِ عشقِ توام می کشند و غوغائیست
تو نیز بر سرِ بام آچہ خوش تماشائیست[15]

اگر امریکا اور برطانیہ کی مشترکہ ایشیائی حکمت عملیاں سامنے نہ ہوتیں اور کمیونزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لیے وہ پاکستان اور ہندستان کو بہ طور ایک بند کے استعمال کرنا نہ چاہتے تو اب تک پاکستان اور ہندستان کے درمیان جنگ ہو کر ایک نتیجہ پر پہنچ چکی ہوتی اور اگر حکومتِ ہند کو جو اقتصادی دشواریاں اور مالی کم زوریاں لاحق ہیں اور سوائے امریکا کی طرف سے متوقع کثیر مالی امداد کے وہ رفع ہونے میں نہیں آتیں اور اسے امریکا کی لحاظ داری پیش نظر نہ ہوتی تو وہ اتنا انتظار نہ کرتا اور اپنی ظالم رعایا کی ہوسِ خون آشامی کو پورا کرنے کی خاطر آگ اور خون کے میدان میں کُود جاتا لیکن موجودہ حالات ہی ہرگز تسلی بخش نہیں اور اگر نہرو صاحب دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے یہ کہہ بھی دیں کہ ہم جنگ کو ناپسند کرتے ہیں لیکن ان کے بدلے ہوئے تیور، جوش انگیز تقریریں، جھوٹ اور فریب سے مملو بیانات، اس امر کا قطعی ثبوت ہیں کہ بھارت کے سپوت پھر وہ کھیل کھیلنے پر اُتر آئے ہیں جو وہ دو سال پہلے کھیل چکے ہیں۔ ان کی بے رحم آنکھوں میں پھر خون اتر آیا ہے اور وہ بے چارے مسلمانوں کو پھر اسی جرم میں قتل کر رہے ہیں اور قتل کرنا چاہتے ہیں کہ وہ مسلمان کیوں ہیں اور پاکستان پر حملہ کی تیاریاں صرف اسی لیے ہو رہی ہیں کہ اس کا نام پاکستان کیوں ہے؟

اندریں حالات آپ ہزار تاویلیں کریں، دل کو جھوٹی تسلیاں دیں، لوگوں کو مطمئن بنانے کی کوشش کریں۔ یہ امر واقع ہے کہ پاکستان کا مستقبل خطرات سے گھرا پڑا ہے اور چند دنوں، ہفتوں یا زیادہ سے زیادہ

چند مہینوں کے اندر یہ جنگ ناگزیر ہے۔ یہ لڑائی ہونے والی ہے۔ اسلام اور کفر کا آخری معرکہ ہو کے رہے گا۔

؎ اب ہو کے رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے جب مزاج ترا امتحان پر[16]

دعوتِ جہاد

؎ میارا بزم بر ساحل کہ آں جا
نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط ودر موجش در آویز
حیاتِ جاوداں اندرستیز است[17]

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ (النساء۴:۷۵)

ترجمہ : اور تم کو کیا ہو گیا ہے جو تم اللہ کے راستہ میں اور ان کم زور مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو کفار کے دست تظلم سے چھڑانے کی خاطر جہاد نہیں کرتے؟ جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس شہر سے جہاں کے رہنے والے سخت ظالم ہیں باہر نکال اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی دوست بنا دے اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی مددگار پیدا کر۔

اسلام جہاں ایک طرف امن و آشتی، صلح و دوستی اور مصالحت پسندی کا پیغام لے کر آیا ہے اور خود اسلام کے لفظ میں ہی سلامت روی اور تسلیم و رضا کی جھلک نظر آ رہی ہے وہاں دوسری طرف قیامِ امن، اعانتِ مظلوم، ظالم کی سرکوبی، فتنہ انگیزوں کی روک تھام اور شرارت پسندوں کا استحصال، تعلیماتِ اسلام میں شامل ہیں۔ جب کہ ایسے شرانگیز و فتنہ خیز عناصر کی موجودگی میں امن کا قیام ہو ہی نہیں سکتا اور جب تک جور و استبداد کا قلع قمع نہ ہو جائے اور ظلم و تعدی کا خاتمہ، اس وقت تک کرہِ ارض کے ساکنین اطمینان حاصل نہیں کر سکتے۔

اور یہ اسلام کا ایک طغرائے امتیاز ہے کہ اگر دوسرے بادشاہ اپنی حدودِ مملکت کی توسیع، اپنے ذرائع آمدن بڑھانے، ہوسِ استعمار و ملوکیت کو پورا کرنے اور اپنی شانِ سلطنت و حکومت دکھلانے کے لیے لڑائی کیا کرتے ہیں، ایک فردِ واحد کی خواہشات کی تکمیل اور جذبات کی تسکین کی خاطر ہزاروں بے گناہ قتل ہو جاتے ہیں اور لاکھوں معصوم جانیں قربان کر دی جاتی ہیں وہاں مسلمانوں کا جہاد بلند اصول کے حصول کی خاطر تجویز کیا گیا

ہے [۱۸] اور وہ اگر کسی دشمن سے لڑتے ہیں تو کوئی ذاتی غرض پیش نظر نہیں ہوتی، کسی شخصی انتقام کا جذبہ کارفرما نہیں ہوتا اور نہ اپنا نسلی یا قومی تنفر موجبِ نزاع بل کہ مقصود بالذات دنیا والوں کی بھلائی، بنی نوع انسان کی بہتری، مظلوموں کی حمایت، غلاموں کی رہائی اور دستِ تظلم میں گرفتار افراد کی نجات ہوا کرتا ہے۔

قرونِ اولیٰ میں جتنی جنگیں لڑی گئیں۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں جتنے غزوات ہوئے، سب کے اندر یہی متذکرہ بالا محرکات بروئے کار نظر آئیں گے۔اگر چہ اکثر حالات میں مدافعانہ پہلو اختیار کیا گیا مگر بعض صورتیں جارحانہ اقدام کے باوجود محض رفعِ شر و دفعِ فساد کے سلسلہ میں تھیں۔جب دیکھا گیا کہ سرزمینِ شرک وکفر کے اندر بسنے والے مسلمان مرد،عورتیں اور بچے محض مسلمان ہونے کے باعث تکلیف میں ہیں، انھیں شہری حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے،ان کے اثاثے اور سامان لُوٹے جا رہے ہیں، انھیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی جا رہی ہیں اور اسی پر اکتفا نہیں بل کہ شمشیرِ ظلم، خاطی اور بے گناہ ہر ایک کی گردن کاٹنے لگی ہے، بدامنی اور لاقانونی کا دور دورہ ہے اور عدل عمرانی، انصاف گُستری اور رواداری کا خاتمہ ہو چکا ہے تو پھر مسلمان جو دنیا بھر کے لیے پیغامِ رحمت بن کر آیا تھا اور صرف مسلمانوں کی مال و جان کا محافظ نہیں بل کہ تمام انسانون کی عزت و آبرو کا نگہبان بن کر آیا تھا، اسے حکم دیا گیا کہ جہاں کہیں امن و امان میں خلل نظر آئے، جہاں کہیں ظالم مظلوم کو ستانے لگے اور جہاں کہیں ملوکیت اور استبدادیت زور پکڑ جائے۔تم جا کر ظلم و عدوان سے لوگوں کو نجات دلاؤ اور انسان کی گردن سے انسان کی غلامی کا طوقِ لعنت اتار کر اس میں اللہ تعالیٰ کی غلامی کا قلادہ ڈال دو۔

ہر معرکہ اور ہر جنگ دراصل ملوکیت اور جمہوریت کی ٹکر تھی جس میں جمہوریت نے غلبہ حاصل کر لیا۔ مدائن اور قادسیہ کا معرکہ اسی بنا پر ہوا کہ ایران والوں کے ہاتھوں انسانیت کراہ رہی تھی اور مسلمانوں نے وہاں جا کر اسے وحشیوں اور درندوں کے ہاتھوں سے بچا لیا۔ارضِ قدس میں جب تثلیث کے ناقابلِ فہم عقائد اور ناقابل برداشت احکام لوگوں پر ٹھونسے جانے لگے تو توحید اس کے آڑے آ گئی اور انسان کے بنائے ہوئے ناقص اور نکمے قانون کی جگہ اللہ کے بتائے ہوئے کامل اور جامع قانون کی ترویج کر دی۔

تقسیمِ ہند کے بعد بدقسمتی سے ہمارے چار کروڑ مسلمان بھائی ہندو قوم کے اندر پھنس گئے ہیں جو کہ بہ ظاہر حکومت کو لادینی کا لقب دے کر اور دنیا کے سامنے اپنی بےتعصبی کا ڈھول پیٹ کر اپنی غیر متعصبی اور مساوات پسندی کا اعلان کر رہی ہے مگر حقیقتاً اس سے بڑھ کر دنیا بھر کے اندر کوئی بھی ایسی گندی اور گھناؤنی ذہنیت اور زہریلے خیالات والی قوم موجود نہیں۔جس نے محض اس جُرم کی بنا پر کہ مسلمان ایک خدا کا پرستار اور ایک رسول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وفادار کیوں ہے۔پہلے اسے مشرقی پنجاب سے مار بھگایا، دہلی سے

دیس نکالا دیا، حیدرآباد دکن سے بھاگ جانے پر مجبور کیا، کشمیر کی سالم مسلم آبادی کے اندر ہلچل مچادی، اپنے امن پسند ہمسایہ پاکستان کو کانٹوں پر گھسیٹا، اس کی نہروں کا پانی بند کر دیا، کوئلہ کی بہم رسانی روک دی، اس کے راستہ میں کئی ایک اقتصادی ناکہ بندیاں پیدا کر دیں اوران دو سالوں میں اسے اتنا تنگ کیا کہ اگر وہ قدرتی طور پر سخت جان واقع نہ ہوتا تو اب تک اس کا کچومر نکل گیا ہوتا۔ اس کے متعلق تو بھارت کے سپوت یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ پاکستان والوں کا بھی فلاں معاملہ میں غلطی تھی یا ان سے یہ قصور سرزد ہوا مگر سوال تو یہ ہے کہ بھارت کے اندر بسنے والے مسلمانوں نے کون سا جرم کیا ہے جس کی پاداش میں ان کا قتل عام ہورہا ہے؟ حالاں کہ وہ بے چارے اس غیر منصفانہ اور یک طرفہ تقسیم کے بعد شاکر و صابر ہو کر بیٹھ گئے تھے۔

حیدرآباد دکن کا سقوط کوئی معمولی واقعہ نہ تھا بل کہ سارے جہان کے مسلمان [مسلمانوں] کے لیے وہ ریاست ثقافتی، علمی اور فنی اعتبار سے مایہ ناز حیثیت رکھنے والی تھی اور پھر بعض علاقے اندرونِ ہند میں ایسے تھے جہاں کے مسلمانوں کے وہاں کے مسلمانوں سے بڑے گہرے تعلقات تھے، باہم دگر رشتہ داریاں تھیں مگر سب کچھ ہونے کے باوجود وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ کوئی مظاہرہ نہیں کیا، کوئی صدائے احتجاج بلند نہیں کی اور اس کا اعتراف خود نہرو صاحب نے کھلے الفاظ میں کر دیا۔ اس کے بعد بھی ان کی طرف سے حکومت کے خلاف کسی قسم کی شکایت سننے میں نہیں آئی بل کہ حکومت کے ہر جائز و ناجائز حکم کو اُنھوں نے تسلیم و رضا سے قبول کیا اور مرگِ مفاجات کی مثال عملی طور پر سامنے آ گئی۔ پھر اس وفاداری کا صلہ کلکتہ، مغربی بنگال، آسام، یوپی اور سی پی کے قتلِ عام کی صورت میں کیوں مل رہا ہے؟

حکومت نے خوں خوار اور وحشی درندوں کو کیوں ڈھیل دے دی ہے کہ وہ مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو بے دردی کے ساتھ قتل کر دیں اور کوئی ان سے پوچھنے والا نہ ہو؟ بل کہ تازہ اطلاعات کے مطابق جہاں کہیں سے بے چارے مسلمان بھاگنے لگے وہاں پولیس والوں نے انھیں اپنی گولیوں کا نشانہ بنا دیا اور یہ اندھیر گردی یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ کلکتہ کے جو مسلمان لاریوں میں بیٹھ کر ہوائی اڈہ پر جارہے تھے کہ وہاں ہوائی جہازوں پر سوار ہو کر مشرقی بنگال چلے جائیں انھیں لاریوں پر ہی ٹکڑے کر دیا گیا۔ دراصل یہ ساری خوں ریزی، یہ ساری غارت گری، مسلمانوں کا ہزاروں کی تعداد میں شہید ہو جانا اور کروڑوں اور اربوں کے حساب سے ان کی جائیدادوں کی تباہی و بربادی ایک دشمنِ امن پٹیل نامی شخص کی ایک زہریلی تقریر کے باعث ہوئی جس نے کہ کلکتہ میں جا کر ایک اشتعال انگیز بیان سے خرمنِ امن کو آگ لگا دی اور پھر پنڈت نہرو صاحب نے وہاں جا کر بجائے آگ بجھانے کے اس پر مٹی کا تیل چھڑک دیا اور جب سانپوں اور بچھوؤں نے دیکھا کہ اگر ہم ڈنگ مارتے جائیں تو کوئی پوچھنے والا نہیں اور بھیڑیوں نے دیکھا کہ بکریوں اور بھیڑوں کو چیر پھاڑ کرنے پر کوئی

مواخذہ نہیں بل کہ گذر یا خود انھیں دعوتِ قطع و برید دے رہا ہے اور حوصلے بڑھا رہا ہے تو پھر آپ خود اندازہ لگائیں چار کروڑ مسلمان کس طرح بچ سکتے ہیں؟

انگریز ظالم تھا، خود غرض تھا، مطلب پرست تھا مگر اس کے زمانۂ حکومت میں بھی یہ کیفیت تو کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ جلیاں والہ باغ کے اندر جنرل ڈائر نے گولی چلائی۔ دو چار سو آدمی مارے گئے مگر اس کے خلاف وہ طوفان اٹھا کہ ساری دنیا لرز گئی اور وہ خود اپنے اس کیے پر نادم ہو کر پاگل ہو گیا مگر آج تو جلیاں والہ باغ کا قصہ انڈیا بھر میں دھرایا جا رہا ہے اور جنرل ڈائر سے کہیں بڑھ کر شقی القلب، بے رحم اور ظالم پٹیل، ہندو مہا سبھا کے درندوں اور راشٹریہ سیوا سنگ کے وحشیوں کو اکسا رہا ہے کہ چار کروڑ مسلمانوں کو نیست و نابود کر دو۔ ان کے ٹکڑے اڑا دو اور بقیۃ السیف کو ملک بدر ہونے اور پاکستان چلے جانے پر مجبور کر دو اور کوئی اس سے پوچھنے والا نہیں۔ جمعیت الاقوام کو سانپ سونگھ گیا ہے اور لیگ آف نیشن والے آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں۔

آج ہندستان کے چار کروڑ مسلمان مذبح میں لیے جا رہے ہیں اور کند چھریاں ان کے گلے پر چلائی جا رہی ہیں۔ آج چار کروڑ فرزندانِ توحید کا محض کلمہ طیبہ پڑھنے کے جرم میں قتلِ عام ہو رہا ہے۔ ان کے گھر بار لوٹے جا رہے ہیں، ان کی جائیدادیں غضب کی جا رہی ہیں مگر چالیس کروڑ ان کے بھائی دل میں ضرور کڑھتے ہوں گے۔ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے مقدس مقامات پر ان کے لیے دعائیں بھی ہو رہی ہوں گی مگر ان ظالموں سے انھیں کوئی چھڑا نہیں سکتا۔

یاد رکھو مصر کے مسلمانو! عراق کے مسلمانو! ایران کے مسلمانو! افغانستان کے مسلمانو! ساری دنیا کے مسلمانو! اور خاص کر پاکستان کے اندر بسنے والے آٹھ کروڑ مسلمانو! قیامت کے دن تم سے مواخذہ ہوگا، باز پُرس ہوگی، جواب دہی کرنی پڑے گی کہ تم نے اپنی آنکھوں سے اپنے چار کروڑ بھائیوں کو ذبح ہوتے دیکھا۔ اپنی پاک باز بہنوں کی عصمت دری دیکھی۔ اپنے معصوم بچوں کے گلوں پر چھریاں چلتی دیکھیں۔ اسلام کے باغ کو اجڑتے دیکھا۔ خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے لگائے ہوئے پودوں کو بے دردی کے ساتھ اکھڑتے دیکھا مگر تمھاری رگِ حمیت حرکت میں نہیں آئی۔ تم نے انھیں چھڑانے کی تدبیر نہیں کی اور تم نے اس سلسلہ میں کوئی اقدام نہیں کیا۔

مگر معلوم ہوتا ہے کہ تن آسانی، عیش پروری، آرام طلبی اور وجاہت پسندی نے تمھاری آنکھوں پر غفلت کے پردے ڈال دیے ہیں، تمھارے کانوں میں روئی ٹھونس دی ہے اور تمھاری غیرت وحمیت کا جنازہ نکال دیا ہے۔ مشرقی بنگال میں مقابلتاً کچھ بھی نہیں ہوا۔ صرف چند ایک معمولی جھڑپیں ہوئیں مگر ایک بے دار اور ہوشیار قوم پر یہ خبر برقِ خاطف بن کر گری۔ سارے بھارت میں ماتم کی صفیں بچھ گئیں، اخباروں نے الگ گلے

پھاڑ نے شروع کیے، بھارت کی پارلیمنٹ میں ممبروں نے ہال سر پر اٹھا لیا۔ ادھر نہرو صاحب کلکتہ بھاگے ادھر پاکستان کو دھمکیاں دینی شروع کیں اور نتیجہ یہ کہ وہاں کی حکومت نے ایک طرف ہندو قوم کی چیخ و پکار سے مرعوب ہو کر اور دوسری طرف اصول پسندی کے پیش نظر ایک ہفتہ کے اندر اندر مکمل امن و امان کر دکھایا مگر بالمقابل ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہمارے ارباب بست و کشاد کس سوچ بچار میں پڑے ہیں؟ قرار داد مقاصد پاس ہو جانے کے باوجود اور سارے جہان میں ایک مذہبی حکومت کی بدنامی لے لینے کے باوجود یہ لوگ کیوں خاموش ہیں؟

یہ تسلیم کیا کہ بعض حالات جنگ کے موافق نہیں اور ہماری حکومت ابھی تک لاحقہ مشکلات سے پوری طرح عہدہ برآ نہیں ہو سکی۔ ابھی ہمارے پاس اسلحہ سازی کے کارخانے موجود نہیں۔ ہماری بحری طاقت کم زور ہے۔ پہلے مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ پوری طرح حل نہیں ہو سکا تھا کہ لاکھوں مہاجرین اور آنے لگے ہیں اور یہی لیل و نہار رہے تو معلوم نہیں ان کی تعداد کہاں تک پہنچ جائے گی۔ یہ سب باتیں درست ہیں اور سب عذرات معقول مگر سوال تو یہ ہے کہ اگر ظالم کا ہاتھ نہ روکا گیا تو اس کے حوصلے اور بڑھیں گے۔ اگر اپنے بھائیوں کے بچاؤ کی کوئی سبیل پیدا نہ کی گئی تو ایک طرف مرنے والوں اور جامِ شہادت نوش کرنے والوں کی تعداد میں بے شمار اضافہ ہو جائے گا دوسری طرف اتنے مہاجرین پاکستان میں آ جائیں گے کہ جن کی آبادی کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پاکستان اقتصادی طور پر بالکل تباہ ہو جائے گا اور یہی مقصد پیش نظر رکھ کر ظالم مگر چالاک دشمن ان ہتھکنڈوں سے کام لے رہا ہے۔

اندریں حالات سوائے اس کے ہمیں تو کوئی حل نظر نہیں آتا کہ مظلوموں اور بے کسوں کی آخری جائے پناہ اور مرجع و مآل یعنی جہاد سے کام لیا جائے اور پہلے بہ طور اتمامِ حجت حکومت پاکستان یہ مسئلہ جمعیت الاقوام کے سامنے بڑے جوش و خروش اور شد و مد کے ساتھ پیش کرے اور اگر ان کی دخل اندازی سے یہ قتل عام رک جائے۔ آئندہ کے لیے بھارت والے مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار بن جائیں تو چشم ما روشن دل ما شاد۔[۱۹] لیکن اگر وہ مداخلت پسند نہ کریں یا مداخلت کے باوجود مسئلہ کشمیر کی طرح انڈیا والے ان کی پروا نہ کریں اور یہ دار و گیر اور قتلِ عام کا سلسلہ بند نہ ہونے پائے، جس کی ہندو کی موجودہ نیت اور ذہنیت کے پیش نظر بہت کم توقع ہے تو پھر حکومت پاکستان بھارت کو باقاعدہ الٹی میٹم دے دے اور ایک تاریخ مقرر کر دے کہ اگر تم نے مسلمانوں کا قتل عام بند نہ کیا اور آئندہ کے لیے مسلمانوں کی حفاظت کی ضمانت نہ دی تو پھر ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو بچانے کے لیے دخل انداز ہونے پر مجبور ہو جائیں گے اور پاکستانی افواج قاہرہ و عساکرِ جرّار حرکت میں آ جائیں گے۔

ممکن ہے بعض عافیت پسند حضرات کو یہ اعلانِ جنگ بہ لحاظِ عواقب و نتائج خطرناک نظر آئے یا اسے

جلد بازی پر محمول کریں مگر خدارا ہمیں یہ بتلائیں کہ اس کے سوا چار کروڑ مسلمانوں کی جانیں کس طرح محفوظ رہ سکتی ہیں اور کیا تمھارے پاس اتنی گنجائش موجود ہے کہ صرف چالیس پچاس لاکھ مہاجرین کو تم نہیں سنبھال سکے تو چار کروڑ کی تعداد کہاں سما سکے گی؟

اس کے علاوہ اگر ہمیں یقین ہو جائے کہ وہاں کے مسلمانوں کو تن بہ تقدیر چھوڑ دینے اور انھیں قربانی کا بکرا بنا دینے سے ہمارا چھٹکارا ہو جائے گا تو بھی غیر اسلامی مصلحت اندیشی کے اعتبار سے کم از کم حفاظت کا ایک پہلو تو نکل سکتا ہے مگر یہاں تو ہندو اپنے محکوم مسلمانوں کو قتل و غارت پر اکتفا نہیں کر رہا بل کہ وہ پاکستان کو اپنا زیر نگیں کرنے اور یہاں کے آٹھ کروڑ مسلمان کو بھی تہ تیغ بے دریغ کرنے اور بھارت ماتا کو بہ شمولیت [بہ شمول] پاکستان صرف اپنے لیے مخصوص کرنے اور اَنَــا وَلَاغَیْــرِی [20] کا خواب پورا کرنے کو اپنا منتہائے مقصود بنا چکا ہے۔ پھر جس صورت میں کہ جنگ ناگزیر ہے، لڑے مرے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ چار کروڑ ہندُستان کے اندر رہنے والے مسلمانوں اور آٹھ کروڑ پاکستانی مسلمانوں کی جانیں خطرہ میں ہیں تو بجائے اس کے کہ بھارت کے دال خور سپوت وہاں کے مسلمانوں کی گردنیں کاٹ کر یہاں ہمیں ذبح کرنے کی خاطر آ جائیں اور ہم اپنی وہ گردنیں جو خدائے قدوس کے سامنے جھکایا کرتے ہیں، ان کے سامنے کٹوانے کے لیے خم کر دیں۔ یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ میدانِ جنگ میں ان سے دو دو ہاتھ کریں، گولیاں اپنے سینوں پر کھائیں، خونِ شہادت سے وضو کریں اور نماز جا کر جنت میں سیّد الشہدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا میں اَدا کریں۔

یاد رکھیں! اگر تم نے اسلام کے راستہ میں موت کو قبول کر لیا اور باطل کے مقابلہ میں حق کا ساتھ دیا۔ کسی ذاتی غرض کی خاطر نہیں، ہوسِ ملک گیری کی خاطر نہیں بل کہ اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر میدانِ دغا میں کود گئے اور رضائے الٰہی کے حصول، خوشنودی سرورِ کائنات خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حاصل کرنے، اسلام کا علم بلند کرنے، کفر کی طاقتوں کو شکست دینے کی نیت سے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اپنے بال بچے قربان کر دیے، اپنی عزت اور ناموس قربان کر دی تو پھر تمھارے بہتے ہوئے سُرخ مگر پاک خون سے گلشنِ اسلام کی آبیاری ہوگی، نخلِ ایمان پھر ترو تازہ ہو جائے گا، اور اسلام کے خزاں دیدہ باغ میں پھر بہار آ جائے گی، وہ بہار جو کہ جنگ بدر و حنین کے بعد آئی، وہ بہار جو جنگ احد و تبوک کے بعد آئی اور وہ بہار جو جنگ یرموک و قادسیہ کے بعد آئی۔ وَلِلّٰہِ دَرَّ قَآئِلِه۔ [21]

ہرگز نہ نمیرد آں کہ دِلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما [22]

بعض پست ذہنیت والے ڈرتے ہیں کہ جنگ میں اگر خدانخواستہ ہم ناکام رہے تو پھر کیا ہوگا؟ انھیں

تسلی دلا دو کہ مسلمان کے لیے ہمیشہ فتح مقدر ہے اور اسلام کی لغت میں شکست کا لفظ موجود ہی نہیں اور اگر خدانخواستہ کسی بے تدبیری یا عدول حکمی کے باعث وقتی طور پر شکست ہو بھی جائے تو فی الفور فتح آ کر اس کی تلافی کر دے گی۔ تاریخِ اسلام ان واقعات سے بھری پڑی ہے اور افواج کی قلت کثرت یا سامانِ حرب کی کمی بیشی مسلمانوں کے بلند عزائم اور عالی حوصلوں پر کبھی اثر انداز نہیں ہوئے۔ البتہ ایک شرط بڑی ضروری ہے اور وہ ہے ایمانی قوت، روحانی طاقت اور مجاہدانہ عزیمت۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ [۲۳]

یعنی کہ کوئی غم اور فکر نہ کرو تمھیں ہم نے غالب بنا کر بھیجا ہے اگر تم ایمان والے ہو۔

ہر ایک طبقہ سے خطاب

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ○ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (التوبہ۹:۳۸،۳۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمھیں کیا ہو گیا ہے جب تمھیں اللہ کے راستہ میں جہاد کی دعوت دی گئی تو تم زمین کی طرف جھکے جاتے ہو۔ کیا تم دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتے ہو؟ حالاں کہ دنیاوی زندگی کا سامان آخرت کے عیش وعشرت کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ اگر تم جہاد کی خاطر نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تمھیں سخت دردناک عذاب دے گا اور تمھارے عوض میں تمھارے سوا کوئی دوسری قوم لے آئے گا اور تم اللہ کا تو کوئی نقصان نہیں کرو گے بل کہ اپنا ہی کچھ بگاڑو گے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرات! اربابِ حکومت سے تو جو کچھ کہنا تھا کہا جا چکا اور چوں کہ بعض ذاتی کم زوریوں کے باوجود حکم ران طبقہ مسلمان ہے، اپنے سینہ میں دل اور دل میں درد رکھنے والا ہے۔ اسلامی ہمدردی اور اخوت کے جذبات سے بھی عاری نہیں اس لیے امید کہ وہ ادائے فرض میں کوتاہی نہیں کرے گا اور ایک طرح فوجی قوت کے اضافہ اور دفاع کو ساری ضروریات پر مقدم رکھ کر اس نے اپنی فرض شناسی اور حالات کی نزاکت کے احساس کا عملی ثبوت پیش بھی کر دیا ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا محض حکومت اپنی فوجی قوت کی بنا پر جب کہ عام رعایا اس سے تعاون نہ کرے، جنگ جیت سکتی ہے؟ واقعات وشواہد بالکل اس کے خلاف ہیں اور گو فتح ونصرت تو من عند اللہ ہوا کرتی ہے مگر

تاوقتیکہ ایک ملک کی ساری آبادی اپنی تمام امکانی کوششیں فتح حاصل کرنے کے لیے وقف نہ کردے، اس وقت تک کامیابی بالکل محال ہے۔ گزشتہ جنگ عظیم میں روس کی ساری آبادی کفن سر پر باندھ کر نکل آئی تھی تب جرمنی کو شکست اٹھانی پڑی۔ پہلے زمانہ میں مسلمان فاتحین کے ہم راہ اس زمانہ کے مشائخ وعلما ہوا کرتے تھے جن کی عملی شرکت افواج وعساکر کی حوصلہ افزائی کا موجب ہوتی اور جہاں ایک طرف مسلمان سپاہی اپنی خاراشگاف [پتھر کی طرح مضبوط] تلواروں کا جوہر دکھلاتا وہاں ساتھ ساتھ مقبول دعاؤں کی خاطر پاک لوگوں کے ہاتھ بلند ہوتے، عصمت مآب بیویاں اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتیں اور معصوم بچے اس کے آستانِ جلال پر اپنے سر رکھ کر فتح اسلام کی دعائیں مانگتے۔ ایسے موقع پر امیر طبقہ والے اپنی ہمیانیوں [خزانوں] کا منھ کھول دیتے، اہلِ صنعت وحرفت اپنی آمدنی کا کثیر حصہ جنگی اخراجات کے لیے اٹھا دیتے اور تجارت پیشہ لوگ اپنے منافع کو عسکری تربیت کی خاطر وقف کر دیتے اور سب طبقات کا اشتراکِ عمل بالآخر کامیابی وکامرانی پر منتج ہوتا۔

آج ہمارے سامنے عجیب کیفیت ہو رہی ہے کہ ادھر ہندو قوم بحیث المجموع مسلمان کو غارت اور برباد کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھی ہے۔ بھارت کے اندرونی اختلافات مٹنے کی کوئی صورت سوائے پاکستان کے ساتھ اعلان جنگ کر دینے کے نظر نہیں آتی۔ سکھ ہندو کا مخالف ہے مگر مسلمان کے ساتھ اگر جنگ چھڑ جائے تو پھر وہ ایک ہونے کو تیار۔ سوشلزم اور کمیونزم کا وہاں دور دورہ ہے مگر کلکتہ کے واقعات نے ثابت کر دکھایا ہے کہ جب پٹیل جیسے پرانے شاطر نے سرمایہ دار اور مزدور کے باہمی تصادم وتقابل کو روکنے کی کوئی صورت نہ دیکھی تو اس نے فرقہ وارانہ جذبات کو بھڑکا دیا اور آناً فاناً وہی طاقتیں جو آپس میں ٹکرا رہی تھیں متفق ومتحد ہو کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں۔ سوشلسٹ لیڈر جے پرکاش نرائن ادھر کانگریس کو چیلنج دے رہے تھے مگر جب دیکھا کہ ہندو مسلم کشمکش شروع ہو گئی ہے تو اپنی ساری قوتوں کے ساتھ مسلمانوں کو کچلنے کی خاطر خم ٹھونک کر میدان میں نکل آئے اور ادھر یہ حالت کہ تمام اسلامی طبقات اپنی اپنی جگہ اطمینان سے بیٹھے ہیں۔ مشائخ کے اندر کوئی حرکتِ عمل نہیں، علما خاموش ہیں اور دنیا دار طبقہ پنبہ درگوش[۲۴] اور ایک بے چارہ امیرِ حزب اللہ مسلسل تیئیس سال سے عام نظروں میں جہاد کا فرض کفایہ ادا کر رہا ہے، اپنی صحت کی پروا نہ کرتے ہوئے تین تین مہینوں کے مسلسل دورے کرتا ہے اور پیغامِ جہاد سنا رہا ہے۔

یاد رکھیں! اگر خدانخواستہ پاکستان کو چشم زخم پہنچ گیا۔ ہماری نوزائیدہ حکومت کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں اور ہماری آزادی برقرار نہ رہی تو تمھارے جبّوں اور عماموں کی خیر نہیں، تمھاری خانقاہوں اور مدرسوں کا خاتمہ ہے اور تمھارے اداروں اور انجمنوں کا کوئی پُرسانِ حال نہ رہے گا۔ تم کیوں سوچ میں پڑے ہو؟ کس بات کا تامل ہے؟ اپنے حجروں سے باہر نکل آؤ۔ درس وتدریس بند کر دو۔ جہاد کا علم بلند کرو۔ جہاد کے وعظ شروع کر

دو۔اپنے اپنے حلقہ اثر والوں کو جہاد کی پر زور ترغیب دلاؤ اور اپنی قوت لسانی اور آتش بیانی سے مسلمانوں کے دلوں میں آگ لگا دو تا کہ وہ اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر میدان جہاد میں نکل آئیں۔اپنا تن من دھن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر قربان کر دیں اور بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ [25] آہنی دیوار بن کر دشمن کے مقابلہ میں ڈٹ جائیں اور پاکستان کے ایک ایک چپہ کی حفاظت کرتے ہوئے اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دیں اور اس معاملہ میں مسلمانوں کا کوئی طبقہ بھی مستثنیٰ نہیں ہوگا۔ مشائخ عظام،علمائے کرام، اہل دولت و ثروت، مساکینِ ملت،اراکینِ تجارت،اصحابِ صنعت، اربابِ زراعت غرض پاکستان کا ہر مسلمان خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا بچہ، کم زور ہو یا طاقت ور، بیمار ہو یا تندرست سب کے ذمہ یہ فرض ہے کہ فرمانِ خداوندی ہے:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (التوبہ۹:۴۱)

ترجمہ: کہ اے مسلمانو! ہلکے ہو یا بھاری یعنی تمھارے پاس سامان حرب ہو یا نہ ہو، جہاد کے لیے نکل آؤ اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔اگر تمھیں حقیقتِ حال کا علم ہے۔تو یہ چیز تمھارے لیے بہتر ہے۔

کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی خدمات اس بارے میں حکومت کے پیش کر دو اور صرف اسی پر اکتفا نہیں بل کہ بجائے خویش[اپنی جگہ]اپنی تمام امکانی تدابیر اور کوششوں کو بروئے کار لایا جائے۔

حضرات! مشائخ اپنے معتقدین کو جہاد بالنفس کی جگہ اب جہاد بالسیف کی تعلیم دیں۔علمائے کرام کچھ عرصہ کے لیے قرآن حکیم کی ساری تفسیر کا درس دینے کی جگہ سورۃ توبہ و انفال کے معانی و مطالب سے اپنے طالب علموں کو روشناس کرائیں۔واعظینِ اسلام اب اپنی تقریروں کا رُخ مختلف فیہ مسائل کی جگہ مسئلہِ جہاد کی طرف پھیر دیں۔تجارت پیشہ اصحاب اپنے مال سے، زمین دار طبقہ اپنی زمینوں کی آمدنی سے ،مزدور اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی سے رقم بچا کر پاکستان کے خزانہ میں داخل کریں اور نوجوان طبقہ اپنے آپ کو بہ طور رضا کار فوجی ملازمت کے لیے پیش کر دیں اور ضرورتِ وقت کے ماتحت اپنی علمی قابلیت یا بڑی سی ڈگری رکھنے کے باوجود سپاہی رینک میں بھرتی ہو جائیں۔حکومت کی طرف سے انتظام ہو یا نہ ہو، پریڈ لازمی قرار دی جائے اور فوجی تربیت کو سب اشغال سے مقدم رکھا جائے۔صنفِ ضعیف کو بھی اگر آپ کے پاس بندوقیں ہیں تو چاند ماری سکھلائیں۔اگر چہ ہم عورتوں کی کُھلے بندوں پر پریڈ پسند نہیں کرتے لیکن کم از کم انھیں گولی چلانے کی مشق ضرور ہونی چاہیے جب کہ موجودہ حالات کا یہی اقتضا ہے اور مصلحت کا یہی تقاضا :

؎ مصلحت دید من آں است کہ یاراں ہمہ کار
بگذر انند و سرِ طرّۂ یارے گیرند[۲۶]

رضا کارانِ حزب اللہ کا فرض

اب فقیر اسلام کے مایہ ناز فرزندوں، علم جہاد کے فارغ التحصیل شاگردوں اور پیکرِ قربانی و مجسمہ ایثار سرفروشوں یعنی حزب اللہ کے رضا کاروں کو خطاب کرتا ہے کہ اجرائے تحریکِ حزب اللہ کے چند سال بعد اس فقیر نے عسکری نظام اور فوجی تربیت کے خیال سے رضا کارانِ حزب اللہ کے نام پر بھرتی کا آغاز کیا اور مسلمانوں کو دعوتِ جہاد دیتے ہوئے اور ان میں مجاہدانہ عزائم اور سرفروشانہ جذبات کا احیا کرتے ہوئے ان سے ایک حلفِ وفاداری لیا گیا کہ وہ اسلام کی خاطر ہر قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے اور ان کی زندگی کا مقصد وحید اعلائے کلمتہ اللہ ہوگا۔ چناں چہ نوجوان طبقہ نے بڑے جوش وخروش اور بڑی محبت اور خلوص کے ساتھ نام لکھوائے اور اب تک خدائی فوج میں بھرتی کا یہ سلسلہ جاری ہے اور انشاء اللہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ اس کی ضرورت ہے۔

شروع شروع میں لوگ اس چیز کو نہیں سمجھ سکے کہ اس بھرتی کی غرض وغایت کیا ہے اور امیر حزب اللہ اسلام کے ان نونہالوں کو کدھر لے جانا چاہتا ہے مگر مرورِ ایام اور پیش آمدہ واقعات نے اب تمام لوگوں کی آنکھیں کھول دی ہیں اور رضا کاروں کے عملی کارناموں کا اب ہر ایک موافق ومخالف کو اعتراف کرنا پڑا ہے۔ کشمیر کی جنگِ آزادی میں رضا کاروں کی شرکت اور جرأت، جسارت، پامردی و استقلال کے مظاہروں نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ جاں نثاروں کی یہ جماعت حقیقتاً مجاہدینِ اسلام کا ایک بہترین نمونہ ہے جو کہ اپنے امیر کے احکام کے ماتحت ہر قسم کی قربانی کے لیے آمادہ ہے اور سخت سے سخت مشکلات وتکالیف سے عہدہ برا ہونے کو تیار۔ پہلے تو یہ خیال تھا کہ ہماری ٹکر حکومتِ برطانیہ سے ہوگی اور استخلاصِ وطن، آزادی کامل اور غلامی سے نجات حاصل کرنے کی خاطر رضا کار میدانِ عمل میں آئیں گے اور دنیا کے سامنے اپنی فقید المثال مردانگی اور عدیم النظیر بہادری کا مظاہرہ کریں گے مگر قدرت کو یہی منظور تھا کہ کسی خوں ریزی یا حرب و جدال کے بغیر ہی انگریز اپنی سیاسی مصلحتوں اور لاحقہ کمزوریوں کی وجہ سے برصغیر ہند کو تقسیم کرنے کے بعد بہ یک بنی و دوگوش ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جائے۔

مگر اِدھر ہم جشنِ آزادی منا رہے تھے کہ اُدھر ہمسایہ قوم کی حد سے بڑھی ہوئی خودغرضی، تنگ خیالی اور تعصّبات کی کڑھی میں اُبال[۲۷] آیا اور اس نے حقِ ہمسائیگی ورفاقت کی پروا نہ کرتے ہوئے مسلمانوں کا قتلِ

عام شروع کر دیا اور اس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ پاکستان بننے کو تو بن گیا مگر اکثریت والی قوم کو اقلیت ایک آنکھ نہیں بھاتی اور بھارت کے ہندوؤں کی خواہش ہے کہ وہ پاکستان کو بھی اپنے ماتحت کر لیں اور مسلمانوں کو بالکل نیست و نابود کر دیں۔ ادھر ہماری غیرت، حمیت اور ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم ایک طرف ہندوستان میں بسنے والے چار کروڑ مسلمانوں کو ظالموں اور درندوں کے دستِ تظلم سے نجات دلائیں اور دوسری طرف پاکستان کی حفاظت کے لیے سینہ سپر ہو جائیں۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے جنگ کے خطرات روز بہ روز بڑھ رہے ہیں اور ہمسایہ قوم اپنی کثرت، فوجی طاقت کے زیادہ ہونے اور اسلحہ سازی کے کارخانوں پر نازاں ہو کر پاکستان سے الجھنا چاہتی ہے اور لڑائی کے بہانے تلاش کر رہی ہے۔ دونوں طرف کی فوجیں تیار کھڑی ہیں اور حکم کی منتظر۔ اندریں حالات اگر جنگ چھڑ جائے اور آتشِ حرب مشتعل ہو جائے تو بہ حیثیت مسلمان ہر ایک پاکستانی کا فرض ہو گا کہ وہ اس حق و باطل، اسلام اور کفر کی ٹکر میں حق کا ساتھ دے اور اسلام کا معاون بنے مگر سب سے زیادہ ہماری جماعت کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہو جائے گا جب کہ ہم قرآنِ حکیم کو سامنے رکھ کر اس بات کا عہد لے چکے ہیں کہ اسلام کا علم بلند رکھنے کی خاطر ہم اپنے مال اور جان قربان کر دیں گے۔

اسلام کے شیدائیو! رسول مقبول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فدائیو! حزب اللہ کے مایہ ناز سپاہیو! تیار ہو جاؤ۔ کفر کے مقابلہ میں اسلام کی امداد کرنے کے لیے، باطل کے مقابلہ میں حق کا ساتھ دینے کے لیے، کافروں کے قبضہ سے مسلمانوں کو چھڑانے کے لیے اور اپنے پاک اسلامی ملک کو مشرکین کی دست برد سے بچانے کے لیے میدان میں نکل آؤ۔ سر پر کفن باندھ کر نکل آؤ۔ شوقِ شہادت اور جوشِ جہاد سے وارفتہ اور مدہوش ہو کر نکل آؤ اور اپنے لیے مجاہدین کی صفِ اول میں جگہ بناؤ۔ یہ زندگی چند روزہ ہے، یہ حیات مستعار ہے، موت سے مفر نہیں، مرنا یقینی ہے تو پھر اپنے لیے وہ موت قبول کرو جس کے اندر حیاتِ جاوداں پوشیدہ ہے۔ بزدلوں کی طرح موت سے ڈرنا ایک مسلمان کا شیوہ نہیں بل کہ مسلمان وہ ہے جو موت سے کھیلتا ہے، جو توپوں کے پھٹنے والے گولوں، مشین گنوں کی برسنے والی گولیوں، بندوقوں کی باڑھوں، ہوائی جہازوں کی تباہ کن بم باریوں کے باوجود سینہ تانے آگے بڑھتا ہے اور بازو کٹ جائیں تو کٹ جائیں لیکن اسلامی جھنڈے کو سرنگوں نہیں ہونے دیتا۔

میری دیرینہ خواہش حصولِ موتِ شہادت پوری ہونے والی ہے۔ مَیں نے بار ہا دعا کی تھی کہ ہم سب حزب اللہ والوں کی موت موتِ شہادت ہو، وہ قرینِ اجابت [قبول] ہونے والی ہے۔ شہدا کے لیے جنت سجائی جا رہی ہے، حوریں شرابِ طہور کے پیمانے لیے ہوئے منتظر کھڑی ہیں اور رحمتِ حق آغوش کھولے ہوئے انتظار کر

رہی ہے۔

حزب اللہ کے سرفروش رضا کارو اور اللہ کی فوج کے جاں باز فدا کارو! جس وقت کا انتظار تھا، آپہنچا۔ جس لیلائے مقصود کی تلاش تھی وہ محمل سے نکل آئی ہے۔ مجنوں وار بڑھو اور اللہ کا نام بلند کرتے ہوئے نعرہ ہائے تکبیر سے کافروں کے دل دہلاتے ہوئے میدانِ وغا میں کود جاؤ اور اپنی موت سے اسلام کو زندگی بخش دو اور خود مٹ کر پاکستان کو بچالو۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں، امیرِ حزب اللہ کی طرف سے احکام کے اجرا کا وقت آپہنچا ہے، کمر بستہ ہو جاؤ اور گوش بر آواز۔ اللہ تعالیٰ تمھارے حافظ و ناصر ہوں اور اس کی نعمتیں اور برکتیں تمھارے شاملِ حال :

اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے[۲۸]

لیکن ایک بات کو بھولنا نہیں کہ بہ حیثیت مجاہد جب ہمارے قدم اٹھ گئے تو پھر پیچھے نہیں ہٹیں گے اور اسلامی یلغار کو ان شاء اللہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکے گی۔

پاکستانی فوج آج دنیا بھر میں ایک مایہ ناز فوج ہے۔ جس کے اندر ہمارے رضا کار بھی کثیر تعداد میں شامل ہیں بل کہ ہماری فوج میں آج جو عزیمت، جو استقلال اور جو جوشِ عمل نظر آتا ہے وہ بہت کچھ ہمارے رضا کاروں کی مجاہدانہ حیات کا شرمندۂ احسان ہے۔ پھر میدانِ جنگ میں ہمارے رضا کار پاکستانی افواج کے شانہ بہ شانہ ہو کر لڑیں گے اور اگر ہندوؤں کے زعمِ باطل میں پاکستان کی تسخیر ہے تو ہمارے سامنے کشمیر کی تسخیر، دہلی کی تسخیر اور اسی پر اکتفا نہیں بل کہ مسلمان لشکر کے بلند حوصلہ سے بڑھتے ہوئے قدموں کو اگر روک سکتا ہے تو سمندر کا عمیق و عریض پانی اور بحیرہ عرب اور خلیج بنگال کا ناپیدا کنار بحرِ بے کراں۔ لیکن فتوحات کا دروازہ اگر کھل گیا اور ماشاء اللہ کھل جائے گا تو پھر مسلمان جو فنِ جہاز رانی کا پہلا فن کار ہے پاکستانی بحری بیڑہ تیار کر کے اسلام کی اشاعت، توحید کی تبلیغ اور دین کی ترویج کی خاطر یورپ اور امریکا جا پہنچے گا اور اس تمام ملک پر اپنے آباؤ اجداد کے دیرینہ مگر سچے روایات کی طرح قابض ہو جائے گا جو کہ اس کے خدا کا ملک ہے۔

ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست[۲۹]

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔[۳۰]

مسئلہ کشمیر

کشمیر کا لاینحل عقدہ ابھی تک کھلنے اور یہ پیچیدہ گتھی ابھی تک سلجھنے میں نہیں آئی۔ اگر ایک گرہ کشائی ہوتی ہے تو بیسیوں الجھاؤ اور پیدا ہو جاتے ہیں۔ جمعیت الاقوام والوں نے اسے بازیچۂ اطفال بنا رکھا ہے اور

سکیورٹی کونسل والے عملی طور پر اس مسئلہ میں نہ کچھ کر رہے ہیں اور نہ کچھ کر سکتے ہیں محض خیالی تجویزیں اور لفظی مباحث۔ اگر اس ساری طول وطویل مغز خراشی اور دماغ سوزی کا کوئی مفید پہلو ہمیں نظر آتا ہے تو صرف یہ کہ ہندو کی گندی ذہنیت، بدنیتی اور خود غرضی کا بھانڈا اب لیک سکسیس (Lake Success) کے چوراہے میں پھوٹ گیا ہے اور سارے جہان کو پتہ چل گیا ہے کہ یہ قوم کس حد تک حریص، طماع، بداصول اور بداخلاق ہے اور حکم رانی، جہاں بانی اور امورِ مملکت سے کس حد تک بے گانہ اور نااہل۔

متبادل تجویزیں پیش کی جا رہی ہیں اور پیش ہوتی رہیں گی۔ اندریں اثنا ہندُستان والے اپنے دفاعی مورچے مضبوط اور ناقابلِ تسخیر بناتے جا رہے ہیں اور بناتے رہیں گے۔ کشمیر کے بے کس اور مظلوم مسلمان وقفِ رحمِ کفار بنے ہوئے ہیں اور معلوم نہیں کب تک بنے رہیں گے؟ ہمیں تو اس مسئلہ کا کوئی حلِ کارسوائے اس کے نظر نہیں آتا کہ کچھ وہاں کے مجبور و مقہور باشندے حصولِ آزادی کی خاطر ہاتھ پاؤں ماریں، کچھ آزاد کشمیر کی فوجیں حرکت میں آئیں اور سب سے بڑھ کر پاکستانی فوجیں ان کا ساتھ دیں اور مل جل کر وحشیوں اور درندوں کے گروہ کو وہاں سے نکال دیا جائے۔ لیکن اب مسئلہ کشمیر نے زیادہ نازک شکل اختیار کر لی ہے اور اگر کشمیر میں جنگ لڑی گئی تو اس کے نتائج بڑے دوررس ہوں گے اور پھر ہر محاذ پر ہندوستھان [ہندُستان] اور پاکستان کی فوجوں کو لڑنا پڑے گا یا بالفاظِ دیگر کشمیر کی آزادی، مسلمانانِ ہندوستھان [ہندُستان] کی حفاظت اور پاکستان کا دفاع سب ایک زنجیر کی کڑیاں ہیں اور ان تمام علتوں اور بیماریوں کا علاج ایک اور صرف ایک ہے اور وہ ہے جہاد، مقدس جہاد۔ مظلوموں کو پنجۂ استبداد سے نجات دلانے والا جہاد، قیدیوں کو سلاسل واغلال سے چھڑانے والا جہاد اور دولت خداداد پاکستان کی حفاظت کرنے والا جہاد۔

تقسیم کشمیر کا جو تخیل پیدا کیا گیا تھا۔ اب بھی کبھی کبھی اس کی یاد تازہ ہونے لگتی ہے اور بعض امن پسند طبائع بہ امر مجبوری محض رفعِ شر و فساد کی خاطر اسے تسلیم کرنے پر مائل بھی ہونے لگتی ہے لیکن بہ فرضِ محال اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو تقسیم کی نوعیت کیا ہوگی؟ اور یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کم زور اور مضبوط کا اشتراک کبھی کم زور کے حق میں فائدہ مند ثابت نہیں ہوا۔ آپ اپنی قوت کو بڑھائیں، ہمت کو بڑھائیں، عزم وارادہ کو بلند رکھیں پھر ان شاءاللہ سارے معاملات درست ہو جائیں گے۔ حق تلفی نہیں ہوگی، تمھارے جائز حقوق تمھیں مل جائیں گے اور تمھارے واجبی مطالبات تسلیم کر لیے جائیں گے۔ ورنہ اس مادہ پرست زمانہ اور مطلب پرست دنیا میں نہ کسی کو اصول کی پروا ہے اور نہ اخلاق کی ضرورت۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مطابق کشمیر اسی کو ملے گا جس کے آہنی بازوؤں میں کشمیر لینے کی ہمت ہوئی اور وراثتِ ارضی کا وہی حق دار ہے جس کے اندر صلاحیتِ بقا موجود ہو۔

بایں ہمہ ہم کشمیر کے مسلمان بھائیوں کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ اگر باہمی مصالحت کی تمام کوششیں بے کار ہو گئیں اور صلح پسندی اور امن دوستی کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں تو ان شاء اللہ حزب اللہ کی جماعت اور ہمارے رضا کار پہلے کی طرح پھر اپنے کشمیری بھائیوں کے دوش بہ دوش استخلاصِ کشمیر کی خاطر لڑیں گے۔ جی کھول کر لڑیں گے اور اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک کہ سرزمینِ کشمیر کا ایک ایک چپہ غاصبین اور ظالمین سے نہ لے لیا جائے:

؎ یارب ایں آرزوئے من چہ خوش است
تو بایں مدّعا مرا برساں[31]

انڈونیشیا کی آزادی

لِلّٰہِ الحمدُ ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید[32]

گزشتہ سال خطبۂ صدارت میں انڈونیشیا کے مسلمان بھائیوں کی جدوجہدِ حریت پر اظہار خیال کیا گیا تھا اور انھیں آزادی کی نعمت سے مالا مال ہونے کے لیے دل کی گہرائی سے نکلنے والی دعائیں دی گئی تھیں۔ اللہ کریم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ہماری دعائیں مستجاب ہو گئیں اور آج ہم مسرت انگیز و فرحت آمیز جذبات کے ماتحت اپنے بھائیوں کی خدمت میں ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہیں کہ جس خدائے قدوس و قیوم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آج سے تقریباً اڑھائی سال پہلے سب سے بڑی اسلامی سلطنت پاکستان کا دشمنوں اور حاسدوں کی مخالفت کے باوجود احیا کیا اور اسلامی حکومتوں کی برادری میں ایک گراں قدر اضافہ۔ وہاں قلیل عرصہ گزرا ہے کہ مشرقِ بعید میں بسنے والے مسلمانانِ جاوا و سماٹرا و جزائر شرق الہند کی جدوجہد آزادی کا خاتمہ ایک آزاد اسلامی ریاست کی صورت میں ہو گیا جو بہ لحاظ آبادی پاکستان سے دوسرے درجہ پر ہے اور جہاں کے مسلمان بہ لحاظِ پابندیِ صوم و صلوٰۃ و ادائیگیِ مناسکِ حج، پہلے ہی دُنیائے اسلام میں ایک امتیازی حیثیت رکھنے والے تھے مگر حصولِ آزادی کامل کے بعد انھیں خاص فوقیت حاصل ہو گئی ہے اور ان شاء اللہ یہ دونوں نئی بادشاہتیں اسلامی دنیا کے اندر اپنے بہترین قول و عمل سے ایک انقلابِ عظیم پیدا کر دیں گی اور ایشیا کی حکم برداری انڈیا جیسے خود غرض اور ہوس پرور کے حصہ میں نہیں آئے گی بل کہ پاکستان اس کا حامل ہو گا اور انڈونیشیا اس کا معاون خصوصی۔

دوسری اسلامی حکومتیں اوراُن کا طریق کار

آج پاکستان کے قیام کے بعد ہماری نظریں اپنی ہمسایہ یا دُور افتادہ اسلامی حکومتوں کا جائزہ لے رہی ہیں۔

ترکی کا تو ذکر ہی جانے دیں جو اپنی اندرونی اور بیرونی مصلحتوں کی وجہ سے امریکا کا نفس ناطقہ [نہایت مقرب] بنا ہوا ہے اور اپنی کم زوری اور مجبوری کا ثبوت حکومتِ اسرائیل کو تسلیم کر کے دے چکا ہے پھر بھی ترک ہمارے مسلمان بھائی ہیں اور ان کی ترقی ہماری مسرت اور ان کی تکلیف ہماری اذیت کا موجب ہے اور سر دست ان سے پاکستان کا تجارتی معاہدہ ہو جانا ہی غنیمت متصور ہوگا۔

مصر کے مسلمان لاپروا جیسے ہیں اور ابھی تک پاشاؤں کی حکمت عملی وہاں کارفرما ہے۔ البتہ ممکن ہے کہ ترقی پسند زمانہ وہاں کے باشندوں کی بھی آنکھیں کھول دے اور وہ دوست دشمن میں تمیز کر سکیں۔

ایران کے ہم بہ دل مشکور ہیں کہ اسے حقِ ہمسائیگی کا بڑا پاس ہے اور ہمارے ساتھ وہاں کے مسلمانوں کو دلی ہمدردی ہے۔ ہماری مصیبتوں پر وہ کڑھتے ہیں، ہمارے دُکھوں سے متاثر ہوتے ہیں اور ہمارے معاملات سے انھیں خاص دل چسپی ہے۔ شاہِ ایران کی پاکستان میں جو تقدیم ہوئی اور جو عزت افزائی، اس سے شاہ اور اس کی رعایا کا متاثر اور محظوظ ہونا مستلزم ہے۔ ان شاء اللہ یہ باہمی ارتباط بہترین نتائج پر منتج ہوگا۔

افغانستان کے حالات بہ دستور بگڑے ہوئے ہیں اور پاکستان پر کیچڑ اچھالا جا رہا ہے۔ کسی کی ترغیب وتحریص میں آ کر حقِ جوار، اخوتِ اسلامی اور دینی تعلقات کو پسِ پشت ڈالا جا رہا ہے مگر وہاں کی عام رعایا کا کوئی قصور نہیں بل کہ یہ تمام ذمہ داری ایک ہی خاندان کے سر پر ہے اور اس کے اندر عیش پسندی، فراہمی تکلّفات اور تن آسانی کے جذبات کی تحریک کارفرما ہے۔ دوسری طرف انتہائی اشتعال انگیزی کے باوجود پاکستان نے جو رواداری اور عفو و درگزر کا ثبوت دیا ہے وہ باعثِ ستائش وتحسین ہے مگر ہر چیز کی کوئی حد ہوا کرتی ہے اور فرض شناسی کا تعلق بھی جانبین سے ہے۔ اللہ کرے پاکستان اور افغانستان کے کشیدہ تعلقات کا خاتمہ ہو جائے اور پاکستان والوں کو اگر تلوار اٹھانی پڑے تو کسی غیر مسلم کے خلاف اور مسلمان بھائی آپس میں نہ ٹکرائیں گو بہ حالات مجبوری۔

فَإِنْ بَغَتْ إِحْدٰىهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ (الحجرات ۴۹:۹)

ترجمہ: کہ اگر مسلمانوں کی ایک جماعت دوسری کے خلاف بغاوت یا پیش قدمی کرے تو بغاوت کرنے والوں کے خلاف تمھیں لڑائی کا حکم دیا جاتا ہے۔

افغانستان کے حملہ آور ہونے کی صورت میں جو مدافعانہ پہلو اختیار کیا گیا وہ اسلامی احکام کے عین مطابق ہوگا۔ عراق، نجد، حجاز، شرقِ اُردن، شام اور دوسری ریاستیں ابھی تک خود اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں ہو سکیں اور اینگلو امریکا بلاک کی دست نگر اور محتاج ہیں اور ہم دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ انھیں بھی طاقت اور قوت عطا فرمائیں اور اپنا محتاج بنا کر اغیار کے احتیاج سے انھیں رہائی نصیب ہو۔ آمین!

پین اسلام اِزم یا اسلامستان

مدت ہوئی یورپ والوں کے دماغ پر پین اسلام ازم ایک بھوت بن کر سوار ہوا تھا اور انھیں یہ خطرہ دامن گیر ہوگیا تھا کہ مسلمان بادشاہتیں اکٹھی ہو کر یورپ کے لیے وبالِ جان بن جائیں گی۔ بعض اسلامی مفکر و مدبر اس کوشش میں رہے کہ اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا جائے مگر عملی طور پر یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکی۔[۳۳] اب ہمارے دوست چودھری خلیق الزمان صاحب صدر مسلم لیگ اس اسلامستان کے تخیل کو لے کر بلادِ اسلامیہ میں گئے تھے اور حوصلہ افزا خیالات لے کر واپس آئے۔ مقصد یہ ہے کہ ساری اسلامی حکومتیں اور ریاستیں ایک وفاق کے ماتحت باہمی سمجھوتہ کرلیں اور بہ شرطِ ضرورت جنگ کی حالت میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں اور اپنا ایک علاحدہ بلاک بنالیں جیسا کہ برطانیہ اور امریکا نے ایک بلاک بنا رکھا ہے یا روس نے ایک علاحدہ بلاک۔

بادی النظر میں یہ بات ذرا مشکل نظر آتی ہے جب کہ اسلامی ریاستیں مادی اعتبار سے دنیا کی موجود طاقتوں کے ہم پلہ نہیں۔ ان میں سے اکثر ان کی محتاج ہیں اور انھی سے اسلحہ اور روپیہ لے کر ان کا گزارہ چل رہا ہے بل کہ بعض تو انھیں کے بھروسہ پر زندہ ہیں لیکن اگر توکل بہ خدا[۳۴] یہ حکومتیں باہم دگر متفق و متحد ہو کر ایک بلاک بنالیں اور اپنی ضروریات کو ایک دوسرے کے تعاون کے ساتھ پورا کرنے لگیں اور قدرت نے ان کے ملکوں کے اندر جو خزانے مستور کر رکھے ہیں ان سے اگر کام لیا جائے تو یہ اسلامی حکومتیں یورپ اور امریکا سے بے نیاز ہو سکتی ہیں اور اعتماد علی النفس پیدا ہو جانے سے انھیں دوسروں کی دست نگری کی ضرورت نہیں پڑے گی اور پھر ان کے ایک نظام کے ماتحت آجانے سے کسی طاقت کو ان میں سے کسی ایک پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکے گی جب کہ ایک سے لڑنے کی صورت میں اسے ساری دنیائے اسلام سے لڑنا پڑے گا۔ بہ ہر کیف تجویز نہایت مستحسن اور قابلِ عمل ہے اور ہم اپنی جماعت کی طرف سے اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں جو بھی اقدامات عمل میں لائے گئے ہم ان کے ساتھ عملی تعاون کریں گے۔ وَبِیَدِہٖ التَّوْفِیْق۔[۳۵]

قیامِ حکومت الٰہیہ میں صبر آزما تعطل

حضرات! آپ سے مخفی نہیں کہ حزب اللہ کا حقیقی نصب العین، مطمع نظر اور منتہائے مقصود قیامِ حکومتِ

الٰہیہ ہے اور ہماری تمام کوششیں، تمام مساعی اور ساری سرگرمیاں محض اس لیے ہیں کہ

''اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی زمین پر اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا قانون رواج پذیر ہو۔''

اور پہلے تو سارے بنی نوع انسان مگر خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو انسان کے بنائے ہوئے ناقص، نامکمل اور ناقابلِ برداشت قانون سے نجات مل سکے۔

حکومت الٰہیہ قائم کرنے کے لیے دو چیزیں مطلوب ہیں ایک مکمل آزادی جس کے بغیر قانون کا اجرا ہو ہی نہیں سکتا اور دوسرا حصولِ آزادی کے بعد اربابِ بست و کشاد کا مکمل تعاون۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ پاکستان بن جانے کے بعد ہم اپنے حسبِ منشا قانون بنانے کے لیے آزاد ہو چکے ہیں اور ہم جس طریق یا نہج پر کوئی قانون بنانا چاہیں کوئی مانع یا رکاوٹ درمیان میں حائل نہیں۔

پاکستان بن جانے کے بعد ہم نے حکومت الٰہیہ کی مکمل تشریح اور وضاحت کرتے ہوئے اربابِ حکومت سے التجا کی تھی کہ وہ اس بات کا کھلے لفظوں میں اعلان کر دیں کہ پاکستان کا جو آئین مرتب ہوگا وہ اسلامی مقتضیات و مطالبات کے عین مطابق ہوگا اور اس کا ماخذ قرآن حکیم، احادیث نبوی خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، اقوالِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہما اور مسائل فقہیہ ہوں گے۔ بعض اصحاب، ارکانِ اسمبلی اور اعلا حکام سے کچھ سوئظن رکھتے تھے اور ان کے خیال میں مغرب زدہ دماغوں اور مادہ پرست طبیعتوں سے یہ توقع لا حاصل تھی کہ وہ اس بے دینی اور الحاد کے زمانہ میں جب کہ لوگ روز بہ روز مذہبی خیالات سے دور جا رہے ہیں اور طبیعیات، مابعد الطبیعیات، سائنس، فلسفہ، علم الاقتصاد، علم طبقات الارض، علم فلکیات، تجزیہ، اجزائے لایتجزیٰ و دیگر علومِ عقلیہ کے پیچھے دنیا ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہے اور حقائقِ اسلام، دقائقِ ایمان اور مدارجِ احسان کی طرف التفات کرنے والے لوگ بالکل محدود رہ گئے ہیں، حکومت الٰہیہ کی طرف متوجہ ہوں یا اسلامی آئین و قوانین کی ترویج پر آمادہ کار۔

مگر ہمیں حیرت و مسرت کی دوگونہ کیفیات سے دوچار ہونا پڑا جب ہمارے وزیر اعظم نواب زادہ لیاقت علی خان صاحب نے صاف لفظوں میں قراردادِ مقاصد پیش کر دی اور اسمبلی نے اس پر منظوری کی مہر لگا دی کہ پاکستان کا جو آئین بننے والا ہے وہ اسلامی اصول پر مبنی ہوگا اور علیٰ نہج الشریعت اس کی ترتیب و تدوین عمل میں لائی جائے گی اور پھر انھوں نے اس کی مزید صراحت کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ

ہم پاکستان کا وہ قانون بنائیں گے جو کہ آج سے تیرہ سو سال پہلے بنایا گیا تھا۔

ظُنُّوا الْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا [۳۶] کے مطابق ہم نے گزشتہ سال وزیر اعظم صاحب کی خدمت میں اس مبارک اقدام پر ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کیا تھا اور اربابِ حکومت کے دلوں میں ایسے غیر متوقع اسلامی جذبات و

احساسات پیدا ہو جانے کو تائیدِ ایزدی سے تعبیر۔ جہاں تک ہمارا مبلغ علم ہے حکومت کی طرف سے اس سلسلہ میں ایک مشیر علمی کمیٹی بھی قائم ہو چکی ہے جس کے منتخب ارکان کے عقائد سے ہمیں کوئی اختلاف ہو مگر ان کی علمیت یا قابلیت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ ہمیں یہ پتہ نہیں چل سکا کہ ہمارے مولوی صاحبان کس طریق سے اسلامی قانون کی تدوین کر رہے ہیں اور فقہی حل طلب مسائل کس حد تک حل کیے جا چکے ہیں مگر دو باتیں ہم اربابِ حکومت اور ارکانِ مشیر علمی کمیٹی سے ضرور دریافت کریں گے اور اس میں کسی سوئظنی کا دخل نہیں بل کہ محض رفع استعجاب پیش نظر ہے۔

ایک یہ کہ پاکستان کو معرضِ وجود میں آئے تین سال ہونے کو ہیں اور بھارت یا انڈیا والے بھی ہمارے ساتھ ہی آزاد ہوئے تھے۔ اندریں اثنا انھوں نے اپنا آئین بھی بنا لیا ہے۔ ڈومینیں سٹیٹس یا مستعمراتی طرزِ حکومت سے نکل کر ملک نے آزادی بھی حاصل کر لی اور اقوامِ عالم میں ایک امتیازی درجہ بھی مگر پاکستان والوں نے کیا کیا؟ ادھر برطانیہ کی حکم برداری کی لعنت ابھی تک موجود ہے اور باوجودے کہ انگریز نے آغازِ کار سے لے کر اب تک کسی معاملہ میں ہماری اشک شوئی نہیں کی اور انڈیا کی ناز برداریاں کرتا چلا آ رہا ہے بل کہ انڈیا والوں کی ساری اچھل کُود انگریز اور امریکا والوں کے بھروسہ پر ہو رہی ہے پھر بھی ہم انگریز کا دامن نہیں چھوڑتے اور اس کی وفاداری کی رٹ لگائے جاتے ہیں۔

ادھر آئین سازی اور ترتیب دستور کا مسئلہ روز بہ روز کھٹائی میں پڑتا جا رہا ہے اور جس رفتار سے یہ کام ہو رہا ہے اس کے لیے عمر نوحؑ اور صبرِ ایوبؑ کی ضرورت ہے۔ حکومت کا یہ عذرِ لنگ ہرگز ہرگز درخورِ اعتنا و قابلِ قبول نہیں کہ پیش آمدہ مشکلات کی وجہ سے یہ تاخیر ناگزیر ہے۔ انڈیا والوں کی مشکلات ہم سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں۔ یہاں خداوند کریم کے فضل و کرم سے اندرونِ ملک میں مکمل امن و امان ہے، حکومت کے خلاف کوئی سازش موجود نہیں، مخالفین و معاندین کی سرکوبی ہو چکی ہے اور شرارت انگیز عناصر پر قابو پایا جا چکا ہے اور ادھر انڈیا میں خانہ جنگی زوروں پر ہے۔ ایک طرف کمیونسٹوں نے دھما چوکڑی مچا رکھی ہے، دوسری طرف سوشلسٹ بے قابو ہو رہے ہیں۔ اگر ہندو مہا سبھا والے کانگریس کے وقار کو دھکا لگا رہے ہیں تو سکھوں کے ہاں الگ کھچڑی پک رہی ہے۔ غذائی حالت ناگفتہ بہ[۳۷] اور اقتصادی بدحالی زوروں پر ہے پھر ایسے تشویش انگیز اور صبر آزما حالات میں انڈیا والوں نے اپنا دستورِ اساسی مرتب کر لیا ہے اور ملکی آئین تیار کر کے شائع کر دیا ہے تو پاکستان والے اب تک کیا کرتے رہے ہیں؟ اور اتنے عرصہ میں وہ اپنا آئین کیوں تیار نہیں کر سکے؟ بل کہ ہمیں تو شبہ ہے کہ اور تین سال تک بھی جس رفتار سے کام ہو رہا ہے آئین تیار نہیں ہو سکے گا۔ بہ قولِ شاعر:

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے[۳۸]

اس سہل انگاری اور سست روی کو لوگ مجرمانہ غفلت، نالائقی یا دیدہ دانستہ اغماض سے تعبیر کریں یا اس سے زیادہ درشت الفاظ استعمال میں لائیں جس کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوسکتی مگر اس بات میں کلام نہیں کہ ترتیبِ آئین کے مسئلہ میں حکومت پاکستان دوراز کار تاویلات پیش کر کے اپنا دامن نہیں بچاسکتی اور اسے اس معاملہ میں اب زیادہ سے زیادہ دل چسپی لے کر آئینِ پاکستان کو جلد از جلد تیار کر دینا چاہیے ورنہ اس تاخیر وتعویق سے جو بے چینی پیدا ہو رہی ہے ممکن ہے وہ بڑھ جائے اور احتساب تک نوبت جا پہنچے۔

دوسری بات جو اس سے بھی زیادہ جاذبِ توجہ خواص وعوام ہو رہی ہے وہ یہ کہ جس صورت میں ہمارے پاس ایک بنا بنایا قانون قرآن مجید وفرقانِ حمید کی شکل میں موجود ہے۔ اس کی جامع تفسیریں موجود ہیں، مزید وضاحت کے لیے کتبِ احادیث موجود ہیں، تعاملِ صحابہ رضی اللہ عنہما موجود ہے اور رہی سہی کسر فقہ نے نکال دی ہے۔ پھر تمام مسائل پر مشتمل متون اور شروح کی موجودگی جن میں باریک سے باریک معاملہ پر بھی سیر حاصل مباحت کیے گئے ہیں۔ جزئیات پر بھی طویل تبصرے اور تنقیدیں کی گئی ہیں اور بعض وہ امکانی صورتیں بھی زیرِ بحث لائی گئی ہیں جن کا سرے سے وقوع ہی نہیں ہوا۔ پھر اتنا مسالہ [سامان] ہوتے ہوئے، اتنا گنجینہ رکھتے ہوئے اور علوم وفنونِ دینیہ کی اتنی متداول [معتبر] کتابوں کا ڈھیر اپنے پاس ہونے کے باوجود مشیرانِ علمی کمیٹی کا کام کس حد تک طویل ہوسکتا ہے۔ اگر قراردادِ مقاصد کا مفہوم یہی ہے کہ قرآن، حدیث اور فقہ کی روشنی میں اسلامی قانون بنایا جائے تو اس کے بنانے میں زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ کی مہلت بکار [درکار] ہے۔ سب کچھ بنا بنایا موجود ہے، صرف اسے ترتیب دینا ہے اور غایت مافی الباب بعض نئی چیزوں کے متعلق قیاس آرائی کرنی ہے۔ مثلاً تبادلۂ زر، دوسرے ملکوں سے لین دین میں سُود کا سوال، بنکوں کا مسئلہ، عشر اور زکوۃ اور موجودہ ٹیکسوں میں مطابقت وغیر ذالک۔

شرعی حدود معین ہیں۔ وراثت مقرر ہے۔ مسائل نکاح، طلاق، خلع تفریق میں گنجائش مداخلت نہیں۔ عبادات کو بحال رکھنا پڑے گا۔ معاملات میں کمی بیشی کا امکان نہیں۔ جہاد کے سلسلہ میں آپ مروجہ آلات تیار کر سکتے ہیں۔ اعلا طبقہ اور فوجی افسران کے لیے شراب حلال نہیں ہوسکتی وقس علیٰ ہذا۔[۳۹] پھر ایسے واضح بیّن نا قابلِ ترمیم وتنسیخ قانون کی تدوین میں کون سی دقتیں پیش آ رہی ہیں کہ مشیرانِ علمی کمیٹی منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھے ہیں اور چھ مہینوں میں مبادیات بھی طے نہیں ہو سکے۔ دراصل غلطی یہ ہوئی کہ اعلان قراردادِ مقاصد کے ساتھ ہی علما کی ایک جماعت کو اس کام پر لگا دینا چاہیے تھا اور علما کے انتخاب میں ان کی پختہ کاری مگر عمر، وسعتِ

معلومات، اجتہادِ فکر، تبحرِ علمی کو ملحوظ رکھنا از بس ضروری تھا اور پھر آئین ساز اسمبلی میں ان ارکان کی ایک معقول تعداد ہونی چاہیے تھی جنھیں قال شیکسپیئر اور قال برنارڈ شا کی جگہ قال اللہ وقال رسول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بھی علم ہوتا اور جو یورپ اور امریکا کی مکر چاندنی [۴۰] کی روشنی سے نہیں بل کہ تاج دارِ مدینہ کی جلائی ہوئی شمع کے نور سے منور ہوتے اور آج دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے اندر دنیا کی سب سے بڑی کتاب لفظاً ومعناً پڑھائی جاتی۔

مقصد یہ تھا کہ حزب اللہ کا نصب العین حکومت الٰہیہ ہے۔ جس کے معنی ایک ایسے قانون کا نفاذ اور ایک ایسے آئین کا اجرا جو کہ قرآنِ حکیم سے کلیتاً ماخوذ ہو اور اگر حکومت نے حسبِ وعدہ پاکستان کا آئین قرآن کے مطابق بنایا تو ہمارے لیے حکومت کا یہ کارنامہ موجبِ مسرت وابتہاج و باعثِ نازش وغرور ہوگا اور دوسری صورت میں اگر ہمیں کسی ایسے آئین کا پابند بنانے کی کوشش کی گئی جس میں اسلامی تعلیمات کو پسِ پشت ڈالا گیا ہو یا احکامِ خداوندی کی صریح خلاف ورزی کی گئی ہو تو ایسے خود ساختہ اور غیر شرعی آئین کو ہم پائے استحقار سے ٹھکرا دیں گے اور اس وقت تک نہ خود چین سے بیٹھیں گے اور نہ حکومت کو چین سے بیٹھنے دیں گے جب تک کہ حکومت اپنے غلط فیصلہ پر نظرِ ثانی کر کے آئین کو عین اسلامی آئین نہ بنا دے۔

حکومتِ پاکستان کے ہم وفادار شہری ہیں اور اپنی وفاداری کا بکرّات ومرّات عملی ثبوت دے چکے ہیں اور آئندہ بھی دینے کو تیار ہیں مگر ہماری وفاداری مشروط ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تابع داری کے ساتھ :

فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ (النساء۴:۵۹)

ترجمہ: کہ اگر تمھارا اور اربابِ حکومت کا کسی معاملہ میں تنازع ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس لے جاؤ۔

چوں کہ اللہ کریم کا صریح حکم موجود ہے :

فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَہُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَ یُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا (النساء۴:۶۵)

ترجمہ: کہ تیرے رب کی قسم یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ باہمی اختلافات کی صورت میں تمھیں اپنا حکم یا ثالث نہ بنائیں اور پھر جو فیصلہ تم صادر کرو خواہ ان کے حق میں ہو یا بر خلاف۔ اس پر ناراضی کا اظہار نہ کریں اور بلا چوں وچرا تسلیم کر لیں۔

اور اس سے واضح ترین فرمان اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہمیں ہر ایک معاملہ خواہ معاشرتی ہو یا تمدنی ،

اقتصادی ہو یا سیاسی، دینی ہو یا دنیاوی اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیش کرنا چاہیے اور اس کا فیصلہ قرآن اور حدیث کے مطابق ہونا چاہیے۔ یہ ہے حکومت الٰہیہ کا اساس کار اور یہ ہے ہماری دیرینہ خواہشات اور مسلسل مطالبات کا مقصود بالذات۔

گفتا کہ مگو سعدی چندیں سخن از عشقش
می گویم و بعد از من گویند بدستانہا[۴۱]

اسلامی مساوات اور کمیونزم

آج ساری دنیا میں جو سوال کہ جاذبِ توجہ ہو رہا ہے وہ سرمایہ دار اور مزدور یا زمین دار اور کاشت کار کا مسئلہ ہے۔ یہ غلط ہے کہ بھارت یا انڈیا کے اندر یہ چیز پیدا ہو چکی ہے اور پاکستان اس سے محفوظ و مامون ہے۔ یہ خیالات و جذبات کی قدرتی رواب دنیا کے ہر حصہ میں پہنچ چکی ہے اور کوئی ملک بھی صحیح معنوں میں امیر اور غریب کے اس تصادم سے نہیں بچ سکا۔ ہاں کسی جگہ دونوں طبقات باہم دست و گریباں ہو چکے ہیں اور کسی جگہ تیاریوں میں مصروف ہیں۔ یہ فقیر ہر ایک دینی اور دنیاوی کام کو قرآن حکیم کی روشنی میں دیکھنے کا عادی ہے اور اپنے غلط طریق استدلال پر چلنے کا مخالف۔

کمیونزم، سوشلزم یا اشتراکیت و اشتمالیت کی موجودہ صورتیں اسلامی تعلیمات سے کوئی دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتیں اور ہمارے پاس ان کا نعم البدل مساواتِ اسلامی کی شکل میں موجود ہے جس کو پوری طرح اگر اپنایا جائے تو یہ مابہ النزاع مسائل خود بہ خود حل ہو جاتے ہیں اور وہ اس طریق سے کہ امیر غریبوں کی دستگیری کریں اور سرمایہ دار مزدوروں پر نگاہِ شفقت مبذول رکھیں۔

اسلام کے اندر عشر، زکوٰۃ، صدقات و خیرات کا مقصد ہی یہی تھا کہ مسکینوں، محتاجوں اور اپاہجوں کی مختلف طریقوں سے اتنی امداد کی جائے کہ انھیں حاجتِ سوال باقی نہ رہے اور مزدوروں کے ساتھ بڑی ملائمت اور نرمی برتنے، ان سے کم سے کم مشقت لینے اور ان کے جذباتِ خودداری، اور عزتِ نفس کو ٹھیس نہ لگانے کے احکام اسی مصلحت پر مبنی تھے کہ انھیں کوئی وجہ شکایت باقی نہ رہے۔

زمین داری کا نظام یک قلم موقوف کر دینا اور سرمایہ داری کا بالکل خاتمہ ایک غیر اسلامی اقدام ہوگا۔ ہاں دونوں کے اندر مناسب اصلاحات بالکل ضروری ہیں۔ کاشت کار اور مزارع کو زیادہ حقوق ملنے چاہئیں، مزدوروں سے محنت کم لینی چاہیے اور معاوضہ میں اضافہ موجودہ ضروریاتِ زندگی کے مطابق ازبس ضروری ہے۔ کمین کا لفظ اس کا بدل معین سرے سے اڑا دیا جائے، اہلِ صنعت و حرفت کو عزت کی نگاہوں سے

دیکھا جائے، ایکٹ انتقال اراضی کے قانون کوختم کر دیا جائے اور بعض علاقوں میں زمین داروں کے جو جابرانہ حقوق مزارعین پر موجود ہیں انھیں ہٹا دیا جائے اور ایک طرف اگر زمین دار اپنے مزارعین اور پیشہ ور لوگوں سے اچھا سلوک اور برتاؤ کرنے لگیں، ان کے رنج و راحت میں عملاً حصہ دار ہوں اور ان کے ہر ایک معاملہ میں ہمدردی دکھلائیں تو دوسری طرف مزارعین اور صنعت وحرفت پیشہ والے بھی ان کا احترام کریں اور عزت کے ساتھ پیش آیا کریں۔ زمین داروں اور سرمایہ داروں کو رعونت اور فرعونیت چھوڑ کر انسانیت اختیار کرنی چاہیے اور نچلے طبقہ والوں کو بھی خودسری اور بے لحاظی نہیں دکھلانی چاہیے۔ دونوں طبقات یاد رکھیں کہ ان کے دردوں اور دُکھوں کی دوا نہ تو امریکا کی سرمایہ دار حکومت کے پاس ہے اور نہ ہی روس کی اشتراکیت سے تمھیں آرام پہنچ سکتا ہے۔ تمھیں اسلام اور صرف اسلام کے دامنِ عاطفت میں پناہ لینی چاہیے اور انشاءاللہ قرآنِ کریم کے ارشادات پر چل کر ہی تمھیں دارینی فوائد حاصل ہوں گے اور اسلامی مساوات ہی تمھیں موجودہ تکالیف سے نجات دلانے کا موجب ہوگی۔

بایں ہمہ اس فقیر کو غریب طبقہ، مزدور پیشہ لوگوں اور مزارعین سے طبعًا ہمدردی ہے، ان کی جائز شکایتوں کا ازالہ میرے فرائض میں شامل ہے اور میری تمام کوششیں اور قوتیں ان کی ترقی اور بہتری کے لیے وقف ہو چکی ہیں جن کا عملی ثبوت عن قریب سامنے آجائے گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

مسلم لیگ اور حزب اللہ

موجودہ وقت میں چوں کہ مسلم لیگ والوں نے ممبر سازی کا کام شروع کر رکھا ہے اور آئندہ انتخابات کے لیے میدان صاف کرنے کے خیال سے امیدوارانِ اسمبلی لیگ کی آڑ لے کر فرضی ناموں کا اندراج کرا رہے ہیں اور بعض غلط بیانیوں سے بھی کام لیتے ہیں اور اس کشمکش کا اثر انتخابات پر بھی ناگزیر ہوگا اس لیے اس معاملہ میں ہم اپنی پوزیشن واضح کرنی ضروری سمجھتے ہیں تاکہ کوئی خلط[۴۲] مبحث نہ ہونے پائے۔

حزب اللہ جماعت نے گزشتہ انتخابات کے موقع پر غیر مشروط طور پر متحدہ مقصد پاکستان حاصل کرنے کی خاطر مسلم لیگ کا ساتھ دیا اور ہر ایک حلقہ میں اس کے نامزد کردہ ارکان کی جماعتی طور پر امداد کی۔ ازاں بعد بھی ہمارا اور مسلم لیگ کا اتحادِ عمل ہوتا رہا ہے۔ مثلاً سِول نافرمانی کے دوران میں امیرِ حزب اللہ نے خود اس وقت کی حکومت کے احکام کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی۔

گزشتہ ایام مسلم لیگ والوں نے جن جماعتوں کے ارکان کو مسلم لیگ میں بھرتی ہونے سے روک دیا ہے اس میں حزب اللہ کی جماعت کا شمار نہیں اور اسی لیے ہم نے حزب اللہ والوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونے

سے منع کیا اور گو جماعتی طور پر نہیں مگر انفرادی طور پر حزب اللہ کے بہت سے ارکان اور رضا کاروں نے اپنے نام مسلم لیگ کے ممبران میں درج کروا لیے ہیں اور جہاں تک کہ مسلم لیگ والوں کا تعلق تعمیری کاموں سے ہے یا ملک کے سود و بہبود سے، ہم ان کے ساتھ اب بھی مکمل تعاون کریں گے لیکن اپنی جماعتی حیثیت برقرار رکھ کر اور آئندہ انتخابات میں اگر مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ نے ہمارے صلاح و مشورہ سے حزب اللہ کے زیر اثر علاقوں سے امیدوار کھڑے کیے تو ہم متحدہ طور پر انھیں کامیاب بنانے کی کوشش کریں گے لیکن اس دفعہ ہم یہ حق اپنے لیے محفوظ رکھتے ہیں کہ اگر بلا سوچے سمجھے لیگ والے ذاتی تعلقات یا کنبہ پروری کے ماتحت ہر اہل نا اہل کو ٹکٹ دینے لگیں اور ایسے اُمیدوار بھی کھڑے کر دیں جو ہمارے نقطہ نظر سے ملک و قوم کے لیے مفید نہیں ہو سکتے تو اس صورت میں ہمیں فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ایسے نا اہل اور صلاحیت نہ رکھنے والوں کی امداد کریں یا نہ کریں لیکن بہ ہر حال ہم پاکستان کی اس مقتدر اور فعال جماعت سے کسی حالت میں ٹکر لینا پسند نہیں کرتے بل کہ انتہائی کوشش کی جائے گی کہ ہمارا با ہم دگر تعاون ہمیشہ قائم رہے اور مسلم لیگ میں مدغم ہو کر نہیں بل کہ ایک رفیق کار کی حیثیت سے ہم اس کے ساتھ آئندہ بھی اشتراکِ عمل کرتے چلے آئیں۔

آئندہ انتخابات

اگر پاکستان کو خدانخواستہ کسی بڑی مصیبت یا ابتلا سے دوچار نہ ہونا پڑا تو پنجاب اسمبلی کے انتخابات اب قریب آ رہے ہیں اور ممکن ہے آئندہ سالانہ جلسہ سے پہلے ہی یہ انتخابی معرکہ سر ہو جائے۔ اس لیے یہ فقیر برادرانِ طریقت ارکان و رضا کارانِ حزب اللہ (جنھیں پہلے ایک گشتی چٹھی کے ذریعہ مطلع بھی کر دیا گیا تھا اور گزشتہ سالانہ جلسہ کے موقع پر دوبارہ یاد دہانی کرائی گئی تھی) کو اب سہ بارہ کھلے لفظوں میں آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ آپ ہمارے حکم کے بغیر کسی امیدوار سے کوئی وعدہ نہ کریں۔ اپنے ووٹ بالکل محفوظ رکھیں اور وقتِ ضرورت ہمارے احکام کے ماتحت ووٹ بھی دیں اور اپنے تعلق داروں سے بھی دلوائیں جب کہ جماعتی حیثیت سے ہم یہ نہیں چاہتے کہ باہمی انتشار پیدا ہو اور ہر ایک شخص اپنی مرضی کے ماتحت چلنے لگے۔ ہم کوشش کریں گے کہ اسی امیدوار کی امداد کریں جو کہ ملک اور قوم کا سچا خادم ہو مگر آپ انتخابات کے کام کو ہمارے سپرد کرتے ہوئے صرف تعمیلِ حکم کے لیے تیار رہیں اور کسی کی ترغیب و ترہیب میں نہ آئیں۔

چند ضروری باتیں

ارکان و رضا کارانِ حزب اللہ و برادرانِ طریقت کو بالخصوص اور عامۃ المسلمین کو بالعموم موجودہ حالات کی نزاکت اور وقتی اقتضا کے پیشِ نظر چند اہم ترین مسائل اور اموراتِ مہمہ کی طرف توجہ دلانی ضروری

سمجھی گئی ہے جن پر عمل پیرا ہونے سے ان شاء اللہ تمھیں دارینی فوائد حاصل ہوں گے اور ان کا بہترین اثر تمھارے مستقبل پر پڑنا ناگزیر ہے۔

۱۔ مقابلہ چوں کہ ایک بدترین، خوں خوار اور بے رحم دشمن سے ہے اس لیے باہمی اختلافات کو بالکل مٹا دینا چاہیے اور وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَاتَفَرَّقُوْا [۴۳] کے مطابق سب مسلمان ایک جسم اور ایک جان ہو کر اور اللہ کی رسی کو تھام کر اتحادِ اسلامی کا ایک روح پرور نمونہ پیش کریں اور اعدائے اسلام کے مقابلہ میں متحد و متفق ہو جائیں۔

۲۔ مسلمانوں کے لیے بہ حالتِ امن عسکری اور فوجی طرزِ زندگی لازم ہونی چاہیے مگر موجودہ حالات میں ہر ایک مسلمان اور بالخصوص رضا کارانِ حزب اللہ کا فرض ہے کہ وہ باقاعدہ پریڈ شروع کر دیں اور ہفتہ میں کم از کم ایک دن ضرور ہی پریڈ میں شامل ہونا چاہیے تا کہ اگر ایک طرف بدن میں چستی پیدا ہو اور دوسری طرف جنگ کی تیاری کے لیے قدم اٹھایا جائے۔

۳۔ جنگ کا نام سن کر عام طور پر لوگ دہشت زدہ ہو جایا کرتے ہیں اس لیے اگر جنگ شروع بھی ہو جائے تو پہلے اپنے دل کو مضبوط بنائیں اور پھر دوسرے کم زور لوگوں کو ڈھارس دیں کہ ان شاء اللہ فتح ہماری ہوگی اور اگر کسی مورچہ پر ہمیں مصلحتاً پیچھے بھی ہٹنا پڑا مگر نتیجہ ہمارے حق میں نکلے گا۔

۴۔ اگر دشمن کے سپاہی پیراشوٹ یا کسی دوسرے ذریعہ سے آپ کے علاقہ میں آجائیں تو ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے اور گھبراہٹ و سراسیمگی سے دُور رہنا چاہیے۔

۵۔ حکومتِ پاکستان کو مشکلات پر غلبہ پا لینے کے سلسلہ میں ہر ایک قسم کی مالی امداد ہر مسلمان کا فرضِ اولین ہے اور یہ امداد حکومت کی امداد نہیں ہوگی بل کہ اپنی امداد۔

۶۔ ظاہری تیاری اور باطنی تیاری ابھی سے شروع کر دیں۔ ظاہری قواعد پریڈ و استعمالِ اسلحہ وحصولِ اسلحہ کی صورت میں اور باطنی نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی اور حج پر آمادگی کی شکل میں۔

۷۔ مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی چیز بلند حوصلہ و عزمِ راسخ ہوا کرتا ہے۔ زمامِ صبر و شکیب کو کسی حالت میں ہاتھ سے نہ جانے دیں اور اپنے حوصلے برقرار رکھیں۔

۸۔ اگر حکومت کی طرف سے جبری بھرتی کا حکم مل جائے تو پھر سب کام چھوڑ کر اسلامی فوج میں بھرتی ہو جانا ہر ایک مسلمان کا اولین فرض ہے جب کہ اعلانِ جہاد کے بعد اس میں شامل نہ ہونے والوں کے لیے قرآنِ حکیم میں سخت وعید آئی ہے۔[۴۴]

۹۔ جنگ ہو یا نہ ہو، جہاد کا موقع ملے یا نہ ملے، تم اپنے آپ کو جہاد کے لیے تیار کر دو جب کہ جہاد کی

تیاری سے بھی جہاد کا ثواب مل جایا کرتا ہے۔

۱۰۔ حصولِ فتح و کامرانی کا راز اسی میں ہے کہ تمھیں رجوعِ اِلی الحق کی نعمت حاصل ہو جائے اور خداوند کریم کا قرب نصیب ہو اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ تمھارے دل اللہ کی طرف راغب ہو جائیں اور تمھارا کوئی لمحہ یا وقت اس کی یاد سے غافل نہ ہونے پائے۔

خاتمۂ سخن

میرے عزیزو! خیالات کی رو معلوم نہیں کہاں سے کہاں تک لے گئی۔ خیال تھا کہ امسال خطبہ مختصر ہو مگر یہ پورا نہیں ہوسکا اور جب سینہ میں ٹیس اُٹھ رہی ہو، جگر زخمی ہو چکا ہو، دل پر چوٹ پڑ رہی ہو تو منہ سے نکلنے والا نالہ اور لب سے نکلنے والی فریاد طویل ہوا کرتے ہیں۔ مَیں نے اسی دفعہ بندشِ الفاظ، ترصیع عبارت اور مضمون آرائی کی پروا نہیں کی صرف اپنے دِلی جذبات کا اظہار پیشِ نظر کیا اور بحمداللہ کہ مَیں اس میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

منادی ندا کر رہا ہے، آواز لگا رہا ہے، ایمان کی ندا اور حق کی آواز، پکارنے والے کی پکار سنو اور میری دعوتِ حقہ پر لبیک کہتے ہوئے اور مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہ نَحْنُ اَنْصَارَ اللّٰہ کے جواب میں مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہ نَحْنُ اَنْصَارَ اللّٰہ پکارتے ہوئے میرے ساتھ چل پڑو۔ منزل دور ہے، کٹھن ہے، راستہ ناہموار ہے اور دشوار گزار مگر چلنے والوں میں اگر ہمت ہو تو وہ مشکل منزلیں بھی طے کرلیا کرتے ہیں اور منزل پر پہنچ جانے کے بعد راستہ کی تمام تھکاوٹیں دُور ہو جایا کرتی ہیں۔ ان شاءاللہ منازل طے کرنے میں اللہ کریم کی امداد بھی شاملِ حال ہوگی اور بزرگانِ دین کا دستِ شفقت ہمارے سر پر۔ وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

....

حواشی

۱۔ الصّف ۶۱: ۱۱ تا ۱۴۔
۲۔ ھود ۱۱: ۸۸۔
۳۔ النور ۲۴: ۵۵۔
۴۔ محمد ۴۷: ۷۔
۵۔ ال عمران ۳: ۱۳۹۔
۶۔ الاحزاب ۳۳: ۷۲۔
۷۔ ظالم کو خدا ایسی سزا دیتا ہے جس کا اُسے خیال بھی نہیں ہوتا۔ (ضرب المثل)

اصل ضرب المثل یہ ہے : خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں۔

۸۔ ترجمہ: ایک ناک اور دو کانوں کے ساتھ یعنی خالی ہاتھ بغیر کسی بھی سامان کے۔ (ضرب المثل)

۹۔ ترجمہ: دشمنوں کے ناک خاک آلود ہو جائیں یعنی وہ ذلیل ورسواء ہو جائیں۔ (عربی جملہ)

۱۰۔ بنی اسرائیل ۱۷:۷۷۔ فاطر ۳۵:۴۳۔

۱۱۔ ترجمہ: بچاؤ! بچاؤ! (ضرب المثل)

۱۲۔ جیت جانا (نوٹ: فارسی محاورے گوئے بردن کا اُردو ترجمہ ہے۔)

۱۳۔ ھود ۱۱:۸۸۔ الشوریٰ ۴۲:۱۰۔

۱۴۔ ترجمہ: جو کہا گیا وہ بہت اچھا ہے۔ (عربی جملہ)

۱۵۔ ترجمہ: تیرے عشق کے جرم میں میرے قتل کا شور برپا ہے، تو بھی سر بام آ کیا ہی اچھا تماشا ہے۔
(یک ہزار و یک سخن: صوفی تبسم: پیکجز، لاہور، س ندارد، ص ۱۳)

۱۶۔ اصل شعر یوں ہے:

؎ کچھ ہور ہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے اب مزاج تیرا امتحان پر

میر تقی میر، کلیاتِ میر (دیوان دوم)، کلب علی خاں فائق، مرتبہ، مجلس ترقی ادب، لاہور، جنوری ۱۹۹۱ء، ص ۱۳۴۔

۱۷۔ ترجمہ: ساحل پر محفل آراستہ نہ کر کہ اُس جگہ زندگی کی آواز بڑی دھیمی ہے، دریا میں چھلانگ لگا اور اُس کی موجوں سے زور آزمائی کر (کیوں کہ) ہمیشہ کی زندگی کشمکش میں ہے۔
(پیامِ مشرق، مترجم: میاں عبد الرشید، شیخ غلام علی اینڈ سنز پرائیویٹ لمٹیڈ لاہور، س ۱۹۹۱ء، رباعی ۶۰، ص ۴۲)

۱۸۔ الانفال ۸:۳۹۔

۱۹۔ ترجمہ: آنکھ ہماری روشن اور دل ہمارا خوش۔ (ضرب المثل)

۲۰۔ ترجمہ: صرف مَیں ہوں اور میرے علاوہ اور کوئی نہیں۔ (عربی ضرب المثل)

۲۱۔ ترجمہ: کہنے والے کے اللہ کے لیے موتی ہیں بہ معنی کیا خوب کہا ہے۔ (عربی الفاظ)

۲۲۔ ترجمہ: وہ کبھی نہیں مرتا جس کا دل عشق کے باعث زندہ ہو گیا، دنیا کے دفتر میں ہمارا امر ہونا لکھا جا چکا ہے۔
(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اُردو بازار، لاہور، س ندارد، ص ۳۵)
نوٹ: دیوانِ حافظ میں ہرگز کے بعد نہ درج نہیں۔

۲۳۔ ال عمران ۳:۱۳۹۔

۲۴۔ کانوں میں روئی ڈالے ہوئے یعنی غافل، بے خبر۔ (کنایہ)

۲۵۔ الصّف ۶۱:۴۔

۲۶۔ ترجمہ: مَیں نے جو مصلحت دیکھی وہ یہ ہے کہ لوگ سب کام چھوڑ دیں اور محبوب کی زلف تھام لیں۔
(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اُردو بازار، لاہور، س ندارد، ص ۲۰۷)
نوٹ: دیوانِ حافظ میں دوسرا مصرع یوں درج ہے : ع بگذارند و خمِ طرۂ یارے گیرند

۲۷۔ کسی کام کا بے وقت ہونا، بڑھاپے میں جوانی کی وضع اختیار کرنا۔ (ضرب المثل)
اصل ضرب المثل ہے : باسی کڑھی میں ابال آنا۔

۲۸۔ ظفر علی خان، مولانا، کلیاتِ مولانا ظفر علی خان، زاہد علی خان (ترتیب)، بہارستان، نظم خروش و سروش، الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، اگست ۲۰۱۱ء، ص ۹۰

۲۹۔ ترجمہ: ہر ملک ہمارا ملک ہے کیوں کہ ہمارے خدا کا ملک ہے۔ (ضرب المثل مصرع)
نوٹ: پہلا مصرع یہ ہے: ع خندید و دستِ خویش بہ شمشیر برد و گفت
(پیامِ مشرق (اقبالؒ)، مترجم میاں عبدالرشید، شیخ غلامی علی اینڈ سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ پبلیشرز، چوک انارکلی، لاہور، س ۱۹۹۱ء، ص ۲۳۶)

۳۰۔ ابراہیم ۱۴:۲۰۔ فاطر ۳۵:۱۷۔

۳۱۔ ترجمہ: اے میرے رب! میری یہ آرزو کتنی اچھی ہے، تو اس مُدعا پر مجھے پہنچا دے۔

۳۲۔ ترجمہ: صد شکر کہ وہ چیز جس کی میرے دل نے خواہش کی تھی، آخر تقدیر کے پردے سے نمودار ہوگئی۔
اصل میں دوسرا مصرع یوں ہے : ع آمد آخر ز پسِ پردۂ تقدیر پدید
(جامی، عبدالرحمٰن، دیوانِ جامی، جلد اول، فاتحۃ الشباب، غزل نمبر ۲۶۷، ص ۳۵۹)

۳۳۔ کامیابی ہوتی نظر نہیں آتی۔ (ضرب المثل)
اصل ضرب المثل یہ ہے۔ بیل منڈھے چڑھتی دکھائی نہیں دیتی۔

۳۴۔ ترجمہ: اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے۔ (ضرب المثل)

۳۵۔ ترجمہ: اور اُسی کے ہاتھ میں توفیق ہے۔ (عربی جملہ)

۳۶۔ ترجمہ: مومنوں کا گمان ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔ (ضرب المثل)

۳۷۔ ترجمہ: نہ کہا ہوا بہتر (ضرب المثل)

۳۸۔ کلیاتِ نظم حالی (جلد اول)، مرتبہ: ڈاکٹر افتخار صدیقی، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول، جولائی ۱۹۶۸ء، ص ۱۶۰۔

۳۹۔ ترجمہ: اس پر قیاس کرلو۔ (ضرب المثل)

۴۰۔ پچھلی رات کی ملگجی یا دھندلی چاندنی جو صبح ہو جانے کو دھوکا دیتی ہے یعنی صبح کاذب۔ (کنایہ)

۴۱۔ ترجمہ: مجھے کہا گیا کہ اے سعدی! اُس کے عشق کی اتنی باتیں نہ کہو، میں کہتا ہوں اور میرے بعد اس کی داستانیں بنیں گی۔ (کلیاتِ شیخ سعدی، تصحیح آقائی محمد علی فروغی، طہران، ۱۳۳۸ھ شمسی، ص ۵۲۵)

نوٹ: اصل میں یہ شعر یوں ہے :

؎ گویند مگو سعدی دیگر سخن از عشقش
می گویم و بعد از من گویند بدورانہا

۴۲۔ خلط بہ معنی گڈمڈ یا مخلوط ہو جانے کا عمل یا اشتباہ یا غلط فہمی کی بنا پر کسی مفہوم یا شے کو اس کے متضاد محل میں رکھنے کا عمل یا کسی روایت یا مضمون کے ساتھ دوسری باتوں کی آمیزش۔ (ریختہ ڈکشنری)

◆◆◆

فإن حزب الله هم الغالبون

حضرت مولینا ابو البرکات سید محمد فضل شاہ صاحب مد ظلہ العالی

سجادہ نشین جلال پور شریف و امیر حزب اللہ

کا

خطبۂ صدارت

جو آپ نے

حزب اللہ کے چوبیسویں سالانہ اجلاس پر

ارشاد فرمایا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط ☆

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا وَ حَبِیْبِنَا وَشَفِیْعِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ وَاَشیاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ O اَمَّابَعْدُ فَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ فِیْ قُرْاٰنِہِ الْمَجِیْدِ وَفُرْقَانِہِ الْحَمِیْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O اَجَعَلْتُمْ سِقَایَۃَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَۃَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰھَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰہِ ط وَ اللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ Oۘ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ ھَاجَرُوْا وَ جٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ لا اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ ط وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ O یُبَشِّرُھُمْ رَبُّھُمْ بِرَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّھُمْ فِیْھَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ Oۙ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ط اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ Oۚ

مشائخ عظام، علمائے کرام وحاضرین ذوی الاحتشام! حزب اللہ کے چوبیسویں سالانہ اجلاس پر آپ کا آنا مبارک ہو۔ یہ فقیر اس لیے ہدیہ تبریک کا مستحق ہے کہ اس نے اہلِ دل حضرات کو اکٹھا کر لیا اور آپ کو تہنیت اس لیے دی جارہی ہے کہ آپ کے اندر فرض شناسی، احساس قومی اور جذبۂ ملی کے جذبات بدرجۂ اتم پیدا ہو چکے ہیں اور یہی پاکیزہ خیالات، عدیم الفرصتی اور صعوبتِ سفر کے باوجود آپ کی یہاں تشریف فرمای کے محرک بنے ہیں۔

ہم نے یہاں بیٹھ کر مسلمانوں کی گم گشتہ تہذیب وتمدن، کھوئی ہوئی عظمت وسطوت اور تاراج شدہ دولتِ حکومت پر آنسو نہیں بہانے۔ زمانہ حال کی کوتاہیوں، فروگزاشتوں اور بے اعتدالیوں پر صفِ ماتم نہیں بچھانی بل کہ اپنے مستقبل پر ایک عبرانی نظر ڈال کر آئندہ زندگی کے متعلق کچھ سوچ بچار کرنا ہے اور ایسی عملی تدابیر اختیار کرنی ہیں جن کی بدولت سامنے آنے والا زمانہ شان دار روایات کا حامل ہو۔ اسلافِ کرام کا وہ مقدس خون

☆ ۴/۵ جمادی الثانی ۱۳۷۰ھ بہ مطابق پیر۱۲مارچ/منگل۱۳مارچ۱۹۵۱ء کی درمیانی شب پڑھا گیا۔ گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور بہ اہتمام ضمیر احمد خان غوری پرنٹر چھپا۔

جو بے حسی، بے حرکتی، آرام طلبی، عیش پسندی اور خود فراموشی کی برودت [ٹھنڈک] سے ہماری رگوں میں جم گیا ہے۔ تہوّر، شجاعت، مردانگی، بلند حوصلگی، احساس برتری اور رفعتِ تخیل کی حرارت سے پھر پگھل جائے اور اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْهٖ [۲] کے مطابق ہم سے بھی وہ کارہائے نمایاں سرزد ہوں۔ ہم بھی اپنی محیّر العقول کارناموں کی وہ یادگاریں چھوڑ جائیں اور دنیا ہماری اولوالعزمیوں، فلک پیمائیوں اور جہاں نوردیوں کو دیکھ دیکھ کر اسی طرح محوِ حیرت واستعجاب ہو جائے جس طرح کہ ہمارے پیش رو بزرگوں نے اپنی زبردست قوت ارادی، بے مثال عزت واستقلال اور عدیم النظیر جرأت وجسارت سے سارے سالم کو متحیر کر دیا تھا۔

ہمارے اس اجتماعِ عظیم کا مقصد وحید یہی ہے کہ کسلان پسند طبائع کے اندر چستی پیدا ہو، محوِ خوابِ غفلت بیدار ہوں اور جاگنے والے ہوشیار اور پھر مسلمان بحیث القوم اقوام وملل کے تسابق میں شامل ہو جائے اور اتنی تیز دوڑ لگائے کہ سب کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جائے اور منزلِ مقصود پر پہنچ کر ہر مراد سے اپنا من بھر لے۔ وَمَاذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ؕ۔ [۳]

آج سے چوبیس سال پہلے

معزز حاضرین! خیالات کی رو اس فقیر کو ماضی قریب کی طرف بہا کر لے جا رہی ہے۔ آیئے! آپ بھی میرا ساتھ دیں۔ پیچھے ہٹنے سے مقصد رجعتِ قہقری [اُلٹے پاؤں واپس جانا] نہیں، ارتقا سے گر کر تنزل کی طرف جانا مقصود نہیں اور نہ ہمارے رہ نورد مسافر کو دم لینے کی فرصت ہے بل کہ چوبیس سال کی محنت شاقہ، چوبیس سال کی تگ ودو اور چوبیس سال کے مآل کار پر ایک نظرِ بازگشت ڈالنی ہے کہ آج سے چوبیس سال پہلے اس فقیر نے جو سچی خواب اور رویائے صادقہ دیکھی تھی اس کی تعبیر کیا نکلی؟ میرے تخیل نے دماغ کے اندر جو خیالی دنیا بسا رکھی تھی اس نے کہاں تک معنوی صورت اختیار کی؟ اور تصورات نے کس حد تک تصدیقات کا جامہ پہنا؟

آج سے چوبیس سال پہلے اس فقیر نے مسلمان کے ماضی، حال اور استقبال کا گہری نظروں سے مطالعہ کیا۔ قوم کے ارتقا وانحطاط کے علل واسباب کو چشمِ بصیرت سے دیکھا اور تاریخ اسلامی، سوانح ہائے حیاتِ اسلاف اور دفاترِ پارینہ پر غائر نظر ڈالی۔ میرے سامنے ایک طرف مسلمان کا مایہ ناز ماضی اپنی شان دار روایات کے ساتھ موجود تھا۔ وہ مسلمان جو بے سروسامانی کی حالت میں اٹھا، جس کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی، جس کی ظاہری حالت اتنی ناقص اور کم زور کہ پہننے کے لیے بدن پر کپڑا نہ تھا، کھانے کے لیے کوئی چیز میسر نہ تھی، لڑنے کے لیے تلوار تک پاس نہ تھی مگر جذبۂ جہاد سے بیدار اور شرابِ محبت سے سرشار ہو کر اٹھا اور محض اعلائے کلمۃ اللہ، اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی زمین پر اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کرنے کی خاطر اٹھا

[اور] چار دانگِ عالم میں پھیل گیا۔ قیصر کے تخت وتاج کا مالک بن گیا اور کسریٰ کی حکومت کا وارث۔ جس نے اپنی بے پناہ قوتِ ایمانی اور ہمہ گیر طاقتِ روحانی کا عملی مظاہرہ کر کے مفتوحہ علاقہ میں بسنے والے لوگوں کے دلوں کو بھی مسخر کر لیا اور صحیح معنوں میں اپنی صوری ومعنوی حکومت قائم کر دکھائی۔

اور دوسری طرف مسلمان کی موجودہ صورت حالات از بس حوصلہ شکن وصبر آزما نظر آئی۔ قوم کا شیرازہ بکھرا ہوا، باہمی چپقلش، تصادم، کشمکش کا دور دورہ، قوائے عمل مضمحل، احساس کہتری وکمتری گٹھی میں پڑا ہوا اور سب سے بڑھ کر غلامی ومحکومی کا طوقِ لعنت گلے میں۔ مَیں نے دیکھا کہ خیر الامت کا خطاب رکھنے والی قوم[۴] تمام اقوامِ عالم کے مقابلہ میں ہر اعتبار سے کم زور ہو چکی ہے۔ اپنا تمدن کھو چکی ہے۔ اپنی تہذیب بھلا چکی ہے۔ تجارت سے بے بہرہ ہے، صنعت وحرفت سے بے گانہ۔ حکمت جو اس کی گم گشتہ شے تھی اس کی تلاش اس نے چھوڑ دی ہے۔ علم جس کی تحصیل اس کا فرض اوّلین تھا اس کی گرفت سے باہر جا چکا ہے۔ اس کی کتابیں اب کتب خانۂ لندن و پیرس کی زینت بن رہی ہیں اور اس کے آثارِ قدیمہ وعلاماتِ عتیقہ اب اس کے لیے عبرت انگیز و نصیحت خیز نہیں رہے بل کہ محض تماشائیوں کے لیے تفنن طبع اور دل بہلانے کا موجب ہیں۔ وہ مسلمان جو جہاز رانی کے فن کا ماہر وموجد تھا اب ایک شکستہ کشتی کا بھی مالک نہیں۔ وہ مسلمان جس کی ایجادات واختراعات کو دیکھ کر سارا جہاں فرطِ حیرت سے انگشتِ بہ دنداں ہوا کرتا تھا اب ایک سوئی سلائی تک کے لیے دوسروں کے دستِ نگر ہے۔ اس کے علما تنگ نظر، اس کے مشائخ کوتاہ اندیش، اس کے امرا عیش پسند اور اس کے غربا دریوزہ گر [بھیک مانگنے والے] ہیں۔ اس کا کاروان گم کردہ راہ، اس کا مسافر تھک کر بیٹھ جانے والا اور اس کی منزلِ مقصود غیر متعین۔ اس کا کوئی نصب العین نہیں اور نہ کوئی مطمعِ نظر۔ وہ ایک بھیڑ ہے جس کا کوئی نگران کار نہیں۔ وہ کثیر التعداد افراد پر مشتمل ایک مجمع ہے مگر منتشر جس پر جماعت کے لفظ کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

آج سے چوبیس سال پہلے مَیں نے جب یہ حالت دیکھی اور مسلمان کی یہ کیفیت تو دردمند دل میں ایک ٹیس اٹھی۔ جسم کی آنکھوں سے اگر آنسو نہ بھی ٹپکے ہوں مگر دل کی آنکھوں سے خون ابل پڑا۔ شروع شروع میں میرا یہی خیال تھا کہ قوم کی حالت ناقابلِ اصلاح ہے، مرض شدید اور مزمن [پرانا] ہے، اس کا علاج ناممکن اور سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ مسلمانوں کی بے راہ روی پر صفِ ماتم بچھائی جائے، اس کے تنزل و انحطاط پر آنسو بہائے جائیں اور اس کی موت پر استرجاع[۵] کیا جائے۔ اسی حالتِ یاس وقنوط اور اسی کیفیتِ اضطراب وتشویش میں آج سے پورے چوبیس سال پہلے ہاتفِ غیبی نے ندا دی۔ فرشتۂ غیب نے صدا بلند کی۔ قدرت کے صبیح وملیح چہرہ نے نیلگوں آسمان کے دریچہ سے جھانکا اور ملائم، شیریں اور مترنم آواز سے کہا:
لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ[۶] وَلَايَئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ۔[۷]

قوم کے غم میں کڑھنے والے اور ملت مرحومہ کی بربادی کے نوحہ خواں! یہ رونا دھونا چھوڑ دے۔ یہ آہ و بکا، یہ جزع فزع، یہ نالہ وشیون ترک کر دے۔ قوم کی اصلاح کا کام تمھارے سپرد کر دیا گیا ہے۔ قوم کی فلاح و بہبود، بہتری اور ترقی تمھارے دم سے ہونی مقدر ہو چکی ہے۔ اٹھ اور اپنے بہ ظاہر کم زور مگر حقیقتاً مضبوط کندھوں پر قوم کا بوجھ اٹھا لے اور وہ بارِ امانت جس کے تحمل و برداشت سے آسمان، زمین اور پہاڑ عاجزانہ انکار کر چکے تھے [۸] اپنے سر پر رکھ لے۔ بامتثال امر [حکم کی تعمیل میں] مَیں نے سرِ تسلیم خم کر دیا، اطاعت کی گردن جھکا دی اور فطرت سے سرگوشیوں کے بعد قدرت کا فرمان قبول کر لیا اور آج سے چوبیس سال پہلے میری زندگی میں پہلا اور آخری انقلاب آیا۔ میری کایا پلٹ گئی۔ میری قلب ماہیت ہو گئی۔ میرا جسم جو اسقام وعلل کا آماج گاہ رہنے سے منحنی اور کم زور تھا، مضبوط و توانا ہو گیا۔ میرا دل جس پر ضعف و کم زوری کے دورے پڑتے تھے، زبردست قوت ارادی کا مالک بن گیا اور میرا عزم راسخ وقوی [ہو گیا]۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ۔ [۹]

اور پھر آج سے چوبیس سال پہلے مَیں نے قدرت کی رہ نمائی اور دستِ غیب کے اشارہ سے قوم کی اصلاح و تنظیم کا بہ ظاہر آسان مگر درحقیقت بے حد مشکل کام شروع کر دیا اور اسی کام کی تکمیل اور اسی مقصد کی برآری کے پیش نظر مَیں نے محنت شاقہ برداشت کی۔ لمبے چوڑے دورے کیے، طول طویل تقریریں کیں، جسمانی آرام قربان کر دیا۔ سفر کی صعوبتیں برداشت کیں، اپنی صحت برباد کر ڈالی، اپنا دماغ صرف کر ڈالا مگر خدائے قدوس و قیوم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میری محنت ٹھکانے لگی، میری تگ و دو نتیجہ خیز رہی اور جو مقصد وحید مَیں لے کر اٹھا تھا اس میں کامیاب ہو گیا۔

میں فخر و مباہات کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ آج سے چوبیس سال پہلے جو نقشہ مجھ کو دکھلایا گیا تھا، جو خاکہ میرے سامنے کھینچا گیا تھا اس کے عین مطابق ایک عالی شان محل تعمیر ہو چکا ہے اور آج سے چوبیس سال پہلے مسلمانوں کے دلوں کی سرزمین میں جو دانہ بویا گیا تھا وہ اب ایک تناور درخت کی شکل میں آپ کے سامنے موجود ہے۔ آپ اسے ایک رفیع المنزلت محل سے تعبیر کریں یا عظیم الشان درخت سے مگر اس کا نام ہے پاکستان۔

پاکستان کی تخلیق

اگر آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کی تخلیق کا حقیقی موجب یہ ہے کہ برطانیہ کی اقتصادی اور مالی حالت جو یکے بعد دیگرے دو عالم گیر اور مہیب جنگوں میں شرکت کی وجہ سے کم زور ہو گئی تھی اور اتنے وسیع ملکوں اور نو آبادیات پر قبضہ قائم رکھنے کی اس میں ہمت اور سکت نہیں رہی تھی۔ اس لیے اس نے اپنی ذمہ داریوں کو کم

اور محدود کرنے کی خاطر برصغیر ہندُستان کو تقسیم کر کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے سپرد کر دیا یا یہ کہ برسر اقتدار پارٹی چوں کہ مزدور جماعت ہے اور اس کے طبعی رجحانات آزادیِ اقوام کی طرف تھے، اس لیے قدرتی طور پر اس نے اپنے دورِ حکومت میں قدامت پسند پارٹی کی مخالفت کے باوجود ساکنانِ ہند کو آزادی کا منصب عطا کر دیا اور اپنی اصول پسندی اور انصاف دوستی کا عملی ثبوت دنیا کے سامنے پیش کیا اور ممکن ہے یہ دلیل بھی سامنے آجائے کہ چوں کہ گزشتہ جنگ عظیم کے بعد ہر ایک قوم کا حق خود ارادیت تسلیم کر لیا گیا تھا اس لیے اسی نظریہ کے ماتحت ہمارے ملک والوں کو بھی آزادی میسر ہو گئی لیکن حقیقت میں یہ ساری باتیں غلط فہمی پر مبنی ہیں اور ان کا اصلی واقعات سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔

پاکستان کی تخلیق کی علت غائی اور پاکستان کے کتم عدم سے منصۂ شہود پر آنے کا اصلی راز یہ ہے کہ جب تک ہندُستان میں بسنے والی اقوام میں سکوت، جمود اور تعطل موجود رہا۔ ان کی ہمتیں پست رہیں۔ ان کے ارادے کم زور رہے اور ان کے [میں] احساس کم تری کی لعنت باقی رہی۔ قدرت کے اٹل قانون [۱] اور فطرت کے آخری فتوا کے مطابق وہ محکومی و غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہے اور نعمتِ آزادی سے یک سر محروم لیکن جس وقت ان کا نصیبا جاگ اٹھا، خوش قسمتی اور نیک بختی سے ان کے اندر آزادی کا جذبہ پیدا ہو گیا اور انھوں نے حصول حریت کی خاطر قربانیاں دینی شروع کیں تو قانون الٰہی کے عین مطابق ان پر آزادی کی راہیں کھول دی گئیں۔ غلامی کا طوقِ لعنت ان کے گلے سے اتار دیا گیا، محکومیت کی ہتھکڑیاں ان کے ہاتھوں سے نکال دی گئیں اور عبدیت کی بیڑیاں ان کے پاؤں سے کاٹ دی گئیں۔

اس میں شک نہیں کہ حصولِ آزادی کی خاطر ہمسایہ قوم کی قربانیاں مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ ہیں لیکن خلوص نیت کے اعتبار سے ہمارا درجہ ان سے فائق ہے۔ ہندو کا مقصد یہ تھا کہ انگریز چلا جائے اور ہم اس کی جگہ سارے ہندُستان کی جملہ اقوام کے حاکم بن جائیں مگر مسلمان کی یہ خواہش تھی کہ انگریز کے جانے کے بعد ہم آپس میں مل کر رہیں اور تناسب آبادی کے لحاظ سے ملک کے نظم و نسق بھی ساری اقوام سے متعلق ہو۔

برطانیہ کے اربابِ حل وعقد نے مسلمانوں کے ساتھ کوئی حقِ رفاقت پورا نہیں کیا بل کہ اپنے طرزِ عمل سے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ہندوؤں کو عملی طور پر مسلمانوں پر مسلط کر دیا جائے۔ ریڈکلف کا طریق تقسیم اور مونٹ بیٹن کا ترجیحی سلوک اس کے شاہد ہیں۔

پھر ابتدائے کار میں مسلمانوں کو جو دقتیں اور دشواریاں لاحق ہوئیں۔ مشرقی پنجاب اور دوسرے علاقوں میں مسلمان کا قتل عام، لاکھوں مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ، تقسیم اشیا کے سلسلہ میں انڈیا کا نامنصفانہ اور ظالمانہ طرزِ عمل، اندرونی خلفشار، ہمسایہ ملک کابل [افغانستان] کی مخاصمانہ چالیں، یہ اور ہم چو قسم اور بہت سی

مشکلات اگر سامنے رکھی جائیں اور پھر پاکستان کی ان سب سے عہدہ برآئی اور اس کے شرِ اعداو مخالفین سے محفوظ و مامون رہنے پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ پاکستان کی تخلیق کسی ظاہری کوشش سے عمل میں نہیں آئی اور نہ ہی اس کا قیام کسی مادی طاقت کا زیر احسان ہے بل کہ اس کی تخلیق کا حقیقی موجب یہی دلوں کی تبدیلی، ارادوں کی پختگی اور عزم کی استواری ہے اور جب تک بلند نظری، بلند ہمتی اور احساس برتری کی خصوصیات مسلمانوں کے اندر موجود رہیں گی پاکستان کو نہ کوئی خطرہ درپیش ہے اور نہ مسلمانوں کو کوئی اندیشہ لاحق۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ خیالات میں یہ انقلاب کیسے آیا؟ البقالالاصلح کا سبق کس نے پڑھایا؟ اور جہد للحیات کا مسئلہ کس نے بتلایا؟ بزدل مسلمانوں کی ڈھارس کس نے بندھائی؟ ہر ایک چیز سے ڈرنے والے مسلمانوں کو سوائے خداوند تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈرنے کی تعلیم کس نے دی؟ جہاد کے فراموش شدہ فرض سے کس نے روشناس کرایا؟ حریت کا ملہ اور مکمل آزادی سے کس نے متعارف کیا؟ جہادِ کشمیر میں کس جماعت کے رضا کار سر سے کفن باندھ کر شامل ہوئے؟ اور اب بھی اگر تسخیرِ کشمیر کے لیے لڑنا پڑا تو سابقون کا درجہ کسے حاصل ہوگا؟ یہ کوئی تعلّی نہیں اور نہ تبختر انہ خودستائی ہے اور نہ خودنمائی کہ پاکستان کی تخلیق تو خداوند کریم نے کی ہے مگر اس کی تعمیر میں ہمارا ابھی کچھ حصہ ضرور ہے اور اس کا قیام واستحکام بھی حقیقتاً حافظِ حقیقی کی نظر کرم کا رہین منت ہے مگر ظاہری طور پر ہمارے کندھوں پر بھی اس کی ذمہ داریاں ہیں۔ وَهٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ۔"[11]

پاکستان کی تکمیل

چشم بددور! پاکستان ہماری دلی تمناؤں کا مرجع، ہماری دیرینہ خواہشات کا مآل کار اور ہماری شبانہ روز تگ ودو، جدوجہد، محنت ومشقت کا ماحصل۔ پاکستان بننے کو بن چکا ہے، اپنی چار سالہ دورِ حیات میں مقبولیت عامہ حاصل کر چکا ہے۔ دنیا کے تمام ممالک، کم عمری کے باوجود اس کی ہونہاری اور ارتقائی منازل طے کرنے میں سرعت رفتاری کے قائل ہو چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی اعانت اور قدرت کی سازگاری سے اس کے حالات روز بہ روز بہتر ہو رہے ہیں۔ ہمسایہ ملک کی نسبت اس کی ساکھ بہت اچھی ہے۔ اقتصادی طور پر، معاشرتی اعتبار سے اور تمدن کے لحاظ سے وہ ہر کہ و مہ [چھوٹے اور بڑے] سے دادِ تحسین لے چکا ہے۔ اس کی فوج باہمت ہے۔ اس کی عسکری طاقت مضبوط ہے۔ اس کی آمدنی کے ذرائع وسیع اور اس کی پیداوار اس کے ساکنین کے لیے مکتفی۔ وہ اگر بعض ضروریات کے لیے دوسرے ممالک کا محتاج ہے تو بیرونی ممالک بعض اشیائے خوردنی و پوشیدنی کے لیے اس کے دست نگر۔

تبادلہ زر کے سلسلہ میں روپیہ کی قیمت کم نہ کرنے پر اس نے جو استقلال دکھلایا ہے اور بھارت والوں کو بالآخر مجبور ہو کر اس کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑے ہیں اس نے اس کے وقار کو المصناعف [دوگنا] کر دیا ہے۔ ان ساری باتوں کے باوجود دیکھنا یہ ہے کہ پاکستان سے ہم نے جو امیدیں قائم کر رکھی ہیں اور ایک آزاد اسلامی حکومت سے جو مسلمانوں کی توقعات وابستہ ہیں، عملی طور پر قیامِ پاکستان کے بعد وہ کہاں تک پوری ہو چکی ہیں؟ حصول آزادی کے بعد اس سے کہاں تک فائدہ حاصل کیا گیا ہے؟ اور اس ملکی انقلاب نے ہماری ذہنیتوں، طبیعتوں، خیالات، جذبات، اعمال وافعال، کردار و اطوار پر کیا اثر ڈالا ہے؟ قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (الحج ۲۲:۴۱)

ترجمہ: کہ اگر ہم ان کو زمینوں کا مالک بنائیں تو نمازوں کو قائم رکھیں، باقاعدہ زکوۃ دیتے رہیں، نیک کاموں کی تبلیغ کریں اور بُرے کاموں سے منع کریں اور اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہر کام انجام ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد نماز کی پابندی کہاں تک بڑھ گئی ہے؟ زکوۃ وصدقات کی ادائیگی میں کہاں تک اضافہ ہوا ہے؟ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرض کہاں تک پورا کیا جا رہا ہے؟ کیا یہ درست ہے کہ ادھر پاکستان کی تعمیر کا آغاز ہوا اور ادھر ملک کے اندر ہر قسم کی تخریبی صورتیں پیدا ہونے لگیں۔ لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوا۔ چوری، سرقہ، راہ زنی، رشوت ستانی، بددیانتی، قانون شکنی، غریبِ آزادی، قتل ونہب، غارت گری اور ظلم و ستم کے دروازے کھل گئے اور مسلمان جو پاکستان کو عالم تخیل میں ایک رحمتِ الٰہی تصور کیے ہوئے تھا اس کے لیے عذابِ جان بن گیا۔ یہ صحیح ہے کہ جب ایک ملک میں اِس قسم کی تبدیلیاں پیدا ہوں تو آغاز کار میں ایسی بے اعتدالیاں ناگزیر ہوا کرتی ہیں مگر سوال تو یہ ہے کہ ہم جو قسم خرابیوں کا کہیں خاتمہ بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ چار سال کے بعد بھی حالات بہ دستور ناگفتہ بہ نظر آتے ہیں اور ان جرائم کے انسداد کی کوئی صورت دکھلائی نہیں دیتی۔

یہ تو رہا نقضِ امن اور ظاہری برائیوں کا معاملہ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قیامِ پاکستان کا یہاں کے بسنے والے مسلمانوں کی ذہنیتوں پر کیا اثر پڑا ہے؟ چاہیے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم ولطفِ عمیم کے اظہارِ تشکر و امتنان کی خاطر مسلمان کی گردن اس کے سامنے جھک جاتی اور اس کے احکام کی تعمیل کے لیے مسلمان کمر بستہ ہو جاتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس کی گردن جو کہ دنیا کے حکمرانوں اور اربابِ اقتدار کے سامنے اب بھی جھک رہی ہے احکم الحاکمین کے روبہ رو اکڑی ہوئی نظر آتی ہے۔

نماز کی عادت پہلے بھی کم تھی مگر پاکستان بننے کے بعد معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مسلمان نماز کی فرضیت کا ہی

منکر ہو چکا ہے۔ روزہ داری کا قصہ پہلے ہی مشکوک تھا مگر اب برسرِ بازار روزہ شکنی کے مناظر دکھلائی دینے لگے ہیں۔ زکوۃ کی پوری طرح پابندی پہلے ہی کب تھی مگر اب اس طرف دھیان بھی نہیں رہا اور یہی کیفیت ادائیگیِ حج کی ہے کہ غریب لوگ غیر مستطیع [استطاعت نہ] ہونے کی وجہ سے حج کو جا ہی نہیں سکتے اور ذی حیثیت اور امیر طبقہ نے اس کا نعم البدل سفرِ یورپ و امریکا نکال لیا ہے۔ پہلے تو کوئی نصیحت دینے والا موجود ہی نہیں اور اگر کوئی شخص کسی کو سچی بات کہہ بھی دے تو سننے والا اس پر عمل کرنا تو در کنار رہا ناصح مشفق کے گلے پڑنے پر تیار ہے۔

غرض اعتقادی اور عملی اعتبار سے پاکستان کا مسلمان رو بہ تنزل ہے اور بجائے اصلاح و درستی کے اس کی حالت روز بہ روز خراب ہوتی چلی جا رہی ہے اور یہ امر اس شخص کے لیے بے حد افسوس ناک ہے جس کی ساری عمر تعمیری کاموں پر صرف ہوئی ہو۔

مَیں اپنی طرف سے نہیں بل کہ خداوند عز و جل و علا کی طرف سے پاکستانی مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہوں کہ استخلاف فی الارض یا زمین کی بادشاہت کو چند شرائط سے مشروط کر دیا گیا ہے اور اگر وہ شرطیں پوری نہ کی گئیں تو پھر وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ[۱۲] کے مطابق کوئی دوسری قوم آ کر تم پر مسلط ہو جائے گی۔ استخلاف فی الارض یا زمین کی بادشاہت کے متعلق ارشادِ خداوندی ملاحظہ ہو:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ط وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (النور۲۴:۵۵،۵۶)

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ انھیں زمین کا بادشاہ بنائے گا جیسا کہ پہلے لوگوں کو بنا چکا ہے اور جس دین کو وہ پسند کرتا ہے اس کو مضبوط کرے گا اور ان کے خوف و ہراس کو امن کے ساتھ بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کیا کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گے اور اس کے بعد جو کوئی ناشکر گزار ہو گا تو وہی لوگ فاسق ہیں اور قائم کرو نماز اور اَدا کرو زکوۃ اور رسول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی تابع داری کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

پاکستان میں رہنے والے تمام طبقات کے لیے متذکرہ بالا قرآنی آیات صحیح رشد و ہدایت کا باعث ہیں اور ان کی دیکھنے والی آنکھوں کے لیے سرمۂ بصیرت سے تعبیر کی جا سکتی ہیں۔ اللہ کریم کا سچا وعدہ تھا کہ ایمان داروں اور صالحین کو زمین کی بادشاہت نصیب ہو گی۔ سو وہ وعدہ عطائے پاکستان کی شکل میں پورا ہو چکا ہے بل کہ دوسری دونوں نوازشات و عنایات بھی شامل ہیں:

۱۔ پاکستانی مسلمان کو اب دینی معاملات کی سرانجام دہی میں مکمل آزادی ہے اور وہ اگر حکومت الٰہیہ قائم کرنا چاہے تو اس میں کوئی دوسری طاقت خلل انداز یا دخیل کار نہیں ہوسکتی۔

۲۔ پاکستانی مسلمان کو پہلے جو خوف وخطر ہمسایہ حکومت بھارت سے لاحق تھا وہ کلیۃً رفع ہو چکا ہے اور اب یہ امکان نہیں رہا کہ لڑے مرے بغیر ہندُستان والے پاکستان پر قبضہ کرسکیں۔

لیکن اس استخلاف فی الارض یا زمین کی بادشاہت کا تحفظ وبقا یا استحکام تب ہی ہوسکتا ہے:۔

۱۔ جب مسلمان اللہ تعالیٰ کی عبادت وانابت اخلاص نیت اور خلوصِ قلب سے کرے۔

۲۔ اس کی توحید میں شرک کا شائبہ تک نہ ہو اور جو عبادتیں واحد لاشریک کے لیے مخصوص ہیں اور جو صفات اس کے لیے مختص ہیں ان میں کسی دوسرے کے عمل ودخل کا روادار نہ ہو۔

۳۔ نماز کی اقامت اور پابندی لازم ہو۔

۴۔ زکوۃ کی ادائیگی میں کسی قسم کی لیت ولعل نہ ہونے پائے۔

۵۔ حضور سرورِ کائنات وفخر موجودات خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور فرماں برداری اس کا فرضِ اولین ہو۔

یہ ہے پاکستانی مسلمان کا عملی پروگرام اور یہ ہے تعمیر پاکستان کے بعد اس کی تکمیل یعنی پاکستان میں رہنے والے مسلمان جب تک کہ لفظ پاکستان کی مناسبت سے پاک نہیں بنیں گے، ان کی ذہنیت درست نہیں ہوگی، ان کی نیت پاک نہیں ہوگی، ان کے خیالات پاک نہیں ہوں گے، ان کے اعمال وافعال پاک نہیں ہوں گے اور پاک ذات سے تعلق رکھنے والا مسلمان اپنے اندر پاکیزگی وطہارت، ورع وارتقا، نیک دلی ونیک روی اختیار نہیں کرے گا اس وقت تک وہ رحمتِ الٰہی و الطافِ خداوندی سے محروم رہے گا اور اگر اس نے اپنے کردار، اپنی گفتار اور اپنی رفتار کو اسلامی تعلیمات کے عین مطابق بنالیا اور اس شرک والحاد، بے دینی وبے عملی کے دور میں اپنے اعمالِ صالحہ وافعالِ حسنہ کا صحیح نمونہ پیش کیا تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خلافت ارضی کا وارث رہے گا۔ حکومت کا جو تاج اس کے سر پر رکھا گیا ہے وہ کبھی نہیں اتارا جائے گا اور سلطنت کے جس تخت پر اسے بٹھایا گیا ہے وہ علی الدوام [ہمیشہ کے لیے] اس پر متمکن رہے گا۔ وَاللّٰہُ عَلٰی مَااَقُوْلُ شَہِیْدٌ۔[۱۳]

پاکستان کا تحفظ

پاکستان کے قیام کو اگر ہم ایک معجزہ سے تشبیہ دیں تو غیر مناسب نہیں ہوگا۔ اعجاز کا مطلب ہی ایک ایسی بات کا ظہور میں آنا ہے جو بہ ظاہر غیر اغلب ہو یا ناممکن ہو۔ آج سے چار سال پہلے کس کو یہ وہم وگمان ہوسکتا

تھا کہ مسلمان سوڈیڑھ سو سال کی غلامی اور محکومی کے بعد ایک اتنی بڑی ریاست اور ایک اتنی بڑی حکومت کا مالک ہو جائے گا؟ اور پھر متحدہ ہندُستان اور اکھنڈ بھارت کا جنون اپنے دماغوں میں رکھنے والے ہندوؤں کی موجودگی میں یہ بات کیسے ممکن تھی کہ ان سے لڑے جھگڑے یا جدال وقتال کیے بغیر ہمیں ایک آزاد سلطنت کی حکم رانی نصیب ہو جاتی؟ مگر قربان جائیں اس قدوس بندہ نواز کے الطاف واکرام پر جس نے ایسے قدرتی حالات اور غیبی اسباب پیدا کر دیے جن کی بنا پر پاکستان کی داغ بیل رکھ دی گئی اور ہندوؤں کے چیخنے چلانے اور سکھوں کے شور مچانے کے باوجود پاکستان عالمِ تخیل سے نکل کر منصۂ شہود وحقیقت پر جلوہ گر ہوگا۔

ہندو ابھی تک حسد وبغض کی آگ میں جل رہا ہے۔ ان کی یہ دلی آرزو ہے اور قلبی خواہش کہ جس طریق سے بھی ممکن ہو سکے پاکستان کو مٹا دیا جائے اور متحدہ ہندُستان جو ان کے خیال میں نا قابلِ تقسیم تھا اور ان کی خواش وتمنا کے علی الرغم تقسیم ہو چکا ہے دوبارہ غیر منقسم شکل میں متشکل ہو جائے۔ یہ تو قدرت کی حفاظت و نگہداشت کا ہاتھ تھا جس نے آج تک پاکستان کو دست بردِ اغیار سے بچائے رکھا ورنہ مخالفین کی طرف سے غصبِ پاکستان کی خاطر کون سا حربہ تھا جو استعمال نہ کیا گیا ہو؟ اور کون سی تدبیر تھی جو اختیار نہ کی گئی ہو؟ اور یہ سلسلہ ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ اب بھی پنڈت نہرو کے پیٹ میں فتحِ پاکستان کا مروڑ اٹھتا ہے اور اب بھی ماسٹر تارا سنگھ عالمِ بے داری یا خواب میں اس قسم کی بہکی بہکی باتیں کرنے لگتے ہیں اور ہندو مہا سبھا کے پاس تو عوام کو گم راہ کرنے اور اپنا ہم خیال بنانے کے لیے سوائے اکھنڈ ہندُستان کا پرچار کرنے کے لیے کوئی دلیل ہی نہیں۔

اگر بھارت والے اپنی ملکی آمدن کا ایک کثیر حصہ فوجی مصارف پر خرچ کر رہے ہیں اور سیوا سنگ والے قواعدِ پریڈ میں مصروف ہیں اور اگر بھارت میں بسنے والی صنفِ نازک کو بھی چاند ماری سکھلائی جا رہی ہے اور تہور وشجاعت کے سبق پڑھائے جا رہے ہیں تو وہ کون سا دشمن ملک ہے؟ جس کے خلاف یہ ساری تیاریاں ہو رہی ہیں؟ اور وہ کون سی قوم ہے جس کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی خاطر بھارت کے سپوت زور آزمائیاں کر رہے ہیں۔ امریکا نہیں، جس کے ایٹم بم کا بھوت ہمیشہ نہرو صاحب کے دماغ پر کابوس[۱۴] بن مسلط ہے۔ برطانیہ نہیں، جس کے چشم وابرو کے اشارہ پر بھارت رقص کر رہا ہے۔ کمیونسٹ چین نہیں جس کی ناز برداری کرتے کرتے انڈیا اپنا اصول بھی کھو بیٹھا ہے بل کہ پاکستان اور صرف پاکستان، جس کو فتح کرنا ہر ایک ہندو کا مقدس فرض ہے۔ جس کے باشندوں کو قتل کرنا ہندوؤں کی نظر میں ثوابِ عظیم اور جس کی نہری آبادیوں پر دوبارہ قبضہ جمانا سکھوں کا مقصد حیات۔

اس کے مقابلہ میں پاکستان کے مسلمان پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اپنے ملک کی طرف سے، اپنی قوم کی طرف سے ایک فرض عائد ہوتا ہے اور وہ ہے پاکستان کا تحفظ کہ اس خدا داد دولت اور من جانب اللہ عطا

شدہ نعمت کو دشمنوں کے قبضہ سے بچایا جائے اور اس کی ایک ہی تدبیر ہو سکتی ہے کہ اس فقیر کی چوبیس سالہ تعلیمِ جہاد کے ماتحت آپ اپنے اندر جہاد کا حقیقی جذبہ پیدا کریں اور حفاظتِ ملک واملاک، تحفظِ ننگ و ناموس اور پاکستان کے بچاؤ کے لیے سینہ سپر ہو جائیں۔ باہمی جھگڑے مٹا دیں، آپس کی شکر رنجیاں رفع کر دیں، جزوی اختلافاتِ عقائد کو بالائے طاق رکھ دیں اور اپنے ملک کی حفاظت، اپنی جان کی حفاظت، اپنی بیویوں کی عصمت و عفت کی حفاظت، اپنے معصوم اور ننھے بچوں کے نازک جسموں اور پاک روحوں کی حفاظت، اپنی مساجد و مقابر کی حفاظت، اپنے دینی آثار اور مذہبی یادگاروں کی حفاظت کے لیے ایکا کر لیں اور بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ [15] کی طرح سیسہ سے پگھلی ہوئی دیوار کی مانند مضبوط ہو جائیں اور اس امر کا تہیہ کر لیں کہ پاکستان کی ایک ایک انچ زمین کی حفاظت کے لیے سب کے سب اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دیں گے اور ظالم، وحشی مگر بزدل دشمن کو اس مقدس سرزمین پر قدم نہیں رکھنے دیں گے۔ وَبِیَدِہٖ التَّوْفِیْقُ۔ [16]

قیامِ حکومت الٰہیہ میں ناقابلِ برداشت تاخیر

پاکستان کی تخلیق کے بعد سب سے بڑا سوال جو زبان زدِ خواص وعوام تھا وہ اس کے آئین وقوانین کا سوال تھا کہ وہ کس نوعیت اور کس قسم کا ہوگا؟ اور ایک خاص اسلامی حکومت اور ریاست میں وہی برطانیہ کا بنایا ہوا ناقص، غیر مکمل اور غیر اسلامی قانون رواج پذیر رہے گا یا کہ جو نیا آئین مرتب ہوگا وہ علیٰ نہج الشریعت اور قرآن و حدیث اور فقہ کے عین مطابق۔ لوگ اس حیص بیص [تکرار] اور فکر و تردد میں تھے کہ ہمارے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے قرارداد مقاصد پیش کر کے اعلان کر دیا اور پاکستان کی پارلیمنٹ نے اس پر مہر لگا دی کہ پاکستان کا تیار ہونے والا آئین شریعت غرّا کے عین مطابق اور احکام اسلامی کے بالکل موافق ہوگا۔ مسلمانوں نے بڑی مسرت واطمینان سے اس قرارداد کا خیر مقدم کیا، تقریروں میں اسے سراہا گیا، اخبارات نے اس کی مدح وثنا میں افتتاحیے لکھے اور ممالک اسلامیہ کی طرف سے اسے دادِ تحسین دی گئی۔

ازاں بعد عامۃ المسلمین کی تالیفِ قلوب کی خاطر کراچی میں ایک علمی مشاورتی کمیٹی بھی بنائی گئی جو معلوم نہیں کیا کام کر رہی ہے یا اس کے پیش نظر کون سے ایسے امور ہیں جو تشنہ تکمیل ہیں؟ یا جن کی گرہ کشائی کے لیے ایک طویل عرصہ بکار ہے؟ اِدھر چوں کہ یہ معاملہ روز بہ روز کھٹائی میں پڑ رہا تھا اس لیے مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اضطراب کو روکنے کے لیے وزیر اعظم صاحب کو اپنی کئی ایک تقریروں میں قرارداد مقاصد کے متن کو دھرانا پڑا اور بار بار طفل تسلیاں دینی پڑیں کہ جو وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور پورا کیا جائے گا اور پاکستان کے اندر جو بھی قانون رائج ہوا اس کا ماخذ قرآن کریم اور احادیث نبوی خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوں گے

لیکن جہاں تک اس فقیر کا مبلغ علم ہے۔ ہنوز روزِ اول ہے[1] والا معاملہ ہے اور یا تو اس سلسلہ میں کچھ بھی نہیں ہو رہا ہے اور اگر ہو رہا ہے اور ہماری نگاہوں سے پوشیدہ طور پر ہو رہا ہے تو اس کی رفتار اتنی دھیمی ہے کہ شاید فردا سے مراد فردائے قیامت ہو اور انتظار سے مقصد انتظارِ روز محشر۔

ایک بات جو اس فقیر کی سمجھ میں نہیں آئی وہ ترتیب وتدوین آئین کا مسئلہ ہے کہ اگر آئین شریعت مطہرہ کی روشنی میں تیار ہونا ہے تو کیا قرآن حکیم، ارشاداتِ نبوی خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،تعاملِ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم واقوال مجتہدین علیہم الرحمہ جامع و مانع حیثیت رکھنے والے نہیں؟ اور اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر کس چیز کی تلاش ہے جس کے لیے ارکانِ کمیٹی دو سال کا طویل عرصہ گزار چکے ہیں مگر اب تک وہ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے؟ عبادات میں کمی بیشی ہو نہیں سکتی۔ معاملات کی مکمل تشریح موجود ہے۔ حدودِ شرعیہ معین ہیں۔ وراثت کا معاملہ صاف ہے۔ بیع وشریٰ کے اصول مقرر ہیں۔ امورِ سلطنت، رموزِ جہاں بانی اور طریقِ حکومتِ جمہوری پر نصوص قطعیہ وارد ہیں۔ لے دے کر یہی تبادلہ زر، بنکوں کا آپس میں لین دین اور دوسرے ملکوں کے ساتھ تجارتی داد وستد باقی رہ جاتے ہیں جن کا حل اجماع امت اور غایت مافی الباب قیاس سے نکالا جا سکتا ہے اور اگر اصحابِ حکومت وار بابِ حل وعقد کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کا جوش جب ٹھنڈا ہو گیا اور ان کی توجہات دوسرے امور مہمہ میں بٹ کر رہ گئیں تو کسی اور ملک کا آئین مستعار لے کر پاکستان پر ٹھونس دیا جائے گا تو یہ وہم باطل انھیں اپنے دل سے نکال دینا چاہیے۔ پاکستان کا مسلمان گناہ گار سہی، بداعمال سہی، بد اقوال سہی مگر وہ اتنا بے غیرت اور بے حس نہیں کہ پاکستان کے اندر رہ کر وہ حکومت الٰہیہ سے باہر نکل سکے اور؟ کسی ایسے آئین کو قبول کر سکے جو قَالَ اللّٰہُ وَقَالَ الرَّسُوْلُ کی جگہ قَالَ فَلَانٌ پر مبنی ہو اور جس میں احکامِ خداوندی وارشاداتِ نبوی خاتم النبیّین حضرت محمد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بجائے کسی انگریز مقنن یا امریکن مبصر کی رائے ناقص کا عمل دخل ہو اور ستم ظریفی یہ کہ کسی برطانوی کی خدمات اس لیے مستعار لی جا رہی ہیں کہ وہ ایک بیش بہا مشاہرہ لے کر پاکستان کا آئین تیار کرے۔ اس غلط اقدام سے جہاں یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ پاکستان بھر میں کوئی بھی ایسا قابل شخص موجود نہیں جو قانون کو بہترین صورت میں ترتیب دے سکے وہاں یہ شبہات پیدا ہونے یقینی ہیں کہ جو قانون ایک فرنگی بنائے گا اس کا شریعتِ اسلام سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ ہوگا۔

اندریں حالات یہ فقیر لگی لپٹی بغیر صاف لفظوں میں اسلامی رائے عامہ کی صحیح ترجمانی کرتے ہوئے حکومت کو متنبہ کرتا ہے کہ اگر کوئی ایسا آئین پاکستان کے اندر نافذ کیا گیا جس کا ماخذ قرآن وحدیث صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوئے تو اسے ہم ہرگز قبول کرنے کو تیار نہیں اور اسے نہایت نفرت کے ساتھ پائے استحقار سے ٹھکرا

دیں گے اور ساتھ ہی حکومت سے پُر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ ترتیبِ نفاذِ آئین میں جو تاخیر وتعویق ہو رہی ہے اس نے مسلمان کے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیا ہے اور روز بہ روز شکوک وشبہات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس لیے حکومت کا فرض اولین ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے قرار دادِ مقاصد کو عملی جامہ پہنا کر آئینِ اسلامی اور قانونِ شرعی کا اجرا کیا جائے اور تفصیلات خواہ بعد میں طے ہو جائیں مگر اس کے مبادیات اور متن کو فی الفور ہمارے سامنے لایا جائے تا کہ ہمیں ایک گونہ اطمینان وانشراح حاصل ہو :

من آنکہ شرطِ بلاغ است باتو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال[18]

کشمیر کا عقدہ لاینحل

پاکستان قائم ہونے کے بعد مسلمانوں کے لیے جو چیز کہ ذہنی اذیت دماغی پریشانی اور روحانی تشویش کا موجب بنی رہی ہے وہ کشمیر کی نہ سلجھنے والی گتھی ہے جس میں نت نئے الجھاؤ پیدا ہو رہے ہیں اور اگر کسی کے ناخنِ تدبیر سے ایک عقدہ کھلتا ہے تو بیسیوں گرہیں اور پڑ جاتی ہیں۔ پاکستانی مسلمان کے لیے کشمیر کا سوال موت اور زیست کا سوال ہے بل کہ خود پاکستان کے زندہ رہنے یا مٹ جانے کا سوال۔ آپ آغاز کار سے لے کر اب تک مسئلہ پر غور کریں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ عدل وانصاف، راست شعاری اور رواداری، حق روی وحق شناسی جس کا ڈھنڈورا ہر روز لیک سکسیس میں پیٹا جاتا ہے اور جمعیت الاقوام والے لوگوں کی آنکھوں میں ڈھول ڈال کر اپنی معدلت گستری وانصاف پروری کا مظاہر کیا کرتے ہیں محض ابلہ فریبی اور عیاری ومکاری کا ایک ڈھونگ ہے جس کا مقصد دماغی عیاشی اور تفنّن طبع کے سوا کچھ بھی نہیں۔

لیگ آف نیشنز نے اب تک عملی طور پر کون سے کارنامے سرانجام دیے ہیں کہ ان سے کسی قسم کی کوئی توقع رکھی جائے۔ فلسطین کا معاملہ جوں کا توں کھٹائی میں پڑا ہوا ہے، جرمنی کا جھگڑا یوں ہی چل رہا ہے اور کوریا کے اندر اتنی تباہی وبربادی ہو جانے کے باوجود ہنوز روز اول والی بات ہے۔ بھلا ایسے ادارے سے کسی بھلائی کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ جس کے ارکان اپنی اپنی حکومتوں کے اشارہ پر پتلیوں کی طرح ناچ رہے ہوں۔ جن کے دباؤ کا اثر صرف اخلاقیات تک محدود ہو اور جنھیں اپنی بات منوانے یا اپنے فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نہ کوئی اختیار ہو اور نہ کوئی طاقت۔ جن کے پاس بم ہوں تو لفظوں کے، توپیں ہوں تو تقریروں کی اور تلواریں ہوں تو زبانوں کی۔

اب چار سال ہونے کو آئے ہیں کہ کشمیر کا معاملہ جمعیت الاقوام کے سامنے موجود ہے۔ باوجودے کہ

وہ اس کی اہمیت اور نزاکت سے ناواقف نہیں۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس بارود خانہ میں اگر ایک چنگاری پڑ گئی تو سارے جہان کے خرمنِ امن کو خاکستر کر دے گی اور بھارت و پاکستان کے درمیان اگر لڑائی چھڑ گئی تو دنیا کے تمام ممالک اس کی لپیٹ میں آ جائیں گے مگر ہو کچھ بھی نہیں رہا۔ وفد آتے ہیں کشمیر کی سیر کر کے چلے جاتے ہیں۔ ثالث بھجوائے جاتے ہیں مگر ثالثی فیصلہ دینے کی جگہ وہ فریقین پر ہی معاملہ چھوڑ کر واپس چلے جاتے ہیں۔ یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ بھارت والوں کی زیادتی ہے وہ رائے شماری اور فوجیوں کے انخلا کا وعدہ کر کے پھر مکرنے لگے ہیں اور معقول سے معقول بات بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ انھیں کچھ نہیں کہا جاتا اور یہ مان لینے کے بعد کہ پاکستان کا رویہ حق بہ جانب ہے اس کا مطالبہ راستی پر مبنی ہے اس کی کھلم کھلا حمایت نہیں کی جاتی۔ اب نئی خبر یہ ہے کہ بندر بانٹ کرنے والی دونوں امریکا و برطانیہ کی حکومتوں نے ایک قرارداد پیش کر دی ہے کہ جسے ہم اس طریق تقسیم کے مماثل قرار دیں گے جو ایک شہری اور دیہاتی کے درمیان ہوا تھا اور دیہاتی نے مشترکہ مکان کی تقسیم کار نہایت بھولے پن سے ایک طریقہ نکالا تھا :

از صحن خانہ تا بہ سقف خانہ زانِ من

وز سقفِ خانہ تا بہ ثریّا از آنِ تو[19]

کہ گھر کے صحن سے لے کر گھر کی چھت تک میرا حصہ اور چھت سے لے کر آسمان تک تمھارا حصہ۔

اس پیش شدہ قرارداد کا مقصد بھی یہی ہے کہ کشمیر کو ایک کھچڑی بنا دیا جائے۔ اچھے اچھے ٹکڑے بھارت کی بھینٹ چڑھا دیے جائیں اور بے آب و گیاہ اور چٹیل پہاڑی علاقے پاکستان کے حصہ میں آ جائیں اور اگر بیچ بچاؤ کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو امریکا اور برطانیہ کی چورمنڈلی [گروہ، جماعت] بہ طورِ ثالث بالخیر درمیان میں آ کر کود پڑے۔

یہ درست ہے کہ پاکستان شروع سے یہ چاہتا ہے کہ امن اور آشتی کے ساتھ یہ معاملہ طے ہو جائے اور لڑائی جھگڑا تک نوبت نہ پہنچے اور اس کا عملی ثبوت اس نے ایسے موقع پر جنگ بند کر دینے سے دیا جب کہ ہندُستانی فوجوں میں افراتفری مچ گئی تھی اور راہِ فرار اختیار کیے بغیر ان کے لیے کوئی مفر نہ رہا تھا مگر آج کل شرافت کا زمانہ نہیں، لوگ ہمیشہ تحمل و برداشت کو کم زوری اور بزدلی پر محمول سمجھتے ہیں۔ پاکستان ہزار رواداری کا ثبوت دے، حقِ ہمسائیگی کی خاطر کتنا ہی خسارہ برداشت کرے، بھارت والے کبھی اس کی قدر نہیں کریں گے اور قیامِ امن کے پیشِ نظر ان کے کتنے جائز و ناجائز مطالبات مانتا جائے وہ اس کا ایک بھی جائز مطالبہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔

جمعیت الاقوام والے تو یہ چاہتے ہیں کہ معاملہ کھٹائی میں پڑا رہے اور بالآخر تنگ آ کر دونوں فریق

اپنے اپنے مقبوضہ علاقوں پر قانع رہ کر مزید اقدامات سے دست کش ہو جائیں مگر کشمیر کے بغیر پاکستان کی حیثیت ہی کیا رہے گی۔ وہاں کے چالیس لاکھ مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا؟ وہی نہیں جو حیدر آباد دکن اور جونا گڑھ کے مسلمانوں کا ہو چکا ہے۔

اس فقیر کی رائے میں جمعیت الاقوام کے کفن چوروں پر بھروسہ کرنا اپنے آپ کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔ اب یہ کھیل ختم ہونا چاہیے اور پاکستان کو اللہ کا نام لے کر میدانِ جنگ میں کود جانا چاہیے اور کشمیر کی سرزمین میں جب تک دشمن کا ایک سپاہی بھی موجود ہو اپنی پیش قدمی جاری رکھنی چاہیے۔ باقی رہا یہ کہ ہر محاذ پر جنگ لڑنی پڑے گی اور سیالکوٹ سے لے کر کراچی تک معرکہ دار و گیر شروع ہو جائے گا۔ سو جس صورت میں کہ آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں یہ جنگ ہونی ہے اور اس کے بغیر مفر نہیں تو یہ بے معنی انتظار کیسا اور اس دفع الوقتی سے فائدہ کیا؟

یہ فقیر اپنی جماعت کی طرف سے حکومت کو یقین دلاتا ہے کہ اگر آزادیِ کشمیر کی جنگ لڑی گئی تو ہماری جماعت حزب اللہ کا ہر رضا کار اس فقیر کی زیرِ قیادت کفن بردوش ہو کر میدانِ جہاد میں نکل آئے گا اور اس وقت تک لڑتا رہے گا جب تک کہ استخلاصِ کشمیر یا استخلاصِ ہند نہ ہو جائے :

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ (الانفال ۸:۳۹)

ترجمہ: کفار سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک فتنہ فساد کا سدباب نہ ہو جائے اور ہر جگہ اللہ کی حکومت کا پرچم نہ لہرانے لگے۔

موتمر عالم اسلامی کا خیر مقدم

گزشتہ ایام کراچی میں موتمر عالمِ اسلام کا جو عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا ہے اور اس کے اندر جو تقریریں کی گئیں اور جو قراردادیں منظور ہوئی ہیں ان کا اس فقیر نے نظرِ غائر سے مطالعہ کیا ہے۔ موتمر میں شامل ہونے والے مندوبین کی نیت نیک تھی، خیالات پاکیزہ تھے اور اتحاد بین المسلمین اور یگانگت کے دل فریب مناظر اور دل کش تصویریں سامنے آئیں۔ اقتصادیات بھی زیرِ بحث لائے گئے اور خوش گوار تعلقات کی توقعات بھی پیدا ہوئیں۔ آپس میں میل جول اور تبادلہ خیالات بجائے خویش [خود] ایک مستحسن اقدام تھا۔ ایسے خوش آئند ماحول میں باہم دگر ہمدردی اور رابطۂ مودّت پیدا ہو جانا ناگزیر ہوا کرتا ہے لیکن بایں ہمہ ایک چیز تشنہ تکمیل رہ گئی ہے جس کے بغیر موتمر کی ساری کارروائیاں ادھوری نظر آئیں گی اور وہ تھا تمام ممالک اسلامیہ کا باہمی معاہدہ کہ اگر ایک ملک پر کوئی دشمن حملہ کر دے تو باقی ممالک بغیر کسی حجت و تکرار کے اس کا سچے دل سے ساتھ

دیں گے۔ مثلاً اگر ایران پر روس چڑھ دوڑے تو پاکستان کا فرض ہونا چاہیے کہ وہ بلا تامل اپنے عساکر و افواج ایران کی مدد کے لیے بھیج دے۔ علیٰ ہذا القیاس [۲۰] اگر بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگ چھڑ جائے تو ایران فی الفور پاکستان کی عملی اعانت کے لیے میدان میں نکل آئے اور پھر یہ معاہدہ پاکستان اور ایران تک محدود نہ رہے بل کہ ترکی، عراق، مصر، نجد، شرق اردن، حجاز، یمن، شام، انڈونیشیا سب کے سب قرآنِ حکیم کو درمیان میں رکھ کر یہ معاہدہ کریں تاکہ موجودہ زمانہ میں یورپ، امریکا اور روس والوں نے جوع الارض کے زیر اثر جو شرارتیں پیدا کر رکھی ہیں اور غریب آزادی اور کم زور اقوام پر جس طریق سے مشقِ مظالم کر رہے ہیں ان سے تحفظ و بقا کی خاطر اسلامی ممالک باہم دگر متفق و متحد اور شیر و شکر ہو کر ان کے مقابلہ میں ایک متحدہ محاذ قائم کریں اور اگر موتمر اسلامی اپنے آئندہ اجلاس میں تمام ممالکِ اسلامیہ کے اربابِ بست و کشاد کے مشورہ سے ایک ایسا معاہدہ مرتب کرے اور اس کی تصدیق و توثیق ہو جائے تو ہم سمجھیں گے کہ موتمر سے جہانِ اسلام نے جو امیدیں قائم کر رکھی تھیں وہ عملی طور پر پوری ہو گئیں۔

بہ ہر کیف موتمر کا یہ فقیر نہایت صدق دل سے خیر مقدم کرتا ہے اور متدعی ہے کہ اللہ کریم اس کے محرکین کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور اس کے کارکنوں کو توفیق بخشیں کہ موتمر کا دائرۂ عمل وسیع کر کے اس سے وہ فوائد حاصل کر سکیں جن کی کہ موجودہ زمانہ میں اسلام اور مسلمین کے لیے اشد ضرورت ہے۔

کمیونزم کی روک تھام کیسے ہو سکتی ہے؟

موجودہ زمانہ میں سب سے زیادہ محلِ نظر اور جاذبِ توجہ اگر کوئی مسئلہ ہے تو وہ اشتراکیت و اشتمالیت یعنی کمیونزم اور سوشل ازم کی روز افزوں مقبولیت اور ترقی ہے اور عامۃ الناس کے دلوں پر اس کے نقوش و اثرات ثبت اور نافذ ہو جانے۔

یہ خیالات کی ایک رو ہے جو کسی طاقت سے نہیں رک سکتی، جذبات کا ایک بہاؤ جسے کسی بند سے نہیں بندھا جا سکتا اور ذہنی انقلاب کا ایک طوفان ہے جو روس سے اٹھا اور آج ساری دنیا میں پھیل گیا ہے۔ اگر آپ کا مقابلہ کسی خوں خوار اور مردم آزار دشمن سے ہو تو آپ تیر و تفنگ [بندوق]، خنجر و شمشیر، توپ و بندوق، بم اور ایٹم بم سے اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور آہنی دیواروں، برقی رو رکھنے والی تاروں اور سیمنٹ سے تیار شدہ مورچوں سے اس کی رفتار کو روک سکتے ہیں لیکن دشمن کی زد اگر آپ کے جسم پر نہیں بل کہ آپ کی روح پر ہو۔ اس کا نشانہ آپ کے حرکات نہیں بل کہ احساسات ہوں۔ وہ آپ کے اعمال کی مزاحمت نہ کر رہا ہو بل کہ آپ کے عقائد اس کی گرفت میں ہوں پھر آپ ہی بتائیں ایسے خطرناک دشمن کا مقابلہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور پھر لطف یہ کہ دشمن باہر

سے نہیں آتا بل کہ اپنوں اور دوستوں کے دلوں میں ہی غیریت ونفرت پیدا ہو جاتی ہے اور محض ترغیبات نفسی کے طفیل بھائی بھائی کے درمیان اختلاف وانشقاق کی ایک وسیع خلیج حائل ہو جاتی ہے۔

انسان بالطبع تخریبی چیزوں کی طرف راغب ہوتا ہے۔ کسی نظام کے چلانے کا کام بڑا دقت طلب اور صبر آزما ہوا کرتا ہے لیکن کسی منظّم شے کو بگاڑ نا مقصود ہو تو اس میں کیا دیر لگتی ہے اور یہی کیفیت آج کل سامنے آ رہی ہے۔ ایک خاندان جو صدیوں سے برسرِ اقتدار چلا آ رہا ہے آپ منٹوں میں اس کی عزت کو خاک میں ملا سکتے ہیں۔ ایک ریاست یا حکومت جس کے قیام وتعمیر میں سالہا سال صرف ہوئے ہوں ایک دن کے انقلاب میں اسے صفحۂ ہستی سے مٹایا جا سکتا ہے۔ آپ کو ایک غریب اور مزدور کو ذی حیثیت بنانے میں بڑا عرصہ بکار ہوگا لیکن ایک متمول اور آسودہ حال شخص کو لوٹ لینے اور اسے نانِ شبینہ کا محتاج بنا دینے کے لیے چند منٹ کافی ہیں۔ غریبوں کو یہ تعلیم دینی کہ امیروں کو لوٹ لو۔ مزدور کو یہ سکھلانا کہ کارخانہ داروں اور سرمایہ داروں کو تاخت وتاراج کر دو۔ کتنی بڑی آسان بات ہے اور پھر اگر مزارعین کو اس بات پر آمادہ کار بنایا جائے کہ مالکوں کو حصہ بٹائی دینے سے انکار کر دو اور زمینوں پر خود قابض ہو جاؤ تو ان کے لیے کس قدر پیغامِ مسرت ہے اور اشتراکیت یا کمیونزم کا مقصد ہی مزعومہ مساوات کی آڑ لے کر ہم چو تخریبی پہلو اختیار کرنے ہیں اور چوں کہ ایسے انقلاب انگیز خیالات عام پسند ہیں اور غریب طبقہ کی افتادِ طبیعت کے عین مطابق۔ اس لیے ہم چو قسم ترغیبات وتحریصات بے حد موثر ودل نشیں ہوتی ہیں اور آج دنیا بھر کے اندر اشتراکیت جس طریق سے مقبولِ عام ہو رہی ہے۔ یورپ اس کے پیدا کردہ خطرات سے کانپ رہا ہے، امریکا اس کے انسداد واستیصال کے لیے اپنی تمام مادی قوتیں صرف کر رہا ہے اور بھارت والوں کے لیے یہ ان کے بس کا روگ نہیں رہا تو اس کی وجہ صرف یہ ہے:

ے کور بختاں بآرزو خواہند
مقبلاں را زوال نعمت و جاہ [۲۱]

ادنیٰ قسم کے لوگ بلند درجہ والے اشخاص سے طبعی منافرت رکھتے ہیں اور ان کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی ہے کہ بڑے لوگوں کو ان کے مسندِ ناز سے کھینچ کر اپنے ساتھ ملا لیں۔ آپ خزانہ جمع کرنے میں اتنی خوشی محسوس نہیں کر سکتے جتنا کہ اس کا لوٹ لینا مرغوب خاطر ہوا کرتا ہے اور یہی ایک نظریہ اشتراکیت کے اندر کارفرما ہے اور اشتراکیت کا جو سیلاب امنڈ امنڈ کر آ رہا ہے اور اشتمالیت کا جو طوفان اقصائے عالم پر چھا رہا ہے کیا آپ کے خیال میں اس کا کوئی اثر ہماری خداداد حکومت پاکستان پر نہیں پڑا؟ اور ہمارے اصحاب حل وعقد نے کوئی ایسا آہنی حصار یا فولادی قلعہ پاکستان کے اردگرد بنا رکھا ہے جس کی وجہ سے اشتراکیت کا بھوت پاکستان کے اندر داخل نہیں ہوسکتا؟ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو بھارت سے بڑھ کر پاکستان کے اندر اشتراکیت کی نشوونما ہو رہی

ہے۔ پاکستانی مسلمان بھارت کے ہندو سے کہیں بڑھ چڑھ کر اس کے دام تزویر میں پھنس گیا ہے۔ کیا ہوا جو حکومت لوگوں کو طفل تسلیاں دینے کی خاطر یہ اعلان کرتی پھرے کہ پاکستان پر ابھی تک اشتراکیت کا جادو نہیں چل سکا؟ کیا ہوا جو ہماری اخباریں حکومت کو خوش کرنے کی غرض سے لکھ دیں کہ اسلام اشتراکیت کے اثر و نفوذ کے مقابلہ میں ایک حصن حصین [مضبوط قلعہ] کی حیثیت رکھتا ہے؟

لاریب کہ اشتراکیت کے زہر کا فاد اور تریاق اگر دنیا میں موجود ہے تو اسلام اور صرف اسلام ہے اور اگر کوئی قوم اپنی مذہبی تعلیمات وارشادات کے مطابق اشتراکیت کا اثر قبول نہیں کر سکتی تو وہ صرف مسلمانوں کی قوم لیکن سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان کے مسلمانوں کا اسلام اس قدر مضبوط ہے اور اس کے معتقدات اس حد تک قوی کہ اس پر کسی غیر اسلامی تحریک یا غیر مذہبی تعلیم کا کوئی اثر نہ ہو سکے؟ اور اگر اس کا اعتقادی اور مذہبی رنگ پختہ نہیں اور دنیاوی ترغیبات اور مادی دل چسپیاں اس کے پائے استقلال کو متزلزل اور کمزور جسم کو مرتعش کر سکتی ہیں تو پھر یہ کہنا کہ پاکستان کا مسلمان اشتراکیت کی دست برد سے محفوظ ہے۔ واقعات کو جھٹلانے اور حقیقت پر پردہ ڈالنے کے مترادف ہے۔

اگر آپ غور سے مطالعہ کریں تو یہ مساوات کے نعرے، یہ دست کار کمیٹیاں، یہ زراعت پیشہ اور غیر زراعت پیشہ کا سوال، یہ موروثی وغیر موروثی کے جھگڑے، یہ ملازمین کی تنخواہ بڑھانے کا سوال، یہ روزمرہ ہڑتالیں دراصل اشتراکیت کے مختلف مناظر ہیں جو کہیں کسی مصلحتی چلمن میں چھپ کر اور کہیں عریانی کے ساتھ سامنے آرہے ہیں۔

کسی مستحق شخص کی حق طلبی ایک قدرتی بات ہے۔ اسلام نے صحیح اور حقیقی مساوات کا سبق دیا ہے۔ اسلام کے اندر اونچ نیچ کا وجود ہی نہیں۔ انسان کی شرافت کا معیار تقوا اور پرہیزگاری ہے نسل اور نسب نہیں لیکن ان باتوں کو اگر مذہبی طریق سے ظاہر کیا جائے تو اور بات ہے اور کسی تخریبی پہلو یا سیاسی صورت سے سامنے لایا جائے تو اور بات ہے۔ بہتر تو یہ تھا کہ ان بیماریوں کا علاج مدینہ پاک کے شفاخانہ سے کرایا جاتا مگر مریض ماسکو والے ہسپتال کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ مناسب تو یہ تھا کہ اپنے جائز حقوق طلب کرنے والے اور اپنی درست شکایتیں رفع کرانے والے اسلام کے دروازہ پر دستک دیتے اور حالت یہ ہے کہ وہ اپنی رفع شکایات کی خاطر کمیونزم کا دروازہ کھٹکھٹا رہے ہیں۔

دراصل خیالات کی آزادی اور جذبات کی فراوانی اب حدِ اعتدال سے باہر جا چکی ہے۔ ایک بھلے چنگے عقیدہ والا شخص جب ایک غلط رو مجمع میں چلا جاتا ہے تو سوچے سمجھے بغیر ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگتا ہے اور اگر یہی لیل ونہار رہے تو عن قریب پاکستان کے اندر بھی کفر والحاد کی وہی گرم بازاری نظر آنے لگے گی جو آج روس

کا طغرائے امتیاز بن چکی ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ اس فتنہ عظیم کی روک تھام اور اس لادینی کے طوفان کی رکاوٹ کس طریق سے ممکن ہے؟

اس فقیر کی تو یہ رائے ہے کہ جب تک پاکستان کے مسلمانوں کے دلوں میں اسلام، بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دین حقہ کی سچی اور بے لاگ محبتیں نہ پیدا کی گئیں اس بلائے بے درماں سے چھٹکارا مشکل ہے۔ہمارا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ طبقاتی امتیازات قائم رہیں۔اعلا طبقہ والے ادنیٰ طبقہ والوں کو ہیچ سمجھا کریں بل کہ مقصود بالذات یہ ہے کہ اسلام نے جو امیر غریب کا فرق مٹا دیا ہے، قومی اور نسلی تفریق باقی نہیں رہنے دی، اخوت اور مساوات کا جو درس دیا ہے، خیرات وصدقات کے جو مصارف مقرر فرمائے ہیں ان سب کو حقیقی صورت میں بروئے کار لایا جائے۔آسودہ حال اور متمول لوگ غربا اور مساکین کی عملی ہمدردی کے خوگر بنائے جائیں۔ ان کے کان نالہِ یتیم سننے اور آہِ بیوہ کو گوش گزار کرنے کے عادی ہوں۔ان کی آنکھیں غربت اور افلاس کے دل دوز مناظر دیکھ کر اشک بار ہونے لگیں اور ان کے دل مخلوقِ خدا کی خستہ حالی اور بے سروسامانی کی کیفیات سے پسیج اٹھیں۔ان کے انبار مسکینوں اور محتاجوں کی شکم سیری کے لیے وقف رہیں۔ان کی ہمیانیوں کے منھ خیرات کے لیے کھلے رہیں اور وہ ایک گداگر اور دلق پوش [گدڑی پہننے والے] کے ساتھ بھی ایسا حسنِ سلوک اور اچھا برتاؤ کرنے لگیں جیسا کہ کسی اپنے یا اپنے سے بڑے رئیس سے کیا کرتے ہیں اور ادھر غریب طبقہ اس شخص کی عزت کرے جسے اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی ہے۔بجائے اس کے کہ وہ ایک چیز کسی سے چھین لے جب اسے دینے میں تامل نہیں تو وہاں سے مانگ لے۔اسلام اور کمیونزم میں یہی ایک بڑا فرق ہے کہ اسلام مساکین کو کہتا ہے کہ امیروں سے ایک چیز مانگ لو اور امرا کو حکم دیا گیا ہے کہ چوں کہ:

وَفِىۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآٮِٕلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ (الذریٰت ۱۹:۵۱)

ترجمہ: ان کے مال ومنال میں سائلین اور اپاہجوں کا حق ہے۔

کے مطابق یہ تمھارے حق دار ہیں اس لیے ان کا حق ان کے حوالے کرنے میں ذرا پس وپیش نہ کرو۔کمیونسٹ خیالات کے لوگ شرارت اور فساد سے باز نہیں آتے لیکن قرآنی فرمان یہ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡمُفۡسِدِيۡنَ (القصص ۷۷:۲۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فساد مچانے والے کو پسند نہیں فرماتے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :

وَ لَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا (الاعراف ۵۶:۷)

ترجمہ: کہ زمین میں اگر امن قائم ہو چکا ہے تو پھر فساد انگیزی سے اس میں خلل نہ ڈالو۔

اور یہ سب باتیں حکومت الٰہیہ کے قیام کے بعد ان شاءاللہ خود بہ خود ٹھیک ہو جائیں گی۔ اگر حکومت کی زیرِ نگرانی بیت المال قائم کیا جائے۔ زکوۃ، عشر، صدقات کو نہایت دیانت داری سے جمع کر کے ان کے اصل مصارف پر خرچ کیا جائے۔ یتیموں کی دست گیری ہو، بیواؤں کے وظیفے مقرر کیے جائیں۔ جو لوگ صحیح معنوں میں محتاج ہیں ان کی ضروریات زندگی پوری کی جائیں اور:

اِتَّخِذُوْامِنْ اَغْنِیَاءِ ھِمْ وَتُنْفِقُوْا عَلٰی فُقَرَآھِمْ

ترجمہ: کہ مسلمانوں کے سرمایہ دار اور دولت مند طبقہ سے مال لے کر ان کے غربا و مساکین پر خرچ کیا کریں۔

کے مطابق حکومت فارغ البال اور آسودہ حال طبقہ سے زکوۃ اور عشر کے علاوہ مناسب ٹیکس لگا کر ایک خطیر رقم وصول کرے اور اسے مستحق مساکین پر خرچ کر دیا کرے تو پھر کوئی شخص اشتراکیت کا نام بھی نہ لے۔

روسی بالشویکوں نے جس مساوات کا ڈھونگ رچا یا ہوا ہے کہ ہر شخص کے کھانے پینے کا انتظام حکومت کرے اور غلہ وغیرہ سرکاری سٹوروں میں جمع کروایا جائے۔ یہ چیزیں انسانی فطرت اور قانون قدرت کے صریحاً خلاف ہیں۔ یہ مساوات کام چوری اور حرام خوری پیدا کرنے والی ہے اور لوگوں کو نکما رہنے اور کم محنت کرنے کی تعلیم دلانے والی۔ اسلامی مساوات یہ ہے کہ خوب زور سے کام کرو، خون پسینہ ایک کر دو اور اس کے صلہ میں کافی کماؤ اور کمانے کے بعد خود بھی کھاؤ اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ خود لولے اور اپاہج بن کر بیٹھ رہو اور ایک شخص کی کمائی اس سے چھین لو۔

اس فقیر کی رائے میں پاکستان کے اندر کمیونزم کا اگر قلع قمع ہو سکتا ہے۔ پاکستانی مسلمان اگر اشتراکیت سے محفوظ رہ سکتا ہے تو اس کا واحد علاج حکومت الٰہیہ کا قیام، نظامِ اسلامی کی ترویج اور قانونِ شرعی کا نفاذ ہے۔

تو خود حدیثِ مفصّل بخواں ازیں مجمل[۲۲]

حالیہ انتخابات پر ایک عبرانی نظر

ان دنوں انتخابات کی گرم بازاری ہو رہی ہے۔ ووٹ ڈالے جا رہے ہیں۔ پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی جو مدت سے ٹوٹ چکی ہے۔ ازسرِ نو مرتب ہونے والی ہے۔ پنجاب کی سرزمین امیدواروں اور ان کے حواریوں کی تگ و دو اور دار و گیر سے گونج رہی ہے۔ جھوٹے وعدے ہو رہے ہیں۔ رائے دہندگان کو گم راہ کیا جا رہا ہے اور امیدواروں کے وہ فضائل و مناقب ان کی حمایت کرنے والے بیان کر رہے ہیں جن سے ان کو دور کا بھی واسطہ

نہیں۔کئی ایک جماعتوں نے اپنے ٹکٹ جاری کیے ہیں اور بالعموم اس شخص کو ٹکٹ دینے کا مستحق سمجھا گیا ہے جسے اپنے ذاتی اثر ورسوخ سے کامیاب ہو جانے کے زیادہ امکانات حاصل ہیں۔

مسلم لیگ نے قریباً تمام حلقوں سے اپنے امیدوار کھڑے کر دیے ہیں اور جس امیدوار کو بدقسمتی یا خوش قسمتی سے مسلم لیگ کا ٹکٹ نہیں مل سکا اس نے دوسری جماعتوں سے ٹکٹ لے لیا ہے۔بیسیوں اشخاص ایسے ہیں جنھوں نے مسلم لیگ والوں کے ساتھ حلفیہ وعدہ کیا کہ اگر انھیں ٹکٹ نہ ملا تو پھر بھی لیگ کے وفادار رہیں گے مگر ٹکٹ نہ ملنے پر وعدہ خلافی کے مرتکب ہوئے اور نہایت ڈھٹائی کے ساتھ مقابلہ کر رہے ہیں اور رائے دہندگان کی یہ کیفیت کہ صبح ان کا وعدہ ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور شام کو دوسرے کے ساتھ بغل گیر نظر آتے ہیں۔ غرض الیکشن کیا ہے؟ بدعہدی، جھوٹ، مکر وفریب اور بد اصولی کا ایک بدنما منظر اور ایک شرم ناک مظاہرہ۔ حکومت نے تو حقِ بالغاں کو معیار رائے دہندگی قرار دے کر اپنی وسعت خیالی اور بلند نظری کا ثبوت دیا تھا مگر یہاں کار در دستِ بچگاں [۲۳] افتاد کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ایک طرف تو امیدوار حشرات الارض کی طرح نکل آئے ہیں اور ایک ایک نشست کے لیے بیس بیس اور تیس تیس امیدوار مقابلہ کر رہے ہیں اور دوسری طرف یہ معلوم کرنے کے بعد کہ چوں کہ ووٹ رنگ دار بکسوں کے ذریعہ لیے جائیں گے۔رائے دہندگان اس خیال سے کہ ووٹ جسے جی چاہا دے دیں گے لوگوں کو ناراض کیوں کریں، ہر ایک امیدوار کے ساتھ جھوٹے وعدے کر رہے ہیں۔قرآن شریف کی قسمیں کھا رہے ہیں اور دعائے خیر یا دعائے بد کر رہے ہیں۔آج کل امساکِ باراں کی شکایت ہے۔قحط سالی کے آثار نمودار ہیں۔آسمان بخل سے کام لے رہا ہے لیکن جہاں کذب وافترا کی اتنی افراط ہو، جہاں قرآن حکیم کی اس قدر بے حرمتی ہو رہی ہو جہاں مصلحتی تقاضاؤں سے بڑے بڑے متقی اور پرہیز گار لوگ عہد شکنی اور وعدہ خلافی کر رہے ہوں وہاں ابر رحمت کا نزول کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یمن وبرکت کا ظہور کیسے؟

گزشتہ انتخابات کے موقع پر اس فقیر نے حصولِ پاکستان کے پیش نظر غیر مشروط طور پر مسلم لیگ کا ساتھ دیا تھا اور امیدواروں کی صلاحیت یا عدم استحقاق کی پروا نہ کرتے ہوئے ہر اس امیدوار کی حمایت کی جسے مسلم لیگ نے ٹکٹ دے دیا تھا مگر اس دفعہ جیسا کہ گزشتہ سال کے خطبۂ صدارت میں توضیح کر دی گئی تھی ہم نے حق انتخاب امیدواراں اپنے لیے محفوظ رکھا ہے۔

اکثر وبیشتر ایسے امیدواروں کی ہم امداد کر رہے ہیں جنھیں کہ اہلیت اور موزونیت کے حسب اعتبار مسلم لیگ نے بھی اپنا ٹکٹ دے دیا ہے۔بعض حلقوں میں ہم ایسے امیدواروں کا ساتھ دے رہے ہیں جو مسلم لیگ کے ٹکٹ سے تو محروم رہ گئے ہیں مگر ہمارے خیال میں قوم وملت کے لیے ان کا منتخب ہو جانا سودمند تھا اور

جنھوں نے ہمارے ساتھ سچے دل سے وعدہ کر رکھا ہے کہ بہ صورت کامیابی وہ اسمبلی میں جا کر ہماری مرضی اور منشا کے مطابق کام کریں گے۔ بالخصوص اجرا و نفاذِ آئینِ اسلامی و قانونِ خداوندی میں وہ ہمارے ہم نوا ہوں گے۔ ہم نے کوشش کی تھی کہ عرس مبارک حزب اللہ اور انتخابات کی تاریخوں میں تصادم نہ ہونے پائے مگر حکومت کی مصلحتیں ہماری کوششوں پر غالب آ گئیں اور اب حالت یہ ہے کہ اُدھر ووٹ پڑ رہے ہیں اور اِدھر ہماری سالانہ تقاریب سعید منائی جا رہی ہیں۔

اس فقیر نے ایک خاص چٹھی کے ذریعہ اپنے مخلص برادرانِ طریقت و ارکان و رضا کارانِ حزب اللہ و دیگر متعلقین و معاونین کو آگاہ کر دیا ہے کہ اپنا ایسا پروگرام بنائیں جس سے کہ وہ ووٹ بھی ڈال سکیں اور عرس مبارک اور حزب اللہ کے جلسہ میں بھی شمولیت حاصل کر سکیں اور وہ اس طریق سے کہ اگر ان کے حلقہ میں کسی سٹیشن میں ووٹ ڈالنے کی تاریخ پہلے ہو اور عرس مبارک اور جلسہ بعد میں تو وہ ووٹ ڈال کر اور اُدھر سے فارغ ہو کر یہاں آ جائیں اور اگر عرس مبارک اور جلسہ کی تاریخیں پہلے ہیں اور اُن کے حلقہ کے ووٹ بعد میں تو وہ عرس مبارک اور جلسہ سے فارغ ہو کر واپس جا کر ووٹ ڈال دیں اور اگر عرس مبارک اور جلسہ اور ووٹ دینے کی تاریخیں اکٹھی ہو جائیں تو چوں کہ ووٹ بھی ایک مقدس امانت ہے اس لیے اس صورت میں ان تاریخوں میں ووٹ دیے جائیں اور یہاں کی حاضری کو ملتوی کر دیا جائے اور غالباً ہماری اس بہترین تجویز پر عمل ہو رہا ہوگا۔

آپ میں سے جو حضرات ووٹ دے کر آئے ہیں وہ اپنے متعلقہ فرض کو انجام دے چکے ہیں لیکن جن اصحاب نے یہاں سے فارغ ہو کر ووٹ دینے ہیں۔ انھیں یہ فقیر خاص طور پر توجہ دلاتا ہے کہ اپنے اور اپنے تعلق داروں کے ووٹ اس امیدوار کو دیں اور دلائیں جسے ہماری تائید حاصل ہے اور جس کی اعانت کا ہم اعلان کر چکے ہیں۔ ہمیں یہ بڑا افسوس ہے کہ امسال پھر وہی پرانی عصبیت پیدا ہو گئی ہے۔ قومی اور نسلی سوالات سامنے آ رہے ہیں۔ قابلیت یا اہلیت کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ فرقہ بندی اور گروہ سازی کے خیالات زوروں پر ہیں اور امیر اور غریب میں تفریق پیدا کی جا رہی ہے مگر یہ ساری باتیں مذہبی ناواقفیت، سیاسی بے شعوری اور غلط پروپیگنڈوں کے طفیل ہو رہی ہیں۔ حالاں کہ ووٹ اس کو دینے چاہئیں تھے جو قابل ہو، تجربہ کار ہو، سیاسی شعور رکھنے والا ہو، مذہبی خیالات کا ہو اور غایت مافی الباب متقی، پرہیز گار اور دیانت دار۔ خیر اب تو جو کچھ ہو چکا، ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے ہو کے رہے گا۔ آئندہ اگر ایسا وقت آ گیا تو ان باتوں کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ ورنہ ایسی بے تدبیری، کج روی اور غلط جذبات کے رو میں بہ جانا ایک ایسی قوم کو زیب نہیں دیتا جو کہ اپنے مستقبل کو شان دار دیکھنے کی خواہش مند ہو اور جو تسابق اقوام میں آگے بڑھنے کی متمنی اور ہم اس کے سوا کیا کہیں کہ گزشتہ راصلوٰۃ و آئندہ را احتیاط۔[۲۴]

دعوت فکروعمل

عزیزانِ محترم! یہ فقیر آپ کے سامنے دعوتِ فکروعمل پیش کرتا ہے۔ پہلے آپ ٹھنڈے دل سے اپنے حالات کا جائزہ لیں۔ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں۔ قوم اور ملک کی طرف سے آپ پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں انھیں پہچاننے کی کوشش کریں۔

آپ کی موجودہ حیثیت پہلی حیثیت سے جداگانہ نوعیت رکھنے والی ہے۔ پہلے آپ محکوم تھے، غلام تھے اور کسی کے دستِ نگر۔ اب آپ ماشاءاللہ آزاد ہیں، خودمختار ہیں اور اپنی مرضی کے مالک۔ آج سے ساڑھے تین سال پیشتر اگر آپ سے کسی سیاسی غلطی کا صدور ہوتا یا کسی مذہبی فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی نظر آتی تو آپ کے پاس ایک معقول عذر، اپنی بےبسی اور مجبوری کا موجود تھا مگر اب آپ کا کوئی بھی عذر قبول نہیں ہوسکتا۔ اگر آپ نے سیاسیات میں ٹھوکر کھائی تو آپ کی غلطی ہوگی۔ اگر آپ نے دینیات کی طرف توجہ نہ کی اور شریعت مطہرہ کے احکام سے تجاوز [کیا] تو عنداللہ وعندالناس آپ جواب دہ ہوں گے اور اگر آپ نے اپنی لاپروا ی، سہل نگاری اور غفلت سے کوئی چیز کھودی تو یہ آپ کا اپنا قصور ہوگا۔

قدرت کی یہ تھوڑی امداد ہے اور اللہ کریم کی بخشش کا یہ تھوڑا ثبوت کہ نااہلیت وعدم استحقاق کے باوجود خلافتِ ارضی وحکومتِ ملکی کا تاج آپ کے سر پر رکھ دیا گیا ہے اور آپ کو ایک وسیع خطۂ ارضی کا مالک بنادیا گیا ہے۔ اس لیے اب آپ کی ذہنیت، وہی شکست خوردہ ذہنیت نہیں رہنی چاہیے۔ اب آپ کے خیالات وہی فرسودہ خیالات نہیں رہنے چاہئیں اور اب آپ کے عزائم وہی پہلے جیسے کم زور عزائم نہیں ہونے چاہئیں بل کہ آپ کے اندر بلند ہمتی، اولوالعزمی، رفعتِ تخیل، احساس برتری، مضبوط قوت ارادی اور بے پناہ قوت عمل پیدا ہوجانی چاہئیں۔ اس لیے کہ پہلے آپ کسی کے ماتحت تھے اور حکم بردار، اب آپ افسر ہیں اور حکم دینے والے۔ پہلے آپ کے ذمہ ایک فرض تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور اب آپ کے ذمہ دو فرائض ہیں ایک حقوق اللہ اور دوسرا حقوق العباد۔

اللہ کریم کے حقوق یہ ہیں کہ آپ نماز قائم کریں، رمضان شریف کا عملی احترام ہو، زکوۃ کی ادائیگی میں سرگرمی دکھلائیں، بشرطیکہ استطاعت حج بیت اللہ کا ثواب حاصل کریں۔ ادائے فریضہ جہاد میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔ اعلائے کلمتہ اللہ کی خاطر آپ کی زندگیاں وقف ہوں۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر آپ کا طغرائے امتیاز ہو اور حق گوئی وحق شنوائی، صداقت شعاری وانصاف پسندی آپ کا مابہ الاختصاص۔[۲۵]

اور حقوق العباد سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنے والدین کی عزت کریں، انھیں اُف تک نہ کہیں، ہر طرح

کا آرام بہم پہنچائیں۔ اپنے سے چھوٹوں پر رحم کریں اور بڑوں کا ادب۔حقِ ہمسائیگی ہر حالت میں ملحوظ رہے۔گھر والوں کے ساتھ حسنِ سلوک روا رکھا جائے۔بیوی کی جائز ناز برداری اور خاوند کی سچی وفاداری، اولاد کی بہترین تربیت اور اعلا تعلیم، دوستوں سے تلطف آمیز برتاؤ اور دشمنوں سے رواداری، غصہ پر ضبط اور جذبات پر قابو، لین دین میں خوش معاملگی اور دیانت داری، ماپ تول کی درستی اور تجارتی معاملات میں اصول پسندی، وعدہ کی پابندی اور قول وقرار میں سچائی، جھوٹ، مکروفریب، مکرو ریا، خودنمائی وخودستائی، تکبر وغرور سے اجتناب اور منہیات شرعیہ سے احتراز اور دوسرے لفظوں میں وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا [۲۶] کہ حضور سرورِ کائنات، فخرِ موجودات خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو اعمال صالحہ وافعال حسنہ تمھارے سامنے لائے ہیں ان پر عمل کرو اور جن چیزوں سے آپ خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منع فرمایا ہے ان سے رک جاؤ اور سب سے بڑھ کر اسلام نے ہمارے سامنے نیکی بدی، خیر وشر، اچھائی اور برائی کا جو معیار پیش کیا ہے کہ

خُذْمَايُرِيْبُكَ بِمَالَا يُرِيْبُكَ [۲۷]

ترجمہ: کہ جو چیز شک، ریب اور تردد والی نہیں اسے اختیار کرلو اور جس چیز کے اندر تمھیں شکوک و شبہات نظر آئیں اور طبع سلیم پر وہ گراں گزرے اسے ترک کردو۔

مثلاً طہارت ظاہری و باطنی مرغوب طبع ہے اسے اپنانے کی کوشش کرو۔نماز کے اندر پابندیِ وقت، اطاعت، تضرع [گڑگڑانا] وانکساری اظہارِ تشکر وامتنان ہے اس کے پابند ہو جاؤ۔روزہ ضبط علی النفس تحمل و برداشت، درستیِ صحت اور تزکیہ نفس کی تعلیم دیتا ہے اس لیے اس کا احترام کرو۔زکوۃ سے مقصد ایثارِ مالی، غربا پروری اور خدمت بنی نوع ہے۔لہٰذا اس کی ادائیگی لازم ہونی چاہیے اور حج کا فریضہ چوں کہ اپنے اندر اجتماعی حیات، قومی زندگی، اسلامی نظامِ مساوات اور اخوت کے خوش نما مناظر پیش کرنے والا ہے اس لیے وہ قابلِ عمل ہے۔تقوا اور پرہیزگاری اختیار کرنا شیوہِ صلحا وطریقِ اتقیا بھی ہے لیکن قلبِ سلیم وطبعِ نکو [نیک طبیعت] بھی قدرتی اور فطرتی طور پر اسے بہ نظرِ استحسان دیکھتے ہیں۔ایفائے عہد، اظہارِ حق اور خدمتِ خلق کے بعد انسانی ضمیر مطمئن ہو جاتا ہے اور یہی اس کا بڑا اجر ہے۔جھوٹ فریب، مردم آزادی، غیبت اور بہتان کے بعد دل پر جو مراجعانہ [واپس لوٹنے کے] اثرات اور ندامت وانفعال کی کیفیات طاری ہوتی ہیں وہ اس کی حقیقی سزا ہے۔

مراد یہ ہے کہ آپ کو اس اعتبار سے بھی نیک ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو پسند فرماتا ہے اور اس لیے بھی نیکی اختیار کرنی چاہیے کہ وہ آپ کے تقاضائے فطرت وافتادِ طبیعت کے عین مطابق ہے اور برائی کو

اس لیے بھی ترک کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو برائی ناپسند ہے اور اس لیے بھی کہ آپ کا ضمیر طبعاً اس سے نفرت کرتا ہے اور آپ کی طبع سلیم پر وہ شاق گزرتی ہے۔ مقصود بالذات یہ تھا کہ آپ اپنی ذمہ داریوں سے جو آپ پر خالق اور مخلوق دونوں کی طرف سے عائد ہونے والی ہیں عہدہ برائی کی ہر ممکن کوشش کریں تا کہ آپ کی زندگی دنیا میں بھی جنت بنی رہے اور آپ کی آخرت بھی آخروی لذائذ و نعم سے مالا مال ہو جائے۔

رضا کاروں سے تخاطب

حزب اللہ کے جاں نثار سپاہیو اور سرفروش بہادرو! امیرِ حزب اللہ کو تمھاری ذات پر بجا فخر اور ناز ہے کہ تم نے میرے ساتھ جو عہد و پیماں کر رکھا ہے تمھیں اس کی پابندی کا بڑا احساس ہے۔ تم اسلام کی خاطر، قوم کی خاطر اور اپنے خداداد ملک کی خاطر ہر قسم کی قربانیاں کرنے کے لیے کمر بستہ اور آمادہ ہو۔ تمھارے اندر جوشِ عمل اور ولولہ کار کی کمی نہیں۔ تم نے آج سے قریباً دو سال پہلے جہادِ کشمیر میں مجاہدانہ شمولیت اور غازیانہ شرکت سے ثابت کر دکھایا ہے کہ تم سے اس فقیر نے جو بہترین توقعات قائم کر رکھی ہیں وہ خیالی و قیاسی، ظنی اور تخمینی نہیں بل کہ حقیقی اور یقینی ہیں لیکن آزمائشوں کے دن ختم نہیں ہوئے، ابھی اور قربانیاں کرنی پڑیں گی، بڑے بڑے مشکل امتحانات سامنے ہیں اور کٹھن منازل در پیش۔ آپ اس عارضی سکوت و سکون سے یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ کام ختم ہو گیا ہے بل کہ جس طرح طوفان کی آمد سے پہلے ہوا تھم جاتی ہے اور فضا کے اندر بے حسی جیسی چھا جاتی ہے اسی طرح تمھاری زندگی میں جو انقلابِ عظیم آنے والا ہے۔ تمھاری سرگرمیوں اور پُر جوش قوتِ عمل کا جو مظاہرہ ہونے والا ہے۔ تمھاری جاں بازیوں اور سرفروشیوں کا جو امتحان ہونے والا ہے یہ لمحاتی اور ساعتی سکون اس کا پتہ دے رہا ہے۔ خدا کا نام لے کر تیاری شروع کر دو اور کمر ہمت چست باندھ لو اور ظاہری اور باطنی ہتھیاروں سے مسلح ہو جاؤ۔

وہ دیکھو! کشمیر کی سرسبز وادیاں سر بہ فلک پہاڑ، گرنے والی آبشاریں، مترنّم چشمے، صحت افزا ہوائیں، پُر کیف فضائیں، مناظر کی دل کشی اور سینریوں کی دل آویزی لیکن ان دیدہ زیب اور دل فریب کیفیات کے پس پردہ، غربت افلاس، ناداری، بے روزگاری، محکومی، غلامی، عصمت دری، بے پناہ مظالم اور لا انتہا جور و ستم کی وہ لرزہ بر اندام کرنے والی تصویریں نظر آ رہی ہیں جن پر انسانیت سر پیٹ رہی ہے اور آدمیت نوحہ خواں۔ اور وقفِ مظالم و مورد مصائب کون لوگ ہیں؟ ہمارے کلمہ گو بھائی، ہمارے غریب پڑوسی اور مسکین کشمیری جن کی کھال ہنٹروں سے اس لیے ادھیڑی جا رہی ہے کہ وہ بھولے سے بھی پاکستان کا نام کیوں لیتے ہیں۔ انھیں پیٹ کے بل رینگنے پر اس لیے مجبور کیا جاتا ہے کہ شیخ عبداللہ یا عدو اللہ کی حکومت کے اندر رہ کر احکم الحاکمین کے سامنے گردن

کیوں جھکاتے ہیں اور اس کی آستان جلال پر ان کی پیشانیاں سجدہ ریز کیوں ہوتی ہیں اور ان کے حقوقِ شہریت کو اس لیے غصب کیا جارہا ہے کہ وہ اپنے دل میں پاکستان کے ساتھ الحاق کا خیال کیوں رکھتے ہیں۔

وہاں غربت کی یہ حالت ہے کہ جو غلہ گندم یہاں آٹھ دس روپے من بک رہا ہے وہاں ساٹھ ستر روپیہ من کے حساب سے بھی نہیں ملتا۔ جو نمک یہاں پانچ روپیہ فی من ہے وہاں پانچ روپیہ فی سیر فروخت ہو رہا ہے۔

غرض کشمیر کے مسلمان بھائی تمھیں اپنی امداد کے لیے پکار رہے ہیں۔ ایڑیاں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے ہیں کہ کب پاکستانی عساکر اور حزب اللہ کے رضا کار آئیں گے اور ہمیں اس قیدِ بلا سے چھڑائیں گے۔ اُدھر نظر اٹھاؤ۔ تمھاری چالیس پچاس ہزار مائیں، بہنیں اور بیٹیاں ظالم ہندوؤں اور وحشی سکھوں کے جذباتِ بہیمہ کا شکار ہو رہی ہیں۔ ان کی شہوت و ہوس کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھائی جارہی ہیں۔ ان کی آہ و بکا، نالہ و شیون اور نالہ و فریاد کی آوازیں آسمان تک جارہی ہیں۔ کیا ہماری غیرتِ ایمانی، حمیت اسلامی اور دردِ قومی کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ ہم انھیں ان درندوں کے قبضہ سے چھڑائیں اور ان کے دستِ تظلم سے نجات دلائیں؟

اور پھر ہمارے چار کروڑ مسلمان بھائی جو شرک و کفر کی سرزمین بھارت میں ڈاکوؤں اور قزاقوں کے رحم پر پڑے ہوئے ہیں۔ ان کا جان و مال، عزت و آبرو، ملک و املاک کوئی شے بھی محفوظ نہیں۔ ان کی غم گساری بہ حیثیت مسلمان ہم پر لازم نہیں؟ باہر نظر ڈالیں۔ فلسطین کا مسلمان یہودیوں کے ہاتھوں نالاں ہے۔ مراکش کا مسلمان فرانسیسیوں کے ہوسِ استعمار کا شکار ہو رہا ہے۔ وہاں فرانس والے بزدل عیاش اور پست ہمت جو جرمن افواج کی تاب نہ لا کر چند ہفتوں تک بھی نہ ٹھہر سکے اور اپنے ہتھیار پھینک کر ہٹلر کے قیدی بن گئے۔ آج مراکش کے مسلمانوں کی کم زوری سے فائدہ اٹھا کر ان پر بم گرا رہے ہیں اور سلطانِ مراکش کو اپنے محاصرہ میں لے رکھا ہے۔

غرض دنیا بھر کے مسلمانوں کے ساتھ ہماری ہمدردی بہ حیثیت ایک رضا کار و مجاہد اور غازی کے ناگزیر ہے۔ ہم نے کشمیر فتح کرنا ہے، ہندُستان کو اپنے زیرِ نگیں لانا ہے، فلسطین کے مسلمانوں کو یہود کی دست برد سے چھڑانا ہے اور مراکش کے مسلمان کو فرانس کی آمریت سے نجات دلانی ہے۔

اس لیے اے حزب اللہ کے بہادر رضا کارو! اس سے پہلے کہ طبعی مرگ یا اتفاقی موت تمھیں ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سلا دے۔ اسلام کو زندہ کرنے کی خاطر، اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر، علمِ اسلام بلند کرنے کی خاطر مردانہ وار اور مجاہدانہ عزم و عزیمت کے ساتھ میدان میں نکل آؤ اور امیر کے احکام کے ماتحت تن من دھن قربان کر دو۔ اللہ کریم کی امداد تمھارے شاملِ حال ہو اور فتح و نصرت الٰہی تمھارے ہم رکاب۔

چند ضروری گزارشات

معزز حاضرین! اختتامِ کلام سے قبل چند ضروری اور اہم گزارشات پیش کی جاتی ہیں جن پر عمل و کارفرمائی آپ سب کے لیے بہترین فوائد و نتائج پر منتج ہوگی۔ان شاءاللہ تعالیٰ۔

۱۔ آپ اپنی ذہنیتوں کی اصلاح و درستی کریں اور خیالات کو بلند رکھیں اور ارادے مضبوط کہ جب تک عزم بلند اور ہمت استوار نہ ہو، کسی کام میں کامیابی ہو ہی نہیں سکتی۔

۲۔ عبادات میں انہماک اور معاملات میں راست شعاری اور دیانت داری ایک مسلمان کی شان خصوصی ہے اور دونوں میں سے اگر ایک کے اندر بھی غفلت اور سہل نگاری پیدا ہو جائے تو مسلمان کا ایمان کامل نہیں ہوتا بل کہ ناقص رہ جائے گا۔

۳۔ اتحاد بین المسلمین اور باہمی اتفاق و اتحاد کے لیے آپ کو اپنی کوششیں وقف کر دینی چاہئیں اور جزوی اختلافات کو مٹا کر اور فروعی مختلف فیہ مسائل کو نظر انداز کر کے حفاظتِ اسلام و مسلمین کے لیے سب کو اتحادِ عمل کی دعوت دینی چاہیے۔

۴۔ فریضۂ جہاد کی بجا آوری اور مسلمانوں کو تَهَيِّىُ لِلْجِهَاد [جہاد کے لیے تیاری] کی خاطر آمادہ کار بنانا ہر مسلمان کا فرض اولین ہونا چاہیے اور عسکری نظام اور فوجی قوت بڑھانے کا کام ہر مسلمان کا مقصدِ حیات اور اس سلسلہ میں اسلحہ کی فراہمی، ان کا طریقِ استعمال، ہر ہفتہ کے بعد لازمی پریڈ اور نوجوانوں کو ایسے کھیلوں پر راغب کرنا جن سے کہ ان کے اندر چستی اور بلند ہمتی پیدا ہو از بس ضروری ہے۔

۵۔ دفاع کے کام کو صرف پاکستانی فوج کے ذمہ ڈال دینا ایک بہت بڑی غلطی ہے بل کہ پاکستان کے اندر بسنے والے ہر مسلمان کا یہ ایک مقدس فرض ہے کہ وہ پاکستان کی حفاظت کے لیے ہر ممکن عملی تدبیر اختیار کرے اور اگر جنگ کا موقع آ جائے تو سینہ سپر ہو کر اور جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمنانِ اسلام سے نبرد آزما ہو۔

۶۔ چھوٹے بچوں اور بچیوں کے اندر روحِ جہاد اور جذبۂ شجاعت پیدا کرنا ہمارے مخصوص فرائض میں شامل ہونا چاہیے تا کہ آئندہ نسلیں بزدل نہ ہوں بل کہ تہور و مردانگی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہو۔

۷۔ حکومتِ پاکستان کے استحکام کی خاطر حکام کے ساتھ پورا تعاون کرنا چاہیے لیکن اگر حکومت کوئی ایسا حکم نافذ کر دے جو شریعت کے مطابق نہ ہو تو پھر مکمل عدم تعاون، اور قرآن کا یہی فرمان ہے۔[۲۸]

۸۔ حکومت پر زور ڈالنا چاہیے کہ وہ جلد از جلد آئینِ شرعی اور قانونِ خداوندی کا نفاذ کر دے اور اگر کوئی ایسا آئین بنایا جائے جو علیٰ نہج الشریعت نہ ہوا تو اس کو کسی حالت میں قبول کرنا اسلام سے بغاوت کے مترادف ہوگا۔

۹۔ کمیونزم یا اشتراکیت کی روک تھام کے لیے سارے مسلمانوں کو متفق ہونا چاہیے ورنہ یہ بیماری اگر بڑھ گئی تو پھر لا علاج ہو جائے گی۔

۱۰۔ سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ آپ سچے مسلمان بنیں، پکے ایمان دار بنیں، صورت کے اعتبار سے سیرت کے اعتبار سے، قول و فعل اور عمل کے اعتبار سے اور کردار، گفتار اور رفتار کے اعتبار سے۔
پھر ہر میدان میں آپ کی فتح ہے اور ہر کام میں کامیابی اور
ع گر یہ نہیں تو بابا وہ پھر سب کہانیاں ہیں

خاتمۂ کلام

میرے عزیز دوستو! امسال کا خطبہ زیادہ طویل نہیں۔ صرف ضروری باتوں پر اکتفا کیا گیا ہے جب کہ ایک عمل کرنے والے گروہ کے لیے تھوڑی سی مگر معقول باتیں کافی ہوتی ہیں اور محض لفاظی کو پسند کرنے والے لمبی چوڑی تمہیدوں اور طول طویل مباحث کو بھی ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتے ہیں۔

خدا کرے آپ یہاں سے خالی نہ جائیں اور اس فقیر کے عمق قلب سے نکلنے والی باتیں آپ کے دل کی گہرائی تک پہنچ جائیں اور میری اور آپ کی زندگی پیکرِ عمل اور مجسمہِ صداقت بن جائے۔ آمین! وَاٰخِرُ دُعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

....

حواشی

۱۔ التوبہ ۹: ۱۹ تا ۲۲۔

۲۔ ترجمہ: بیٹا باپ کا راز ہوتا ہے۔ (ضرب المثل)

۳۔ ابراہیم ۱۴: ۲۰۔ فاطر ۳۵: ۱۷۔

۴۔ البقرہ ۲: ۱۴۳۔

۵۔ اس کا مطلب ہے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ط
ترجمہ: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ (البقرہ ۲: ۱۵۶)

۶۔ الزمر ۳۹: ۵۳۔

۷۔ یوسف۱۲:۸۷۔
نوٹ: خطبہ میں یُئَسوْا کی جگہ تَیْسئَوْا درج تھا۔

۸۔ الاحزاب۳۳:۲۷۔

۹۔ ترجمہ: اللہ کے احسان پر اُس کی حمد ہے۔ (عربی جملہ)

۱۰۔ محمد۴۷:۷۔

۱۱۔ ترجمہ: اور یہ میرے رب کا فضل ہے۔ (قرآنی ضرب المثل) (النمل ۲۷:۴۰)

۱۲۔ محمد۴۷:۳۸۔

۱۳۔ ترجمہ: جو مضں کہہ رہا ہوں اُس پر اللہ گواہ ہے۔ (عربی جملہ)

۱۴۔ کابوس ایک مرض کا نام جس میں آدمی کو حالت خواب میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص نے اُسے دبالیا ہے اور وہ اُس کی مہیب شکل سے ڈرکر آواز نکالتا اور اُس کے بوجھ سے گویا پسا جاتا ہے۔ اصل میں یہ مرگی کا پیش خیمہ ہے۔

۱۵۔ الصّف۶۱:۴۔

۱۶۔ ترجمہ: اور اُسی کے ہاتھ میں توفیق ہے۔ (عربی جملہ)

۱۷۔ ترجمہ: ابھی پہلا دن ہے۔ (ضرب المثل)

۱۸۔ ترجمہ: پیغام پہنچانے کی جو شرط ہے وہ مَیں تجھے کہہ رہا ہوں، تو چاہے میری بات سے نصیحت پکڑے چاہے رنجیدہ ہو۔
(قصیدہ ''در پندہ موعظہ''، کلیات شیخ سعدی، تصحیح آقای محمد علی فروغی، طہران، ۱۳۳۸ھ شمسی، ص۴۵۴)
نوٹ: کلیاتِ سعدی میں آنکہ کی جگہ آنچہ درج ہے۔

۱۹۔ ترجمہ: گھر کے صحن سے چھت تک میرا ہے، گھر کی چھت کے اوپر سے ثریا (ستارے کا نام) تک تیرا ہے۔
اصل شعر یوں ہے۔ ؎ ازصحنِ خانہ تا بہ لبِ بام ازآنِ من ازلبِ بان تا بہ ثرّیا ازآنِ تو
(وحشی بافقی، گزیدہ اشعار، قطعات، شمارہ نمبر ۳۷، ماندہ بابا)

۲۰۔ ترجمہ: اس پر قیاس کرلو۔ (ضرب المثل)

۲۱۔ ترجمہ: بدبخت لوگ نیک بختوں کے مال اور مرتبہ کے زوال کی خواہش کرتے ہیں۔
(گلستان سعدیؒ، باب اول، مرتبہ: سعید نفیسی، تہران، کتاب فروشی فروغی، چاپ دوئم، ۱۳۴۲ھ شمسی، ص۲۷)
نوٹ: گلستانِ سعدی میں کور کی جگہ لفظ شور درج ہے۔

۲۲۔ ترجمہ: تو خود اس اختصار سے بات کی تفصیل سمجھ لے۔ (ضرب المثل مصرع)

پورا شعر یوں ہے:

من از مفصل ایں نکتہ مجملی گفتم تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

(عمان سامانی، قصائد، شمارہ نمبر ۱۰)

۲۳۔ ترجمہ: بچوں کے ہاتھ میں کام آ پڑا ہے۔ (ضرب المثل)

۲۴۔ ترجمہ: گزرے ہوئے پر صلوۃ بھیجو اور آنے والے کے لیے احتیاط کرو۔ (ضرب المثل)

۲۵۔ وہ چیز جو دوسری چیزوں کی نسبت خاص ہو۔ (ضرب المثل)

۲۶۔ الحشر ۵۹:۷۔

نوٹ: خطبہ میں نَھٰکُمْ کی جگہ نَہَاکُمْ درج تھا۔

۲۷۔ ترجمہ: جو شخص تمھیں شک میں نہ ڈالے وہ لے لو اور جو تمھیں شک میں ڈالے اُسے چھوڑ دو۔ (عربی مقولہ)

اصل مقولہ یہ ہے: خُذْ مَالَا یُرِیْبُکَ وَدَعَ مَایُرِیْبُکَ

۲۸۔ النساء ۴:۵۹۔

◆◆◆

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ

حضرت مولینا ابو البرکات سید محمد فضل شاہ صاحب مد ظلہ العالی

سجادہ نشین جلال پور شریف و امیر حزب اللہ

کا

خطبۂ صدارت

جو آپ نے

حزب اللہ کے پچیسویں سالانہ اجلاس پر ارشاد فرمایا

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ؕ ☆

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوۡلٰينَا وَ حَبِيۡبِنَا وَ شَفِيۡعِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَاَتۡبَاعِهٖ وَاَشياعِهٖ اَجۡمَعِيۡنَ ۝ اَمَّابَعۡدُ فَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ فِيۡ قُرۡاٰنِهِ الۡمَجِيۡدِ وَفُرۡقَانِهِ الۡحَمِيۡدِ اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ۝ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ يَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِهٖ فَسَوۡفَ يَاۡتِى اللّٰهُ بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ وَ يُحِبُّوۡنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ يُجَاهِدُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوۡنَ لَوۡمَةَ لَاۤٮِٕمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ۝ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوۡلُهٗ وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا وَالَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ هُمۡ رٰكِعُوۡنَ ۝ وَ مَنۡ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ۝ [1]

مشائخ عظام، علمائے کرام وحاضرین ذوی الاحتشام! آج حزب اللہ کے پچیسویں سالانہ اجلاس کا آغاز کیا جارہا ہے۔ آپ جس والہانہ خلوص ومحبت اور بے مثال شوق وذوق سے گھر کے سب کام کاج چھوڑ کر شامل جلسے ہوئے ہیں اس سے ثابت ہورہا ہے کہ ابھی تک مسلمانوں میں جوشِ عمل، فرض شناسی اور نزاکتِ وقت کا احساس بہ درجۂ اتم موجود ہے اور ان کے قوائے عمل مضمحل اور کام کرنے کی قوتیں اور صلاحیتیں از کاررفتہ [ختم] نہیں ہوئیں اور اگر کوئی غلطی یا کوتاہی نظر آئے تو اس کی ذمہ داری کام لینے والوں پر ہے کام کرنے والوں پر ہرگز نہیں۔

☆ ۴/۵ جمادی الثانی ۱۳۷۱ھ بہ مطابق ہفتہ یکم مارچ/اتوار ۲ مارچ ۱۹۵۲ء کی درمیانی شب پڑھا گیا۔ کاتب محمد اعظم نے اس کی کتابت کی اور گیلانی پریس، ہسپتال روڈ لاہور سے چھپا۔

آج آپ کے سامنے چند ضروری اور اہم مسائل پیش کیے جائیں گے، چند امورِ مہمہ زیرِ بحث لائے جائیں گے اور چند اصلاحی اور تنقیدی چیزیں پیش ہوں گی۔ ہمیں ٹھنڈے دل سے ان باتوں پر غور کرنا چاہیے۔ احتساب و تبصرہ کے بعد جو نقائص نظر آئیں، انھیں بغیر کسی بحث و تمحیص کے دور کر دینا چاہیے اور جو عملی سبق حاصل ہوں انھیں پوری طرح یاد رکھنا ضروری ہے کہ دنیا میں وہی قوم سر بلند ہو سکتی ہے جس کی کام کرنے والی قوتیں بے دار ہو جائیں اور جس کی زندگی پیکرِ عمل اور جس کی حیات حرکت آفرین ہو۔

یہاں رسمی تکلفات کی ضرورت نہیں اور نہ کسی تعارف کی احتیاج۔ آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں اور مَیں آپ کو بہ خوبی پہچانتا ہوں۔ اگر شکریہ اَدا کیے بغیر مفر نہ ہو تو مَیں آپ کا مشکور [شکر گزار] ہوں کہ آپ نے میری دعوت مخلصانہ قبول فرمائی اور آپ میرے سپاس گزار بن جائیں کہ مَیں ہمیشہ آپ کی بھلائی کی باتیں کرتا ہوں اور میری شروع سے یہ دلی خواہش ہے کہ مسلمان کی حیثیت سے آپ دین اور دنیا دونوں میں سرخ روئی حاصل کریں اور ارتقائی منازل و مراحل طے کرنے میں آپ کو ہر قدم پر کامیابی و کامرانی نصیب ہو۔ آمین!

مادیت و روحانیت

حضرتِ انسان کی تخلیق یا ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد جب اس نے خداداد ذہانت، عقل و شعور، بالغ نظری اور حقیقت شناسی سے کام لینا شروع کیا اور اپنے گرد و پیش پر نگاہیں دوڑائیں، فوق و تحت [اوپر اور نیچے] کا جائزہ لیا اور اپنے ماحول کا مطالعہ کیا تو وہ حیران اور مبہوت ہو کر رہ گیا۔

اس کے سر پر سورج چمک رہا تھا جس کی شعاعیں آنکھوں کو خیرہ کرنے والی اور چکا چوند پیدا کرنے والی تھیں، جس کی روشنی اقصائے عالم کو منور کرنے والی اور جس کی گرمی اور تپش سطحِ ارضی کو آگ کی طرح گرم کرنے والی۔ رات کو چاند اپنی ٹھنڈی اور لطیف چاندنی سے بقعۂ ارض کو منور بنانے والا اور ستارے اپنی دل فریب جگمگاہٹ اور دیدہ زیب چمک سے دل کو لبھانے والے۔ اس آسمان پر اُسے اور بھی دل کش مناظر دکھلائی دیے۔ کہیں قوسِ قزح کی رنگینی، کہیں کہکشاں کی رعنائی و زیبائی، بادلوں کا گھرنا، مینہ کا برسنا، بجلی کی چمک، رعد کی کڑک، ہواؤں کا چلنا اور مختلف صورتوں سے، کبھی ہوا کے تیز تھپیڑوں سے مضبوط اور تناور درخت بھی اکھڑ جاتے اور کبھی بادِ نسیم اور بادِ صبا کے خوش گوار، لطیف اور دل پسند جھونکے۔

اس نے آگے پیچھے اور دائیں بائیں نظریں دوڑائیں۔ ایک طرف سر بہ فلک پہاڑ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا [۲] کے مطابق اکڑ کر چلنے والوں کو دعوتِ مقابلہ دے رہے تھے۔ ان کی برف پوش پُرشکوہ چوٹیاں، ان کے دامن میں سبزہ زاروں کی کثرت، پھوٹنے والے چشمے، گرنے والی آبشاریں، قسم قسم کے پھول، زمردیں

گھاس، دیوقد درخت، پھل دار بوٹے ایک عجیب منظر پیدا کر رہے تھے۔ میدانوں کو دیکھا، کہیں بہنے والے ندی نالے، کہیں تیز رَو اور ٹھاٹھیں مارنے والے دریا، کہیں ناپیدا کنار سمندر، اس کا مدوجزر، کہیں لق و دق صحرا اور بے آب و گیاہ چٹیل میدان اور پھر بڑے مہیب سے مہیب اور چھوٹے سے چھوٹے جانور نظر پڑے۔ جنگلات میں شیر اور چیتے، ہاتھی اور گینڈے، ہرن اور گیدڑ۔ سمندر میں بیسیوں قسم کی مچھلیاں اور دوسرے آبی جانور۔ میدانوں میں گائے، بھینس، بکریاں، بھیڑیں چر رہی تھیں۔ کبوتر، فاختائیں اور چڑیاں اڑ رہی تھیں۔ سانپ بچھو و دیگر حشرات الارض رینگ رہے تھے اور کیڑے مکوڑوں کی فوجیں رسد رسانی کے کام میں مصروف تھیں۔ غرض سطح ارضی پر جان دار حیوانات نے ایک دھما چوکڑی مچا رکھی تھی اور اللہ تعالیٰ کے لشکر مختلف ٹولیاں اور گروہ بنا بنا کر گشت کر رہے تھے۔

انسان نے پہلے تو ان سب چیزوں کو حیرت و استعجاب سے دیکھا۔ کسی کے مطالعہ سے ڈر اور خطرہ محسوس کیا۔ کسی سے مانوس ہونے لگا اور کسی نے اس کے دل کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ بھی اسی تذبذب میں تھا کہ سب سے پہلے اُسے عناصر کی جنگ سے دوچار ہونا پڑا۔ تیز جھکڑ اُسے اڑائے لیے جا رہے تھے۔ بارش سے وہ بھیگ رہا تھا۔ گرمی اسے جُھلس [جلا] رہی تھی۔ سردی سے وہ ٹھٹھرنے لگا۔ اس لیے اس کو اپنے تحفظ و بقا کے لیے غور کرنا پڑا اور لطف یہ ہے کہ اس کے ناخن اس قابل نہ تھے کہ ان سے زمین کھرچ سکتا۔ اس کی ٹانگیں اتنی تیز رَو نہیں تھیں کہ دوڑ کر عناصر کی گرفت سے بچ نکلتا۔ بالآخر سوچ بچار کے بعد اس نے تیز پتھروں کی مدد سے پہاڑوں میں غاریں بنا لیں اور چٹانوں کے اندر خندقیں کھود لیں مگر اس عجیب، عاجز و بے ضرر مخلوق کو دیکھ کر سارے موذی حیوانات اس کے پیچھے پڑ گئے۔ شیر نے اسے چیرنے پھاڑنے کی ٹھان لی۔ چیتے کو اس کا گوشت لذیذ نظر آیا۔ بھیڑیے نے اس پر دانت تیز کرنے شروع کر دیے۔ سانپ نے اپنا پھَن اٹھایا اور اسے ڈسنے کے لیے دوڑا۔ بچھو نے اپنا ڈنگ تیز کر لیا اور اس پر جھپٹ پڑا۔ گِدھوں اور چیلوں کی بن آئی۔ حتیٰ کہ ننھے منے کیڑے بھی ایک لقمہ تر سمجھ کر اس سے چمٹ گئے۔ اب ایک طرف حضرت انسان ہے اور ایک طرف حیوانات کا جمِ غفیر اور حشرات الارض کا لاؤ لشکر۔ انسان نے سوچا کہ ان سے رہائی اور مخلصی کیسے ہو؟

بالآخر عقل نے یاوری کی اور شعور نے رہ نمائی۔ اس نے تیز دھار پتھر اٹھا کر حملہ آوروں پر وار شروع کر دیے اور کیڑے مکوڑوں کو اپنے پاؤں سے مسلنے لگا اور رفتہ رفتہ سب پر غلبہ حاصل کر لیا اور [اسے] چھٹکارا نصیب ہوا۔ اس کے بعد انسانی تحقیق و تجسس نے پہاڑوں سے لوہا لے کر اور اسے آگ سے گرم کر کے ہتھیار بنانا شروع کیے۔ پہلے تلواریں بنیں، نیزے بنے، چاقو بنے، چھریاں بنیں اور پھر انھی اسلحہ کی ترقی یافتہ صورتیں بندوقوں اور توپوں کی شکل میں نمودار ہوئیں۔

لباس اور خوراک نے بھی ارتقائی مراحل طے کرنے شروع کیے۔ پہلے کیلے کے پتوں سے سترِ عورت [پردہ پوشی] ہونے لگا پھر کھالوں سے بدن ڈھانپے جانے لگے۔ ان کی جگہ لوئیوں [اونی لباس] نے لی پھر کپاس کاشت کی گئی اور سوتی کپڑے بننے لگے اور ملبوسات میں جو ترقی ہوئی وہ آپ کے سامنے موجود ہے۔ علیٰ ہذاالقیاس خوراک کا معاملہ ہے۔ پہلے پھلوں پر گزر اوقات تھی پھر اجناس کو بویا گیا اور کاٹا گیا۔ پہلے کھانے کے لیے صرف گندم یا جو کی روٹی تھی یا فواکہات از قسم کھجور وانار وغیرہ اور اب کئی قسم کے مشروبات ہیں اور قسم قسم کے ماکولات۔

یہ سب کچھ ہوا اور ہو رہا ہے مگر انسان کی توجہات کا اصلی مورد اور محور جو چیز ابتدائے آفرینش سے بنی رہی ہے وہ دنیا کی مخلوق اور کائنات کی گونا گونی اور بوقلمونی نہ تھی بل کہ یہ سوال اس کے بدوِ شعور [شعور کی ابتدا] سے لے کر تکمیلِ شعور تک اور عہد حجریات سے لے کر عہد حاضرہ کی ترقیات تک اس کے دل میں پیدا ہوتا چلا آیا ہے کہ یہ جو کچھ ہمیں نظر آ رہا ہے یہ سلسلۂ کائنات، یہ مادی دنیا، یہ عجائباتِ عالم، یہ سورج کی تابانی، یہ چاند کی درخشانی، یہ ستاروں کی جگمگاہٹ اور ان کا اوقات معینہ پر طلوع و غروب، یہ موسمی تغیرات، یہ چشموں کا پھوٹنا، یہ فواروں کا اُبلنا، یہ آبشاروں کا گرنا، یہ عناصر کی دار و گیر اور پھر ان میں اعتدالی کیفیت، یہ نظامِ عالم، یہ اس کی ترتیب و تدوین، یہ تدابیر امور، یہ سلسلہ عدم و بود، یہ معاملۂ فنا و بقا، یہ تولید، یہ نشو و نما اور پھر موت اور سب سے بڑھ کر یہ روح کا ناقابلِ فہم مسئلہ، کیا یہ ساری چیزیں خود بہ خود بن رہی ہیں، سنور رہی ہیں اور بگڑ رہی ہیں یا یہ تار کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہے اور پتلی کی طرح ہر شے کو نچایا جا رہا ہے؟ اور مادہ کے وجود کو اگر موجودہ طبیعیات کے نظریہ کے ماتحت تسلیم بھی کر لیا جائے تو مادہ میں ارادہ کہاں سے آ گیا؟ یہ تنوّع کس طرح پیدا ہو گیا؟

اگر مادہ کسی خاص ترکیب سے ایک پھول کی شکل میں متشکل ہوتا ہے تو پھر پھولوں کا رنگ ایک جیسا کیوں نہیں ہوتا؟ خودرو گھاس کی مختلف اقسام کیوں ہیں؟ غلہ اور اجناس متفاوت [مختلف] کیوں ہیں؟ انسان کی خلقت کا مادۂ حیات اگر ایک ہے تو قد و جسم، اعضا و جوارح میں فرق کیوں ہے؟ طبعی عمر ایک جیسی کیوں نہیں ہوتی؟ بینائی، شنوائی، سونگھنے، چکھنے میں سب برابر کیوں نہیں بل کہ حواسِ خمسہ باطنی میں جو فرقِ عظیم نظر آتا ہے اس کا سبب کیا ہے؟

ان سوالات کا جواب مادہ پرست دنیا بالکل نہیں دے سکتی اور اس کا قصور بھی نہیں۔ ظاہر بین لوگ وہی کچھ دیکھ سکتے ہیں جو کہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہو۔ وہی کچھ سن سکتے ہیں جہاں تک ان کی قوت سامعہ کی رسائی ہو اور وہی کچھ سوچ سکتے ہیں جہاں تک ان کا شعور ان کی رہ نمائی کرے۔

یاد رکھو کہ ان آنکھوں کے علاوہ اور آنکھیں بھی ہیں۔ ان کانوں کے بغیر اور کان بھی ہیں اور اس دل و

دماغ کے ماسوا انسان کے اندر ایک اور آلۂ افہام وتفہیم بھی ہے۔تم کہتے ہو ہم خدا کو نہیں دیکھ سکتے۔ یہ درست ہے ان آنکھوں سے تم واقعی نہیں دیکھ سکتے لیکن اگر تمھارے دل کی آنکھیں دیکھنے لگیں تو اسے دیکھا جا سکتا ہے اور دیکھنے والوں نے اس کے دیکھنے کا کب انکار کیا ہے؟ تمھارے کانوں میں اگر روئی ٹھونسی ہوئی ہے تو تم غیبی آوازوں کو نہیں سن سکتے لیکن تمھارے دل کے کان اگر کھلے ہوں تو تم بہت کچھ سن سکتے ہو۔تمھاری فقاہت محدود ہے، تمھاری سمجھ ناقص ہے اور تمھارا شعور ادھورا۔تم اگر سمجھنا چاہو تو سمجھانے والے موجود ہیں۔تمھیں اگر رازہائے درونِ پردہ کا انکشاف مطلوب ہو تو رازدانوں کی کمی نہیں :

تو ہی نادان چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے [۳]

مادیت کے پرستار اور روحانیت کے انکار کرنے والو! تمھارا علم جُہل سے بھی کم ہے۔ یہ جو کچھ تم نے مدرسوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مغز خراشی کرتے کرتے سیکھا ہے اور جسے تم دنیا کے سامنے فخر اور غرور سے پیش کر رہے ہو یہ اس علم کے مقابلہ میں دریا اور قطرہ کی مناسبت بھی نہیں رکھتا۔تم کہتے ہو کہ جو چیز غیر مرئی اور غیر محسوس ہے وہ غیر موجود ہے۔اس بودی دلیل کو خداوند عالم کی ہستی پر منطبق کرنے لگتے ہو حالاں کہ اس کی ذات تو مرئی اور محسوس ہے۔ وہ دیکھا جا سکتا ہے، اسے دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں اور اگر کوئی دیکھنا چاہے تو دکھلانے والے موجود ہیں۔ وہ غیر محسوس کیوں ہونے لگا۔ ہر حس میں وہ محسوس ہو رہا ہے اور ہر ادراک میں وہ مدرک [جس کا ادراک کیا جائے] ہے۔کون کہتا ہے کہ وہ دور بستا ہے؟ وہ تو نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ [۴] شاہ رگ سے بھی نزدیک تر ہے اور اس کی بستی ایک مومن کا دل ہے۔ وَفِيۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ [۵] ۔تم اسے باہر ڈھونڈتے پھرتے ہو اور وہ تمھارے اندر بس رہا ہے۔

تم جو سارے جہان کی باتیں جاننے کے دعوادار ہو۔طبقاتِ الارض کے ماہر کہلاتے ہو۔طبیعیات و مابعد الطبیعیات تک تمھاری رسائی ہے۔حقائق الاشیا کی چھان بین میں تم نے ساری عمر صرف کر دی ہے۔علم النفس پر تمھیں عبور ہے۔ ہیئت، ریاضی، اقلیدس، منطق، فلسفہ تم نے سبقاً پڑھے ہیں۔تمھارے دماغ ہر چیز کی ہیئت ترکیبی کا جائزہ لینے والے ہیں اور تمھاری تحقیق وتفتیش کا دائرہ اب آسمانوں تک بھی جا پہنچا ہے۔

مجھے صرف یہ بتلا دو کہ تم خود کون ہو؟ تمھاری روح کیسے پیدا ہوئی؟ یہ حواسِ خمسہ ظاہری اور باطنی تمھارے اندر کیسے گھس گئے؟ تمھاری روح کہاں سے آتی ہے اور کہاں جاتی ہے؟ تو پھر ہم تمھاری فرزانگی اور دانائی کے قابل ہو جائیں گے۔ دراصل تم جُہل مرکب کے مرض میں مبتلا ہو چکے ہو۔تم جس شے کو علم سے تعبیر کرتے ہو وہ تو محض ایک جُہل ہے اور جسے تم روشنی سمجھے بیٹھے ہو وہ تو ایک گھپ اندھیرا ہے۔زانوائے تلمذ تہ کر کے

بیٹھو۔ پہلا پڑھا پڑھایا سب کچھ بھول جاؤ۔ نئے سرے سے الف با تا پڑھنے لگو تا کہ تمھیں کچھ بتلایا جائے، کچھ سمجھایا جائے مگر زبان سے نکلنے والے حروف سے نہیں بل کہ ایک دل کا کنکشن اور اتصال دوسرے دل سے ہو جائے اور دل را بدل رہیست [۶] کے مطابق حروف و اصوات کے ذریعہ نہیں بل کہ توجہات و اثرات کے ذریعہ ایک کا علم دوسرے کے سینہ میں منتقل ہو جائے اور معرفتِ نفس کا سبق پڑھتے پڑھتے معرفت حق نصیب ہو۔ وَلَنِعْمَ مَاقِيْلَ۔ [۷] مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ [۸]

حاضرین کرام! آج اس فقیر نے ٹھان لیا ہے کہ ایک دیرینہ بحث کا فیصلہ کر دیا جائے اور کوئی کسر چھوڑے بغیر۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم فلاں خانقاہ پر جاتے ہیں مگر فیض حاصل نہیں ہوا۔ بعض معترضین شکایت کرتے ہیں کہ ہم نے فلاں بزرگ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور بیعت سے مشرف ہوئے مگر اتنے سال گزر جانے اور بہت دفعہ حاضری دینے کے باوجود ہمیں کچھ نہیں ملا، فیض سے محروم ہیں اور ہمیں عرفان کی تجلّی نظر نہیں آئی اور بعض ضعیف الاعتقاد اس امر کے شاکی ہیں کہ وظائف کی پابندی کے باوجود آنکھیں لذّتِ دید سے آشنا نہیں ہوئیں اور سلوک و طریقت کی راہیں نہیں کھلیں۔

یہ فقیر آپ سے دریافت کرتا ہے کہ کس دن آپ نے اپنے شیخ یا مرشدِ طریقت سے یہ التجا کی ہے کہ آپ مجھے واصل باللہ کر دیں، خدا سے ملا دیں اور غیرت و دوئی کے جو حجابات فی مابین حائل ہیں انھیں ہٹا دیں۔ تم لوگ اولیا کے پاس اور اللہ کے مقبول بندوں کے پاس تو صرف دنیاوی خواہشات اور اغراض لے کر جاتے ہو۔ تمھیں اولاد کی خواہش، بیوی کی تمنا، زمین کی ہوس، مقدمہ میں حصولِ فتح و کامیابی، دشمن پر غلبہ و نصرت، و ہم چو قسم معاملات کی طلب ہوا کرتی ہے اور وہ خدا کے مہربان اور رحیم بندے تمھاری ہمدردی کی خاطر دعائے خیر کر دیتے ہیں۔ تمھاری تالیفِ قلب کرتے ہوئے تعویذ دے دیتے ہیں۔

خدارا! مجھے بتاؤ کہ تم میں سے کون شخص ہے جس نے خدا شناسوں کے سامنے یہ مطالبہ کیا ہو کہ مجھے اللہ کا راستہ دکھا دیں، مجھے اللہ کا بندہ بنا دیں اور مجھے خدا سے ملا دیں؟ اگر تم اہل اللہ کے سامنے دنیا کے مطالبات پیش کرو تو ان کی غیرت یہ کب گوارا کر سکتی ہے کہ تمھاری طلبِ صادق کے بغیر ایک اتنی بڑی نعمت تمھارے جیسے نا قدر شناس کے حوالہ کر دیں اور تم میں سے اگر بعض افراد اوراد و وظائف کی اجازت طلب کرتے ہیں تو معاف رکھا جائے وہاں بھی مقصود بالذات شہرت پسندی، جاہ طلبی اور مرجع عوام و خاص بننا ہے اور کہ لوگ ہمارے بھی ہاتھ پاؤں چومیں اور نذرانے پیش کریں۔ تمھاری نمازیں بے لذت کیوں ہیں؟ تمھارے روزے بے کیف کیوں ہوتے ہیں؟ ادائے زکوۃ کے باوجود دل مزکیٰ [پاکیزہ] کیوں نہیں ہوتا؟ فریضۂ حج اَدا کرنے کے بعد بھی کوئی تبدیلی کیوں نہیں ہوتی؟ محض اس لیے کہ تمھارا دل دلدار کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور سکون قلبی اور تسکین کا احساس

تمھیں حاصل نہیں۔

آؤ! خدارا اپنے اوقات میں سے کوئی وقت یادِ خدا کے لیے بھی وقف کر دو۔ آج میرے ساتھ صدق ِ دل سے وعدہ کرو کہ ہر روز کم از کم پانچ منٹ ہم اللہ تعالیٰ کی خاطر مخصوص کرتے ہیں اور اتنے قلیل عرصہ میں اس کی یاد کے بغیر اور کوئی یاد دل میں نہیں آئے گی۔ اتنا وقت ہم دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اس کی طرف آنکھیں لگائے رکھیں گے۔ ہمارے کان دوسری آوازیں سننے سے انکار کر دیں گے مگر اس کی پکار پر گوش برآواز ہو جائیں گے اور ہماری زبان بہ ظاہر بالکل چپ رہے گی لیکن اس کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں ضرور ہوا کریں گی۔ اگر اتنی فرصت بھی اس کا تقرب حاصل کرنے کی خاطر آپ نکال سکیں تو پھر ان شاءاللہ روحانیت کی راہیں تم پر کھل جائیں گی۔ طریقت و معرفت کے راستے کشادہ ہوتے چلے جائیں گے اور عرفان کی تجلیات سے تمھارے دل منور ہو جائیں گے۔

ؔ چشم بندو گوش بندو لب بہ بند
گر نہ بینی سرِّ حق برمن بخند [9]

تحریک حزب اللہ کے دورِ حیات پر ایک عبرانی نظر

آج سے پورے پچیس سال پہلے جسے ہم ربع [چوتھائی] صدی سے موسوم کر سکتے ہیں۔ عالمِ کون و مکاں، جہانِ تکوین و تمثیل میں ایک عجیب و غریب انقلاب رونما ہوا۔ ایک ایسے انسان کے کندھوں پر جو اپنے آپ کو کم زور خیال کرتا تھا، ایک بارِ گراں رکھ دیا گیا اور ساتھ ہی اسے تحمّل و برداشت کی طاقت بھی بخش دی گئی۔ ایک ایسی شخصیت جس کی پہلی عمر ناز و نعم اور آرام و آسائش میں بسر ہوئی، جس کا دماغ ناآشنائے غم اور جس کا دل تفکراتِ زمانہ سے ہمیشہ آزاد رہا اسے سارے جہان کا غم دے دیا گیا اور دنیا بھر کے تفکرات کا مرجع و مورد بنا دیا گیا اور پھر اسے غموم و ہموم سے مردانہ وار عہدہ برآئی کی توفیق بھی عطا فرمائی گئی۔

قوم کی بے راہ روی اور غلط اقدامات ایک مسلمہ حقیقت بن چکے تھے۔ امّت مرحومہ کے اخلاقی تنزل، اقتصادی انحطاط، روحانی پستی، سیاسی بے شعوری، اسلام سے بُعدیت اور تعلیماتِ اسلامیہ سے بیگانگی، اصحابِ بصیرت و امعان و اربابِ فکر و اذعان [اطاعت و تسلیم] کو خون کے آنسو رلانے والی تھیں۔ بیمار قوم کے سرہانے بیٹھ کر رونے اور رُلانے والے بہت تھے۔ آنسوؤں کی جھڑیاں لگ رہی تھیں۔ آہ و بکا، نالہ و شیون کی صدائیں آسمان تک پہنچ چکی تھیں مگر ایسا کوئی بھی نہ تھا جو اپنے مختل شدہ حواس کو درست کر کے اور صبر و ضبط سے کام لے کر مریض کے علاج و معالجہ کی عملی تدابیر اختیار کرتا۔ ناصحینِ مشفق قطار در قطار آئے اور انھوں نے مسلمانوں کے

اندر پیدا شدہ خرابیوں، غلطیوں اور کوتاہیوں پر لے دے کی، آوازے کسے، نکتہ چینیاں کیں، حرف گیری سے کام لیا مگر کسی سے یہ نہ ہوسکا کہ ان کی اصلاح یا درستی کر سکتا اور غلط رَو قوم کی صحیح رہ نمائی [کرتا]۔ حالات بڑے مایوس کُن، حوصلہ شکن اور صبر آزما ہو چکے تھے اور تنقید و تبصرہ کرنے والوں نے علیٰ وجہ البصیرت یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ اندریں حالات مسلمان کا بحیث القوم زندہ رہنا یا اقوامِ عالم کے تسابق و تقابل میں قائم رہنا از قبیل محالات ہے۔

اس فقیر کے وہم و فکر اور سان وگمان میں بھی نہ تھا کہ قدرت کی نگہِ انتخاب مجھ پر پڑنے والی ہے اور بڑے بڑے متقی، پرہیز گار، اہلِ علم و اصحابِ نظر کی موجودگی میں اصلاحِ امت و ہدایتِ قوم کا جلیل القدر و عظیم الشان کام میرے سپرد ہونے والا ہے اور پھر جو خدمت میرے ذمہ لگائی گئی وہ تدریج و اِمہال [مہلت دینا] کے ساتھ نہیں بل کہ یکا یک اور بَغْتَةً [اچانک] حکم صادر ہوا کہ تم اپنے آپ کو اس قابل سمجھو یا نہ سمجھو، تمھارا دماغ اس کو تسلیم کرے یا نہ کرے ہم نے تمھیں اصلاحِ قوم و تنظیمِ ملت کی خاطر چن لیا ہے۔ اے وہ کہ احساسِ ملی و دردِ ملی، بدؤ [ابتدائے] شعور سے تمھارے دل میں کروٹیں لیتا چلا آ رہا ہے۔ تمھاری پریشانی، پژمردگی اور گھبراہٹ کبھی ذاتی مطالبات یا نفسانی خواہشات پورا نہ ہونے کے باعث نہیں ہوئی بل کہ جب کبھی تمھیں اپنی غلط رَو گم کردہ راہ اور صِرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے بھٹکی ہوئی قوم کا خیال آیا اور ملتِ مرحومہ کے شان دار ماضی کا تم نے اس کے موجودہ زار و ترار [کم زور] حال سے مقابلہ کیا اور اس کے تاریک اور بھیانک مستقبل کا لرزہ براندام کرنے والا تخیل تمھارے سامنے آیا۔ تم بجائے اس کے کہ عورتوں کی طرح ٹسوے بہاتے، زمامِ صبر و شکیب کو ہاتھ سے دے دیتے اور یاس و قنوط، ناامیدی و محرومی کے احساس کہتری رکھنے والے جذبات و احساسات تمھارے دل و دماغ کو ماؤف کر دیتے اور تم ایک عضوِ معطل بن کر رہ جاتے۔ تم نے تہیہ کر لیا تھا کہ اپنی ہمت و استعداد کے مطابق نزعی حالت میں سسکیاں لینے والے مریض کو قُمْ بِاذْنِ اللّٰہ [10] کہہ کر بسترِ مرگ سے اٹھا کر چھوڑوں گا اور محوِ خوابِ غفلت قوم کو آوازیں دے دے کر، چٹکیاں لے لے کر اور جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بیدار کر کے دم لوں گا۔

چوں کہ تمھارے اندر تنازع للبقا اور جُہد للحیات کے جذبات کی فراوانی ہے اور قانونِ فطرت و سنت الٰہی کی صحیح فہمید [سمجھ] کی دولت تمھیں نصیب ہو چکی ہے اس لیے تمھیں ہم نے اس کام کے لیے منتخب کر لیا ہے۔ جو مصلحینِ امت و رہ نمایانِ ملت کے سپرد ہوا کرتا تھا۔ اب فکر و تامل لاحاصل ہے۔ اپنی بے بضاعتی اور نااہلیت کے عذرات نامسموع [نہ سنے جانے والے] و نامقبول ہیں۔ اپنی گردن بڑھا تا کہ تمھارے سر پر [وہ] بوجھ رکھ دیا جائے جس کے تحمل سے آسمانوں نے انکار کیا، زمین لرز گئی، پہاڑ مرتعش ہو گئے [11] مگر تمھاری جنس نے ناعاقبت اندیشی یا انجام بینی سے کام لیتے ہوئے اس کی برداشت پر رضامندی کا اظہار کر دیا اور تو کہ ابنائے جنس کا ایک ممتاز فرد ہے اور اپنے اسلاف کرام کی ایک بہترین یادگار۔ اپنے پرانے وعدہ کو ایفا کر اور یومِ الست [12] و یوم

میثاق [۱۳] والی باتوں کو سامنے رکھ کر میری ربوبیت والوہیت کو عملاً تسلیم کرتے ہوئے اور اپنی رضا کو میری رضا کے ماتحت لاتے ہوئے اپنے ذمہ شدہ فرائض کو مردانہ وار پورا کر کے دکھلا اور میری رضا حاصل کرتا کہ جواباً میں بھی تمھیں راضی کر سکوں۔

ان راز و نیاز کی باتوں کے بعد مرحمت فرمائیوں، کرم گستریوں اور بندہ نوازیوں کے بعد امتثالِ امر و تعمیلِ ارشاد ناگزیر تھا۔ سرِ تسلیم خم کر دیا تھا۔ اطاعت کی گردن جھکا دی گئی اور کمر ہمت چست باندھ کر یہ فقیر تَوَكُّلًا عَلَى اللّٰه [۱۴] میدانِ عمل میں نکل آیا :

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان موج افزا
دل افگندیم بِسْمِ اللّٰهِ مُجْرِيْهَا وَمُرْسٰهَا [15]

پچیس سال کا زمانہ کوئی معمولی زمانہ نہیں۔ انسان کی طبعی عمر کا ایک بڑا حصہ ہے اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج سے پچیس سال پہلے جو لڑکے پیدا ہوئے آج لڑکوں کے باپ ہیں۔ اس وقت کے جوان اب بوڑھے ہو چکے ہیں اور عمر رسیدہ اصحاب اپنی جان جاںِ آفریں کے حوالہ کر چکے ہیں۔ یہ فقیر بھی اس وقت جوان تھا، صحت مند تھا اور چاق و چست۔ اب کہولت [بڑھاپے] کے آثار نمایاں ہو چکے ہیں، صحت جواب دے چکی ہے، علل و اسقام کا آماج گاہ بن رہا ہوں مگر بِحَمْدُلِلّٰهِ کہ ناراستیِ طبع [طبیعت کی خرابی] کے باوجود دماغ درست حالت میں ہے۔ اعضا و جوارح اگرچہ نسبتاً کم زور ہیں مگر ارادہ اور ہمت اسی طرح بلند اور جسم کی نقاہت نے دل و دماغ پر کوئی اثر نہیں ڈالا بل کہ جسمانی انحطاط کا نعم البدل روحانی ارتقا کی شکل میں عطا ہو چکا ہے اور ایامِ مستعار کا اختتام جوں جوں قریب آ رہا ہے، تمنائے وصال و خواہشِ تقرب اور بڑھ رہی ہے اور جی چاہتا ہے کہ سارے جہان کے کام جانِ جہاں کی خاطر چھوڑ دیئے جائیں اور اس کی دھن میں مست ہو کر اس کی شرابِ محبت سے سرشار ہو کر اور اس کے جمالِ پُر انوار کے نظارۂ دید میں محو ہو کر ہر شے کو ترک کر دیا جائے تا کہ اس کی دید کی پیاسی آنکھیں ہر وقت اسی کی طرف ٹکٹکی لگائے رکھیں۔ دنیا کی آوازیں سننے سے کان انکار کر دیں اور اس کے نواہائے شیریں فردوس گوش بنے رہیں۔ وہ دل جس میں کہ وہ متمکن ہے وہ حقیقی کعبہ جس میں کہ وہ ساکن ہے اور وہ قلب صافیہ کی سرزمین جہاں کہ ہمیشہ اس کا ورود ہوا کرتا ہے اب اسی کے لیے وقف ہو جائے۔ اس کے اردگرد خاردار باڑ لگا دی جائے تا کہ کوئی غیر اس کی طرف جھانک نہ سکے اور نہ ہی ہماری خلوت گاہِ راز میں کوئی دخیل کار بنے مگر کیا کیا جائے جب کہ :

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقاً لَاَطَعْتَهٗ
اِنَّ الْمُحِبُّ لِمَنْ يُّحِبُّ يُطِيْعٗ [۱۶]

کے مطابق ادعائے محبت وعشق اور دعوا غلامی ومحکومی کے بعد اپنے مہربان آقا اور قدر دان محبوب کی تعمیلِ احکام سب سے مقدم ہوا کرتی ہے اور اپنی رضا اس کی رضا کے ماتحت کیے بغیر اس کی رضا جوئی مشکل۔ اس لیے جب تک کہ اس کی مرضی ہوگی یہ دورے جاری رہیں گے، یہ جلسے منعقد ہوا کریں گے اور خرابیِ صحت کے باوجود یہ کام ہوتا رہے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ پچیس سالہ تگ ودو وجدوجہد اور محنت شاقہ کے بعد عملی نتیجہ کیا نکلا؟ تحریک کو آپ نے الہامی قرار دیا۔ اپنی ساری نقل وحرکت کو کسی اشارہ کے ماتحت تسلیم کیا اور اس سلسلہ میں جو بھی اقدامات ہوئے آپ کے عقیدہ کے مطابق ان کا موفق [توفیق دینے والا] ومعین ذات باری تعالیٰ عزاسمہ کے سوا اور کوئی نہیں۔ پھر کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ ان پچیس سالوں کے اندر آپ نے مسلمانوں کے ارتقا وعروج اور ان کی فلاح وبہبود کے لیے کیا کیا عملی کارروائیاں کی ہیں؟ اور دوسرے مدعیانِ باطل اور گندم نما جوفروشوں ۱؎ کے مقابلہ میں آپ نے کون سے کارہائے نمایاں کر دکھلائے ہیں کہ قوم ان کو ہمیشہ یادر کھے اور وہ باتیں آپ کی بہترین یادگار متصور ہوں؟

سوال نہایت معقول اور وزن دار ہے لیکن اس کا جواب بھی بتوفیقِ الٰہی مسکت ومبرہن [خاموش کر دینے والا اور دلائل سے آراستہ]۔ سب سے پہلا شان دار کارنامہ جو جماعت حزب اللہ کی طرف ہم نہایت فخر ومباہات سے منسوب کر سکتے ہیں وہ مسلمانوں کی بگڑی ہوئی ذہنیت کی اصلاح ہے کہ آج سے پچیس سال پہلے مسلمان کا ذہن اصلاحِ حال کی طرف قطعاً متوجہ نہ تھا۔ اسے احساسِ زیاں مطلق نہ تھا۔ طبیعت میں تخریبی صورتیں جا گزین ہو چکی تھیں اور تعمیر ودرستی کی طرف اس کا ذہن کبھی منتقل نہیں ہوتا تھا۔ اجرائے تحریک کے بعد اس کی ذہنی اصلاح شروع ہوگئی۔ امیر حزب اللہ کے مسلسل دوروں، پیہم جلسوں اور پُر مغز تقریروں نے مسلمانوں کے خیالات میں ایک خوش گوار تبدیلی پیدا کر دی۔ انھیں اپنی غلط روش اور کج روی کا احساس ہونے لگا۔ وہ اپنے موجودہ طرزِ عمل پر پریشان نظر آنے لگے اور انھیں اپنے مستقبل کو شان دار بنانے کے لیے جو تدابیر بتلائیں گئیں ان پر بہ خوشی خاطر عمل کرنے کو تیار ہو گئے۔ اہم ترین اسلامی فریضہ جہاد کے ترک کرنے کے سبب سے وہ جن لعنتوں میں ماخوذ تھے ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے انھوں نے ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیے اور استخلاصِ وطن اور حصولِ آزادی وحریت کے لیے انھوں نے اپنی زندگیاں وقف کرنے کا عَلٰی رُءُوسِ الْاَشْهَادِ [گواہوں کے سامنے] اعلان کر دیا۔ اس کے علاوہ ان کی طبیعتوں میں نیکی اور پارسائی کے بلند خیالات پیدا ہونے شروع ہوئے اور آج ماشاءاللہ آپ کو ارکان ورضا کارانِ حزب اللہ میں ورع واتقاء، خشیت الٰہی ورجوع الی اللہ کی جو امتیازی شان نظر آئے گی وہ کسی اور جماعت میں نہیں ہوگی۔

مثلاً گزشتہ فسادات کے موقع پر جب کہ بڑے بڑے مدعیانِ صدق وصفا کے دامن بھی لوٹ کھسوٹ کے داغ سے نہیں بچ سکے۔ وہاں نوجوان رضا کارانِ حزب اللہ محض اللہ اور اس کے رسول اللہ خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو راضی کرنے اور امیرِ حزب اللہ کے سامنے شرمندہ نہ ہونے اور اپنی جماعت کو بدنامی سے بچانے کی خاطر باوجود استطاعت وتوفیق اپنا دامن بچا کر لے گئے اور ہمیں اس بات کا فخر ہے کہ سارے پاکستان میں صرف حزب اللہ ایک ایسی جماعت ہے جس کا دامن ہم چوقسم آلائشوں سے ملوث ہوتے نہیں پایا اور آئندہ بھی ان شاء اللہ یہ صورت برقرار رہے گی۔

پھر جہادِ کشمیر میں ہمارے رضا کاروں نے ایک ہزار کی تعداد میں جس والہانہ جوش جہاد کا مظاہرہ کیا ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ جہادِ فلسطین پر رضا کاروں نے اپنی خدمات پیش کیں۔ پھر امسال جب کہ حکومت کی طرف سے اس خطرہ کا اظہار ہوا کہ بھارت کی فوجیں نوے فی صدی کے حساب سے پاکستان کی سرحدوں پر پھیل گئی ہیں اور جنگ کا عظیم خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ اس فقیر نے اپنے سارے رضا کاروں اور اپنے مخلص برادرانِ طریقت کی خدمات غیر مشروط طور پر حکومت کے پیش کریں اور اب بھی یہ پیش کش انھیں الفاظ میں موجود ہے کہ اگر بھارت اور پاکستان کی جنگ ناگزیر ہوگئی تو ہماری جماعت کا ہر فرد اس آزادی کی جدوجہد میں اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دے گا لیکن دشمن کے ناپاک قدم پاکستان کی مقدس سرزمین پر نہ آنے دے گا۔

غرض کہ ایک طرف مسلمانوں کی ذہنی اصلاح، اقتصادی اصلاح، تمدنی اصلاح، ایمانی اصلاح اور روحانی اصلاح میں جماعت حزب اللہ نے محیر القول کارنامے کر دکھلائے اور دوسری طرف ان کی قومی تنظیم، عسکری تنظیم اور جماعتی تنظیم کے لیے وہ عملی تدابیر سامنے لائی گئیں جن کا ایک مخالف سے مخالف کو بھی اعتراف ہے اور پاکستان کے ہر گوشہ میں رضا کارانِ حزب اللہ کو ان کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور سرفروشانہ جذبات کے اعتبار سے بڑی قدر ومنزلت کی نگاہوں سے دیکھا جا رہا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔[۱۸]

حزب اللہ کا حقیقی نصب العین اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط

یہ جو کچھ گنایا گیا ہے اس کا تعلق حزب اللہ کے شاندار کارناموں اور جماعت کی بہترین خدماتِ اسلامی، بلند ترین جذبات ملی اور قابلِ ستائش وتحسین احساساتِ قومی سے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حزب اللہ کی تشکیل وتاسیس، حزب اللہ کی تدوین وترتیب، حزب اللہ کی تعمیر وتخلیق کی حقیقی غرض وغایت کیا تھی؟ وہ کون سی ضرورت تھی اور احتیاج جسے پورا کرنے کی خاطر، وہ کون سی تشنگی تھی اور پیاس جسے بجھانے کی خاطر اور وہ کون سی

کمی تھی اور فروگذاشت جسے رفع کرنے کی خاطر ایک نئی جماعت کا قیام عمل میں لایا گیا؟ حزب اللہ کی منزل مقصود کون سی ہے؟ اس کا مطمع نظر کون سا ہے؟ اس کا نصب العین کیا ہے؟

اس حقیقت کو بکرّات ومرّات [بار بار] واضح کیا جا چکا ہے، اس راز درونِ پردہ کو دوستوں کی محفل میں بیسیوں بار ظاہر کیا جا چکا ہے اور کسی مصلحتِ وقت، تقاضائے زمانہ، حالات کی موافقت یا ناموافقت کی پروانہ کرتے ہوئے امیرِ حزب اللہ بھری مجلسوں میں ہزارہا سامعین کے سامنے بِلَالَوْمَةَ لَآئِمٍ ، کھلے لفظوں اور لگی لپٹی بغیر یہ اعلان کر چکا ہے اور پھر اس زمانہ میں جب کہ برطانیہ کا راج تھا، انگریز کی حکومت تھی اور کافروں کا غلبہ واستیلا جب کہ سچی بات کہنا ایک جرم تھا نا قابل عفو، حق کی آواز بلند کرنا منصور حلاج کی طرح سولی پر چڑھنے کی دعوت تھی اور اللہ کا نام لینا اور اس کی حکومت کا تذکرہ اپنے آپ کو قانون مروجہ کی قربان گاہ کی بھینٹ چڑھانے کا مستوجب بنتا تھا۔ بایں ہمہ [اس کے باوجود] اس قدوس بندہ نواز، اس منعمِ حقیقی اور اس متصرف کامل کا یہ احسانِ عظیم اور بہت بڑی شفقت وعنایت تھی کہ اس نے اس فقیر کو جرأت وجسارت بخشی، میرا حوصلہ بڑھایا اور اس امر کی توفیق عطا فرمائی کہ مَیں سرزمین کفر والحاد میں اس کا پیارا نام بلند کروں۔ طاغوتی حکومت، اہرمنی طاقت اور ابلیسی قوت کی موجودگی میں حکومت الٰہیہ کی صدائے دل نواز زبان سے نکالوں اور اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ [19] کا وعظِ یوسفی لوگوں کے کانوں تک پہنچاؤں۔ اعلان بالکل واضح اور غیر مبہم تھا کہ ایک مسلمان اگر صحیح معنوں میں کلمہ توحید پڑھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر ایمان رکھنے والا ہے اور توحید و رسالت کا اقرار کرنے والا۔ اس کا ایمان راسخ نہیں ہوگا، اس کا عقیدہ کامل نہیں ہوگا اور وہ کبھی سچا موحد اور مخلص مومن نہیں کہلائے گا جب تک کہ وہ سارے جہان کا باغی ہو کر ایک ذات مطلق کا وفادار نہیں بنے گا۔ جب تک ہر مادی شے اور فانی چیزوں سے سرکشی واعراض کر کے حقیقی اور غیر فانی طاقت کے سامنے فرطِ عجز وانکسار سے جھک نہیں جائے گا اور جب تک ظاہری حکام، انسانی حکومتوں اور خودساختہ اربابِ حل وعقد کے آہنی پنجہ ودستِ تظلم سے چھٹکارا حاصل کر کے غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر اور اَنْدَاداً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی گرفت سے آزاد ہو کر ایک ہستی واجب الوجود اور ایک قائم بالذات فعّال مطلق [20] کا طوقِ غلامی اپنے گلے میں اور آویزہ [لٹکا ہوا گوشوارہ] محکومی اپنے کانوں میں نہیں ڈال لے گا۔

ہر مجلس، ہر محفل اور ہر مجمع کو یہ پیغام پہنچایا کہ انسان کے اندر قدرت نے جو گونا گوں قابلیتیں اور جو بوقلموں صلاحیتیں پیدا کر رکھی تھیں، اسے شرف ومجد کا جو منصبِ رفیع عطا ہوا ہے اور اسے تکریم وتعظیم کا جو قیمتی خلعت پہنایا گیا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دنیا کی ہر مخلوق پر اپنا تصرف واقتدار قائم کرے۔ نباتات، جمادات اور حیوانات سب پر اپنی حکومت کا سکہ بٹھائے۔ سورج کو اپنا زرخرید غلام سمجھے، چاند کو اپنا تابع فرمان اور ستاروں

کو اپنا مطیع و منقاد۔ سمندروں کو اپنی مرضی کے مطابق کھنگال ڈالے۔ دریاؤں کی روانی میں اس کا دست تصرف کارفرما ہو۔ آگ کو وہ خود ہی جلائے اور بجھائے۔ بادل اس کے اشارہِ چشم وابرو پر برسنے لگیں اور تھم جائیں۔ فَسَخَّرْنَالَهُ الرِّيْحَ [۲۱] کے مطابق ہوائیں اس کے زیرِ تسخیر ہوں اور فضائیں اس کی مکمل ملکیت۔ تمام حیوانات کی حرکات وسکنات پر اسے قابو ہو۔ نباتات کا اُگنا، پھلنا، پھولنا اس کی خواہش کے ماتحت ہو۔ وہ پتھروں کو توڑ پھوڑ کر چشمے بہائے۔ پہاڑوں کو چیر پھاڑ کر دھاتیں برآمد کرے، پٹرول حاصل کرے اور دفینے برآمد۔ اسی پر اکتفا نہیں وہ اپنی جنس انسان کے کسی فرد بشر کے سامنے بھی اپنی اکڑی ہوئی گردن نہ جھکائے جب کہ بہ حیثیت انسان سب کے سب برابر اور مشترک ہیں۔[۲۲] پھر ایک انسان کو کیا حق ہے کہ اپنے جیسے انسان کو اپنا غلام بنائے اور اسے اپنے احکام منوانے پر مجبور کرے؟ نہیں اگر انسان کی گردن جھک سکتی ہے تو اسی ایک ذات اقدس کے سامنے جو کہ اس کا خالق بھی ہے، مالک بھی ہے، منعم بھی ہے اور اس کی ربوبیت اور پرورش کرنے والا۔

حضرتِ انسان کو کسی شے سے نہیں ڈرنا چاہیے جب کہ تمام کائنات پر اسے قدرت نے غلبہ واستیلا بخشا ہے۔ شیر جنگل کا بادشاہ اور سارے حیوانوں پر عظمت واُبہت [شان وشوکت] رکھنے والا لیکن اسے ایک بندوق کی گولی سے ٹھنڈا کیا جاسکتا ہے۔ ہاتھی ایک بڑا قوی الجثہ اور مہیب جانور ہے لیکن انسان کا ایک بچہ بھی اسے نکیل کے بغیر محض اپنی حسنِ تدبیر سے ہانک سکتا ہے۔ سانپ ہزار ڈسنے والا اور بچھو ہزار کاٹنے والا کیوں نہ ہو لاٹھی کی ایک ضرب سے ہلاک کیا جاسکتا ہے۔ ایک انسان کو دوسرے انسان پر فوقیت اگر ہو سکتی ہے تو علم وعمل کے اعتبار سے ورنہ ایک انسان کو کیا حق ہے کہ وہ اپنے جیسے انسان پر رعب ڈالے اور اسے مرعوب وخائف کرنے لگے۔

ہاں انسان کے دل میں اگر خشیت پیدا ہونی چاہیے۔ اگر اُسے خوف کرنا چاہیے اور اگر اسے ڈرنا چاہیے تو اس جبار وقہار سے جس کے قبضہِ قدرت ودستِ تصرّف میں ہر چیز ہے اور جس کی ہمہ رسی اور ہمہ گیری کی یہ کیفیت کہ ایک ذرہ بھی اس کے اذن وحکم کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا۔ جو خالق الکائنات بھی اور مدبر الامر بھی۔ جس نے صرفِ تخلیقِ عالم پر قناعت نہیں فرمائی بل کہ ربوبیت اور پرورش کا کام بھی اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ ایک ایسی بے پناہ قوت اور ایک ایسی عدیم المثال طاقت اور ایک ایسی غَالِبٌ عَلٰی كُلِّ اَمْرِهٖ [۲۳] حکومت سے خائف ہونا، مرعوب رہنا اور اس کی حصولِ رضامندی کی خاطر اپنا آپ وقف کر دینا انسانی فطرت، تقاضائے بشریت اور اقتضائے آدمیت کے عین مطابق ہے۔

پھر ہم ایسے بادشاہوں کی رعایا کیوں بنیں جنھیں ثبات واستقلال نصیب نہیں۔ جنھیں غنیم [دشمن] آکر تخت سے اتار دیتا ہے۔ جو شکست خوردہ ہو کر جلاوطن ہو جایا کرتے ہیں اور جن کی جان ملک الموت کے رحم پر

ہے۔جن کے ملکوں میں بغاوتیں ہوتی ہیں، بدامنی پیدا ہوتی ہے، سول نافرمانی ہونے لگتی ہے مگر وہ کچھ نہیں کر سکتے اور خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے ہیں۔نہیں نہیں ہم ایسی زوال پذیر حکومتوں، ایسی فانی طاقتوں اور ایسے کم زور بادشاہوں کی غلامی نہیں کریں گے بل کہ سب سے بغاوت کر کے، سب سے سرکش ہو کر اور سب سے اعراض کرتے ہوئے ایک ایسی طاقت کے سامنے جھک جائیں گے، اپنے سرِ تسلیم خم کر دیں گے، اپنی پیشانی اس کے آستان قدس وجلال پر رکھ دیں گے جسے کبھی فنا نہیں، جس کی حکومت کبھی زوال پذیر نہیں ہو سکتی اور جسے ہمیشہ اور ہمیشہ کے لیے بقا اور دوام حاصل ہے۔

اسلام نے یہی تعلیم اپنے متبعین کے سامنے پیش کی جس کے عواقب ونتائج اس عملی صورت میں برآمد ہوئے کہ عرب کے غیر متمدن، غیر مہذب اور عجمی تکلفات سے نا آشنا لوگوں نے ایک ذات مستجمع الصفات علیہ الف الف تحیات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیرِ قیادت ورہ نمائی، اللہ تعالیٰ کی حکومت کا حلفِ وفاداری اٹھایا۔ قیامِ حکومت الٰہیہ کی خاطر اپنا تن من دھن نچھاور اور قربان کر دیا۔ مئے توحید سے سرشار اور شرابِ محبتِ الٰہی سے سرمست اور دیوانے ہو کر بڑھے اور اُس زمانہ کی جابر وقاہر قیصر وکسریٰ کی حکومتوں کی اینٹ سے اینٹ بجا کر تاجِ خسروی اپنے سر پر رکھ لیا اور رومی تخت پر متمکن ہو گئے مگر ہوسِ ملک گیری وخواہشِ استعمار اُن کے پیشِ نظر نہیں تھی۔ وہ تو صرف انسانی بادشاہت کی جگہ اللہ کی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق بادشاہ بنا دیے گئے تو ان کی جبینِ نیاز، جس طرح کہ ایک ٹوٹی ہوئی چٹائی پر سجدہ ریز تھی، رومن امپائر کے تخت پر بیٹھ کر اور ایرانی وساسانی دولت کے مالک ہو کر بھی ان کی پیشانی اس کے آستانِ جلال پر گھستی رہی اور دنیاوی عروج وجمال ان کی غلامانہ ذہنیت پر کوئی اثر نہ ڈال سکا۔مسلمان کی یہ ایک شان امتیازی اور ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ وہ اگر کسی سے دوستی کرتا ہے تو محض اللہ تعالیٰ کی خاطر اور دشمنی کرتا ہے تو اس کی خاطر۔اس کے دوستوں سے تعلقات پیدا کرتا ہے تو اسی کی خاطر اور اس کے مراسم منقطع ہو جاتے ہیں تو محض اس کی عزت وآبرو کے بقا وتحفظ کے سلسلہ میں۔[۲۴]

یہ فقیر اس مسئلہ کو نہ سمجھ سکا کہ ہم رعایا تو ہوں احکم الحاکمین کی اور حکم مانیں سرکارِ برطانیہ کا۔ ہر نماز کی ہر رکعت میں اللہ تعالیٰ کو یہ یقین دلائیں کہ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ [۲۵] کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی سے مدد چاہتے ہیں اور ہماری گردنیں جھکنے لگیں کافروں کے سامنے اور ہم ٹھوکریں کھاتے پھریں سفید چمڑی والے انگریزوں کی کوٹھیوں میں۔منعمِ حقیقی کو حاجت روا قرار دے کر ہم حاجت برآری کی درخواستیں لے جائیں اس کے دین کے دشمنوں اور کافروں کے پاس۔

غرض یہی خیالات وجذبات تھے جن کے زیرِ اثر امیرِ حزب اللہ نے حضور مخبر صادق خاتم النبیّین

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان مبارک کہ سب سے اچھا عمل یہ ہے کہ ایک مسلمان کلمۃ الحق یا سچی بات ایک جابر بادشاہ کے روبہ رو کرنے سے نہ ہچکچائے [۲۶] کے مطابق حکومت الٰہیہ کا اعلان کر دیا۔ مسلمانوں کو کافر حکومت سے بغاوت کرنا اور اللہ تعالی کی حکومت سے وفاداری کا سبق سکھلانا شروع کیا اور رضا کارانِ حزب اللہ کی بھرتی محض اس خاطر شروع کی گئی کہ حالات مساعد ہونے پر خروج کیا جائے یعنی وہ کام جو سنہ ستاون کے غدر یا صحیح معنوں میں جہادِ حریت کے وقت نہیں ہو سکا تھا اور تشنۂ تکمیل رہ گیا تھا اسے پورا کیا جائے اور اپنے ملک کو انگریز کی غلامی سے آزاد کرایا جائے۔ ابھی اس جہادِ عظیم کی تیاری شروع تھی، کئی ایک موثر اور قابل عمل سکیمیں پیشِ نظر تھیں، کاروان طے منزل وقطعِ مسافت کے لیے تیاری کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور شفقت نے پاکستان کی شکل اختیار کر لی اور پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں کے سر پر حکومت اور بادشاہت کا تاج رکھ دیا گیا اور سیاسی وملکی حالات سے مجبور ہو کر انگریز بے یک بنی و دو گوش برصغیر ہند کو دو حصوں میں تقسیم کر کے با چشم گریاں و دلِ بریاں [۲۷] ولایت چلا گیا اور ان شاء اللہ اس کا منحوس قدم فاتحانہ حیثیت سے پاکستان میں پھر نہیں آئے گا۔

یہ سودا ہمیں سستا تو نہیں پڑا اور اس خلفشار اور تبادلہ آبادی میں مسلمانوں کو جو قربانیاں دینی پڑی ہیں، ان کا بے گناہ خون جس بے دردی سے بہایا گیا ہے، مسلمان بیویوں کی جو عصمت دری ہوئی ہے، مسلمان معصوم بچوں کو جس بے رحمی و وحشیانہ طریق سے ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا ہے یہ وہ ناسور ہیں جو ہمارے دلوں سے کبھی مندمل نہیں ہو سکتے اور یہ وہ خوں چکاں زخم ہیں جن کا اِندمال [مندمل ہونا] مرورِ ایام سے بھی نہیں ہو سکے گا۔ بایں ہمہ اس تصویر کا روشن پہلو بھی تھا کہ ہمیں انگریز کی غلامی سے نجات ملی اور ایک وسیع و عریض اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی گئی جو اپنے وسیع رقبہ اور کثیر آبادی کے اعتبار سے سارے ممالکِ اسلامیہ سے بڑھ چڑھ کر ہے اور ساری اسلامی ریاستوں اور حکومتوں کا مرجع و مآل۔ اللہ کریم اسے حوادثِ دہر سے محفوظ رکھیں اور شرِ مخالفین و معاندین و حاسدین سے مامون۔ آمین!

پاکستان کا قیام اور اس سے جو توقعات وابستہ تھیں ان میں ناکامی

چشم بد دور۔ پاکستان اپنی نرالی شان اور آن بان سے جلوہ فرمائے محفلِ جہان ہو گیا۔ اس کے عالمِ کتم سے منصۂ شہود پر آنے کی مسرت میں قصائد لکھے گئے، شادیانے بجائے گئے، خوشیاں منائی گئیں۔ دنیا میں اس نوخیز سلطنت کا چرچا ہوا۔ سارے ملکوں نے ایک خالص اسلامی مملکت کے قیام کو حیرت واستعجاب کی نگاہوں سے دیکھا بالخصوص دنیا بھر کے مسلمانوں کے اندر فرحت وانبساط کی ایک لہر دوڑ گئی اور ایک خداداد اسلامی سلطنت کا

اضافہ ہو جانے پر سب نے تبریک وتہنیت پیش کی اور تحسین وستائش کا اظہار کیا۔

اس فقیر کو قدرتی طور پر اس سے لگاؤ پیدا ہوا اور اس امر کا اطمینان حاصل کہ ان شاء اللہ حزب اللہ کا حقیقی نصب العین اب پورا ہونے والا ہے جب کہ دشمنِ اسلام برطانیہ کا اخراج ہو گیا ہے اور مسلمانوں کو بلا شراکت غیرے ایک حکومت حاصل ہوگئی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے غلاموں کو اس کی نظرِ کرم ونگاہ التفات سے جو کچھ ملا ہے وہ حقیقتاً اسی کی ملکیت ہے اور نتیجہ کے طور پر اس کے اندر جو قانون بنے گا وہ خالص اسلامی قانون ہوگا اور جو آئین تیار ہوگا وہ خالص اسلامی آئین اور پھر جب لیاقت علی خان (مرحوم) نے وزیر اعظم کی حیثیت سے قرار داد مقاصد کو مرکزی مجلس وضع آئین وقوانین سے پاس کرالیا تو بعض طبائع میں جو شکوک وشبہات تھے وہ بھی رفع ہو گئے اور پاکستان کے مسلمانوں کو بالخصوص اور سارے جہان کے مسلمانوں کو بالعموم اعتراف کرنا پڑا کہ پاکستان کے قیام کے بعد اس سے جو توقعات قائم کی گئی تھیں ان کے پورا ہونے کا مبارک زمانہ آ گیا ہے اور بہت مختصر عرصہ میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اور عطا فرمودہ زمین پر اس کا بتایا ہوا قانون نفاذ پذیر ہونے والا ہے۔

لیکن دنوں کی انتظار میں ہفتے، ہفتوں کی انتظار میں مہینے اور مہینوں کی انتظار میں کئی سال گزر گئے اور معلوم نہیں کہ وعدہ فردا سے مراد فردائے قیامت ہے اور انتظار ایک نہ ختم ہونے والے زمانہ کا دوسرا نام ہے کہ ابھی تک اس سلسلہ میں کوئی بھی عملی اقدام نہیں ہوا ہے۔ دو تین تنخواہ دار مولوی برائے ترتیب وتسویدِ آئین اسلامی مقرر بھی ہوئے۔ انھوں نے کچھ مبادیات بھی طے کیے ہوں گے مگر محض بدیں خیال کہ مسلمان کہیں یہ سوال نہ کر دیں کہ طبقۂ علما نے کہاں تک اپنی تحقیقات پہنچائی ہیں انھیں سرے سے ہٹا ہی دیا گیا تا کہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔[28]

اب کار ردر دستِ بچگاں افتاد[29] والا معاملہ ہے کہ جو لوگ شرعی قانون اور اسلامی آئین بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ انھیں تو اس کام کے لیے درخور داعتنا نہیں سمجھا گیا اور جو مغرب زدہ خیالات رکھنے والے انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ ہے وہ اسلامی تعلیمات وخصوصیات سے محض نابلد۔ حکومت کے بعض اصحاب مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول ڈال کر اور ابلہ فریبیوں سے کام لے کر یہ کہتے سنے گئے ہیں کہ عن قریب قرار داد مقاصد کو عملی رنگ میں سامنے لایا جائے گا اور جو قانون مرتب ہوگا وہ علیٰ نہج الشریعت مگر یہ سب دھوکا اور فریب ہے، مکر وخِدع [دھوکا] ہے، ایک معاملہ کو ٹال دینے کے حیلے بہانے ہیں۔ جب اربابِ بست وکشاد کی نیت میں فتور ہو، وہ اپنی ذاتی کم زوریوں کو مرورِ ایام کی آڑ میں چھپا رہے ہوں اور جب حدودِ شرعیہ کے نفاذ کی زد براہ راست ان کی اپنی ذات پر اور ان کے لواحقین ومتعلقین پر پڑنے والی ہو، وہ کس طرح دیدہ ودانستہ یہ مصیبت مول لے سکتے ہیں۔

غرض حکومت کا یہ مجرمانہ تغافل اور خودسرانہ طرزِ عمل ان مسلمانوں کے لیے صبر آزما و ناقابل برداشت ہو رہا ہے جنھوں نے قیامِ پاکستان کو حکومت الٰہیہ کا ایک پیش خیمہ سمجھ رکھا تھا اور جن کے خیال میں پاکستان اور حکومت الٰہیہ باہم دگر مرادف و مقارن [ملے ہوئے] ہیں بل کہ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھنے والے ہیں اور اگر پاکستان بننے کے بعد بھی وہی قانون باقی رہنا ہے، تعزیراتِ ہند کے وہی مردود و مطرود [چھوڑے ہوئے] دفعات قائم رہنی ہیں اور انگریز ابلیس کے چلے جانے کے بعد بھی اگر اس کے تیار کردہ شیطانی قانون نے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑنا تو سوائے اس کے کہ ہم کھلے اور غیر مبہم الفاظ میں اس حقیقت کا اظہار کر دیں کہ اگر رحمان کے بنائے ہوئے قانون (قرآن حکیم) کو شیطان کے بنائے ہوئے قانون (تعزیرات ہند) کی جگہ رائج نہ کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے حدود مقررہ کا اجرا نہ ہوا اور ہمارے تمام معاملات، مقدمات اور اختلافات کا فیصلہ شریعت غرا کے مطابق نہ کیا گیا تو جو آئین بھی قرآن حکیم کے صریح احکام کے خلاف بنایا گیا، جو قانون بھی قانونِ الٰہی سے متصادم ہوا اور جو فرمان بھی فرمانِ خداوندی سے متعارض ہوا۔ ہم نہ صرف یہ کہ اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیں گے بل کہ حکومت کے اصحابِ حل و عقد کان کھول کر سن لیں کہ اسے پائے استحقار سے ٹھکرا دیا جائے گا اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم اس کے خلاف مظاہرے کریں گے، صدائے احتجاج بلند کریں گے اور جب تک اسے ردی کی ٹوکری میں نہ ڈلوا دیں نہ خود چین سے بیٹھیں گے نہ چین سے بیٹھنے دیں گے اور چارہ کار ہی کیا ہے؟

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قیامِ پاکستان بہت حد تک پاکستان کے مشائخ عظام کا رہینِ منت ہے اور اگر حضرات مشائخ جماعتی طور پر پہلے انتخابات میں مسلم لیگ کا غیر مشروط طور پر ساتھ نہ دیتے تو اس وقت کے حالات کے مطابق اس کی کامیابی کے امکانات بہت کم تھے اور اگر مسلم لیگ کامیاب نہ ہوتی تو اس کا اثر قیامِ پاکستان پر ناگزیر تھا مگر مشائخ عظام نے فرض شناسی اور عاقبت اندیشی کا ثبوت دیا اور اپنی باطنی توجہات اور ظاہری ارشادات سے کام لے کر مسلم لیگ کو شان دار طریق سے کامیاب بنایا۔ اس کے بعد بھی ہم پاکستان کے ایک وفادار شہری کی حیثیت سے اس کی بقا و استحکام کے ضامن ہیں اور اس کے عروج و ارتقا کے صدقِ دل سے متمنی و خواہش مند لیکن ہماری یہ وفاداری اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وفادار رہنے کے ساتھ مشروط ہے۔ لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِی مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ [30] کے یہی معنی ہیں کہ مخلوق کی اطاعت اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ خالق کی معصیت اور نافرمانی نہ کرے اور وَاَطِیْعُوا اللّٰهِ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کہ اللہ تعالیٰ اس کے رسول مقبول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے اولی الامر یا حاکم کی تابع داری تمھارے فرائض میں داخل ہے کے بعد نص قطعی بدیں الفاظ وارد ہے۔ وَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ [31] کہ اگر تمھارا اور تمھارے

اربابِ حکومت کا کسی معاملہ میں اختلاف رائے ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش کر دو اور انھی کا فیصلہ ہر حالت میں مقدم و مرجح ہوگا اور چوں کہ دوسری آیت میں صراحتاً موجود ہے کہ

فَلَاوَرَبِّكَ لَايُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَايَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا O [۳۲]

ترجمہ: کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تیرے رب کی قسم یہ لوگ ایمان دار نہیں کہلا سکتے جب تک اپنے تنازعات میں تمھیں اپنا حکم اور ثالث نہ بنائیں اور پھر تیرے صادر کردہ فیصلہ کو بلا چون و چرا تسلیم نہ کر لیں اور اگر تمھارا فیصلہ ان کی خواہشات کے مطابق نہ بھی ہو تو بھی اسے برا نہ منائیں اور تمھارے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

اس لیے ان واقعات وشواہد کی روشنی میں حکومت کے اصحاب بست وکشاد کو اپنی غلط روی پر نظر ثانی کرنی چاہیے، اپنے وعدہ کو پورا کرنا ان کا اخلاقی فرض ہے ورنہ وہ یاد رکھیں مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر اسے مداخلت فی الدین کبھی گوارا نہیں ہو سکتی۔ اسے حاکم وقت کے ساتھ وفادار رہنے کی تعلیم دی گئی ہے مگر اسے پہلے اپنے اللہ اور اس کے رسول پاک خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وفادار رہنا چاہیے اور بعد میں کسی دوسرے کا۔

یہ تو رہا معاملہ قرارداد مقاصد کا۔ اب اگر پاکستان کے باشندگان اور شہریوں کے اعمال و افعال و اقوال کا جائزہ لیا جائے تو بہ امر مجبوری یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حالات بے حد دل خراش، دل سوز اور ناگفتہ بہ صورت اختیار کر چکے ہیں۔ منہیاتِ شرعیہ کا کھلم کھلا ارتکاب ہو رہا ہے۔ جرائم کی رفتار روز بہ روز بڑھ رہی ہے۔ رشوت ستانی تقریباً ہر ملازم کی گھٹی میں پڑ چکی ہے۔ انصاف ومعدلت گستری کا فقدان ہو رہا ہے۔ خود غرضی، مطلب پرستی، قبیلہ پروری، خویش نوازی کا دور دورہ ہے اور ایک امریکی مبصر کی رپورٹ کے مطابق کہ پاکستان کا وجود بھی ایک معجزہ تھا اور چار پانچ سال کے عرصہ تک اس کا قائم رہنا بھی ایک اعجاز سے کم نہیں۔

تعجب اس بات کا نہیں کہ پاکستان کیسے بنا؟ حیرت انگیز تو یہ بات ہے کہ اتنی بے اعتدالیوں، خرمستیوں اور اخلاق سوزیوں کے باوجود اس کا وجود کس طرح موجود ہے؟ قدرت سزا دہی اور گرفت کے معاملہ میں بڑے صبر وتحمل سے کام لیتی ہے لیکن جب مواخذہ شروع ہو جائے تو وہ بہت ہی شدید قسم کا ہوا کرتا ہے۔ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ [۳۳] اور پھر پاکستان کے باشندے بہ شمولیت حکام کان کھول کر سن لیں کہ خدا کے وعدے سچے ہوا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے :

وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ [۳۴]

ترجمہ: کہ ہم نے صحیفہ زبور میں اپنے ذکر کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ میری زمین کے وارث وہی ہوں گے جو صالح اور نیک ہوئے یا بالفاظ دیگر ان میں صلاحیتِ بقا موجود ہوئی۔

پھر آپ ہی بتلائیں کہ پاکستان کے اندر نیکی اور پرہیزگاری کی کیا گت بن رہی ہے؟ خداترسی اور خشیت الٰہی کس حد تک موجود ہے؟ ارکانِ خمسہ کی ادائیگی کس شکل میں ہو رہی ہے؟ اعانتِ مظلوم وامدادِ مساکین کے لیے کتنے ہاتھ بڑھتے ہیں؟ نالۂ یتیم وآہِ بیوہ سے کتنے دل پسیجتے ہیں؟ حقوق اللہ وحقوق العباد کا کہاں تک تحفظ کیا جا رہا ہے؟ اور دوسرے معنوں میں قوم کے اندر صلاحیت بقا پیدا کرنے کی کون سی تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں؟ اہم ترین فریضہ جہاد کی ترغیب وتحریص کے لیے کون سا فرقہ اپنی تمام کوششیں بروئے کار لا چکا ہے؟ اور ایثار وقربانی کے جذبات جس کے بغیر ایک قوم بام عروج وارتقا تک پہنچ ہی نہیں سکتی کہاں تک افرادِ قوم کے دلوں میں پیدا ہو چکے ہیں؟

پھر اگر یہ ساری باتیں مفقود ہیں۔ عیش پسندی، آرام طلبی، تعطل وجمود، بے حسی وعدمِ احساس قوم کی رگ وریشہ میں سرایت کر چکے ہیں اور اس کے ذمہ دار افراد فرض شناسی، خدمتِ قوم اور حب الوطنی کے احساسات کھو چکے ہیں تو پھر وراثت ارضی کا منصب جلیل کب تک قائم رہے گا اور پاکستان کی حکومت کب تک برقرار؟

اب بھی وقت ہے کہ راعی اور رعایا دونوں سمجھ جائیں گزشتہ را صلوٰۃ کہتے ہوئے آئندہ را احتیاط اختیار کریں۔ حکومت کے نشہ میں مخمور حکام احکم الحاکمین کے عذاب سے خوف کریں۔ قدرت کی مضبوط گرفت سے لرزہ براندام ہوں۔ ان کے اپنے اندر جو کمزوریاں ہیں انھیں دور کر کے عامۃ المسلمین کو رشد وہدایت کی باتیں بتلائیں اور سب سے بڑھ کر اولین فرصت میں قرارداد مقاصد کی روشنی میں بعض چیدہ علما ومنتخب مشائخ کی نگرانی میں آئینِ اسلام مرتب کرا کر دنیا کے سامنے پیش کر دیں تاکہ دیگر ممالک اسلامیہ بھی اس سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے ہاں بھی یہی آئین نافذ کرنے لگیں اور مَنْ سَنَّ سُنَّةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمَلَ عَلَيْهَا [۳۵] انھیں مزید ثواب حاصل ہو اور پاکستان کے عام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ اجرائے احکامِ شرعیہ ونفاذِ آئینِ اسلامیہ سے پیشتر وہ اپنے حالات کا صحیح جائزہ لے کر اپنی پوری اصلاح کریں۔ اس سے پہلے کہ چوری کی سزا میں ان کے ہاتھ کاٹے جائیں۔ بدکاری کے جرم میں انھیں سنگ سار کیا جائے یا درّے لگائے جائیں۔ شراب پینے کے عوض ان کے جسم قمچیوں سے ادھیڑے جائیں۔ وہ خود ہی ان معاصی وکبائر سے تائب ومجتنب ہو جائیں تاکہ ایک طرف حکام کو احتساب کے معاملہ میں آسانی ہو اور دوسری طرف جو کام کہ انسان اپنی

مرضی ومنشا سے چھوڑ دے وہ اس سے بہ درجہا بہتر ہے کہ بہ جبر واکراہ اس سے چھڑایا جائے۔

ہماری یہ دلی خواہش اور قلبی تمنا ہے کہ ہم پاکستان کو اسم بامسمّٰی کی شکل میں دیکھیں۔ جس کے باشندگان کے ارادے پاک، نیتیں صاف، اعمال پسندیدہ، اخلاق حمیدہ، ذہنیتیں اصلاح یافتہ، طبیعتیں راستی پسند، خصلتیں اچھی، عادتیں نیک ہوں اور اگر ایک طرف انھیں پاک بازی، پاک روی، پاک خیالی اور پاک عملی کی صورت نظر آئے تو دوسری طرف وہ ایثار اور قربانی کے پتلے بن جائیں۔ ان کے اندر تہور، شجاعت، بسالت، جوان ہمتی، مردانگی، بلند حوصلگی، سیر چشمی، وسیع الخیالی کے جذبات پیدا ہو جائیں اور جہاد و سرفروشی کی خاطر ان کی زندگیاں وقف ہونے لگیں :

یارب ایں آرزوئے من چہ خوش است
تو بہ ایں مدعا مرا برساں[۳۶]

تحفّظ وبقائے پاکستان

یہ جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے اس کا تعلق ہمارے خانگی معاملات سے ہے۔ یہ گھر کے جھگڑے ہیں جو ان شاء اللہ مٹ جائیں گے۔ یہ فروعی اختلافات ہیں جو رفع ہو جائیں۔ یہ آپس کے گلے شکوے ہیں جو دور ہو جائیں گے۔ پاکستان ہمارا ہے اور ہم اس کے پاسبان ہیں۔ اگر برسرِ اقتدار پارٹی ہمارے دینی اور شرعی مطالبات نہ مانے گی تو ہم بہ موقع انتخاب اسے دوبارہ سربرآرائے حکومت نہیں ہونے دیں گے مگر غالبًا اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ وہ ہمارے بھائی ہیں، مسلمان ہیں، ان کے دلوں میں بھی اسلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت واحترام بہ درجہ اتم موجود ہے۔ وہ بھی قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب مانتے ہیں۔ پھر کیوں وہ ہماری بات نہ مانیں گے؟ اور بات بھی وہ جس کا تعلق ذاتی مفاد سے نہیں بل کہ دینی اور شرعی معاملات سے ہے اور یہ تصریح اس لیے ضروری سمجھی گئی ہے کہ کہیں ہماری مخلصانہ نکتہ چینی کو اغیار ہماری باہم دگر خصومت و عداوت پر محمول نہ سمجھنے لگیں اور ہماری نااتفاقی سے ناجائز فائدہ نہ اٹھانے لگیں۔

انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ تحفظ و بقائے پاکستان کے سوال پر ہم پاکستان کے اندر بسنے والے سارے مسلمان پورے طور سے متحد ہیں اور ہم سب کا یہ ایمان ہے کہ پاکستان ہمارا ہے اور اس کی حفاظت ونگہداشت ہمارا فرضِ اولین۔ تمھیں علم ہے کہ بھارت کے اندر ابھی تک اکھنڈ بھارت کا پرچار زور وشور سے ہو رہا ہے اور سادہ لوح اور بے سمجھ لوگوں سے کروڑوں ووٹ اس ایک سوال پر حاصل کیے گئے ہیں کہ اگر ہماری پارٹی برسرِ اقتدار آ گئی تو اس کا پہلا کام بھارت سے پاکستان کا الحاق ہوگا۔

جن سنگھ کا پیش کردہ منشور ہمارے سامنے ہے اور شیاما پرشاد مکر جی کے خیالات ہمارے روبہ رو کہ وہ پہلے بھارتی مسلمانوں کو اپنا کافر بھائی بنائیں گے پھر پاکستان کو بہ زورِ شمشیر فتح کریں گے اور اس کے بعد آٹھ کروڑ پاکستانی مسلمانوں کو وہ اپنی قومیت اور مذہب کے اندر جذب کر لیں گے۔ پنڈت نہرو اس کے راوی ہیں کہ مکر جی نے بارہا لاہور پر ہلہ بول دینے پر مجبور کیا مگر وہ بعض مصلحتوں کی بنا پر ان کی بات نہ مانے۔ بہ ظاہر حالات کانگریس کی کامیابی کسی حد تک مقابلتاً مفید نظر آتی ہے مگر ایک ایسی قوم کا کیا اعتبار جس کے نہ کوئی اصول ہیں نہ اخلاق، طمع اور لالچ جس کی گھٹی میں پڑے ہوئے ہوں اور چمڑی جائے مگر دمڑی نہ جائے [۳۷] جس کا نصب العین ہو۔

بھارت میں قحط پڑتا ہے تو بھارت کے باشندوں کی نگاہیں قدرتی طور پر ہمارے پاکستان کی زرخیز اضلاع کی طرف اٹھنے لگتی ہیں۔ اگر ہم محض اپنے بچاؤ کی خاطر باہر سے اسلحہ منگواتے ہیں تو انھیں اپنی فکر پڑ جاتی ہے اور دنیائے اسلام کے بعض حساس طبیعت رکھنے والے علما کہیں آپس میں سر جوڑ کر بیٹھ جائیں اور اپنے مستقبل کے متعلق کچھ سوچنے لگیں تو ہمارے ہمسایہ ملک کے لوگ چیخ اٹھتے ہیں۔ فی مابین تعلقات خوش گوار کب تھے کہ اب زیادہ ناخوش گوار ہونے لگے ہیں؟ ابتدائے تقسیم سے باہم دگر بے اعتمادی پیدا ہو چکی ہے اور روز بہ روز اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ دشمن موقع کا منتظر ہے۔ اس کی فوجیں نوے فی صدی کے حساب سے ہمارے ملک پاکستان کی سرحدوں پر حکم کا انتظار کر رہی ہیں۔ ہمارے مجاہد اور سرفروش سپاہی بھی ان کے سامنے داد شجاعت دینے کو تیار بیٹھے ہیں۔ غرض ساری سرحد پر بارود بچھا ہوا ہے اور صرف آگ دکھانے کی دیر ہے۔ مابہ النزاع صرف ایک کشمیر کا مسئلہ نہیں بل کہ اور بہت سے لاینحل مسائل ہیں۔ دشمن اپنی جغرافیائی پوزیشن سے فائدہ اٹھا کر ہماری نہریں بند کر دینے اور غلام کشمیر سے آنے والے دریاؤں کے رخ بدل دینے کے منصوبے سوچ رہا ہے۔ بھارت سے آنے والے مہاجرین کی تعداد روز بہ روز بڑھ رہی ہے اور اگر یہی حالات قائم رہے تو پاکستان کے لیے ان نو وارد مہمانوں کی امداد ناقابل برداشت ہو جائے گی جب کہ پہلے ہی غذائی حالات چنداں تسلی بخش نہیں۔

جنگ کے لیے تو صرف ایک بہانہ چاہیے اور یہاں صرف حیلے بہانے بجائے خویش[خود] اختلافات موجود ہیں اور سب سے بڑا اختلاف دو قوموں کی تھیوری کا ہے۔ یہ اگر ناممکن ہے کہ سارے ہندو اسلام قبول کریں، اسی طرح یہ بھی امر محال ہے کہ مسلمان بحیث القوم ہندوؤں میں مدغم ہو جائے۔ پھر یہ تقسیم محض ایک خیالی تقسیم ہے اور ریڈکلف نے سہل انگاری سے کام لیتے ہوئے صرف سرحدوں پر ایک لکیر کھینچ دی۔ ہمارے علاقے ایک دوسرے میں گھسے ہوئے ہیں۔ ایک ہی نہر دو علاقوں سے گزر رہی ہے۔ ایک ہی دریا دونوں

ملکوں کی آب پاشی کرنے والا ہے۔ کھیت ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ چراگاہیں مشترکہ ہیں پھر تقسیم صرف نام کی تقسیم ہے۔

اس فقیر کا یہ عقیدہ ہے اور غیر متزلزل کہ برصغیر ہند میں ہندو اور مسلمان دونوں علاحدہ علاحدہ حکومتیں قائم نہیں کر سکتے اور بالآخر یا اسلام کو غلبہ ہوگا یا کفر کو اور حکومت ایک ہی قوم کے حصہ میں آئے گی۔ اس لیے اگر ہمارے ہندو پڑوسی یہ آس لگائے بیٹھے ہیں کہ اکھنڈ بھارت بن جائے اور ہندو راج ہو اور اگر از اں سو راندہ و ازیں سو درماندہ[۳۸] ناعاقبت اندیش اور برخود غلط انداز سکھ قوم "راج کرے گا خالصہ" کی رٹ لگا رہی ہے اور اس کے لیڈر ماسٹر تارا سنگھ انھیں سبز باغ دکھلا رہے ہیں تو ہمیں بھی یہ قدرتی حق ہے کہ مسلمانوں کو تسلی دلا دیں کہ ظاہر حالات کس قدر تشویش ناک کیوں نہ ہوں، دشمن کے پاس اسلحہ کی فراوانی، فوج کی زیادتی اور ملک کی فراخی کیوں نہ ہو اگر جنگ چھڑ گئی، اگر دار و گیر کا میدان گرم ہو گیا اور اگر معرکہ کارزار شروع ہو گیا تو ان شاء اللہ فتح ہماری ہوگی، نصرت الٰہی ہمارا ساتھ دے گی اور کامیابی ہمارے مقدر میں آچکی ہے۔

بایں ہمہ دشمن کی طرف سے بے توجہی اور غفلت ہرگز نہیں ہونی چاہیے بل کہ

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ[۳۹]

کہ جس حد تک ممکن ہو سکے دشمن کے مقابلہ میں قوت پیدا کرو اور گھوڑوں کو تیار کرو تا کہ اللہ تعالیٰ کے اور تمھارے دشمنوں پر رُعب اور ہیبت چھا جائے

کے مطابق تمھیں جہاد کے لیے مکمل طور پر تیاری کرنی چاہیے اور اس بات کا تہیہ کر لینا چاہیے کہ سرزمین پاکستان کو ہم کسی قیمت پر دشمن کے قبضہ میں نہیں جانے دیں گے اور اس کی حرمت برقرار رکھنے، اس کے تحفظ و بقا اور اسے اغیار کی دست برد سے محفوظ بنانے کی خاطر ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے اور نہ صرف یہ کہ دشمن کو اپنے پاک خطۂ زمین پر گھسنے نہیں دیں گے بل کہ اللہ تعالیٰ کی اعانت اور اپنے قوت بازو کے بھروسہ پر اسے دھکیلتے دھکیلتے دریائے گنگا کی موجوں کے حوالہ کر دیں گے یا اس کا مقام دریائے ہگلی، خلیج بنگال اور بحیرہ عرب کی مچھلیوں کا پیٹ ہوگا۔ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔[۴۰]

امیر حزب اللہ جس نے یہ خبر پڑھ کر بھارت کی فوجیں پاکستان کی سرحدات [سرحدوں] پر پھیل چکی ہیں بذریعہ تار اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر لیاقت علی خاں صاحب مرحوم کو حزب اللہ کے ایک لاکھ رضا کاروں اور اپنے تمام عقیدت مندوں کے خدمات کی پیش کش کی تھی۔ اب پھر ان الفاظ کو دھراتا ہے کہ

اگر پاکستان اور بھارت کی جنگ اٹل، کفر و اسلام کا تصادم یقینی اور حق و باطل کی آویزش حتمی ہوگئی تو

ان شاء اللہ یہ فقیر باوجودے کہ میری صحت کم زور ہے اور میرے ظاہری قوا مضمحل مگر اپنے رضا کاروں اور عقیدت مندوں کو اپنے ساتھ لے کر ہر اس محاذ پر جہاد کی خاطر جانے پر تیار اور کمر بستہ ہے جہاں کہ حکومت ہمیں بھیجنا چاہے۔ ہمارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ وعدہ ہے کہ اس جنگِ آزادی میں اپنی پیٹھ نہیں دکھائیں گے اور اس وقت تک لڑائی جاری رکھیں گے جب تک کہ ہمیں فتح ونصرت حاصل نہ ہو اور جب تک اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور برگزیدہ دین اسلام باقی تمام مذاہب وادیان پر غالب نہ آئے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ[۴۱]

ترجمہ: کہ مشرکین سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک کہ فساد وفتنہ کا مکمل طور پر سدِّ باب نہ ہو جائے اور سارے جہان پر اللہ کے دین اور اللہ کی حکومت کا اجرا و قیام عمل میں نہ آ جائے۔

کشمیر کا قضیہ نامرضیہ

قیامِ پاکستان کے بعد جو چیز کہ سب سے زیادہ جاذبِ توجہ، صبر آزما اور باعثِ تشویش واضطراب بن رہی ہے وہ مسئلہ کشمیر اور اس کا عقدہ لاینحل ہے جو کہ اتنے عرصہ کی پیہم کوششوں اور مسلسل مساعی کے باوجود اسی حالت میں ہے جہاں کہ اس کا آغاز ہوا تھا۔ اس پیچیدہ گتھی کو سلجھانے کے لیے جمعیت الاقوام کا ناخن تدبیر محض بے اثر ہو رہا ہے۔ ایک الجھاؤ اگر ہٹایا جاتا ہے تو بیسیوں الجھاؤ اور پڑ جاتے ہیں۔ ایک گرہ اگر کھولی جاتی ہے تو سیکڑوں گرہیں اور پڑنے لگتی ہیں۔ مسٹر گراہم کی ساری کوششیں بے کار ثابت ہوئی ہیں اور تگ ودو محض بے سود۔ بھارت کا آخری فیصلہ یہ ہے کہ وہ کشمیر کسی قیمت پر دینے کو تیار نہیں۔ پنڈت نہرو صاحب صاف لفظوں میں کہہ چکے ہیں کہ ہم کسی سے ڈر کر یا مرعوب ہو کر کشمیر نہیں چھوڑ سکتے اور پھر وہاں نام نہاد اسمبلی کا ڈھونگ رچایا گیا ہے اور دنیا کی آنکھوں میں جو دھول ڈالنے کی چال چلی گئی ہے اس نے ثابت کر دکھایا ہے کہ مجوزہ رائے شماری سے دیدہ ودانستہ گریز کیا جا رہا ہے اور جان بوجھ کر معاملہ کو معرضِ التوا میں ڈالا جا رہا ہے تا کہ پاکستان والے شور مچا مچا کر تھک جائیں اور غایت مافی الباب یہ فیصلہ کر دیا جائے جو علاقہ جس کے پاس ہے اسی کے پاس رہے اور یہی آخری صورت بالآخر فریقین منظور کر لیں۔

ہم بعض سیاسی مصلحتوں سے واقف نہیں اور ممکن ہے حکومت پاکستان کے اربابِ حل وعقد کے سامنے کوئی ایسا راز درونِ پردہ موجود ہو جو بالآخر اس معاملہ کو ہمارے حق میں فیصلہ کرانے پر منتج ہو لیکن جہاں تک ظاہری حالات کا تعلق ہے، جمعیت الاقوام والے یہ فیصلہ کسی صورت میں بھی نہیں کرا سکتے۔ انھوں نے آج تک کون سے عملی کارنامے کر دکھائے ہیں جو ہم ان سے کشمیر کا معاملہ طے کرانے کی توقع رکھیں؟ کوریا کا مسئلہ جوں کا توں ہی

رہا ہے۔ فلسطین میں ان کی مداخلت بے نتیجہ ثابت ہو چکی ہے۔ ایران میں انھوں نے کیا کچھ کر دکھایا؟ مصر والوں کی کیا کچھ امداد کی؟ وہ تو یار لوگوں کے گپ شپ ہانکنے کا ایک مکان ہے اور صرف زبانی جمع خرچ کرنے کا ایک ادارہ۔

کشمیر کے متعلق اس فقیر کی بے لاگ رائے یہی ہے کہ اگر پاکستان والوں نے کشمیر کا فاتحہ پڑھنا ہے تو وہ عملی اعتبار سے پڑھا جا چکا ہے اور بھارت والے سیدھے ہاتھوں ہمیں کشمیر نہیں دیں گے اور مسٹر گراہم کی دوبارہ آمد و رفت تضیعِ اوقات سے بڑھ کر اہمیت نہیں رکھتی۔ ہاں اگر واقعی ہم نے کشمیر لینا ہے، ہمارے اس پر سیاسی، مذہبی اور اخلاقی حقوق فائق ہیں تو اس کے حصول کی ایک ہی صورت ہے کہ کشمیر کے مظلوم ستم رسیدہ اور وقفِ رحمِ اغیار مسلمانوں کی اعانت اور جغرافیائی، تمدنی اور سیاسی اعتبار سے کشمیر کو پاکستان کے ساتھ جو طبعی مناسبت ہے اس کے حسب اقتضا ہم اسے بہ زور شمشیر حاصل کریں اور عواقب و نتائج سے لاپروا ہو کر اس پر دھاوا بول دیں اور اسے باقاعدہ طور پر فتح کر کے پاکستان کے اندر شامل کر لیں۔

اور اگر ہم سے یہ نہیں ہو سکے گا تو لوگوں کو گم راہ کیوں کیا جا رہا ہے؟ ان سے غلط وعدے کیوں ہو رہے ہیں؟ صاف لفظوں میں کیوں نہیں کہا جاتا کہ کشمیر ہم اپنی ایمانی کم زوری، سیاسی کم زوری اور کم ہمتی و بے حوصلگی کے سبب سے نہیں لے سکتے؟ یہ فقیر صاف اور کھلے الفاظ میں پھر اپنے سابقہ اعلانات کو دھراتا ہے کہ

اگر کشمیر کی جنگ کا دوبارہ آغاز ہو گیا تو جس طرح پہلے اس فقیر نے ایک ہزار فوجی تربیت یافتہ، آزمودہ کار، فنونِ حرب سے واقف، من چلے، سرفروش اور بہادر رضا کار محاذ ٹیٹوال اور کرناہ کے علاقہ میں بھیجے تھے۔ اب بھی ان شاءاللہ ہماری ساری جماعت کشمیر کی جنگِ آزادی میں افواج و عساکرِ پاکستان کا پہلو بہ پہلو اور قدم بہ قدم ساتھ دے گی اور جب تک کشمیر پر پاکستان کا قبضہ نہ ہو جائے گا ہمارے آدمی آخری دم تک لڑتے رہیں گے۔ وَبِیَدِہٖ التَّوْفِیْقُ۔[۴۲]

مسٹر لیاقت علی خان کی شہادت اور اس کے تاثرات

سال ماضی کا ایک نہایت الم ناک اور اندوہ ناک واقعہ مسٹر لیاقت علی خاں، وزیر اعظم پاکستان کی شہادت کا سانحہ عظیم ہے جس نے کہ پاکستان کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچایا اور یہاں کے قحط الرجال میں پہلے بھی کوئی کمی نہیں تھی مگر ان کے چلے جانے سے اس کا احساس اور اذیت دہ ہو رہا ہے۔ مسٹر لیاقت علی خان مرحوم کئی خوبیوں کے مالک تھے۔ اعلا درجہ کے مدبر، سیاست دان، اعتماد علی النفس کی جیتی جاگتی تصویر، متحمل، بردبار، مفکر، زبردست قوت ارادی کے مالک اور پاکستان کے سچے خیر خواہ اور مسلمانوں کے دلی ہمدرد۔

جہاں تک اس حادثہ کا تعلق ان کی ذات سے ہے انھوں نے جام شہادت نوش کر لیا اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں انھیں مقبولیت ہوگئی لیکن جہاں تک اس کا تعلق پاکستان سے ہے سب سے بڑا ماتم یہ ہے کہ جو جگہ وہ خالی کر گئے ہیں وہ پُر نہیں ہو سکے گی اور رونے کی بات یہ ہے کہ ان کا داغِ مفارقت دے جانا قوم کے لیے ایک ابتلائے عظیم کے مرادف ہے کہ ان کے چلے جانے سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے وہ بھر نہیں سکتا اور جو زخم لگا ہے اس کا اِندمال مشکل۔ قائداعظمؒ کے بعد مسٹر لیاقت علی خان ان کے صحیح جانشین ثابت ہوئے اور انھوں نے اپنی قابلیت، فراست اور موزونیت کا سکہ چاردانگ عالم میں بٹھا دیا اور ان کے دشمن بھی وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ [۴۳] کے مطابق ان کے فضائل و کمالات کے مداح و معترف ہیں۔ اب سوائے اس کے کہ ہم ان کے لیے دعائے مغفرت کریں اور ان کا نعم البدل قوم کو مل جانے کی استدعا اور چارۂ کار ہی کیا ہے؟

خدا کرے ان کے جانشینوں کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا ہو اور ان کے اندر بھی وہ عزیمت واستقلال، خودداری و عزتِ نفس کے جذبات عالیہ پیدا ہو جائیں جو کہ مرحوم کا مابہ الامتیاز تھے۔ آمین!

برطانیہ کی اسلام دشمنی اور اس کے مقابلہ کے لیے ایک متحدہ اسلامی محاذ کی ضرورت

دنیا کے اندر بہت سی ایسی سلطنتیں ہیں اور بالخصوص ممالک یورپ میں ایسے کئی ایک ملک جن کے مقبوضات اور نوآبادیات دور دراز قطعہ ارضی پر واقع ہیں۔ ان میں سے بعض کا سلوک اپنے ماتحت علاقوں سے اچھا بھی نہیں۔ مثلاً فرانس نے تیونس والجزائر، مراکش و دیگر مقبوضاتِ افریقہ کے ساکنین کو مدت سے تنگ کر رکھا ہے اور ابھی تک وہاں کے مسلمان اس کے استعماری حربوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ اٹلی کا معاملہ بھی صاف نہیں اور اس کا گزشتہ طرزِ عمل قابلِ نفریں مگر سب سے زیادہ جس ملک نے مسلم آزادی اسلام دشمنی اور مسلمانوں کو تاخت و تاراج کرنے کی قسم اٹھا رکھی ہے وہ برطانیہ اور صرف برطانیہ ہے۔

دراصل جنگ صلیبی کے وقت برطانیہ کو مسلمانوں نے جس طریق سے ذلیل کیا تھا اور ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا کر اس کے نائٹوں اور بہادروں کو بہ یک بینی و دوگوش ارض مقدس سے نکلنے پر مجبور کیا تھا۔ وہ پرانے واقعات پڑھ پڑھ کر اب بھی برطانیہ کے لوگ آتش زیرِ نعل ہونے [۴۴] لگتے ہیں اور ان کا جی چاہتا ہے کہ اپنے اسلاف کا بدلہ اس قوم سے لیں جن کے آباؤاجداد نے ان کے باپ دادوں کو شکستوں پر شکستیں دیں اور سالہا سال کی جنگ کے بعد بے نیل مرام واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

اگر پاکستان کو برطانیہ نے آزاد کیا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ برطانیہ اپنے پاؤں اتنے ملکوں میں پھیلا رکھنے سے عاجز آ چکا تھا۔ چوں کہ اس کی اقتصادی حالت ناگفتہ بہ ہو چکی تھی اور دو دفعہ کی جنگ ہائے عظیم

نے اسے دیوالیہ بنادیا تھا۔ اس لیے مجبور ہوکراس نے برصغیر ہند سے اپنا تصرف واقتدار اٹھالیالیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اسے ہندوؤں سے پیار ہوگیا یا مسلمانوں سے دوستی۔

لیکن اب حالت یہ ہے کہ جو ہوسِ استعمار وخواہشِ ملوکیت اس کے رگ وریشہ میں موجود ہے اس کے حسب اقتضا باوجود اپنی مالی کمزوری، اقتصادی کمزوری اور سیاسی کمزوری کے وہ پرائے پھٹے میں ٹانگ اڑانے سے باز نہیں آتا۔ پہلے وہ فلسطین میں یہودنوازی کے سلسلہ میں مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلتا رہا۔ پھر ایران والوں کے جائز مطالبہ کو کہ آبادان کا تیل ان کی اپنی ملکیت ہے اور انگریز کمپنی کو وہاں سے چلا جانا چاہیے اس نے مسترد کردیا اور بالآخر روس کی مداخلت کے خوف سے اسے خائب وخاسر [نقصان اٹھاکر] ہوکر وہاں سے نکلنے پر مجبور ہونا پڑا اور اب نزلہ براندام ضعیف می ریزد[۴۵] کے مطابق اس نے یہ ساری کسر مصر کی کمزور اور بے وسیلہ اقوام پر نکالنے کی ٹھان لی ہے۔ اِس تہذیب وشائستگی کے زمانہ میں پچھلے دنوں مصر کے غیرت منداور بہادر نوجوانوں سے جوسلوک روا رکھا گیا ہے اور محض مطالبہِ آزادی کے جرم میں انھیں جو وحشیانہ اور ہولناک سزائیں دی گئی ہیں ان کا ذکر سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں مثلاً چند طالب علموں کو زمین میں گاڑ کر ان پر خوں خوار کتے چھوڑے گئے جنھوں نے ان کی ہڈیاں تک نوچ ڈالیں اور طلبا کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ برطانیہ کے بے پناہ مظالم سے عامۃ الناس کو آگاہ کیوں کررہے ہیں، وحشت وبربریت کی اس سے بڑھ کر گھناؤنی تصویر اور کیا ہوسکتی ہے؟ مصر کے اولوالعزم سرفروش، اپنی بے بضاعتی اور کمزوری کے باعث تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوگئے ہیں مگر ان شاءاللہ یہ چنگاری پھر بھڑک اٹھے گی اور برطانیہ کے خرمن کو جلاکر خاکستر کردے گی۔ عراق والے لوگ برطانیہ کے دستِ تظلم وتعدّی کا نشانہ بن رہے ہیں اور عرب کا شاید ہی کوئی ایسا حصہ ہو جہاں کے باشندے برطانیہ کی ظالمانہ حکمت عملی اور منافقانہ ڈپلومیسی کا نشانہ مشق نہ بن چکے ہوں۔

اخوتِ اسلامی اور مذہبی ہمدردی کا تقاضا یہ تھا کہ مصر وایران کے رنج وراحت میں سارے ممالک اسلامیہ برابر کے شریک ہوتے اور بالخصوص پاکستان جو ماشاءاللہ سب سے بڑا اسلامی ملک ہے صاف لفظوں میں برطانیہ کو متنبہ کردیتا کہ اگر تم نے ایران پر چڑھائی کی یا مصری مسلمانوں کو تنگ کیا تو ہم سے کوئی برا نہ ہوگا مگر ہوا یہ کہ ایران والے بے چارے تو ہماری ہمدردی کی رَو میں اس حد تک بہنے لگے ہیں کہ اگر بھارت اور پاکستان کے درمیان لڑائی ٹھن گئی تو وہ کھلم کھلا ہماری امداد کریں گے، اپنی فوجیں بھیج دیں گے اور اپنا اسلحہ ہمیں بہم پہنچائیں گے اور ادھر جب آبادان کا قصہ چلا اور جنگ کے زبردست امکانات پیدا ہوگئے تو ہماری حکومت نے منھ میں گھنگھنیاں ڈال لیں اور اتنا بھی نہیں کیا کہ ایران والوں کی ذرا زبانی حوصلہ افزائی ہی کردیتے۔ ادھر مصر والوں پر قیامت ٹوٹ پڑی اور ان کی کھوپڑیاں گوروں کے بوٹوں کی ٹھوکریں کھانے لگیں۔ سارے جہان میں ان کی

مظلومیت کی داستانیں گونج اٹھیں مگر جس ملک نے ان سے کسی قسم کی ہمدردی کا اظہار نہیں کیا بدقسمتی سے اس کا نام پاکستان ہے۔

پاکستان کی موجودہ خارجہ پالیسی یہ نظر آتی ہے کہ کسی قیمت پر بھی انگریز کو ناراض نہ ہونے دیا جائے۔ دولِ مشترکہ کا ایک رکن، تاجِ برطانیہ کا ایک وفادارِ ازلی کی حیثیت سے اور مستعمراتی طرزِ حکومت یا ڈومینین سٹیٹس کا طوقِ غلامی اپنے گلے میں رکھتے ہوئے کوئی ایسی بات نہ کی جائے جس سے انگریز کے چشم وابرو پر بل آ جائے اور حقیقتاً یہی وجہ ممالکِ اسلامیہ سے دل میں ہمدردی رکھنے کے باوجود اس کے اظہار سے عاجز رہنے کی ہے مگر پاکستان والے یاد رکھیں، اگر آج تم نے کسی ہمسایہ اسلامی حکومت کی اس کی مصیبت میں ہمدردی نہ کی تو پھر انھیں کیا پڑی ہے کہ تمھاری مصیبت میں وہ تمھارا ساتھ دیں اور ان کی غیرت وحمیت وخودداری یہ کب گوارا کرے گی کہ تم ان کی پروا تک نہ کرو اور وہ تمھارے پیچھے دوڑتے پھریں؟ سب سے پہلا کام جو پاکستان کو کرنا چاہیے وہ مستعمراتی طرزِ حکومت کے لفظ سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔ بھارت والوں نے اگر اپنی مکمل آزادی کا اعلان کر دیا ہے تو اُن پر کیا افتاد آ پڑی ہے جس سے کہ پاکستان خوف کھا رہا ہے اور اس کے بعد دولِ مشترکہ کی مجلس سے استعفا دے دینا چاہیے جب کہ اس کا مقصد محض برطانیہ کا دوسرے ممالک کو مرعوب بنانا ہے اور اس کی جگہ دولِ اسلامیہ کا ایک بلاک جتنی جلدی ممکن ہو سکے بنا لینا چاہیے اور پاکستان اس معاملہ میں اپنی پوزیشن کے مطابق سب کی رہنمائی کرے بل کہ اسے قیادت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لینی چاہیے۔ یہ جو کراچی میں کبھی موتمر اسلامی کے جلسے ہوتے ہیں، احتفال [محفل] العلما کی کانفرنس ہوتی ہے اور سارے ممالک اسلامیہ کے علما و شیوخ جمع ہو کر ضیافتیں اڑاتے ہیں اور مجلسی آدابِ گفت گو اور علمی مقالات کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ خدا کرے کوئی بندۂ خدا ان لوگوں سے جا کر کہہ دے کہ تم ان ساری نمائشی باتوں کو چھوڑ کر ایک کام کی بات کرو کہ تمام اسلامی ممالک کا ایک مشترکہ محاذ بنا دو اور ایک ایسا اسلامی معاہدہ کرا دو جس کی رو سے اس میں شامل ہونے والے سارے ممالک باہم دگر عملی ہمدردی کا عہد و پیماں کریں اور اگر ایک پر کوئی مصیبت آ جائے تو دوسرے اس کی عملی ہمدردی کی خاطر میدانِ عمل میں نکل آئیں اور اگر ایک حکومت پر باہر سے حملہ ہو جائے تو ساری حکومتیں اس کا ساتھ دیں تاکہ آج دولِ یورپ وامریکا اپنی مادی طاقت کے بھروسہ پر جو من مانی کارروائیاں کر رہی ہیں اور اسلامی ممالک کو اپنا آلہ کار یا ہوائی اڈے بنا کر انھیں اپنا محکوم اور غلام بنایا جا رہا ہے اس کا عملی طور پر خاتمہ ہو جائے اور سارے جہان کے مسلمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق ایک جسم کے مختلف اعضا بن جائیں کہ ایک عضو کی تکلیف سے سارے متاثر ہونے لگیں اور ایک کی مصیبت سب کو اپنی مصیبت نظر آئے۔

جہاد بالسیف اور جہاد بالنفس کی مشترکہ دعوت

عزیزانِ قوم! آج یہ فقیر اپنے مسلک قدیم یعنی دعوتِ جہاد میں کوئی ترمیم یا تنسیخ یا قطع برید کرنی نہیں چاہتا اور نہ ایسے صاف مسئلہ میں ان چیزوں کی گنجائش ہے۔ میری زندگی کے قیمتی لمحات اسی دعوتِ جہاد میں صرف ہوئے ہیں اور مجھے اس بات کا فخر ہے کہ ایک ایسے زمانہ میں جب کہ یہ اہم ترین فرض عملاً متروک ہو چکا تھا اور مسلمانوں کے ذمہ دار طبقے علمائے کرام ومشائخ عظام اس مسئلہ کو طاقِ نسیان پر رکھ چکے تھے اس فقیر نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہمت اور اس کی مشیت کے ماتحت تبلیغِ جہاد کا کام نہایت سرگرمی سے شروع کیا۔ پورے پچیس سال اس مقصد کو سامنے رکھ کر دورے کیے، تقریریں ہوئیں، مجاہدین کی ایک سرفروش جماعت یا بالفاظ دیگر رضا کارانِ حزب اللہ کی تشکیل عمل میں لائی گئی اور بحمدُ لِلّٰہِ کہ میری محنت ٹھکانے لگی اور آج مسلمانوں کے اندر بحیث القوم جو جوش وخروش نظر آتا ہے، ایثار وقربانی کے جو جذبات ان کے دل میں پیدا ہو چکے ہیں اور حفاظتِ اسلام، تحفظِ پاکستان اور اپنے مآثر وروایاتِ قدیمہ کے بقا کی خاطر ان کے اندر جو ولولے اٹھ رہے ہیں ان ساری تحریکات کا آغاز کار بہ توفیقِ الٰہی اس فقیر نے کیا اور آج بھی یہ فقیر نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں اس بات کا اعادہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کے تمام دکھوں، دردوں، مصیبتوں، آزمائشوں اور ابتلاؤں کا واحد علاج جہاد فی سبیل اللہ ہے اور جب تک مسلمان صحیح معنوں میں مجاہد اور غازی نہیں بنیں گے، ان کی زندگیاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وقف نہیں ہو جائیں گی، ان کے رگ وریشہ میں تہور اور مردانگی، شجاعت اور بسالت کے جذبات سرایت نہیں کر جائیں گے وہ دنیا میں کبھی زندہ نہیں رہ سکتے اور یہ ترقی یافتہ قومیں، علم طبیعیات پر عبور کامل رکھنے والی اور اس سے عملی استفادہ کرنے والی جماعتیں مسلمان کو ایک سنگِ راہ سمجھ کر اسے رستہ سے ہٹا دیں گی اور اسے گوشۂ گمنامی میں بیٹھ کر روتے دھوتے اپنی ناکام زندگی بسر کرنی پڑے گی۔

آج دنیا میں وہی قوم کامیاب ہو سکتی ہے جس کے قوائے عمل مضبوط ہوں، جس کی قوت ارادی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو اور جو سرفروشی وجاں بازی کا طغرائے امتیاز رکھنے والی ہو۔ مردوں کے میدان میں نامردوں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ بہادروں کی مجلس میں بزدلوں کی کوئی قدر ومنزلت نہیں ہو سکتی اور لطف یہ کہ دوسری قوموں کے سامنے تو صرف قومیت اور عصبیت کا سوال ہوا کرتا ہے اور مسلمانوں کے روبہ رواں کے علاوہ حصول خوشنودیِ ربّ العزّت عزّ اسمہ، اعلائے کلمۃ اللہ اور خدا کے نام کو بلند کرنے کے جذبات عالیہ وخیالات فاضلہ بھی موجود ہیں اور وہ اس لیے لڑتے ہیں کہ قوم [پر] زوال نہ آئے اور ہماری وطنیت محفوظ رہے اور مسلمان اس لیے لڑتا ہے

کہ اللہ تعالیٰ کے دین پر کوئی آنچ نہ آئے، اسلام کا جھنڈا بلند رہے اور لڑائی کے بعد ایک حقیقی امن اور دائمی سکون پیدا ہو جائے۔ انھیں اپنے مستقبل کی کوئی خبر نہیں اور مرنے کے بعد کا کوئی پتہ نہیں مگر مسلمان کو بشارت دی گئی ہے کہ اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے رستہ میں اپنی جان قربان کر دی تو اس کی موت موت نہیں ہوگی بل کہ اسے ایک حقیقی زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے جس میں اسے ہر طرح کے رزق بھی ملیں گے [۴۶] مسرت و اطمینان بھی نصیب ہوں گے اور اس کی مادی قوتوں کے برقرار رہنے کے علاوہ اسے اتنی روحانی طاقتیں حاصل ہو جائیں گی کہ جنگ بدر کے شہدا چین کے کسی دور دراز شہر میں چلنے والی لڑکی کے پازیبوں کی جھنکار سن لیں گے۔

تم لوگ تو جنت کا انتظار کر رہے ہو اور ابھی تک اسی حیص بیص [تکرار] میں کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ مگر شہدائے اُحد دم توڑ رہے ہیں۔ پاک دامن بیبیاں آتی ہیں۔ ٹھنڈے پانی کے پیالے ان کے منھ سے لگاتی ہیں اور وہ باوجود عطش اور پیاس کے پانی پینے سے اس لیے انکار کر دیتے ہیں کہ ان کے سامنے جنت کے دروازے کھل رہے ہیں، حوریں شراب طہور کے جام لیے ہوئے ان کی بالین [سرھانے] پر پہنچ گئی ہیں اور وہ شراب کی لذت محسوس کر کے چٹخارے لے رہے ہیں۔

یہ ساری باتیں آپ کے سامنے اس وضاحت اور صراحت سے بیان ہو چکی ہیں کہ آپ میں سے ہر شخص مسئلہ جہاد کا حافظ بن چکا ہے اور اس فقیر کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا مسرت ہو سکتی ہے کہ جس غرض کی تکمیل کے لیے مَیں نے اپنی ناچیز حیات وقف کر دی تھی وہ چیز میری زندگی میں ہی اپنی تمام رعنائیوں اور زیبائیوں کے ساتھ آ چکی ہے اور وہ ہے مسئلہ جہاد کا بیان، اس سے پیدا ہونے والے تاثرات اور قوم کا لبیک کہہ کر اسے عملاً قبول کر لینا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ۔ [۴۷]

آج مَیں آپ کے سامنے اسی تصویر کا ایک دوسرا رخ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ شرعی اعتبار سے جہاد دو قسم کے ہیں۔ ایک بالسیف [بالسیف] جس کے پھر دو قسم ہوئے، جان دینی ایک اور مال دینا دو۔

اور دوسری قسم جہاد بالنفس ہے یعنی اپنے آپ سے جہاد کرنا جس کی کہ قرآن کریم اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اور حقیقتاً اگر غور کر کے دیکھا جائے تو دشمن سے لڑنا آسان ہے، اسے شکست دے دینی چنداں مشکل نہیں لیکن اپنے آپ سے لڑنا بڑا مشکل ہے اور نفسانی خواہشات پر قابو پانا کارے وارد۔ [۴۸] آپ ایک خوں خوار دشمن کو زیر کر کے اس کے گلے میں زنجیر ڈال سکتے ہیں لیکن اپنے نفس کو رام و مطیع کرنے کے بعد اسے پابند کرنا کوئی آسان بات نہیں اور یہی وجہ ہے کہ حضور مخبر صادق خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

رَجَعْنَا مِنْ جِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرْ [۴۹]

کہ ہم نے جہاد اصغر سے فراغت حاصل کر کے اب جہاد اکبر کی ٹھان لی ہے اور جہاد اکبر سے مراد یہی جہاد بالنفس ہے۔ آپ شاید خیال کرنے لگیں کہ دوسرے عافیت پسند اصحاب کی طرح آج امیرِ حزب اللہ بھی کام کرتے کرتے تھک کر، ہمت ہار کر ہمیں ایک زیادہ آسان اور بے خطر راستہ دکھلانے لگا ہے۔ حاشا وکلا۔ میرا یہ مقصد نہیں کہ آپ جہاد بالسیف سے منھ موڑ کر جہاد بالنفس کی طرف راغب ہوں بل کہ مقصود بالذات یہ ہے کہ کہیں آپ تلوار کے دھنی بن کر نفس امارہ کو کھلی باگ نہ دے دیں بل کہ ہونا یہ چاہیے کہ آپ کے ایک ہاتھ میں اعلائے کلمۃ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی غرض حاصل کرنے کے لیے چمکنے والی تیز اور مضبوط تلوار ہو اور دوسرے ہاتھ میں قرآن و مصلّٰی و تسبیح۔

ع   بہ یک دست گوہر بہ یک دست تیغ

تا کہ تلوار سے آپ جن دشمنان اسلام کو زیر کریں، بندوق سے جو ملک فتح کیا جائے اور توپ سے جو علاقہ سر ہو۔ فوراً ہی بہ طورِ اندمال زخم آپ ان کے خوں چکاں زخموں پر روحانیت کا مرہم رکھ دیں۔ اخلاق حمیدہ کی پٹی لگا دیں اور اسلامی عفو و درگزر سے ان کے نفرت پذیر قلوب کو اپنے قابو میں لے آئیں۔

مسلمان چوں کہ محض اشاعتِ اسلام، ترویجِ احکامِ الٰہی اور نفاذِ آئینِ اسلامی کی خاطر لڑتا ہے اس لیے اس کی جنگ اور دوسرے لوگوں کی جنگ میں ایک بین فرق اور نمایاں امتیاز ہوا کرتا ہے۔ دوسرے لوگ دشمن کو ہمیشہ کے لیے پامال کر دیتے ہیں اور ان کی ساری طاقتیں ختم کر دیتے ہیں تا کہ وہ پھر جرمنی کی طرح ابھر کر ان کے لیے باعثِ تکلیف و مصیبت نہ بن جائیں لیکن مسلمان دشمن پر غالب آ کر اسے اپنا دوست اور حلیف بنا لیتا ہے، اسے حریف اور رقیب رہنے نہیں دیتا اور اس کے سامنے ایسے عملی مظاہرے کرتا ہے۔ نیکی، پارسائی، پرہیز گاری اور ورع و اتقا کے وہ عملی نمونے پیش کرتا ہے کہ وہ متاثر ہو کر بجائے دشمنی اور عداوت کے اس کا ہمیشہ کے لیے تابع فرمان اور محکوم بن جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو کام بادشاہوں کی تلواریں نہیں کر سکتیں وہ اللہ کے مقبول بندوں کی ایک نظرِ التفات سے ہو گیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی زندگی ان دو متخالف و متبائن [متضاد] کیفیات کا مجموعہ تھی۔ اگر آپ انھیں مساجد میں دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی خشیت اور خوفِ خدا سے ان کی بوٹی بوٹی لرز رہی ہے، رواں رواں مرتعش ہے، روتے روتے ان کی آنکھیں سُوج گئی ہیں، نماز میں کھڑے کھڑے ان کے پاؤں متورم ہو گئے ہیں لیکن انھی لوگوں کو اگر آپ میدان جنگ میں دیکھیں تو شیروں کی طرح گرجنے والے پہاڑ کی طرح پاؤں جمائے ہوئے اور رستم و اسفندیار جیسے بہادروں کی یاد اپنی اولوالعزمی اور مردانہ ہمت و شجاعت سے مٹانے والے محض اس لیے کہ ان کے سامنے صرف جہاد بالسیف نہ تھا بل کہ وہ جہاد بالنفس کے بھی دھنی تھے۔ نفس کشی ان کا شعار تھا اور

نفسانی جذبات وشہوات پر قابو پالینا ان کا مقصد حیات۔

آپ اس مسئلہ کو ذرا غور سے سمجھیں تو آپ کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ دونوں جہاد باہم دگر لازم و ملزوم ہیں اور ایک دوسرے سے علاحدہ کرنے کی صورت میں ایک ایسا خلا پیدا ہو جائے گا جو کسی ذریعہ سے بھی پُر نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ایک شخص صرف جہاد بالسیف پر اکتفا کرے اور مار دھاڑ، چیر پھاڑ ہی اس کا مآل زندگی ہو تو اس کی زندگی اور ایک خوں خوار بھیڑیے کی زندگی میں کیا فرق ہوگا؟ اور یہ بخت نصر کی کہانیاں، حجاج بن یوسف کے قصّے، یزید بن معاویہ کے مظالم اسی وحشت اور بربریت کی بھیانک تصویریں ہیں اور اگر ایک شخص اپنی تمام توجہات کا مرکز صرف نفس کشی اور تــقــشف [کشف حاصل کرنے] کو بنانے اور ایک گال پر تھپڑ مارنے والے کے سامنے اپنی دوسری گال بھی پیش کر دے تو پھر اس کا حشر وہی ہوگا جو حضرت عیسٰیؑ کا ہوا کہ یار لوگوں نے انھیں اپنے خیال کے مطابق سولی پر چڑھا دیا اور ان کے حواریوں کی کیفیت محض تماشائیوں کی تھی۔[۵۰]

اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ تم اپنے دشمنوں سے خوب لڑو جھگڑو۔ اِنَّ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ[۵۱] ان سے بدلہ لینے میں ہی تمھاری زندگی ہے۔ انتقامی تدابیر اختیار کرو۔ اگر گھمسان کا رن پڑ جائے تو اپنے قدم آگے بڑھاؤ، پیچھے نہ ہٹاؤ لیکن ساتھ ہی اپنے صحیح مقصدِ حیات یعنی عبادت و انابت کو بھی پورا کرتے چلے جاؤ۔ شیطانی ترغیبات، شہوانی خیالات اور نفسانی جذبات کے عقیدے میں نہ پھنسو اور ظاہری کاموں سے فراغت ہو یا نہ ہو ایک وقت خدا کے لیے ضرور نکال لو اور اپنے اسلام [اسلاف] کرام کا نقشہ بن کر دکھلاؤ کہ ان کے سر پر بادشاہت کا تاج تھا، ان کے قدموں میں حکومت کا تخت لیکن دل اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے معمور تھا اور ان کی زندگی، ان کا طریق معاشرت اور ان کی طرز بود و ماند محض درویشانہ۔ ظاہری ہر چیز میسر ہونے کے باوجود انھیں کسی چیز سے لگاؤ نہ تھا۔ ہر قسم کی دنیاوی نعمتوں اور آسائشوں کے ہوتے ہوئے بھی وہ اپنے کو تہی دامن سمجھتے تھے اور نفس کو اپنے اوپر غالب نہ آنے دیتے تھے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ آپ بہ یک وقت دونوں قسم کے جہاد شروع رکھیں۔ بالسیف بھی اور بالنفس بھی تاکہ ایک طرف تمھاری خارا شگاف تلوار اعدائے دین کو تمھارے سامنے سرنگوں کر دے اور دوسری طرف تمھاری بےنفس صداقت و روحانیت لوگوں کے دلوں کی اقلیم کو فتح کر لے۔

فَمَالِ ھٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَایَکَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا[۵۳]

میری قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ سچی اور ضروری باتوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

رضا کارانِ حزب اللہ سے خطاب

جاں باز و سرفروش رضا کارانِ حزب اللہ! ہر سال تمھیں خصوصیت کے ساتھ جو مخاطب بنایا جاتا ہے

اس سے مقصد یہی ہے کہ دوسرے لوگوں سے تمھیں ایک امتیازی درجہ حاصل ہے اور اسی نسبت سے تمھاری ذمہ داریاں نسبتاً المضاعف۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کے اعتبار سے تم میدانِ عمل میں آ کر وہ وہ کام کرو، تم سے وہ محیر القول کارنامے اور حیرت انگیز افعال سرزد ہوں جو کہ آئندہ نسلوں کے لیے مشعلِ راہ کا کام دے سکیں۔ موجودہ زمانہ کی جو تاریخ لکھی جائے اس میں تمھاری داستانیں زریں حروف سے مزین ہوں۔ تم نے اس گئے گزرے زمانہ میں اپنے اسلاف کرام کی یادگار قائم کی ہے۔ تم نے میرے سامنے حلف اٹھایا ہے کہ تمھاری زندگی اب تمھارے لیے نہیں بل کہ اسلام کے لیے ہے۔ تمھاری موت اب طبعی موت یا کسی حادثہ کی موت نہیں ہوگی بل کہ اعدائے اسلام سے لڑتے لڑتے شہادت کی موت ہوگی۔ تم نے میرے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے اور قرآن درمیان میں لا کر تم اسلام کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرو گے اور جہاد کے سلسلہ میں اپنا تن من دھن صرف کرو گے۔ اسلام میں سب سے بڑا درجہ مجاہد کا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو منصب غازی کو حاصل ہے وہ کسی کو ہرگز نصیب نہیں۔

لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ط فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا [۵۳]

ترجمہ: کہ جو لوگ بغیر کسی معقول عذر کے جہاد میں شامل نہ ہوں اور جو کہ اللہ کے راستہ میں سر سے کفن باندھ کر جہاد کے لیے نکل پڑے ہوں وہ کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو قاعدین [بیٹھنے والوں] پر بہت بڑی فضیلت عطا فرمائی ہے اور انھیں بہت بڑا اجر ملنے والا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ تمھیں میدان وغا میں سینہ پر گولی لگے اور تم شہید ہو جاؤ بل کہ محض جہاد کی نیت سے ایک گھوڑا باندھنا بھی مسلمان کو مجاہد بنا دیتا ہے۔ وَالْمُرَابِطُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مُجَاهِدٌ۔[۵۴] فوج میں بھرتی ہو جانا ہی اس بات کے مرادف ہے کہ وقتِ ضرورت (سپاہی) دشمن سے لڑ پڑے گا لیکن بعض اوقات سپاہی کی موت کسی دوسرے حادثہ سے ہو جاتی ہے لیکن چوں کہ وہ ادائے فرض کے لیے تیار تھا اس لیے اس کی موت بھی بہادری کی موت شمار ہوگی۔

تم نے اپنے گزشتہ عمل سے ثابت کر دکھایا ہے کہ امیرِ حزب اللہ نے تم پر جو اعتماد قائم کر رکھا ہے اور جو توقعات تم سے وابستہ ہیں تم اس کی صحیح اہلیت رکھنے والے ہو اور ان شاء اللہ کسی قریب کی آزمائش و امتحان کے وقت تم دنیا کو دکھلا دو گے کہ چودھویں صدی کے اندر جو جماعت حزب اللہ کے نام سے قائم کی گئی تھی اور جس کے مایہ ناز اس کے رضا کار تھے کہ انھوں نے اپنے اسلافِ کرام کے قدم بہ قدم چلتے ہوئے کس قدر جواں مردی، علو ہمتی اور عزیمت و استقلال کا ثبوت دیا اور جب امیر نے جہاد کے لیے پکارا تو انھوں نے کس قدر جوش و خروش

کے ساتھ اس کی پکار پر لبیک کہا اور مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ کی دعوت حقہ کا جواب والہانہ طور پر نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ سے دیا۔ لیکن مَیں چاہتا ہوں کہ اس سے پیشتر کہ تمھیں اپنی جاں نثاری کا موقع ملے اور میدانِ غزا [جہاد کے میدان] میں آ کر تم لڑتے لڑتے یا تو غازی کا معزز خطاب حاصل کر لو یا شہید کا منصب رفیع۔ یہ ضروری ہے کہ تمھاری گفتار اور کردار میں ایک غیر معمولی تبدیلی پیدا ہو جائے اور تمھارے اعمال، افعال اور اقوال میں ایک شان خصوصی تا کہ تم میں اور دوسرے لوگوں میں کوئی تمیز اور شناخت ہو سکے اور مبصرین تمھارے ظاہر کیے بغیر خود تمھیں پہچان سکیں کہ یہ رضا کارِ حزب اللہ ہے۔

سب سے پہلے تمھیں ارکان خمسہ کی پابندی لازم ہے۔ ادائیگی نماز میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔ رمضان شریف کے روزہ کا احترم ملحوظ رہے۔ بشرطِ توفیق زکوۃ اَدا کی جائے اور بہ شرطِ استطاعت حج کی خاطر طے مسافت ہو اور ایک وقت خواہ وہ پانچ منٹ ہی کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے وقف کر دیا جائے تا کہ رجوع الی الحق اور تقرب الٰہی پیدا ہو سکے۔

اسلام کے اندر معاملات کو عبادات پر ترجیح ہوا کرتی ہے اس لیے تمھارے معاملات بالکل صحیح اور درست ہونے چاہئیں اور کسی قسم کی بد دیانتی، خیانت، عہد شکنی، خود غرضی کو تمھارے نزدیک نہ آنا چاہیے۔ تمھارا لین دین دیانت داری کے ساتھ ہو، تمھارا برتاؤ شریفانہ، تمھارے اخلاق بلند، تمھاری سیرت قابلِ رشک اور تمھارا چال چلن بے داغ تا کہ دوسرے لوگ بھی تمھیں دیکھ دیکھ کر عبرت حاصل کر سکیں اور وہ بھی تمھارے فرقہ کے اندر شامل ہونے کے متمنی و خواہش مند ہونے لگیں۔ تمھارا دامن گناہوں اور کبائر و صغائر معاصی سے پاک و صاف ہونا چاہیے جب کہ تم نے دوسروں کے سامنے اپنا نمونہ اور اپنی مثال پیش کرنی ہے۔ تمھیں ہمیشہ سچائی اور حق کا ساتھ دینا چاہیے اور ظالم سے پرہیز، مظلوم کی اعانت، غریبوں کی امداد محتاجوں اور اپاہجوں کی دست گیری، یتیموں اور مسکینوں سے شفقت، بزرگوں کی عزت و احترام اور عامۃ المسلمین سے بہتر سلوک اور ہمدردی تمھارا شعارِ زندگی ہو۔ اپنے آپ کو بُروں کی صحبت سے بچائے رکھو۔ مخرب [اخلاق بگاڑنے والی] باتیں نہ سنو۔ اپنی زبان کی حفاظت کرو۔ اپنی آنکھوں کو کھلا نہ چھوڑو [اور] اپنی چال ڈھال ٹھیک بناؤ۔

آج کل عقائد کا اختلاف بڑھ رہا ہے اور بعض خود غرض لوگ مذہب کی آڑ لے کر اور اختلافی مسائل چھیڑ کر اپنی جیب گرم کرنے لگے ہیں۔ ایسی مجلسوں اور ایسے جلسوں میں شرکت سے پرہیز کرو جہاں کہ تمھارے بزرگوں کی پگڑیاں اچھالی جاتی ہوں اور جہاں کہ اہل اللہ کی توہین ہوتی ہو اور جہاں کہ مسلمان کہلانے والے حضور خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی تنقیص [بے ادبی] کرنے سے باز نہ آتے ہوں۔ یاد رکھو!

ع آبروئے ما ز نامِ مصطفےٰؐ است [۵۵]

ایک مسلمان کا اگر کوئی سرمایہ حیات ہے، ایک مسلمان کے پاس اگر کوئی خزینہ بے کراں و گنج شائگاں [عمدہ خزانہ] ہے اور ایک مسلمان کی اگر کوئی پونجی یا راس المال [اصل مال] ہے تو صرف اللہ کریم، اس کے حبیب خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اس کے نیک لوگوں کی محبت ہے۔ اگر یہ چیزیں ایک مسلمان سے چھین لی جائیں تو پھر اس کے پاس کیا باقی رہ جائے گا؟ کچھ بھی نہیں۔

تمھیں پہلے بھی بارہا کہا گیا ہے کہ ہر ہفتہ کے بعد باقاعدہ پریڈ کیا کریں مگر اس معاملہ میں رضا کاروں پر عدم تعمیلِ حکم کا صحیح الزام ہے جو کہ ان کی رضا کاری کے سفید دامن پر ایک بدنما دھبا ہے۔ آئندہ یہ شکایت نہیں ہونی چاہیے اور تمھاری تعداد خواہ قلیل کیوں نہ ہو مگر پریڈ ضرور کیا کریں اور اس میں غفلت نہ ہونے پائے۔ ہر رضا کار مسلح یا ہتھیار بند ہونا بھی ضروری ہے۔ پہلے بندوق کا لائسنس حاصل کریں اگر لائسنس نہ مل سکے تو تلوار پاس رکھیں ورنہ کم از کم ایک مضبوط لاٹھی اور یہ اس حدیث پاک کی تعمیل میں کہ مسلمان جب سو رہا ہو تو اس کی تلوار اس کے سرہانے پڑی ہونی چاہیے کہ معلوم نہیں دشمن کس وقت اس پر حملہ کر دے۔ رضا کاروں کو چست و چالاک رہنا چاہیے اور سپاہیانہ زندگی بسر کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ ضبطِ اوقات یا وقت کی پابندی از بس لازم ہے اور سب سے بڑھ کر ہر وقت امیر کے احکام کا انتظار کرو اور جس وقت بھی امیر کی طرف سے جہاد یا سرفروشی کا حکم آجائے فی الفور بغیر کسی حیل و حجت، بحث و تکرار اور لیت و لعل کے جہاں پہنچنے کا حکم ملے جلد از جلد پہنچنے اور تعمیلِ ارشاد میں ہر قسم کی قربانی کرنے کو تیار رہو اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ

حرکت کا نام زندگی ہے اور سکون کا نام موت

خاتمہ سخن :

امسال کا خطبہ بھی زیادہ طویل نہیں اور حتی الامکان حشو و زوائد سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے اور عبارت آرائی اور الفاظ کی ترتیب و ترصیع سے گریز جب کہ مقصود بالذات واقعات و حالات کا اظہار ہے نہ کہ ادبی لطائف اور علمی کمالات کا مظاہرہ۔ اصولی طور پر یہ فقیر اس بات کے خلاف ہے کہ یوں ہی ناقابلِ عمل سکیمیں مرتب کی جائیں، طول و طویل قرار دادیں منظور کی جائیں اور سامعین کے تفننِ طبع کے لیے دل خوش کن مباحث سامنے لائے جائیں اور میری ہمیشہ یہ خواہش رہتی ہے کہ اقوام و ملل کے تسابق میں ہم اپنے قدم آگے بڑھائیں، منازل ارتقا طے کرنے میں کسی سے پیچھے نہ رہیں اور قوموں کی دوڑ میں اگر بدقسمتی سے آگے نہ بڑھ سکیں تو کم از کم پیچھے تو نہ رہ جائیں۔

آج ہر ملک اور ہر قوم کے اندر جُہد للحیات و تنازع للبقا کی خاطر حرکتِ عمل شروع ہے اور اپنے اپنے

خیالات وعقائد کو دوسروں سے منوانے اور تسلیم کرانے کے سلسلہ میں ہر قسم کی نشر واشاعت کی جارہی ہے۔اسی پر اکتفا نہیں بل کہ موجودہ زمانہ کی لڑائیوں اور جنگوں کا مقصد ہی دوسروں کو مجبوراً اپنا ہم خیال بنانا ہے۔کوریا کی جنگ محض اس لیےلڑی جارہی ہے کہ امریکا اور روس بالترتیب امپیریل ازم اور سوشل ازم کو مشرق بعید میں پھیلانا چاہتے ہیں۔مردہ جرمن اور تباہ شدہ جاپان کو پھر اس لیے زندہ کیا جارہا ہے کہ وہ امریکا اور برطانیہ کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھائے جائیں۔روس مغربی اور مشرقی ممالک میں اپنے زبردست پراپیگنڈہ کا حربہ محض اس لیے استعمال کررہا ہے کہ بجائے اس کے کہ بہ زورِ شمشیر ملکوں کو فتح کیا جائے،ان کے دلوں پر اثر ڈال کر انھیں مسخر کر لیا جائے اور یہ ہتھیار مقابلتاً زیادہ کامیاب بھی ہورہا ہے۔

ہم مسلمانوں کا بھی یہ فرض اولین ہے کہ اپنے اعمال وافعال میں ایسی کشش پیدا کریں، اسلامی تعلیمات کے ایسے صحیح نمونے دنیا کے سامنے پیش کریں اور صرف زبان سے نہیں بل کہ عمل سے اشاعتِ اسلام کا اہم ترین فریضہ اَدا کرنے لگیں کہ دنیا والے جو کفر والحاد کی مکّر چاندنی اور عارضی چمک دمک سے مسحور ہورہے ہیں، شمسِ اسلام کی ضیا باری اور قمرِ اسلام کی ضیاریزی سے اپنے قلوب کو منور کرلیں۔جہان سے امپیریل ازم،سوشل ازم،کمیونزم کا خاتمہ ہوکر اسلام ازم مقبولیت تامّہ حاصل کرلے اور وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ [۵۷] کے مطابق حکومت الٰہیہ کا قیام ہوجائے۔آئینِ اسلامی رواج پذیر ہو اور اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کے ماتحت قرآن حکیم کا قانون نافذ العمل۔وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔[۵۸]

یہ فقیر اس دعوتِ عمل کے بعد آپ حضرات کا پھر شکریہ اَدا کرتا ہے کہ آپ نے میرے خیالات پریشان کو نہایت غور اور توجہ سے ملاحظہ فرمایا اور میری معروضات پر پوری توجہ مبذول فرمائی۔اللہ کریم اس فقیر کو توفیقِ عمل عطا فرمائیں اور آپ سب کو بھی نیک کاموں کی طرف رغبت اور رجوع حاصل ہو۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

....

حواشی

۱۔ المائدہ۵:۵۴تا۵۶۔

۲۔ بنی اسرائیل۱۷:۳۷۔

۳۔ نظم،"شمع"،بانگِ درا،بہ حوالہ کلیاتِ اقبال،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور،بارپنجم،۲۰۰۰ء،ص۷۵۔

۴۔ ق۵۰:۱۶۔

۵۔ الذٰریٰت۵۱:۲۱۔

۶۔ ترجمہ: دل کو دل سے راہ ہے۔ (ضرب المثل)
اصل ضرب المثل یہ ہے : دل بہ دل راہ دارد۔

۷۔ جو کہا گیا ہے بہت اچھا ہے۔ (عربی الفاظ)

۸۔ ترجمہ: جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ (عربی مقولہ)

۹۔ ترجمہ: آنکھیں، کان اور لب بند کر لو۔ (اس کے بعد بھی) اگر اسرارِ حق نظر نہ آئیں تو مجھ پر ہنس لو۔ (مولانا روم)

۱۰۔ ترجمہ: اللہ کے حکم سے اُٹھ۔ (عربی جملہ)

۱۱۔ الاحزاب ۳۳:۷۲۔

۱۲۔ الاعراف ۷:۱۷۲۔

۱۳۔ المائدہ ۵:۷۔ الحدید ۵۷:۸۔

۱۴۔ ترجمہ: اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے (ضرب المثل)

۱۵۔ ترجمہ: اس دریائے بے پایاں میں، اس تھپیڑے مارتے ہوئے طوفان میں ہم نے چھلانگ لگا دی، اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا۔

۱۶۔ ترجمہ: اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تُو ضرور اُس کی اطاعت کرتا کیوں کہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔ (الدیوان، العصر العباسی، الامام الشافعی، مفصلتک تحتوی علی 1 قصائد)
نوٹ: دیوانِ امام شافعی میں یطیع کی جگہ مطیع درج ہے۔

۱۷۔ گندم دکھا کر جو بیچنے والے یعنی دھوکا باز۔ (ضرب المثل)
جب کوئی اچھی چیز دکھا کر بُری چیز دے تو یہ ضرب المثل بولی جاتی ہے۔

۱۸۔ الجمعہ ۶۲:۴، المائدہ ۵:۵۴، الحدید ۵۷:۲۱
نوٹ: خطبہ میں ذَلِكَ کی جگہ ذَالِكَ درج تھا۔

۱۹۔ الانعام ۶:۵۷۔ یوسف ۱۲:۴۰، ۶۷۔

۲۰۔ ھود ۱۱:۱۰۷، البروج ۸۵:۱۶۔

۲۱۔ ص ۳۸:۳۶۔
نوٹ : خطبہ فَسَخَّرْنَا کی جگہ وَسَخَّرْنَا درج تھا۔

۲۲۔ الکھف ۱۸:۱۱۰۔

۲۳۔ یوسف ۱۲:۲۱۔

۲۴۔ ابوداوٗد، السنن، کتاب السنۃ، باب مایجانب اھل الأھوائو بُغْضَھُمْ، حدیث ۴۶۰۱۔

۲۵۔ الفاتحہ ۱:۴۔

۲۶۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الفتن، باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر، حدیث ۴۰۰۲۔

۲۷۔ ترجمہ: روتی ہوئی آنکھ اور جلے ہوئے دل کے ساتھ۔ (ضرب المثل)

۲۸۔ فساد کی جڑ اُکھاڑ دینے کے مفہوم میں مستعمل ہے یعنی جب چیز ہی نہ ہوگی تو جھگڑا کیوں ہوگا۔ (ضرب المثل)

۲۹۔ ترجمہ: بچوں کے ہاتھ میں کام آپڑا ہے۔ (ضرب المثل)

۳۰۔ البغوی، الحسین بن مسعود، شرح السنۃ، جز ۱۰، ص ۴۴، حدیث ۲۴۵۵۔

۳۱۔ النساء ۴:۵۹۔

۳۲۔ النساء ۴:۶۵۔

۳۳۔ ھود ۱۱:۱۰۲۔

۳۴۔ الانبیاء ۲۱:۱۰۵۔

۳۵۔ سنن ابن ماجہ: جلد اول: حدیث نمبر ۸۲۰۳۔

۳۶۔ ترجمہ: اے میرے رب! میری یہ آرزو کتنی اچھی ہے، تو اس مُدعا پر مجھے پہنچا دے۔

۳۷۔ اُس بخیل کی نسبت کہتے ہیں جو پیسہ دینے کی جگہ جسمانی سزا بھگتنے کو ترجیح دے۔ (ضرب المثل)

۳۸۔ ترجمہ: اس طرف سے ٹھکرایا ہوا اور اُدھر سے گرا ہوا۔ (ضرب المثل)
اصل ضرب المثل یہ ہے: ازیں سو راندہ و ازاں سو ماندہ

۳۹۔ الانفال ۸:۶۰۔

۴۰۔ ابراہیم ۱۴:۲۰۔ فاطر ۳۵:۱۷۔

۴۱۔ البقرہ ۲:۱۹۳۔ الانفال ۸:۳۹۔

۴۲۔ ترجمہ: اور اُسی کے ہاتھ میں توفیق ہے۔ (عربی جملہ)

۴۳۔ فضیلت وہ ہے جس کی دشمن بھی گواہی دے۔ (عربی مقولہ)

۴۴۔ آتشِ زیرِ نعل بہ معنی پاؤں کے نیچے آگ۔ مجازاً بےقرار، بےچین۔ اصل میں یہ صنعت آتشِ زیرِ پا ہے۔

۴۵۔ ترجمہ: جو کمزور ہوتا ہے اُسی پر نزلہ گرتا ہے۔ (ضرب المثل)

۴۶۔ البقرہ ۲:۱۵۴۔ ال عمران ۳:۱۶۹۔

۴۷۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے اس بات پر۔ (اختتامی جملہ)

۴۸۔ ترجمہ: ایک کام رکھتا ہے۔ (ضرب المثل)

۴۹۔ ترجمہ: ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف پھرے۔
(کشف الخفاء، حرف الراء المھمل، الحدیث ۱۳۶۰، ج ۱، ص ۳۷۵)

۵۰۔ ال عمران ۳: ۵۲ تا ۵۶۔

۵۱۔ البقرہ ۲: ۱۷۹۔

۵۲۔ النساء ۴: ۹۵۔

۵۳۔ النساء ۴: ۹۵۔

۵۴۔ ترجمہ: اللہ کے راستہ میں اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنے والا مجاہد ہے۔ (حدیث)

۵۵۔ ترجمہ: ہماری عزت خاتم النبیّین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے ہے۔
پہلا مصرع یہ ہے: ع در دلِ مسلم مقامِ مصطفےٰ است
(اسرار و رموز (اقبالؒ)، مترجم: میاں عبدالرشید، شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ پبلیشرز، چوک انارکلی لاہور، س ۱۹۹۱ء، ص ۶۰)

۵۶۔ پچھلی رات کی ملگجی یا دھندلی چاندنی جو صبح ہو جانے کو دھوکا دیتی ہے یعنی صبح کاذب۔ (کنایہ)

۵۷۔ البقرہ ۲: ۱۹۳۔

۵۸۔ ابراہیم ۱۴: ۲۰۔ فاطر ۳۵: ۱۷۔

◆◆◆

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغَالِبُوْنَ

حضرت مولانا ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالی

سجادہ نشین جلال پور شریف و امیر حزب اللہ

خطبۂ صدارت

جو آپ نے

حزب اللہ کے ستائیسویں سالانہ اجلاس پر ارشاد فرمایا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم ؕ☆

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوۡلٰینَا وَ حَبِیۡبِنَا وَ شَفِیۡعِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَتۡبَاعِہٖ وَاَشیاعِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ ○ اَمَّا بَعۡدُ فَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ فِیۡ قُرۡاٰنِہِ الۡمَجِیۡدِ وَفُرۡقَانِہِ الۡحَمِیۡدِ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡم ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم ○ اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَاَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ ؕ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَیَقۡتُلُوۡنَ وَ یُقۡتَلُوۡنَ ۟ وَعۡدًا عَلَیۡہِ حَقًّا فِی التَّوۡرٰىۃِ وَالۡاِنۡجِیۡلِ وَ الۡقُرۡاٰنِ ؕ وَمَنۡ اَوۡفٰی بِعَہۡدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَیۡعِکُمُ الَّذِیۡ بَایَعۡتُمۡ بِہٖ ؕ وَ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ○ اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ السَّآئِحُوۡنَ الرّٰکِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ النَّاہُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ الۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰہِ ؕ وَ بَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ○[۱]

مشائخ عظام، علمائے کرام وحاضرین والاتمکین! اولاً یہ فقیر نہایت خلوص اور محبت بھرے دل کے ساتھ آپ سب حضرات کا خیر مقدم کرتا ہے کہ آپ موسم کی ناسازگاری، بے اعتدالی، غیر معمولی سردی اور بے شمار مصروفیتوں اور کئی قسم کے موانع اور رکاوٹوں کی پروا نہ کرتے ہوئے عرس مبارک اور حزب اللہ کے ستائیسویں اجلاس میں شمولیت کی خاطر تشریف لے آئے ہیں اور احساسِ فرض اور اپنی عائد شدہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآئی کو اپنے دوسرے مشاغل پر ترجیح دے کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ اکثر مسلمان اسلامی کاموں سے دل چسپی نہیں لیتے اور روحانیت کی دنیا تو مادہ پرستوں کے ہاتھوں اجاڑ ہو چکی ہے، آپ ایسے اصول پسند اور حقائق شناس لوگ موجود ہیں جن کے سینوں میں دردمند دل اور جن کے دلوں میں اسلام کی محبت بہ درجۂ اتم موجود ہے۔ وَکَثَّرَاللّٰہُ اَمۡثَالَکُمۡ وَاَصۡلَحَ بَالَکُمۡ۔[۲]

☆ ۴/۵ جمادی الثانی ۱۳۷۳ھ بہ مطابق پیر ۸ فروری/منگل ۹ فروری ۱۹۵۴ء کی درمیانی شب پڑھا گیا۔ مولوی محمد عالم، سیکرٹری انجمن حزب اللہ نے دین محمدی پریس، لاہور میں طبع کرا کر شائع کیا۔

آپ کو کس غرض اور مطلب کے لیے یہاں طلب کیا گیا ہے اور ایسے سرد موسم میں بجائے اس کے کہ آپ نرم اور گدگدے [ملائم] بستروں میں محوِ خواب استراحت ہوں، آپ آج رات کے وقت کھلے میدان میں سردی سے ٹھٹھرے ہوئے میری باتیں کیوں گوش گزار کر رہے ہیں؟ اس کا جواب آپ کو ابھی مل جائے گا اور آپ کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ جو امورِ مہمّہ اور اہم ترین مسائل ہمارے پیشِ نظر ہیں، مسلمانوں کے مستقبل قریب کے فلاح و بہبود کے سلسلہ میں جو عملی تجاویز و تدابیر سامنے آنے والی ہیں اور ہم نے باہمی صلاح و مشورہ، گفت و شنید اور بحث و تمحیص کے بعد اپنے لیے جو شاہ راہِ عمل مقرر کرنی ہے اس کا یہی تقاضا تھا اور یہی اقتضا کہ ہم آج کے جلسہ میں اکٹھے ہو کر سر جوڑ کر نہایت ٹھنڈے دل سے مفکر دماغ سے کچھ سوچ بچار کریں اور افہام و تفہیم کے بعد جو متفقہ فیصلہ کیا جائے اس پر کورانہ تقلید کرتے ہوئے نہیں بل کہ اسے ایک ضروری فرض سمجھتے ہوئے پورا کریں اور اس وقت تک ہمیں دلی طمانیت اور قلبی سکون حاصل نہ ہو جب تک کہ ہم اسے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا دیں۔

رسمی تعارف غیر ضروری ہے۔ آپ مجھے جانتے ہیں اور مَیں آپ کو پہچانتا ہوں اور مزید تکلفات تضیعِ اوقات کے مرادف۔ یہ فقیر کچھ عرض کرنا چاہتا ہے اور آپ اسے سننا چاہتے ہیں اس لیے کسی تمہید اور مبادیات کے بغیر یہ فقیر اصلی موضوع اور حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کرے گا۔ وَبِیَدِہٖ التَّوْفِیْق۔ [۳]

سر کنم نالہ اگر تابِ شنیدن داری
سینہ بشگافم اگر طاقت دیدن داری [۴]

عرفان کی تجلی

حضرت انسان کی تخلیق، تعدیل و تسویہ [۵] کے بدوِ شعور و تعقل کے ساتھ ساتھ حقائق الاشیا کی کنہ [حقیقت] اور لِم کی ٹوہ لگانا، تحقیق کون و مکان و تجسّس ایں و آں [یہ اور وہ]، دریافت رازہائے خفیہ و حلِ اسرار و رموزِ پنہاں، انکشافِ امورِ مہمّہ و استخراجِ مسائلِ مشکلہ، قدرت نے انسانی ودیعت کے اندر ودیعت [امانت] کر دی تھیں۔ اس نے سر بہ فلک پہاڑوں کو محض اس لیے نہیں دیکھا کہ یہ بلند قامت اور رفیع المنظر ہیں بل کہ اس لیے کہ جس نے انھیں اونچا بنایا اور اتنی بڑی جسامت بخشی وہ خود کتنا اونچا اور بلند و بالا ہے۔ اس نے سمندر کی پہنائی، گہرائی، وسعت اور ناپیدا کناری کو ان نظروں سے مطالعہ نہیں کیا کہ پانی کی یہ متحرک دنیا اپنی عظمت و اُبہت [شان و شوکت] کا ایک پُر شکوہ منظر پیش کرنے والی ہے بل کہ اسے پانی کی اس وسیع و عریض چادر کے پیچھے ایک پُر جلال چہرہ دکھائی دیا جس کے جمالِ جہاں آرا کی کشش و انجذاب نے بحری فضا میں ایک تلاطم [۶] و

تموّج پیدا کر رکھا ہے اور سمندر میں رہنے والے آبی جانور اس پر نچھاور ہونے کی خاطر دیوانہ وار محوِ رقص وخرام ہیں۔ دریاؤں کی روانی وطغیانی، پہاڑوں پر سے گرنے والی ندیوں کی گڑگڑاہٹ اور زیر وبم، پتھروں کا ٹکراؤ اور مہیب اصوات، بادی النظر میں کارخانہ قدرت کی خود بہ خود چلنے والی مشین کے پرزوں کی نقل وحرکت ہے مگر سراغ رساں اقلیمِ معرفت نے معلوم کر لیا کہ یہ آوازیں ندی نالوں کے بہاؤ اور پتھروں کے ٹکرانے کی نہیں بل کہ یہ گونج، یہ ترنّم ان جل پریوں اور حوروں کی پازیبوں اور پاؤں میں پہنے جانے والے زیوروں کی جھنکار ہے جو کہ وہ ایک عرش نشیں، شہنشاہِ ارض وسما کے تختِ جلال کے سامنے جھک جھک کر اپنی عقیدت وعبودیت کا اظہار کر رہی ہیں۔

جنگلوں میں شیر کی دھاڑ، ہاتھی کی چنگھاڑ، ہرنوں کی کلیلیں کرنا اور چوکڑیاں بھرنا، آسمان پر عقاب کی پرواز، شاہین وشہباز کی جھپٹیں، کوئل کی کُوکُو اور قمری کی حق سرہٗ، کوّے کی ٹائیں ٹائیں، کبُوتر کا غٹرغوں، مرغ کی بانگیں، بلیوں کی میاؤں میاؤں، کتوں کا بھونکنا، ٹڈیوں کا بولنا حتّا کہ مکھیوں کی بھنبھناہٹ اور حشرات الارض کی سرسراہٹ کو ظاہر بین لوگ ان کے مادی اور طبعی حرکات پر محمول سمجھیں لیکن حقیقت میں وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ[۷] کے مطابق یہ تمام وحوش وطیور، یہ تمام چلنے والے، رینگنے والے، اڑنے والے جانور اپنی زبانِ حال بل کہ لسانِ مقال سے مصروفِ تسبیح وتہلیل ومشغولِ حمد وثنا ہیں۔

سپیدۂ سحر کے آغاز میں جب اقلیم سماوی کا تاج دار اپنی ہزار کرشمہ ریزیوں، لمعہ [چمک] افروزیوں اور ضیا گستریوں کے ساتھ دریچۂ فلک سے جھانکتا ہے اور شعاعِ شمس کی تابانی ودرخشانی، ظلمتِ شب کو کافور کر کے کرۂ ارض کو بقعۂ نور بنا دیتی ہے۔ تمھارا ناقص دماغ ممکن ہے اس سوچ میں پڑ جائے کہ یہ سونے کا بنا ہوا چمکنے والا تھال فضائے بسیط کے اندر کسی نے اچھال دیا۔ جس کے اندر تمازت بھی ہے اور حرارت بھی، جُھلسا دینے والی لپٹیں بھی ہیں اور آنکھوں کو خیرہ اور چکا چوند کرنے والی شعاعیں بھی۔ جو کہ نور اور نار دونوں کو مرکب ہے، جمال اور جلال دونوں شانوں کا مظہر۔ لیکن اربابِ بصیرت ومعرفت جانتے ہیں کہ خلاقِ عالم نے اپنی بے پناہ قوت اور بے مثال طاقتِ تخلیق وتکوین کا مظاہرہ ایک آتشیں اور سیال گیند کو فضائے غیر محیط کے اندر پھینک کر کیا ہے تا کہ مبصرین دہر ومفکرینِ عالم [جو] اس کی ایک ادنیٰ مخلوق ہے اس کی ہمہ گیر وہمہ رس قوت کا اندازہ لگا سکیں اور فَالِقُ الْاِصْبَاحِ[۸] کی فوقیت وبرتری کا اعتراف کر سکیں۔ جس کے پیدا کردہ جہان میں صرف ایک نظام شمسی ہی موجود نہیں، جس کے اردگرد ہزاروں سیارے گھوم رہے ہیں بل کہ ایسے سیکڑوں نظام ہیں جو کہ ایک منظّم کے اشاروں پر چل رہے ہیں اور معلوم نہیں یہ سلسلہ کُنْ فَيَكُوْن اور یہ تماشائے عدم ووجود کب سے جاری ہے اور کب تک جاری رہے گا۔

یہ ہواؤں کا رخ پھیر پھیر کر چلنا، یہ آسمان پر بادلوں کا گھرنا، پگھلنا، مینہ برسنا، بادلوں کا گرجنا،بجلی کا چمکنا،عناصر کا ٹکراؤ، اجرامِ ارضی وسماوی کا جمال وکمال،سُورج کی چمک، چاند کی ضیا،ستاروں کی جگمگاہٹ،قوس وقزح کی رنگینی، پروین و کہکشاں کی دل فریبی، زہرہ، زحل اور مشتری وعطارد کی دیدہ زیبی۔اِدھر دریاؤں کی روانی،سمندروں کی طغیانی،چشموں کا پھوٹنا،آبشاروں کا گرنا، پھولوں کا کھلنا،کلیوں کا چٹکنا،نسرین ونسترن کی لہلہاہٹ، لالہ ویاسمین کی مسکراہٹ،مختلف النوع پھولوں اور مختلف الاقسام پھلوں کی سجاوٹ اور حلاوت، دنیا کے متعدد دل کش ودل فریب مناظر اور جہاں کی بوقلمونی اور گوناگونی۔

غرض کہ یہ کائنات رنگینیوں اور دل آویزیوں کا ایک مجموعہ ہے اور حسن اور خوب صورتی کا ایک مرقع لیکن اگر ہماری خلقت اور پیدائش کی غرض و غایت اس بات پر محدود تھی کہ ہم باغِ عالم کی گل گشت [سیر] کریں، روشوں پر ٹہلنے لگیں،فواروں کی بہار دیکھیں، پھول سونگھیں، پھلوں کا ذائقہ چکھیں اور باغ بان کے حسنِ انتخاب کی مدح سرائی کرتے ہوئے باغ کی چار دیواری سے باہر آجائیں تو حیف ہے ہماری عقل پر اور افسوس ہے ہماری سمجھ پر۔

چاہیے تو یہ تھا کہ ہم گلشنِ عالم کو دیکھتے اور باغِ جہان کا نظارہ کرنے کے بعد باغ باں کی تلاش کرتے۔اُسے باغ کے کسی کونے یا کسی درخت کی اوٹ میں بیٹھے ہوئے ڈھونڈھ نکالتے اور اُس کی صنعت اور کاری گری کی داد صرف زبان سے نہیں بل کہ اس کے ہاتھ چوم چوم کر دیتے اور اس سے نہایت عاجزی اور درد بھرے دل [۹] سے التجا کرتے کہ دنیا کے پیدا ہونے،سورج اور چاند کو روشن کرنے والے،ستاروں کے دیے جلانے والے، اپنے حسن و جمال کا مظاہرہ کائنات کے اندر رعنائی وزیبائی کی شکل میں کرنے والے،تخلیق کے ساتھ ہی تزئین کا اہتمام کرنے والے ہم تمھاری صنعت کے قائل ہیں،تمھارے کمالات کے معترف ہیں،تمھاری قدرتِ کاملہ پر ہمارا ایمان ہے اور تمھارے غیر محدود اختیارات پر ہمارا یقین ہے مگر ہمیں اتنا ناواقفِ حال نہ سمجھ اور نہ اتنا ناآشنائے حقیقت کہ ہم ظاہری اسباب اور نمود ونمائش کی دل چسپیوں اور دل فریبیوں میں آکر اپنی غرضِ حیات یا مقصدِ زندگی کو بھول جائیں اور پانی کو تلاش کرتے کرتے سراب سے دھوکا کھا جائیں۔یہ بھی تمھاری داد اور عنایت ہے کہ ہمیں حکمت ومعرفت کی نعمتوں سے نوازا گیا ہے ورنہ اگر ہمیں عقل وشعور، دانش وبینش، تدبّر و تفکر کے انعام سے مالا مال نہ کیا جاتا تو ممکن تھا کہ ہم اس عالمِ فریب کے دامِ تزویر میں پھنس جاتے اور صنعت گری کے پیچھے پڑ کر صانعِ حقیقی کی طرف رجوع نہ کرتے لیکن تمھارا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم نے ہمیں بصارت کے ساتھ بصیرت عطا کی ہے اور ظاہری آنکھوں کے علاوہ آنکھیں بھی بخشی ہیں۔

تم اپنے آپ کو ہزار چھپانے کی کوشش کرو مگر ہم نے تمھیں پہچان لیا ہے۔تم پہاڑوں کے پیچھے چھپ

جاؤ،سمندروں کی گہرائیوں میں روپوش ہو جاؤ، جنگلوں اور بیابانوں میں گھس جاؤ، زمین میں جذب ہو جاؤ، آسمان پر چڑھ جاؤ، ورا الوریٰ سے بھی آگے نکل جاؤ ہم تمھیں ہر جگہ ڈھونڈ لیں گے اور ہماری طلبِ صادق ہمارے وجدان وعرفان کا ذریعہ بن کے رہے گی۔

لوگ کہتے ہیں کہ تمھارے تک رسائی ممکن نہیں۔تم دور بستے ہو، حدِ نگاہ سے دُور، رفعتِ تخیل [10] سے ماورا، حیطۂ امکان سے خارج لیکن تو کہتا ہے کہ ہم انسان کی شہ رگ سے بھی نزدیک ترین [11]، ہمارا امکان اور نشیمن مومن مرد کا دل ہے۔اول میں بھی ہم تھے آخر میں بھی ہم رہیں گے، باطن کے اندر بھی ہم پوشیدہ ہیں اور ظاہری طور پر بھی سب ہمارا جلوہ ہے۔[12]

ہم گم کردہ راہ لوگوں کی باتیں نہیں مانتے۔جو تجھ سے دور ہیں تو ضرور ان سے دُور ہو گا لیکن ہم تم سے دُور نہیں رہنا چاہتے بل کہ یہاں قرب وبُعد کا سوال ہی نہیں، دُور اور نزدیک کا جھگڑا ہی فضول ہے۔ہم تو صرف چاہتے ہیں کہ ہمیں اپنا نشانِ راہ مل جائے، منزلِ مقصود کا تعیّن تو ہو چکا ہے اس پر رسائی حاصل ہو۔تُو تو ہم کو پہچان چکا ہے۔ہم بھی تجھے پہچان جائیں بل کہ صاف لفظوں میں ہمیں تمھاری نہیں اپنی معرفت حاصل ہو۔یہ من وتُو کے قصے سب اعتباری ہیں۔یار لوگوں نے برخود غلط اندازی سے کام لیا اور ان بے سروپا مباحث میں جا پڑے۔

ہم کسی بحث وتمحیص میں جانا نہیں چاہتے کہ تُو کون ہے؟ اور مَیں کون ہوں؟ تُو پہلے کیا تھا اور اب کیا ہے؟ کوئی زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ تیری ذاتِ مطلق کے سوا کچھ نہیں تھا اور اب سب کچھ ہے اور پھر کچھ بھی نہیں رہے گا۔یہ باتیں عام اور جاہل طبقات کی طفل تسلی کرتی ہوں تو ممکن ہے ورنہ جاننے والے جانتے ہیں کہ تو ہی سب کچھ تھا، تو ہی سب کچھ ہے اور تو ہی سب کچھ رہے گا۔

تعیّنات کا مسئلہ سردردی کا باعث ہے۔مادہ کے حدوث وقدم کے نظریے اختلالِ دماغ پیدا کرنے والے ہیں۔اجزائے لایتجزیٰ واجزائے دیمقراطیسی کی ہیئت ترکیبی اور پھر ان کا اجتماع وانفکاک، یہ طبیعیات کے مسائل نا قابلِ فہم وادراک ہیں۔ہم تو اس محقق کی داد دیں گے جس نے اجزائے لایتجزیٰ کا تجزیہ وتقسیم عملاً کر کے دکھلا دیے اور اس طرح ریسرچ کرنے والے کی تعریف وستائش میں رطب اللّسان ہوں گے۔جس نے ذرّہ کے ہر جزو کے اندر آثارِ حیات وعلاماتِ زندگی معلوم کرنے اور اپنی خورد بین نگاہوں یا آلاتِ خورد بینی سے ایک ذرہ کے ہزارویں حصہ میں بھی مثبت اور منفی طاقتوں کے باہم دگر کش مکش، تصادم وتقابل کا راز معلوم کر لیا۔

پھر اس انکشافِ حقیقت کے بعد موت کہاں باقی رہی اور فنا کا وجود کہاں موجود رہا؟ یہاں تو حیات ہی حیات، زندگی ہی زندگی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ تو حـی اور قیـوم ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔تو

قائم بالذات ہے اور واجب الوجود اور جس چیز کا تعلق بھی تیری ذات سے ہوگا یا تیرے کُل کی جزو ہوگی وہ بھی زندہ جاوید ہے، اسے بھی بقائے دوام حاصل ہے۔

پھر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم بھی ہمیشہ زندہ رہیں اور تمھاری طرح حی اور قیوم۔ ممکن ہے اصحابِ ظواہر ازلیت اور ابدیت کے سوالات پیدا کریں لیکن یہ سوال تب پیدا ہو جب غیریت تسلیم کی جائے اور غیریت کی صورت میں احدیت کہاں رہ سکتی ہے؟ مگر یہاں منطقی استدلال یا فلسفیانہ مُوشگافیاں مطلوب نہیں اور نہ ہی یہ رموز و نِکات لفظوں میں سمجھے یا سمجھائے جا سکتے ہیں۔

ع علم در سینہ بود درسی نہ بود [۱۳]

یہاں تو تصورات و تخیلات کو کوئی دخل نہیں بل کہ تعینات اور تصدیقات کی کارفرمائی ہے۔ پردے ڈالنے مقصود نہیں بل کہ پردے اٹھانے مطلوب ہیں۔ ہجر اور دوری کے رونے نہیں روئے جائیں گے بل کہ تقرب اور وصال کی نغمہ ریزی ہوگی اور جمالِ یار کی رونمائی۔ ہماری مجلس میں ایسے لوگ نہ آئیں اور نہ مداخلت کی جرأت کریں جن کی آنکھیں بصارت سے محروم ہیں، جن کے کان صدائے حق کی سماعت سے عاری اور جن کے دل فقاہت اور حقیقت شناسی سے نا آشنا۔

یہاں ان کا خیر مقدم کیا جائے گا اور اپنے مدارج کے مطابق نشست دی جائے گی جن کی ظاہر کی آنکھیں بھی روشن ہیں، جن کے کانوں کے پردوں میں باریک سے باریک آواز بھی آجایا کرتی ہے اور جن کے قلوبِ صافیہ آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہیں اور ان کے اندر موردِ الطافِ ربانی و محورِ اسرارِ رحمانی بننے کی صلاحیت موجود ہے۔

آپ ہزار دنیا کی باتیں کریں۔ آخرت کے متعلق قیاسات دوڑائیں۔ عالم ہست و بود، جہاں رنگ و بو کے حسن و قبیح پر تبصرہ و تنقید کریں۔ اپنے مبدا و معاد [ابتدا اور لوٹنا] اور روح کی حقیقت، زندگی اور موت کے فلسفہ پر جرح و قدح کرتے ہیں۔ یہ فقیر تو صرف ایک شعر پر اکتفا کرے گا۔

؎ مصلحت دیدِ من آنست کہ یارانِ ہر کار
بگزارند و سرِ طرۂ یارے گیرند [۱۴]

اے سارے جہان کے علوم و فنون کی مہارت رکھنے والو! حقائق الاشیا کی چھان بین کرنے والو! بادہ پرستو اور حق ناپرستو! معانی و مطالب کو چھوڑ کر الفاظ کی بھول بھلیاں میں پڑنے والو! غمِ امروز و فکرِ فردا میں پڑ کر جان ہلکان کرنے والو! آؤ میں تمھاری صحیح رہ نمائی کروں، تم گم کردگانِ راہِ ہدایت کو سیدھا راستہ دکھلا دوں اور تمھیں خدا سے نہیں اپنے آپ سے متعارف کرا دوں۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ [۱۵] کہ جو شخص

اپنے آپ کو پہچان لے وہی اپنے رب کو پہچان سکتا ہے۔وَلَنِعْمَ مَاقِيْلَ۔[۱۶]

سرِ خدا کہ عارف کامل بکس نگفت
درحیرتم کہ بادہ فروش از کجا شُنید [۱۷]

روحانیت کی دُنیا

حضرت انسان جسم اور روح دو چیزوں سے مرکب ہے اور اربع عناصر کا امتزاج و اعتدال اور پھر اس کا لبدِ خاکی میں رُوح کا حلول و دخول زندگی اور حیات کا باعث ہے۔ولِلّٰهِ دَرّقَائِلِه۔[۱۸]

زندگی کیا ہے؟ عناصر کا ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے؟ انہی اجزا کا پریشاں ہونا [۱۹]

لیکن اگر عناصر موجود بھی ہوں، اعتدالی کیفیت بھی پائی جائے، جسم کی ساخت میں بھی کوئی طبعی نقص و فروگذاشت بھی نہ ہو مگر روح کے بغیر منطقی تعریف کے مطابق نہ نمو حاصل ہوتا ہے، نہ احساس اور نہ تحرک بالارادہ۔

مادہ جسم کی آپ بے شک تاویلات کر سکتے ہیں اور مغز و استخوان، گوشت و پوست، خون اور پانی کا تجزیہ و تقسیم موجودہ سائنس و طبعیات کے سامنے ایک معمولی بات ہے مگر روح کی حقیقت کا علم تا حال آپ کو نہیں بخشا گیا اور غالباً نہیں بخشا جائے گا[۲۰] جب کہ اس تحقیقات اور ریسرچ کے لیے جن آلات کی ضرورت ہے، جو خوردبینیں بکار ہیں اور جو عینکیں مطلوب ہیں وہ آپ کے پاس موجود نہیں۔

آپ ہر چیز کو عقل و فکر کے ترازو میں تولا کرتے ہیں حالاں کہ روحانی دنیا میں عقل و خرد کا کوئی دخل نہیں۔ وہاں ظن و تخمین، وہم و قیاس کی کوئی رسائی نہیں۔ وہاں تو اذعان [اطاعت] و تصدیق، ایمان و احسان کی کارفرمائی ہے۔ وہاں یہ آنکھیں کام نہیں کر سکتیں بل کہ دل کی آنکھیں کچھ دیکھ سکتی ہیں۔ پژمردہ قلوب اور افسردہ خواطر اور بجھے ہوئے دل وہاں کس کام کے؟ وہاں روشن ضمیر، قلوب صافیہ اور شیشہ کی طرح چمکنے والے مجلیٰ و مصفٰی دل کارآمد ہو سکتے ہیں۔

مادی دنیا کو روحانی دنیا سے کوئی مناسبت نہیں۔ جو چیز یہاں ناممکن ہے وہاں امکان سے خارج نہیں۔ یہاں اونٹوں، گھوڑوں، خچروں، بائیسکلوں، موٹروں، لاریوں، گاڑیوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ قطع مسافت اور سفر طے کیے جاتے ہیں مگر وہاں قرب و بُعد کا سوال ہی نہیں۔ صرف ارادہ اور مشیّت سے انسان ایک سیکنڈ میں ہزاروں کوس پر پہنچ سکتا ہے اور آنکھ جھپکتے ہی تختِ بلقیس کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا۔[۲۱] یہ دنیا

مکر وفریب کا گہوارہ ہے۔ خودغرضی ونفسانیت کا گھر ہے۔ حرص وآز، لالچ اور طمع، خواہشات وشہوات کا مسکن ہے۔ حسد، بغض، جذبۂ انتقام، تمنائے نام ونمود، خودستائی وخودنمائی، عجب وغرور، احسان فراموشی، کذب وافترا، غیبت و بہتان، مردم آزادی، دشنام طرازی، ستم آرائی، قتل وغارت، فساد وعناد یہاں کے باشندوں کی گھٹی میں پڑے ہوئے ہیں مگر روحانی دنیا ان عیوب ونقائص سے بالکل مبرہ ہے۔ وہاں کے بسنے والے لوگوں میں بشریت کی جگہ ملکوتیت کا غلبہ ہے۔ وہاں حیوانیت کا کوئی عمل و دخل نہیں اور نہ بہیمیت کا وہاں گزر۔ ان کے سامنے اقتصادیات اور مالیات کا کبھی ذکر ہی نہیں ہوا جب کہ ذکر وفکر ہی ان کی روحانی غذا ہے۔ انھیں تسبیح وتہلیل سے فرصت نہیں ملتی جو ظاہری خواہشات کی تکمیل کے لیے کوئی سوچ بچار کرسکیں۔ ان کی دوستی اور دشمنی کا معیار اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ [۲۲] ہوا کرتا ہے۔ وہ ہر اس چیز کو پسند کرتے ہیں جو تقرب الی اللہ اور وصالِ حق کی طرف لے جانے والی ہو اور ہر اس شے سے نفرت کرتے ہیں جو کہ محبوب ومطلوبِ حقیقی سے دور کرنے والی ہو۔ وہاں لڑائی اور جھگڑے بھی ہوا کرتے ہیں لیکن بنی نوعِ انسان سے نہیں بل کہ نفس اور شیطان سے۔ وہاں کے ساکنین تیراندازی کے بڑے مشتاق ہیں اور ان کی بندوقوں کا نشانہ خطا نہیں ہوتا [۲۳] مگر وہ تیر چلاتے ہیں اپنی نفسانی خواہشات پر اور بندوقوں کی باڑھ لگاتے ہیں شیطان لعین پر جب کہ نفس انھیں مادی ترغیبات دینے لگتا ہے اور شیطان انھیں تحریصات کی راہ دکھلانے آتا ہے۔

وہ بھی تسابق یا بہم دگر سبقت بردن [۲۴] کے شائق ہیں مگر زر وجواہر، ملک واملاک اور ہوسِ استعمار کی خاطر نہیں بل کہ حصولِ علوِ مدارج وکمالات اور مراحلِ فقر ومسالکِ معرفت طے کرنے میں اور اپنی ذات کو خدا کی ذات میں محو کر دینے میں۔ ان کے دل آرزوؤں اور خواہشات سے خالی تو نہیں ہوتے مگر ان کی آرزوئیں اور خواہشیں صرف یہی ہوا کرتی ہیں کہ ہم جلد از جلد بشریت کا جامہ پھاڑ کر اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہو جائیں اور بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی [۲۵] آخری الفاظِ سردارِ دوجہاں خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ان دنیاوی رشتوں، ناطوں، تعلقات اور وابستگیوں سے منھ موڑ [۲۶] کر اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ [۲۷] اپنی تمام تو جہات کو خالق کون ومکاں کی طرف مرکوز ومنعطف کر دیں۔

اب مزید غور وفکر سے کام لیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر جسم کو معمولی جیسی بے اعتدالی یا بے تدبیری سے بیسیوں امراض لاحق ہو جایا کرتے ہیں جن کے ازالہ واندفاع [دور کرنے] کے لیے کسی معالج کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے تو یقیناً انسانی وجود کے دوسرے جزو اعظم روح کو بھی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں اور ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے کسی روحانی معالج اور حکیم کی تلاش ضروری ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خدانخواستہ آپ کا جسم کسی مزمن یا مہلک مرض میں مبتلا ہو جائے اور علاج کے بغیر ہی صحت وشفا حاصل کرے۔

اسی طرح یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کی روح روحانی امراض میں ماخوذ ہو جانے کی صورت میں بغیر کسی دوائی اور علاج کے خود بہ خود شفایاب ہو جائے۔ جس طرح کہ جسمانی بیماریوں کے علاج کی خاطر آپ کو حکیموں اور ڈاکٹروں کی تلاش ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح روحانی امراض کے ماہرین کی طرف آپ کو ضرور رجوع کرنا چاہیے۔ ہاں یہ ضروری بات ہے کہ جس طرح آج کل بہت سے عطائی اور بازاری حکیم مریضوں کے حق میں ملک الموت ثابت ہو رہے ہیں اسی طرح بعض روحانی نام نہاد حکیم وطبیب روحانی بیماروں کا ستیاناس کر رہے ہیں اور او خویشتن گم است کہ را رہبری کند [۲۸] کے مطابق وہ خود تو اندھیرے میں تھے ہی مگر اپنے پیچھے چلنے والوں کو بھی قعرِ ظلمات میں ڈال رہے ہیں۔

آپ پہلے پوری تلاش اور تجسس، آزمائش وامتحان کے بعد کوئی ایسا ایکسپرٹ ڈاکٹر یا ماہر حکیم ڈھونڈ نکالیں جو کہ تشخیصِ مرض کے بعد آپ کے لیے کوئی مجرب اور آزمودہ نسخہ تجویز کرے اور پھر آپ ہدایات اور پرہیز کے مطابق اس کا باقاعدہ استعمال کریں تو ان شاء اللہ آپ یقیناً شفایاب ہو جائیں گے اور جسمانی صحت اگر درست ہو سکتی ہے تو روحانی شفا بھی ناممکن نہیں۔ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۔ [۲۹]

پیغامِ حق

ضعیف البنیان انسان اور خدائے قدوس وقیوم کے درمیان رابطہ واتحاد قائم کرنے اور تعلقِ یگانگت استوار کرنے کی خاطر وقتاً فوقتاً انبیا علیٰ بنینا وعلیہم السلام مبعوث ہوتے رہے اور چوں کہ ہر ایک انسان اپنی قلبی کثافتوں، جسمانی غلاظتوں اور روحانی کمزوریوں کے باعث اس قابل نہیں ہوتا کہ اسے ملاءِ اعلیٰ تک رسائی ہو سکے، مقربینِ بارگاہِ صمدیت کی صف میں باریاب ہو سکے یا براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا فخر اسے عطا ہو۔ اس لیے خالق ومخلوق، عابد ومعبود کے درمیان ترجمانی اور پیغام رسانی کے پیشِ نظر چند ارواحِ قدسیہ واجسامِ مطہرہ کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ جن کے ذمہ تبلیغِ احکامِ الٰہیہ وتشہیرِ ارشاداتِ خداوندی کے فرائض ہوا کرتے ہیں اور بذریعہ وحی والہام والقا جو کچھ انھیں پہنچایا جاتا ہے وہ بہ امتثالِ امر وبہ تعمیلِ حکم بنی نوعِ انسان کو بلا استثنا مومن و کافر، خاطی ومعصوم، جاہل اور عالم ہر فردِ بشر کو وہ پیغام سنا دیتے ہیں۔

سنتِ الٰہی وقانونِ خداوندی چوں کہ غیر مبدل اور ترمیم وتنسیخ سے بالاتر ہے اس لیے ابوالانبیا آدم علیٰ نبینا علیہ السلام سے لے کر سیّد المرسلین، خاتم النبیین، سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہی معمول چلا آیا اور اب تک یہی چلا آتا ہے۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ پہلے بنی اسرائیل کے نبیوں کو جو منصب اور درجہ حاصل تھا وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں یعنی علمائے حق کو

نصیب ہوگیا۔[۳۰] وَذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ [۳۱] پیغامِ حق ایک تھا، ایک ہے اور ایک رہے گا۔ البتہ پیغام رساں بدلتے رہے، دنیا بدلتی رہی، دنیا کے حالات بدلتے رہے، دنیا کی حکومتیں بدلتی رہیں، انسانی تمدن تبدیل ہوتا رہا، تہذیب وعمرانیت میں تغیرات رونما ہوئے، نئی نئی زبانیں بنیں، بگڑیں، بیسیوں علوم وفنون کتمِ عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے، انسانیت نے ارتقائی منازل طے کیے، آدمیت نے کئی چولے بدلے مگر پیغامِ حق نہیں بدلا اور نہ اس کے بدلے جانے کی ضرورت ہے۔

انسان کا بنایا ہوا قانون حالات کے اعتبار سے، واقعات کے حسب اقتضا اور وقتی مصلحتوں کے پیشِ نظر بدلا کرتا ہے اور بدلنا چاہیے جب کہ انسان کا ناقص علم مستقبل کی خبر نہیں رکھتا۔ اسے ماضی کی روشنی میں، حال کے مقتضیات کے مطابق ایک رائے قائم کرنی پڑتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود اور وسیع ہے۔ اس کی نظر کے سامنے تینوں زمانے موجود ہیں۔ ماضی پر اس کی نگاہیں ہیں، حال اس کے سامنے ہے اور مستقبل اس کے روبہ رو۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا بنایا ہوا قانون جامع اور مانع ہے اور کسی کمی بیشی کا متحمل نہیں۔

پیغامِ حق کے الفاظ مختلف کیوں نہ ہوں۔ زبان خواہ عربی ہو یا عبرانی، ساسانی ہو یا تورانی۔ اس کا مقصد ایک ہے، مفہوم ایک ہے۔ لفظوں کا ہیر پھیر ہو جائے تو مضائقہ نہیں مگر معانی ومطالب میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور یہی پیغامِ حق کی خصوصیت ہے۔

عِبَارَاتُنَا شَتّٰى وَحُسۡنُكَ وَاحِدٌ
وَكُلٌّ اِلٰى ذَاكَ الۡجَمَالِ يُشِيۡرُ [۳۲]

پیغامِ حق کی نوعیت کیا ہے؟ اس کا تعین وتشخص کیا ہے؟ اور اس کی حقیقت ثابتہ [پاک] کا مفہوم کیا ہے؟ جس کو اللہ تعالیٰ کی مقبول اور مقدس ہستیوں نے نہایت امانت اور حفاظت کے ساتھ انسان تک پہنچایا اور انسان نے اپنا سرِ تسلیم خم کر کے اسے قبول کیا۔ کثیر افراد نے اسے عملی جامہ پہنایا اور ایک جماعت نے اپنے آپ کو اس کے سانچہ میں ڈھال لیا۔

پیغام کے الفاظ بہ ظاہر مختصر اور محدود ہیں لیکن اس کے معانی ومطلب اپنے اندر بے پناہ وسعت اور جامعیت رکھنے والے۔ پیغام کیا ہے دریا در کوزہ اور جس کا تعلق انسانی زندگی کے ہر شعبہ اور انسانی حیات کے ہر پہلو سے ہے۔ اس میں سیاستِ اسلامی پوشیدہ ہے اور اسی میں شائستگی وعمرانیت مستتر۔ اقتصادی خوش حالی کا وہ ضامن ہے اور اصلاحِ معاشرہ کا وہ کفیل۔ اس کی تعلیم پر عمل کرنے والے کو سعادتِ دارین نصیب ہو سکتی ہے اور فوز وفلاحِ کونین حاصل۔ جس جماعت نے اس پر عمل شروع کر دیا وہ تمام جماعتوں سے فائق ہوگئی اور جس قوم نے اسے اپنا لیا وہ سارے جہان کی قوموں سے ممتاز ومتخر [پناہ دینے والی، محفوظ] بن گئی۔

پیغام کیا ہے؟ دردمندانہ اور دکھی دلوں کے لیے وجہِ قرار اور مضطرب و پریشان قلوب کے لیے سرمایۂ اطمینان وتسکین۔ یہ پیغام وہی ہے جسے آویزۂ گوش بنا کر اور جسے سینہ سے لگا کر اونٹ چرانے والے عرب کے بدویوں نے قیصرِ روم کا تخت چھین لیا تھا اور کسریٰ شاہِ ایران کا تاج اتار کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ وہ تو پرانے قصے ہوئے۔ اب بھی جو شخص اس پیغام کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لے گا اور اپنی رفتار، کردار اور گفتار کو پیغام کے مطابق بنا لے گا اُسے دولتِ سرمدی حاصل ہوگی اور عیشِ جاوداں نصیب۔ شاہانِ عالم اس کے باج گزار ہوں گے اور دنیا کے بادشاہ اس کے غلام۔

حقیقتاً یہی رازِ کائنات ہے اور یہی وہ سرِ مخفی جس کے ظاہر کرنے اور کھولنے کی خاطر اللہ تعالیٰ کے مقبول رسول اللہ اور برگزیدہ نبی علیہم الصلوٰۃ والسلام حسبِ ضرورت تشریف لاتے رہے اور اب یہ کام ان کے صحیح جانشین سرانجام دے رہے ہیں اور قیامت تک دیتے چلے جائیں گے۔

پیغامِ حق لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے سچے رسول اور پیغام بردار ہیں۔

یہ پیغام جب مکہ کے دُرِیتیمؐ نے اپنی زبان سے انسانی آبادی کو پہنچایا تو معاً ساری زمین میں ایک شدید زلزلہ آ گیا۔ جس کی شدت کا یہ عالم تھا کہ خانہ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بُت اپنے منھ کے بل دھڑام سے گر پڑے۔ قیصر کے محلات لرز اُٹھے، آتش کدہ ایران سرد ہو گیا۔

اِدھر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اعلان ہوا اور اُدھر اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَنْدَادًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ اس زمانہ کے حکمران سمجھے بیٹھے تھے کہ ہماری حکومت سب پر ہے اور ہم پر کسی کا راج نہیں مگر انھیں بتلایا گیا کہ ایک ذات واحدہٗ لاشریک احکم الحاکمین ہے اور جس طرح کہ تمھاری مملکت میں تمھارے ہزاروں اور لاکھوں غلام موجود ہیں، تم اپنی رعایا پر تصرف تو رکھتے ہو مگر ان کے رزاق نہیں اور وہ جو تمام جہان کا پیدا کرنے والا اور خالق ہے وہ سب کا رزاق اور پرورش کرنے والا بھی ہے۔

اس پیغام کا دنیا کے کاروبار پر اثر پڑا، لوگوں کی ذہنیتیں بغایت درجہ متاثر ہو گئیں، طبیعتوں میں انقلابات آ گئے اور خیالات میں ایک زبردست تبدیلی ہو گئی۔ اس پیغام کی ساعت کے بعد اونچ نیچ کا سوال جاتا رہا، آقا اور غلام کی تمیز مٹ گئی اور كُلُّكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ وَكُلُّكُنَّ اِمَاءَ اللّٰهِ [۳۳] کہ تم میں سے ہر مرد خدا کا غلام اور ہر عورت خدا کی لونڈی ہے کے فرمان نے ہر شخص کو ایک ہی صف میں لا کر کھڑا کر دیا۔ یہ پیغام ایک جھٹکا تھا جس نے غلامی کی زنجیروں کو توڑ دیا۔ ایک صدائے دل نواز تھی جو زخمی دلوں پر مرہم بن کر پہنچی اور ایک بغاوت انگیز تقریر تھی جس کو سُن کر بے کس غلاموں نے اپنے جھوٹے آقاؤں، مظلوم رعایا نے اپنے ظالم حاکموں اور پس

ماندہ اقوام نے سرکش اور متمرد قوموں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا۔

انسانیت نے، جو بداخلاق و ناہنجار انسان نما حیوانات کے جبر و استبداد سے کراہ رہی تھی، اللہ کریم کے انصاف پرور اور شفقت آمیز طرز حکومت کو دیکھ کر آرام کا سانس لیا اور آدمیت جو انسان کے غلط طریق کار سے متاثر ہو کر چیخ اٹھی تھی حکومت الٰہیہ کے زریں اصول و ضوابط، قواعد و شرائط کو دیکھ کر سکون میں آ گئی اور اسے احساسِ تسکین ہونے لگا۔

مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر مسرّت اور خوشی کا مقام اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کا جو معبود و مسجود ہے، جو مطلوب و محبوب ہے اور جو مقصود و مرغوب ہے وہی ان کا حکم ران اور بادشاہ بھی ہے۔ وہی ان کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی روزی بخشنے والا۔ ان کی ربوبیت بھی وہی کرتا ہے اور ان کی نگہبانی بھی اسی کے ذمّہ ہے۔

داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لَا کا ہتھوڑا لے کر معبودانِ باطل کی مکمل سرکوبی کر دی۔ ان کے مکر وفریب اور محض نمائشی قلعوں کو مسمار کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ سرزمین پر قصرِ توحید کو اپنے مقدس ہاتھوں سے تعمیر کیا اور ایسی مضبوط اور دیرپا عمارت بنا دی جسے مرورِ ایام اور صدیاں گزر جانے کے باوجود تا حال کوئی نقصان نہیں پہنچا یا اور ان شاء اللہ تا قیامِ قیامت یہ قصرِ توحید دست برد دہر و ایذائے زمانہ سے محفوظ رہے گا۔

دعوتِ حقّہ کی آوازِ بازگشت حزب اللہ کی شکل میں

جیسا کہ انسانی فطرت کی کم زوری کا تقاضا ہے۔ بہتر سے بہتر تعلیم اور اچھی سے اچھی بات بھلا دی جاتی ہے اور آغاز کار میں ایک حقیقت کا جس والہانہ طریق سے خیر مقدم کیا جاتا ہے کچھ عرصہ کے بعد لوگ اسے بھول جاتے ہیں، طاقِ نسیان پر رکھ دیتے ہیں اور اس میں دل چسپی کم ہو جاتی ہے۔ یہی کیفیت پیغام حق کی ہوئی۔ حضور مخبر صادق خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب داعیِ حق اور منادِ صدق و صفا کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اعلان فرمایا اور اپنی رسالت کا اظہار تو شمعِ نبوت پر لوگ پروانہ وار نثار ہونے لگے اور يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا[۳۴] کا نظارہ سامنے آ گیا۔ قوموں کی قومیں اور قبیلوں کے قبیلے دعوتِ اسلام پر لبیک کہتے ہوئے مسلمان ہوتے چلے گئے۔ پھر جب کفر اور اسلام کی ٹکر ہوگئی اور سچائی نے جھوٹ پر، حق نے باطل پر اور روشنی نے اندھیرے پر فتح حاصل کر لی تو ساری دنیا نے اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو پسندیدگی اور استحسان کی نظروں سے دیکھا۔ اسلامی تعلیمات کو [کا] غور وفکر سے مطالعہ کیا اور بالآخر جو کام مسلمانوں کی شمشیر خارا شگاف نہ کر سکی وہ اسلام کی پیش کردہ روحانیت و صداقت نے کر دکھایا اور جہاں کہیں مسلمان بہ حیثیت فاتح گیا وہاں ایک طرف اس نے اپنی جرأت و شجاعت، تہور و جواں مردی کی دادِ تحسین حاصل

کر لی تو دوسری طرف اپنی بلند اخلاقی، نیک سیرتی اور بہترین طریقِ عمل سے مفتوح اقوام کے دلوں کو مسخر کرلیا اور تسبیح و تلوار کے بہ یک وقت استعمال نے پیغامِ حق کی وہ نشر و اشاعت کی کہ زمین کا کوئی کونہ اور دنیا کو کوئی حصہ ایسا باقی نہ رہ گیا جہاں کہ اصحابِ صدق وار بابِ صفا کی زبان نے پیغامِ حق نہ پہنچایا ہو۔

بالآخر اسی بیان کردہ کلیہ کے مطابق مرورِ ایام اور زمانہ گزر جانے پر عامۃ الناس یہ باتیں سنتے سنتے اتنے مانوس اور عادی ہو گئے اور دہریت والحاد، فسق و فجود، لادینی ولا مذہبی کی رو کچھ ایسی چلی کہ برائی اور گم راہی کی طرف مائل ہونے والی طبیعتیں اور ذہنیتیں مذہبی امور کی طرف کم رغبت کرنے لگیں اور رفتہ رفتہ مسلمان اپنے مقصدِ زندگی و مآلِ حیات کو تقریباً بھول گئے۔

اسلام نے خصوصیت کے ساتھ دو چیزیں پیش کی ہیں۔ رزم اور بزم۔ تاکہ انسان کی جدت پسند طبیعت کہیں بنی اسرائیل کی طرح من وسلویٰ کھاتے کھاتے اکتا نہ جائے اور مسور کی دال اور تھوم پیاز کی فرمائش نہ ہونے لگے۔[۳۵] مقصد یہی تھا کہ اگر جنگ کرتے کرتے انسان تھک جائے تو بزم آرائی سے تفریحِ طبع کرے اور اگر بیٹھے بیٹھے جی گھبرانے لگے تو پھر تلوار کے دو دو ہاتھ کر لیے جائیں لیکن چوں کہ انسان بالطبع آرام طلب اور عیش پسند واقع ہوا ہے اس لیے اس نے جہاد کو ترک کر دیا اور صرف آسان عبادتوں کو اختیار کر لیا۔ اس میں شک نہیں کہ فرائض پنجگانہ کے اندر سبھی بڑے بڑے اسرار و غوامض، رموز و نِکات پوشیدہ ہیں اور ان کا پابند بھی دین اور دنیا دونوں میں بہت کچھ فوائد و ثمرات حاصل کر سکتا ہے مگر اہم ترین فریضۂ جہاد ترک کر دینا ایک قوم کے قوائے عمل کو مضمحل اور از کار رفتہ [نکما] کرنے والا ہے۔

دوسری طرف عبادات میں وہ پہلے جیسا خلوصِ عمل بھی نہ رہا۔ معاملات میں دیانت داری باقی نہ رہی اور مسلمان کی زندگی نے تعطل و جمود، بے حسی و عدم احساس کی صورت پیدا کر لی اور سب سے بڑھ کر روحانیت میں روز بہ روز کمی واقع ہونے لگی اور مسلمان جس کا مابہ ناز و مابہ الامتیاز ہی روحانیت تھا۔ اپنی مادیت اور عقلیت کے دامِ فریب میں پھنس کر روحانیت سے دور چلا گیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ

عقل آمد دین و دنیا شد خراب [۳۶]

اس کا دین بھی ٹھیک نہ رہا اور اس کی دنیا بھی بگڑ گئی اور حقیقت یہ ہے کہ مسلمان کو عشقِ حقیقی کی نعمت غیر مترقبہ عطا کی گئی تھی اور جب تک اس کے دل میں اللہ تعالیٰ اس کے رسولِ برحق خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین قیم اسلام کی محبتیں موجود رہیں اسے ہر میدان میں فتح اور ہر معاملہ میں کامیابی ہوتی رہی :

عشق آمد در دو عالم کامیاب [۳۷]

غرض کہ جب اس فقیر نے مسلمان کے ماضی اور مستقبل پر نظر باز گشت ڈالی۔ اس کے دل کو ٹٹولا اور

جذباتِ غیرت وحمیت واحساسِ خودداری کی کوئی رمق اس میں نہ دیکھی۔ اس کے مذہبی، سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، تمدنی حالات کا جائزہ لیا مگر وہ کسی میدان میں بھی کامیاب نہ تھا۔ اس کی روحانیت کی جانچ پڑتال کی لیکن وہ اس نام کو بھی بھول چکا تھا۔ اصلاحِ احوال ودرستیِ ماحول کا جذبۂ صادقہ دل میں پیدا ہوا مگر کام کی نوعیت میری استعداد اور ہمت سے بالاتر تھی اور میرے کم زور کندھے اس بارِگراں کے تحمل وبرداشت سے عاجز۔

اسی غم وفکر میں یہ فقیر ماخوذ تھا کہ کیا دیکھتا ہوں۔ آسمان کے دریچے کھل گئے۔ ملائکہ مقربین کی تسبیح و تہلیل سے کائنات گونج اٹھی۔ ہر طرف ایک سناٹا چھا گیا۔ ہوائیں تھم گئیں۔ سکون اور سکوت طاری ہو گیا۔ ایک ہیبت ناک اور مرعوب کن مگر ساتھ ہی لطیف میٹھی اور مترنم آواز آئی۔ جس نے کہ میرے کانوں کی کھڑکیاں کھول دیں اور مَیں نے ہمہ تن گوش ہو کر پیغامِ حق سنا کہ

اے وہ کہ اپنے آپ کو غلطی سے بے حقیقت اور ہیچ میرز [کم زور] سمجھے بیٹھا ہے اور خواہ مخواہ یاس و حرماں کو اپنے دل میں جگہ دے رہا ہے۔ احساسِ کہتری کے تخیل کو پرے پھینک کر احساسِ برتری اختیار کر لے۔ اپنی بے بضاعتی، کم ہمتی اور بے مائیگی کے غلط احساسات سے چھٹکارا حاصل کر کے بلند خیالی، رفعت پروازی اور خودداری کی دولت سے اپنا دامنِ مراد بھر لے۔ دنیا کے پیچھے تمھیں دوڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ رفتارِ زمانہ کے ماتحت چلنے کی کیا آرزو ہے؟ کورانہ تقلید کی کیا حاجت ہے؟ مردانہ وار کھڑا ہو جا اور دنیا کو اپنے پیچھے چلنے کی دعوت دے۔ زمانہ خود بہ خود تیرا ساتھ دے گا اور تو خود دوسروں کی رہ نمائی کرے گا۔

بس حکم ملنے کی دیر تھی اور اس بات کو پورے ستائیس سال گزر چکے ہیں کہ مَیں نے اپنے اندر ایک فوق الفطرت قوت کا احساس کیا۔ میرے حوصلے بڑھ گئے، میری ہمت بلند و بالا ہو گئی، عزمِ صمیم دل و دماغ پر مستولی [قابض] ہو گیا اور اس فقیر نے

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان جان فرسا
دل افگندیم بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖهَا وَمُرۡسٰهَا [۳۸]

پڑھتے ہوئے کام شروع کر دیا اور آج ستائیس سال سے مسلسل اور پیہم کام ہو رہا ہے۔ احسن طریق سے ہو رہا ہے، کامیابی اور کامرانی سے ہو رہا ہے اور ان شاء اللہ میری زندگی کے آخری لمحہ اور میری حیات کی آخری ساعت تک ہوتا رہے گا۔

تحریک حزب اللہ کوئی نا قابلِ عمل سکیم نہیں اور نہ ہی کوئی نا قابل فہم نظریہ۔ بل کہ یہ ایک پیغامِ حق ہے جو من جانب اللہ بنی نوع انسان کو بعض وسائل و ذرائع کے ذریعہ وقتاً فوقتاً پہنچتا رہا ہے اور اب تک پہنچایا جا رہا ہے اور وہ ہے عملی زندگی کی ترغیب اور اجتماعی حیات کی تحریص اور باقی ساری باتیں انھی [۳۹] مقاصد دوگونہ کی تائید

وتصدیق کی خاطر کی جاتی ہیں۔ مسلسل دورے، طول طویل تقریریں، سالانہ خطبہ ہائے صدارت، رات دن کی محفلیں اوران کے تذکار، لیل ونہار کی گفت گوئیں اوراس کا ماحصل صرف ان دو جملوں کی تفسیر ہیں کہ

ایک بنواور نیک بنو

اور یہی وہ مقصد وحید تھا جس کی وضاحت کی خاطر انبیا علیٰ نبینا علیہم السلام تشریف لاتے رہے اور یہی وہ حقیقی اسلامی نصب العین تھا جس کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے حضور مخبر صادق خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رونق افروز عالمِ کائنات ہوئے اور صاف الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ اِنَّمَا بُعِثْتُ بعثت لأتمم مکارم الأخلاق وَإِعْلَائے کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا کہ میری بعثت کی غرض سوائے اس کے کوئی نہیں کہ انسان کے اندر اخلاق حمیدہ واوصاف پسندیدہ کی تکمیل کردوں اور اللہ تعالیٰ کا نام تمام ناموں سے بلند ہو جائے اوراس کی حکومت کو تمام ظاہری حکومتوں پر غلبہ واستیلا حاصل ہو۔

مکارم اخلاق کی تکمیل سے مراد نیک بننا ہے اور اعلائے کلمتہ اللہ ہو نہیں سکتا جب تک کہ مسلمان باہمی متحد و متفق اور ایک ہو کر اس کا نام بلند نہ کریں، اسلام کا جھنڈا اونچا نہ کریں اور اقصائے عالم میں اس کی حکومت کی داغ بیل نہ ڈالیں:

یکے دو است بدارالشفائے مے کدہ ہا
زہر مرض کہ بنالد کسے شراب دہند [۴۰]

تحریک حزب اللہ پر ایک عبرانی نظر

حضرات! مجھے اجازت دیں کہ تحریکِ حزب اللہ کے بست و ہفت یا ستائیس سالہ دورِ حیات پر مَیں ایک عبرانی نظر ڈال کر اس کے محیّر العقول کارناموں کو آپ کے سامنے لاؤں تاکہ آپ اپنی جماعت کی خصوصیات و امتیازات سے نہ صرف خود واقف ہو سکیں بل کہ معترضین اور نکتہ چینوں کے سامنے نہایت فخر و مباہات [۴۱] کے ساتھ یہ چیزیں پیش کر سکیں اور ان کی غلط فہمی پر مبنی اعتراضات کا مُسکِت و مبرہن جواب دے سکیں۔

سب سے پہلے آپ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ یہ تحریک میرے کم زور دماغ کا اختراع نہیں، میرے خیالات پریشان کا مظہر نہیں اور نہ ہی اس کی تشکیل وترتیب میں میرے ارادہ یا مشیّت کا کوئی عمل و دخل ہے۔ یہ تو ایک پیغامِ حق ہے، ایک دعوتِ عمل ہے اور ایک صدائے دل نواز۔ یہ درست ہے کہ الفاظ میری زبان سے نکلتے ہیں، تحریر میری قلم کی ہے مگر حقیقتاً مَیں وہی کچھ کہتا ہوں جو مجھ سے کہلایا جاتا ہے اور وہی کچھ لکھتا

ہوں جو مجھ سے لکھایا جاتا ہے :

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ نقاش ازل گفت ہماں می گویم[۴۲]

اگر اس تحریک کا تعلق میری ذات سے ہوتا تو اس طویل عرصہ میں جب کہ اسلامی سیاسیات نے کئی طور طریقے بدلے۔ ملکی حالات میں کئی قسم کے انقلابات آئے۔ عالم گیر جنگوں نے نہ صرف ملکوں اور سلطنتوں کے پرخچے اڑا دیے بل کہ ان کا اثر انسانی معاشرہ پر پڑا۔ انسانی تہذیب وتمدن میں بے شمار تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ بعض قومیں تباہ و برباد ہوگئیں اور بعض مستحکم و آباد اور پھر اندریں اثنا کئی جماعتیں بنائی گئیں جو بامِ ارتقا تک جا پہنچیں اور پھر گوشۂ گمنامی وقعرِ انحطاط وتنزل میں جا پڑیں۔ مگر قربان جائیں اس قدوس بندہ نواز کی شان کریمی پر کہ اس نے اپنے نام کی لاج رکھ لی اور ہماری جماعت جس کی نسبت اس کی مقدس ومطہر ذات سے تھی جیسی شان وشوکت، جس طنطنہ وطمطراق اور جس آن وبان سے اس کا آغاز کار ہوا تھا آج بھی اسے وہی مقبولیت تامہ حاصل ہے اور مسلمان اسے[۴۳] استحسان وپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ جیسا کہ پہلے دن سے اسے دیکھا گیا تھا اور بِفضلہٖ وَمَنِّہٖ تعالیٰ[۴۴] اس کے اندر کسی اعتبار سے کوئی کم زوری پیدا نہیں ہوئی۔

ارکان ورضا کارانِ حزب اللہ کی تعداد میں روزمرہ اضافہ ہو رہا ہے۔ حزب اللہ کے سالانہ دورے پہلے سے بڑھ کر کامیاب ہو رہے ہیں۔ سامعین میری زبان اپنی قوم کے ماضی کا حال سن کر متاثر ہوتے ہیں۔ حالیہ واقعات ان کی چشمِ عبرت کو کھول دیتے ہیں اور مستقبل کے متعلق جو عملی پروگرام پیش کیا جائے وہ اس پر عمل کرنے کے لیے ہمہ تن آمادہ کار نظر آتے ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ۔[۴۵]

اب ذرا حزب اللہ کے شاندار کارنامے ملاحظہ ہوں:

اس تحریک کا سب سے بڑا کارنامہ مسلمانوں کی بگڑی ہوئی ذہنیتوں کی اصلاح اور درستی ہے اور جس کے ماتحت ان سے جو توقعات قائم کی گئیں وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پوری ہو کر رہیں۔ دعوتِ جہاد اور اس کے تاثرات نے قوم کی کایا پلٹ دی اور یہ مدت کا فراموش شدہ فریضہ جب نہایت جامعیت اور استدلال سے مسلمانوں کے سامنے لایا گیا تو پہلے انھوں نے حیرت واستعجاب کا اظہار کیا پھر اسے حسنِ قبول کے ہاتھوں لیا اور اس کے بعد آج ماشاءاللہ جہاں جہاں اور جس جس علاقہ میں یہ صدائے حق پہنچی ہے وہاں کے مسلمان جہاد کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار ہیں اور جس کے عملی مناظر کشمیر کے میدانِ جنگ میں سامنے آچکے ہیں اور اگر دوبارہ جنگ آزادیِ کشمیر لڑی گئی تو آپ کو قرونِ اولیٰ کے مجاہدین کے تہور وشجاعت کے نمونے دیکھنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

امیرِ حزب اللہ نے ستائیس سالہ عرصہ کے اندر کسی بھی مہتمم بالشان اسلامی معاملہ یا مطالبہ سے اعراض وچشم پوشی نہیں کی اور جس وقت بھی کوئی اہم ترین اسلامی مسئلہ درپیش ہوا بہ حیثیت قائدِ جماعت وامیرِ حزب اللہ کبھی اس سے بے اعتنائی و بے التفاتی نہیں برتی گئی بل کہ ہر ایسے معاملہ میں پیش قدمی دکھلائی گئی اور سرگرمی سے کام لیا گیا۔ جنگِ آزادیِ کشمیر میں ہماری جماعت کے تقریباً ایک ہزار رضا کار نہایت جواں مردی اور شجاعت وبسالت سے پورے چار مہینے ٹیٹوال کے محاذ پر کرناہ کے علاقہ میں باقاعدہ ایک منظّم فوج کی صورت میں کشمیر کے تحفظ وبقا کی خاطر لڑتے رہے۔

جب قیامِ پاکستان کا سوال پیدا ہوا اور مسٹر گاندھی اور قائداعظم کے علاحدہ علاحدہ پیش کردہ نظریات کی تصدیق وتردید کے لیے اس وقت کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے صوبہ جاتی اسمبلیوں کے انتخابات کے نتائج پر دارومدار وانحصار کر دیا تو امیرِ حزب اللہ نے محض اسلام کی عزت اور مسلمانوں کی آبرو کی خاطر اپنے تمام مساعی جمیلہ اور اپنی تمام امکانی کوششیں امیدوارانِ مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کے لیے وقف کر دیں اور بَحمْدُللّٰہِ کہ ہمیں اپنے حصول مقصد میں خاطر خواہ کامیابی نصیب ہوئی اور یونینسٹ حکومت کا دباؤ، کانگریس کا روپیہ اور ہندوؤں کی تگ ودو مسلمانوں کے عزم راسخ کو شکست نہ دے سکے اور یہ امر یقینی ہے کہ اگر یہ فقیر اور میرے نقشِ قدم پر چلنے والے اکثر مشائخ عظام اس موقع پر مسلم لیگ کا ساتھ نہ دیتے تو اس کی کامیابی امر محال تھا اور ناکامی کی صورت میں پاکستان کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا تھا۔ ازاں بعد جب مسلم لیگ نے مقاومت مجہول یا سول نافرمانی کا آغاز کیا تو باوجودے کہ ہماری جماعت اور مسلم لیگ میں بُعد المشرقین تھا اور اب بھی ہے، اس فقیر نے محض ایک اسلامی ہیئت [کا] خاکہ رکھنے والی جماعت کے ننگ وناموس کی برقراری کی خاطر عملاً اس کا ساتھ دیا اور عائد شدہ دفعات کو توڑ کر عامۃ المسلمین کے سامنے ایک بہترین اور قابل تقلید مثال پیش کی۔

ارضِ مقدس میں مظلوم مسلمان عربوں کی حمایت اور ظالم وخوں خوار یہودیوں کے خلاف مجاہدانہ اقدام کی غرض سے اپنے رضا کاروں کی ایک کثیر تعداد پیش کی مگر حکومت نے غالباً بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ان کی خدمات سے استفادہ مناسب نہ سمجھا۔

گزشتہ سال جب شمع رسالت کے پروانے ختم نبوت کے مسئلہ پر اپنی فداکاری اور محبتِ رسول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملی ثبوت دے کر اس گئے گزرے زمانہ میں قرونِ اولیٰ کے جاں فروش اور جاں نثار مسلمانوں کی یاد تازہ کر رہے تھے اور حکومت کے ارباب بست وکشاد کی بے تدبیری اور عدم تدبّر نے اس معاملہ کو انتہا درجہ تک نازک بنا دیا تھا۔ باوجودے کہ کسی دوسری اسلامی جماعت سے ہمارا کوئی معاہدہ نہیں

تھااور نہ ہی ایک علاحدہ نظام ہونے کی وجہ سے ہم کسی جماعت کے ماتحت تھے۔لیکن سوال چوں کہ حضور خاتم النبیین روحی فداہ کی عزت وناموس کا پیدا ہوگیا تھااور حکومت اس غلط فہمی میں جاپڑی کہ چندافراد نے یہ شرارت بپا کردی ہےاور عامۃ المسلمین کواس تحریک سے کوئی ہمدردی نہیں۔امیرِ حزب اللہ نے اپنے ضمیر کی آواز اور حمیت اسلامی اور محبتِ خاتم النبیّین حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقدس جذبہ کے ماتحت اپنے آپ کواس جُرم کی پاداش میں گرفتاری کے لیے پیش کردیااوراسی پر اکتفانہیں دوسرے دن رضا کارانِ حزب اللہ کی ایک کثیر تعداد کوقید وبند کی خاطر بھیج دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس وقت کی حکومت نے میری گرفتاری کواس لیے پسند نہ کیا ہوکہ اس طریق سے عامۃ المسلمین کی ہمدردی اور بڑھ جائے گی اور حکومت کے لیے زیادہ مشکلات پیدا ہوجائیں گی۔لیکن اس فقیر نے اس وقتی ضرورت کا پورا احساس کیااور عواقب ونتائج سے لاپروا ہوکر اپنے آپ کو اظہارِ وفاداری وغلامی کی خاطر بارگاہِ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر کردیااور یہ ان پاکیزہ جذباتِ ارادت ومقدس خیالاتِ عقیدت کا ردِّعمل اور نتیجہ ہیں جو کہ ہرایک مسلمان کے دل میں اپنے سارے جہان سے پیارے رسول اکرم خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات اقدس کے متعلق ہونے چاہئیں اور بَحَمْدُ لِلّٰہِ کہ جماعت حزب اللہ کے دلوں میں ایمان کی یہ صریح علامت بدرجہ اتم موجود ہے۔وَلَنِعْمَ مَاقِیْلَ۔[۴۶]

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی[۴۷]

بیان کردہ اور ہم چو قسم شان دار کارناموں سے حزب اللہ کی تاریخ بھری پڑی ہے۔اگر کوئی شخص اس فقیر کی ذات پر کوئی اعتراض کرتا ہےتو میرا یہ اخلاقی فرض ہے کہ اگر اس کا اعتراض حسنِ نیت پر مبنی ہوتو مَیں حضرت عیسیٰؑ کےقول کےمطابق رَحِمَ اللّٰہُ مَنْ ھَدَانِی اِلٰی عُیُوْبِیْ کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کریں جو شخص کہ مجھے میری کم زوریوں سے آگاہ کرتا ہے،اس کا بدل شکر یہ اَدا کروں گااوراگر اس کی نیت میں فتور ہےاور وہ صرف بدنام کرنا چاہتا ہےتو بجائے بد دعائیہ کلمات کے اپنے پیشوائے اعظم،حضور سرور کائنات خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کےاسوۂ حسنہ کی اتباع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگوں۔ اَللّٰھُمَّ اِھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْن کہ الٰہ العالمین میری قوم کو ہدایت بخش کیوں کہ وہ مجھے صحیح طور پر نہ جانتے ہیں اور نہ پہچانتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ معترضین کو اس بات کا ہرگز علم نہیں کہ اس فقیر کواللہ تعالیٰ کی جناب میں کیا منصب حاصل ہےاور کس قدر قرب نصیب:

قَالَ یٰلَیْتَ[۴۸] قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ O بِمَا غَفَرَلِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ

(یٰسں ۳٦:۲٦، ۲۷)

ترجمہ: کاش کہ میری قوم جو کچھ کہ خدا نے مجھے بخش رکھا ہے اسے جانتی اور میری عزت وتکریم کرتی۔

مختصر الفاظ میں تحریک حزب اللہ پر نقد وتبصرہ کر دیا گیا ہے۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ [۴۹] کہ اب ایمان لانے میں کون سی بات باقی رہ گئی ہے :

چو بشنوی سخن اہلِ دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نہٖ دلبرا خطا ایں جاست [۵۰]

حالاتِ حاضرہ پر تنقید وتبصرہ

لوگ کہتے ہیں کہ امیرِ حزب اللہ بعض علما کے نزدیک شجرِ ممنوعہ یعنی سیاست میں دخیل کار ہوتا ہے حالاں کہ یہ چیز اس کے منصبِ مشیخیت وعہدۂ علمیت کے منافی ہے اور ایک مذہبی انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ دنیاوی معاملات اور ملکی حالات سے کوئی سروکار رکھے۔ اعتراض کی نامعقولیت صرف اس بات سے ظاہر ہے کہ اسلام کو سیاست سے الگ سمجھا گیا ہے حالاں کہ السیاست فی الاسلام کے موضوع پر اب کسی بحث وتکرار کی ضرورت نہیں۔ اسلام عین سیاست ہے اور سیاست عین اسلام۔ مگر یہاں سیاست سے مراد نظم [و] نسق، امورِ ملک گیری، جہاں بانی و جہاں گیری کے طور طریقے اور معدلت گستری وعدل پروری کے اسلوب وانداز ہیں۔ ہاں اگر سیاست آج کل کی ڈپلومیسی، حکمت عملی، فریب کاری اور دھوکا بازی کا نام ہو تو ایسی سیاست کو اسلام بہ نظرِ استحقار دیکھتا ہے اور ایسے چالاک، عیار اور مکار لوگوں کی مسلمانوں کے ہاں باریابی اور وقعت یا منزلت نہیں ہو سکتی۔

چوں کہ یہ فقیر ایک امیرِ جماعت اور قائدِ قوم ہونے کی حیثیت سے یہ استحقاق رکھتا ہے کہ نہایت غور و فکر سے حالاتِ حاضرہ کا صحیح جائزہ لے کر اس پر اپنی رائے کا اظہار کرے اور اپنے متعلقین کے سامنے صحیح واقعات کو بلاکم وکاست رکھ کر خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدَرَ [۵۱] کے مطابق جو باتیں کہ ان کے لیے قابلِ عمل ہوں اور جو باتیں درخورِ اعتنا نہ ہوں ان سے کوئی تعرّض نہ کرنے کا مشورہ دے۔ اس لیے ترتیب وار قابلِ ذکر امور کو سامنے لایا جاتا ہے اور ان پر مناسب تنقید وتبصرہ کیا جائے گا۔ وَبِیَدِهٖ التَّوْفِیْق۔ [۵۲]

پاکستان اور آئین

پاکستان کے قیام کو اگر ایک معجزہ سے تعبیر کیا جائے یا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ایک بہترین کرشمہ قرار دیا جائے تو بجا ہوگا۔ ہندُستان کی آزادی اور برطانیہ کے آہنی پنجہ سے رہائی معمولی بات تھی [؟] اکثر ملک

اپنی ان تھک کوششوں اور زبردست قربانیوں سے آزاد ہو جایا کرتے ہیں۔ امریکا کی سرزمین پر برطانیہ جس طرح سے قابض و معترف تھا اور وہاں کے آزادی پسندوں نے پورے سو سال اپنے لاکھوں فرزندوں اور سپوتوں کے خون آزادی کی دیوی کے بھینٹ چڑھائے اور بالآخر وہ حریتِ کاملہ اور مکمل آزادی کی عروس سے ہم کنار ہو گئے۔ لیکن برصغیر ہند کا دو حصوں میں منقسم ہو جانا اور مسلمانوں جیسی پس ماندہ، اتفاق سے محروم، بے سرمایہ اور تعداد کے اعتبار سے بڑی اقلیت رکھنے والی قوم کا تناسبِ آزادی کے لحاظ سے حکومت خود اختیاری حاصل کر لینا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ بالخصوص جب کہ انگریز بھی ہندو پر مہربان تھا اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور پنڈت نہرو میں گہری چھن رہی تھی اور مسلمانوں کی مسلمہ وفاداری کے باوجود برطانیہ والوں نے روایتی طوطے کی طرح آنکھیں پھیر[۵۳] لی تھیں اور پھر باہمی پخت و پز سے ایسے حالات پیدا کر دیے تھے کہ صرف جمعیت الاقوام کی آنکھوں میں خاک ڈالنے کی خاطر ایک نام نہاد اعلان کر دیا جائے کہ ہندُستان دو حصوں میں منقسم کر دیا گیا ہے اور حقیقتاً یہاں ہندو راج قائم ہو اور اقتصادی طور پر، مالی لحاظ سے اور فوجی حیثیت سے پاکستان کو اتنا ناکارہ اور عضو معطل بنا کر رکھ دیا جائے کہ تھوڑے عرصہ کے بعد وہ اپنا الحاق بھارت سے کرنے پر مجبور ہو جائے۔ مگر قدرت کو ہندو اور انگریز کی یہ سازش ناکام بنانی منظور تھی۔ حالات نے ایسا پلٹا کھایا اور واقعات نے وہ صورت پیدا کی کہ یہ ساری سازشیں ناکام رہ گئیں اور علی الرغم مخالفین، پاکستان اپنے دشمنوں کے سینہ پر مونگ دل کر اپنی آزادانہ حیثیت سے قائم ہے اور ان شاء اللہ قائم رہے گا۔

اس بارے میں قائد اعظم (مرحوم) کی خدمات اور مسٹر لیاقت علی خاں علیہ الرحمۃ کے تدبّر و سیاست دانی کا عدم اعتراف انصاف کے خلاف ہے۔ بایں ہمہ تائید غیبی اور دستِ قدرت کے تعاون کے بغیر یہ کامیابی ناممکن تھی اور اب بھی جب تک قدرت کا غیر مرئی ہاتھ پاکستان کی دست گیری نہیں کرے گا اس کا استحکام ایک امر محال ہے۔

جب پاکستان کے ایک دیرینہ تخیل نے جو زیادہ تر علامہ سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہما اور ڈاکٹر محمد اقبالؒ کی خیالی دنیا سے متعلق تھا، ایک عملی صورت پیدا کر لی اور امیرِ حزب اللہ جو خواب ایک طویل عرصہ سے دیکھ رہا تھا وہ شرمندۂ تعبیر ہو گیا تو مسلمانوں کی خوشی اور مسرت کی انتہا نہ رہی۔ تمام اسلامی ممالک میں گھی کے چراغ جلائے گئے۔ مبارک باد کا غلغلہ بلند ہوا، تبریک و تہنیت کے ڈونگرے برسائے گئے اور فخر و مباہات کے ساتھ اسلامی برادری میں اس شان دار اضافہ کے گن گائے گئے۔

مسلمانوں کے دلوں میں قدرتی طور پر یہ خیال پیدا ہوا کہ اب آزاد پاکستان کے اندر صحیح اسلامی طرز کی حکومت ہوگی۔ قرآن حکیم کے احکام پر پوری طرح سے عمل ہوگا۔ آئین شرعیہ کا اجرا اور قانون اسلام کا نفاذ۔

معدلت گستری کا دور دورہ ہوگا۔ ہر معاملہ میں عدل وانصاف برتا جائے گا۔ حاکم خادم بن کر رہیں گے اور اسلام کی پرانی روایات پھر زندہ ہو جائیں گی مگر

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ [۵۴]

کے مطابق افسوس کہ پاکستان سے جو خوش گوار توقعات اور نیک امیدیں قائم کی گئی تھیں وہ بدقسمتی سے پوری نہیں ہوسکیں اور اس غلط کاری اور بے راہ روی میں راعی اور رعایا دونوں قصوروار ہیں۔ حکام کے دماغ بگڑ چکے ہیں۔ ملک کو تو ابھی آزادی کامل ملنے میں کچھ دیر ہے اور پاکستان کے سیاست دان بعض مصلحتوں کی وجہ سے اس کے اعلان کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہے ہیں مگر خود ارباب بست وکشاد مکمل طور پر آزاد ہو چکے ہیں۔

چاہیے تو یہ تھا کہ ان کے اخلاق پہلے سے بڑھ جاتے، عوام سے حسن سلوک کا برتاؤ ہوتا، لوگوں کے ساتھ عملی ہمدردی کی جاتی مگر ہو یہ رہا ہے کہ ان کے اندر اخلاق تک کا نام نہیں رہا۔ عوام کو مانوس بنانے کی جگہ اپنے طرزِ عمل سے انھیں مایوس کیا جا رہا ہے۔ کبر ونخوت، رعونت وفرعونیت کے پتلے بنے بیٹھے ہیں اور صرف اسی پر اکتفا نہیں رشوت ستانی کی گرم بازاری ہے، کنبہ پروری اور اقربا نوازی ان کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے اور ہر معاملہ میں بے توجہی اور لاپرواہی ان کا شیوہ کار ہو رہا ہے۔

ادھر پاکستانی عوام کی حالت یہ ہے کہ ادھر پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کی دیر تھی اور دوسری قوموں کے اختیاری یا جبری اخراج کی گھڑی کہ مسلمانوں نے دیانت اور امانت کے سب اصول بالائے طاق رکھ کر لوٹ کھسوٹ شروع کر دی۔ امت مرحومہ کی پاکستانی آبادی کے اندر کم از کم نوے فی صدی ایسے لوگ نکل آئے جنھوں نے اپنے خود غرضانہ طرزِ عمل اور اصول واخلاق سے گرے ہوئے طریق کار سے مسلمانوں کو اقصائے عالم میں بدنام کر دیا اور اسلام کے نام پر بٹہ لگا دیا۔

ہم تفصیلات میں جا کر اپنی قوم کی برائیوں کی فہرست میں اضافہ نہیں کرنا چاہتے مگر دنیا بھر کا کون سا عیب اور جہان بھر کی کون سی برائی ہے جس میں ہمارا پاکستانی مسلمان مبتلا نہیں؟ ادھر انگریز کے جانے کی دیر ہوئی اور ادھر مسلمانوں نے آزادی کامل کے عملی ثبوت دینے شروع کر دیے۔ چوری، ڈاکا، اغوا، قتل وخون، مردم آزادی، مسکینوں اور غریبوں پر ظلم وستم، شراب نوشی، مسکرات [منشیات] کا کھلم کھلا استعمال، بے پردگی اور بے حیائی بالخصوص عورتوں کا نیم برہنہ لباس میں کھلا پھرنا اور مردوں کی عقل پر پردہ پڑ جانا۔ غرض ایک بات ہو تو بیان کی جائے یہاں تو ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است والا'' معاملہ ہے۔

اگر حکام آئین شرع کے نفاذ کو بہ نظرِ استحسان نہیں دیکھتے اور نت نئی تاویلات سے اس اہم ترین مسئلہ کو کھٹائی میں ڈال رہے ہیں تو پاکستانی عوام کب حکومت الٰہیہ کے خواہاں ہیں جس کے قائم ہونے کے بعد وہ رنگ

رلیاں نہیں منا سکیں گے۔ چوروں کے ہاتھ کٹ جائیں گے اور زانی کو دُرّے لگائے جائیں گے۔ شراب پینے والوں پر شرعی تعزیر عائد ہوگی اور جُوا کھیلنا ممنوع قرار دیا جائے گا۔ یہ امیروں کا شغل بے کاری، برج، جوجوئے کا دوسرا نام ہے اگر بند کر دیا گیا تو امیر طبقہ کے لیے تفریحِ طبع کیسے ہوگی اور اگر امتناعِ مسکرات کا قانون صحیح شکل میں بنا دیا گیا تو شراب خور کہاں جائیں گے؟ جہنم میں؟

غرض کہ اگر پاکستان کو صحیح معنوں میں پاکستان بنانا ہے تو پھر حکومت اور رعایا دونوں باہمی تعاون اور اشتراکِ عمل سے اسے ایک صحیح اسلامی ریاست بنا سکتے ہیں اور اگر ایک فریق بھی اتحادِ عمل سے کام نہ لے تو کسی طریق سے بھی پاکستان، پاکستان نہیں بن سکتا۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ عامۃ المسلمین کی جائز خواہشات اور ضروری مطالبات کا احترام کرتے ہوئے جلد از جلد ایک ایسا اسلامی آئین تیار کرے جس کا مآخذ قرآن، حدیث اور فقہ ہو اور جس کی تیاری میں علمائے کرام اور مشائخ عظام کو بھی ضروری شامل کیا جائے اور پاکستانیوں کا فرض ہے کہ اس سے پیشتر کہ قانونی طور سے ان پر پابندیاں عائد کی جائیں یا منہیاتِ شرعیہ کے ارتکاب پر سزائیں دی جائیں۔ وہ از خود ان تمام برائیوں اور جرائم کو ترک کر دیں جو کہ ان کی بدنامی اور ذلت کا باعث ہو رہی ہیں۔
وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔ [۵۵]

تحفظ و بقائے پاکستان

ترتیبِ آئینِ اسلامی تو ایک ہمارا گھر کا سوال ہے اور اگر حکومت نے اس معاملہ میں کوئی اعراض یا اغماض کیا تو ہمارا یہ اخلاقی فرض ہے کہ اس پر زور ڈال کر، صدائے احتجاج بلند کر کے بل کہ اُسے مجبور کر کے اپنا یہ مطالبہ تسلیم کرالیں اور اس وقت تک نہ خود آرام سے بیٹھیں اور نہ حکومت کو آرام کرنے دیں جب تک کہ خدا کی عطا کردہ زمین اور دولت خداداد پاکستان پر اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا مقدس قانون رائج و نافذ نہ ہو جائے۔ لیکن یہ ساری باتیں تب ہی معرضِ عمل میں آسکتی ہیں کہ ریاست کی سالمیت برقرار رہے اور اس آزاد اسلامی ملک کو اندرونی یا بیرونی خطرہ لاحق نہ ہو۔

موجودہ وقت میں اندرونی خطرات تو بفضلہٖ تعالیٰ بہت کم ہو چکے ہیں بل کہ صفر کے قریب ہیں۔ نقیر اپی [۵۶] کے ہم رنگ زمین، دامِ فریب کا تار پود بکھر گیا ہے۔ سُرخ پوشوں کی تحریک تقریباً ختم ہو چکی ہے اور خان برادران اب اپنی خدمات تعمیر پاکستان کے لیے وقف کرنے کا وعدہ کر رہے ہیں۔ دوسری ترقی پسند جماعتیں بھی مصلحتاً خاموش ہیں یا حکومت کے خوف سے پنبہ در گوش اور ہمیں تو کوئی ایسی جماعت نظر نہیں آتی جو اپنے ماضی کے کارناموں کی تاویل نہ کر رہی ہو یا مستقبل کے متعلق اپنی وفاداری کا اطمینان نہ دلا رہی ہو۔

مگر بیرونی خطرات بجائے کم ہونے کے روز بہ روز بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور ان کی وجہ سے پاکستان کے اندر امن وچین اور سکون کی جگہ خوف و ہراس پھیل جانا اور بے اطمینانی و بے اعتمادی کی کیفیات پیدا ہوجانی ناگزیر ہیں۔

دوسرے خارجی ملک تو حتی الامکان ہمارے داخلی امور میں دخیل کارنہیں ہوتے اور نہ ہی ہمارے اغراض باہم دگر متصادم ہیں۔صرف ہمارا ہمسایہ ملک ہندُستان یا بھارت قیامِ پاکستان کے دن سے لے کر آج تک ہمارے پیچھے ہاتھ دھوکر پڑ رہا ہے۔ ہماری ترقی اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ ہماری چلتی گاڑی میں روڑا اٹکانا اس کا شعارِ زندگی ہو چکا ہے اور ناکردہ گناہ الزامات تراش کر اور جھوٹا پراپیگنڈہ کر کے ہمیں تمام دوسرے ممالک میں بدنام کرنا اس کا مقصدِ حیات بن چکا ہے۔

بدقسمتی سے تقسیم کے بعد مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد جو اعداد وشمار کے لحاظ سے کروڑوں تک جا پہنچی ہے، بھارت میں رہ گئی تھی۔جنھوں نے بکرات مرات بھارت کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا، بار بار اپنی صفائی پیش کی مگر ان کی تمام باتوں کو غلط سمجھا جاتا ہے اور ہندو مہاسبھا یا جن سنگھ جیسی فرقہ وارانہ خیالات رکھنے والی جماعتوں کے لیڈر نہیں بل کہ کانگریس کا وزیر خارجہ مسٹر کچو غیر مبہم اور کھلے الفاظ میں مسلمانانِ مقیم بھارت کو چیلنج دیتے ہیں کہ اگر تم اپنے اسلامی احساسات کو نہیں چھوڑ سکتے تو ملک کو چھوڑ کر چلے جاؤ اور ساتھ ہی نہایت معصومیت کے الفاظ میں ارشاد ہوتا ہے کہ نوے فی صدی تو مسلمان وہ ہیں جن کے آباواجداد اصل میں ہندو نسل کے تھے اور مذہب تبدیل کرنے سے قومیت نہیں بدلتی۔جس کا مقصد بالکل واضح ہے کہ جو مسلمان، مسلمان رہنا چاہتے ہیں وہ تو ملک بدر کر دیے جائیں گے اور جو مرتد ہونا چاہیں وہ اسلام کو ترک کر کے بھارت کے سپوت بن سکتے ہیں۔

اب اگر ڈاکٹر کچو جیسے متعصب اور اسلام دشمن کی دھمکی کارگر ہو جانے اور لاکھوں نہیں بل کہ کروڑوں مسلمان اپنی عزت وآبرو کے تحفظ اور اپنی اور اپنے لواحقین کی جان بچانے کی خاطر پاکستان کا رُخ کر لیں تو آپ خود ہی اندازہ لگائیں کہ پھر اقتصادی طور پر ان کا اور پاکستان میں رہنے والے مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا؟ اور اس کا مطلب صریح اور واضح ہے کہ مسلمانوں کو بھوکا مار دیا جائے۔

دوسری طرف پاکستانی نہروں کی بندش، دریاؤں کے رُخ بدل دینے اور باوجود معاہدات کے پاکستان کی طرف سے موصولہ احتجاجی مراسلات کی ذرا بھر پروا نہ کرنی اس امر کے مرادف ہے کہ بھارت نواسیوں کے سامنے ایک اور صرف ایک کام ہے اور وہ پاکستان کو مختلف طریقوں سے تباہ کر دینا۔

يُرِيدُونَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ

الْکٰفِرُوْنَ۔ ۵۷

کیوں ہراساں ہے سہیلِ فرس اعدا سے
نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفسِ اعدا سے ۵۸

پاکستان کا کروڑوں روپیہ کا قرض بے ڈکار ہضم کر جانا۔ ہمارا کثیر اسلحہ جو تقسیم کے وقت ہمارے حصہ میں آیا تھا ضبط کر لینا۔ حیدر آباد دکن کی اسلامی ریاست کو بہ زور شمشیر اپنے ملک میں شامل کر لینا۔ جونا گڑھ، مانگرول اور مانا دار کی ریاستوں پر پولیس ایکشن کے بہانہ قبضہ کر جانا اور پھر ان کا نام بھی نہ لینے دینا۔ علی گڑھ یونیورسٹی کو اسلامی تعلیمات سے خالی کر دینا اور اس کی جگہ ہندی اور سنسکرت کو رائج کرنا۔ دُکھیا اور دل جلے مسلمان اگر مظالم اور ستم رانیوں سے تنگ آ کر کچھ داد فریاد کریں تو انھیں دھمکیاں دینا اور انتقامی حالات پیدا کر دینے۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے بیسیوں واقعات ہیں جنھیں ہم بہ طور دلیل و حجت پیش کر سکتے ہیں کہ ہندو کو بحیث القوم مسلمان سے کس قدر دشمنی وعناد ہے اور اگر پنڈت نہرو کی مصلحت اندیشی اور دنیا کو دکھانے کی غیر متعصّبانہ دوستی آڑے نہ آئے تو معلوم نہیں ہندستان کے مسلمانوں کا کیا انجام ہو اور پاکستان کے ساتھ یہ منافقانہ تعلقات کب تک قائم رہ سکیں۔ مگر ہندستان کے مسلمانوں اور پاکستان کے مسلمانوں کو یہ امر نہیں بھولنا چاہیے کہ کل اگر پنڈت نہرو صاحب سُرگ کو سدھار جائیں تو پھر بھارت کے نواسی مسلمانوں پر کیا افتاد پڑے گی اور پاکستان کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کیا نازک صورت پیدا کریں گے؟ اور جب ہمیں اپنے پردیسی مسلمانوں اور دیسی مسلمانوں کی طرف سے اطمینان کامل نصیب نہ ہو ہمیں حقیقی چین اور آرام کب حاصل ہو سکتا ہے؟ اس لیے ضروری ہے کہ ہم باہمی فروعی اختلافات کو نظر انداز کر کے برصغیر ہند کے مسلمانوں کے تحفظ و بقا کی مؤثر تدابیر پر غور و فکر کریں اور ایسے اسباب کی تلاش کریں جن سے کہ ہمیں اپنی جان کی حفاظت، اپنے ایمان کی حفاظت اور اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کی طرف سے تسلی ہو جائے اور وہ ہے جہاد اور فقط جہاد، جو کہ مظلوموں، بے کسوں، کم زوروں، اقلیت رکھنے والوں، بے سرو سامانوں اور عاجزوں کا واحد سہارا ہے :

ع تو خود حدیثِ مفصل بخواں ازیں مجمل ۵۹

پاکستان اور امریکی فوجی معاہدہ

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ ظلم بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا ۶۰

موجودہ وقت میں پاکستان اور پاکستانیوں کے لیے سب سے زیادہ جو مسئلہ جاذبِ توجہ اور مرکز

توجہات بن رہا ہے وہ پاکستان اور امریکا کے مابین فوجی معاہدہ ہے اور جس کی نوعیت صرف اس قدر ہے کہ امریکا چند ایشیائی ممالک کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ کل اگر رُوس وغیرہ سے جنگ ناگزیر ہو جائے اور آتش حرب وقتال ساری دنیا کو حسبِ معمولِ سابق اپنی گرفت میں لے لے تو امریکا اپنی حلیف طاقتوں کی امداد حاصل کر سکے جب کہ ٹرکی [ترکی] کے ساتھ امریکا پہلے فوجی معاہدہ کر چکا ہے اور گزشتہ کوریا کی جنگ میں ٹرکی [ترکی] فوجیں امریکن افواج کے دوش بہ دوش لڑتی رہی ہیں۔

ایسے معاہدات دوسرے مشرقی ممالک سے بھی کیے جا رہے ہیں اور مصر وعراق وغیرہ سے بھی اس قسم کی گفت وشنید کی جارہی ہے۔ پاکستان کے اربابِ حل وعقد نے بعد از غور وفکر، افہام وتفہیم اور اپنے مستقبل کے مفادات کے پیشِ نظر اس امر پر آمادگی کا اظہار کر دیا ہے کہ اگر امریکا ہمیں فوجی سامان بہم پہنچائے اور ہمارے حصہ والا اسلحہ جسے بھارت [والے] بے ڈکار ہضم کر گئے ہیں (جب کہ بہ وقت تقسیم اسلحہ سازی کے جتنے کارخانے بھی مشترکہ ہندُستان میں موجود تھے ان پر ہماری ہمسایہ حکومت بلاشرکت غیرے قابض ومتصرّف ہو چکی ہے اور ہم اسلحہ کے لیے مغربی ممالک کے محتاج اور دست نگر ہیں) تو اس کے عوض ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ [۶۱] کے مطابق ہم اس کی امداد کریں گے تو اس میں قانوناً یا اخلاقاً حرج ہی کیا تھا اور جس صورت میں کہ پاکستان اور بھارت دونوں اپنے داخلی وخارجی معاملات میں پوری طرح آزاد ہیں۔ اگر کسی دوسرے ملک سے کوئی بھی اقتصادی یا سیاسی معاہدہ کر لیا جائے تو کسی ایک ملک کو کوئی حق نہیں کہ وہ خواہ مخواہ دوسرے کی آزادی میں خلل ڈالے یا ایسے معاہدات میں دخیل کار ہو۔ مگر بھارت والے جو اونگھتے کو ٹھیلتے کو کا بہانہ کی ضرب المثل کے مطابق پاکستان کی ہر اچھی بات کو بھی بُری نظروں سے دیکھنے کے عادی ہیں، اس موقع پر کیوں خاموش رہتے اور پاکستان کے استحکام اور مضبوطی کو کیوں پسند کرتے۔ چناں چہ یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ پاکستان کو اگر اسلحہ مل گیا تو وہ بھارت پر حملہ کر دے گا اور ہماری سرحدیں خطرہ میں پڑ جائیں گی وہ شور وغل پیدا کر دیا کہ ساری دنیا لرز اٹھی اور اسی پر اکتفا نہیں کہ پنڈت نہرو صاحب یا مسٹر راج گوپال اچاریہ تک یہ احتجاج محدود رہتا بل کہ کانگریس کی ساری مشینری حرکت میں آ گئی اور جن سنگھ یا مہا سبھا جیسی فرقہ وارانہ جماعتیں تو ایک طرف رہیں بھارت کا ہر ہندو آتش زیر نعل بن گیا اور ہر ایک فرد بشر کی زبان پر یہی شکایت موجود ہے کہ پاکستان والے ہم کو ہڑپ کر جائیں گے۔

ہمارے وزیر اعظم سو بار یقین دلا چکے ہیں کہ اگر ہماری فوجی طاقت مضبوط ہو گئی تو حق ہمسائیگی اَدا کرتے ہوئے ہم بھارت کے دشمنوں سے لڑنے کو تیار ہیں۔ ادھر ہماری آبادی اور بھارت کی آبادی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کہاں تیس کروڑ اور کہاں دس کروڑ اور پھر دس کروڑ میں بھی تقریباً ڈیڑھ کروڑ غیر مسلم۔ اگر

اقلیت کو اکثریت کا خوف نہیں تو اکثریت اقلیت سے کیوں خوف زدہ ہو رہی ہے۔ پھر رقبہ کی وسعت، وسائل و ذرائع آمدنی کی فراوانی، ہر ظاہری اعتبار سے فوقیت تو ایک کم زور نحیف ملک کو مزعومہ اور قیاسی اقدام سے لرزہ بر اندام ہونے کا مقصد کیا ہے؟ مگر یہاں سوال حقائق اور واقعات کا نہیں۔ یہاں اسلام دشمنی اور مسلمانوں کی ہر معاملہ میں مخالفت کا حصہ ہے اور یہ خواہش کہ یا تو پاکستان اپنی الگ ہستی اور سالمیت کو کھودے اور یا اس کا نشان سطحِ ارضی پر موجود ہے تو وہ بھارت کا غلام اور محتاج بن کر۔

امریکا والے بھی اس نرالی منطق سے حیران ہو رہے ہیں اور دنیا کے دوسرے ممالک بھی انگشت بہ دنداں کہ اوندھی کھوپڑی والوں [بے وقوف] نے یہ نرالی منطق اور انوکھا استدلال کہاں سے سیکھا ہے کہ ایک طاقت ور ہمسایہ دوسرے کم زور ہمسایہ کی قوت میں اس لیے اضافہ نہ ہونے دے کہ یہ طاقت ور ہو کر مجھ پر حملہ کر دے گا۔ حالاں کہ آج کل آزادی کے زمانہ میں ہر ملک اور ہر قوم کو یہ حق خوداختیاری حاصل ہے کہ وہ اپنی طاقت کو مضبوط و مستحکم بنائے اور حالات و مقتضیات کے مطابق دوسرے ملکوں یا قوموں سے تعاون کرے یا نہ کرے اور اشتراکِ عمل سے کام لے یا نہ لے۔

بھارت والوں کے سامنے کوئی دلیل پیش کرنی یا نہ کرنی ایک جیسی ہے جب کہ ان کے پیشِ نظر انصاف، رواداری نہیں بل کہ طاقت ور مارے اور رونے نہ دے[۶۲] کا غلط نظریہ موجود ہے۔ ہم پاکستان کے اصحاب بست و کشاد سے یہ استدعا کرتے ہیں کہ وہ بھارت والوں کی گیدڑ بھبھکیوں میں ہرگز نہ آئیں۔ اپنے مفادات کے مطابق بے شک امریکا سے مجوزہ معاہدہ کی تکمیل کر لیں۔ اگر بھارت والے مشتعل ہو کر کوئی رکاوٹ پیدا کرنے لگیں تو اس کی ہرگز پروا نہ کریں اور اگر اپنی خودداری عزتِ نفس اور اپنے ملک کی سالمیت کی برقراری کے لیے خوں ریزی اور قربانی بھی کرنی پڑے تو اس سے بھی قطعاً دریغ نہ کریں جب کہ کشمکشِ حیات اور جہد للبقا کے اندر ہی انسانی زندگی کا راز مضمر ہے :

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا
نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و باموجش در آویز
حیاتِ جاوداں اندر ستیز است[۶۳]

اور اگر اس سلسلہ میں حکومت کو مشکلات درپیش ہوں اور کسی اعانت کی ضرورت پڑے وامیرِ حزب اللہ اپنی تمام جماعت اور اپنے تمام متوسلین کی خدمات غیر مشروط طور پر حکومت کے سپرد کرنے کو تیار ہے جب کہ ہماری دلی خواہش اور تمنا ہے کہ پاکستان کا ملک سیاسی، فوجی اور اقتصادی اعتبار سے تمام دنیا کے ممالک سے

فوقیت حاصل کرے اور ہمارے اندر اتنی قوت اور طاقت پیدا ہو جائے کہ کسی دوسرے ہمسایہ یا غیر ہمسایہ ملک کو ہماری طرف نظر بد سے دیکھنے کی بھی جرأت وجسارت [نہ] ہو سکے۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ [۶۴] کہ جس قدر تمھاری استطاعت اور طاقت ہو۔ دشمن کے مقابلہ میں قوت پیدا کرو اور گھوڑوں کو جہاد کی خاطر تیار رکھو۔ تاکہ تمھارے اور تمھارے خدا کے دشمن مرعوب ہو جائیں اور چوں کہ امریکا سے فوجی معاہدہ دشمن کو مرعوب کرنے والا ہے اس لیے حکومت کی طرف سے اس معاملہ میں جو بھی اقدام ہوگا اسے ہماری جماعت کی پُر زور تائید حاصل ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پین اسلام ازم

یورپ والوں کو جب کبھی مسلمانوں کو تنگ کرنا مقصود ہوتا یا ممالک اسلامیہ کے حصے بخرے کرنے مطلوب تو ان کے سامنے سب سے بڑا بہانہ یہی ہوا کرتا تھا کہ مسلمانوں کا نفسِ وجود اور اسلام کا فقط نام ہی ایک خطرۂ عظیم کے مرادف ہے اور مسلمان جب کبھی بھی اکٹھے ہو گئے یا اتحاد بین المسلمین کا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو گیا تو پھر یورپ والوں کی خیر نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بھارت والوں نے بھی یہ سبق یورپین اقوام سے سیکھ لیا ہے کہ ادھر پاکستان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا اور اُدھر بھارت کی شامت آ گئی۔

صلیبی جنگوں کے بعد عیسائیت کی طرف سے یہ کوشش اب تک جاری ہے کہ مسلمانوں کو متحد نہ ہونے دو اور اسلامیہ ممالک کے اندر پھوٹ ڈال کر ان کی طاقت کو کم زور بنائے رکھو۔ چناں چہ یورپ کی حکمت عملیوں میں سب سے زیادہ یہی ڈپلومیسی کارفرما ہے اور مغربی سیاست دانوں کے لیے سب سے بڑھ کر جس چیز کو اہمیت حاصل ہے وہ مسلمانوں کے اندر انشقاق و افتراق پیدا کرنا ہے۔ یورپ والے ہرگز نہیں چاہتے کہ پاکستان اور ترکی کے درمیان کوئی معاہدہ خواہ وہ سیاسی قسم کا ہو اور خواہ اقتصادی نوعیت کا، طے ہو سکے۔ مصر اور عراق کے درمیان کسی قسم کی دوستانہ گفت گو کامیاب رہ سکے اور انڈونیشیا اور شرق اردن والے کسی معاملہ میں بھی اتحاد عمل دکھلا سکیں اور پھر اگر دو اسلامی حکومتیں اپنے کسی سیاسی یا اقتصادی مفاد کے پیش نظر آپس میں سر جوڑ کر بیٹھ جائیں تو سارے یورپ کے گھر صف ماتم بچھ جاتی ہے اور کرنل لارنس جیسے بیسیوں عیار اور چالاک مختلف لباسوں میں ملبوس ہو کر بیچ میں کود پڑتے ہیں اور جب تک دونوں طاقتوں کے درمیان مکمل طور پر غیریت اور نفاق پیدا نہ کر لیں وہ چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔

بہ ظاہر امریکا کی پالیسی کچھ یورپ والوں سے متفاوت نظر آتی ہے اور اس کا مقصد وحید اپنے دوستوں کی تعداد بڑھانا ہے انھیں آپس میں لڑانا نہیں۔ بہ ہر کیف تمام جہان کے مسلمانوں کے لیے یورپ والوں کا یہ

منافقانہ اور عیارانہ طریق عمل سرمۂ عبرت بننا چاہیے۔ جسے کہ وہ اپنی بصیرت والی آنکھوں میں ڈال کر متفقہ طور پر اتحاد بین المسلمین کے بہترین مقصد کو حاصل کر سکیں اور اسلامی ممالک کا ایک عظیم الشان بلاک بن جائے اور اس کے اندر اتنی مضبوطی اور قوت مدافعت پیدا ہو جائے کہ اگر خدانخواستہ پاکستان کے ایک مسلمان کو کانٹا چبھ جائے تو سارے جہان کے مسلمان اُس کا درد محسوس کرنے لگیں اور کوئی بھی غیر اسلامی طاقت مسلمانوں کے کسی ملک پر حملہ آور ہو جائے تو سارے اسلامی ممالک متحد ہو کر اس کا پُر زور مقابلہ کریں تا کہ ساری دنیا کے غیر مسلمانوں کے دلوں میں مسلمانوں کے باہمی اتفاق واتحاد سے پیدا شدہ طاقت کا خوف اور رُعب پیدا ہو جائے اور کسی کو ایسے جارحانہ اقدام کی جسارت ہی نہ ہو سکے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔[۶۵]

کشمیر کا معاملہ

قیام پاکستان سے لے کر اب تک جو چیز کہ مسلمانوں کے لیے سوہانِ روح بن رہی ہے اور جس معاملہ نے پاکستانی مسلمانوں کو موردِ آلام وافکار بنا رکھا ہے اور عملی اعتبار سے ان کے لیے خواب وخورش [کھانا پینا] حرام کر رکھا ہے وہ کشمیر کا قضیہ نامرضیہ ہے۔ جس کی درستی کے لیے جو بھی تدبیر اختیار کی گئی وہی ناکام ثابت ہوئی اور بجائے اس کے کہ یہ گتھی کسی ناخن تدبیر سے سلجھ جاتی اس میں اور الجھاؤ پیدا ہوتے چلے گئے اور ہنوز روزِ اول والا معاملہ ہے۔ اس بارے میں جمعیت الاقوام کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہو چکی ہیں اور لیگ آف نیشنز نے جو بھی حل نکالے وہی بے کار محض نکلے۔ تجویز کردہ وفود بے نیل مرام واپس چلے گئے اور جو شخص بھی خیر سگالی اور صلح جوئی کا جذبہ لے کر یہاں پہنچا اس نے اپنی ناکامی اور نامرادی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنا پیچھا چھڑانے کی کوشش کی اور دوبارہ واپس آنے کا نام تک نہ لیا۔ لیکن مصالحانہ گفت گوئیں اور صلح پسندی کی باتیں تب ہی کامیاب ہو سکتی ہیں جب کہ فریقین صلح وامن کے خواہاں ہوں اور جب ایک فریق یہ ضد کرے کہ اپنی من مانی بات منوائے بغیر نہیں رہوں گا اور اپنے جائز ناجائز مطالبات تسلیم کرائے بغیر نہیں مانوں گا تو بیچ بچاؤ کر کے صلح کرانے والوں کے مساعی جمیلہ کہاں تک نتیجہ خیز اور موثر ہو سکتی ہیں؟

مسئلہ کشمیر میں بھارت والوں کا یہ رویہ اور طرزِ عمل آغاز کار سے لے کر اب تک ناقابل فہم ہو رہا ہے اور دنیا بھر کے استدلال اور دلائل و براہین ان کے سامنے بے کار محض ثابت ہو چکے ہیں۔ ان کی اس نرالی منطق کو سارے جہاں کے معقولیت پسند سیاست دان نہیں سمجھ سکے کہ حیدر آباد دکن اور جونا گڑھ وغیرہ کی ریاستیں اس لیے بھارت کے ماتحت رہنی چاہئیں اور اسی بنا پر بھارت والوں نے ان پر فوج کشی کر کے ان کا الحاق کر لیا کہ وہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی اور ایک اکثریت رکھنے والی قوم کو کسی اقلیت کے ماتحت رہنے کا کوئی حق نہیں مگر کشمیر

کے اندر بسنے والی اکثریت کو اس لیے اقلیت کے ماتحت کیا جا رہا ہے کہ بھارت والوں کے پاس ملک زیادہ ہے، آمدن کے وسائل زیادہ ہیں، فوج اور اسلحہ کی تعداد زیادہ ہے۔ سارے جہاں کی قومیں اور ساری دنیا کے لوگ اس غلط استدلال اور نامعقول دلیل کو سن سن کر اپنی ناراضی اور عدم استحسان کا اظہار کر چکے ہیں اور سیکڑوں اصحابِ صدق وصفا نے اپنی بےزاری کھلے الفاظ میں ظاہر کر دی ہے مگر بھارت کے کان پر جوں تک نہیں رینگی اور وہی لانسلم اور نہیں مانتے کی رَٹ لگائی جا رہی ہے۔

پاکستان والے ان کے مطالبات تسلیم کرتے کرتے عاجز آ چکے ہیں اور جو مطالبات بھی ان سے ثالث منواتے ہیں بلا چون و چرا تسلیم کرتے چلے جاتے ہیں اور ان کا مقصد صرف یہی ہے کہ اگر یہ معاملہ صلح و صفائی اور پُرامن ذریعہ سے طے ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے اور جنگ وجدال اور محاربہ وقتال کسی حالت میں بھی دونوں ملکوں کے لیے مفید نہیں ہو سکتا لیکن یہ جذباتِ امن پسندی اور یہ خیالاتِ صلح خواہی تب ہی درخورِ اعتنا ہو سکتے ہیں کہ دوسرے فریق کے دل میں بھی انصاف ورواداری کے احساسات موجود ہوں اور اگر مقابلہ ایک ایسی قوم یا جماعت سے پڑ جائے جن کا اصولِ زندگی اور مقصدِ حیات ہی خود غرضی اور جلبِ منفعت ہو۔ جو صرف لینا جانتے ہوں اور دینے کا لفظ ان کی ڈائری میں موجود ہی نہ ہو۔ جن کے آباواجداد کا یہ نظریہ ہو کہ چمڑی جائے مگر دمڑی نہ جائے۔ ان سے یہ توقع رکھنی اور امید قائم کرنی کہ وہ بغیر کسی مجبوری کے ہماری بات مان لیں گے یا حقِ ہمسائیگی اور ہم وطنی کے حسب اقتضا کسی معاملہ میں جھک جائیں گے، اپنے آپ کو دھوکا دینے کے مرادف ہے۔

کشمیر پنڈت نہرو صاحب کا وطن ہے۔ وہاں کی خوش نظر سرزمین انھیں پسند ہے۔ وہاں کی آبشاریں، سبزہ زاریں[۶۶] قدرتی پھول، خودرو پھل انھیں مرغوبِ خاطر ہیں۔ پھر ساری دنیا اگر کشمیر کی وجہ سے آگ اور خون میں جا پڑے تو انھیں پروا نہیں اور امنِ عالم اگر آتش کدہ کشمیر سے خاکستر ہو جائے تو ہوا کرے۔ اگر پٹیل جیسا اسلام دشمن اور مسلمان کے خون کا پیاسا، بعض ملکی مصالح [مصلحت کی جمع] کے پیشِ نظر انھیں ترکِ کشمیر کا مشورہ دے تو بھی ان کے لیے صرف اس وجہ سے قابل قبول نہیں کہ کشمیر ان کا وطن ہے اور وہ پاک وطن کو مسلمان ملیچھوں کے ناپاک قدموں سے ملوث نہیں ہونے دیں گے۔ غرض ایک پنڈت کی ضد کشمیر کے مسئلہ کو حل نہیں ہونے دیتی اور کروڑوں روپیہ سالانہ کا خرچ محض ایک برہمن بچہ کی بالک ضد پر بھارت والے بھینٹ چڑھا رہے ہیں۔ ادھر مسلمان کے لیے بھی یہ ایک موت اور زیست کا سوال ہے اور اگر پنڈت نہرو اپنے جھوٹے وقار کی خاطر کوئی بات بھی ماننے کو تیار نہیں تو مسلمان اپنی عزت وناموس کسی طرح ایک فردِ واحد کی ہٹ دھرمی پر قربان نہیں کر سکتا۔

امریکا والے مزعومہ معاہدہ کی مخالفت کے اندر بھی یہی کشمیر کا جذبہ کارفرما ہے اور مقصد صرف یہ کہ کہیں پاکستان طاقت ور ہو کر کشمیر پر ہلہ نہ بول دے۔

کاش! اس فقیر کی یہ آواز کسی ذریعہ سے پنڈت جی کے کانوں تک پہنچ جاتی کہ آپ کشمیر ہمارے حوالہ کر دیں۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر بھارت والوں نے ہمارے جو جائز حقوق غصب کر رکھے ہیں۔ مثلاً نہروں کے پانی والا معاملہ اور ہمارے جائز قرضہ کی ادائیگی وہ ہمارے سپرد کر دے تو بغیر کسی خاص مجبوری کے ہم آپ کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے اور اپنی امن پسندی اور عافیت کوشی کا عملی ثبوت بہم پہنچائیں گے لیکن اگر آپ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ پاکستان والے اتنے ڈرپوک اور بے غیرت ہیں کہ وہ آپ کی ہر زیادتی کو برداشت کرتے چلے جائیں گے اور ٹس سے مس نہ ہوں گے تو یہ خیال دل سے نکال دیں۔ ہم کشمیر کے مسئلہ پر آپ سے لڑیں گے۔ نہروں کی بندش اور دریاؤں میں بند دینے پر لڑیں گے۔ اپنے قرضہ کی واپسی کی خاطر لڑیں گے اور جب تک ہمارے جائز مطالبات تسلیم نہ کر لیے گئے نہ خود چین سے بیٹھیں گے اور نہ آپ کو بیٹھنے دیں گے۔

گزشتہ سال اس فقیر نے ایک نامہ مفتوح یا کھلی چھٹی اس وقت کے وزیر اعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین صاحب کے نام لکھی تھی اور گزشتہ سالانہ جلسہ کے موقع پر حاضرین کو اس کے مفصل مضمون سے آگاہ کیا گیا تھا اور اب دوبارہ مختصر الفاظ میں اس کا اعادہ وتکرار کیا جاتا ہے اور اب اس فقیر کا روئے سخن موجودہ وزیر اعظم مسٹر محمد علی صاحب سے ہے۔

سابقہ چٹھی کے مضمون کا ملخص حسبِ ذیل ہے:

یہ فقیر ابھی چند یوم سے حزب اللہ کے سالانہ دورہ سے فارغ ہو کر گھر واپس پہنچا ہے۔ اثنائے دورہ میں جو تقریباً اڑھائی ماہ مسلسل جاری رہا۔ میرے سامنے ہزاروں نہیں بل کہ لاکھوں مسلمانوں کا مجمع آتا رہا اور جہاں تک مجھے اُن کے جذبات و احساسات کے مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے وہ کشمیر کے معاملہ میں نہایت پریشان حال اور مضطرب پائے گئے ہیں اور جب تک یہ مسئلہ کسی احسن اور مناسب طریق سے حل نہیں ہوگا۔ اُن کی افسردگی اور پریشانی رفع نہیں ہوسکتی۔

اس فقیر نے گزشتہ سال بھی ان سے وعدہ کیا تھا اور امسال کے دورہ میں بھی انھیں یقین دلایا ہے کہ ان کے خیالات وجذبات کی صحیح ترجمانی کرتے ہوئے ان کے معروضات کو پاکستان کے سب سے بڑے ذمہ دار عہدہ پر فائز ہونے کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں پہنچا دیا جائے گا۔ چناں چہ ایفائے عہد کرتے ہوئے ان کی جانب سے آپ کو یقین دلایا جاتا ہے کہ کشمیر کے مسئلہ کے حل کرنے میں پاکستان کے آٹھ کروڑ مسلمان آپ کا غیر مشروط طور پر ساتھ دینے کو تیار ہیں اور بڑی سے بڑی قربانی کی خاطر آمادہ کار۔ اس میں شک نہیں کہ حکومت نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے اور کم زور سے کم زور شرائط کو بھی مان کر اپنی صلح پسندی اور امن

دوستی کا ثبوت دیا ہے مگر واقعات وحالات نے ثابت کر دکھایا ہے کہ یہ معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہونے والا نہیں اور آخِرُ الْحِیَلَ السَّیْفَ[٦٧] کے مطابق بالآخر لڑے مرے بغیر کشمیر پاکستان کو نہیں مل سکتا۔

اندریں حالات اس فقیر نے گزشتہ سال حکومت سے درخواست کی تھی کہ اگر حکومت کی سیاسی مصلحتیں کشمیر پر براہ راست حملہ یا اقدام کی متقاضی نہیں یا امریکا اور برطانیہ کی حکمت عملیاں اس میں مانع اور سدّ راہ ہیں تو حکومت اپنی غیر جانب داری اور عدم جارحانہ اقدام پر قائم رہتے ہوئے مجھے اس بات کی اجازت دے دے کہ اپنی ذمہ داری پر مَیں اپنے رضا کارانِ حزب اللہ کو ہم راہ لے کر کشمیر کے مظلوم اور بے کس مسلمانوں کو بھارت کی فوج کے دستِ تظلّم سے نجات دلانے کی خاطر خدائے جل وعلیٰ[٦٨] کا نام لے کر حملہ کر دوں اور تمام نتائج کی ذمہ داری اپنے سر لے لوں۔ اگر خدانخواستہ مَیں اپنے ارادہ میں ناکام رہا، جس کی کہ مجھے ایک فی صدی بھی توقع نہیں تو پھر حکومت یہی عذر دنیا کے سامنے پیش کر دے گی کہ ہماری رعایا میں سے ایک فردِ واحد نے یہ اقدام کیا ہے اور جس کا خمیازہ اُس نے بھگت لیا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میری کوششیں بارآور ہو گئیں اور کشمیر کا انخلا عمل میں آ گیا تو پھر یہ فقیر صدق دل سے وعدہ کرتا ہے کہ بغیر کسی طمع و لالچ کے اور بغیر کسی شرط کے مفتوحہ علاقہ حکومتِ پاکستان کی تحویل میں دے دیا جائے گا اور میرے لیے اور حزب اللہ کے رضا کاروں کے لیے اتنا اجر، صلہ اور ثواب کافی رہے گا کہ ہم نے حق بہ حق دار رسید کے مطابق وہ علاقہ جو اقتصادی، تمدنی، معاشرتی اور جغرافیائی اعتبارات سے پاکستان کا جز و لاینفک ہے۔ ایک غاصب اور ظالم کے قبضہ سے نکال کر اس کے اصل مستحق کے حوالے کر دیا ہے اور ظلم رسیدہ وستم دیدہ کشمیر کے مسلمان باشندگان کو ایک ایسی حکومت کی فوجوں سے نجات دلا دی ہے جس کے ہاتھوں ان کی عورتوں کی آبروریزی اور عصمت دری ہو رہی تھی اور جنھوں نے ان کا ہر طرح سے ناطقہ بند کر رکھا تھا۔

گزشتہ سال ہم نے حکومت سے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ چوں کہ ہمارے پاس اسلحہ نہیں ہے اور نہ ہی راشن رسانی کے وسائل موجود۔ اس لیے یہ دونوں چیزیں ہمارے مجاہدین کو بہم پہنچانا حکومت اپنے ذمہ لے لے لیکن اب ہم حکومت پر یہ بار ڈالنا بھی مناسب نہیں سمجھتے تا کہ اس کی موجودہ مصلحتوں میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ اب ہم صرف اس بات کے متمنی ہیں کہ حکومت صرف ہمیں اجازت دے دے کہ ہم بھارت نواسوں[٦٩] کے پیدا کردہ اصول پولیس ایکشن کو سامنے رکھ کر اور کشمیر کے بے کس اور بے بس مسلمانوں کو بھارتی عساکر و افواج کے دستِ تغلّب سے نجات دلانے کی غرض سے اپنے رضا کاروں کو سرحداتِ کشمیر پر جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر نہ صرف بھیج دیں بل کہ یہ فقیر خود ان کی قیادت اور رہ نمائی کرے اور اپنی قلبی اور دیرینہ خواہش کی تکمیل کہ مجھے اپنی زندگی میں جہاد کی سعادت حاصل ہو۔

اس مضمون کی ایک چٹھی بہ طور یاددہانی موجودہ حکومت کو بہت جلدی ارسال کر دی جائے گی۔ خدا کرے کہ اس کا جواب باصواب[۲۵] موصول ہو جائے اور حکومت کی نیت کا پتہ چل جائے کہ وہ اس معاملہ میں کہاں تک ہمارے جذبات و احساسات کا خیال رکھتی ہے۔ یہ کمیٹیوں کا تقرر اور رائے شماری کے لیے فضا کو درست کرنا محض دفع الوقتی کی باتیں ہیں اور نا قابل عمل صورتیں۔ اس مسئلہ کے صحیح حل تو صرف تین ہو سکتے ہیں:

۱۔ بھارت والوں کا اصول پسندی کے ماتحت کشمیر کو غیر مشروط طور پر پاکستان کے حوالے کر دینا۔

۲۔ پاکستان والوں کا جارحانہ اقدام۔

۳۔ اور یا جماعت حزب اللہ کو غیر مبہم اور واضح الفاظ میں کشمیر کا معاملہ طے کرنے کی اجازت دے دینا۔

اور جہاں تک اس فقیر نے مزید غور و فکر سے کام لیا ہے چوتھی صورت کوئی موجود ہی نہیں اور پہلی صورت میں ہم ہندُستان والوں کا دلی شکریہ اَدا کریں گے۔ دوسری صورت میں جہادِ کشمیر کی خاطر اپنا تن من دھن حکومت کے حوالے کر دیں گے اور تیسری صورت میں ہمیں یقین ہے کہ جب امیرِ حزب اللہ نے علمِ جہادِ کشمیر بلند کیا تو ہر وہ شخص جو کلمہ توحید پڑھنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت پر اس کا ایمان ہے اس فقیر کا ساتھ دے گا اور ان شاء اللہ حکومت کی امداد کے بغیر مگر احکم الحاکمین کی نصرت و بھروسہ پر ہم کشمیر کو شاندار طریق سے فتح کر لیں گے اور سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ[۱] کے مطابق بھارتی فوجیں پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گی اور سارے خطۂ کشمیر پر اسلام، پاکستان اور حزب اللہ کا جھنڈا بلند ہو جائے گا۔

؎ یارب ایں آرزوئے من چہ خوش است
تو بریں مدعا مرا برساں[۲]

آئندہ انتخابات اور قیادت صالح

اگر آئین سازی کا کام اسی سست رفتاری اور آہستہ روی سے جاری رہا تو کئی سال تک نئے انتخابات کی نوبت نہیں آسکتی لیکن اگر رائے عامہ کے زبردست مطالبہ سے متاثر ہو کر اور مشرقی بنگال کے فرض شناس اور غیور مسلمانوں کے شور و شغب کی تاب نہ لا کر حکومت نے ترتیب و تدوینِ آئین و دستور کے ایوانِ زیریں یا پارلیمنٹ کا نیا انتخاب کرانا منظور کر لیا اور قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک ممبری کی کرسیوں سے چپکے ہوئے ممبروں نے اپنی نشستوں کو چھوڑ نا منظور کر لیا تو ممکن ہے کہ آئندہ سال کے آغاز یا اختتام تک نئے انتخابات عمل میں لائے جائیں اور ایوانِ زیریں کے ارکان کو عام حق رائے دہندگی کے مطابق منتخب ہونے کا موقع مل جائے۔

اندریں حالات ازبس ضروری ہے کہ رائے دہندگان کو ان کے فرائض سے آگاہ کیا جائے اور قیادت صالح کی طرف عامۃ الناس کی توجہات کا انعطاف کرایا جائے جب کہ ووٹ ایک قومی امانت ہے اور قرآنی حکم اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا [۴۳] کے مطابق امانت کو اس کی اہلیت واستحقاق رکھنے والوں کے سپرد کرنا چاہیے۔

گزشتہ انتخابات میں عامہ [تمام لوگ] کو جس غلط طریق سے گم راہ کیا گیا اور دھڑا بندیوں، فرقہ پرستیوں، رشتہ داریوں اور ظاہری تعلقات ومراسم کے طفیل جس طریق سے نااہل اور ناقابل اشخاص کے حق میں ووٹ دلوائے گئے وہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے لیکن ان گزشتہ واقعات وصورتِ حالات سے عبرت اور نصیحت حاصل کر کے آئندہ وہی نمائندے پارلیمنٹ میں بھیجنے چاہئیں جن کے دل میں اسلام کا درد، مسلمانوں کی خیرخواہی کے خیالات اور قوم کی فلاح وبہبود کے جذبات موجود ہوں۔ جنھیں ذاتی اغراض سے قومی اغراض مقدّم ہوں اور جو پارلیمنٹ میں جا کر مسلمانوں کی صحیح نمائندگی کر سکیں۔ اجرائے آئین شرعی کے پُرزور موید ہوں۔ قانونِ خداوندی کو دوسرے تمام قوانین پر ترجیح دینے والے ہوں اور غایت مافی الباب [۴۴] ان کا ضمیر اور ایمان کسی قیمت پر بھی نہ خریدا جا سکے۔

اگر مشائخ عظام متحدہ طور پر پارلیمنٹ میں جانے کا فیصلہ کر لیں تو یہ فقیر بھی ان کا ساتھ دینے کو تیار ہے لیکن اس کے متعلق ایک فیصلہ کسی مخصوص اجتماع میں ہی کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن انتخابات سے قبل تمام بالغ نظر اور ذی بصیرت مسلمانوں کا یہ ایک اخلاقی فرض ہے کہ وہ رائے عامہ کو بیدار کرنے کی کوشش کریں اور قیادت صالح کا مسئلہ پوری طرح سے مسلمانوں کے ذہن نشین کرا دیں۔

پاکستان میل کا واقعہ ہائلہ

انھی ایام میں کراچی میں جانے والی پاکستان میل کو جو دردناک اور ہوش ربا حادثہ پیش آیا ہے اسے ہم ایک قومی اور ملی حادثہ سے تعبیر کریں گے۔ دنیا حوادثات اور سانحات کا گہوارہ ہے اور نت نئے غم انگیز اور الم خیز واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں مگر ایسا سنگین، ہول ناک اور جانکاہ واقعہ جس نے کہ تمام دنیا کو محوِ حیرت بنا دیا ہو اور جس کی وجہ سے سارے پاکستان میں صفِ ماتم بچھ گئی ہو تاریخ عالم میں شاذ ونادر ہی پیش آیا کرتا ہے۔ گاڑیوں کا تصادم ایک معمولی بات ہے اور ریلوں کی ٹکر بھی ہو جایا کرتی ہے مگر یہ کبھی نہیں ہوا کہ انجن پٹڑی سے اتر جائیں اور مسافر گاڑیاں پٹرول میں آگ لگنے کی وجہ سے جل کا خاکستر ہو جائیں اور سیکڑوں اشخاص جن میں بچے، جوان، بوڑھے، عورتیں، مرد سب شامل ہوں چیختے رہیں چلاتے رہیں مگر ان کے لیے کوئی راہِ فرار نہ ہو۔

کوئی ان کی امداد نہ کر سکے اور لوگوں کے دیکھتے دیکھتے جل بھن کر کوئلہ ہو جائیں۔ نہ ان کی لاشوں کی پہچان ہو سکے اور نہ ہی ان کے جلے سڑے جسم شناخت کیے جاسکیں۔ غرض کہ غضبِ خداوندی کا ایک بے پناہ مظاہرہ تھا جو کہ غافل انسان کو دکھلایا گیا اور عذابِ الٰہی کا ایک مہیب نظارہ جسے دیکھ کر دنیا تھرا اٹھی اور جس کا تصور ہی لرزہ بر اندام کرنے والا ہے۔

ہماری جماعت اس سانحۂ عظیم اور صبر آزما حادثہ میں مرنے والوں کے ورثا اور متعلقین سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے اور ان کے لیے دعائے مغفرت اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے اس امر کی استدعا کہ آئندہ پاکستان ہم جو قسم آفات و بلّیاتِ ارضی وسماوی سے محفوظ رہے اور مسلمانوں کی قیمتی جانیں اگر صرف ہوں تو صَرف اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر اور اس قسم کی اچانک اور ہیبت آفریں قومی نقصانات سے ہمارا ملک ہمیشہ محفوظ رہے۔ آمین!

رضا کارانِ حزب اللہ سے تخاطب

اسلام کے مایہ ناز فرزندو اور حزب اللہ کے جان نثار سپاہیو! حسبِ معمولِ سابق یہ فقیر مخصوص حیثیت سے آپ کو امسال پھر مخاطب کرنے لگا ہے اس لیے کہ تم میری نیک خواہشات اور بہترین توقعات کے ہمیشہ مرجع و مآل بن کر رہے ہو اور اب بھی میری جو بھی اچھی امیدیں اور بلند ارادے ہیں۔ ان کی تکمیل اور اتمام ان شاء اللہ تمھارے ذریعہ ہوگا۔

تمھارے سابقہ عملی کارنامے اور حسنِ خدمات میرے سامنے ہیں اور اس فقیر کو تم پر صرف حسنِ ظن ہی نہیں بل کہ پورا بھروسہ اور اعتماد ہے کہ اس گئے گزرے زمانہ میں اور اس آخری دور میں صرف تمھارا ہی ایک طبقہ ایسا موجود ہے جس کے دل میں اسلام کی محبت، داعی السلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والہانہ عقیدت وارادت اور جہاد فی سبیل اللہ سے دلی موانست اور چاہت موجود ہے اور تمھاری حیات کی غرض اور زندگی کا مقصد محض اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔

تمھیں حزب اللہ نے سکھلایا ہے اور تم نے سیکھ لیا ہے۔ تمھیں امیرِ حزب اللہ نے سمجھایا ہے اور تم نے سمجھ لیا ہے کہ مسلمان دنیا میں صرف اس خاطر بھیجا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی سرزمین پر اسی کی حکومت قائم کرے۔ اسی کے مرتب کردہ قانون کا اجرا و نفاذ کرے۔ اس کے برگزیدہ اور مقبول دین کا جھنڈا تمام جھنڈوں سے اونچا کر دے اور اس کی زبردست طاقت کو تمام ظاہری طاقتوں پر غلبہ واستیلا حاصل کرنے [۴۷] کے لیے اپنی تمام امکانی کوششیں صرف کر دے اور اس کا مقدس نام جو پہلے بھی عملی اعتبار سے سارے ناموں سے بلند ہے۔ ظاہری طور پر بھی اس کے ترفع واعلا کا کھلم کھلا اعلان کر دے۔ انھی تعلیمات کا اثر ہے کہ تم نے ہر میدان

میں اپنی شجاعت و بسالت کا مظاہرہ کیا۔ کشمیر کی وادیاں تمھارے نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اٹھیں۔ یونینسٹ پارٹی کے محلات میں تم نے اپنی بے پناہ قوتِ ایمانی کے مظاہرہ سے زلزلہ ڈال دیا۔

حضور رحمۃ للعالمین، سید المرسلین و خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے [کی] عزت و ناموس کے تحفظ و بقا کی خاطر تم نے امیر کے حسبِ ایماو ترغیب اپنے آپ کو مجاہدانہ وسرفروشانہ حیثیت سے پیش کیا اور کسی ظاہری طاقت و حکومت سے مرعوب نہ ہوئے اور اپنے خلوص وللّٰہیت کا عملی ثبوت دیا۔ لیکن اچھی طرح سے یاد رکھو کہ ابھی آزمائشیں ختم نہیں ہوئیں۔ ابھی ابتلاؤں کا دور گزر نہیں گیا اور ابھی تمھارے بہت سے امتحانات ہونے باقی ہیں۔ آج ساری دنیا اسلام دشمنی اور مسلمانوں کو مٹا دینے کا تہیہ کیے ہوئے ہے۔

فلسطین کے یہودی اسلامیہ ممالک سے مسلمانوں کو کلیتاً خارج کر کے اپنی حکومت قائم کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ فرانس اب تک ہوس و استعمار میں بہ دستور مبتلا ہے اور افریقہ کے مسلمانوں کو آزادی دینے پر تیار نہیں۔ برطانیہ والے فاؤ ماؤ کی باغیانہ تحریک کو مٹانے کے بہانے سے سیاہ فام حبشیوں کا قتل عام کر رہے ہیں اور اس آزادیِ اقوام کے زمانہ میں ان کی غلامی کی زنجیروں کو اور مضبوط بنایا جا رہا ہے۔ روس نے ساری دنیا سے مذہب کو مٹا دینے کا فیصلہ کر رکھا ہے اور اس کا مقصد وحید اللہ تعالیٰ کی ذات مجمع الصفات سے انسان کو مستغنی [بے نیاز] اور باغی بنا کر اور مذہبی قیود اور پابندیوں سے انسان کو چھڑا کر اُسے آزاد مطلق بنانا اور انسانیت سے نکال کر مکمل حیوانیت اور بہیمیت میں لانا ہے اور کمیونزم تمام مذاہبِ عالم کے لیے ایک کھلا چیلنج ہے جسے اسلام کے ایک سچے خادم اور جان نثار ہونے کی حیثیت سے ہم نے قبول کرنا ہے اور دینِ حقّہ کے قائم رکھنے اور اس کی حفاظت کی خاطر ہر ایک قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرنا۔

اِدھر سب سے بڑا خطرہ جو پاکستان اور پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں کو درپیش ہے وہ اپنے ہمسایہ ملک بھارت کے موجودہ مسلم آزادطرزِ عمل کا ہے۔ جس کے ناپاک ارادے اب روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکے ہیں کہ بھارت کے اندر رہائش رکھنے والے مسلمانوں کو یا مرتد بنا کر اپنے میں شامل کر لو یا انھیں اتنا تنگ کرو کہ وہ مجبور ہو کر ترکِ وطن کر جائیں اور اِدھر پاکستان کے متعلق ان کا فیصلہ یہ ہے جیسے کہ فرقہ وارانہ جماعتیں کھلے اور واضح الفاظ میں ظاہر کر رہی ہیں اور کانگریس والے بعض مصلحتوں کی بنا پر ذو معنی الفاظ میں کہ پاکستان کو بالآخر بھارت کا ایک صوبہ بننا پڑے گا اور انجام کار اکھنڈ بھارت کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو کر رہے گا اور پاکستان کے مسلمان کے سامنے بھی دو ہی شرطیں رکھی جائیں گی کہ یا وہ اسلام چھوڑ دے یا پاکستان اور دوسری صورت میں وہ کسی دوسرے اسلامی ملک میں ہجرت کر کے چلا جائے۔

کشمیر کا معاملہ اسی طرح کھٹائی میں پڑا ہوا ہے اور مرے مارے بغیر اس کے حل کار کی کوئی صورت نظر

نہیں آتی۔ امریکا کے ساتھ پاکستان کے مجوزہ فوجی معاہدہ میں بھارت والے جس بےقراری اور اضطراب کا مظاہرہ کررہے ہیں، وہ ان کے دلی ارادوں اور نیتوں کا آئینہ دار ہے جو پاکستان کے متعلق ان کے اندر موجود ہیں۔ ان کی خواہش صرف اس قدر ہے کہ پاکستان ہمیشہ کم زور اور ناطاقت ہے اور ان کا غلام بے دام بن کر۔ اور ہم نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ اس معاہدہ کی تکمیل ضرور ہوکر رہنی چاہیے اور پاکستان کو قوی تر اور مضبوط تر بنائے بغیر ہمارا گزارہ مشکل ہے اور ہماری زندگی ہرگز محفوظ نہیں ہوسکتی۔

ادھر پاکستان کی اندرونی اصلاح از بس ضروری ہے۔ آزادیِ تحریر و تقریر جو ایک آزاد ملک کا مابہ الامتیاز ہوا کرتی ہیں تاحال ہمیں حاصل نہیں اور تو اور مساجد کا احترام بھی ایک اسلامی ریاست میں نہیں پایا جاتا۔ ہماری اقتصادی حالت روز بہ روز کم زور ہوتی چلی جارہی ہے۔ ارباب بست و کشاد کی بے تدبیری اور عدم تدبر سے ملک کے اندر ایک زبردست قحط پڑا ہوا ہے اور اگر امریکا اپنی بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ہماری جھولی میں بوسیدہ اور ناقابل استعمال گندم نہ ڈال دیتا تو معلوم نہیں کہ لوگ کس طرح بڑی تعداد میں بھوکے مرجاتے۔ آئینِ اسلامی کی تیاری میں غیرمعمولی تاخیر و تعویق خالی از علت نہیں۔ مجوزہ نئے انتخابات میں قیادتِ صالح کا پراپیگنڈہ کیے بغیر عامۃ الناس کی ذہنیت تبدیل کرنی مشکل ہے۔

غرض کہ متعدد داخلی اور خارجی مشکلات درپیش ہیں جن کو دور کرنا، پاکستان کو کھلے دشمنوں اور گروہِ منافقین سے بچانا بہ حیثیت اسلامی مجاہد و قومی غازی کے آپ کے ذمہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ان کثیر ذمہ داریوں سے عہدہ برآئی کوئی آسان کام نہیں اور یہ بوجھ کوئی معمولی بوجھ نہیں ہے جسے آپ نے اٹھانا ہے۔ مگر جس صورت میں کہ آپ نے اسلامی خدمات اور قومی مطالبات کی ذمہ داری اپنے سر پر لے لی ہے تو اس سے عہدہ برآئی اور ادائے فرض کے لیے آپ کو مردانہ وار میدانِ عمل میں نکل آنا چاہیے اور امیرِ حزب اللہ کے احکام کے ماتحت ایک ایسا بہترین ماحول پیدا کردینا چاہیے کہ دنیا بھر کے مسلمان بیرونی خطرات سے بھی محفوظ ہوجائیں اور پاکستان کے اندر ایک ایسا بہترین اسلامی اور جمہوری نظام قائم ہوجائے جہاں کہ مسلمان ایک صحیح اسلامی زندگی بسر کرسکے۔

ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں امین آباد[۷۶]

خاتمہ سخن

حضرات! امسال کا خطبۂ صدارت جیسا بھی ہے آپ کے سامنے آچکا ہے۔ گزشتہ سال یہ فقیر مختلف علل و اسقام میں مبتلا رہا ہے۔ غالباً قدرت کو میری آزمائش منظور تھی :

امتحاں ہے ایک مشتِ خاک کا

مگر یہاں تو تسلیم ورضا کے بغیر کچھ سیکھا ہی نہیں اور وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ط [۷۷] کے سوا کچھ مطلوب ہی نہیں۔ بیماریوں نے بڑا تنگ کر رکھا ہے۔ صحت کی حالت روز بہ روز کم زور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ کاروانِ حیات قدم قدم پر تھکنے لگتا ہے۔ پاؤں ڈگمگاتے ہیں اور جسم مرتعش ہے مگر بِحَمْدُلِلّٰہِ کہ جسم کی کم زوری کا اثر روح کی طاقت پر ذرا بھر نہیں اور دماغ کی تھکاوٹ، خیالات کی درستی وصحت پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی۔

عزم بلند ہے اور ارادہ مضبوط۔ ہمت قوی ہے اور عزیمت استوار۔ جی چاہتا ہے کہ جو کام شروع کر رکھا ہے اس کی تکمیل اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔ پاکستان کی حاصل کردہ زمین پر حکومت الٰہیہ کا عالی شان محل بھی فردوسِ نگاہ بن جائے اور مسلمانوں کے دلوں کے اندر عرشِ خداوندی کا جلوہ بھی نظر آئے۔ مگر حاشا و کلا کوئی ظاہری خواہش موجود نہیں۔ اس کی عطا کردہ نعمتیں بے شمار ہیں اور اس کے احسانات ان گنت۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَاتُحْصُوْھَا۔ [۷۸] بس یہی تم لوگوں کو ظاہری اور باطنی طور پر ترقی یافتہ شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں اور خدا کرے میری یہ بات نہیں بل کہ قومی خواہشات پوری ہو جائیں۔

مَیں دوبارہ شکریہ اَدا کرتا ہوں کہ آپ نے ایک ٹھنڈی رات میں جب کہ آپ کے جسموں کو گرمی اور آرام کی ضرورت تھی میرے تھکے ہوئے دماغ سے نکلے ہوئے خیالاتِ پریشاں [کو] گوش رسید کیا۔ خدا کرے جو پیغامِ حق میرے دل کی گہرائی سے نکلا ہے وہ آپ کے عمق قلب تک پہنچ جائے اور اس پر عمل پیرا ہو کر آپ اپنی دینی ودنیوی، ظاہری وباطنی دونوں قسم کے فوائد وثمرات حاصل کر سکیں۔ آمین! وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

....

حواشی

۱۔ التوبہ۹: ۱۱۱، ۱۱۲۔

۲۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم جیسے لوگ زیادہ کر دے اور تمھارے حالات درست کر دے۔ (دُعائیہ کلمات)

۳۔ ترجمہ: اور اُسی کے ہاتھ میں توفیق ہے۔ (عربی جملہ)

۴۔ ترجمہ: مَیں نالہ بلند کرتا ہوں اگر تم میں سننے کی ہمت ہے، مَیں اپنا سینہ چیر کر دکھاتا ہوں اگر تم میں دیکھنے کی طاقت ہے۔

۵۔ خطبہ میں تسویہ کی جگہ لفظ تسوید لکھا تھا۔ نسیم اللغات کے مطابق جس کا مطلب ہے لکھنا، سیاہ کرنا، مسودہ تیار کرنا جب کہ یہاں لفظ تسویہ آنا چاہیے تھا جس کا فرہنگ فارسی کے مطابق مطلب ہے برابر کرنا، سیدھا کرنا

کیوں کہ جملہ میں پہلے تخلیق بہ معنی پیدا کرنا، پھر تعدیل بہ معنی مطابق کرنا، موافق کرنا۔ بعدازاں لفظ تسویہ بہ معنی برابر کرنا، سیدھا کرنا ہی آنا چاہیے۔ اِس طرح جملے کا مطلب سوا پیدا کیا اور موافق کیا اور برابر کیا۔ قرآنِ پاک کی سورۃ الانفطار۸۲ کی آیت ۷ اور ۸ میں بھی ایسا ہی بیان کیا ہے کہ جس نے تجھے پیدا کیا، پھر ٹھیک بنایا پھر ہم وار فرمایا۔ جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ کر تیار کیا یعنی ترکیب دیا۔ (الانفطار۸۲:۷،۸)

۶۔ خطبہ میں تلاطم کی جگہ لفظ طلاطم لکھا تھا جو شاید کاتب کی غلطی سے لکھا گیا ہوگا۔

۷۔ بنی اسرائیل ۱۷:۴۴۔

نوٹ: خطبہ میں بِحَمْدِہٖ کی جگہ بِحَمْدِ رَبِّہٖ درج تھا۔

۸۔ ترجمہ: تاریکی چاک کرکے صبح نکالنے والا۔ (الانعام۶:۹۶) (قرآنی تلمیح)

۹۔ خطبہ میں دردبھرے دل کی جگہ دل بھرے دل درج تھا۔

۱۰۔ خطبہ میں تخیل کی جگہ تخییس درج تھا جس میں پہلے ی کے دو نقطے کٹے ہوئے تھے۔ یوں یہ لفظ تخییس بن گیا جو کہ بے معنی ہیں۔ اب جملے میں اِس فقرے سے پہلے اللہ کے حدِ نگاہ سے دور ہونے کی بات ہے اور بعد والے فقرے میں حیطۂ امکان سے باہر ہونے کا ذِکر ہے۔ یوں مناسب لفظ تخیل ہی بنتا ہے جو کہ نسیم اللغات میں تخئیل اور تخُّیل کی اِملا میں لکھا ہے۔ ممکن ہے کاتب نے تخئیل لکھا ہو مگر غلطی سے ل کی جگہ ک لکھ دیا۔ ویسے جملے کی مناسبت سے تخئیل ہی درست ہے جس کے معنی ہیں خیال، چند معلوم باتوں کو ذہن میں جمع کرکے اُن کے امتزاج سے نکالا ہوا ایک نیا خیال یعنی معلوم باتوں سے غیر معلوم خیال پیدا کرنا۔ یوں خطبے میں درج فقرے کا مطلب ہوا۔ ہمارے خیال کی بلندی سے سوا، خارج یا باہر۔

۱۱۔ ق ۵۰:۱۶۔

۱۲۔ الحدید ۵۷:۳۔

۱۳۔ ترجمہ: علم سینہ میں تھا پڑھنے میں نہ تھا۔ (ضرب المثل)

اصل ضرب المثل یہ ہے۔ علم در سینہ (باید) نہ کہ در سفینہ

۱۴۔ ترجمہ: مَیں نے جو مصلحت دیکھی وہ یہ ہے کہ لوگ سب کام چھوڑ دیں اور محبوب کی زُلف تھام لیں۔

(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اُردو بازار، لاہور، س ندارد، ص ۲۰۷)

دیوانِ حافظ میں یہ شعر یوں درج ہے :

مصلحت دیدنم آن نیست کہ یاران ہمہ کار
مگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

۱۵۔ ترجمہ: جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اُس نے خود کو پہچان لیا۔ (عربی مقولہ)

۱۶۔ جو کہا گیا ہے بہت اچھا ہے۔ (عربی الفاظ)

۱۷۔ ترجمہ: رازِ خداوندی جو عارفِ کامل نے کسی سے نہیں کہا، مَیں حیران ہوں کہ شراب بیچنے والے نے کہاں سے سُن لیا۔

(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، س ندارد، ص ۱۲۹)

۱۸۔ ترجمہ: کہنے والے کے اللہ کے لیے موتی ہیں بہ معنی کیا خوب کہا ہے۔ (عربی الفاظ)

۱۹۔ اُردو کے ضرب المثل اشعار، تالیف: محمد شمس الحق، شعر ۶۴۵، ص ۱۱۲۔

نوٹ: اصل میں پہلا مصرع یوں ہے : ع زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہورِ ترتیب۔

۲۰۔ بنی اسرائیل ۱۷: ۸۵۔

۲۱۔ النمل ۲۷: ۴۰۔

۲۲۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنتہ ، باب مجانب اھل الأ ھواء و بغضھم، حدیث ۴۶۰۱۔

۲۳۔ خطبہ میں خطا نہیں کرتا درج تھا جب کہ جملے کے مفہوم کے مطابق خطا نہیں ہوتا آئے گا۔ خطا نہیں کرتا بہ معنی قصور نہیں کرتا، گناہ گار نہیں ہوتا جب کہ خطا نہیں ہوتا بہ معنی غلطی نہ ہونا، یعنی درست ہونا۔

۲۴۔ ترجمہ: ایک دوسرے سے آگے بڑھنا۔ (فارسی جملہ)

۲۵۔ شبلی نعمانی، علامہ، سیرت النبیؐ (جلد دوم)، دارالاشاعت، اُردو بازار کراچی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۱۳۔

۲۶۔ خطبہ میں منھ جوڑ کر درج تھا لیکن جملے کے مطابق منھ موڑ کر آئے گا۔

۲۷۔ الانعام ۶: ۷۹۔

۲۸۔ ترجمہ: وہ خود بھٹکا ہوا ہے کسی کی کیا رہ نمائی کرے گا۔ (ضرب المثل)

(شمس الحق، محمد، اردو کے ضرب المثل اشعار، ادارہ یادگار غالب، کراچی، طبع اول، س ۲۰۰۳ء، ص ۱۱۲، شعر ۶۵۴)

خطبہ میں یہ ضرب المثل یوں درج تھی : خویشتن گم است کرا رہبری کند

۲۹۔ المطففین ۸۳: ۲۶۔

۳۰۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، ج ۲، ص ۴۹۱۔

۳۱۔ المائدہ ۵: ۵۴۔ الحدید ۵۷: ۲۱۔ الجمعہ ۶۲: ۴۔

نوٹ: خطبہ میں ذٰلِكَ کی اِملا ذَالِكَ درج تھی۔

۳۲۔ ترجمہ: ہماری عبارتیں مختلف ہیں، تیرا حسن ایک ہے اور ہر عبارت اُسی حسن کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

(صدر الدین شیرازی، محمد بن ابراہیم، المبدا والمعاد، ذبیحی، محمد (مترجم)، دانشگاہ قم، انتشارات اشراق قم

ایران،س ۱۳۸۰ھ،ص ۱۶۷)

۳۳۔ ترجمہ: تم سب اللہ کے بندے ہو اور تم سب اللہ کی بندیاں ہو۔ (حدیث)

۳۴۔ النصر ۱۱۰:۲۔

۳۵۔ البقرہ ۲:۶۱۔

۳۶۔ ترجمہ: عقل آئی دین و دنیا دونوں خراب ہو گئے۔ (مولانا جلال الدین رومی)

۳۷۔ ترجمہ: عشق ہے دونوں جہاں میں کامیاب۔ (مولانا جلال الدین رومی)

۳۸۔ ترجمہ: اس دریائے بے پایاں میں، اس تھپیڑے مارتے ہوئے طوفان میں ہم نے چھلانگ لگا دی، اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور ٹھہرنا۔

۳۹۔ خطبہ میں لفظ اپنی درج تھا۔ یہاں جملے کے مطابق اِنھی آئے گا۔

۴۰۔ ترجمہ: تمام مے کدوں کے شفاخانوں میں ایک ہی دوا ہے، جس مرض کی بھی کوئی شکایت کرتا ہے۔ اُسے شراب دیتے ہیں۔

نوٹ: پہلے مصرع میں مے کد کی جگہ مے کدہ ہونا چاہیے۔

۴۱۔ خطبہ میں فخر مباہات درج تھا جب کہ فخر و مباہات بامعنی بنے گا۔

۴۲۔ ترجمہ: مجھے آئینہ کے پیچھے طوطے کی مانند رکھا ہوا ہے، جو نقاشِ ازل نے کہا تھا وہی مَیں کہتا ہوں۔

(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اُردو بازار، لاہور، س ندارد، ص ۲۸۷)

۴۳۔ خطبہ میں اُسے انھیں دونوں الفاظ درج تھے جب کہ جملے کے مفہوم کے مطابق اُسے استعمال ہوگا۔

۴۴۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے (عربی الفاظ)

۴۵۔ ترجمہ: اللہ کے احسان پر اُس کی حمد ہے۔ (اختتامی جملہ)

۴۶۔ جو کہا گیا ہے، بہت اچھا ہے۔ (عربی الفاظ)

۴۷۔ بانگِ درا، بہ حوالہ کلیاتِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، بار پنجم، ۲۰۰۰ء، ص ۳۱۰۔

۴۸۔ خطبہ میں قَالَ یٰلَیْتَ کی جگہ فَیَالَیْتَ درج تھا۔

۴۹۔ المرسلٰت ۷۷:۵۰۔

۵۰۔ ترجمہ: جب اہلِ دل کی بات سنو تو یہ نہ کہو کہ غلط ہے، تو سخن شناس نہیں اے دلبر! خرابی یہ ہے۔

(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، س ندارد، ص ۶۳)

۵۱۔ ترجمہ: جو صاف ہوا اُسے لے لو جو گدلا ہے اُسے چھوڑ دو۔ (ضرب المثل)

۵۲۔ ترجمہ: اور اُسی کے ہاتھ میں توفیق ہے۔ (عربی جملہ)

۵۳۔ ایک آدمی کی رائے ہزار آدمیوں کے سامنے نہیں چلتی۔ (کہاوت)

اصل کہاوت ہے : نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔

۵۴۔ ترجمہ: افسوس! کتنی ہی آرزوئیں ہیں جو خاک ہو گئیں۔ (ضرب المثل)

۵۵۔ یٰسٓ ۳۶:۱۷۔

۵۶۔ خطبہ میں لفظ تقیر کے بعد اپی درج تھا جب کہ ریختہ ڈکشنری کے مطابق لفظ اپی ہے۔ ء زاید ہے۔

۵۷۔ التوبہ ۹:۳۲۔

۵۸۔ نظم جوابِ شکوہ، بانگِ درا بہ حوالہ کلیات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، بار پنجم، ۲۰۰۰ء، ص ۲۳۵۔

۵۹۔ ترجمہ: تو خود اس اختصار سے بات کی تفصیل سمجھ لے۔ (ضرب المثل مصرع)

پورا شعر یوں ہے : من از مفصل این نکتہ مجملی گفتم تو خود حدیث مفصل بخوان ازین مجمل

(عمان سامانی، قصائد، شمارہ نمبر ۱۰)

۶۰۔ شمس الحق، محمد، اُردو کے ضرب المثل اشعار، ادارہ یادگار غالب، کراچی، طبع اول، س ۲۰۰۳ء، ص ۹۲، شعر ۱۵۰۔

اصل میں دوسرا مصرع یوں ہے۔ ع وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا (اکبر الہ آبادی)

۶۱۔ ترجمہ: نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں۔ (الرحمٰن ۵۵:۶۰)

۶۲۔ اصل ضرب المثل یوں ہے :

زبردست مارے اور رونے نہ دے

ایسے موقع پر مستعمل ہے جب کوئی شخص ظلم یا زیادتی کرے اور حرفِ شکایت بھی ادا نہ کرنے دے، یعنی طاقت ور کم زور کو ہر طرح سے دباتا ہے۔

۶۳۔ ترجمہ: ساحل پر محفل آراستہ نہ کر کہ اُس جگہ زندگی کی آواز بڑی دھیمی ہے، دریا میں چھلانگ لگا اور اُس کی موجوں سے زور آزمائی کر (کیوں کہ) ہمیشہ کی زندگی کشمکش میں ہے۔

(پیامِ مشرق اقبالؒ، مترجم: میاں عبدالرشید، شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ پبلیشرز، چوک انارکلی لاہور، س ۱۹۹۱ء، ص ۴۷)

۶۴۔ الانفال ۸:۶۰۔

۶۵۔ ابراہیم ۱۴:۲۰۔ فاطر ۳۵:۱۷۔

خطبہ میں ذٰلِكَ کی جگہ ذَالِكَ درج تھا۔

۶۶۔ خطبہ میں سبزہ زاریں کی جگہ سبزہ زاریں درج تھا۔

۶۷۔ ترجمہ: آخری حیلہ تلوار ہے۔ (عربی مقولہ)

۶۸۔ خطبہ میں جل کی جگہ جس درج تھا۔

۶۹۔ خطبہ میں لفظ نواسیوں درج تھا لیکن جملے کے مطابق یہاں لفظ نواسوں ہونا چاہیے۔نواس کی جمع یعنی کسی جگہ رہنے والے۔ یوں بھارت نواسوں کا مطلب ہوا بھارت کے رہنے والے۔ ممکن ہے نواسیوں لفظ کتابت کی غلطی سے چھپا ہے۔

۷۰۔ خطبہ میں جواب باصواب کی جگہ جاب باثواب درج تھا۔نسیم اللغات کے مطابق جواب باصواب کے معنی ہیں معقول، مناسب اور عمدہ جواب۔

۷۱۔ القمر۵۴:۴۵۔

۷۲۔ ترجمہ: اے میرے رب! میری یہ آرزو کتنی اچھی ہے، تو اس مُدعا پر مجھے پہنچا دے۔

۷۳۔ النساء۴:۵۸۔

۷۴۔ خطبہ میں غایت مافی الباب کی جگہ غایت فی الباب درج تھا۔

۷۵۔ خطبہ میں کرنے کی جگہ ہونے درج تھا جو جملے کے مفہوم کے مطابق نہیں تھا۔

۷۶۔ ترجمہ: یہ دُعا میری طرف سے ہے اور سارے جہاں کی طرف سے اس پر آمین ہو۔ (ضرب المثل)

۷۷۔ المومن۴۰:۴۴۔

۷۸۔ النحل۱۶:۱۸۔

۷۹۔ خطبہ میں بات کی جگہ ذات درج تھا جس سے جملہ مہمل ہو جاتا ہے۔

◆◆◆

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغَالِبُوْنَ ؕ

حضرت مولینا ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالی

سجّادہ نشین جلال پور شریف و امیر حزب اللہ

کا

خُطبۂ صدارت

جو آپ نے

حزب اللہ کے اٹھائیسویں سالانہ اجلاس پر ارشاد فرمایا!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ☆

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوۡلٰینَا وَ حَبِیۡبِنَا وَشَفِیۡعِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَتۡبَاعِہٖ وَاَشیاعِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ ○ اَمَّا بَعۡدُ فَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ فِیۡ قُرۡاٰنِہِ الۡمَجِیۡدِ وَفُرۡقَانِہِ الۡحَمِیۡدِ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا خُذُوۡا حِذۡرَکُمۡ فَانۡفِرُوۡا ثُبَاتٍ اَوِ انۡفِرُوۡا جَمِیۡعًا ○ وَ اِنَّ مِنۡکُمۡ لَمَنۡ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنۡ اَصَابَتۡکُمۡ مُّصِیۡبَۃٌ قَالَ قَدۡ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیَّ اِذۡ لَمۡ اَکُنۡ مَّعَہُمۡ شَہِیۡدًا ○ وَلَئِنۡ اَصَابَکُمۡ فَضۡلٌ مِّنَ اللّٰہِ لَیَقُوۡلَنَّ کَاَنۡ لَّمۡ تَکُنۡۢ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَہٗ مَوَدَّۃٌ یّٰلَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ مَعَہُمۡ فَاَفُوۡزَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا ○ فَلۡیُقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ یَشۡرُوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا بِالۡاٰخِرَۃِ ؕ وَ مَنۡ یُّقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَیُقۡتَلۡ اَوۡ یَغۡلِبۡ فَسَوۡفَ نُؤۡتِیۡہِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ○ وَمَا لَکُمۡ لَا تُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہ وَ الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الۡوِلۡدَانِ الَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡ ہٰذِہِ الۡقَرۡیَۃِ الظَّالِمِ اَہۡلُہَا ۚ وَ اجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ وَلِیًّا ۚۙ وَّ اجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ نَصِیۡرًا ○ؕ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۚ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ الطَّاغُوۡتِ فَقَاتِلُوۡۤا اَوۡلِیَآءَ الشَّیۡطٰنِ ۚ اِنَّ کَیۡدَ الشَّیۡطٰنِ کَانَ ضَعِیۡفًا ○ ؑ [1]

☆ ۴/۵ جمادی الثانی ۱۳۷۴ھ بہ مطابق جمعہ ۲۸ جنوری/ ہفتہ ۲۹ جنوری ۱۹۵۵ کی درمیانی شب پڑھا گیا۔ مولوی محمد عالم سیکرٹری انجمن حزب اللہ پرنٹر پبلشر نے دین محمدی پریس، لاہور سے طبع کرا کر گجرات سے شائع کیا۔

مشائخ عظام، علمائے کرام وحاضرین ذوی المجد والاعتلا! سب سے پہلے یہ فقیر صدقِ دل سے اور صمیم قلب سے آپ سب حضرات کا خیر مقدم کرتا ہے کہ آپ موسم کی ناسازگاری، گونا گوں مصروفیتوں اور چند در چند موانع کی پروا نہ کرتے ہوئے عرس مُبارک اور حزب اللہ کے اٹھائیسویں سالانہ اجلاس کی شرکت کی خاطر تشریف لے آئے ہیں اور ادائے فرض اور اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برائی کو آپ نے دوسرے مشاغل پر ترجیح دے کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی ایسے اصول پسند اور حقائق شناس لوگ موجود ہیں جو اگر دل میں ایک عہد کر لیں یا ایک عزمِ راسخ تو پھر کوئی رکاوٹ ان کے سدراہ نہیں ہو سکتی۔

اس فقیر نے آپ کو یہاں کیوں طلب کیا ہے؟ آپ نے گھر کا آرام وراحت چھوڑ کر سفر کی صعوبت کیوں برداشت کی ہے؟ اور سرد موسم میں بجائے اس کے کہ نرم اور گرم بستر میں محوِ خواب ہوں آج رات کے وقت کھلے میدان میں سردی سے ٹھٹھرے ہوئے میری باتیں کیوں گوش گزار کر رہے ہیں؟ اس کا جواب آپ ابھی سُن لیں گیا ور آپ کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ جو امور مہمہ اور اہم ترین مسائل ہمارے پیشِ نظر ہیں، مسلمانوں کے مستقبل قریب کے فلاح و بہبود کے سلسلہ میں جو عملی تجاویز سامنے آنے والی ہیں اور ہم نے باہمی صلاح و مشورہ، گفت وشنید اور بحث وتمحیص کے بعد اپنے لیے جو ایک شاہراہِ عمل مقرر کرنی ہے۔ اس کا یہی تقاضا تھا اور یہی اقتضا کہ ہم آج کے جلسہ میں اکٹھے ہو کر، سر جوڑ کر نہایت ٹھنڈے دل سے اور مفکر دماغ سے کچھ سوچ بچار کریں اور افہام وتفہیم کے بعد جو متفقہ فیصلہ کیا جائے اس پر کورانہ تقلید کرتے ہوئے نہیں بل کہ اسے ایک ضروری فرض سمجھتے ہوئے پورا کریں اور اس وقت تک ہمیں دلی طمانیت اور قلبی سکون حاصل نہ ہو جب تک کہ ہم اسے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا دیں۔

رسمی تعارف غیر ضروری ہے اور تکلفات تضیعِ اوقات کے مرادف۔ یہ فقیر کچھ کہنا چاہتا ہے اور آپ کچھ سننا چاہتے ہیں اس لیے کسی تمہید اور مبادیات کے بغیر موجودہ وقت کی نزاکت اور حالات کی سُرعت رفتاری کے پیشِ نظر یہ فقیر اصلی موضوع اور حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کرے گا۔ وَبِيَدِهِ التَّوْفِيْقَ۔[۲]

دل می رود ز دستم صاحب دلاں خدارا
دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شُد آشکارا[۳]

تخلیقِ انسان کی عِلّت غائی

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ[۴]

یہ مظاہرِ قدرت، یہ مناظرِ فطرت، یہ عالمِ تکوین، یہ جہانِ کون ومکان، یہ سلسلۂ عدم وبود، یہ پیکرِ ہستی و

وجود، یہ تمثالِ فنا و بقا، یہ قدوم وحدوثِ مادہ کے مذاکرات، یہ سیاروں کے متعلق قیاسات اور یہ غور وفکر کہ سورج کیسے بنا؟ اس کے اندر اُبلنے اور جوش مارنے والا لاوا کہاں سے آ گیا؟ اس کثیر مقدار میں گندھک، نفطِ [جوش مارنا] کیمیاوی اجزا اور اِلتہاب [آگ کو بھڑکانے] والی دھاتیں کس طرح جمع ہوگئیں؟ وہ موجودہ ماہرِعلمِ طبیعیات کے نظریہ کے مطابق ایک نقطۂ جامد بن کر کیسے رہ گیا جس کے اردگرد سیکڑوں اور ہزاروں سیّارے چکر لگا رہے ہیں اور اس کے محور کے آگے پیچھے گھوم رہے ہیں۔ یہ چاند کا کرہ کس طریق سے معرضِ وجود میں آیا؟ اس کے اندر داغ کیوں ہیں؟ اس کی چاندنی لطیف اور ٹھنڈی تاثیرات کیوں رکھتی ہے؟ یہ قسم قسم کے ستارے آسمان کی سطح پر کیسے دل فریب اور دیدہ زیب نظر آتے ہیں جیسے کہ ایک نیلگوں ردائے اطلس پر بے بہا موتی ٹکے ہوں؟ رات کے وقت ستاروں کی بہار، دل لبھانے اور غم غلط کرنے کے علاوہ ایک رہ روِ دشتِ بے کراں اور ایک سیاحِ خطۂ ارضی کے لیے رہ نمائی بھی کرنے والی ہے اور بھولے بھٹکے مسافروں کو ایک صحیح سمت بھی دکھانے والی۔
وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ۔ [۵]

ایک بھاری بھرکم سٹیمر جب آلہ قطب نما کے ٹوٹ جانے سے سمندر کی گہرائیوں میں ہچکولے لینے لگتا ہے اور اپنی راہ کھو جاتا ہے تو یہی ستارے اُسے صحیح راستہ دکھاتے ہیں۔ پھر ان کی باہم دگر چشمک زنی حقیقتاً ان کے مخصوص اشارے اور استعارے ہیں جنھیں وہ خود ہی سمجھ سکتے ہیں یا لاسلکی [وائرلیس] کے پیغامات جنھیں ان کے بغیر کوئی دوسرا معلوم نہیں کر سکتا۔ کرۂ ارض سے ان کی بُعدیت کتنی ہے؟ ہم سے چاند کتنا دور ہے؟ زحل، مشتری اور عطارد کتنی مسافت پر ہیں؟ یہ سب باتیں ظنّی، وہمی اور تخمینی حیثیت رکھنے والی ہیں۔ پھر بہ شمولیت کرۂ ارضی ان کے اندر کششِ ثقل کیوں ہے؟ سورج سے اتنی دور ہوتے ہوئے پھر اس سے ارتباط کیوں قائم ہے؟ یہی وہ باتیں ہیں جنھوں نے سائنس دانوں کے حواس معطل کر رکھے ہیں اور دماغ پریشان۔

اسی پر اکتفا نہیں، ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا گھرنا، بجلی کی چمک، رعد کی گرج، موسلا دھار مینہ کا برسنا، یاس وقنوط کے بعد بارش اور بادلوں کے امنڈ امنڈ آنے کے بعد آناً فاناً مطلع صاف ہو جانا۔ ادھر سر بہ فلک پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں، مختلف النوع چٹانیں، سفید چادر کی طرح گرنے والی آبشاریں، مترنّم چشمے، پُر کیف وادیاں، طرح طرح کے پھول اور متنوّع پھل، ایرانی قالینوں سے زیادہ نرم اور گدگدا [ملائم] گھاس، سبز مخمل سے زیادہ خوب صورت سبزہ زار۔ پھر پہاڑوں میں چوکڑیاں بھرنے والے ہرن، دھاڑنے والے شیر، چنگھاڑنے والے ہاتھی، کلیلیں کرنے والے کستورے، ناچنے والے مور، ہزاروں قسم کے وحوش وطیور اور سیکڑوں نوعیت کے حشرات الارض اور لطف یہ کہ سب اپنی اپنی حالت میں مگن اور مست۔ نہ کسی کو کسی کی احتیاج اور نہ کسی کا کسی پر انحصار۔

ادھر دریاؤں کی روانی، تیز خرامی، پانی کا بہاؤ، اس کا تلاطم اور پھر سارے دریاؤں کا چکر کاٹ کر ایک مرکز سمندر پر اجتماع۔ سمندروں کے اندر کی دنیا اور بھی نرالی ہے۔ چاند کی تاریخوں کے عین مطابق اس کا مد و جزر، گھٹاؤ اور بڑھاؤ، بے پناہ وسعت، ناپیدا کنار پہنائی، پہاڑوں کی طرح بلند ہونے والی موجیں، اس کا پُر شکوہ منظر اور مرعوب کرنے والا نظارہ۔ پھر اس کے اندر بسنے والی مخلوق۔ اک چھوٹی سی مچھلی سے لے کر بڑی سے بڑی وہیل مچھلیاں، مگرمچھ، سنسار اور روایتی جل پریاں، گھونگھے، سیپیاں اور موتی، دوسری طرف لق و دق صحرا، بے آب و گیاہ سرزمین ریگ زار، ریت کے ٹیلے، بنجر اور بے کار زمینیں، حدِّ نگاہ تک کھنڈرات کی شکل کے قطعات، کہیں کہیں گھنا جنگل، پانی کے قدرتی جوہڑ اور تالاب اور جنگل میں بسیرا کرنے والے جانور، مہیب اژدہا، فولادی جسم والے گینڈے، نیل گائے، گورخر [جنگلی گدھ]، اُڑنے والے باز، شکرے، عقاب، فاختائیں، چڑیاں، جنگلی کبوتر وغیرہ وغیرہ اور پھر انسانی آبادیاں خانہ بدوش اقوام کی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں سے لے کر عالی شان محلات اور کوٹھیاں، معمولی سی بستیوں سے لے کر عظیم الشان اور غدار [بے وفا] شہر جن کے اندر بیسیوں ملیں ہیں اور سیکڑوں کارخانے، ٹرامیں چل رہی ہیں، موٹریں دوڑ رہی ہیں، فِٹنیں اور بگھیاں محوِ خرام ہیں اور تانگے اور یکّے ہچکولے لینے والے۔ شہر کیا ہیں؟ نفسانفسی کا ایک نظارہ۔ ہر شخص بھاگ دوڑ کر رہا ہے، انسانی جنگل متحرک ہیں اور کاروبار کی تیز رَو میں آدمی تنکے کی طرح بہتے چلے جا رہے ہیں۔

غرض کارگہِ قدرت میں بہ یک وقت کئی کھیل کھیلے جا رہے ہیں اور سطحِ ارض پر بسنے والے حیوان پارہ کی طرح بے قرار اور متحرک۔ گھوڑے ٹاپ رہے ہیں۔ گدھے اپنی اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ [۶] کی صدائے بے ہنگام لگا رہے ہیں۔ اونٹ اپنے بے ڈول جسم اور بے ڈھنگی چال چل رہے ہیں۔ کتے بھونکتے ہیں، گیدڑ ہانکتے ہیں، مُرغ بولتے ہیں، چڑیاں چہچہاتی ہیں اور جب ساری دنیا بیدار ہو جاتی ہے تو حضرت انسان میٹھی نیند کے مزے لیتے ہیں اور خراٹے بھرتے ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ یہ ساری کائنات اور اس کی ہنگامہ آرائیاں کیوں ہیں؟ یہ عالمِ موجودات کس کی خاطر بنایا گیا؟ اور وہ کون سی مقتدر اور عظیم الشان ہستی ہے جس کی ناز برداری اور حکم برداری میں دنیا کی ہر چیز اور جہان کی ہر صنف مصروف و منہمک ہے؟ مانا کہ ہمارے صحیح مذہبی عقیدہ کے مطابق ہر چیز صنّاعِ ازلی کی پیدا کردہ اور دستِ قدرت کی رہینِ منّت ہے۔ تسلیم کیا کہ مادہ کو مختلف ہیئتوں، شکلوں اور صورتوں سے متشکل کرنا، بے رنگ چیزوں میں مختلف رنگ بھرنے، سورج اور چاند ستاروں میں روشنی پیدا کرنی، ہواؤں کو چلانا، بادلوں کو ان کے دوش پر سوار کرنا، مینہ کو برسانا، عروسِ عالم کی تزئین اور جہانِ ہست و بود کی ترتیب، اربع عناصر کی تخلیق اور پھر تعدیل [۷] بیج کا پھوٹنا، درختوں کا اُگنا، پھلوں کا پکنا، پھر ان کے مختلف ذائقے اور مزے، کھیتوں کی لہلہاہٹ [۸]

سبزوں کی سجاوٹ، پھولوں کی بہار اور مسکراہٹ، انسانی زندگی اور اس کے ارتقائی منازل، بچپن کی سادگی، جوانی کی بالغ نظری اور پیرانہ سالی کا دماغی اختلال غرض جو کچھ بھی ہو چکا ہے، ہو رہا ہے اور ہونے والا ہے وہ اسی متصرف کامل، واجب الوجود اور قائم بالذّات کے چشم ابرو کے اشارہ پر اور ایک ذرہ کی جرأت یا اجزائے دیمِ اطیسی کے ایک جزو کی مجال نہیں کہ اس کے حکم اور امر کے بغیر کوئی بھی حرکت کر سکے۔ ایٹم کے اجزائے لا یتجزّیٰ کا اگر طبیعیات والوں نے تجزیہ کر دیا ہے تو کمال کون سا ہے؟ اور اگر بہ ظاہر نا قابلِ تقسیم چیز کو نئے آلات کی مدد سے تقسیم کیا جا چکا ہے تو تعجّب کس بات کا؟ جس صورت میں کہ وہ یہ معلوم نہیں کر سکے کہ ہر ذرہ کے ہزارویں حصہ میں ایک مادۂ حیات کیوں موجود ہے؟ اور منفی و مثبت قوتیں کم سے کم محدود دائرہ کے اندر بھی باہمی متصادم و متقابل کیوں ہیں؟ اور یہ ان کا ذاتی فعل ہے، طبعی حرکت ہے یا یہ ساری باتیں مثالی طور پر وہی حیثیت رکھنے والی ہیں جو پتلیوں کے ناچ میں آپ دیکھا کرتے ہیں کہ نچانے والا تو پسِ پردہ ہے اور پتلیاں بہ ظاہر خود بہ خود ناچ رہی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ سب کچھ اگر خود بہ خود نہیں بنا اور یقیناً نہیں بنا تو پھر کیوں بنایا گیا؟ وجہِ تخلیقِ عالم کیا ہے؟ اور سببِ آفرینشِ جہان کون سا ہے؟ بہ ظاہر یہ عقدہ لاینحل اور یہ مسئلہ بڑا پیچیدہ نظر آتا ہے، اور شاعر کا قول بادی النظر میں درست معلوم ہوتا ہے کہ:

کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمّا را[9]

بایں ہمہ اعترافِ کم مائیگیِ عقل و فرزانگی و کمیِ شعور و دانش ہم اس راز کو پالینے اور اس گتھی کو سلجھا لینے سے نا امید ہرگز نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ نئی روشنی کی خیرہ کُن چمک اور چندھیا دینے والی سرچ لائٹ تھوڑی دیر کے لیے ہماری بینائی کم کر دے اور غلط استدلال و استخراج والی موجودہ منطق ہمیں کسی غلط راستہ پر ڈال دے لیکن بہ حیثیت ایک مسلم قانت و مومن مخلص کے ہمارا یہ فرض ہے کہ ان دقیق مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک ایسی جامع مانع کتاب[10] کی طرف رجوع کریں جس کے اندر تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ[11] کے مطابق ہر شے کی وضاحت و صراحت پائی جاتی ہے اور ہر چیز پر سیر حاصل تبصرہ اور تنقید موجود ہے۔ ہماری مراد قرآن مجید و فرقان حمید سے ہے جس پر ایک عبرانی نظر ڈالنے سے ہر ایک حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے اور کوئی بھی راز درونِ پردہ نہیں رہ جاتا۔ وَلَنِعْمَ مَاقِيْلَ۔[12]

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والےؐ نے بتلا دیا چند اشاروں میں[13]

حضرات! مجھے اجازت دیں کہ مَیں قرآنِ حکیم کی تیز مگر لطیف روشنی میں اس مسئلہ کا حل تلاش کروں کہ جب مالکِ كُنْ فَيَكُوْن اور خالقِ کائنات نے كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيًا فَاَرَدْتُ اَنْ اُعْرَفَ[14] کے

مطابق اپنے خزینۂ قدرت کا منھ کھول دیا اور بیش بہا لعل، جواہر، ہیرے، موتی، بند ڈبے سے نکال کر ادھر ادھر بکھیر دیے اور صرف ایک ارادہ اور خیال کے ماتحت ہر چیز خود بہ خود بنتی چلی گئی۔ آسمان اور زمین کی تخلیق میں اگر چھے دن صرف ہوئے [۱۵] تو مقصودِ تعلیم امہال [مہلت دینا] اور غور و فکر تھا ورنہ جو کچھ ہوا بلا تاخیر و توقف اور آناً فاناً۔ خیال گزرا کہ ایک گول دائرہ والا چمک دار، تھال کی شکل کا بے حد عریض و مدوّر [حلقہ دار] کرّہ ہونا چاہیے جس کے اردگرد سب کُرّے رقص کرنے لگیں۔ خیال کی اڑان میں تو ضرور دیر لگتی ہے مگر ادھر خیال کیا گیا اور وہ چیز بہ کمال تابانی و درخشانی موجود تھی اور جس کا نام شمس رکھ دیا گیا۔ قمر کی خلقت بھی اسی طریق سے ہوئی اور ستارے بھی اسی سُرعت رفتار سے بنتے چلے گئے کہ ان کی اپنی رفتار اس کی گردِ پا کو نہیں چُھو سکتی۔ یہ سب کچھ ہوا، آسمان کو بنایا گیا، زمین کو بچھایا گیا، دریاؤں کو بہایا گیا، سمندر کو متلاطم کیا گیا، پہاڑوں کو اٹھایا گیا، باغوں کو سجایا گیا مگر کس کی خاطر؟ کس کے آنے کی خوشی میں؟ کس کا خیر مقدم مقصود تھا؟ اور کس کی خوش آمدید مطلوب؟

خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [۱۶] کی ذات تو قطعاً بے نیاز ہے۔ ملائکہ کی حیثیت ایک بندۂ درگاہ سے بڑھ کر نہیں جس کا مقصد محض اظہارِ عبودیت اور تقدیس و تنزیہہ ہو۔ جنوں اور شیطانوں نے جو دھما چوکڑی مچائی اس سے خلّاقِ عالم اظہارِ بیزاری فرما چکے تھے۔ مبصرین حیران تھے اور مفکرین سر بہ گریباں۔ بالآخر ہوا وہ کچھ جو کسی کے عقل و فکر میں نہ تھا۔ جس کی تخلیق پر فرشتے اعتراض کر چکے تھے [۱۷] جس کی پیدائش پر جناب فرطِ حیرت و استعجاب سے مبہوت ہو رہے تھے کہ پختہ اینٹ کی مٹی سے پیدا کردہ ایک کالبدِ خاکی جسے اربع عناصر کے امتزاج سے بنایا گیا اور جس کے اندر وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ [۱۸] اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونک دی۔ جسے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ [۱۹] کے خطاب سے مخاطب کیا گیا اور جسے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ [۲۰] کے لقب سے ملقب بنایا گیا۔ خلافت کا تاج زیبِ سر اور حکومت کا عصا زیرِ بر کیے ہوئے زیبِ آرائے ارض و سما ہو گیا۔

؎ چھانٹا وہ دل کہ جس کی ازل سے نمود تھی
پسلی پھڑک اٹھی نظرِ انتخاب کی [۲۱]

ادھر قدرت کی بھٹی سے اس کا جسم پختہ ہو کر نکلا اُدھر ماء و طین [۲۲] کے اعتباری حدود سے وہ باہر آیا اور ادھر اس کے اندر فہم و فراست، دانش و بینش، عقل و شعور پیدا ہوئے اور ادھر صنّاعِ عالم نے اپنے اس شاہ کار پر سارے جہان کی نعمتیں نچھاور کر دیں اور آسمان اور زمینوں کے تمام خزانوں کی چابیاں اس کے حوالہ کر دی گئیں:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ (الجاثیہ۴۵:۱۳)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے تمھارے زیرِ حکم کر دیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو کہ غور و فکر سے کام لینے والے ہیں۔

اب مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ [۲۳] کے بعد جَمِیْعًا کا لفظ ملاحظہ ہو کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا حضرت انسان کو مالک و متصرف بنا دیا گیا اور ہر شے کو اس کے زیرِ تسخیر کر دیا گیا اور چوں کہ اجرامِ سماوی و فلکی بہ ظاہر نظرِ انسانی کی دست برد سے باہر نظر آتے ہیں۔ رفعِ اشتباہ کے لیے دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْکَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْاَنْھٰرَ ۝ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَ النَّھَارَ ۝ۚ وَ اٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْہُ ؕ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ ۝ۧ

(ابراہیم۱۴: ۳۲ تا ۳۴)

ترجمہ:۔ وہ خدا کی ذات ہے۔ جس نے زمین و آسمان پیدا کیے اور آسمان سے پانی اتارا اور پانی کی تاثیر سے پھلوں کو اُگایا جو تمھاری روزی کا باعث ہیں اور کشتیوں کو تمھارے اختیار میں کر دیا تا کہ وہ دریاؤں اور سمندروں میں خدا کے حکم سے چلتی رہیں اور دریاؤں کو بھی تمھارے اختیار میں دے دیا اور سورج اور چاند کو بھی تمھارے کام لگا دیا جو کہ ہمیشہ چکر لگانے والے ہیں (اور تمھاری مرضی کے مطابق) چلنے والے ہیں اور رات اور دن کو بھی تابع فرماں بنایا (اسی پر اکتفا نہیں) جو کچھ بھی تم نے ہم سے مانگا ہم نے تم کو دے دیا اور اگر تم خداوند تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ہرگز نہیں کر سکتے (مگر بایں ہمہ) انسان بڑا ناانصاف اور ناشکرگزار واقع ہوا ہے۔

اگر آج یورپ اور امریکا والوں کو اس بات کا فخر ہے کہ انھوں نے سمندروں کو کھنگال ڈالا ہے اور ان کے جہاز اور سٹیمر دنیا کے تمام سمندروں میں مرغ آبی کی طرح بلا دقّت و دشواری چل پھر رہے ہیں۔ ہم ان کی اس خودستائی کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ سمندر تو انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کے تصرف و تغلب میں آ چکے ہیں:

وَ سَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَ النَّھَارَ ۙ وَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِہٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ۙ وَ مَا ذَرَاَ لَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُہٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ ۝ وَ ھُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْکُلُوْا مِنْہُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْہُ حِلْیَۃً تَلْبَسُوْنَھَا ۚ وَ تَرَی الْفُلْکَ مَوَاخِرَ فِیْہِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ وَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝

(النحل۱۶: ۱۲ تا ۱۴)

ترجمہ: اور خدا نے تمھاری تسخیر میں کر دیے رات اور دن۔ سورج، چاند، ستارے جو کہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمھارے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے جو کہ عقل مند ہیں (خاصی) نشانیاں ہیں اور زمین کے اندر جو کچھ ہم نے پیدا کیا ہے اور اس کی مختلف رنگتیں ہیں، سوچ بچار کرنے والوں کے لیے یہ (بڑی) نشانیاں ہیں اور وہی ذاتِ خدا ہے جس نے دریاؤں اور سمندروں کو تمھارے لیے مسخر کر دیا تاکہ تم ان میں سے (مچھلیوں) کا تازہ گوشت کھاؤ اور پہننے کے لیے زیور (کے قسم کی) چیزیں نکالو اور (اے ناظر!) تو دیکھتا ہے کہ کشتیاں اور جہاز دریا کی سطح کو کس طرح پھاڑتی ہوئی چلی جاتی ہیں اور (مقصود یہ ہے) کہ تم تجارتی فوائد حاصل کرو اور اکتسابِ مال کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرو۔

تم کہتے ہو اور غلط کہتے ہو کہ ہم نے ہوائی جہازوں کی ایجاد و اختراع کی اور ہواؤں پر قابو پا لیا۔ یہ ہوائی کرہ تو مدت سے حضرتِ انسان کے زیرِ تسخیر آ چکا ہے۔

حضرت سلیمانؑ کے تذکرہ میں ارشادِ خداوندی ملاحظہ ہو:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۝ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ۝ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝ هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۳۹) وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ۝ (ص ۳۸: ۳۶ تا ۴۰)

ترجمہ: ہم نے ہوا کو (حضرت سلیمان علیہ السلام) کا تابع دار بنا دیا جو کہ ان کے حکم کے مطابق جہاں وہ جانا چاہتے تھے نہایت سبک رفتاری سے پہنچا دیتی تھی اور دیو اور جنّوں کو بھی ان کے زیرِ نگیں کر دیا۔ جن میں غوطہ خور بھی، عمارتی فن کے ماہر بھی اور ایسے فرماں بردار گویا انھیں بیڑیوں میں جکڑا گیا ہو۔ اے سلیمانؑ! یاد رکھ کہ یہ ہمارے تم پر بے حساب احسان ہیں جن کا شکر یہ ادا کرتا کہ تجھے اور تقرب اور اچھا ٹھکانہ حاصل ہو۔

قرآن حکیم کے اندر اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جہاں کہ اس مسلمہ نظریہ کی تائید کی گئی ہے کہ جو کچھ بنایا گیا ہے وہ حضرتِ انسان کی خاطر اور تخلیقِ عالم کا مقصد ہی انسانی پرورش اور ربوبیّت سے ہے۔

اب آپ اپنی خداداد ذہانت اور عطا فرمودہ عقل سے خود اندازہ لگا لیں کہ اگر سورج نہ ہوتا تو زندگی کس قدر تیرہ و تاریک ہوتی۔ اگر چاند کی چاندنی میسّر نہ آتی تو تمام لطافتیں کھو جاتیں۔ ستاروں کا عدمِ وجود تو جہان بھر کی رعنائی و زیبائی کو مٹا کر رکھ دیتا اور قوسِ قزح کی رنگینی کے بغیر تو انسانی حیات بالکل بے رنگ رہ جاتی ہے۔ یہ تو تصویر کا ایک رُخ ہے۔ دوسرا رُخ ملاحظہ ہو۔ اگر سورج نہ ہوتا تو آپ سردی سے ٹھٹھر کر مر جاتے۔ آپ کی فصلیں کیسے پکتیں؟ پھل کیسے پختہ ہوتے؟ چاند نہ ہوتا تو سورج کی گرمی سے ہر چیز جھلس جاتی۔ یہ ستاروں کی لطیف چاندنی ہے جو ہر چیز کے کے اندر تلطیف اور اعتدال پیدا کرنے والی ہے۔ غرضیکہ انسانی زندگی کے لیے

موجوداتِ عالم اسی طرح ضروری ہیں جیسا کہ جسم کے لیے جان اور جس طرح روح کے بغیر جسم کی حیثیت ایک تودہِ خاک سے بڑھ کر نہیں اُسی طرح دنیا کی ہر چیز انسان کی ضروریات کے لیے از بس مستلزم ہے۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ جب کائنات کا ہر ذرّہ اور جہان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے پیدا کی ہے اور ہر شے کی تخلیق محض ہماری ضروریات کی خاطر عمل میں لائی گئی ہے تو پھر ہماری تخلیق کا بھی کوئی سبب ہوگا اور ہماری زندگی کا بھی کوئی مقصد و نصب العین۔ سو آئیں۔ اس مسئلہ کی تحقیق و تدقیق اور اس کا جواب بھی قرآن حکیم سے حاصل کریں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْمِنَّۃُ [۲۴] کہ ہماری تلاش بے سُود نہیں گئی اور تھوڑی سی سوچ بچار کے بعد ہم نے اپنا دامنِ مقصُود گوہرِ مراد سے بھر لیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ [۲۵] ہم نے جنّوں اور انسانوں کو محض اس خاطر پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت و انابت کریں۔ تعبد و تذلل میں مصروف رہیں۔ اپنی اکڑی ہوئی گردن ہمارے سامنے جھکا دیں۔ اپنا سرِ تسلیم ہماری اطاعت میں خم کر دیں اور اپنی جبینِ نیاز ہمارے آستانِ قدس و جلال پر رگڑنے لگیں اور یہ چیز کوئی غیر طبعی یا غیر فطری ہر گز نہیں، انسانی عقل کا یہی تقاضا ہے اور انسانی شعور کا یہی اقتضا۔

جب حضرت انسان نے ہوش سنبھالا اس کے اندر قوتِ تمیزی پیدا ہوگئی اور فہم و ادراک اجاگر ہونے لگے تو اسے از خود فطری طور پر احساس ہونے لگا کہ مجھے کسی کے سامنے جھکنا چاہیے اور کسی کو اپنا مسجود و معبود بنانا چاہیے۔ اس نے اوپر نگاہیں اٹھائیں۔ بے چاند رات میں ستارے جگمگا رہے تھے جیسا کہ باغ کے اندر جگنو چمک رہے ہوں۔ اس نے سوچا کہ چوں کہ خالقِ ارض و سما خوب صورت اور جمیل ہے اس لیے ممکن ہے اس کا حسن ستاروں کے اندر سے جھانک رہا ہو چناں چہ اسی تصوّر کے ماتحت اس نے اپنا سر اس بے مثال حسن کے سامنے جھکا دیا۔ آخری حصۂ شب چاند چڑھا اور اس کی آمد سے ستارے ماند پڑ گئے اور ان کی روشنی مدھم پڑ گئی۔ انسان چاند کی چمک دمک پر فریفتہ ہو گیا اور کمالِ حسن کا جلوہ دیکھ کر عشق عشق کر اُٹھا اور منطقی طور پر یہ استدلال قائم کیا کہ قابلِ پرستش وہی چیز ہونی چاہیے جو کہ زیادہ حسین و جمیل ہو۔ ابھی چاند کی لطیف کرنیں اس کے دل و دماغ کو متکیف کر رہی تھیں اور وہ اس کے جمالِ جہاں آرا سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ شاہِ خاور کی آمد آمد شروع ہوئی۔ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ [۲۶] نے مشرق کا دامن چاک کیا۔ شفق نے دریچۂ فلک سے جھانکا اور سورج کا بانکا شاہ سوار سیکڑوں تجلّیوں اور ہزاروں روشنیوں کے زیورات سے مجلّٰی اور مزیّن ہو کر سامنے آ گیا۔ پھر کیا تھا ایک طرف رات کی تاریکیاں کافور ہو گئیں، شبِ دیجور نے بستر بوریا سنبھالا۔ دوسری طرف چاند نے شرم و حجاب سے بُرقع اوڑھ لیا اور ستارے فرطِ ندامت و انفعال سے ایسے محجوب ہو گئے جیسا کہ موم بتیوں کی دھیمی روشنی، بجلی کے ایک سو

کینڈل کی طاقت والے قمقمہ کے روشن ہو جانے سے پھیکی پڑ جاتی ہے۔

سورج کی تیز شعاعیں اور آنکھوں کو چندھیا دینے والی سرچ لائٹ کو دیکھ کر انسان مبہوت ہو کر رہ گیا اور بے ساختہ پکار اٹھا هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَکْبَرُ [۲۷] کہ یہی میرا رب ہے کیوں کہ یہی سب سے بڑا ہے اور ابھی سورج کے علوم مرتبت اور ابہت پر غور و فکر کر رہا تھا اور اس کے سامنے اپنی گردن جھکانے اور سر بہ سجود ہو جانے کی تیاری میں مصروف تھا کہ دیکھتے دیکھتے سورج اپنے مطلع سے اونچا ہونے لگا۔ بڑھتے بڑھتے سر پر آ گیا پھر مغرب کی طرف ڈھلنے لگا اور ڈھلتے ڈھلتے فضائے بسیط کے ایک حقیقی یا اعتباری کونے میں چھپ گیا، روپوش ہو گیا، نظروں سے غائب ہو گیا اور نگاہوں سے اوجھل۔

حضرتِ انسان جو کہ پہلے شکمِ گیتی یا کسی غار کی گہرائی میں مقید رہا تھا۔ یہ نظارے دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا اور ان قدرتی مناظر اور نیچر کی بوقلمونیوں سے بڑا متاثر ہوا۔ معاً یہ خیال گزرا کہ یہ فنا ہونے والے اجرامِ سماوی کسی اعتبار سے بھی خالق الکائنات نہیں ہو سکتے بل کہ یہ تو کسی غیر مرئی اور بے پناہ قوت کے ہاتھ میں ایک کھلونے کی حیثیت رکھنے والے ہیں اور پرکاہ کی وقعت۔ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [۲۸] کوئی دوسرا ہے۔ جسے بقا و دوام حاصل ہے۔ جو حی اور لا یموت ہے۔ جسے اونگھ اور نیند نہیں آتی۔ لَاتَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَانَوْمٌ [۲۹] جو ہر وقت کسی کام میں مصروف ہے۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ [۳۰] اس کا کوئی مکان نہیں مگر ہر جگہ مکین ہے۔ جو عرش کرسی سے بھی ماوراالورا ہے مگر وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ [۳۱] شاہ رگ سے بھی قریب تر۔ جس کی تلاش میں سارا جہان سرگرداں ہے مگر وہ اپنے مومن بندہ کے دل میں متمکن ہو کر اپنا جمالِ حسن دکھلا رہا ہے۔ اس نے صاف اور غیر مبہم الفاظ میں یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ میری قدرت کے شاہ کار انسان! یاد رکھ کہ مَیں نے دنیا کی ہر چیز تمھاری خاطر پیدا کی ہے مگر تمھیں اپنے لیے بنایا ہے۔ یاد رکھ کہیں اس بھول میں نہ پڑ جانا کہ میں سورج کو سجدہ کروں کیوں کہ وہ تمام اجرام سماوی سے بڑا ہے۔ بڑا ہوا کرے مجھ سے تو بڑا نہیں بل کہ ایک گیند کی طرح وہ میری گرفت میں ہے جدھر چاہا پھینک دیا۔

کہیں یہ بات ذہن نشین نہ کر لینا کہ آگ کی پوجا شروع کر دوں کہ وہ جلانے والی ہے۔ مان لیا آگ کے اندر جلانے کی قوت مَیں نے ہی پیدا کی ہے مگر آگ پر پانی کا غلبہ ہے جو اسے منٹوں میں بجھا دیتا ہے۔ ہاں میرے عشق کی آگ جس انسانی آتش کدہ یعنی مومن مخلص اور محبّ صادق کے دل میں جل اٹھے وہ پانی کے چھینٹوں سے نہیں بجھ سکتی اور یہی آتشِ عشق ہے جس نے برافروختہ ہو کر، بھڑک کر، مشتعل ہو کر میرے عاشقوں کے جسم کو جلا دیا۔ ان کی دنیاوی خواہشات کو خاکستر کر دیا۔ اَنْدَادًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کو ملیامیٹ کر دیا اور پھر وہ رہ گئے یا مَیں ۔۔۔۔ نہیں نہیں ۔۔۔۔ من و تو کا اعتباری فرق بھی قائم نہ رہا اور اَلْعِشْقُ

اِذَاتَمَّ فَهُوَ اللّٰہُ [۳۲] کے مطابق مَیں ان کے اندر سما گیا اور وہ میرے اندر جذب ہو گئے :

ع تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری [۳۳]

مگر یہ باتیں عام فہم کی نہیں اور یہ ایسی قلبی واردات ہیں جنھیں وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن پر ان کا ورود ہو۔ مقصود بالذات یہ تھا کہ انسانی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی ذات مجتمع الصفات کی حمد و ثنا میں مصروف و منہمک رہنا، اس کی عبادت و انابت کے لیے اپنے قیمتی اوقات مخصوص کر دینے اور اس کے قرب و وصال کی خواہش و تمنا میں دنیا کی ساری دل چسپیوں اور دل فریبیوں کو بھول جانا ہے اور جن انفاس قدسیہ وارواح طیبہ کو یہ نعمت لازوال اور یہ گنج شائگاں حاصل ہو جائیں انھیں پھر کس چیز کی حاجت رہ جاتی ہے؟ وِلِلّٰہِ دَرَّقَائِلِہٖ۔ [۳۴]

ے آنکس کہ ترا بخواست جاں راچہ کند
فرزند و عیال و خانماں راچہ کند
دیوانہ کنی و ہر دو جہانش بخشی
دیوانۂ تو ہر دو جہاں راچہ کند [۳۵]

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ [۳۶] کے مطابق انسانی زندگی شہوات و خواہشات سے بھرپور ہے۔ بیوی کی محبت، بچوں کی محبت، ماں باپ کی محبت، رشتہ داروں کی محبت، زمین اور مکانات کی محبت، چوپایوں اور مویشیوں کی محبت، مال و متاع کی محبت، کھیتی اور فصل کی محبت، تجارت اور صنعت و حرفت کی محبت اور شرعاً و اصولاً یہ محبتیں ناجائز بھی نہیں بل کہ انسانی طبعی تقاضا اور فطری خواہش کے عین مطابق ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ [۳۷] کہ جو صحیح معنوں میں ایمان دار ہیں انھیں ہر چیز سے اپنا خدا پیارا ہوا کرتا ہے اور مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا فَقَدْا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ [۳۸] کے مطابق جو شے کہ سب سے پیاری ہو اس کا ذکر بھی اور یاد بھی ہونی چاہیے اور یاد سے مراد صرف یہی نہیں کہ ہم اس کا نام ہر وقت وردِ زبان رکھیں بل کہ یاد کا مقصد یہ ہے کہ ہم اسے کسی حالت میں بھولنے نہ پائیں۔ سفر میں، حضر میں، آرام میں، تکلیف میں، بیماری میں، صحت میں، سوتے جاگتے چلتے پھرتے اسی کا دھیان رہے اور یہ تصور کہ :

ے تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا [۳۹]

اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ اس نے ہمیں پیدا کیا، ہماری پرورش اور ربوبیت کے سامان مہیا کیے۔ ہماری حفاظت اور نگہبانی اپنے ذمہ لی۔ ہمیں راہِ راست پر چلنے کی توفیق بخشی۔ سیدنا ابراہیمؑ کا اپنے والد اور اپنی قوم سے تخاطب بڑا ہی عبرت انگیز اور معنی خیز ہے :

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرَاهِيْمَ O م اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ O قَالُوْا نَعْبُدُ
اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ O قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ O لا اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ
يَضُرُّوْنَ O قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ O قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ O
اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ O صلے ز فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ O لا الَّذِيْ خَلَقَنِيْ
فَهُوَ يَهْدِيْنِ O لا وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ O لا وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ O لا وَالَّذِيْ
يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ O لا وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ O ط

(الشعراء ۲۶:۶۹ تا ۸۲)

ترجمہ: اور انھیں ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سناؤ۔ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہا کہ تم کس کی پوجا کررہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور انھیں کے بھروسہ پر جیتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم ان کو پکارنے لگتے ہو تو کیا یہ تمھاری بات سنتے ہیں؟ اور کیا یہ تمھیں نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ جب ہمارے باپ دادا ایسا کرتے چلے آئے ہیں تو ہم ایسا کیوں نہ کریں؟ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تمھارے باپ دادا جو کچھ کرتے چلے آئے ہیں۔ وہ میرے جیسے (عقل سلیم) رکھنے والے کے دشمن ہیں۔ (میرا دوست) تو رب العالمین کے بغیر کوئی نہیں جس نے مجھ کو پیدا کیا اور راہِ راست دکھلائی۔ وہی مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب مَیں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفا بخشتا ہے۔ جو مجھے موت کی آغوش میں دے کر پھر زندہ کرے گا اور مجھے اس سے پوری توقع ہے کہ قیامت کے دن میرے گناہ معاف کر دے گا۔

غرض کہ انسانی تخلیق کی علتِ غائی صرف یہ ہے کہ ہم اپنے خالقِ مطلق، منعمِ حقیقی اور متصرف کامل سے دلی رابطۂ اتحاد پیدا کریں، اس کی حصول رضا ہر وقت ہمارے پیشِ نظر رہے اور اس کی مبارک یاد کسی وقت بھی ہمارے صفحۂ قلب سے محو و منسیٰ نہ ہونے پائے کہ انسانی حیات کا یہی مآل کار ہے اور انسانی زندگی کا یہی منتہائے مقصود :

ے مصلحت دیدِ من آنست کہ یاران ہمہ کار
بگذارند و سرِ طُرۂ یارے گیرند[۴۰]

تحریک حزب اللہ پر ایک عبرانی نظر

اٹھائیس سال پہلے کا واقعہ ہے۔ ایک رات جب کہ فضائے بسیط انگڑائیاں لے رہی تھی، تمام کائنات

سوئی پڑی تھی اور دن کے تھکے ماندے مسافر اور مسلسل محنتِ شاقہ برداشت کرنے والے مزدور، کاری گر، کسان، دکان دار، مرد، عورتیں، بچے سب کے سب خوابِ شیریں کے مزے لے رہے تھے۔ ہُو کا عالم طاری تھا اور نیند نے میٹھی لوریاں دے کر بنی نوعِ انسان کے ہر فرد کو سلا دیا تھا۔ البتہ جرائم پیشہ لوگ جاگ رہے تھے۔ رہ زن اور قزاق، چور اور غنڈے، رات کی سیاہی اور شب کی ظلمت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے اپنے اشغالِ سیاہ میں مصروف تھے وہ زاہد مرتاض [اپنی مرضی سے زہد و تقویٰ اختیار کرنے والا] جسے دن کے شور و شغل میں یک سوئی اور طمانیت نصیب نہ ہو سکی، اب رات کے سکون سے استفادہ کرتے ہوئے یادِ الٰہی میں مشغول تھا اور اس ذات مقدس سے لَو لگائے بیٹھا تھا جو سونے اور جاگنے کے قیود سے آزاد ہے اور جس کی مثال اس ماہر اور مشاق ڈرائیور کی طرح ہے جو دشوار گزار اور پیچیدہ راستہ پر رات کی تاریکی میں موٹر چلا رہا ہو مگر حد درجہ حزم و احتیاط سے کہ اگر ذرہ بھر بھی آنکھ جھپک گئی تو موٹر کے کسی گہری کھڈ یا عمیق غار میں گر جانے کا اندیشہ ہے۔

ان اشخاص کے علاوہ ایک اور شخص بھی جاگ رہا تھا اور بستر پر کروٹیں لے رہا تھا۔ جس کے دل میں قوم کا درد تھا، اُمت مرحومہ کی بے راہ روی کا احساس تھا اور مسلمانوں کے تنزل وانحطاط کا غم۔ اس کی زندگی کے کئی سال اسی اضطراب اور پریشانی میں بسر ہوئے۔ اس کی حیات میں کئی موسمِ بہار آئے مگر اس کے دل کی پژمردہ کلی نہ کِھل سکی۔ اسے دنیا کا ہر ظاہری آرام حاصل تھا اور جہان بھر کی نعمت نصیب مگر اسے قوم کا غم ستا رہا تھا۔ وہ اپنی تندرستی کو قوم کی بیماری کے پیشِ نظر بھول چکا تھا۔ اس کا سکونِ قلب اور اطمینانِ خاطر، مسلمانوں کی بے چینی اور تلخ کلامی کو دیکھ دیکھ کر رخصت ہو چکا تھا۔ چوں کہ اس کے سینہ میں ایک حسّاس دل اور دل میں قومی درد کی ایک دل خراش ٹیس موجود تھی اس لیے اس کی آج والی رات نہیں بل کہ اکثر راتیں اسی طرح نیند سے محروم گزریں لیکن یہ رات ایک نرالی رات تھی۔ جس کے اندر انقلابِ عظیم رونما ہوا۔ ایک زبردست تبدیلی پیدا ہوئی اور ایک تغیر عظیم لاحق۔

خواب کا قصّہ ہرگز نہیں، رویائے صادقہ کا ذکر بالکل نہیں اور تخیلات کی دنیا سے اس کا کوئی واسطہ نہیں بل کہ عالمِ بیداری میں پوری طرح جاگتے ہوئے استعارۃً یا کنایۃً نہیں بل کہ صراحۃً۔ دیکھنے والے نے ایک دل فریب اور دل کش نظارہ دیکھا۔ دل کی آنکھوں سے نہیں بل کہ انھی کاسۂ سر میں گھسی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔ ان ہی کانوں سے کچھ سنا۔ اسی دل و دماغ میں کچھ کیفیات پیدا ہوئے [ہوئیں]۔ کیا دیکھا، کیا سنا اور کیا سوچا؟ قلم میں یہ قدرت نہیں کہ اس کا صحیح نقشہ کھینچ سکے۔ زبان میں یہ طاقت نہیں کہ اس نظارۂ دل فریب کو بیان کر سکے۔ غرض کہ چند کلمات تھے، پُرمضمون۔ چند اشارات تھے، عجیب و غریب اور چند ہدایات تھیں واجب العمل۔ دستِ قدرت اشارہ کرتے ہوئے بالکل بے حجاب تھا اور جس سمت کی رہ نمائی کی گئی وہ منزلِ مقصود تک صاف نظر آ رہی

تھی اور جیسا کہ شفاف آئینہ کے اندر باہر کی ہر چیز نظر آجاتی ہے اسی طرح دل کا شیشہ بے غل وغش تھا، مجلّی اور مصفّیٰ تھا اور مسلمانوں کا مستقبل اس کے اندر کھلم کھلا دکھائی دے رہا تھا۔

یہ حزب اللہ کی تحریک آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میرے کم زور دماغ کی اختراع ہے یا میرے خیالات پریشان کی تفسیر؟ ہرگز نہیں یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ اس میں قیاسات یا توہمات کا کوئی دخل نہیں بل کہ مشاہدات اور مسلّمات کی کارفرمائی ہے۔ امیرِ حزب اللہ کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے وہ اس کے جذبات و خیالات کا آئینہ دار نہیں بل کہ یہ بڑے بول والے کے بول ہیں اور سچے قول والے کے قول :

درپسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ نقاش ازل گفت ہماں می گویم [41]

ایک ضعیف البنیان انسان کی یہ طاقت ہے کہ وہ اتنے بڑے بوجھ اور بارگراں کا متحمل ہو سکے؟ ایک گوشت و پوست سے مرکّب بشر کی یہ مجال ہے کہ وہ قدرت کے معاملات میں دخل انداز ہو سکے اور ایک مادی جامہ پہننے والے آدمی کی یہ ہمت ہے کہ وہ روحانی دنیا میں بسنے والے ملائکہ ومقرّبین کی خلوت گہِ ناز میں دلیرانہ گھس جائے؟ لیکن یہاں تو کسی کے کم زور اور ناتواں کندھوں پر بارِگراں رکھ دیا گیا اور ساتھ ہی برداشت کی توفیق عطا فرمائی گئی اور قدرت میں دخل اندازی نہیں بل کہ خود قدرت نے اپنی طرف دعوت دی اور کھینچ کر سینہ سے لگالیا۔ مقربینِ بارگاہِ صمدیت ومقبولینِ درگاہِ احدیت کی تنہائی میں کوئی مخل نہیں ہوا بل کہ وہ خود کسی کی تقدیم کی خاطر اپنی خلوت کو چھوڑ کر جلوت میں آگئے۔

غرض امیر حزب اللہ کے ذمہ کچھ خدمات کر دیے گئے۔ میرے سپرد، بعض اہم ترین معاملات کی سر انجام دہی کر دی گئی اور مجھے فخر ہے کہ بعض امورِ مہمہ کا مجھے من جانب اللہ مامور بنا دیا گیا۔

اس کے بعد یہ اٹھائیس سال کا زمانہ کیسے بسر ہوا؟ یہ طویل مدت کس طریق سے گزری؟ اور اتنے عرصہ میں مَیں نے کیا کچھ کر دکھایا؟ تحریک نے کون سے محیّر العقول کارنامے پیش کیے؟ ان سوالات کے معقول، مبرہن اور مسکت جوابات تقریباً ہر سال کے خطبہ ہائے صدارت میں موجود ہیں اور:

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید [42]

کے مطابق آج حزب اللہ کے شان دار کارنامے ہر کہِ ومہِ [چھوٹے اور بڑے] کی زبان پر ہیں اور وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ [43] کے حسبِ فحوائے حزب اللہ کے حاسد اور مخالف بھی اس کی اہمیت، صداقت اور سچائی کو تسلیم کر چکے ہیں۔ اٹھائیس سال کے عرصہ میں حزب اللہ نے جماعتی حیثیت سے ملک اور قوم کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی اور ایثار وقربانی کی ہر دعوت میں سب سے بڑھ کر لبیک کہا۔

جنگِ آزادیِ کشمیر میں جہاں لوگوں نے زبانی جمع خرچ سے کام لیا وہاں حزب اللہ نے اپنے ایک ہزار جری، بہادر، جنگ آزمودہ رضا کار میدانِ جنگ میں بھیج دیے۔ جہادِ فلسطین کی خاطر ایک ہزار رضا کاروں کی پیش کش کی جو کہ بغیر طمع اور لالچ کے وہاں جا کر اپنے مسلمان عرب بھائیوں کے دوش بہ دوش دادِ شجاعت دینے کو تیار تھے۔ مسلم لیگ کے ساتھ اکثر وبیش تر معاملات میں اشتراکِ عمل، سِول نافرمانی کے موقع پر، انتخابات کے سلسلہ میں اور ان دوسرے معاملات میں جن کے اندر مسلمانوں کے سود و بہبود کا راز مضمر تھا اور سب سے بڑھ کر جو کارنامہ کہ آبِ زریں سے لکھنے کے قابل ہے، وہ مسلمانوں کے اندرونی و بیرونی اصلاح سے تعلق رکھنے والا ہے کہ حزب اللہ نے اپنی مبارک تعلیمات اور بہترین رشد و ہدایت سے مسلمانوں کی بگڑی ہوئی اور مسخ شدہ ذہنیتوں کی درستی کر دی۔ ان کے اندر عبادات کا ذوقِ عمل پیدا کیا اور ان کے معاملات کو ایسا سُدھار دیا کہ آج ان لوگوں کے اندر جو جماعتی نظام میں شامل نہیں اور ارکان و رضا کاران حزب اللہ کے اندر جو اپنی رفتار، کردار اور گفتار کو حزب اللہ کے سانچے میں ڈھال چکے ہیں، ایک فرقِ عظیم نظر آتا ہے۔ خشیتِ الٰہی، فرض شناسی، رجوع الی الحق، تقرب الی اللہ، ایثار و قربانی، تہور و جواں مردی، بلند حوصلگی و بلند نظری، اطاعتِ امیر، تعمیلِ ارشاد، جہاد پر آمادگی، شوقِ شہادت، تحفظ و استحکامِ پاکستان کے لیے سینہ سپری، ترویجِ احکامِ شریعت و اجرائے آئین اسلامی کے لیے بے قراری یہ ایسے امتیازات وخصوصیات ہیں جن پر ہماری جماعت بجا طور پر فخر ومباہات کر سکتی ہے۔

اٹھائیس سال کے اندر کئی جماعتیں بنیں، کئی بگڑیں، کسی نے منازلِ ارتقا طے کیں اور کوئی گوشۂ گم نامی میں جا پڑیں مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہماری جماعت جس جوش وخروش سے پہلے دن میدانِ عمل میں آئی ابھی تک اسی نہج اور طریق سے چل رہی ہے اور اس کا جو قدم اٹھتا ہے آگے کی طرف اور جو کارنامہ سامنے آتا ہے وہ پہلے کارناموں سے بڑھ چڑھ کر اور اَلْحَقُّ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی [۴۴] کے مطابق آپ اسی دلیل سے اس کی حقانیت اور مقبولیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ وَھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ۔ [۴۵]

پاکستان پر ایک بے لاگ تنقید وتبصرہ

یادش بخیر۔ پاکستان کو کتم عدم سے منصۂ شہود پر آئے تقریباً آٹھ سال کا عرصہ منقضی ہو چکا ہے۔ ہمارے لیے اس سے بڑھ کر اور مسرت وابتہاج [خوشی] کیا ہو سکتی ہے کہ صد سالہ غلامی کے بعد اللہ کریم نے ہمیں شاہد [محبوب] آزادی سے ہم کنار کیا اور ہمارا شمار بھی دنیا کی آزاد اقوام میں ہونے لگا۔

تقسیمِ ہند کے بعد عام دنیا کا خیال یہی تھا کہ پاکستان جیسا جغرافیائی اعتبار سے مختصر واقتصادی اعتبار سے کم زور ملک برقرار نہیں رہ سکے گا اور اسے اپنے ہمسایہ ملک بھارت میں مدغم ہوئے بغیر مفر نہیں رہے گا مگر

جہاں کہ پاکستان کا قیام ایک معجزہ سے کم نہیں تھا وہاں اتنا عرصہ اس کا اپنے پاؤں کھڑا رہنا بھی ایک اعجاز کا حکم رکھتا ہے۔ پھر بھارت والوں نے اس سے اب تک جو سلوک کیا ہے اور اس کے فنا کر دینے اور مٹا دینے کے جو نت نئے منصوبے سوچے جا رہے ہیں اور جس طریق سے اس کا قافیہ تنگ کیا جا رہا ہے اس کے پیش نظر ہمیں اس کی سخت جانی اور بلند حوصلگی کی داد دینی پڑتی ہے کہ جس ملک پر مصیبتوں کے بادل منڈلا رہے ہوں۔ جس کی نہروں کو بند کر کے اس کی ذرائع آب پاشی کو مسدود کیا جا رہا ہو۔ جس کے جائز مطالبہ رائے شماری علاقہ کشمیر کو پائے استحقار سے ٹھکرایا جا رہا ہو۔ بھارت کے مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کر کے پاکستان پر ایک اقتصادی دباؤ ڈالا جا رہا ہو جس کے بوجھ سے وہ بالکل کچلا جائے۔ پھر اندریں حالات تائیدِ غیبی اور نصرتِ الٰہی نہیں تو اور کیا ہے کہ وہ کم زور سہی، نڈھال سہی پھر بھی زندگی کے سانس لے رہا ہے اور ان شاء اللہ لیتا رہے گا۔ لیکن پاکستان سے جو توقعات ہم نے قائم کر رکھی تھیں۔ ہمیں افسوس سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ پوری نہیں ہو رہیں بل کہ اندرونی خلفشار بڑھتا جا رہا ہے۔ حکام کی بے تدبیری اور اربابِ بست وکشاد کی غیر ذمہ داری نے ایسے نازک صورتِ حالات پیدا کر دیے ہیں کہ کسی وقت بھی اس گھروندے کے پیوندِ زمین ہو جانے کا امکان ہے اور راعی و رعایا کے باہم دگر تصادم وتقابل کا خطرہ۔ رشوت ستانی زوروں پر ہے، کنبہ پروری اور خویش نوازی کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ عدل وانصاف کا جنازہ نکل چکا ہے اور ایک اسلامی ملک کے اندر وہ سیاہ کاریاں اور بے اعتدالیاں ہو رہی ہیں جو کہ ایک غیر اسلامی ملک میں بھی نہیں ہوا کرتیں۔

پاکستان کا دعوا ہے کہ وہ ایک مذہبی اور اسلامی ریاست ہے۔ لیکن عملی اعتبار سے وہ ایک لادینی حکومت ہے۔ بھارت والے کہتے ہیں کہ ہماری حکومت کا دین یا مذہب سے کوئی واسطہ نہیں لیکن عملی طور پر وہاں ہندوؤں کا راج ہے، ہندوؤں کا کلچر ہے، ہندوؤں کی زبان ہے اور شاستروں کا قانون۔

ہمیں صحیح معنوں میں پاکستان سے ہمدردی ہے۔ حکومت کے ہم وفادار شہری ہیں اور پاکستان کے تحفظ و بقا کے لیے ہم اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے کو تیار مگر بہ حیثیت ایک حقیقی خیر خواہ اور ہمدرد کے ہمیں پاکستان کی بگڑی ہوئی حالت، پاکستانیوں کی مسخ شدہ ذہنیت اور اس کے اربابِ حل وعقد کی بے راہ روی پر رونا آتا ہے اور یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے ایک ناصح مشفق اور دلی بہی خواہ کی صورت میں:

ے بہ نزد من آں کس نکو خواہِ تُست
کہ گوید فلاں خار در راہِ تُست[۴۶]

خدا کرے پاکستان کے راعی اور رعایا دونوں کے اندر فرض شناسی کا مادہ پیدا ہو جائے اور اپنے اپنے فرائض متعلقہ سے عہدہ برائی کی توفیق۔ آمین۔

پاکستان کے اندر چند ضروری اور حل طلب مسائل

موجودہ وقت میں پاکستان کے اندر جو ضروری اور حل طلب مسائل ہیں۔ انھیں ہم ترتیب وار بیان کرتے ہیں:

۱۔ آزادی کامل کا حصول

۲۔ اجرائے آئین شرعی وقانونِ اسلامی

۳۔ مسئلہ کشمیر اور اس کی اہمیت

گزشتہ دوروں میں یہ تینوں مسائل زیر بحث رہے اور اس فقیر نے اکثر جلسوں میں حاضرین سے یہ وعدہ کیا تھا کہ عن قریب میں ان شاء اللہ ایک کھلی چٹھی یا نامہِ مفتوح اس وقت کے وزیرِ اعظم صاحب پاکستان کے نام ارسال کر دوں گا۔ چناں چہ حسبِ وعدہ وہ چٹھی ممدوح کے نام بذریعہ رجسٹری بھیج دی گئی تھی مگر تا حال اس کا جواب مجھے موصول نہیں ہوا اور اینم کہ جوابش نہ نویسند جواب است [۴۷] کی مثال کو عملی جامہ پہنایا گیا ہے۔ اب آپ مجھے اجازت دیں کہ اس نامۂ مفتوح کے بعض ضروری اقتباسات آپ کے سامنے پیش کر دوں جو کہ اس وقت کے وزیراعظم کے نام لکھا گیا تھا۔

نامۂ مفتوح

۱۔ تقسیمِ برصغیر ہند کے بعد حکومتِ برطانیہ نے بھارت اور پاکستان کو ضروری اختیارات تفویض کرتے ہوئے غیر مبہم وغیر مشروط الفاظ میں اس امر کا اظہار کیا تھا کہ دونو [دونوں] ڈومین سٹیٹس یا مستعمراتی طرزِ حکومت رکھنے والی نو آبادیات جس وقت بھی چاہیں اپنی مکمل آزادی کا اعلان کر سکتی ہیں۔ چناں چہ تھوڑے عرصہ کے بعد بھارت نے مکمل آزادی کا اعلان کر دیا۔ لیکن پاکستان کے اربابِ بست وکشاد ابھی تک اس معاملہ میں بالکل خاموش ہیں اور معلوم نہیں کون سی سیاسی مصلحتیں انھیں حریت کاملہ کے اظہار میں مانع وسدِ راہ ہو رہی ہیں۔ حالاں کہ اسلام ہمیشہ سے آزادیٔ کامل کا حامی ہے اور ایک احکم الحاکمین کا غلام کبھی کسی دوسری طاقت یا حکومت کا غلام نہیں رہ سکتا۔ پہلے انگریزوں کی غلامی ایک مجبوری امر تھا مگر اب اختیار وقدرت کے باوجود برطانیہ جیسی اسلام دشمن اور مسلم کش حکومت سے ماتحتی کا تعلق قائم رکھنا ایک طرف اللہ تعالیٰ کے صریح احکام کے خلاف ہے اور دوسری طرف جگ ہنسائی کے مرادف کہ پاکستان ایک ایسا کم زور اور بےحمیّت ملک ہے کہ بھارت کے ڈر سے انگریز سے چمٹا ہوا ہے اور اس کے ظلِ عاطفت میں پناہ لے رہا ہے اور ادھر یہ حالت کہ اگر بھارت اور پاکستان کے درمیان بعض اختلافی امور کی بنا پر جنگ ناگزیر ہو گئی تو انگریز یقیناً بھارت کی دل جوئی کرے گا اور

پاکستان کو اسی طرح بے یار و مددگار چھوڑ دے گا جیسا کہ تقسیم کے وقت اسے وقفِ رحم اغیار بنا دیا گیا تھا کہ مسلمانوں کی فوجیں تو اس وقت کے وزیرِ جنگ بلدیو سنگھ کی اختیار کردہ پالیسی کے مطابق ملایا اور سنگاپور کا چکر لگا رہی تھیں اور سِکھ، ڈوگرہ اور گورکھا فوجوں نے مسلمانوں کے سینوں پر اپنی سنگینیں تان رکھی تھیں اور اگر تائیدِ غیبی مسلمانوں کے شاملِ حال نہ ہوتی یا قدرتی طور پر بھارت کے اربابِ بست و کشاد مرعوب نہ ہو جاتے تو پاکستان کا عملی طور پر خاتمہ ہو جانا یقینی تھا اور سیواسنگ [۴۸] اور اکالی دل والوں کے خواب شرمندۂ تعبیر ہو جانے مستلزم۔

اس فقیر نے اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے کہ مسلمان پیدائشی طور پر مکمل آزاد ہے اور آزاد رہے گا۔ عامۃ المسلمین کو یقین دلایا کہ جیسا آپ نے پچھلے دنوں ایک تقریر میں اشارۃً ظاہر کیا ہے کہ عن قریب پاکستان مکمل آزادی سے ہم کنار ہو جائے گا اور برطانیہ سے صرف دول مشترکہ کا تعلق قائم رہے گا۔ ان شاء اللہ وہ دن قریب آنے والا ہے جب کہ اقوامِ عالم میں پاکستان بھی وہی حیثیت حاصل کر لے گا جو کہ دوسرے آزاد ممالک کو حاصل ہے اور ہمارا سر بھی اس اعتبار سے اونچا رہے گا کہ ہم ماسوائے ایک ذات واحد لاشریک اور احکم الحاکمین کے کسی انسان یا کسی حکومت کے ماتحت نہیں۔ اندریں حالات حکومتِ پاکستان کو اب

ع   درکارِ خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست [۴۹]

کے مطابق پاکستان کے مسلمانوں کے خیالات و جذبات کا احترام اور ان کے جائز اور ضروری مطالبات کو تسلیم کرتے ہوئے اولین فرصت میں آزادیِ کامل کا اعلان کر دینا چاہیے۔

۲۔ دستورِ اسلامی یا آئینِ شرعی کے نفاذ و اجرا کے متعلق پاکستان کے مسلمانوں نے جو پُر زور آواز اٹھائی ہے اور تمام اسلامی جماعتوں اور اداروں نے جس طریق سے متفقہ اور مجموعی طور پر پُر زور مطالبہ کیا ہے اس کی کوئی مثال موجود نہیں اور ان کی یہ خواہش قدرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اور خداداد مملکت پاکستان میں اسی کا بنایا ہوا قانون رائج ہونا چاہیے۔ قراردادِ مقاصد جو مسٹر لیاقت علی خاں (مرحوم) نے پیش کی تھی اور پاکستان کی مجلس وضع [۵۰] آئین و قوانین نے اس پر تصدیق کی مہر ثبت کر دی تھی۔ مسلمانوں کے لیے ایک آیۂ رحمت ثابت ہوئی اور انھوں نے نہ صرف اسے بہ نظرِ استحسان و پسندیدگی دیکھا بل کہ عام طور پر مسٹر لیاقت علی خاں مرحوم کو ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کیا گیا۔ ازاں بعد بھی یہی خیال تھا کہ عن قریب قرارداد مذکور ایک جامع قانون کی حیثیت سے ہمارے سامنے آ جائے گی۔ مگر نہایت افسوس سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ پاکستان کے اصحابِ حل و عقد نے اس معاملہ میں بلاوجہ تاخیر و تعویق سے کام لیا ہے اور بڑی انتظار کے بعد جو سفارشات سامنے لائی گئی ہیں وہ مبہم، غیر واضح، ناقص اور تشنۂ تکمیل ہیں۔ پھر ان کے اندر صوبہ جاتی عصبیت کا رنگ جھلکنے، بعض فرقوں سے ناانصافی کا سلوک کرنے، صدر کے انتخاب میں رائے عامہ سے بے اعتنائی کے علاوہ حدودِ شرعیہ قائم نہ کرنے، سود کی لعنت

سے مسلمانوں کو نہ بچانے اور تبادلۂ زر اور ایکسچینج ایسے پیچیدہ معاملات کو حل کرنے کی خاطر علما و مشائخ اور اہل الرائے قانون دانوں کی ایک مجلس مرتب نہ کرنے اور ادھر علمائے کرام کو صرف ایک مشاورتی حیثیت دینے اور ترتیب دستور میں ان کو شامل نہ کرنے کی ایسی صریح فروگذاشتیں موجود ہیں جنھیں مسلمانوں نے بہ خوبی بھانپ لیا ہے اور وہ کبھی ایسے دستور کو قبول نہیں کر سکتے جو کہ دوسرے یورپی ممالک سے مستعار لیا گیا ہو اور جس کا ماخذ قرآن و حدیث یا فقہ نہ ہو۔ آپ اس معاملہ کو چند سر پھرے مولویوں یا چند مذہبی متعصّب علما و مشائخ کے اندازِ فکر پر محمول نہ سمجھیں بل کہ یہ سات کروڑ مسلمانانِ پاکستان کی ایک مشترکہ آواز اور متفقہ مطالبہ ہے اور اگر حکومت نے ان کے جذبات کو مجروح کر کے کوئی ایسا دستور ان پر نافذ کر دیا جو غیر اسلامی یا غیر شرعی ہوا تو یہ فقیر صرف اپنی جماعت حزب اللہ اور اپنے مریدوں کی طرف سے نہیں بل کہ عامۃ المسلمین کی طرف سے حکومت کو یہ یقین دلانا چاہتا ہے کہ **مسلمان پاکستان کے تحفظ و بقا کے لیے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہے مگر چند مغرب زدہ اور غیر اسلامی خیالات رکھنے والے افراد کی غلط روی اور کج خرامی کا آلہ کار نہیں بن سکتا اور جب تک قرآنِ حکیم، احادیث نبویؐ اور فقہائے عظام کے اقوال کی روشنی میں ایک دستور مرتب نہ کیا گیا اور اسے متبحر علما و مقتدر مشائخ کی تائید حاصل نہ ہوئی وہ کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا اور نہ وہ ایسا خود ساختہ آئین قبول کرنے کو تیار ہے۔**

۳۔ اثنائے دورۂ حزب اللہ میں جو چیز شد و مد اور جوش و خروش کے ساتھ اس فقیر کے سامنے لائی گئی ہے وہ مسئلہ کشمیر ہے۔ جس نے کہ پاکستان کے تمام مسلمانوں کو بلا استثنا سخت بے قرار اور غم زدہ کر رکھا ہے اور جب تک یہ مسئلہ باحسن طریق حل نہیں ہو سکتا ان کا چین اور آرام حرام ہو چکا ہے۔ ان کے تمام افکار و آرا کا مرجع کشمیر ہے اور ان کا مآلِ حیات و مقصدِ زندگی، وادیٔ کشمیر کو دشمن کے دستِ تصرف و تغلّب سے نجات دلانا ہے۔ وہ کسی قیمت پر کشمیر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں اور حصولِ کشمیر کی خاطر وہ اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے پر آمادہ کار ہیں۔ انھیں اس بات کا اعتراف ہے کہ حکومتِ پاکستان نے اپنی طرف سے پیچیدہ گتھی کو سلجھانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی اور جہاں تک آئینی جد و جہد کا تعلق ہے حکومت نے جمعیت الاقوام کے سامنے ایسے دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ پیش کیے ہیں اور اپنے دعوا کو اس خوب صورتی کے ساتھ نبھایا ہے کہ آج ساری دنیا کے انصاف پرست اور معقولیت پسند پاکستان کی سچائی اور حق بہ جانب ہونے کو تسلیم کر چکے ہیں لیکن یہاں سوال استدلال یا معقولیت کا نہیں۔

اگر ہمارا مقابلہ ایسی قوم یا ایسے ملک سے ہوتا جن کے اندر رواداری یا انصاف کا شائبہ تک پایا جاتا تو پھر رونا کس بات کا تھا۔ یہاں جھگڑا ایک ایسی بنیا قوم سے ہے جنھیں آبا و اجداد سے یہ تعلیم چلی آتی ہے کہ چمڑی جائے مگر دمڑی نہ جائے۔[51] پنڈت نہرو بین الاقوامی شہرت کے مالک ہونے کے باوجود یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ

معاشرتی، تمدنی، ملکی اور جغرافیائی اعتبار سے کشمیر پاکستان کا ایک جزو لاینفک ہے، کشمیر کی سرسبز وادیوں، دیدہ زیب مرغزاروں اور دل فریب آبشاروں پر ایسے لٹو ہو چکے ہیں کہ عالمِ تصوّر میں بھی کشمیر کو ہاتھ سے دینے کا خیال نہیں کر سکتے اور رائے شماری بھی اس طریق سے کرانا چاہتے ہیں کہ ہر ایک رائے دہندہ کے سامنے ایک فوجی سپاہی بندوق تانے کھڑا ہو کہ اگر تم نے ہمارے حق میں ووٹ نہ دیا تو گولی تمھارے سینے سے پار ہو جائے گی۔ مسٹر گراہم اپنی عجز و ناکامی کا صاف اقرار کر چکے ہیں، برطانیہ اور امریکا کی پیش کردہ تجاویز کو بھارت پائے استحقار سے ٹھکرا چکا ہے اور اب لے دے کر اس مسئلہ کا ایک ہی حل باقی رہ گیا ہے اور وہ ہے آخِرُ الْحِیَلِ السَّیْفُ یعنی سب سے آخری حیلہ تلوار ہے۔

اس میں شک نہیں کہ آپ کی حکومت کی در پردہ مصلحتوں کو عام لوگ نہیں سمجھتے۔ یہ بھی درست ہے کہ جنگ کے نعرے لگانے آسان ہیں مگر جنگ کرنی آسان نہیں۔ لڑائی کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے تشبیہ دی ہے[۵۲] اور واقعی لڑائی خاکستر کرنے والی، خون اور آنسوؤں کی یادگار چھوڑنے والی چیز ہے مگر جہاں کہ اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کا معاملہ ہو، جہاں چالیس لاکھ مسلمانوں کے تحفظ و بقا کا سوال ہو اور جہاں کہ خودداری، عزتِ نفس اور غیرت و حمیت کا مسئلہ سامنے آ جائے وہاں وَالصُّلْحُ خَيْرٌ[۵۳] کی تعلیم کے باوجود وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ[۵۴] کہ دشمن سے قصاص یا بدلہ لینے میں زندگی کا راز مضمر ہے کا صریح ارشاد بھی موجود ہے۔ آپ یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیں کہ اگر قضیۂ کشمیر میں کم زوری دکھائی گئی اور اسے تن بہ تقدیر چھوڑ دیا گیا تو پھر پاکستان کا کوئی علاقہ بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ دشمن کے ارادے بہت ناپاک ہیں اور اس کی نیت بڑی خراب۔ ابھی تک بھارت کے متعصب ہندوؤں اور ظالم سکھوں کو اکھنڈ بھارت کے خواب آ رہے ہیں اور وہ پاکستان کو بھارت کا ایک صوبہ بنانے کی کھچڑی پکا رہے ہیں۔ آپ سے زیادہ ان کے منصوبوں کو اور کون سمجھ سکتا ہے؟ وہ دریاؤں کے رخ بدل کر اور نہروں کو خشک کر کے پاکستانی مسلمانوں کو بھوکا مارنا چاہتے ہیں۔ وہ بھارت کے اندر بسنے والے مسلمانوں کا قافیہ تنگ کر کے انھیں پاکستان کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ ان کی جو منطق ہے وہ انوکھی ہے اور جو مطالبہ ہے وہ نرالا۔

اندریں حالات جب کہ پاکستان کے مسلمان کے لیے شہادت کی موت مقدر ہو چکی ہے اور اسلام اور کفر، حق اور باطل کا تصادم اٹل ہے تو یہ فقیر صرف اپنی ہی طرف سے نہیں بل کہ سات کروڑ مسلمانانِ پاکستان کی نمائندگی کرتا ہوا آپ کی خدمت میں یہ مخلصانہ مشورہ پیش کرتا ہے کہ آپ اپنی کابینہ سے مشورہ کے بعد بھارت کو جلد از جلد ایک الٹی میٹم دے دیں کہ فلاں تاریخ تک کشمیر کے علاقہ سے اپنی فوجوں کا انخلا کر لے ورنہ پاکستان والے مجبور ہو کر کشمیر کے مسلمانوں کو ان کے دستِ تظلم سے بچانے کے لیے پولیس ایکشن کریں گے اور بھارت

اپنی ضد پر قائم رہے تو پھر تَوَکُّلًا عَلَی اللّٰہ [۵۵] عواقب ونتائج سے لاپرواہو کر پاکستان کی فوجیں محاذِ کشمیر پر حملہ کر دیں۔ آپ اسے مجذوب کی بڑ نہ سمجھیں بل کہ اس فقیر نے قرآنی تفائل اور روحانی بصیرت سے یہ معلوم کر لیا ہے کہ ان شاء اللہ فتح پاکستان کی ہوگی اور دشمن مغلوب ومقہور ہو جائے گا۔ اس صورت میں یہ فقیر اپنے تمام امکانی وسائل و ذرائع حکومت کے حوالہ کر دے گا اور اپنے تمام رضا کارانِ حزب اللہ و برادرانِ طریقت کو ہم راہ لے کر پاکستانی افواج وعساکر کے دوش بہ دوش، کلہ بہ کلہ آزادیٔ کشمیر کی خاطر جہاد کرے گا۔

لیکن اگر ان حالات کی نزاکت کے باوجود حکومت کی مصلحتیں جنگ کے مانع ہوں تو پھر یہ فقیر حکومت سے درخواست کرے گا اور مسلمانوں نے مجھے کھلے اور غیر مبہم الفاظ میں اجازت دے دی ہے کہ مَیں یہ درخواست کروں کہ حکومت مجھے اجازت دے دے کہ مَیں تمام رضا کاروں کی جمعیت کو بالخصوص اور عامۃ المسلمین کو بالعموم اپنے ہم راہ لے کر کشمیر کو آزاد کرانے اور مظلوم مسلمانانِ کشمیر کو ظالموں اور غاصبوں کے پنجہ سے نجات دلانے کے لیے کشمیر پر حملہ کردوں اور اس کے تمام نتائج کی ذمہ داری اپنے سر لے لوں۔

اس فقیر کو اس امر کا اعتراف ہے کہ رضا کارانِ حزب اللہ کی ایک کثیر تعداد ایسی ضرور موجود ہے جو میرے حکم پر سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے اور ان میں سے ایسے لوگ بھی خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں جو پہلے فوج میں ملازم رہ چکے ہیں اور فنونِ حرب سے واقف ہیں لیکن ہمارے پاس اسلحہ کی بڑی کمی ہے بل کہ صفر کے برابر ہے، ساتھ ہی موجودہ غذائی بحران اور غلہ کی نایابی کے باعث رسد رسانی یا فراہمیِ راشن کا انتظام بڑا مشکل ہے۔ اس لیے حکومت از راہِ نوازش یہ دونوں چیزیں ضرورت کے مطابق رضا کارانِ حزب اللہ اور دوسرے لڑنے والے مسلمانوں کو فراہم کر دے تا کہ ہمارے رضا کار اور ہمارا ساتھ دینے والے دوسرے مسلمان فارغ البالی اور اطمینان سے لڑ سکیں اور میدانِ جہاد میں نکل کر دادِ شجاعت دے سکیں۔

غزوہ بدر و اُحد، حنین و یرموک کی روایات سامنے رکھنے والا مسلمان دشمن کی بندوقوں، برین گنوں، توپوں اور بموں سے مرعوب نہیں ہو سکتا اور قوتِ ایمانی کا مالک مسلمان ظاہری قوتوں کی پروا نہیں کر سکتا۔ آپ صرف ایک دفعہ "ہاں" کا لفظ منہ سے نکال دیں پھر تماشا دیکھیں کہ اصحابِ فیل کو ابابیل سے شکست دلوانے والا خدائے قدوس وقیوم تھوڑی تعداد اور قلیل اسلحہ رکھنے والے مسلمانوں کو کثیر التعداد اور مسلح کافروں کی فوجوں پر کس طرح فتح دے سکتا ہے اور اس مادہ پرست دنیا کو روحانیت کے زور سے کس طرح مغلوب کر سکتا ہے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ [۵۶]

حالاتِ حاضرہ واقعات کی روشنی میں

حضرات! مجھے اجازت دیں کہ حالاتِ حاضرہ پر ایک بے لاگ تبصرہ وتنقید کرسکوں۔ ماضی کا زمانہ ہماری دسترس سے باہر ہو چکا ہے، زمانہ حال اس سرعت رفتار سے انتقال زمانی کر رہا ہے کہ آنکھ کے جھپکنے میں تو کچھ دیر لگتی ہے مگر حال کے ماضی بن جانے میں اتنی تاخیر نہیں ہوتی۔ لے دے کر صرف زمانہ مستقبل ہی ایک ایسا زمانہ ہے جس کے متعلق کوئی سوچ بچار کر سکتے ہیں، اس کی درستی و اصلاح کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور اپنے اچھے یا بُرے طرزِ عمل سے اس پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

آج کھلی کتاب کی طرح کرۂ ارض ہمارے سامنے ہے۔انسانی آبادی جو مختلف ممالک و اقوام پر مشتمل ہے ہمارے روبہ رو ہے۔ بُعدیت مکانی، باہمی تبادلہِ خیالات ومشاہدہِ حالات میں ضرور مانع ہے مگر ترقی یافتہ انسان نے دانش وبینش، عقل وخرد اور فہم وفراست سے کام لے کر اور علمی تصورات وعملی تصدیقات کو بروئے کار لا کر جس حیرت انگیز طریق سے دُور افتادہ مسافت کے درمیان جو روابط وضوابط قائم کر دیے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن [۵۷] کے ذریعے خبر رسانی اور معائنہ بالبصر کی جو سہولتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ کثیر الاشاعت اخبارات کے طفیل سارا جہان جس طرح کہ ہر ایک معاملہ میں اشتراکِ عمل کر رہا ہے اور اقتصادی، معاشرتی، تمدنی اور سیاسی خیالات جن محیر العقول گہرائیوں کے ساتھ انسانی طبائع پر اثر انداز ہو رہے ہیں وہ كَجَسَدٌ وَاحِدٌ [۵۸] کی ایک عملی تفسیر ہے۔

انسانی آبادی کا یہ اختلاط، ان کے آرا وافکار کی یہ ہم آہنگی اور ان کے ارتقائی منازل و مراحل طے کرنے میں یہ وحدت کار اگر ایک طرف ایجابی طور پر اس کی ترقی پر دال ہے تو کسی معمولی تصادم وتقابل اور کشمکش کی صورت میں سلبی طور پر اس کی تباہی اور بربادی کی دلیل۔ بہر کیف انسان جو قدم اٹھا رہا ہے وہ آگے کی طرف جا رہا ہے۔ قرونِ مظلمہ کے افسانے بھُول چکے ہیں۔ پہلے زمانہ کے حالات فراموش ہو رہے ہیں۔ ایک شان دار یا یاس انگیز، روشن یا تاریک مستقبل ہمارے سامنے ہے اور ہم اس پر ایک عبرانی نظر ڈالنی چاہتے ہیں اور وہ بھی آثار وقرائن کے ذریعہ نہیں بل کہ حقائق اور واقعات کی روشنی میں۔ وَمَاتَوْفِيْقِىْ اِلَّابِاللّٰهِ۔ [۵۹]

آئندہ جنگِ عظیم اور اُس کے روشن امکانات

آج دنیا کے اندر جو چیز کہ سب سے زیادہ جاذب توجہ ہو رہی ہے اور ہر محفل اور ہر مجلس میں جس کا ذکر نہایت شد و مد سے کیا جا رہا ہے۔ دنیا اور دنیا والوں کا اپنا مستقبل ہے کہ عن قریب اس کرۂ ارض پر کیا دھما چوکڑی مچنے والی ہے؟ عفریتِ حرب جو پھنکاریں مار رہا ہے اور جنگ کا دیوتا جو تیاری کر رہا ہے کون کون سا ملک اس کی

گرفت اور زد میں آنے والے ہیں؟ یہ ایٹم بم کے تجربات کیوں ہو رہے ہیں؟ یہ ہائیڈروجن بم کیوں بنائے جا رہے ہیں؟ یہ زہریلی گیسوں کے تجربات کس خاطر ہو رہے ہیں؟ یہ فوجوں کی بھرتی، یہ مصنوعی لڑائیاں، یہ عسا کر کی نقل وحرکت کس لیے ہے؟

دُور کے کُرّوں میں جو لوگ آباد ہیں وہ ہم پر حملہ آور نہیں ہوں گے اور نہ ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے مریخ کے اندر انسانی آبادی موجود ہو۔ چاند کے رہنے والے حیات او زندگی رکھتے ہوں مگر اُن سے تصادم و تقابل بجائے خویش ابھی تک ہم ان کی حقیقت سے بھی بے خبر ہیں اور لے دے کر اگر کوئی کشمکش ہوگی، کوئی جنگ لڑی جائے گی تو اسی کرہِ ارض کے ساکنین اور زمین پر بسنے والی اقوام کے درمیان اور چوں کہ موجودہ سائنس کے طفیل اور نقل وحرکت کی آسانیوں کے پیشِ نظر آج ساری دُنیا کے ممالک باہم دگر منسلک ہو چکے ہیں۔ اس لیے اب جغرافیائی اعتبار سے نہ ایک براعظم دوسرے براعظم سے علاحدہ شمار ہو سکتا ہے اور نہ ہی خشکی اور تری میں کوئی نا قابلِ عبور حدِ فاصل باقی رہ چکی ہے اور اگر خدانخواستہ خرمنِ امن میں نارِ حرب کی ایک چنگاری بھی جا پڑی اور بین الاقوامی تعلقات کی کشیدگی کے باعث بندوق کا ایک فائر بھی ہو گیا تو سارا جہان آناً فاناً جل بھُن کر خاکستر ہو جائے گا اور انسانی آبادی بموں کے بے دردانہ استعمال، زہریلی گیسوں کے دم گھٹنے والے دھوئیں اور آتشیں اسلحہ کی بے پناہ تباہی و بربادی سے پوری طرح ملیا میٹ ہو جائے گی اور مقررہ حیات سے پہلے قیامت کا نمونہ سامنے آ جائے گا۔

جمعیت الاقوام والے آئندہ جنگ کو روکنے کی لاکھ تدبیریں کریں۔ یورپ اور امریکا کے پادری جنگ کے بدترین عواقب و نتائج پر ہزار تقریریں کریں۔ حامیانِ امن و دوست دارانِ صلح، پند و نصیحت کے سو دفتر کھول کر بیٹھ جائیں مگر جنگ کا ہونا اٹل اور ناگزیر ہے اور انسانی طاقت سے یہ خطرہ کبھی بھی ٹل نہیں سکتا اور قرآن حکیم نے جنگ کا جو فلسفہ بیان فرمایا ہے[۶۰] اور جو شرط مقرر کی ہے جب تک ظاہر کردہ علل و اسباب موجود ہیں تب تک جنگ کے امکانات بھی ظاہر و باہر۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ[۶۱] کہ خشکی اور تری کے اندر فساد کیوں ہو رہا ہے؟ جنگی ہوائی جہازوں کی اُڑان کس لیے ہے؟ سمندروں کے اندر لڑنے والے جہاز کیوں دوڑ رہے ہیں؟ امن کے پُر کیف لمحے کیوں ختم ہونے کو ہیں؟ خون کی ہولی کھیلنے کی تیاریاں کیوں ہو رہی ہیں؟ سارے جہان کے باشندے ایک دوسرے کو مار بھگانے کو تیاریاں کیوں کر رہے ہیں؟ انسان دوسرے انسان کو تباہ کرنے کے کیوں درپے ہے؟

محض اس لیے کہ جس نوع کو فرشتوں کی طرح بے ضرر اور بے خطر زندگی بسر کرنے کی ہدایت کی گئی تھی اس پر حیوانیت اور بہیمیت، وحشیت اور بربریت کا غلبہ ہو گیا ہے۔ جوشِ انتقام سے وہ پاگل ہو گیا ہے اور ڈسنے

والے بچھو، کاٹنے والے سانپ اور چیر پھاڑ کرنے والے درندوں سے بھی وہ آگے بڑھ گیا ہے اور اس کی غلط کاریاں اور بے راہ رویاں اسے اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ [۶۲] تک لے جانے والی ہیں اور خلیفۃ اللہ فی الارض اپنے بداعمالی کے پاداش میں آج ابلیس لعین اور شیطان مردود کے بہکانے سے اپنا دماغی توازن کھو چکا ہے اور خدا کی پیدا کردہ زمین جو کسی زمانہ میں اس کے ساکنین کے لیے بہشت کا نعم البدل تھی آج اس کے بسنے والوں کے واسطے دوزخ کا نمونہ بننے والی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہونے والی جنگ کے ظاہری اسباب کیا ہیں؟ اور بجائے اس کے کہ خطۂ ارض کے رہنے والوں میں چند ایک کے دماغوں میں فتور پیدا ہوتا، سارے جہان کے باشندے عقل وخرد سے کیوں بیگانہ ہونے والے ہیں؟ اور اس حمام میں سب کے سب ننگے ہوکر کیوں ناچنے [۶۳] لگے ہیں؟ دراصل یہ کشمکش سرمایہ دار اور مزدور کی ہے، یہ ٹکّر تموّل واحتیاج کی ہے اور یہ مقابلہ مالک اور غلام کا ہے۔ جب تک یہ امتیازات قائم ہیں، یہ تفریق موجود ہے جنگ کے امکانات روز بہ روز بڑھتے جائیں گے اور دنیا کی کوئی طاقت، کسی فلسفہ دان کا کوئی فلسفہ، اور اہل الرائے اصحاب کا کوئی مشورہ اس آنے والی جنگ کو روک نہیں سکتا۔

اس کی رکاوٹ اگر ہو سکتی ہے، دنیا کو عفریتِ حرب کی گرفت سے اگر نجات مل سکتی ہے تو اس کا واحد ذریعہ کمیونزم نہیں، سوشل ازم نہیں بل کہ اسلام ازم ہے اور دنیا کو اگر اس مصیبت سے چھٹکارا مل سکتا ہے تو اس حقیقی مساوات سے جو کہ اسلام اور صرف اسلام نے پیش کی ہے اور جس کا نمونہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے عملی طور پر دکھلایا ہے :

ع توخود حدیثِ مفصّل بخواں ازیں مجمل [۶۴]

دُنیا بھر کے ممالک پر ایک تنقیدی نظر

آج ہم دنیا کے تمام ممالک کو بغیر کسی استثنا کے دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں :

۱۔ ایک وہ جو روس کے پیش کردہ نظریات پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

۲۔ دوسرے وہ جو کہ امریکا کے پیش کردہ اصول پر چل رہے ہیں۔

دونوں طاقتوں اور ان کے حلیفوں کے خیالات ومعتقدات میں بُعد المشرقین پایا جاتا ہے اور یہی اختلافات جب بڑھنے لگتے ہیں تو جنگ تک نوبت آجاتی ہے۔

امریکا والوں کو اپنے ایٹمی ہتھیاروں پر ناز ہے، اپنی دولت وثروت پر فخر ہے اور اپنے خزائن ودفائن پر گھمنڈ۔ روس والے اپنے وسیع پراپیگنڈہ پر آس لگائے بیٹھے ہیں۔ مزدوروں کو بہکا کر سرمایہ داروں کی تاخت و

تاراج کرانا اور غریبوں کو اشتعال دلا کر امیروں سے دست وگریبان کرا دینا ان کا محبوب ترین مگر کامیاب مشغلہ ہے۔امریکا کی حکمت عملی بھی کوئی معمولی بات نہیں۔آج یورپ کے اکثر ممالک اور ایشیا کی کثیر حکومتیں امریکا کے ساتھ عملی تعاون کر چکی ہیں اور کر رہی ہیں۔

برطانیہ اس کا زرخرید غلام ہے۔فرانس والے اس کے تابع فرمان۔اٹلی اس کے اشارہ پر ناچ رہا ہے اور یورپ کی بیش تر ریاستیں اس کے دامن سے وابستہ ہو چکی ہیں۔ترکی والے فنا فی الامریکا ہو چکے ہیں اور پاکستان والے امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی تشبیہ واستعارہ کے مطابق امریکی کجکلاہ کی سمت پر اپنا قبلہ راست کرنے والے ہیں۔عراق وایران والے سنہری اور روپہلی مصلحتوں کی بنا پر امریکا سے دوستی گانٹھ رہے ہیں اور بجائے اس کے کہ روایتی زلیخا، یوسف کا پیچھا کرتی آج یوسف مصری، زلیخائے امریکا کے پیچھے دوڑنے لگا ہے۔ممکن ہے کہ ہماری نوزائیدہ سلطنت انڈونیشیا، اشترا کی چین سے قرب رکھنے کی وجہ سے روسی بلاک میں شامل ہو جائے لیکن ممالک اسلامیہ کی اکثریت آج امریکن بلاک میں شمولیت حاصل کر چکی ہے اور خدا کرے یہ اتحاد مسلمانوں کے لیے مفید اثرات کا حامل ہو۔وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔[۶۵]

پاکستان اور ٹرکی کا اتّحادِ عمل

گزشتہ سال کے اہم ترین واقعات میں سے قابلِ ذکر پاکستان اور ٹرکی [ترکی] کا باہمی اتحادِ عمل ہے اور سیاسی اور فوجی معاہدات جسے ہم نیک فال سے تعبیر کریں گے اور امریکا والوں کی سرتوڑ اور پیہم مساعی جمیلہ کا ایک عملی نتیجہ متصور ہوگا۔

موجودہ دور میں اسلامی دنیا کے اندر دو ہی طاقتیں ہیں جو کہ صحیح معنوں میں شجاعت اور بسالت کی زندہ تصویر ہیں اور اپنے شان دار روایات خاندانی کا ایک بہترین نمونہ اور ان کا نام ٹرکی اور پاکستان ہے۔موجودہ ترک اپنے اسلاف کی طرح اپنے جسموں میں گرم اور سیّال خون رکھنے والے ہیں اور ان میں غیرت اور حمیّت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ان کا ماضی ان کے حیرت انگیز و جرأت آمیز کارناموں سے بھرپور ہے۔ان کا حال بَحَمْدُ لِلّٰہِ قابلِ ستائش ہے اور ان کا مستقبل درخشاں وخوش آئند۔ان کی تعداد دوسرے ممالک کی بہ نسبت ضرور قلیل ہے مگر ان کی قوتِ ایمانی، جوشِ اسلامی اور ملکی وملّی بلند ترین جذبات ان کی تفوق وبرتری کا سکہ چار دانگ عالم میں بٹھانے والے۔کوئی زمانہ ضرور ایسا گزرا ہے جب کہ یہ مرد بیمار بستر علالت پر پڑا کراہ رہا تھا مگر اب ماشاءاللہ اسے صحت کامل حاصل ہو چکی ہے اور تندرست لوگ بھی اس کی پناہ لینے پر مجبور ہو چکے ہیں کہ امریکا جیسی دنیا بھر میں پہلا نمبر رکھنے والی حکومت بھی ترکی کو اپنا حلیف بنانے میں فخر ومباہات محسوس کر رہی ہے

اور کوریا کی گزشتہ لڑائی میں اگر بہادر اور جاں باز ترک امریکا والوں کے ساتھ اشتراکِ عمل نہ کرتے تو ممکن نہیں بل کہ اغلب تھا کہ امریکا چین کی مور و ملخ سے زیادہ تعداد والی افواج وعساکر سے مغلوب ہو کر راہِ فرار اختیار کرتا مگر یہ بہادر ترک ہی تھے جنھوں نے آگ اور خون میں چھلانگ لگا کر ایک طرف اقصائے عالم میں اپنی جواں مردی اور بہادری کی دھاک باندھ دی اور دوسری طرف امریکا والوں کو شکست اور ہزیمت کی بدنامی سے بچالیا۔ اب دوسرے پاکستانی حلیف کے کارنامے ملاحظہ ہوں۔

گزشتہ دنوں محاربات عمومی میں جب کہ جرمن کی فوجیں بادوباراں کی طرح کرۂ ارض پر پھیل گئی تھیں اور اس وقت کے اتحاد ثلاثہ کی افواج کو ہر میدان میں شکست مل رہی تھی۔ فرانس والے تابِ مقاومت نہ لا کر ہتھیار پھینک دینے پر مجبور ہو گئے تھے، برطانیہ کا دارالخلافہ لندن جرمن کی بے پناہ بمباری سے چھلنی ہو چکا تھا اور دونو [دونوں] جنگوں میں بہ ظاہر حالات جرمن کی فتح یقینی ہو چکی تھی۔ یہ پاکستان اور صرف پاکستان کی اولوالعزم، باہمت اور جنگ جو قومیں تھیں جنھوں نے میدانِ وغا میں نکل کر اور اپنی محیر العقول جواں مردی اور استقلال اور عزیمت کے جوہر دکھلا کر جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور لڑائی کا نقشہ بدل دیا۔ اس وقت کی ہندُستانی افواج میں قابلِ ذکر پنجابی مسلمان ہے جن کی آڑ اور پناہ لے کر دوسری قومیں لڑتی رہیں ورنہ اگر پنجابی مسلمان کو دونوں جنگوں کی فہرست سے غائب کر دیا جائے تو پھر سکھ ڈوگرہ، گورکھا، جاٹ وغیرہ بہ ذاتِ خویش سب ہیچ دکھلائی دیں گے اور ہر ایک جنگ جو اس زمانہ میں لڑی گئی، کامیابی اور کامرانی کا سہرا پنجابی مسلمان کے سر پر نظر آئے گا۔

ہم ٹرکی اور پاکستان کے اتحاد کو قِران السعدین سے موسوم کریں گے اور ان شاءاللہ ان دونوں ملکوں کو باہم دگر اتحاد و ارتباط آئندہ کے لیے خوش گوار نتائج وثمرات کا حامل ہوگا اور دونو [دونوں] اسلامی ممالک ایک دوسرے کے ساتھ چولی اور دامن کا ساتھ رکھ کر ایک طرف اپنے حلیف امریکا کے مضبوط بازو بن جائیں گے اور دوسری طرف اپنے حاسدین ومخالفین کے لیے ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ اور ایک آہنی دیوار ثابت ہوں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اندریں حالات یہ فقیر دونوں ملکوں کے اربابِ حل وعقد کو اس دُور اندیشی، عاقبت بینی اور تدبر و سیاست پر صمیمِ قلب سے ہدیۂ تبریک وتہنیت پیش کرتا ہے اور اس اتحادِ عمل کے ہمیشہ قائم رہنے کے لیے دست بہ دعا ہے :

ع   ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین آباد [۲۶]

پاکستان اور امریکی فوجی معاہدہ

گزشتہ سال کے خطبۂ صدارت میں اسی عنوان پر چند سطور معرضِ تحریر میں لائی گئی تھیں کہ اس معاہدہ

پر بھارت والے بڑے ناراض ہیں اور برطانیہ والے بھی اگر ظاہر داری کے طور پر کچھ نہ کہیں مگر دل سے ناخوش ضرور ہیں۔ دراصل پنڈت نہرو صاحب نے عالمِ تخیل میں دنیا کی اقوام کو دو نہیں بل کہ تین حصوں میں منقسم کیا تھا۔ روسی بلاک، امریکن بلاک اور بھارتی بلاک۔ اور انھوں نے گزشتہ ایام اشترا کی چین کا سفر محض اسی خاطر اختیار کیا اور انڈونیشیا والوں سے بھی یہی ساز باز ہو رہی ہے کہ ایک ایسا تیسرا بلاک قائم کیا جائے جس کی قیادت اور رہ نمائی پنڈت نہرو صاحب کے ہاتھ میں ہو مگر:

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ [۶۷]

کے مطابق پنڈت جی کو بے نیل مرام چین سے واپس آنا پڑا اور روس نے جو پردے چین کی آنکھوں پر ڈال رکھے تھے وہ پنڈت صاحب کی پیہم اور مسلسل تگ و دو سے بھی نہ اُتر سکے اور چین کے وزیر نے انھیں صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ:

؎ بروایں دام بر جائے دِگرنہ
کہ عنقارا بلند است آشیانہ [۶۸]

اب پنڈت جواہر لال نہرو کی عجیب کیفیت ہے اور ازیں سو رانده و از اں سو مانده [۶۹] کے مطابق اُدھر چین والوں نے اُن سے آنکھیں پھیر لی ہیں اور ادھر امریکا والے ان کی ان دورُخی چالوں سے بدظن ہو رہے ہیں۔ پاکستان کو مطعون کیا جا رہا تھا کہ اس نے امریکا سے فوجی معاہدہ کیوں کیا؟ اور خود بھارت والے اب اسی امریکا سے بھیک مانگنے پر مجبور ہو رہے ہیں اور بمختلف الحیل اس سے امداد طلب کی جا رہی ہے اور اپنی بے غیرتی اور بے حمیتی کا عملی ثبوت دیا جا رہا ہے۔

اور اس فقیر نے جیسا کہ گزشتہ سال ظاہر کیا تھا اس معاہدہ کو بہ نظرِ استحسان دیکھا ہے کہ اس طریق سے ہمیں ایک طاقت ور حلیف مل گیا ہے جس سے کہ ہمیں اقتصادی اور معاشرتی فوائد حاصل ہوں گے اور ہمارے پاس ظاہری اسلحہ کی جو کمی ہے وہ ان شاء اللہ رفع ہو جائے گی اور بھارت کی طرف سے جو خطرات موجود تھے وہ کلیتًا زائل ہو جائیں گے اور امریکی گرانٹ مِل جانے سے ہماری اپنی آمدن کا ایک کثیر حصہ تعمیری کاموں پر صرف ہونے لگے گا اور سب سے بڑھ کر ہمارے لیے خوشی کا مقام یہ ہے کہ بھارت والوں نے جو سیاسی چالیں اختیار کر رکھی تھیں ان میں اُن کا بُری طرح ناکام ہو جانا ہے اور پاکستان کے حق میں اُنھوں نے جو مذموم اور ناپاک ارادے قائم کر رکھے تھے ان میں اُن کا خائب و خاسر رہنا ہے۔

اب پاکستان کے اربابِ بست و کشاد کا یہ ایک اخلاقی فرض ہے کہ امریکا سے حاصل شدہ گرانٹ کو اپنے صحیح مصرف میں لائیں اور ملکی ترقی اور قومی سُود و بہبود پر صرف کریں تا کہ وَضْعُ الشَّیءِ فِیْ مَحَلِّہٖ کے

مطابق حق بہ حق دار رسید [70] کی ضرب المثل ثابت آسکے۔

رضا کارانِ حزب اللہ سے دو دو باتیں

حزب اللہ کے جان نثار سپاہیو اور اسلام کے مایہ ناز بہادرو! حسبِ دستورِ سابق یہ فقیر خصوصیت کے ساتھ آپ کو مخاطب کرنا چاہتا ہے۔ جب سے تحریکِ حزب اللہ کا آغاز ہوا ہے اسی وقت سے اس فقیر کی یہ خواہش تھی کہ جماعت میں سے ایک مخصوص طبقہ ایسا ہونا چاہیے جو کہ پیکرِ ایثار اور مجسمہِ قربانی ہو۔ جو جواں سال ہوں مگر ساتھ ہی جواں ہمت بھی۔ جن کی زندگی کا مقصد وحید اعلائے کلمۃ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ ہو اور جو اپنی جانوں کو ایک ہتھیلی پر اور اپنے مال کو دوسری ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ عمل میں نکل آئیں اور اَبۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ [71] یا حصولِ خوشنودیٔ رب العالمین کے سوا انھیں نہ کوئی ذاتی لالچ ہو اور نہ جلبِ منفعت سے سروکار۔

اور خداوندِ کریم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ایسی جماعت جس کی عرصہ سے تلاش تھی اور ایسا گروہ جو میری خیالی دنیا میں دیر سے بس رہا تھا، عملی صورت میں سامنے آ گیا اور آج اس فقیر کو اس بات کا فخر ہے کہ میرے سامنے ایک سرفروشوں، بہادروں اور اسلام کے فدائیوں اور خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شیدائیوں کا ایک جمِ غفیر موجود ہے جنھیں کہ اللہ کے راستہ میں کسی قسم کی قربانی کرنے سے کوئی دریغ نہیں اور جو کہ متعدد آزمائشوں اور امتحانوں میں اپنی فرض شناسی اور ثابت قدمی کا عملی ثبوت دے چکے ہیں۔

بایں ہمہ ابھی آپ کے امتحانات ختم نہیں ہوئے اور آزمائشیں پوری نہیں ہوئیں۔ مستقبل قریب، مسلمانانِ عالم کے لیے بالعموم اور اسلامیان پاکستان کے لیے بالخصوص بڑا خطرناک نظر آ رہا ہے۔ اقوامِ عالم اور خاص کر یورپ اور امریکا کی "سفید چمڑی" اور "سیاہ دل" باشندوں کی آنکھوں میں مسلمان ککرے کی طرح کھٹک رہا ہے۔ ان کے اربابِ حکومت بکرات ومرات اس امر کا اظہار کر چکے ہیں کہ مسلمانانِ عالم کا اتحاد اور دول اسلامیہ کا گٹھ جوڑ انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتا اور پین اسلام ازم کا محض تخیل ہی انھیں لرزہ براندام کرنے والا ہے۔ ان کی پالیسی ہمیشہ سے یہ چلی آتی ہے اور اب بھی وہ یہی پخت و پز کر رہے ہیں کہ کسی قیمت پر مسلمانوں کو متحد نہ ہونے دیا جائے اور ان کی حکومتوں کے درمیان پھوٹ ڈال کر ان کی طاقت کو کم زور بنایا جائے۔ یہودِ فلسطین کی حوصلہ افزائی اسی بنا پر ہے کہ وہ مسلمانوں کو ارضِ مقدس سے نکال دیں۔ ایران کے تیل کا معاملہ اسی لیے کھٹائی میں پڑا ہوا ہے کہ کہیں وہاں کے مسلمان اقتصادی طور پر آگے نہ بڑھ جائیں۔ مصر کی خانہ جنگی، برطانیہ اور امریکا کی حکمتِ عملی کے عین مطابق ہے اور پاکستان اور بھارت کا روز افزوں اختلاف بھی انھی سیاسی شاطروں کی چالوں کا رہینِ منت۔ غرض ساری دنیا کے کافر مل کر اسلام کو صفحۂ عالم سے نیست و نابود کرنا

چاہتے ہیں اور ہم نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ اگر خدانخواستہ ہم مٹ بھی گئے تو اپنے دشمنوں کو بھی مٹا کے چھوڑیں گے۔

ہمارے سامنے بڑے بڑے مہتمم بالشان مسائل ہیں جن سے ہم نے عہدہ براہونا ہے۔

پاکستانی نہروں کا نازک معاملہ ہے۔ کشمیر کا قضیہ نامرضیہ ہے۔ بھارت والوں کی اینٹ کا جواب پتھر سے دینا ہے۔ تحفظ و بقائے پاکستان ہے اور پھر اس کی تعمیر و تزئین اور ان فرائض کی ذمہ داری سب سے بڑھ کر بہ حیثیت ایک مسلمان کے، بہ حیثیت حزب اللہ کے ایک فرد کے اور سب سے زیادہ بہ حیثیت رضا کارِ حزب اللہ آپ کے سر پر ہے۔

موت کا ایک دن مقرر ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔[۴۲] ایک دن سب نے مرنا ہے۔ پھر بجائے اس کے کہ ہم گونا گوں علل واسقام اور طرح طرح کی مہلک اور اذیّت دہ بیماریوں میں مبتلا ہو کر اپنی جان جانِ آفرین کے حوالہ کریں یہ کہیں بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کا علم اور خدا تعالیٰ کی حکومت کا جھنڈا بلند کرتے ہوئے اپنے سینہ پر گولی کھائیں اور ٹھنڈے ہو جائیں۔

یادرکھو! شہادت کی موت، موت ہرگز نہیں بل کہ ہمیشہ رہنے والی زندگی ہے۔ وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّاتَشْعُرُوْنَ [۴۳] کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید ہو جائیں انھیں مردہ مت کہو بل کہ وہ تو زندہ ہیں اور زندہ جاوید لیکن تمھیں اس بات کا شعور نہیں اور نہ تمھاری ناقص عقل میں یہ سیدھی سادی بات آسکتی ہے۔

بعض کم زور طبائع والے غلط اُمید لگائے بیٹھے ہیں کہ پاکستان اور بھارت کی جنگ نہیں ہوگی اور اس کی تائید کبھی پنڈت نہرو صاحب کا بیان پیش کرتے ہیں اور کبھی ڈاکٹر راجندر پرشاد کا قول۔ بھارت اور پاکستان کے وزرائے اعظم کی آئندہ مارچ میں ہونے والی مصالحانہ گفت وشنید پر خوش گوار توقعات قائم کی جارہی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ جنگ ناگزیر ہے، لڑائی ہو کے رہے گی اور حق و باطل، اسلام اور کفر کا تقابل و تصادم مستلزم ہے۔

ہاں اگر ہم کشمیر کا خیال دل سے نکال دیں۔ بند ہونے والی پاکستانی نہروں اور رُخ بدلے جانے والے دریاؤں کی یاد دل سے بھلا دیں۔ اپنی سرسبز زمینوں کو خشک اور شاداب علاقوں کے ریگستان ہو جانے کی پروا نہ کریں۔ بھارت کے ہر جائز و ناجائز مطالبہ کو تسلیم کرتے چلے جائیں تو پھر واقعی جنگ کے امکانات کم ہو جائیں گے مگر جس صورت میں کہ ہم پاکستانی مسلمانوں کے دل میں غیرت و حیا، عزت نفس اور خودداری کے جذبات موجود ہیں اور ہم ظالموں، وحشیوں اور ننگ انسانیت حیوانوں کی متابعت تسلیم کرنے کو تیار نہیں اور نہ

اپنے جائز حقوق سے دست بردار ہو جانے کے لیے آمادہ کار تو ہمیں ضرور ہی میدان جنگ میں نکلنا پڑے گا اور ان شاء اللہ ایسے موقع پر ہمارے رضا کار، حزب اللہ کا جھنڈا لے کر سب سے آگے بڑھیں گے اور جس طرف بھی رضا کارانِ حزب اللہ نے رُخ کیا فتح و نصرت ان کے ہم رکاب ہوگی۔ کامیابی و کامرانی ان کے قدم چومے گی اور فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ [۷۴] نصِ قطعی کے مطابق وہ دُنیا میں غلبہ حاصل کر کے رہیں گے۔

حزب اللہ کے غازیو! اپنی تیاری مکمل کرلو۔ اپنے جسموں کو ظاہری اسلحوں اور اپنی روحوں کو ایمانی ایٹم بم سے مسلح کرلو اور امیر کی طرف سے جس وقت بھی دعوتِ جہاد پہنچے اپنے سب کام چھوڑ کر اس سب سے ضروری کام کی تکمیل کے لیے کفن بردوش ہو کر جہاں بھی تمھیں پہنچنے کا حکم ملے فی الفور پہنچ جاؤ اور اپنی جان اور مال کو اس کے حوالہ کر دو، جس نے کہ تمھیں جان بخشی ہے اور مال عنایت فرمایا ہے۔ مگر یہ بات ہرگز نہ بھولنی چاہیے کہ جنگ سے پہلے جنگ کی تیاری بڑی ضروری ہے اور مسلمان وہی اس امتحان میں کامیاب ہوسکتا ہے جو دشمن سے لڑنے سے پہلے اپنا تزکیہ نفس کر لے۔ نفس اور شیطان سے پہلے ٹکر لے کر انھیں مغلوب کر دے۔ اپنے دل میں اپنے مالک متصرّف اور منعم حقیقی کی یاد پیدا کرے۔ اللہ تعالیٰ، اس کے نبی برحق خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جہاد کی محبت کے مقابلہ میں تمام دوسری محبتوں اور اُلفتوں کو ہیچ سمجھنے لگے اور جہاں کہیں بھی ظاہری اور نمائشی محبتوں اور اصلی اور حقیقی محبتوں میں مقابلہ ہو جائے۔ وہ حُبُّ الشَّهَوٰتِ [۷۵] سے چشم پوشی اور اعراض کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مقصدِ حیات جہاد کو ترجیح دے۔ تاکہ اس کی زندگی بھی مسرت انگیز بن جائے اور موت بھی راحت آمیز۔ اور مبارک ہیں وہ لوگ جنھیں عیشِ دارینی اور فلاحِ کونینی کی نعمت نصیب ہو سکے۔

خاتمۂ سخن

حضرات! امسال کا خطبہ کسی قدر طویل ضرور ہو گیا ہے اور پہلے عنوان نے کافی وقت لے لیا ہے مگر وقت وہی مبارک ہے اور گھڑیاں وہی سعید، جو کہ خداوند تعالیٰ کی یاد میں بسر ہوں۔ اب طبیعت کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا کے سب کام چھوڑ کر بس ایک کے ہو رہیں اور زندگی کا ہر لمحہ اسی کی یاد میں بسر ہو۔ پھر بھی حالاتِ حاضرہ پر اقتضائے وقت کے طفیل جو کچھ کہنا مناسب تھا کہہ دیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ اظہارِ مطلب میں عبارات آرائی یا فصاحت کلامی نہ دکھلائی جائے اور آسان و عام فہم الفاظ میں مقصد کی وضاحت کی جائے۔

خدا کرے میرے خیالات آپ کو پسند آجائیں اور آپ کا آئندہ طریقِ عمل میری نیک خواہشات

کے مطابق ہو۔ تا کہ جو کام ہم نے محض حسبتہً لِلّٰہ [۲۷] شروع کر رکھا ہے یا جو کام اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی، رضا طلبی اور رضا خواہی کے لیے ہم شروع کرنے والے ہیں اس میں ہمیں یمن و برکت حاصل ہو۔ اسلام کی سود و یہود کا راز اس میں مضمر ہو اور مسلمانوں کی بہتری و برتری اس کا طغرائے امتیاز بن جائے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

....

حواشی

۱۔ النسا۴:۱۷تا۷۶۔

۲۔ ترجمہ: اور اُسی کے ہاتھ میں توفیق ہے۔ (عربی جملہ)

۳۔ ترجمہ: اے دل والو! خدا کے لیے، میرے ہاتھ سے دل نکلا جاتا ہے۔ افسوس! پوشیدہ راز کھل جائے گا۔
(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار لاہور، س ندارد، ص ۳۳)

۴۔ الذریٰت ۵۱:۵۶۔

۵۔ النحل ۱۶:۱۶۔

۶۔ لقمٰن ۳۱:۱۹۔

۷۔ الانفطار ۸۲:۷،۸۔

۸۔ خطبہ میں لہلہاہٹ کی جگہ لہلاہٹ درج تھا۔

۹۔ ترجمہ: کہ عقل و دانش (کی مدد) سے نہ تو کوئی یہ معما حل کر سکا ہے (اور) نہ آئندہ کر سکے گا۔ (ضرب المثل)
پہلا مصرع یہ ہے۔ ع حدیث: از مطرب و مَی گو و راز دہر کمتر جو
(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، س ندارد، ص ۳۱)

۱۰۔ خطبہ میں لفظ کتاب دو مرتبہ لکھا ہوا تھا لیکن جملے کے مطابق ایک بار آنا چاہیے۔

۱۱۔ النحل۱۶:۸۹۔

۱۲۔ ترجمہ: جو کہا گیا ہے بہت اچھا ہے۔ (عربی الفاظ)

۱۳۔ ظفر علی خان، مولانا، کلیاتِ مولانا ظفر علی خان، زاہد علی خان (ترتیب)، حبسیات، الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، اگست ۲۰۱۱ء، ص ۱۴۔

۱۴۔ البانی، ابوعبدالرحمٰن محمد ناصر الدین، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوع۔۔۔، جز ۱۳، ص ۵۰، حدیث ۲۰۲۳۔

۱۵۔ الاعراف ۷:۵۴، یونس ۱۰:۳، ھود ۱۱:۷، الفرقان ۲۵:۵۹، السجدہ ۳۲:۴، الحدید ۵۷:۴۔
۱۶۔ البقرہ ۲:۱۶۴۔ ال عمران ۳:۱۹۰،۱۹۱۔
۱۷۔ البقرہ ۲:۳۰۔
۱۸۔ الحجر ۱۵:۲۹، ص ۳۸:۷۲۔
۱۹۔ التین ۹۵:۴۔
۲۰۔ بنی اسرائیل ۱۷:۷۰۔
۲۱۔ ’’اردو کے ضرب المثل اشعار، تالیف: محمد شمس الحق، شاعر: ریاض خیر آبادی، شعر ۵۱۸، ص ۹۴۔
۲۲۔ خطبہ میں ماوطین درج تھا جب کہ جملہ کے مطابق ماء وطین آتا ہے۔ ماء بہ معنی پانی اور طین بہ معنی مٹی۔ یعنی پانی اور مٹی۔ (فرہنگ فارسی)
۲۳۔ خطبہ میں مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ درج تھا۔
۲۴۔ ترجمہ: اللہ کی حمد اور اُس کا احسان ہے۔ (عربی جملہ)
۲۵۔ الذریٰت ۵۱:۵۶۔
۲۶۔ الانعام ۶:۹۶۔
نوٹ: خطبہ میں فَالِقُ الْاِصْبَاحِ کی جگہ خالق الاصباح درج تھا۔
۲۷۔ الانعام ۶:۸۷۔
۲۸۔ الانعام ۶:۱۴، یوسف ۱۲:۱۰۱، ابرھیم ۱۴:۱۰، فاطر ۳۵:۱، الذمر ۳۰:۴۶، الشوریٰ ۴۲:۱۱۔
۲۹۔ البقرہ ۲:۲۵۵۔
۳۰۔ الرحمٰن ۵۵:۲۹۔
۳۱۔ ق ۵۰:۱۶۔
۳۲۔ ترجمہ: جب عشق کامل ہو جائے تو اللہ ہی اللہ ہے۔ (عربی جملہ)
۳۳۔ ترجمہ: تاکہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہے کہ مَیں اور ہوں تو اور ہے۔
پہلا مصرع یہ ہے: ع من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
(امیر خسرو، نغمات الانس فی مجالس القدس، شاہ ہلال احمد قادری (مترجم)، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، بار اول، سن ۲۰۱۶، ص ۲۹۷)
۳۴۔ ترجمہ: کہنے والے کے اللہ کے لیے موتی ہیں بہ معنی کیا خوب کہا ہے۔ (عربی جملہ)
۳۵۔ ترجمہ: جو تیرا چاہنے والا ہے وہ جان کا کیا کرے، اہل وعیال اور گھر بار کی بھی اُسے کوئی پروانہیں ہوتی، تو

(اپنا) دیوانہ بنا کر دونوں جہاں بخش دیتا ہے، جو تیرا دیوانہ ہو جائے اُسے دونوں جہانوں کی ضرورت نہیں۔
(رومی، مولانا جلال الدین محمد، دیوان شمس، رباعی نمبر ۱۶۹)
دیوانِ شمس میں ترا بخواست کی جگہ تیرا شناخت اور کنی و ہر کی جگہ کنی ہر درج ہے۔

۳۶۔ ال عمران ۳:۱۴۔

۳۷۔ البقرہ ۲:۱۶۵۔

۳۸۔ ترجمہ: جو کسی چیز کو پسند کرتا ہے وہ اس کا ذکر اکثر کرتا ہے۔ (ضرب المثل)

۳۹۔ کلیاتِ مومن (جلد اول)، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول، جولائی ۱۹۶۴ء، ص ۶۰۔

۴۰۔ ترجمہ: مَیں نے جو مصلحت دیکھی وہ یہ ہے کہ لوگ سب کام چھوڑ دیں اور محبوب کی زُلف تھام لیں۔
(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، س ندارد، ص ۲۰۷)
دیوانِ حافظ میں خمِ طُرہَ کی جگہ سرِ طُرہَ درج ہے جس سے دوسرے مصرع کے آخر میں مطلب یوں ہو جاتا ہے کہ محبوب کا راز تھام لیں۔ ممکن ہے صاحبِ خطبہ نے تصرف کر کے لفظ خم کو سر میں بدل دیا ہو۔

۴۱۔ ترجمہ: مجھے آئینہ کے پیچھے طوطے کی مانند رکھا ہوا ہے، جو نقاشِ ازل نے کہا تھا وہی مَیں کہتا ہوں۔
(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، س ندارد، ص ۲۸۷)

۴۲۔ ترجمہ: خوش بو وہ ہے جو خود بتائے نہ کہ عطار بتائے۔ (ضرب المثل)
پوری حکمت یوں ہے: مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید دانا چوں طبلۂ عطار ست خاموش ہ ہنر نمای و نادان چوں طبل غازی بلند آواز و میاں تہی۔
(گلستانِ سعدی، سعدی شیرازی، شیخ شرف الدین مصلح، مترجم: قاضی سجاد حسین، مکتبۂ رحمانیہ، اقرا سنٹر، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، س ندارد، ص ۲۶۱)

۴۳۔ فضیلت وہ ہے جس کی دشمن بھی گواہی دے۔ (عربی مقولہ)

۴۴۔ حق غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔ (حدیث)

۴۵۔ ترجمہ: اور یہ میرے رب کے فضل کی وجہ سے ہے۔ (ضرب المثل)

۴۶۔ ترجمہ: میرے نزدیک وہ شخص تیری بھلائی چاہنے والا ہے جو تجھے تیری راہ کے کانٹوں کی خبر دے۔

۴۷۔ ترجمہ: جواب نہیں لکھا گیا یہی اس کا جواب ہے۔ (ضرب المثل)

۴۸۔ خطبہ میں سیوا سنگ کی بجائے سیوا سنگھی درج تھا۔

۴۹۔ ترجمہ: نیک کام میں استخارہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔
پہلا مصرع یہ ہے: ع آں کہ دل بہ عشق دہی خوش دمے بود

(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، س ندارد، ص ۵۹)

۵۱۔ اُس بخیل کی نسبت کہتے ہیں جو پیسہ دینے کی جگہ جسمانی سزا بھگتنے کو ترجیح دے۔ (ضرب المثل)

۵۲۔ المائدہ ۵:۶۴۔

۵۳۔ النساء ۴:۱۲۸۔

۵۴۔ البقرہ ۲:۱۷۹۔

۵۵۔ ترجمہ: اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے۔ (ضرب المثل)

۵۶۔ ترجمہ: ہمارے دعوے کی انتہا یہی ہے کہ تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ (ضرب المثل)

۵۷۔ خطبہ میں ٹیلی ویژن کی جگہ ٹیلی ویژنی درج تھا۔

۵۸۔ ترجمہ: ایک جسم کی طرح۔ (عربی الفاظ)

خطبہ میں لجسدٌ واحدٌ کی جگہ لجدٍ واحدٍ درج تھا۔

۵۹۔ ترجمہ: اور مجھے توفیق اللہ ہی کی طرف سے عطا کرتا ہے۔ (ضرب المثل)

۶۰۔ الانفال ۸:۳۹۔

۶۱۔ الروم ۳۰:۴۱۔

۶۲۔ التین ۹۵:۵۔

۶۳۔ سب کا ایک ہی رنگ اور حال ہے۔ کون کس کو بُرا کہے؟ (ضرب المثل)

۶۴۔ ترجمہ: تو خود اس اختصار سے بات کی تفصیل سمجھ لے۔ (ضرب المثل مصرع)

پورا شعر یوں ہے: من از مفصل ایں نکتہ مجملی گفتم تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

(عمان سامانی، قصائد، شمارہ نمبر ۱۰)

۶۵۔ ترجمہ: اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں۔

۶۶۔ ترجمہ: یہ دُعا میری طرف سے ہے اور سارے جہاں کی طرف سے اس پر آمین ہو۔ (ضرب المثل)

مَیں دُعا کرتا ہوں اور تمام دنیا اس کے قبول ہونے کے لیے آمین کہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے۔

۶۷۔ ترجمہ: افسوس! کتنی ہی آرزوئیں ہیں جو خاک ہو گئیں۔ (ضرب المثل)

۶۸۔ ترجمہ: جا! یہ جال دوسرے پرندوں پر ڈال۔ اس لیے کہ عنقا کا آشیانہ بلند ہے۔

(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار لاہور، س ندارد، ص ۳۶۷)

دیوانِ حافظ میں پہلا مصرع یوں درج ہے: ع برو ایں دام بر جائے دِگر نہ

ممکن ہے صاحبِ خطبہ نے تصرف کر کے مرغ کو جائے سے بدل دیا ہو۔

۶۹۔ ترجمہ: اس طرف سے ٹھکرایا ہوا اور اُدھر سے گرا ہوا۔ (ضرب المثل)

۷۰۔ ترجمہ: حق والے کے پاس حق پہنچ گیا۔ (ضرب المثل)

۷۱۔ البقرہ۲:۲۶۵۔

خطبہ میں ابتغاء مرضاۃ اللّٰہ درج تھا۔

۷۲۔ ال عمران۳:۱۸۵، الانبیاء ۲۱:۳۵، العنکبوت۲۹:۵۷۔

۷۳۔ البقرہ۲:۱۵۴۔

۷۴۔ المائدہ۵:۵۶۔ المجادلہ ۵۸:۲۲۔

۷۵۔ ال عمران۳:۱۴۔

۷۶۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے۔ (عربی الفاظ)

◆◆◆

اختتامی سالانہ جلسہ

کا

خطبہ صدارت

بابت سال ۱۹۵۶ء

یہ مطبوعہ شدہ کاپی مجلد نہیں ہے

جزو اول

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم ط☆

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوۡلٰینَا وَ حَبِیۡبِنَا وَشَفِیۡعِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَتۡبَاعِہٖ وَاَشیاعِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ O اَمَّابَعۡدُ فَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ فِیۡ قُرۡاٰنِہِ الۡمَجِیۡدِ وَفُرۡقَانِہِ الۡحَمِیۡدِ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡم O بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم O وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّھُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ ص وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمۡ دِیۡنَھُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَھُمۡ وَ لَیُبَدِّلَنَّھُمۡ مِّنۡ م بَعۡدِ خَوۡفِھِمۡ اَمۡنًا ط یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا ط وَ مَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ O [1]

مشائخ عظام، علمائے کرام وحاضرین والاتمکین! سب سے پہلے یہ فقیر آپ سب حضرات کا صدقِ دل اور صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کرتا ہے کہ آپ موسم کی برودت، خنکی اور ناموافقت کی پروا نہ کرتے ہوئے یہاں تشریف لے آئے ہیں اور جسمانی اور ظاہری آرام پر روحانی سکون واطمینان کو ترجیح دے کر اپنی فرض شناسی و معقولیت پسندی کا ایک عملی ثبوت پیش کیا ہے۔ فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡجَزَاء [2] اب اس فقیر کی تھوڑی سی سرگزشت ملاحظہ ہو۔

تقریباً گزشتہ سارا سال میری صحت اچھی نہیں رہی اور مختلف علل واسقام میں یہ فقیر ماخوذ رہا ہے جس کا ناخوش گوار اثر دل ودماغ پر ناگزیر ثابت ہوا۔ خیال یہی تھا کہ سابقہ معمول کی طرح امسال خطبۂ صدارت معرضِ تحریر میں نہ لایا جائے اور ایک مختصر جیسی زبانی تقریر پر اکتفا کرلیا جائے۔ آج سے چند یوم پہلے تک یہی ارادہ رہا مگر بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ مَالَایُدۡرَکُ کُلُّہٗ لَایُتۡرَکُ کُلُّہٗ [3] کے مطابق ایک چھوٹا جیسا مضمون قلم بند

☆ ۴/۵ جمادی الثانی ۱۳۷۵ھ بہ مطابق بدھ ۱۸ جنوری/ جمعرات ۱۹ جنوری ۱۹۵۶ء کی درمیانی شب پڑھا گیا۔ یہ خطبہ غیر مطبوعہ ہے۔ خادمِ درگاہ اسحاق جلال پوری نے ۱۶/۱۰ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو اس کی کتابت کی۔

کر لیا جائے اور اُسے سامعین کرام کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ جب کہ زبانی بیان کی بہ نسبت تحریری مضمون اَقْرَبُ اِلَی الْفَهْمِ وَاَوْصَلُ اِلَی الْمَطْلُوْبِ [۴] ہوا کرتا ہے۔ پہلے کی طرح امسال مبادیات سے دیدہ دانستہ اعراض کیا گیا ہے اور کوئی ایسی حقیقت ثابتہ جان بوجھ کر زیبِ عنوان نہیں بنائی گئی جس میں کچھ عبارت آرائی سے کام لیا جاتا یا ادبیت کی جھلک نظر آتی بل کہ برداشتِ طبیعت کے مطابق چند اہم اور ضروری مسائل زیر بحث لائے گے ہیں اور حالاتِ حاضرہ سے میں سے صرف ان امور پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کی اہمیت مستلزم ہے۔

حزب اللہ کے مالہٗ و ماعلیہ پر ایک عبرانی نظر

حضرات! جیسا کہ آپ سے مخفی نہیں ہماری حزب اللہ کی تشکیل و تاسیس کو اب پورے انتیس ۲۹ سال کا طویل عرصہ منقضی ہو چکا ہے اور اندریں اثنا ہم نے جماعتی اعتبار سے جو منازل و مراحل طے کیے ہیں ان کی صحیح کیفیت سے ہمارے مداح و معترضین سب واقف ہیں اور دوستوں کی مسرتِ بے پایاں اور مخالفین کا رنجِ بے کراں ہمارے دلی طمانیت کا موجب بن چکے ہیں اور آپ کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ کسی ایسی مبارک گھڑی اور سعید ساعت میں حزب اللہ کی بنیاد رکھی گئی ہے کہ جو بھی نیا دن آتا ہے وہ ترقی بدامن اور جو بھی وقت گزرتا ہے وہ ارتقا سے ہم دوش۔ ہم سب کے دیکھتے دیکھتے بیسیوں جماعتیں کتمِ عدم سے نکل کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں مگر ان کی عمر بڑی قلیل تھی اور ان کا قیام و استحکام بڑا مختصر اور ابھی تک انھوں نے اپنے آپ کو روشناس بھی نہ کرایا تھا کہ وہ اپنی طبعی موت مر گئیں اور اب سوائے ان کے جاذبِ توجہ ناموں کے ان کے نشان تک مٹ چکے ہیں مگر بفضلہٖ و منہٖ تعالیٰ چوں کہ ہماری جماعت کی نسبت ایک حیّ و قیّوم اور ہمیشہ برقرار و سلامت رہنے والی واجب الوجود و قائم بالذات ہستی سے ہے۔ اس لیے اسی نسبت کے طفیل ہماری جماعت کو ایک امتیازی خصوصیت نصیب ہو چکی ہے کہ نہ صرف اس کا وجود باقی ہے بل کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسے ثباتِ دوام کی نعمت غیر مترقبہ حاصل ہو چکی ہے :

ثبت ست بر جریدۂ عالم دوامِ ما [۵]

اور نہ صرف اعداد و شمار کے لحاظ سے جماعت کو دن دونی رات چونی ترقی ہو رہی ہے بل کہ نتائج اور کارناموں کے اعتبار سے بھی جماعت روز بہ روز بامِ ارتقا تک پہنچ رہی ہے اور جماعتی حیات اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں وہ دوسری جماعتوں کے سامنے مشعلِ راہ بن چکی ہے اور وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ [۶] کے مطابق اپنے معاندین و حاسدین سے بھی دادِ تحسین لے چکی ہے۔

سیاسی طور پر ہمارا مسلک انوکھا اور نرالا ہے کہ ہم نے افراط و تفریط سے دامن بچا کر میانہ روی اور

اعتدال پسندی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ مذہبی اعتبار سے ہم بعض تنگ نظر اصحاب اور فرقہ پرست لوگوں کے دامِ تزویر سے الگ تھلگ رہ کر ایک مسلم قانت اور مومن مخلص کی طرح اپنے آپ کو پیش کر رہے ہیں۔ اقتصادی طور پر ہم نے قوم کے سامنے جو بہترین لائحہ عمل رکھ دیا ہے وہ اس کی فوقیت اور برتری کا ضامن ہے۔ رضا کارانِ حزب اللہ کی بھرتی، ان کے اندر جذبہ حریت و آزادی کا احیا، انھیں جہاد جیسے اہم ترین فریضہ سے واقف بنانا۔ ایک بنو نیک بنو کا درسِ عمل، جہاں قوم کو ایک طرف رشد و ہدایت کے عملی طریقوں سے واقف بنا رہا ہے وہاں دوسری طرف اجتماعی حیات کے روح پرور اور دل خوش کُن نظارے پیش کر رہا ہے۔ حزب اللہ کے شان دار کارنامے اور فقید المثال نمونے اس کثرت سے آپ کے روبہ رو آ چکے ہیں کہ اب ان پر مزید بحث و تمحیص، تحصیل حاصل میں شمار ہوگی اور اب ہم صرف اسی مقولہ پر اکتفا کریں گے کہ :

مشک آنست کہ خود ببوید نہ آنکہ عطار بگوید

حالاتِ حاضرہ پر تنقید و تبصرہ

دنیا کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے اور زمانہ حال میں جو واقعات و شواہد سامنے آ رہے ہیں دراصل اقوام و ملل کے تنزل و انحطاط اور عروج و ارتقا کی ایک عملی تفسیر ہے۔ ہم ماضی اور گزرتے ہوئے زمانہ پر اب قابو نہیں رکھتے۔ مضیٰ ما مضیٰ۔ [۸] مستقبل اور آئندہ زمانہ ہماری دسترس سے باہر ہے اور [نہ] ہمیں اسے قابو میں لانے کی قدرت۔ لے دے کر یہی موجودہ زمانہ ہے جس پر ہمیں اختیار حاصل ہے اور اسی کی اصلاح و درستی کی طرف ہمارے خیالات و اذہان منتقل ہو سکتے ہیں۔ ہم اپنی حالت کا اندازہ دوسروں کے حالات سے لگا سکتے ہیں اور ایسا طرزِ عمل اختیار کر سکتے ہیں جس سے کہ ہمارے ماضی کی بھولی بسری یاد تازہ ہو سکے اور ہم اپنے ناخنِ تدبر و تدبیر سے اپنی آئندہ تقدیر کی پیچیدہ گتھی کو سلجھا سکیں۔

آج دنیا والے مادہ پرستی کی رو میں نہایت سرعت رفتار سے بہتے چلے جا رہے ہیں۔ ہر ایک چیز کو مادیت کی عینک لگا کر مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔ انسان اگر ایک طرف اکتسابِ علوم و فنون میں درجہ کمال پر پہنچ چکا ہے اور نئی نئی ایجادات و اختراعات نے علمی اور عقلی اعتبار سے اس کا درجہ کہیں بلند کر دیا ہے تو دوسری طرف اس کی وحشت و بربریت اور ہوسِ استعمار و ملوکیت بھی پہلے سے کہیں بڑھ چکی ہے اور انسانی آزادی و حریت کے بلند بانگ دعاوی سے کام لینے والے اپنے بنی نوع کو ابدی غلامی اور ہمیشہ کی محکومی کی زنجیروں میں جکڑنے کے فکر میں ہیں۔ خرسِ [ریچھ] روس کی لن ترانیاں آپ کے سامنے آ چکی ہیں اور گزشتہ ایام دہلی اور سری نگر کے اندر روس کے دو کرتے دھرتے لیڈروں مارشل بلگانن اور کروشیف [خروشیف] نے پاکستان دشمنی اور ہندستان دوستی کا جو

عملی ثبوت دیا ہے اور قضیہ نا مرضیہ کشمیر کے متعلق جو ایک طرفہ فیصلے صادر کیے ہیں، کوئی بھی انصاف پسند اور صائب الرائے شخص ان بیہودہ باتوں اور خفیف الحرکتیوں کو بہ نظرِ استحسان نہیں دیکھ سکتا۔ یہ درست ہے کہ پاکستان، فوجی اور جنگی طاقت کے اعتبار سے روس کا ہم پلہ نہیں اور موجودہ اسلحہ کے لحاظ سے اُسے ہم پر فوقیت حاصل ہے مگر ادھر ہر قوم کے لیے حقِ ارادیت تسلیم کرنے والا روس اور ہر ایک ملک وقوم کو آزادی دلوانے کا مدعی روس، معلوم ہوتا ہے کہ محض امریکا سے عناد رکھنے کی وجہ سے اپنی اصول پسندی کو بھول گیا ہے اور اس کے لیڈر آپے سے باہر ہو کر اور جذبات کی رو میں آ کر واہی تباہی بکنے پر اتر آئے ہیں۔ لیکن اگر پاکستان کی تعمیر وقیام میں قدرت کا غیر مرئی ہاتھ کام کر رہا ہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری، ایک حکیم علی الاطلاق اور قادرِ مطلق کی ذات مستجمع الصفات پر ہے تو پھر اس معاملہ میں کسی فکر وتردد کی ضرورت نہیں اور وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ[9] توکل پختہ ہونا چاہیے پھر کسی اور چیز کی حاجت ہی نہیں رہتی۔ امریکا سے دوستی بھی ہمیں مہنگی پڑ رہی ہے اور اس کی ہر دل عزیزی ممکن ہے ہمیں کسی بڑی آزمائش میں ڈال دے۔ بہ قول حافظ شیرازی

باما شراب خوردو بہ زاہد نماز کرد[10]

والا معاملہ بن رہا ہے۔ ایک طرف کچھ دے دلا کر پاکستان کی اشک شوئی کی جا رہی ہے اور دوسری طرف بھارت والوں سے بھی دوستانہ تعلقات موجود ہیں اور یہ دورُخی پالیسی ہمیں تو قطعاً پسند نہیں اور اس کے نتائج کسی صورت میں بھی خوش گوار نہیں ہو سکتے۔

دوسرے ملکوں کے حالات بھی دل خوش کُن اور پسندیدہ نظر نہیں آتے۔ یہود کا دماغ ابھی تک ٹھکانے نہیں لگ سکا اور جب تک امریکا والے اس کی پیٹھ ٹھونک رہے ہیں یہ لاتوں کا بھوت باتوں سے ماننے کا نہیں۔ عرب ممالک میں اتحاد کا فقدان ہو رہا ہے اور ایک دوسرے پر قطعاً اعتماد نہیں رہا۔ موجودہ فنونِ حرب سے ناواقفیت اور اقتصادی کم زوری، مزید براں اور بعض ریاستوں کے مالی حالات اگر اچھے بھی ہیں تو روپیہ کو سامانِ تعیّش پر پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے اور امریکا وغیرہ سے حاصل شدہ دولت کو پھر اسی کی منڈیوں میں بے دریغ صرف کیا جا رہا ہے۔

ہمارے پڑوسی ملک کابل [افغانستان] کی حالت اور بھی ناگفتہ بہ ہو رہی ہے۔ روس اور بھارت کی ملی بھگت اور دونو [دونوں] کی شہ میں آ کر کابل والے حقِ ہمسائیگی، تعلق اسلامی اور تقاضائے انسانیت سب کچھ فراموش کر چکے ہیں اور کابل کی پُتلی دوسروں کے اشارۂ چشم وابرو پر بے تحاشا ناچ رہی ہے۔ اب معلوم نہیں یہ ناچ، ننگی کا ناچ ہوگا یا محض نمائشی ناچ۔ بہرکیف پاکستان کے لیے کابل کا موجودہ رویہ بڑا صبر آزما اور حوصلہ شکن ہو رہا ہے۔ اللہ کریم ہمارے گم کردہ بھائیوں کو ہدایت بخشیں تاکہ وہ اپنے موجودہ غلط رویہ کی اصلاح کر سکیں۔

وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔[۱۱]

دنیا کے موجودہ حالات پر اگر مزید غور وفکر سے کام لیا جائے تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ موجودہ سکون و سکوت دیر پا نہیں ہوگا اور آتشِ حرب کی ایک چنگاری اڑ کر خرمنِ صلح و امن کو خاکستر بنا کر رکھ دے گی۔ یہ ہائیڈروجن بم کے تجربے اور ایٹم بم کی آزمائشیں کوئی نیک فال نہیں۔ دنیا کی دو مادی طاقتوں میں ٹکر ہونے والی ہے اور ایک ایسا الم ناک اور خوں ریز حادثہ رونما ہونے والا ہے جس کی پہلے کوئی مثال موجود نہیں۔ خدا کرے اس معرکۂ دار و گیر سے ہمارا پاکستان محفوظ رہ جائے اور دیووں اور عفریتوں کی لڑائی سے ہم کلیتہً بچ نکلیں۔

بھارت کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ بھی ہمارے لیے سرمہِ عبرت سے کم نہیں۔ غریب، بیکس اور مظلوم مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا جا رہا ہے، پنڈت نہرو کی نگری میں باوجود ادعائے عدم تعصب اور رواداری، سیوا سنگ، جن سنگ اور مہا سبھا والے جس طریق سے مسلمانوں کو اپنی مذہبی حقوق سے جبراً محروم کر رہے ہیں اور علانیہ [اعلانیہ] طور پر شدھی کے جو الم ناک مظاہرے کیے جا رہے ہیں اور مسلمانوں کو ترکِ مذہب پر جس طریق سے مجبور کیا جا رہا ہے اسے بیان کرتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے مگر یہ ستم کیش یاد رکھیں کہ خُدا کی لاٹھی میں آواز نہیں۔

چنیں نماند و چناں نیز ہم نخواہد ماند[۱۲]

مہاجرین کا مسئلہ بھی پوری طرح سے حل نہیں ہو سکا مگر امید ہے کہ آہستہ آہستہ ہمارے خانماں برباد بھائی اپنے اصل وطن کی طرف تو شاید مستقبل قریب میں نہ جا سکیں مگر ان شاء اللہ انھیں اپنے نئے وطن میں قیام و استحکام حاصل ہو جائے گا۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان اور آئینِ اسلامی

لِلّٰہِ الْحَمْد کہ خاطرمی خواست
آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر، پدید[۱۳]

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ایک طویل عرصہ کے شدید انتظار کے بعد ہماری دستور ساز اسمبلی نے ملک کے دستور کا مسودہ بنا ہی لیا اور مسٹر چندریگر وزیرِ قانون نے اس کی دفعات ایوان کے سامنے پیش کر دیں۔ گو تا حال دستور کا متن شائع ہوا ہے اور تفصیلی امور وضاحت طلب ہیں۔ مگر جہاں تک اس فقیر نے اس مسودہ کی جانچ پڑتال کی ہے اس میں مفید باتیں زیادہ ہیں اور مضر امور کم۔ سب سے زیادہ مبارک بات یہ ہے کہ پاکستان ایک آزاد اسلامی جمہوریہ تسلیم کر لیا گیا ہے اور گو وہ دول مشترکہ میں مصلحتاً شامل رہے گا مگر وہ اپنے اندرونی

معاملات میں قطعاً آزاد ہوگا اور آئندہ اس پر ڈومینین سٹیٹس یا مستعمراتی طرزِ حکومت کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! کہ ہماری دیرینہ آرزو پوری ہوگئی۔

اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سرزمین پر اس کی حکومت بلا شرکت غیرے تسلیم کر لی گئی۔ دولِ مشترکہ میں شمولیت کوئی ایسی ناخوش گوار بات نہیں۔ بھارت والے بھی باوجود ادعائے حریّتِ کاملہ اس میں شامل ہیں۔ اس خالص اسلامی جمہوریہ میں جو دستور تجویز کیا گیا ہے اس میں بعض صریح خامیاں ضرور موجود ہیں اور اگر علمائے کرام اور صوفیائے عظام اور چند آئینی امور اور دستور سے واقف حال اصحاب وادراک سے فائدہ اٹھا کر مسودہ تیار کیا جاتا تو اس میں یہ نقائص باقی نہ رہتے اور ہم فخریہ طور پر اسے تمام دنیا کی جمہوریتوں کے سامنے پیش کر سکتے مگر ہم نہ تو چند ریگر پر بے توجہی کا الزام لگاتے ہیں اور نہ ہی اپنے قابل اور مخلص وزیر اعظم پر ہمیں کوئی اعتراض ہے جب کہ مقدم الذکر نے اپنی قابلیت کا عملی ثبوت دیا ہے اور مؤخر الذکر نے اپنی مستعدی اور وقت شناسی سے کام لیا ہے۔

یہ درست ہے کہ سہروردی صاحب مطمئن نہیں اور انھیں قانونی اعتراضات کا موقع مل گیا ہے لیکن اگر انھیں یہ دستور خود بنانا پڑتا تو کس قدر دقت طلب ثابت ہوتا۔ اب ہم اس بحث میں بھی نہیں جانا چاہتے کہ اس مسودہ کی تیاری میں کتنا وقت صرف ہوا؟ کتنا روپیہ خرچ ہوا؟ کس کس انگریز مقنن کی منت خوشامد کی گئی؟ اور کتنی جدوجہد حصولِ مرام کی خاطر عمل میں لائی گئی؟ ہمارے خیال میں یہ بھی غنیمت ہے کہ آٹھ سال کے طویل عرصہ کے بعد کم از کم ہماری نالائقی اور نااہلی کا اقصائے عالم میں جو ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے اس سے ہمیں نجات ملی اور اچھی یا بُری کوئی چیز تو سامنے آگئی۔

یہ خبر دل خوش کن ہے کہ قرآن وسنت کو اس میں بنیادی حیثیت دی گئی ہے اور کسی معاملہ کا فیصلہ کرتے ہوئے حکام کو یہ ملحوظ رکھنا پڑے گا کہ قرآنی صریح احکام اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاف ارشادات سے باہر کوئی معاملہ نہ جانے پائے۔ خدا کرے جو کچھ کہ ہم سن رہے ہیں اس میں کسی قسم کی کوئی مداہنت [دوغلا پن] نہ ہو اور جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ صدقِ نیت پر مبنی ہو اور ہمیں اس معاملہ میں ظَنُّوا الْمُؤْمِنِیْنَ خَیْراً [۱۴] کو یقیناً ملحوظ رکھنا پڑے گا۔ شراب کی بندش اور قحبہ خانوں کا انسداد ایک اسلامی ملک کے شایانِ شان ہے اور خدا کرے شراب نوشوں کو بلا ضرورت شراب کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے لیے ہسپتالوں کے روزمرہ طواف نہ کرنے پڑیں اور رنڈیوں کا رخ بھی باقاعدہ مناکحت [نکاح] کی طرف ہو جائے۔ جوابازی کی ممانعت بھی ایک قابلِ تحسین امر ہے بشرطیکہ اس قانون کا اطلاق ہر کہ ومہ پر ہو اور جوئے کے تمام اقسام برج تک اس کے ضمن میں آجائیں۔

بنگالی کو سرکاری زبان بنانے پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن انگریزی سے چند سال اور لپٹا رہنا ایک آزاد قوم کی روایات کے سراسر منافی ہے۔

صوبوں کی خود مختاری تو اچھی ہے لیکن مرکز کے اختیارات کو محدود کرنا بھی محل نظر ہوسکتا ہے بالخصوص مواصلات کا مرکز کے پاس رہ جانا مناسب تھا۔ صدرِ مملکت کا اگر عوام کے ووٹوں پر انتخاب رکھا جاتا تو اس کی ذمہ داری المضاعف [دوگنا] ہو جاتی۔ بہرکیف ہم پُر جوش طریق سے اس دستورِ اسلامی کا خیر مقدم کرتے ہیں اور حکومت کو مبارک باد کہتے ہیں کہ چند در چند موانع کے باوجود اس کے اربابِ حل وعقد واصحابِ بست وکشاد نے ایک دستور بنا ہی ڈالا اور ہم پر یہ الزام کہ اِن کے اندر دستور سازی کی قابلیت ہی نہیں، رفع ہو گیا۔ اب خدا کرے ہمارا عمل ہمارے قول کے مطابق ہو اور اللہ کریم ہمیں اپنے مواعید ومواثیق پورا کرنے کی طاقت بخشیں اور جو خوش گوار توقعات اس دستور اسلامی سے قائم کی گئی ہیں وہ پوری ہو کر رہیں :

یارب ایں آرزوئے من چہ خوش ست
تو بریں مدّعا مرا برساں [۱۵]

کشمیر کا نازک ترین مسئلہ اور اس کا حلِ کار

یادش بخیر! کشمیر کے متعلق حزب اللہ کے سالانہ جلسوں میں جو کچھ کہا اور سنا جا چکا ہے اس میں کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔ کشمیر ہمارا ہے اور ان شاء اللہ ہم اسے لے کر رہیں گے۔ گزشتہ ایام کراچی میں آل پارٹیز کنونشن کا ہنگامہ خیز اجلاس ہوا۔ پاکستان کے مختلف الخیال والعقیدہ لوگ شامل ہوئے۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولی گئیں۔ زور دار تقریریں ہوئیں۔ یہ فقیر نا خواندہ مہمان کی طرح شامل نہیں ہوا مگر جب جلسہ کی کارروائی طشت از بام کی طرح بھارت کی پارلیمنٹ تک پہنچ چکی ہے اور اخبارات میں آ چکی ہے تو چھپا ہوا کون سا راز ہے جس کا انکشاف نہ ہوا ہو؟ بعض حواس باختہ لیڈروں کو دور کی سوجھی اور عجیب وغریب منطق سے کام لیا گیا۔ ناممکن العمل تجاویز سامنے لائی گئیں اور سامعین کے سامنے لن ترانیاں دکھلائی گئیں مگر نتائج کے اعتبار سے کوئی بھی عملی پروگرام سامنے نہیں رکھا گیا اور وہی نشستند وگفتند وبرخاستند [۱۶] کا نمونہ سامنے آ گیا۔

یہ فقیر آغازِ کار سے اس بات کا قائل ہے کہ کشمیر کا لاینحل مسئلہ باتوں سے طے نہیں ہوگا۔ خالی جمع خرچ سے کام نہیں اور اس کا واحد حل ایک اور صرف ایک ہے وہ ہے جہاد۔ یعنی اس معاملہ کو بہ زورِ شمشیر طے کیا جائے یا کشمیر کا فاتحہ پڑھ دیا جائے اور جہاد کے سلسلہ میں پیش آنے والے مشکلات وموانع پر پہلے کافی روشنی ڈالی جا چکی

ہےاور غایت مافی الباب ہم اپنی پیش کش کا پھر اعادہ وتکرار کرتے ہیں کہ

اگر حکومت کی بعض سیاسی مصلحتیں اس میں حارج ہیں یا بعض ملکی معاملات سدراہ تو حکومت اپنی غیر جانب دارانہ روش کو قائم رکھتے ہوئے اس فقیر کو اجازت دے دے کہ ہمارے رضا کار تَوَكَّلًا عَلَى اللّٰهِ [۱۷] اس میدانِ وغا اور جنگِ آزادیِ کشمیر میں سر سے کفن باندھ کر نکل پڑیں اور جب تک کشمیر کو اپنے قبضہ وتصرف میں نہ لے لیں گھر واپس نہ آئیں۔

یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید [۱۸]

پچھلے دنوں راول پنڈی کی جامع مسجد میں اس فقیر نے اعلان کیا تھا کہ اگر " کشمیر چلو" کی تحریک عملی صورت اختیار کرے اور مجوزہ آل پارٹیز کشمیر کنونشن والے اس پر منظوری کی مہر ثبت کر دیں تو امیرِ حزب اللہ پچاس ہزار حزب اللہ کے رضا کار جنگِ آزادیِ کشمیر کے سلسلہ میں پیش کرے گا۔ آل پارٹیز والوں نے تو (معاف رکھا جائے) کچھ بھی نہیں کیا مگر یہ فقیر ابھی تک اپنے وعدہ پر قائم ہے اور اب شرط صرف حکومت کی منظوری ہے اور بس۔ تا کہ کہیں ہمارے کسی اقدام کو حکومت کی مرضی کے خلاف نہ سمجھا جائے اور ہم اپنے کسی طرزِ عمل سے حکومت کے لیے پریشانی کا باعث نہ بن جائیں۔ یہ فقیر ان شاء اللہ اس سلسلہ میں کوئی مزید تحریک بھی کرے گا تا کہ اتمام حجت کیا جا سکے۔

مراکش، الجزائر اور تیونس کے مسلمانوں سے ہمدردی

راول پنڈی کے محولہ بالا جلسہ میں اس فقیر نے یہ اعلان بھی کیا تھا کہ اگر حکومت ہمارے وہاں پہنچانے کے وسائل و ذرائع مہیا کر دے تو ہم اپنے دور افتادہ مراکش، الجزائر اور ٹیونس [تیونس] کے مسلمانوں کی عملی اعانت کی خاطر پانچ ہزار مسلّح اور فنونِ حرب سے واقف رضا کارانِ حزب اللہ کو وہاں جنگِ آزادی میں شمولیت کی خاطر بھیجنے کو تیار ہیں جنھیں فرانس نے حکومتِ خود اختیاری کے حق سے یک سر محروم رکھا ہے اور ان غیرت منداور جذبہ حریت سے سرشار مسلمانوں نے مجاہدانہ اور سرفروشانہ جدوجہد شروع کر رکھی ہے۔ جن کی امداد اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ [۱۹] کے مطابق ہم پاکستان میں رہنے والے مسلمانوں کا صرف اخلاقی نہیں بل کہ مذہبی فرض ہے اور ہماری جماعت جیسا کہ ہر ایک مذہبی اور قومی معاملہ میں پیش پیش رہا کرتی ہے اس معاملہ میں بھی فرض شناسی اور سبقت سے کام لے رہی ہے۔

رضا کارانِ حزب اللہ سے خطاب

حزب اللہ کے سرفروش سپاہیو! تمھارے امیر کو تم سب کی ذات پر فخر ہے کہ تم نے جو وعدہ اس فقیر سے کر رکھا ہے اور اسلام کی خاطر تن من دھن نچھاور اور قربان کرنے کا جو قول و اقرار کیا جا چکا ہے اس پہ تم نہایت سچے دل سے قائم ہو اور کوئی بھی مانع یا رُکاوٹ اس ایفائے عہد میں خلل انداز نہیں ہو سکتی۔ تم نے میرے ساتھ ایک طرح کا سودا کیا ہے۔ لین دین کیا ہے۔ بیع و شریٰ [خرید و فروخت] سے کام لیا ہے کہ تمھاری جانیں اور تمھارا مال خداوند تعالیٰ کے حوالے کر دیا گیا ہے اور اس کے عوض تمھیں آخرت میں جنت ملے گی اور دنیا میں خلافتِ ارضی کا تاج تمھارے سروں پر رکھ دیا جائے گا۔ پاکستان کا حصول اور پھر اس میں حکومت الٰہیہ کا قیام بہ طور قسطِ اول تمھارے حوالے کر دیا گیا ہے اور اب زمین کے دوسرے حصوں کی حکومت تمھارے سپرد ہونے والی ہے اور وہ دن دور نہیں جب کہ :

ہر ملک ملکِ ماست کہ ملک خدائے ماست [20]

اللہ تعالیٰ کی ساری زمین کا مالک اس کا مسلمان بندہ ہو جائے گا اور ساری زمین کے خزانوں کی چابیاں اسے عطا کر دی جائیں گی اور آخرت میں اس کا ٹھکانا جنت ہوگا اور اسے بہشت کے لذائذ و نعم سے مالا مال کر دیا جائے گا۔ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ [21] کہ تمھیں اس بیع و شریٰ کی مبارک ہو جو تم نے امیرِ حزب اللہ کے ساتھ کر رکھا ہے۔

لیکن زبانی سودا کر لینے سے تمھاری ذمہ داریاں ختم نہیں ہو گئیں۔ میدانِ عمل میں نکل کر تم نے بہت کچھ کرنا ہے۔ ایک طرف نفسِ لعین اور شیطان رجیم سے معاملہ ہے، شہواتِ دنیوی [دنیاوی] و خواہشاتِ نفسانی سے جنگ کرنا ہے۔ دوسری طرف اسلام کی ہر مخالف طاقت سے نبرد آزما ہونا ہے اور اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ لِلّٰهِ [22] کے مطابق خداوند تعالیٰ کے دوستوں سے پیار کرنا اور خدائے قدوس کے دشمنوں سے لڑنا ہے اور اس میں کسی کی تخصیص نہیں بل کہ عموم مطلق ہے:

جو عدوئے باغ ہو برباد ہو
خواہ وہ گل چیں ہو یا صیّاد ہو [23]

خاتمۂ سخن

حضرات! یہ فقیر دوبارہ آپ سے معذرت خواہ ہے کہ امسال کا خطبہ نہایت مختصر صورت میں پیش کیا گیا ہے اور بہت سے ضروری مباحث قلم بند نہیں ہو سکے جس کی وجہ اس فقیر کی طویل اور مسلسل علالت ہے۔ بایں ہمہ

اختصار اور جامعیت کے ساتھ چند ضروری مسائل پیش کر دیے ہیں اور یار زندہ، صحبت باقی۔

ان شاء اللہ آئندہ سال بہ شرطِ زیست یہ کمی پوری کر دی جائے گی۔ خدا کرے ہمارا فعل، ہمارے قول کے مطابق ہو جائے اور اس کارگاہِ عمل میں ہم وہ کچھ کر دکھائیں جس کی توقعات ہماری جماعت سے قائم کی گئی ہیں۔ ان شاء اللہ اللہ کریم آپ کے حافظ و ناصر ہوں۔ وَاٰخِرُ دُعْوَاھُمْ اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

تمت بالخیر۔[۲۴]

خادم درگاہ

اسحٰق جلال پوری

۵۶-۰۱-۱۶

....

حواشی

۱۔ النور۲۴:۵۵۔

۲۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمھیں اچھی جزا عطا فرمائے۔ (دُعائیہ کلمات)

۳۔ ترجمہ: جو سارا نہ پایا جائے وہ سارا نہیں چھوڑا جائے گا۔ (قاعدہ فقہیہ)

۴۔ ترجمہ: سمجھنے کے زیادہ قریب اور مطلوب تک زیادہ پہنچانے والا ہے۔ (عربی جملہ)

۵۔ ترجمہ: پورے جہان کے اوراق پر ہماری بقا کا نقش ثبت ہے۔ (ضرب المثل مصرع)

پہلا مصرع یوں ہے : ع ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

نوٹ: خطبہ میں ثبت ست کی جگہ ثبت است درج تھا۔

۶۔ فضیلت وہ ہے جس کی دشمن بھی گواہی دے۔ (عربی مقولہ)

۷۔ ترجمہ: خوشبو وہ ہے جو خود بتائے نہ کہ عطار بتائے۔ (ضرب المثل مصرع)

۸۔ ترجمہ: جو گزر گیا سو گزر گیا۔ (ضرب المثل)

۹۔ الطلاق ۶۵:۳۔

۱۰۔ ترجمہ: ہمارے ساتھ شراب پی لی اور زاہد کے ساتھ نماز پڑھ لی۔

۱۱۔ ابراہیم ۱۴:۲۰، فاطر ۳۵:۱۷۔

۱۲۔ ترجمہ: ویسا نہیں رہا اور ایسا بھی نہ رہے گا۔ (ضرب المثل مصرع)

پہلا مصرع یہ ہے ع رسید مژدہ کہ ایامِ غم نخواہد ماند

(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، س ندارد، ص۱۶۶)

نوٹ: دیوانِ حافظ میں مصرع یوں درج ہے : ع چناں نماند وچنیں نیز ہم نخواہد ماند

۱۳۔ ترجمہ: صد شکر کہ وہ چیز جس کی میرے دل نے خواہش کی تھی، آخر تقدیر کے پردے سے نمودار ہوگئی۔

اصل شعر یوں ہے: للہ الحمد کہ آن نقش کہ خاطر می خواست آمد آخر زپسِ پردہ تقدیر پدید

(جامی، عبدالرحمٰن، دیوانِ جامی، جلد اول، فاتحہ الشباب، غزل نمبر ۲۶۷، ص ۳۵۹)

۱۴۔ ترجمہ: مومنوں کا گمان ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔ (ضرب المثل)

۱۵۔ ترجمہ: اے میرے رب! میری یہ آرزو کتنی اچھی ہے، تو اس مدعا پر مجھے پہنچا دے

۱۶۔ اصل ضرب المثل یہ ہے : نشتند وخوردند وبرخاستند

۱۷۔ ترجمہ: اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے۔ (ضرب المثل)

۱۸۔ ترجمہ: یا جسم محبوب تک پہنچ جائے گا یا روح جسم سے باہر آجائے گی۔ (ضرب المثل مصرع)

پہلا مصرع یہ ہے : دست از طلب ندارم تا کام من برآید

(دیوانِ حافظ، مترجم: قاضی سجاد حسین، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، س ندارد، ص۱۶۱)

۱۹۔ الحجرات ۴۹:۱۰۔

۲۰۔ ترجمہ: ہر ملک ہمارا ملک ہے کیوں کہ ہمارے خدا کا ملک ہے۔ (ضرب المثل مصرع)

نوٹ: پہلا مصرع یہ ہے : خندید و دستِ خویش بہ شمشیر بردوگفت

(پیامِ مشرق (اقبالؒ)، الملک للہ، مترجم میاں عبدالرشید، شیخ غلامی علی اینڈ سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ پبلیشرز، چوک انارکلی لاہور، س ۱۹۹۱ء، ص ۲۳۶)

۲۱۔ التوبہ ۹:۱۱۱۔

۲۲۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنتہ، باب منجانب اھل الأھواء و بغضھم، حدیث ۴۶۰۱۔

۲۳۔ وزیر علی صبا لکھنوی (w3 seminars.com)

اصل میں شعر یوں درج ہے :

جو عدوئے باغ ہو برباد ہو
کوئی ہو گل چیں ہو یا صیاد ہو

۲۴۔ خطبہ میں تمت بالخیر درج تھا۔

◆◆◆

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغَالِبُوْنَ

حضرت مولانا ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ مدظلہ العالی

سجادہ نشین جلالپور شریف و امیر حزب اللہ

کا

خطبۂ صدارت

جو

حزب اللہ کے ۳۷ ویں سالانہ اجلاس پر

شاد فاروقی نے پڑھ کر سنایا

اکتوبر ۱۹۶۴ء

مرتبہ شاد فاروقی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط ☆

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ لَمۡ يَزَلۡ وَلَا يَزَالُ حَيًّا قَيُّوۡمًا عَالِمًا قَدِيۡراً مُدَبِّراً سَمِيۡعًا بَصِيۡراً وَاَشۡهَدُاَن لا اله الا اللّٰه وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وَاُكَبِّرُهٗ تَكۡبِيۡرَات واشهداَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا اعَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ الَّذِىۡ اُرۡسِلَ اِلٰى النَّاسِ كَآفَّةً بَشِيۡراً وَنَذِيۡراً۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَاَزۡوَاجِهٖ وَسَلَّمَ تَسۡلِيۡماً كَثِيۡراً اَمَّابَعۡدُ : فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ O بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ O اسۡتَحۡوَذَ عَلَيۡهِمُ الشَّيۡطٰنُ فَاَنۡسٰهُمۡ ذِكۡرَ اللّٰهِ ط اُوۡلٰٓئِكَ حِزۡبُ الشَّيۡطٰنِ ط اَلَآ اِنَّ حِزۡبَ الشَّيۡطٰنِ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ O لَا تَجِدُ قَوۡمًا يُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ يُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَلَوۡ كَانُوۡا آبَآءَ هُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَ هُم اَوۡ اِخۡوَانَهُمۡ اَوۡ عَشِيۡرَتَهُمۡ ط اُوۡلٰٓئِكَ كَتَبَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡاِيۡمَانَ وَاَيَّدَهُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡهُ ط وَيُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ط رَضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ط اُوۡلٰٓئِكَ حِزۡبُ اللّٰهِ ط اَلَآ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ O[۱]

مشائخ عظام! علمائے کرام! وحاضرین والاتمکین!!!

مَیں صمیم قلب سے آپ کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں کہ پانچ سال کے جبری التوا کے بعد آج پھر ہمیں حضرت امیر حزب اللہ ایدہ اللہ بنصرہ ودامت برکاتہ العالیہ کی زیر صدارت حزب اللہ کا سینتیسواں سالانہ اجلاس منعقد کرنے کا موقع ملا۔

☆ ۴/۵ جمادی الثانی ۱۳۸۴ھ بہ مطابق اتوار ۱۱/اکتوبر/ سوموار ۱۲/اکتوبر ۱۹۶۴ء کی درمیانی شب پڑھا گیا۔

اس مبارک تقریب کے انعقاد پر ہماری روحیں مسرت کے جذبات سے معمور ہیں اور ہمارے سر اللہ کریم کے حضور میں جھکے ہوئے ہیں۔ ہمارے دل خدائے ذوالجلال کی حمد وسپاس سے مملو ہیں اور ہماری زبانیں اس کی نوازشات اور کرم فرمائیوں کے بیان میں رطب اللسان ہیں:

شکر نعمت ہائے او چنداں کہ نعمت ہائے اُو[۲]

حضرت امیر حزب اللہ مدظلہ العالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اس موقع پر حسبِ معمول سابق "خطبۂ صدارت" پڑھا جائے، چناں چہ بندہ اسی حکم کی تعمیل کے لیے آپ کے سامنے حاضر ہوا ہے۔ یہاں یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبۂ صدارت فی الحقیقت حضرت امیر وامت برکاتہم کے جذبات کا ترجمان اور آپ کے پاکیزہ خیالات کا آئینہ ہے۔ بل کہ یہ کوشش کی گئی ہے کہ اس خطبہ میں الفاظ بھی آپ ہی کے استعمال ہوں۔ اور ان کے بیان کردہ ارشادات گرامی کا صحیح مفہوم اُدا ہو۔ اس لحاظ سے یہ خطبۂ صدارت فی الحقیقت حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہ کا خطاب سمجھیے، بیان آپ کا ہے اور زبان میری ہے۔ بندہ کی حیثیت ایک قاری اور مبلغ یعنی پڑھ کر پیغام پہنچانے والے کی ہے۔ گویا:

انھی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی
انھی کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

حزب اللہ کے منظر وپس منظر پر ایک عبرانی نظر[۳]

آں کہ دل ہارا ہمی آرد بہ وجد
باز گو از نجد و از یارانِ نجد[۴]

مسلمانوں کا ماضی بلا ریب شان دار روایت کا حامل اور محیر العقول واقعات پر مشتمل نظر آتا ہے۔ اور ہمارے اسلاف کرام نے اپنی عبادت وریاضت، سیر چشمی وقناعت، توکل واستقامت، اولوالعزمی وشجاعت، حکمت ومعرفت، شرافت ونجابت، بلند ہمتی وبلند خیالی، غریب پروری ومسکیں نوازی، ایثار وقربانی، تواضع و انکساری، غیرت وخودداری، ضبط علی النفس اور جہاد بالنفس، خواہشات پر قابو اور جذبات پر غلبہ، اقتصادیات سے واقفیت اور معاشیات پر عبور، طرز بود وماند اور طریق معاشرت کا حسن وخوبی، امور ملکی اور سیاسی سے کماحقہ واقفیت، جہاں بانی وجہاں گیری کا صحیح ملکہ، قیام امن کا پورا سلیقہ، غرض کہ ایک طرف خداوند جہاں کے عائد کردہ فرائض کی مکمل تکمیل اور دوسری طرف مخلوق کے حقوق کی پوری حفاظت جس طریق سے کی ہے۔ وہ اپنے پرائے سب سے دادِ تحسین لے چکی ہے اور ان کے شان دار کارناموں اور قابل فخر کردار کے تذکرہ سے تاریخ کے اوراق

مزین ہیں۔

اقوام عالم میں آپ کو کوئی قوم ایسی نظر نہیں آئے گی۔ جو بہ یک وقت اتنے محاسن اور اتنی خوبیوں کا مجموعہ بن چکی ہو مگر...... آہ!!! انھی اسلاف کے اخلاف اور انھی بزرگوں کی اولاد اپنے آباؤ اجداد کے برعکس ہزاروں عیوب اور سیکڑوں برائیوں میں مبتلا ہوگئی۔ مسلمان ہونا گویا اس امر کے مرادف بن گیا کہ انسان بدعہد، بداخلاق، دروغ گو، نفسانی خواہشات کا غلام، جذباتِ رذیلہ کا محکوم، خودغرض، فریب کار، دھوکہ باز، بے ادب و گستاخ، کام چور اور بے کار، محرکات شرعیہ کا مرتکب اور اللہ تعالیٰ کے احکام پسِ پشت ڈالنے والا، مخلوقِ خدا کے ساتھ برائی سے پیش آنے والا، ماں باپ کا عاق، بھائیوں کا دشمن، مسکینوں اور غریبوں پر ظلم کرنے والا، حرام کا مال بے ڈکار ہضم کرنے والا، نالہ یتیم و آہ بیوہ سے نا آشنا، عذاب و ثواب کا عملی منکر، رسومات و بدعات کا پابند، خرافات میں کھو جانے والا، فضول خرچ اور عیاش، کم ہمت اور بزدل، قوتِ ارادی سے عاری، خودداری کے مفہوم سے نا آشنا، سب سے بڑھ کر غلامانہ ذہنیت رکھنے والا، دنیا بھر کی ابلیسی اور اہرمنی طاقتوں کا غلام، ایک احکم الحاکمین سے بغاوت کرنے والا۔ مگر ہر ذی اقتدار کا حکم ماننے والا، اور ہمہ قسم عیوب و نقائص کا مجموعہ نظر آئے۔[۵]

امت مسلمہ مذکورہ بالا الفاظ کی ''صحیح تصویر'' بن چکی تھی، قوم کی بے رہ روی اور غلط اقدامات ایک مسلمہ حقیقت کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ کلمہ طیبہ پڑھنے والوں کا اخلاقی انحطاط، اقتصادی تنزل و روحانی پستی، سیاسی بے شعوری، اسلام سے بعدیت اور تعلیماتِ شرعیہ سے بے گانگی اصحاب بصیرت و امعان اور قومی درد سے بھرے ہوئے دلوں کو خون کے آنسو رلانے والے تھے۔

بیمار قوم کے سرہانے بیٹھ کر رونے اور رلانے والے بہت تھے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ رہی تھیں۔ آہ و بکا، نالہ وشیون کی صدائیں آسمان تک پہنچ چکی تھیں۔ مگر ایسا کوئی نہ تھا جو اپنے مختل شدہ حواس کو درست کر کے اور صبر وضبط سے کام لے کر مریض قوم کے علاج معالجہ کی عملی تدابیر اختیار کرتا۔ ناصحین مشفقین قطار در قطار آئے انھوں نے مسلمانوں کے اندر پیدہ شدہ عیوب و نقائص اور خرابیوں، غلطیوں اور کوتاہیوں پر ''لے دے'' کی۔ آوازے کسے، نکتہ چینیاں کیں، حرف گیری سے کام لیا۔ مگر کسی سے یہ نہ ہو سکا کہ ان کی اصلاح یا درستی کر سکتا اور غلط رو قوم کی صحیح رہ نمائی۔ حالات بڑے مایوس کن، حوصلہ شکن اور صبر آزما ہو چکے تھے اور تنقید و تبصرہ کرنے والوں نے ''علی وجہ البصیرت'' یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ اندریں حالات مسلمان قوم کا بہ حیثیت القوم زندہ رہنا یا اقوام عالم کے تسابق و تقابل میں قائم رہنا ازقبیلِ محالات ہے۔[۶]

ضرورت اس بات کی تھی اور وقت کا تقاضا پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ کوئی دردمند اُٹھے اور مسلمانوں کی

پریشاں حالی و درماندگی کا چارہ ساز بنے۔ کوئی ''مردِ خدا'' آئے اور راہ راست سے بھٹکی ہوئی قوم کی رہ نمائی کرے۔ کسی ایسے ''مسیحا نفس'' کی ضرورت تھی جو اس جاں بلب ملت کی شریانوں میں اپنی مسیحا نفسی سے زندگی کی لہر دوڑا دے۔ ایسا ''مردِ مومن'' جو خاتم النبیّین حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیواؤں کو اخوت کا درس دے اور انھیں ''نیک اور ایک بننے'' کی دعوت دے کر ایسے آڑے وقت میں امت مرحومہ کے پریشاں شیرازہ کو مضبوط اور استوار کر دے۔

امیر حزب اللہ مدتوں اس خلجان میں مبتلا رہا اور قوم کی بگڑی ہوئی حالت کو دیکھ کر کانٹوں کے بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ اپنے آپ پر نظر ڈالتا تو اپنی خامی، نا قابلیت اور ہیچ میرزی کو دیکھ کر خاموش رہ جاتا۔

خداوند کریم کی شان بے نیازی کے قربان جایئے جس نے تمام خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود اس فقیر کو ملت کی اصلاح کے لیے منتخب فرمایا اور اس دور قحط الرجال میں وہ کام جو خدا کے برگزیدہ انبیائے کرام، رُسل عظام اور علماو صلحائے امت خیر الانام سے لیا جاتا ہے، میرے سپرد کر دیا گیا اور میری بصیرت کی آنکھوں کو ایسا خوش گوار نظارہ اور روح پرور منظر دکھایا گیا کہ میرا دل اطمینان سے بھر گیا اور میری روح مسرت سے بھرپور ہوگئی۔ مَیں نے اللہ کریم کی ہدایت و رہ نمائی کے مطابق اس کی عطا کردہ توفیق سے اس تحریک کا آغاز کیا جو ''حزب اللہ'' کے الہامی نام سے موسوم کی گئی۔ [۷]

حزب اللہ کا حقیقی نصب العین

مردِ مومن غیر حق رابندہ نیست پیش فرعونے سرش افگندہ نیست [۸]

حزب اللہ کا ''مطمحِ نظر'' اور اس کا ''حقیقی نصب العین'' بکرات و مرات واضح کیا جا چکا ہے اور کسی مصلحت وقت، تقاضائے زمانہ، حالات کی موافقت یا ناموافقت کی پروا نہ کرتے ہوئے امیر حزب اللہ بھری مجلسوں میں ہزاروں سامعین کے سامنے بلا لومتہ لائم کھلے لفظوں میں لگی لپٹی بغیر یہ اعلان کر چکا ہے اور پھر اس زمانہ میں جب کہ برطانیہ کا راج تھا، انگریز کی حکومت تھی اور کافروں کا غلبہ داستیلا جب کہ سچی بات کہنا ایک جرم تھا نا قابل عفو، حق کی آواز بلند کرنا منصور حلاج کی طرح سولی پر چڑھنے کی دعوت تھی اور اللہ کا نام لینا اور اس کی حکومت کا تذکرہ آپ کو قانون مروجہ کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے کے مرادف۔ اکبرالہ آبادی نے فرمایا تھا کہ:

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

بہ ایں ہمہ اس قدوس بندہ نواز، اس منعم حقیقی اور اس متصرف کامل کا یہ ایک احسان عظیم اور بہت بڑی شفقت وعنایت تھی کہ اس نے اس فقیر کو جرأت و جسارت بخشی، میرا حوصلہ بڑھایا اور اس امر کی توفیق عطا فرمائی کہ مَیں زمین کفر والحاد میں اس کا پیارا اور مقدس نام بلند کروں اور طاغوتی طاقتوں، اہرمنی قوتوں اور ابلیسی اقتدار کی موجودگی میں حکومت الٰہیہ کی صدائے دل نواز زبان سے نکالوں اور اِنَّ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ [9] ''وعظ یوسفی'' لوگوں کے کانوں تک پہنچاؤں۔

اعلان بالکل واضح اور غیر مبہم تھا کہ ایک مسلمان اگر صحیح معنوں میں کلمہ توحید پڑھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والا ہے اور توحید و رسالت کا اقرار کرنے والا، تو اس کا ایمان راسخ نہیں ہوگا، اس کا عقیدہ کامل نہیں ہوگا اور وہ کبھی سچا موحد اور مخلص مومن نہیں کہلائے گا جب تک وہ سارے جہان کا ''باغی'' ہو کر ایک ذاتِ مطلق وحدہٗ لاشریک کا وفادار نہیں بنے گا۔ جب تک ہر مادی شئے اور فانی چیزوں سے منھ موڑ کر وہ ایک حقیقی اور غیر فانی طاقت کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرے گا اور فرط عجز و انکسار سے جھک نہیں جائے گا، اور جب تک ظاہری، حاکم، انسانی حکومتوں اور خود ساختہ ارباب حل وعقد کے پنجۂ جبر و استبداد اور دستِ تظلم سے چھٹکارا حاصل کر کے غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر اَنْدَادًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَاَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کی گرفت سے آزاد ہو کر ایک ہستی واجب الوجود اور ایک قائم بالذات حی و قیوم مالک الملک کا طوق غلامی اپنے گلے میں اور آویزۂ محکومی اپنے کانوں میں نہیں ڈالے گا۔

ہر مجلس اور ہر محفل اور ہر مجمع میں یہ پیغام پہنچایا کہ انسان کے اندر قدرت نے جو گوناگوں قابلیتیں اور بوقلموں صلاحیتیں پیدا کر رکھی ہیں، اسے شرف ومجد کا جو منصب رفیع عطا ہوا ہے اور اسے تکریم و تعظیم کا قیمتی خلعت پہنایا گیا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دنیا کی ہر مخلوق پر اپنا تصرف و اقتدار قائم کرے۔ نباتات، جمادات اور حیوانات سب پر اپنی حکومت کا سکہ بٹھائے، سورج کو اپنا تابع سمجھے اور چاند کو فرماں بردار، ستاروں کو مطیع و منقاد جانے اور سمندروں کو اپنی مرضی کے مطابق کھنگال ڈالے۔ دریاؤں کی روانی میں اس کا دست تصرف کارفرما ہو آگ کو وہ خود ہی جلائے اور اس کی تمازت وتپش سے اپنے کام چلائے۔

بادل اس کے لیے برسیں اور تھم جائیں۔ ہوائیں اس کے زیر تسخیر ہوں اور فضائیں اسی کے زیرِ ملکیت۔ تمام حیوانات اس کی خدمات بجا لائیں اور نباتات اسی کی مرضی کے تحت اپنا عمل جاری رکھیں۔ غرض یہ کہ قادر مطلق کی تمام مخلوق ارضی وسماوی اس حضرت انسان کی خدمت لگی رہے بل کہ فی الحقیقت وہ لگی ہوئی ہے اور فرمانِ خداوندی وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [10] یعنی زمین وآسمان کی تمام چیزیں تمھارے لیے مسخر کر دی گئی ہیں۔ اس مبینہ حقیقت کا شاہد عادل ہے۔ اور وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

دَائِبَیْنِ ط وَسَخَّرَلَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ ط[۱۱] یعنی چاند اور سورج، دن اور رات کو تمھارے لیے مسخر کر رکھا ہے۔ گواہِ ناطق!

ابرو باد ومہ خورشید و فلک درکار اند
تاتو نانے بہ کف آری و بہ غفلت نہ خوری
ہمہ از بہر تو سر گشتہ و فرماں بردار
شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری[۱۴]

حضرتِ انسان کو کسی چیز سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ جب کہ تمام کائنات پر اسے قدرت نے غلبہ واستیلا بخشا ہے۔ اسی طرح اپنی جنس یعنی انسان کے سامنے بھی اس کی وہ گردن جسے صرف اللہ کے سامنے جھکنے کے لیے بنایا گیا ہے، خم نہیں ہونا چاہیے۔ جب کہ بہ حیثیت انسان سب کے سب برابر اور مساوی ہیں اور اپنے خالق و مالک کے یکساں محتاج۔ پھر ایک شخص دوسرے کے سامنے بے کسی اور ذلت کا اظہار کیوں کرے؟

ہاں! انسان کے دل میں اگر خشیت پیدا ہونی چاہیے اور اگر اسے ڈرنا چاہیے تو اس جبار وقہار سے جس کے قبضۂ قدرت اور دستِ تصرف میں ہر چیز ہے اور جس کی ہمہ رسی اور ہمہ گیری کی یہ کیفیت کہ ذرہ بھی اس کے اذن و حکم کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔ جو خَالِقِ الْکَائنات بھی اور مُدَبِّرُ الْاَمْرِ بھی، جس نے صرف تخلیق عالم ہی نہیں کی بل کہ اس کی ربوبیت اور پرورش کا کام بھی اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ ایک ایسی قادر مطلق ہستی، عدیم المثال ذات پاک اور غَالِبٌ عَلٰی کُلِّ اَمْرِہٖ[۱۳] حاکم سے خائف ہونا، مرعوب رہنا اور اس کی رضا کے حصول کی خاطر اپنا آپ وقف کر دینا انسانی فطرت، تقاضائے بشریت اور اقتضائے آدمیت کے عین مطابق ہے۔

آخر ہم ایسے بادشاہوں کی رعایا کیوں بنیں جنھیں ثبات واستقلال نصیب نہیں، جنھیں غنیم آ کر تخت سے اُتار دیتا ہے۔ جو شکست خوردہ ہو کر جلا وطن ہو جایا کرتے ہیں اور جن کی زندگی حضرت ملک الموت کے رحم و کرم پر ہے۔ جن کے ملکوں میں بغاوتیں ہوتی ہیں، بدامنی ہوتی ہے، سول نافرمانی ہونے لگتی ہے مگر وہ کچھ نہیں کر سکتے اور خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے ہیں۔

نہیں نہیں! ہم ایسی زوال پذیر حکومتوں، ایسی فانی طاقتوں اور کم زور بادشاہوں کی غلامی نہیں کریں گے بل کہ سب سے بغاوت کر کے، سب سے سرکش ہو کر اور سب سے اعراض وروگردانی کر کے ایک ایسی طاقت کے سامنے جھک جائیں گے، اپنے سر نیاز خم کر دیں گے اور اپنی پیشانی اس کے آستانِ جلال وقدس پر رکھ دیں گے جسے کبھی فنا نہیں، جس کی حکومت کبھی زوال پذیر نہیں ہو سکتی اور جسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بقا اور دوام حاصل

ہے۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَالسَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ حَنِیْفًا [۱۴]

ترجمہ: مَیں اپنی تمام توجہات کو یکسو ہو کر زمین و آسمان کے بنانے والے کی طرف لگاتا ہوں۔

اسلام نے یہی تعلیم اپنے متبعین کے سامنے پیش کی۔ جس کے نتائج اس عملی صورت میں برآمد ہوئے کہ عرب کے غیر متمدن، غیر مہذب اور عجمی تکلفات سے ناآشنا لوگوں نے ایک ذات جامع الصفات علیہ الف الف تحیات کی زیر قیادت و رہ نمائی، اللہ تعالیٰ کی حکومت کا حلفِ وفاداری اٹھایا۔ قیامِ حکومت الٰہیہ کی خاطر اپنا تن، من، دھن نچھاور اور قربان کر دیا۔ مئے توحید سے سرشار اور شراب محبت الٰہی سے سرمست اور دیوانے ہو کر بڑھے اور اس زمانہ کی جابر و قاہر قیصرؔ و کسریٰؔ کی حکومتوں اور سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور تاج خسروی اپنے سر پر رکھ کر تخت شاہی کو زینت بخشی :

بوریا ممنونِ خواب راحتش
تاج کسریٰ زیر پائے اُمتش [۱۵] (اقبال)

مگر ہوس ملک گیری و خواہش استعماران کے پیش نظر نہیں تھی وہ تو صرف انسانی بادشاہت کی جگہ اللہ کی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق سلطنتوں پر قابض ہو گئے تو ان کی جبین نیاز جس طرح ایک ٹوٹی چٹائی پر سجدہ ریز تھی، رومن امپائر کے تخت پر بیٹھ کر اور ایرانی وساسانی دولت کے مالک ہو کر بھی پیشانی اللہ کے آستان جلال پر گھستی رہی اور دنیاوی عروج و کمال ان کی اس وفادارانہ ذہنیت پر کوئی ناخوش گوار اثر نہ ڈال سکا۔

یہ فقیر اس مسئلہ کو نہ سمجھ سکا کہ ہم رعایا تو ہوں احکم الحاکمین کی اور اطاعت و فرماں برداری کریں طاغوت کی۔ ہر نماز کی ہر رکعت میں اللہ تعالیٰ سے یہ اقرار کریں کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْن [۱۶] یعنی ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی سے مدد چاہتے ہیں اور ہماری عقیدت اور اطاعت کے رشتے استوار ہوں۔ ابلیسی قوتوں اور اہرمنی طاقتوں سے اور مدد و استعانت کے لئے بھی ہم انھی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں [۱۷]

غرض یہی خیالات و جذبات تھے جن کے زیر اثر امیر حزب اللہ نے حضور مخبر صادق خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان مبارک کہ سب سے اچھا عمل یہ ہے کہ ''ایک مسلمان کلمۃ الحق یا سچی

بات ایک جابر بادشاہ کے روبہ رو کہنے سے نہ ہچکچائے کے مطابق حکومتِ الٰہیہ کا اعلان کر دیا۔ یہی چیز ہماری جماعت حزب اللہ کا نصب العین ہے اور ہماری تحریک کا ''مطمح نظر'' اسی کے حصول کی خاطر امیر حزب اللہ نے مسلمانوں کو طاغوت سے بغاوت اور اللہ سے وفاداری کا پیہم درس دیا اور ''رضا کارانِ حزب اللہ'' کی بھرتی شروع کی تاکہ حالات مساعد ہونے پر خروج کیا جائے یعنی وہ کام جو ۱۸۵۷ء کے غدر یا صحیح معنوں میں ''جہاد حریت'' اور تحریک مجاہدین کے وقت تشنہ تکمیل رہ گیا تھا اسے پورا کیا جائے اور اپنے ملک کو انگریز کی غلامی سے آزاد کرایا جائے۔

ابھی اس جہادِ عظیم کی تیاری شروع تھی، کئی ایک موثر اور قابل عمل سکیمیں پیش نظر تھیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور شفقت نے پاکستان کی شکل اختیار کر لی اور پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں کے سر پر حکومت اور بادشاہت کا تاج رکھ دیا گیا اور سیاسی و ملکی حالات سے مجبور ہو کر انگریز بہ یک بنی و دو گوش برصغیر ہند کو دو حصوں میں تقسیم کر کے باچشم گریاں و دل بریاں ولایت چلا گیا اور ان شاء اللہ اس کا منحوس قدم فاتحانہ حیثیت سے پاکستان میں پھر کبھی نہیں آئے گا۔ یہ سودا ہمیں سستا تو نہیں پڑا اور اس خلفشار اور تبادلہ آبادی میں مسلمانوں کو جو قربانیاں دینی پڑی ہیں، ان کا بے گناہ خون جس بے دردی سے بہایا گیا ہے۔ مسلمان بیویوں کی جو عصمت دری ہوئی ہے۔ مسلمان معصوم بچوں کو جس بے دردی، بے رحمی اور وحشیانہ طریق سے ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا ہے۔ یہ وہ ناسور ہیں جو ہمارے دلوں سے کبھی مندمل نہیں ہو سکتے اور یہ وہ خوں چکاں زخم ہیں جن کا اندمال مرورِ ایام سے بھی نہیں ہو سکے گا۔

بایں ہمہ اس تصویر کا روشن پہلو بھی تھا کہ ہمیں انگریز کی غلامی سے نجات ملی اور ایک وسیع وعریض اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی گئی جو اپنے وسیع رقبہ اور کثیر آبادی کے اعتبار سے سارے ممالک اسلامیہ سے بڑھ چڑھ کر ہے اور ساری اسلامی ریاستوں اور حکومتوں کا مرجع و مآل۔ اللہ کریم اسے حوادث دہر سے محفوظ رکھے۔ اور شر مخالفین و معاندین اور حاسدین سے محفوظ۔ آمین![۱۸]

حزب اللہ کی دینی، ملی اور ملکی خدمات

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکے تو وہ لہو کیا ہے؟[۱۹]

سب سے بڑا کارنامہ : اس تحریک کا سب سے بڑا کارنامہ مسلمانوں کی بگڑی ہوئی ذہنیتوں کی اصلاح، درستی اور رسومات و بدعات اور خرافات میں مبتلا قوم کو ان مذمومہ اخلاق سے نجات دلا کر اس کی صحیح رہنمائی

کرنا ہے۔ شہروں اور مشہور بلدات میں یہ کام بہی خواہان ملت اور قوم کے ہمدرد رہ نما باحسن طریق انجام دے رہے تھے۔ جن کے خوش گوار اور حوصلہ افزا نتائج برآمد ہو رہے تھے لیکن امت مرحومہ کی کثیر التعداد ان پڑھ، سیاسی و دینی شعور سے محروم اور اصلاحات سے ناواقف محض۔ دیہاتی آبادی کا کوئی پرسان حال نہیں تھا حالاں کہ متمدن و مہذب شہروں کی نسبت یہ لوگ صحیح رہ نمائی کے زیادہ محتاج تھے۔ تحریک حزب اللہ نے اپنے دیہاتی بھائیوں کی اصلاح و درستی اور تنظیم کا بیڑا اٹھایا اور اپنی پیہم کوششوں اور شبانہ روز کی مسلسل جدوجہد میں وہ بفضلہٖ تعالیٰ اس میں خاصی کامیاب ہوئی :

چو حزب اللہ را آغاز کردیم
مسلماں را مسلماں باز کردیم[۲۰]

دعوتِ جہاد : دعوتِ جہاد اور اس کے تاثرات نے قوم کی کایا پلٹ دی۔ مدت کا فراموش شدہ ''فریضہ'' جب نہایت جامعیت اور استدلال کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا گیا تو پہلے انھوں نے اسے سن کر حیرت و استعجاب کا اظہار کیا لیکن پھر اسے حسن قبول کے ہاتھوں لیا اور اس کے بعد آج تک ماشاءاللہ جہاں جہاں یہ صدائے حق پہنچی ہے وہاں کے مسلمان جہاد کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگانے پر آمادہ ہیں۔ جس کے عملی مناظر کشمیر کے میدانِ جنگ میں سامنے آ چکے ہیں۔

ہر قسم کی ملی خدمت : حزب اللہ نے اپنے اس سینتیس سالہ دور تحریک میں کسی بھی مہتم بالشان اسلامی معاملہ یا مطالبہ سے اعراض چشم پوشی نہیں کی اور جس وقت بھی کوئی اہم ترین اسلامی مسئلہ درپیش ہوا، اس پر پوری توجہ مرکوز کی گئی اور ایسے ہر معاملہ میں پیش قدمی دکھلائی گئی اور ہمیشہ سرگرمی سے کام لیا گیا۔

قیامِ پاکستان اور حزب اللہ : جب قیام پاکستان کا سوال پیدا ہوا اور مسٹر گاندھی اور قائداعظم مرحوم کے جداگانہ پیش کردہ نظریات کی تصدیق و تردید کے لیے اس وقت کے گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن نے صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے نتائج پر تمام دار و مدار کا انحصار کر دیا تو امیر حزب اللہ نے اپنی ذاتی اور جماعتی مساعی جمیلہ بل کہ تمام تر امکانی کوششوں کو محض اسلام کی عزت اور مسلمانوں کی آبرو کی خاطر، امیدوارانِ مسلم لیگ کے لیے وقف کر دیا اور بحمداللہ کہ ہمیں اپنے حصولِ مقصد میں خاطر خواہ کامیابی نصیب ہوئی اور یونینسٹ حکومت کا دباؤ، کانگریس کا روپیہ اور ہندوؤں کی تگ و دو مسلمان کے عزم راسخ کو شکست نہ دے سکے۔

یہ امر یقینی ہے کہ اگر یہ فقیر اور میرے نقش قدم پر چلنے والے اکثر مشائخ عظام اس موقع پر مسلم لیگ کا ساتھ نہ دیتے تو اس کی کامیابی ''امر محال'' تھی۔ اور ناکامی کی صورت میں ''پاکستان کا خواب'' کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوتا۔

سول نافرمانی : ازاں بعد جب مسلم لیگ نے مقاومت مجہول یا سول نافرمانی کا اعلان کیا تو باوجود یہ کہ ہماری جماعت اور مسلم لیگ میں نظریاتی لحاظ سے بُعد المشرقین تھا۔اس فقیر نے محض ایک اسلامی ہیئت خا کہ رکھنے والی جماعت کے ننگ و ناموس کی برقراری کے لیے عملاً اس کا ساتھ دیا اور عائد شدہ دفعات کو توڑ کر عامتہ المسلمین کے سامنے ایک بہترین اور قابل تقلید مثال پیش کی۔

جہادِ کشمیر : جہاد کشمیر میں ہماری جماعت کے تقریباً ایک ایک ہزار رضا کاروں نے دو دفعہ حصہ لیا اور سردی کے ٹھٹھرے ہوئے موسم میں کرناہ کے یخ بستہ محاذ پر دادِ شجاعت دی۔اسی طرح ٹیٹوال کے محاذ پر پورے چار مہینے نہایت جواں مردی، شجاعت اور بسالت سے باقاعدہ ایک منظّم فوج کی صورت میں کشمیر کے تحفظ و بقا کی خاطر لڑتے رہے۔

جہادِ فلسطین : سرزمین مرسلین ارضِ مقدس فلسطین میں مظلوم مسلمان عرب بھائیوں کی حمایت اور ظالم و خوں خوار یہودیوں کے خلاف مجاہدانہ اقدام کی غرض سے امیر حزب اللہ نے اس وقت کی پاک حکومت کو اپنے رضا کاروں کی ایک کثیر تعداد کی پیش کش کی جو مذکورہ مقصد کے لیے اپنے عرب بھائیوں کے دوش بہ دوش جہاد فلسطین میں حصہ لینے کے لیے بالکل مستعد تھے مگر حکومت نے غالبًا بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ان کی خدمات سے استفادہ مناسب نہ سمجھا۔

مسئلہ ختم نبوت : ۱۹۵۳ء میں جب شمع رسالت کے پروانے ختم نبوت کے مسئلہ پر اپنی فدا کاری اور محبت رسول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عملی ثبوت دے رہے تھے اور اس گئے گزرے زمانے میں قرونِ اولیٰ کے جاں فروش اور جاں نثار مسلمانوں کی یاد تازہ کر رہے تھے اور حکومت کے اربابِ بست و کشاد کی بے تدبیری اور عدم تدبر نے اس معاملہ کو انتہا درجہ تک نازک بنا دیا تھا۔ باوجود یہ کہ کسی دوسری اسلامی جماعت سے ہمارا کوئی معاہدہ نہیں تھا اور اپنا ایک علاحدہ نظام ہونے کی بنا پر ہم کسی جماعت کے ماتحت بھی نہیں تھے۔لیکن سوال چوں کہ حضور خاتم النبین روحی فداہ کی عزت و ناموس کا پیدا ہو گیا تھا۔ادھر حکومت اس غلط فہمی میں پڑی ہوئی تھی کہ یہ کوئی ملی وقومی مسئلہ نہیں بل کہ محض چند خصوصی افراد کی بپا کردہ ایک ''شرارت'' ہے اور فی الحقیقت عامتہ المسلمین کو اس تحریک سے کوئی ہمدردی نہیں۔ امیر حزب اللہ نے اپنے ضمیر کی آواز اور حمیت اسلامی اور محبت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے مقدس جذبہ کے ماتحت اپنے آپ کو اس جرم (ختم نبوت ایجی ٹیشن) کی پاداش میں گرفتاری کے لیے پیش کر دیا اور جلال پور سے جہلم پہنچ کر مسئلہ ختم نبوت اور اس کے عوامل وعواقب پر ایک پُر زور تقریر کی۔ پھر سارے شہر میں ایک زبردست جلوس کے قائد کی حیثیت سے گشت کی، اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بل کہ جہلم ہی میں عارضی کیمپ قائم کر کے دوسرے دن سے رضا کاران

حزب اللہ کے وفود قید و بند کی خاطر بھجوانے شروع کیے۔

یہ الگ بات ہے کہ اس وقت کی حکومت نے ہماری گرفتاری کو اس لیے پسند نہ کیا ہو کہ اس طریق سے عامتہ المسلمین کی ہمدردیاں مزید بڑھ جائیں گی اور حکومت کے لیے مزید مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ لیکن اس فقیر نے اس وقتی ضرورت کا پورا احساس کیا اور عواقب و نتائج سے لاپرواہ ہو کر اپنے آپ کو اور اپنی جماعت کو اظہارِ وفاداری و غلامی کی خاطر بارگاہ خاتم النبیّین علیہ الصلوۃ والتسلیم میں حاضر کر دیا:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی[۲۱]

بیان کردہ اور ہم چو قسم شان دار کارناموں سے حزب اللہ کی تاریخ بھری پڑی ہے۔[۲۲]

حزب اللہ اور سیاست[۲۳]

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی[۲۴]

بعض اربابِ بصیرت اس پر معترض ہیں کہ امیر حزب اللہ بعض علماء کے نزدیک شجر ممنوعہ سیاست میں دخیل کار ہوتا ہے حالاں کہ یہ چیز اس کے منصب مشیخت و علمیت کے منافی ہے اور ایک مذہبی انسان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ دنیاوی معاملات اور ملکی حالات سے سروکار رکھے۔

اعتراض کی نامعقولیت صرف اس بات سے ظاہر ہے کہ اسلام کو سیاست سے الگ سمجھا گیا ہے۔ حالاں کہ **السیاست فی السلام** کے موضوع پر اب کسی بحث و تکرار کی ضرورت نہیں۔ اسلام عین سیاست ہے اور سیاست عین اسلام:

سالہا اندر حرا خلوت گُزید
ملک و آئین و حکومت آفرید[۲۵]

مگر یہاں سیاست سے مراد نظم و نسق، امورِ ملک، جہاں بانی و جہاں گیری، طور طریقے اور معدلت گستری و عدل پروری کے اسلوب و انداز ہیں۔

ہاں! اگر سیاست آج کل کی ڈپلومیسی Diplomacy دوغلی پالیسی، فریب کاری اور دھوکہ بازی کا نام ہو تو ایسی سیاست سے اسلام کا کوئی واسطہ نہیں اور ایسے چالاک، عیار اور مکار ''سیاسیئین'' کی مسلمانوں کے ہاں باریابی اور وقعت و منزلت نہیں ہو سکتی۔

بعض تنگ نظر علما اور بے ہمت مشائخ نے دیدہ دانستہ مسلمانوں کو اس بہ ظاہر خار دار مگر در حقیقت گل زار میں آنے سے روک رکھا تھا۔ اس نے اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے سیاست کے صحیح خدوخال مسلمانوں کو دکھلا دیے اور یہ ظاہر کر دیا کہ اسلامی سیاسیاست حزب اللہ کا جز ولاینفک ہیں۔ چناں چہ خدائے ذوالجلال کا شکر ہے کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی۔ اور ہماری دعوت سے متاثر و متعلق دور افتادہ مقامات اور دیہات کے مسلمان بھی سیاسی معاملات میں ایسی ہی دل چسپی لے رہے ہیں جس طرح کہ یہاں کے کلمہ گو بھائی۔[۲۶]

آئندہ انتخابات اور حزب اللہ

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط[۲۷]

ترجمہ: اللہ کے وہ بندے جنھیں ہم اگر زمین میں حکومت و اقتدار عطا کریں تو وہ نمازوں کو قائم کریں اور ادائے زکوۃ کا انتظام کریں اور ہر اچھائی کا حکم دیں اور ہر برائی کی ممانعت کریں۔

بنیادی جمہورتیوں کے انتخابات اب قریب تر ہیں اور ان کا بازار گرم ہو رہا ہے۔ اندریں حالات از بس ضروری ہے کہ رائے دہندگان کو ان کے فرائض سے آگاہ کیا جائے اور قیادت صالح کی طرف عامتہ المسلمین کی توجہات کا انعطاف کرایا جائے جب کہ ووٹ ملک و ملت کی مقدس امانت ہے اور ارشاد خدوندی:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا[۲۸]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انھیں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں۔

کے مطابق اس کی مناسب اہلیت و استحقاق رکھنے والوں ہی کے سپرد ہونی چاہیے۔ دھڑا بندی، فرقہ پرستی، رشتہ داری اور ظاہری تعلقات و ان کے طفیل نااہل، ناقابل اور غیر مستحق اشخاص کو ووٹ دینا ایک سنگین جرم اور قومی خیانت کے مرادف ہے۔ آپ بنیادی جمہورتیوں کے ایسے نمائندوں کو ووٹ دیجیے جن کے دل میں اسلام کا درد، مسلمانوں کی خیر خواہی کے خیالات اور قوم کی فلاح و بہبود کے جذبات موجود ہوں، جو قومی احساسات کا پورا پورا شعور رکھتے ہوں اور ان میں ذاتی اغراض سے قومی اغراض مقدم ہوں۔ تا کہ وہ اسمبلی کی بات میں ایسے نمائندوں کو منتخب کر سکیں جو اجرائے آئین شرعی کے پُر زور موید ہوں۔ قانون خداوندی کو دوسرے تمام قوانین پر ترجیح دینے والے ہوں۔ پاکستان کی تعمیر و ترقی اور عوام کی سود و بہبود کے لیے ہمیشہ

سے کوشاں رہے ہوں اور جن سے آئندہ کے لیے بھی یہ توقعات وابستہ کی جاسکتی ہوں اور غایۃً فی الباب یہ کہ ان کا ضمیر وایمان کسی قیمت پر بھی خریدا نہ جاسکے۔[۲۹]

چند ضروری گزارشات

معزز حاضرین! اختتام کلام سے قبل چند ضروری اور اہم گزارشات پیش کی جاتی ہیں جن پر عمل و کارفرمائی آپ سب کے لیے فوائد و نتائج پیدا کرنے والی ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱۔ آپ اپنی ذہنیتوں کی اصلاح و درستی کریں اور خیالات کو بلند رکھیں اور ارادے مضبوط کہ عزم بلند اور ہمت استوار کے بغیر کامیابی ناممکن ہے۔

۲۔ عبادات میں انہماک اور معاملات میں راست شعاری اور دیانت داری ایک مسلم کی شان خصوصی ہے جن کے بغیر ایمان کی تکمیل محال ہے۔

۳۔ نہ صرف یہ کہ آپ خود باہمی اتفاق و اتحاد سے رہیں بل کہ دوسرے بھائیوں کو بھی اس کی تلقین کریں، جزوی اختلافات اور فروعی مسائل کو نظر انداز کر کے حفاظت اسلام کے لیے سب کو اتحاد عمل کی دعوت دینی چاہیے۔

۴۔ فریضہ جہاد کی بجا آوری کے لیے پوری تیاری کریں اور اپنے میں بھی روحِ جہاد اور جذبہ شجاعت پیدا کریں۔

۵۔ استحکام پاکستان کی خاطر حکام کے ساتھ پورا تعاون کرنا چاہیے لیکن جہاں کہیں خدا کے بنائے ہوئے کامل قانون اور انسان کے بنائے ہوئے ناقص قانون میں تصادم ہو وہاں آپ اللہ کے قانون کی پابندی کریں۔

٦۔ دفاع کے کام کو صرف فوج کے ذمہ ڈال دینا بہت بڑی غلطی ہوگی۔ پاکستان کے اندر بسنے والے ہر مسلمان کا یہ مقدس فرض ہے کہ وہ اس کی حفاظت کے لیے ہر ممکن عملی تدابیر اختیار کرے اور جنگ کا موقع آجائے تو تہور و شجاعت سے اپنے ملک کے لیے نبرد آزما ہو۔[۳۰]

خاتمہ کلام

معزز سامعین! مَیں آپ سب حضرات کا شکریہ اَدا کرتا ہوں کہ آپ نے ایک ٹھنڈی رات میں

جب کہ آپ کے جسموں کو گرمی اور آرام کی ضرورت تھی۔ میرے خیالات کو گوش گزار کیا۔ خدا کرے کہ جو پیغام حق میرے دل کی گہرائیوں سے نکلا ہے وہ آپ کے دل کی گہرائیوں تک پہنچ جائے اور اس پر عمل پیرا ہو کر آپ دینی اور دینوی، ظاہر اور باطنی، مادی اور روحانی فوائد و ثمرات سے بہرہ ور ہو سکیں۔ آمین!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

....

حواشی

۱۔ المجادلہ ۵۸: ۱۹، ۲۲۔

۲۔ ترجمہ : اس کی نعمتوں کا اتنا شکر ادا کرتا ہوں جتنی کہ اُس کی نعمتیں ہیں۔ (ضرب المثل)
اصل ضرب المثل یوں ہے :

شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تُو
عذر تقصیراتِ ما چنداں کہ تقصیراتِ ما

۳۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو کتاب ''امیر حزب اللہ'' از: ڈاکٹر عبدالغنی ایم۔اے، پی ایچ۔ڈی۔ (شاد فاروقی کی طرف سے دیا گیا حاشیہ)

۴۔ ترجمہ: وہ جو دلوں کو وجد میں لاتا ہے (یعنی) نجد اور یارانِ نجد کا قصہ پھر سے کہو۔
مولانا رومؒ جب محفل میں بیٹھتے تھے تو بات شروع کرنے سے پہلے اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔
(معروف محقق اور نقاد مظہر محمود شیرانی)

۵۔ حزب اللہ کے اغراض و مقاصد، ص ۹، ۱۰۔ (شاد فاروقی کا دیا گیا حاشیہ)

۶۔ خطبہ ۲۵، ص ۸، ۹۔ (شاد فاروقی کا دیا گیا حاشیہ)

۷۔ خطبہ ۲۵ نیز حزب اللہ کے اغراض و مقاصد، ص ۹، ۱۰، ۱۱۔ (شاد فاروقی کا دیا گیا حاشیہ)

۸۔ ترجمہ : مردِ مومن، حق کے سوا کسی کی غلامی قبول نہیں کرتا اور اُس کا سر کسی فرعون کے سامنے نہیں جھکتا۔
اصل شعر یوں ہے :

ماسوا اللہ را مسلمان بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

۹۔ الانعام ۶: ۵۷، یوسف ۱۲: ۴۰ اور ۶۷۔

۱۰۔ الجاثیہ ۴۵: ۱۳۔

۱۱۔ ابراہیم ۱۴:۳۳۔

۱۲۔ ترجمہ: ابر، ہوا، چاند، سورج، آسمان کام میں لگے ہیں تاکہ تو روزی حاصل کرے اور غفلت سے نہ کھائے۔ سب تیرے لیے پریشان ہیں اور تابع دار۔ انصاف کے مناسب نہ ہوگا کے تو (اللہ کا) حکم نہ مانے۔
(گلستان، سعدی شیرازی، شیخ شرف الدین مصلح، مترجم: قاضی سجاد حسین، مکتبۂ رحمانیہ، اُردو بازار، لاہور، سن ندارد، ص ۷)
نوٹ: گلستانِ سعدی میں بہ غفلت کی جگہ بغفلت اور نہ باشد کی جگہ نباشد درج ہے۔

۱۳۔ یوسف ۱۲:۲۱۔

۱۴۔ الانعام ۶:۷۹۔

۱۵۔ ترجمہ: چٹائی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پُرسکون نیند کی احسان مند ہے۔ (اور) نوشیرواں کا تاج آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت کا پامال ہے۔
(اسرار ورموز (اقبال)، مترجم: میاں عبدالرشید، شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ)، لمیٹڈ پبلشرز، چوک انارکلی، لاہور، س ۱۹۹۱ء، ص ۶۰۔

۱۶۔ الفاتحہ ۱:۵۔

۱۷۔ ترجمہ: تو خدا اور دنیا دونوں کا (بہ یک وقت) طلب گار ہے۔ یہ تیرا خیال ہے (جو) ناممکن (بل کہ) دیوانہ پن ہے۔ (رومی)

۱۸۔ خطبہ ۲۵، ص ۱۲ تا ۱۶۔ (شاد فاروقی کا دیا گیا حاشیہ)

۱۹۔ دیوانِ غالب کامل (غالب)، مرتبہ: کالی داس گپتا رضا، انجمن ترقیِ اُردو، پاکستان، اشاعت چہارم، ۲۰۱۲ء، ص ۳۳۲۔
دیوانِ غالب میں یہ شعر یوں درج ہے :

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا، تو پھر لہو کیا ہے؟

۲۰۔ عبدالغنی، ڈاکٹر محمد، امیر حزب اللہ، ادارۂ حزب اللہ، جلال پور شریف، جہلم، طباعت بار دوم، جولائی ۲۰۰۵ء، ص ۳۳۲۔

۲۱۔ بانگِ درا، کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص ۳۱۰۔

۲۲۔ خطبہ ۲۷، ص ۲۱ تا ۲۳ اور تفصیلات کے لیے کتاب امیر حزب اللہ از: ڈاکٹر عبدالغنی ایم۔اے، پی ایچ۔ڈی مطالعہ کیجیے۔ (شاد فاروقی کا دیا گیا حوالہ)

۲۳۔ تفصیلات کے لیے کتاب مذکورہ مطالعہ فرمائیں۔ (شاد فاروقی کا دیا گیا حوالہ)

۲۴۔ بالِ جبریل، کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص ۳۷۳۔

۲۵۔ ترجمہ: کئی سال غارِ حرا کی تنہائی میں گزارے (اور) سلطنت، دستور اور حکومت کی تشکیل کی۔

(اسرار و رموز (اقبال)، مترجم: میاں عبدالرشید، شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ)، لمیٹڈ پبلشرز، چوک انارکلی، لاہور، س ۱۹۹۱ء، ص ۶۰۔

اسرار و رموز میں سالہا سال کی جگہ در شبستاں درج ہے۔

۲۶۔ خطبہ ۲۷، ص ۲۴۔ خطبہ ۱۰، ص ۹۔ (شاد فاروقی کا دیا گیا حوالہ)

۲۷۔ الحج ۲۲:۴۱۔

۲۸۔ النساء ۴:۵۸۔

۲۹۔ خطبہ ۲۷، ص ۴۲، ۴۳۔ (شاد فاروقی کا دیا گیا حوالہ)

۳۰۔ خطبہ نمبر ۲۴، ص ۳۰، ۳۱۔ خطبہ نمبر ۱۸، ص ۳۷۔ (شاد فاروقی کا دیا گیا حوالہ)

◆◆◆

حضرت مولانا ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحب
سجادہ نشین جلال پور شریف و امیر حزب اللہ

کا

خُطبۂ صدارت

جو حزب اللہ کے ۴۳ ویں سالانہ جلسہ میں پڑھا گیا

(۲۱ر اکتوبر ۱۹۶۵ء)

خواندہ و مرتبہ : شاد فاروقی

ادارہ حزب اللہ جلال پور شریف (جہلم)

پیش نظر

پنجاب کی سرزمین نے بڑے بڑے اولیا اللہ پیدا کیے۔ جلال پور شریف ضلع جہلم میں حضرت سند الاولیا قطب العالم سیّد پیر حیدر شاہ صاحبؒ چشتی سلسلہ کے نہایت جلیل القدر ولی اللہ ہوئے ہیں جن کی ذات بابرکات سے فقر وتصوف نے عزت پائی۔

اب حضورؒ کے پوتے حضرت مولانا ابوالبرکات سید پیر فضل شاہ صاحبؒ سجادہ نشین ہیں۔ آپؒ علم و عمل کے میدان کے شاہ سوار ہیں۔ حضورؒ کے چند ایسے مریدین سے بندہ کے ذاتی مراسم ہیں جو اخلاص، محبت اور عقیدت کے مجسمے ہیں۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اس لیے اس حقیقت کے اظہار میں مجھے تردد نہیں ہے کہ حضرت والاؒ سالکین کی روحانی تربیت میں بھی خاص توجہ فرماتے ہیں۔ آپؒ ہی کے بابرکت ہاتھوں سے جماعت حزب اللہ کی بنیاد پڑی۔ ۲/اکتوبر ۱۹۶۵ء کو حزب اللہ کا اڑتیسواں سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ حضور والا کا خطبۂ صدارت جو اسلامی جہاد کی روح کا ایک نہایت روح پرور مرقعہ ہے قارئین سلسبیل کے پیشِ خدمت ہے!

''مدیر''

◆◆◆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط ☆

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَمۡ یَزَلۡ وَلَا یَزَالُ حَیًّا قَیُّوۡمًا عَالِمًا قَدِیۡرًا مُدَبِّرًا سَمِیۡعًا بَصِیۡرًا وَاَلشۡھَدُان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریك له له الملك وله الحمد وَاُکَبِّرُہٗ تَکۡبِیۡرَات واشھداَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا اعَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ الَّذِیۡ اُرۡسِلَ اِلَی النَّاسِ کَآفَّۃً بَشِیۡرًا وَنَذِیۡرًا ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَزۡوَاجِہٖ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا اَمَّابَعۡدُ : فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ O بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ O یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ ھَمَّ قَوۡمٌ اَنۡ یَّبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡکُمۡ اَیۡدِیَھُمۡ فَکَفَّ اَیۡدِیَھُمۡ عَنۡکُمۡ ج وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ط وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ O [1]

مشائخ عظام! علمائے کرام! اور حاضرین والاتمکین!!!

موجودہ وقت ہمارے لیے ابتلا اور آزمائش کا وقت ہے۔ ہندستان کا جارحانہ اقدام اور بےخبری کے عالم میں پاکستان پر بزدلانہ حملہ تاریخ عالم کا ایک انوکھا لیکن سیاہ ترین باب ہے جو اقوام جہاں میں قوم ہنود کے ذلیل ترین اور بدترین کردار کا مظہر ہے۔

رحمتِ خداوندی کے قربان جایئے جس نے ہماری تمام ترکوتاہیوں، غفلت شعاریوں اور بداعمالیوں کے باوجود اپنے حبیب پاک سرور کائنات فخر موجودات رحمتِ عالمیان خاتم النبیّین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقہ میں ہمیں ایک بہت بڑی اور فوق الطاقتہ آزمائش میں کامیاب فرمایا اور ہمارے بدترین اور ذلیل ترین دشمن کو ایک بھرپور شکست دینے کا ہمیں عزم و حوصلہ اور جرأت عطا کی اور پاکستان کو ایک بہت بڑے اور خوف ناک جنگی طوفان کی تباہ کن زد سے محفوظ رکھا :

شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو [2]

☆ ۶ جمادی الثانی ۱۳۸۵ھ بہ مطابق ۲؍اکتوبر ۱۹۶۵ء کو پڑھا گیا۔

گزشتہ اٹھارہ سال سے بھارت نے ہمارے سروں پر جنگ مسلط کرنے کی لاتعداد کوششیں کی ہیں لیکن ہمارے سلامتی پسند رویہ اور صلح جوئی کے مشن نے اسے ناپاک عزائم میں کبھی کامیاب نہ ہونے دیا۔

گزشتہ اپریل میں بھارتی فوجوں کی نقل وحرکت بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی اور یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اگر صدر مملکت پاکستان اپنے بلند حوصلہ اور حُسنِ تدبر سے کام لے کر صلح کی طرح نہ ڈالتے تو بھارت کی طرف سے جنگ چھڑنے میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی۔

ہمارا یہ اندازِ مصلحت کوشی اور طریق امن پسندی کسی کم زوری، خفت یا اندرونی خلفشار کا نتیجہ نہیں تھا اور نہ ہی یہ ہماری عسکری وحربی خامی کی بنا پر تھا بل کہ فی الحقیقت یہ اسلام کی اس پاکیزہ تعلیم کے زیرِ اثر تھا جو اس نے اپنے پیروکاروں کو دی ہے۔

امن پسندی

ہمارا یہ دعوا ہے کہ امن طلبی، صلح جوئی اور مصلحت کوشی کے لیے جو اقدام اسلام نے کیا ہے وہ کسی دوسری قوم یا مذہب سے نہیں ہوسکا۔ کہنے کو تو یہ آسان بات ہے کہ تمھارے گال پر اگر کوئی شخص تھپڑ رسید کرے تو دوسرا گال بھی اس کے سامنے رکھ دو۔ مگر کیا اس نظریہ کے بانی سیّدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں نے کسی زمانہ میں بھی اس پر عمل کر کے دکھایا ہے؟

گاندھی جی کے فلسفۂ عدم تشدد اور اہنسا [۳] کی تعلیم کی دھجیاں میدانِ کارزار میں جس طرح ان کے پرستار اور نام لیوا سپوت بکھیر رہے ہیں، وہ پوری دنیا کی نگاہوں کے سامنے ہے۔

لوگ ذاتی اغراض پر ہمیشہ اصول اور اخلاق کو قربان کر دیا کرتے ہیں۔ جلبِ منفعت، ہوس ملک گیری اور استعمار کے سامنے نالۂ یتیم، آہِ بیوہ اور فریادِ مظلوم کی کوئی شنوائی نہیں اور ایک کی خاطر سیکڑوں ملک برباد کر دینا ایک معمولی بات ہے اور ذاتی اور شخصی اقتدار حاصل کرنے کے لیے ہزاروں بل کہ لاکھوں انسانوں کی خوں ریزی روزمرہ واقعات، جس کی تازہ ترین مثال ہمارے پڑوسی ملک بھارت کا وہ جارحانہ، غاصبانہ اور بزدلانہ اقدام ہے جو پاکستان پر حملہ کر کے اس نے کیا ہے۔ اس قسم کی ذلیل اور کمینہ پنی کی مثال آپ کو پوری دنیا کی تاریخ میں بھی نہیں ملے گی۔

اس سے قطع نظر ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ واقعی اس آسمان کے نیچے اور زمین کے اُوپر بسنے والی کوئی ایسی قوم بھی موجود ہے جس کا نصب العین حقیقی معنوں میں امن پسندی اور صلح جوئی ہو اور مجبور ہو کر کسی سے لڑنے بھی لگے تو اس کا اصل منشا حرب وقتال اور جنگ وجدال نہ ہو بل کہ حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا [۴] کے مطابق جنگ کے خلاف جنگ اور لڑائی کرنا ہو اور مقصود بالذات یہ ہو کہ مظلوم اور پس پا افتادہ اقوام کی اس حد تک حمایت

کی جائے کہ وہ ظالم اور جابر اقوام کی دست برد سے محفوظ رہیں۔

خدا کی زمین کو فسادات اور شرارتوں سے نجات دلا کر اس میں مصالحت اور امن پیدا کیا جائے، تا کہ یہ کرۂ ارض اپنے رہنے والوں کے لیے بجائے نارِ جہنم اور نارِ دوزخ کے گل زارِ جنت بن جائے، چناں چہ اسلامی جہاد کی غرض یہی تھی اور مسلمان محض اس لیے دوسری قوموں سے لڑا کہ وہ شخصیتوں کا وقار قائم کرنے اور اپنا دائرہ حکومت وسیع کرنے کی خاطر لوگوں کو مجبور کیا کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ ہمیشہ یہی نکلا کہ بہ قول بلقیس:

اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ج [5]

کہ بادشاہ جب کبھی ظالمانہ حیثیت سے کسی ملک میں داخل ہوئے وہاں انھوں نے فساد پھیلایا اور شرفا و معززین کی تحقیر و تذلیل کی گئی۔

مسلمان دوسروں پر جبراً تسلط قائم کرنا نہیں چاہتا اور جہاد کا مقصد شخصی اقتدار یا جماعتی تفوق ہرگز نہیں، بل کہ آسمانی حکومت کا قیام اور اللہ تعالیٰ کے قانون کی ترویج و اشاعت ہوا کرتا ہے جس کے واضح نتائج دنیا میں امن، اخوت، مساوات و حریت کاملہ کی شکل میں ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے ان مقاصد عالیہ کے حصول کی غرض سے جو قربانی کی جائے، خدا کا نام بلند کرنے کی خاطر جو اقدام کیا جائے، اس کی حکومت کو دوسری ظاہر حکومتوں پر فوقیت دینے کے لیے جو جد و جہد کی جائے اور اس کے قانون کو دوسرے انسانی خود ساختہ قوانین پر ترجیح دینے کے لیے جو سعی عمل میں لائی جائے گی اس کا اور صرف اس کا نام جہاد ہے۔

جہاد کیوں ضروری ہے

کوئی بھی ذی شعور انسان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ امن کو جنگ پر، صلح کو لڑائی پر اور آرام و سکون کو بے آرامی اور اضطراب پر ترجیح حاصل ہے لیکن بعض اوقات شعور و عقل اور فہم و فراست جنگ کو امن پر، صلح کو کارزار پر، زخم کو مرہم پر اور اضطراب و بے آرامی کو سکون اور چین پر ترجیح دینے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے ایک مثال کو سامنے رکھیے:

ایک ایسا انسان جس کے جسم پر کوئی زہریلا پھوڑا نمودار ہو چکا ہو اور اس کا گندا مواد اس کے خون میں سرایت کر کے اس کے تمام جسمانی نظام کو مسموم اور اس کی بدنی صحت کو تباہ کر رہا ہو۔ علاج کے لیے ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔ ڈاکٹر اس کا علاج آپریشن تجویز کرتا ہے تو وہ شخص اپنی صحت کی بحالی اور جان کی بقا کی خاطر اپنے جسم کا مسموم حصہ کٹوانے پر فوراً رضا مند ہو جائے گا اور اس وقت وہ سلامتی جسم پر زخم کو، مرہم پر نشتر کو اور اندمال پر خون بہائے جانے کو نہ صرف ترجیح دے گا بل کہ ضروری اور لازمی تصور کرے گا۔ اگر تمام جہاں کو ایک برادری تصور کیا جائے تو ایسی اقوام جو اپنی ظالمانہ فطرت اور غاصبانہ ذہنیت کی بنا پر ہر آئے دن پرائے حق پر ڈاکا ڈالنے

اور کم زور اقوام کو دبانے کی فکر میں مبتلا رہتی ہوں اور جوع الارض کی مریض بن کر اپنے ہمسائے ممالک کی زمین پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے لیے شر وفساد پر آمادہ ہو جاتی ہوں۔ وہ قومیں بلاشبہ جسم عالم پر ایک ایسے زہریلے پھوڑے کی حیثیت رکھتی ہیں، جن کا علاج اسے چیرنے پھاڑنے کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا اور پورے جہان کی صحت کی بقا کے لیے اس کا آپریشن ضروری ہو جاتا ہے۔ جو اس کے گندے مواد کو ختم کر کے پوری دنیا کو صحت مند بنا دے اور یہی وہ علاج ہے جس کو حکیم علی الاطلاق خداوند دو عالم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ [٦]

کہ دشمن سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک فتنہ وفساد کا قلع قمع نہ ہو جائے اور جب تک خدا کا قانون کلیۃً دوسرے قوانین پر غلبہ حاصل نہ کرے۔

جہاد کا منظر و پس منظر

اگر تاریخِ اسلام کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو آپ کو حقیقت واضح طور پر نظر آئے گی کہ مسلمان اس وقت لڑائی کے لیے میدان میں نکلا جب اسے اس کے بغیر اور کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ مجھے اجازت دیجیے کہ اس کی وضاحت کے لیے آپ کے سامنے تاریخِ اسلام کے ابتدائی اوراق کا ایک مختصر اور جامع حوالہ پیش کروں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر مشرکین مکہ اور ان کے بڑے بڑے راہ نما حضور خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت میں خلل انداز نہ ہوتے، انھیں ہجرت پر مجبور نہ کرتے، انھیں ظلم و ستم کا نشانہ نہ بناتے اور پھر اسی پر اکتفا نہیں بل کہ مدینہ منورہ پر چڑھائی کر کے وہاں سے مسلمانوں کو نکال دینے کا تہیہ نہ کرتے تو وہ قوم جو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور اس کا نام بلند کرنے کے سوا کوئی غرض لے کر دنیا میں نہیں آئی تھی، اُسے کیا ضرورت تھی کہ کسی سے خواہ مخواہ جھگڑا لڑائی کرنے لگتی۔

مگر جس صورت میں کہ عرب سرداروں کی گم راہی حد سے بڑھ گئی تھی۔ صانعِ عالم و خالق الکائنات کی جگہ انھوں نے خود تراشیدہ بتوں کی پوجا شروع کر دی۔ اس کی وحدانیت وصمدیت کے مقابلہ میں لات ومنات، عزیٰ وہبل کو سراہا جانے لگا اور نعرۂ تکبیر کی بجائے بتوں کے جیکارے بلند کیا کرتے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں نہایت حکیمانہ طور پر فہمائش کی، ان کی بے راہ روی سے انھیں اخلاص آمیز طریق سے متنبہ فرمایا اور خدائے قدوس وقیوم کی عظمت و برتری کو معقول ترین دلائل و براہین سے ثابت کر دکھایا مگر جب ان کی فطرت مسخ ہوگئی ان کے دلوں میں کفر و الحاد کے مرض نے جڑ پکڑ لی اور ہدایت کے تمام راستے ان پر مسدود ہو گئے اور قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہو گیا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم ہو یا

دنیا اصنام پرستی، اوہام پرستی، اغراض پرستی کی لعنتوں میں گرفتار رہے۔ لوگ احکم الحاکمین کے آستان جبروت و بارگاہِ قدس پر جبین سائی و ناصیہ فرسائی کریں یا پتھر کے گھڑے ہوئے بتوں، بعض اشخاص کے مجسموں، خودساختہ دیوہیکلوں، بلند قامت اور سایہ دار درختوں، سانپوں اور دنیا کی حیرت انگیز اور ہر تعجب خیز شے کے سامنے اپنا ماتھا ٹیکنے لگیں اور اپنے ہاتھ استمداد کے لیے پھیلانے لگیں تو پھر مسلمانوں نے دنیا کے سامنے لڑائی کا وہ نقشہ پیش کیا اور جنگ کی وہ طرح ڈالی جس کی نظیر اور مثال اس سے پہلے قطعاً موجود نہ تھی۔

ما بہ النزاع [۷] صرف یہ تھا کہ مسلمان چاہتا تھا کہ دنیا میں پرستش ہو تو وحدہ لاشریک کی۔ حکومت ہو تو ایک احکم الحاکمین کی، فرماں برداری ہو تو صرف اسی کی اور دنیا والے صرف اُسی کے مجوزہ قانون (کتاب الٰہی) کا احترام کرتے ہوئے اس کی پوری پیروی کریں اور غیر مسلم کا مطالبہ یہ تھا کہ پوجا ہو ہمارے باپ دادا کے معبود بتوں کی، حکومت ہو تو ان کے سرداروں اور چودھریوں کی، فرماں برداری ہو طاقت والوں کی، غلامی اختیار کی جائے اکابرورؤسا کی اور قانون ہو تو وہ جسے ان کا جرگہ تیار کرے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ [۸]

ترجمہ: ایمان والے اللہ کی بڑائی کی خاطر لڑتے ہیں اور جو لوگ خدا کے منکر ہیں، ان کی جنگ ذاتی اغراض، شیطانی ترغیبات اور نفسانی خواہشات کے لیے ہے۔

ابتدائی غزوات یعنی بدر واُحد اور حنین میں اسی اختلافِ نظریات کی بنا پر تصادم وتقابل ہوا اور ہر موقع پر خدا کے غلاموں کو شیطان کے پرستاروں پر فتح نصیب ہوئی۔ اس کے بعد جب اس زمانہ کی خودسر اور خودمختار حکومتوں نے دیکھا کہ یہ خدا کے نام پر لڑنے والی جماعت روز افزوں ترقی کر رہی ہے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مذہبی دیوانے ہماری سلطنت کی طرح رُخ کرنے لگیں تو انھوں نے مسلمانوں پر یلغار کر دی۔

ایک طرف رومن ایمپائر کی افواج قاہرہ تھیں تو دوسری طرف تاج دارِ ایران اپنے عظیم الشان عساکر لے کر میدان میں نکل آیا۔ رومی چاہتے تھے کہ ان کی بزرگی اور عظمت میں فرق نہ آئے۔ ایرانی خواہش مند تھے کہ عرب کے لوگ بہ دستور سابق ہمارے باج گزار بن کر رہیں اور ہماری ان پر فوقیت قائم رہے۔ ادھر مسلمانوں نے تین محیر العقول مطالبات پیش کر دیے:

۱۔ یہ کہ ہماری طرح تم بھی احکم الحاکمین کی غلامی اختیار کرو، پھر خدا کے غلام باہم دگر شیر وشکر ہو کر رہیں گے۔ اندریں صورت تمھارے تمام ملک واملاک، تمھاری حکومت وسلطنت تمھیں مبارک ہو۔

۲۔ تمھیں اسلام میں کچھ تامل ہو تو پھر آسان بات یہ ہے کہ تمھارے بادشاہ خدا کے غلاموں (مسلمانوں)

کوخراج دیا کریں کیوں کہ زبردست حکومت کا مالک زیردستوں سے خراج لیا کرتا ہے۔

۳۔ یہ کہ اگر تمھیں یہ بھی منظور نہیں تو آخِرُ الْحِیْلَ السَّیْف [9] کے مطابق تلوار ہمارا تمھارا فیصلہ کرے گی۔

رومیوں نے ان عجیب وغریب مطالبات پر خوب تمسخر اُڑایا۔ ایرانیوں نے اِس کان سنا اور اُس کان اڑادیا۔ بہ ظاہر مقابلہ ہاتھی اور چیونٹی، شہباز اور حقیر جیسی چڑیا کا معلوم ہوتا تھا مگر خدائی اعانت ونصرت نیتوں کی نیکی، ارادوں کی پختگی اور ہمتوں کی بلندی کا ہمیشہ ساتھ دیا کرتی ہے اور فتح وشکست کا دارومدار انھی اصولوں کی موجودگی وعدم موجودگی پر منحصر ہوا کرتا ہے۔ رومی اور ایرانی دل کھول کر لڑے، دادِ شجاعت دینے میں اپنی سی کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی مگر لڑنے والوں کے پیش نظر چند معمولی خیالات و جذبات تھے کہ ہمارے بادشاہوں کی خیر ہو۔ ہماری قوم ہزیمت اور شکست کے بعد تباہ حال نہ ہو جائے۔ ہم کسی کے غلام اور محکوم نہ ہو جائیں۔ ادھر مسلمانوں کے دلوں میں یہ احساسات و جذبات کہ ہم جس کی مخلوق ہیں، ہمارا جو رزاق مطلق ہے، ہماری جو پرورش کرنے والا ہے، ہماری جو صحت کا ضامن ہے اور ہماری تندرستی کا جو برقرار رکھنے والا ہے۔ جس نے دیکھنے کے لیے ہمیں آنکھیں دیں، سننے کے لیے کان دیے، بولنے کے لیے زبان بخشی اور سوچنے سمجھنے کے لیے دماغ عطا فرمایا۔ جس کے ہاتھ میں عزت وذلت ہے، جس کے قبضے میں افلاس وثروت ہے، جس کی عطا کردہ نعمتوں کا کوئی شمار نہیں۔ آج ہم اس کی تقدیس اور بڑائی کی خاطر سر سے کفن باندھ کر نکلے ہیں۔ یہ سامنے والے لوگ تو بھاڑے کے ٹٹو ہیں، اغراض ونفسانیت کے بندے ہیں، دنیوی لالچ اور طمع کی خاطر یہاں لڑنے آئے ہیں، جن لوگوں کا کوئی اصول ہے نہ ضابطہ کردار ہے نہ مقصد:

ے شہادت ہے مطلوب ومقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی [10]

ہم اپنی غلامی کا مظاہرہ اپنے آقائے نام دار جل جلالہٗ کے سامنے کریں گے۔ اپنی عبودیت و اخلاص کیشی کا ثبوت اپنے معبودِ مطلق کو دیں گے اور اس کی بڑائی کے زبانی اقرار کے ساتھ بے لوث خدمات کا عملی مظاہرہ دنیا کے سامنے بھی پیش کریں گے۔ ہمیں مرنے کا ڈر نہیں جب کہ موت کا آنا یقینی ہے اور پھر حی وقیوم کے راستے میں مرنے والے مرتے کب ہیں؟ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ [11]

زندۂ جاوید ہیں تیغ محبت کے قتیل!
بجھ کے بھی ٹھنڈے نہ ہوں گے یہ شرر تا روزِ حشر [12]

مراوہ کرتے ہیں جو دنیا طلبی کے پیچھے اپنی جان دیں، نفسانیت اور ذاتی اغراض کی خاطر ہلکان

ہوتے پھریں۔شہنشاہَ کائنات کی راہ میں قتل ہونے والے تو ہمیشہ کی زندگی اور دائمی حیات حاصل کرتے ہیں۔موت ان سے کوسوں دور بھاگتی ہے اور ابدی زندگی آگے بڑھ کر ان کے قدم چومتی ہے :

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما [۱۳]

اب آپ خود ہی اندازہ لگائیں کہ فتح کس کو ہونی چاہیے تھی اور شکست کس کو؟ نتیجہ یہ نکلا کہ محمدؐ کے غلاموں، خدا کے بندوں، وحدہٗ لاشریک کے پرستاروں نے شیطان کی جماعت پر نمایاں فتح حاصل کی اور قیصر کا تخت اور کسریٰ کا تاج مسلمانوں کے قدموں تلے تھا:

بوریا ممنونِ خواب راحتش
تاج کسریٰ زیرِ پائے اُمتش [۱۴]

جہاد کی فضیلت

اس جاں پرور اور ہمت آفریں داستان کو سنانے کے بعد اب مَیں آپ کے سامنے جہاد کی فضیلت کے متعلق چند معروضات پیش کروں گا۔

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ هَاجَرُوۡا وَ جٰهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَ اَنۡفُسِهِمۡ ۙ اَعۡظَمُ دَرَجَةً عِنۡدَ اللّٰهِ ط وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ۝ [۱۵]

ترجمہ: جولوگ ایمان لا چکے ہیں، اللہ کی رضا جوئی کے لیے ترکِ وطن کر چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنی جانیں اور مال قربان کر چکے ہیں، ان لوگوں کو اللہ کے ہاں سب سے بڑے درجے حاصل ہیں، اور یہی لوگ حقیقی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔

تمام عبادات کا محافظ اور تمام ریاضت سے بڑھ کر جہاد ہے اور چوں کہ مجاہد کی جاں بازی اور اس کی جاں سپاری بھی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، اس لیے یہ عبادت بھی ہے اور اسلامی فرائض میں بھی داخل ہے۔جس ذاتِ باری تعالیٰ عزاسمہٗ کے آگے دست بستہ کھڑا ہونے، اس کے سامنے جھکنے اور کمالِ عقیدت سے اس کے آستان قدس وجلال پر سر رکھ دینے کا نام نماز ہے۔اس کی خوش نودی حاصل کرنے کی خاطر بھوک اور پیاس کو بہ طیب خاطرِ قبول کرنے کا نام روزہ ہے۔جس کی رضا جوئی اور رضا طلبی کو پیشِ نظر رکھ کر مالی ایثار کرنے کا نام زکوٰۃ ہے اور جس کے ارشاد کی تعمیل میں طول وطویل اور تکلیف دہ سفر اختیار کرنے کا نام حج ہے اور پھر ایک مسلمان دنیا کے سارے کام جس کی مرضی اور منشا کے تحت کرنے کے لیے مکلّف ہے، اس کی اطاعت کا نام نیکی اور اس کے فرمان سے گریز کرنے کا نام بدی ہے۔

تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ جہاں دنیا کے بادشاہوں کے غلبہ واستیلا ان کا دائرہ حکومت وسیع کرنے اور دوسرے حکم رانوں پر انھیں فوقیت دلانے کی خاطر ان کے لشکر میدان میں نکل آتے ہیں، خون کے دریا بہانے لگتے ہیں اور دشمن کو شکست دے کر اپنے بادشاہ کی فتح ونصرت پر پھولے نہیں سماتے وہاں اگر مسلمان حقیقتاً احکم الحاکمین کو اپنا بادشاہ تسلیم کر کے اللہ تعالیٰ کی حکومت کو دنیا بھر کی حکومتوں پر غالب بنانا اس کا منتہائے مقصود ہے تو پھر اس مقصدِ عالیہ کے حصول کی خاطر اس کی جدوجہد اور تگ ودو کا نام جہاد ہوگا اور اس بلند مقصد کو اپنانے والے کو مجاہد کہیں گے۔ مجاہد کا درجہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند ہے۔

موجودہ حالات اور حزب اللہ

اس آزمائش وامتحان کے دور میں امیر حزب اللہ اور اس کی جماعت کی تمام تر قلبی ہمدردیاں اور غیر مشروط عملی تعاون حکومت پاکستان کے ساتھ ہیں کیوں کہ تحریک حزب اللہ کی غرض وغایت اور امیر حزب اللہ کی تمام تر کوششوں، طوفانی دوروں اور تحریری وتقریری مساعی کا مرکز ومحور اور بنیادی نقطہ نظر جہاد اور صرف جہاد ہے۔

امیر حزب اللہ اپنے تمام مریدین ومعتقدین کو بالعموم اور رضا کارانِ حزب اللہ کو بالخصوص تاکیداً حکم دیتا ہے کہ وہ سول میں ملازم ہوں یا فوج میں یا ان کا کسب معاش کوئی دوسرا ذریعہ ہو، گھر پر ہوں یا گھر سے باہر، اندرونِ ملک ہوں یا بیرون ملک غرضیکہ جہاں کہیں بھی ہوں، اپنی تمام تر کوششوں، جدوجہد اور قوتوں کو جہاد فی سبیل اللہ، دفاعِ وطن اور خدمتِ قوم کے لیے وقف کر دیں اور عملی تعاون کے علاوہ مالی تعاون میں بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیں۔

ہدایات

ان دنوں میں خصوصیت کے ساتھ اللہ کریم کا ذکر خلوص ومحبت کے ساتھ کثرت سے کیا کریں کیوں کہ ذکرِ خدا، اطمینان قلب اور طمانیت کا ایک تیر بہ ہدف نسخہ ہے۔ نہ صرف نماز پنج گانہ پابندی سے باجماعت اَدا کیا کریں بل کہ نوافل، تہجد واوابین وغیرہ بھی پڑھا کریں اور اپنے مولا کے حضور ہمیشہ دست بہ دعا رہیں۔

اپنے مولائے کریم پر پورا حُسنِ ظن اور کامل توکل واعتماد مومن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اُسے حُسن نیت اور خلوصِ محبت کی جلا دے کر استعمال میں لائیں، اپنے حوصلوں کو بلند رکھیں اور ارادوں کو مضبوط، خوف وہراس کو پاس بھی نہ پھٹکنے دیں جب کہ ارشادِ خداوندی کے بہ موجب دین ودنیا کی کامیابی اور حقیقی فتح وکامرانی مومن کے لیے مقدر ہو چکی ہے۔

وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ O[16]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بلاتحقیق کسی افواہ پر یقین مت کیا کرو۔

آپ اس ارشاد گرامی کی روشنی میں غلط افواہوں اور محض سنی سنائی باتوں پر بالکل کان نہ دھریں اور پوری تحقیق کے بغیر کسی ایسی ویسی بات پر بالکل یقین نہ کریں۔ ایسی افواہیں ہراس پھیلانے اور خوف زدہ کرنے کے لیے عموماً دشمن کی طرف سے پھیلائی جاتی ہیں۔

اختتامیہ

خاتمہ سے پہلے یہ فقیر اُن تمام شہدا کے لیے مغفرت، قبولیتِ شہادت اور بلندیٔ درجات کی دُعا کرتا ہے، جنھوں نے اس جنگ میں جامِ شہادت نوش کیا ہے اور پاکستان کی فتح و نصرت کے لیے بھی بارگاہِ ایزدی میں دستِ دُعا ہے۔ آمین، ثم آمین!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

....

حواشی

۱۔ المائدہ ۵:۱۱۔

۲۔ ترجمہ: تیری نعمتوں کا اتنا شکر اَدا کرتا ہوں جتنی کہ تیری نعمتیں ہیں۔ (ضرب المثل)
مکمل ضرب المثل یوں ہے :

شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو
عذر تقصیراتِ ما چنداں کے تقصیراتِ ما

۳۔ دیکھیے خطبہ ۱۷۔

۴۔ محمد ۴۷:۴۔

۵۔ النمل ۲۷:۳۴۔

۶۔ الانفال ۸:۳۹۔

۷۔ ترجمہ: جس سے امتیاز کیا جائے۔ (ضرب المثال)

۸۔ النسآء ۴:۷۶۔

۹۔ ترجمہ: آخری حیلہ تلوار ہے۔ (عربی مقولہ)

۱۰۔ بانگ درا (اقبال)، نظم: طارق کی دعا،

۱۱۔ البقرہ ۲:۱۵۴۔

۱۲۔ قتیل شفائی۔

۱۳۔ ترجمہ: جس کا دل عشق کی وجہ سے زندہ ہو گیا۔ ہماری ہمیشگی دنیا کی تاریخ میں قائم ہو چکی ہے۔
(دیوانِ حافظ، مترجم: سجاد حسین، مولانا قاضی، اسلامی کتب خانہ، اُردو بازار، لاہور، س ندارد، ص ۳۵)
نوٹ: دیوانِ حافظ میں نہ میرد کی جگہ نمیرد، بہ عشق کی جگہ بعشق اور ثبت است کی جگہ ثبت ست درج ہے۔

۱۴۔ دیکھیے خطبہ ۳۷، حوالہ ۱۷۔

۱۵۔ التوبہ ۹:۲۰۔

۱۶۔ ال عمران ۳:۱۳۹۔

◆◆◆

ضمیمہ جات

رسالہ حزب اللہ☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ وَحَبِیۡبِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوۡلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَتۡبَاعِہٖ وَاَشیاعِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ O

برادرانِ اسلام! جب سے یہ دنیا پیدا ہوئی ہے۔اس وقت سے لے کر آج سے تیرہ سو سال پہلے تک اس زمین پر ہزاروں قومیں گزریں۔لاکھوں قبیلے پیدا ہوئے اور مٹ گئے۔بیسیوں مذہب پھیلے اور ختم ہو گئے۔ لیکن کوئی ایسا دین انسانوں کو نہ ملا جو دنیا کی الگ الگ قوموں اور قبیلوں کو ایک لڑی میں پرو کر رنگ، نسل اور وطن کے فرق کو مٹا دیتا اور آپس میں لڑنے جھگڑنے والے انسانوں کو ایک دوسرے سے گلے ملا کر بھائی بھائی بنا دیتا۔آدم کی ساری اولاد بہت سے ملکوں اور بہت سی قوموں میں بٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی اور وہ تمام ٹکڑے خواہ مخواہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔عرب کو عجم سے دشمنی تھی۔ہندُستانی اور چینی ایک دوسرے سے عداوت رکھتے تھے اور یہ دشمنی کا سلسلہ یہیں ختم نہ ہوتا تھا بل کہ خود ایک قوم کے بہت سے قبیلے بھی آپس میں سالہا سال تک اپنے بھائی بندوں کا خون بہاتے رہتے تھے اور اپنی اس وحشت اور جاہلیت کو غیرت اور حمیت سمجھتے تھے۔

دنیا میں بہت سے مذہب پیدا ہوئے۔جن میں اکثر اللہ کی طرف سے تھے اور اسی کے بھیجے ہوئے نبیوں نے ان مذہبوں کو پھیلایا تھا۔لیکن ان کی اصلی شان صرف تھوڑی تھوڑی مدت تک قائم رہی۔اس کے بعد پھر قوم اور نسل، رنگ اور وطن کے اختلاف نے ان مذہبوں کے نام لیواؤں کو ایک دوسرے کا جانی دشمن بنا دیا اور نبیوںؑ کا تمام کیا کرایا اکارت ہو گیا۔

☆ رفیق عام پریس، لاہور میں باہتمام منظور الزماں پرنٹر ۱۳۴۸ھ میں چھپا۔

اسلام کا پیغام مساوات: آخر خدا کی رحمت جوش میں آئی۔ عرب کی سرزمین میں اس کا ایک نہایت پاک اور مقدس بندہ خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیدا ہوا جس کو اللہ نے دین اور دنیا دونوں کی سرداری عطا فرمائی اور جس نے خدا کے الہام سے توفیق پا کر انسانوں کو ایک ایسے دین کی طرف بلایا جس نے صدیوں کے بگڑے ہوئے دل اور دماغ درست کر دیے۔ قوموں اور نسلوں کی بیگانگی مٹ گئی۔ عرب، عجم، ہندُستانی، مصری، چینی، مغربی، مشرقی سب ایک خدائے واحد کی عبادت پر جمع ہو کر بھائی بھائی بن گئے۔ کوئی بادشاہ نہ رہا، کوئی غلام نہ رہا، کوئی بندہ نہ رہا، کوئی بندہ نواز نہ رہا، سب ایک خدا کے بندے ہو گئے۔ وہ عالی خاندان عرب جو بیٹیوں کو محض اس لیے زندہ گاڑ دیتے تھے کہ انھیں اپنی شان کا داماد نہ ملتا تھا۔ انسانوں کی برابری کے اس قدر قائل ہو گئے کہ جب حضور آقائے دوجہان خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حبشی موذن حضرت سیدنا بلالؓ نے نکاح کا ارادہ کیا تو وہی اکڑی ہوئی گردنوں والے قریش اس امر کے خواہش مند ہوئے کہ حضرت بلالؓ کو اپنی لڑکیاں دے دیں۔ اس سے پہلے عرب کو اپنی بلندئ مرتبہ کا اتنا گھمنڈ تھا کہ کسی عجمی سے بات تک کرنا گوارا نہ کرتے تھے لیکن آقا و مولا خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ایک عجمی صحابی حضرت سلمان فارسیؓ کے متعلق یہ فرما دیا کہ وہ ہم میں سے بل کہ ہمارے خاندان میں سے ہے۔ گویا اس ارشاد سے حضور خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ثابت کر دیا کہ اسلام خود ایک خاندان ہے، اس کے ماننے والے آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بند ہیں، اس میں عرب وعجم، ہندُستانی و چینی کا کوئی سوال نہیں ہے۔ سب سے بڑی بزرگی یہ ہے کہ انسان کے عمل اچھے ہوں۔ جو نیک ہے وہی بڑا اور جو بُرا ہے وہی چھوٹا ہے۔

نیک اور ایک: اس مبارک تعلیم نے جو آج سے تیرہ سو سال پہلے دی گئی تھی، انسانوں کے اندر ایک شان دار تبدیلی پیدا کر دی۔ اسلام نے صاف کہہ دیا کہ اگر تم بزرگی اور عزت کے خواہش مند ہو تو نیک بن جاؤ اور ایک بن جاؤ۔ دنیا میں ہر شخص عزت اور بزرگی چاہتا ہے۔ جب دولت کی بڑائی ہیچ قرار دی گئی، جب خاندانوں کی بزرگی بے حقیقت سمجھی گئی اور صرف پرہیزگاری اور نیکی ہی پر بڑائی کا مدار رہ گیا تو انسانوں نے پرہیزگار اور نیک بننا شروع کر دیا تاکہ دین و دنیا دونوں میں بڑائی اور عزت حاصل کریں۔ اس پرہیزگاری کی سب سے بڑی شرط یہ تھی کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھے اور اس طرح ساری دنیا کے مسلمان ایک ہو جائیں۔ اس نیکی اور ایکے نے مسلمان کے اندر وہ رعب وداب پیدا کیا کہ ساری دنیا ان کے نام سے لرزنے لگی۔ یہاں تک کہ فرانس کے مشہور فاتح نپولین بوناپارٹ نے بھی جو دنیا میں کسی طاقت سے خوف نہ کھاتا تھا، یہ تسلیم کیا کہ مَیں صرف مسلمانوں کے اتحاد سے کانپتا ہوں۔ یہ قوم جس کے خلاف ایکا کر لے اس کا کہیں ٹھکانا نہیں۔

مسلمان سب قوموں سے افضل ہیں: مسلمانو! یادرکھو کہ تم ساری دنیا کی قوموں سے افضل ہو۔تمھارا آقا ساری دنیا کے نبیوں اور ہادیوں سے بڑا ہے۔تمھاری آسمانی کتاب قرآن مجید ساری دنیا کی آسمانی کتابوں سے افضل ہے۔تمھارا دین ساری دنیا کے دینوں سے بہتر ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو خود سارے معبودوں سے بڑا ہے،تم کو دنیا جہان کی قوموں سے افضل قرار دیا۔کیا تم نے کبھی سوچا ہے کہ تمھاری بڑائی کی وجہ کیا ہے؟ اچھی طرح سمجھ رکھو کہ مسلمان جب تک صحیح معنوں میں مسلمان تھے، ہر اعتبار سے دنیا کی قوموں کے سردار تھے۔جب تک مسلمان نیک تھے اور جب تک مسلمان ایک تھے، دنیا بھر کی قومیں ان کے سامنے جھکتی تھیں۔آج مسلمان نیک نہیں ہیں اور ایک نہیں ہیں اور وہ قوم جو سب قوموں سے افضل تھی آج ذلت کے گڑھے میں اوندھے منھ پڑی ہے۔

مسلمانوں کی موجودہ حالت: آج مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ ان میں نیکی باقی نہیں رہی، وہ عبادات کے پابند نہیں ہیں، وہ معاملات کے اچھے نہیں ہیں۔انھوں نے خدا سے رشتہ توڑ کر خدا کی مخالف طاقتوں سے تعلق جوڑ رکھا ہے۔وہ دن رات بدمعاملگی، بے ایمانی، بددیانتی، جھوٹ، مکر، غیبت اور بدکاریوں میں مبتلا ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ ان کی حالت تباہ ہے تو اندھوں کی طرح اندھیرے میں اِدھر اُدھر ٹامک ٹوئیے مارتے پھرتے ہیں۔ان کو اسلام کی صحیح روشنی نظر نہیں آتی۔ان کے رہنے سہنے کے طریقے، ان کے رسم ورواج سب ہمسایہ قوم کے رنگ میں رنگے جا چکے ہیں۔اب وہ یورپ کی تہذیب کی طرف دیوانہ وار بھاگے چلے جارہے ہیں اور سمجھتے ہے کہ اسی ''مکر چاندنی'' سے ان کے اندھیرے گھر میں اجالا ہو جائے گا۔وہ قرآن کے نور سے بے بہرہ ہو چکے ہیں۔ان کے اکثر مذہبی رہنما فرقہ بندی میں مصروف ہیں۔نہ مسلمان کو نیک بننے دیتے ہیں نہ ایک ہونے دیتے ہیں اور دنیاوی لیڈروں کی یہ حالت ہے کہ دین سے بے بہرہ ہیں، قرآن سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ان کو بالکل معلوم نہیں کہ اسلام اور صرف اسلام ہی دنیا میں ترقی اور سربلندی کا ضامن ہے۔ان لوگوں کی ساری جدوجہد کی بنیاد زبانی جمع خرچ پر ہے، عمل کا نام ونشان نہیں۔وہ قوم کو کبھی نیکی اور پرہیزگاری کی طرف نہیں بلاتے بل کہ اس کے اعمال سے یک سر غافل ہیں۔اس کے علاوہ مختلف پارٹیاں بنا بنا کر اس بدقسمت قوم کو جو پہلے ہی فرقہ بندیوں سے صدہا ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکی ہے اور بھی زیادہ پارہ پارہ کر رہے ہیں۔

ان رنگ رنگ کے فتنوں کا اثر یہ ہے کہ زیادہ تر مسلمان مالی اعتبار سے مفلس، معاشرتی لحاظ سے گم راہ، اخلاق کے رو سے بدکار اور دین کی رو سے ملحد اور زندیق ہیں۔دوسری قومیں آہستہ آہستہ انھیں کھائے چلی جارہی ہیں اور انھیں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کس ہلاکت کے گڑھے کی طرف کھنچے چلے جارہے ہیں۔

فرقہ بندی ترک کردو: یادرکھو کہ مسلمان کی پہلی سربلندی کا بھید بھی یہی تھا کہ وہ نیک تھے اور ان میں فرقہ بندی

کا نام ونشان تک نہ تھا۔ جب تک یہ دونوں باتیں نئے سرے سے پیدا نہ کی جائیں گی، مسلمان کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔ وہ ہندوؤں کی ساری دولت لے کر اپنے گھروں کے اندر بھر لیں۔ یورپ کی ساری سائینس [سائنس] حاصل کر کے اپنے دماغوں کو روشن کر لیں لیکن جب تک قرآن کریم کی طرف نہ لوٹیں گے، جب تک اپنے اعمال درست نہ کریں گے، جب تک فرقہ بندی کی عداوتوں کو ترک نہ کریں گے وہ ذلت کے غار سے قیامت تک باہر نہیں نکل سکتے۔

عبادات ومعاملات: اسلام کے نزدیک نیک وہی ہے جو عبادات اور معاملات دونوں میں نیکی کا پابند ہو۔ آج کل مسلمانوں میں عام طور پر دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایک تو وہ سیدھے سادے پرانے فیشن کے مسلمان ہیں جو یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ عبادات ہی میں سب کچھ ہے۔ جو شخص نماز پڑھے، روزہ رکھے، زکوۃ دے اور عمر بھر میں ایک دفعہ حج کر لے، وہ اگر معاملات میں بددیانت، سنگ دل اور جفا کار بھی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ دوسرے وہ نئے فیشن کے انگریزی خواں مسلمان ہیں، جو عبادت کو چنداں ضروری نہیں سمجھتے اور قوم کی ساری بیماریوں کا باعث انھیں لوگوں کو قرار دیتے ہیں جو مسجدوں اور خانقاہوں میں بیٹھ کر ذکر الٰہی کیا کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں ترقی کا راز یہی ہے کہ یورپ سے علوم وفنون حاصل کیے جائیں۔ یورپ کی تہذیب اختیار کی جائے، نئی نئی ایجادیں کی جائیں اور بس۔

مسلم کون ہے؟: لیکن اچھی طرح سن رکھو کہ اسلام ان دونوں قسم کے مسلمانوں سے بے زار ہے اور جب تک قوم میں ان لوگوں کی کثرت ہے مسلمان کبھی ترقی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ مسلمان وہی ہے جو عبادات کا بھی پابند ہو اور معاملات میں بھی نہایت سچا انصاف پسند اور فیاض ہو۔ اسلام اصل میں دین و دنیا کی ملاوٹ کا نام ہے۔ اصلی مسلم وہی ہے جو ایک طرف بیوی بچوں، ماں باپ، ہمسایہ، خاندان، قوم اور اسلام کے حقوق اَدا کرے، علم وفن حاصل کرنے میں محنتی ہو اور دوسری طرف ہر کام میں اللہ کی خوشنودی کو مدنظر رکھے۔ اللہ کے سامنے اپنا ماتھا زمین پر رگڑے، اسی کے آگے گڑگڑائے اور اسی کی عبادت میں اس کو لذت حاصل ہو۔

ملت اسلامی کا ایکا بھی معاملات ہی میں آجاتا ہے۔ اگر ہر مسلمان اس حق کو اَدا کرے جو ملت اسلامی کی طرف سے اس پر عائد ہوتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ملت کے بکھرے ہوئے اجزا جمع ہو جائیں گے اور ہر کلمہ گو دوسرے کلمہ گو کو اپنا بھائی سمجھے گا خواہ چھوٹے چھوٹے مسئلوں میں باہم اختلافات ہی ہو۔

قرون اولیٰ کے مبلغین: اسلام کی پہلی صدیوں میں جو مسلمان تھے۔ وہ دین دنیا کی اس ملاوٹ کے راز کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ چین، جاوا، سماٹرا میں جا کر دیکھو۔ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد وہاں موجود پاؤ گے۔ ان کی تاریخ پڑھو تو معلوم ہوگا کہ ان ملکوں پر کبھی کسی مسلمان فاتح نے حملہ نہیں کیا بل کہ پہلی صدیوں میں جو مسلمان

تجارت کی غرض سے ان ملکوں میں آئے، انھوں نے دنیا کمانے کے ساتھ ہی ساتھ دین کی تبلیغ کا کام بھی کیا اور آج لاکھوں کروڑوں مسلمان ان پاک نفوس بزرگوں کی روحوں کو دعائیں دے رہے ہیں جن کی برکت سے انھیں اسلام جیسی نعمت ملی۔ خود ہندُستان میں مسلمانوں کی سات کروڑ جمعیت موجود ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ محمود غزنوی یا محمد غوری جیسے فاتحوں کی تلواروں نے یہ عظیم الشان کام سرانجام دیا تھا؟ ہرگز نہیں۔ یہ برکت ان فقراو صوفیہ کی ہے جو تبلیغ اسلام کا مقصد لے کر اس کفرستان میں وارد ہوئے اور اپنی عملی زندگی اور نیکی اور پرہیزگاری سے یہاں کے لوگوں کے دلوں میں گھر کر کے اسلام کی تبلیغ کا فرض انجام دیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے حالات پڑھو۔ نہ ان کے پاس تلوار تھی نہ بندوق، نہ توپ تھی نہ تفنگ، نہ ہوائی جہاز تھے نہ فولادی قلعے۔ بس ایک ہی حربہ تھا جس سے راجپوتانہ میں جو ہندوؤں کی جنگی طاقت کا مرکز تھا، اس عظیم الشان فاتح نے مخالف طاقتوں پر فتح پائی۔ وہ حربہ صرف عمل تھا جسے آپ مسلمان چھوڑ چکے ہیں۔

فرقہ بندی اور دوسروں کی تقلید: اس تمام بحث سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مسلمانوں پر آج کل جو مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں۔ ان کا باعث کیا ہے؟ ان کی صرف یہی وجہ ہے کہ انھوں نے قرآن حکیم کو چھوڑ رکھا ہے اور غیر الٰہی طاقتوں کی طرف بھاگے جا رہے ہیں۔ وہ فرقہ بندی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ایک فرقہ دوسرے فرقے کو کھا جانے کی فکر میں ہے۔ ایک فرقہ دوسرے فرقے کو کافر بنانے میں مصروف ہے۔ حالاں کہ مسلمان دنیا کو مسلمان بنانے کے لیے آئے تھے۔ مسلمانوں کو کافر بنانے کے لیے پیدا نہ ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں پرہیزگاری اور نیکی باقی نہیں رہی۔ وہ دوسری قوموں کی رسموں کے پابند ہو کر اپنی دنیا اور عاقبت خراب کر رہے ہیں۔ نہ ان کے پاس نیکی ہے نہ دولت ہے، نہ حُسنِ معاملت ہے۔ وہ دنیا میں ذلیل ہیں اور اگر انھوں نے اپنی حالت تبدیل نہ کی تو عاقبت میں بھی ذلیل ہوں گے۔

تشخیص اور علاج: جب مرض کی صحیح تشخیص ہو چکی اور صحیح علاج بھی معلوم ہو چکا تو اب اس کے سوا اور کسی چیز ضرورت نہیں کہ کوئی دردمند اٹھتا اور مسلمانوں کو نیک بننے اور ایک بننے کی دعوت دیتا۔ مَیں مدت سے اس خلجان میں مبتلا تھا لیکن جب اپنے آپ پر نظر ڈالتا تھا تو اپنی خامی، ناقابلیت اور ہیچ میرزی کو دیکھ کر خاموش رہ جاتا تھا لیکن پچھلے دنوں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرا سینہ کھول دیا۔ بعض غیبی طاقتوں نے میری رہ نمائی کی اور اس قدوس بندہ نواز کی یہ ایک شان کریمی ہے کہ اس قحط الرجال میں وہ کام جو خدا کے برگزیدہ رسولوں اور علمائے امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لیا جاتا تھا وہ اس فقیر کے سپرد کر دیا گیا اور میری بصیرت کی آنکھوں نے ایسا خوش گوار نظارہ دیکھ لیا کہ میرا دل خوشی اور اطمینان سے بھر گیا اور مَیں نے سمجھ لیا کہ اب مسلمانوں پر اچھا وقت آنے والا ہے۔ جب مصیبتوں کی کالی گھٹائیں چھٹ جائیں گی اور فلاح و کامرانی کا آفتاب پوری

شان سے چمکے گا۔

حزب اللہ: مَیں نے اللہ تعالی کی طرف سے مامور ہوکر خدا کی ایک فوج بھرتی کرنی شروع کردی ہے جس کا نام ''حزب اللہ'' ہے۔ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ اس خدائی فوج میں بھرتی ہوگئے تو آپ اپنے تمام دشمنوں پر غالب آجائیں گے۔ اللہ تعالی آپ کو ہمت اور توفیق عطا فرمائے گا اور آپ کے ایمانوں کو قوی کرکے آپ کو پھر دنیا میں سربلند اور عاقبت میں سرخ رو کردے گا۔

حزب اللہ کے اغراض و مقاصد: مَیں نے تہیہ کرلیا ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق قوم کی بگڑی ہوئی حالت کو درست کرسکوں۔ ان کو ایک کردوں اور ان میں جو خرابیاں پیدا ہوچکی ہیں ان کے علاج کی کوئی صورت نکالوں۔ مَیں سب مسلمانوں کا خادم اور خیر خواہ ہوں۔ میرے پیش کردہ اصول جس صورت میں کہ وہ کتاب اللہ اور کتاب الرسولؐ سے ماخوذ ہیں، حرف گیری سے بالاتر ہیں۔ البتہ اگر میرے طور طریقوں میں کوئی نقص ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ مجھے اس سے آگاہ کردیں۔ مَیں اس کمی کو پورا کروں گا اور آگاہ کرنے والے کا شکریہ اَدا کروں گا۔ لیکن نکتہ چینی میں اگر ذاتیات کو دخل ہوا تو پھر یہ فقیر تعمیلِ ارشاد سے مجبور ہوگا۔ ''حزب اللہ'' کی جماعت نہ کسی فرقے کی مخالفت کے لیے قائم کی گئی ہے۔ نہ ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں، پارسیوں کے خلاف ہے۔ نہ حکومت انگلشیہ سے اسے کوئی پرخاش ہے۔ ''حزب اللہ'' کی مخالفت صرف ''حزب الشیطان'' سے ہے۔ ''حزب اللہ'' صرف ان برائیوں کا دشمن ہے جس نے مسلمانوں کو بدحال اور منتشر کر رکھا ہے اور کسی سے کوئی ذاتی عناد یا عداوت نہیں رکھتا۔

مقصد اوّل۔ امارت و مرکزیت: اسلام نے مرکزیت اور امارت کو بہت ضروری سمجھا ہے یعنی مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ تم ہر حالت میں ایک مرکز پر جمع رہو اور اپنے میں سے کسی کو اپنا امیر بنالیا کرو تا کہ تمھاری طاقت جمع اور متحد رہے۔ یہاں تک کہ ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر مسلمان سفر کو بھی نکلیں تو خواہ ان کی تعداد تین ہی ہو، انھیں چاہیے کہ ایک کو اپنا امیر بنالیں تا کہ وہ دوسرے دونوں کے جھگڑے مٹا سکے۔ لیکن بدبختی دیکھو کہ ہندُستان میں سات کروڑ مسلمانوں کا کوئی مرکز نہیں اور کوئی امیر نہیں۔ امارت نہ ہونے کی وجہ سے بیت المال نہیں اور صدہا ایسے معاملات ہیں جو امیر کے نہ ہونے کی وجہ سے انجام ہی نہیں پاسکتے۔ نہ صدقات ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ نہ زکوۃ کی وصولی کا کوئی انتظام ہے۔ غرض کروڑوں روپیہ مفت میں برباد ہورہا ہے اور صدہا اسلامی ضرورتیں ہیں جو روپے نہ ہونے سے پوری نہیں ہوسکتیں۔ ''حزب اللہ'' کی جماعت نے اس فقیر کو اپنا امیر تسلیم کرلیا ہے۔ اگر اس امارت کا کوئی اچھا نتیجہ نکلا تو مجھے امید ہے کہ پھر ہندُستان کے مسلمان خاص طور پر اس مسئلہ پر توجہ کریں گے۔

مقصد دوم۔ تنظیم: حزب اللہ مسلمانوں کی پراگندہ طاقتوں کو جمع کرے گا۔فرقہ بندی نے ان میں جو دشمنیاں پیدا کردی ہیں ان کو دور کرنے کی کوشش کرے گا اوراس ڈھنگ سے کام شروع کرے گا کہ مسلمان اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات کے باوجود بڑی بڑی اوراسلام کے فائدے کی باتوں میں جمع ہوسکیں۔اگراور کچھ نہیں تو کم ازکم خدائے قدوس اوراس کے رسول پاکؐ کی عزت وحرمت پراکٹھے ہوجائیں۔

مقصد سوم۔عملی زندگی: ''حزب اللہ'' کوشش کرے گا کہ مسلمانوں کو قرآن پاک پرعمل کرنے کی تلقین کرے اور زندگی کو ہرایک اعتبار سے پاکیزہ بنانے کی ہدایت کرے۔

مقصد چہارم۔اجتماعی زندگی: ''حزب اللہ'' ایسے طریقے اختیار کرے گا جس سے مسلمان ایک جگہ جمع ہوسکیں تاکہ دنیا میں ان کے اتحاد کا رعب وداب قائم ہوجائے۔

مقصد پنجم۔اقتصادی ترقی: مسلمانوں کا ایک بہت بڑا مرض یہ ہے کہ وہ بالکل مفلس ہیں اوراس افلاس وناداری کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو وہ کمانے میں سست ہیں،دوسرے خرچ کرنے میں بے پروااور مُسرف [فضول خرچ] ہیں۔''حزب اللہ'' کوشش کرے گا کہ مسلمانوں کو زراعت،تجارت،صنعت وحرفت میں ترقی کرنے کی ترغیب دے اورفضول خرچی سے روکے۔

مقصد ششم۔معاشرتی اصلاح: ''حزب اللہ'' کا ایک بہت بڑا مقصد یہ ہے کہ جو رسوم اور بدعتیں دوسری قوموں سے مسلمانوں میں رائج ہوگئی ہیں،ان کے خلاف سخت جہاد کرے اور شادی بیاہ وغیرہ موقعوں پر جو گانا بجانا،ڈھول تماشا اورگاؤں کی روٹی کی رسمیں پھیلی ہوئی ہیں ان کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ دے۔حزب اللہ کے ارکان اس بات کے پابند ہیں کہ اپنے ہاں شادی غمی کے موقعوں پرتمام رسمیں ترک کر کے صرف اسلامی شریعت کے طورطریقوں پرعمل کریں۔یہاں تک کہ میت کے لیے خیرات بھی کریں تو اپنی توفیق کے مطابق کریں۔نام ونمود کے لیے خیرات کرنا بالکل فضول ہے۔''حزب اللہ'' کا جو رکن ان رسوم وبدعات کو ترک نہ کرے گا وہ جماعت سے خارج کردیا جائے گا۔

مقصد ہفتم۔ترغیب تعلیم: ''حزب اللہ'' کے ارکان کا فرض ہوگا کہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم دلائیں۔اگر دینی تعلیم کا انتظام نہ ہوسکے تو فی الحال مروجہ تعلیم ہی حاصل کرلی جائے کیوں کہ بے علم رہنے سے حرف شناس ہوجانا بہرحال اچھا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ بچوں کو اسلامی شریعت کے ابتدائی احکام سے باخبر کرنا نہایت ضروری ہے۔

اگراللہ تعالی نے چاہا تو عن قریب ایک درس گاہ بھی قائم کی جائے گی جس میں مسلمان بچوں کی دینی اوردنیاوی تعلیم کا بہت معقول انتظام کیا جائے گا۔

مقصد ہشتم۔ دعوت تبلیغ: ’’حزب اللہ‘‘ کے ہر رکن کا فرض ہوگا کہ جہاں تک ہو سکے اسلام کا پیغام غیر مسلموں تک پہنچاتا رہے۔ تبلیغ کے لیے لمبے چوڑے وعظوں کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے دائرہ اثر میں اسلام کی تبلیغ کرے اور خود اپنی زندگی کو ایسے سانچے میں ڈھالے کہ دوسروں کو اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب ہو۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں ’’حزب اللہ‘‘ کے مقاصد کی بھی تبلیغ کرتا رہے۔

مقصد نہم۔ بیت المال اور جمع صدقات وخیرات: ’’حزب اللہ‘‘ کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کا ایک بیت المال قائم کیا جائے جس میں صدقات وخیرات اور زکوۃ وعشر کا روپیہ جمع کر کے اسلامی مقاصد پر صرف کیا جائے اور فقرا، مساکین اور یتیموں کی پرورش کی جائے۔ چوں کہ یہ کام بہت نازک اور بہت عظیم ہے اس لیے فی الفور شروع نہیں کیا جا سکتا۔ جب ’’حزب اللہ‘‘ ابتدائی مرحلے طے کر لے گا اس وقت ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی طرف توجہ کی جائے گی۔

مقصد دہم۔ پنچایتوں کا قیام: ’’حزب اللہ‘‘ کے مقاصد کو پورا کرنے اور مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں کو چکانے کے لیے ہر مقام پر مجلس منتظمہ یا پنچایت قائم کی جائے گی۔ جب بھنگیوں اور چماروں کی پنچایتیں اپنے ہاں کے سب جھگڑے عدالتوں میں جانے کے بغیر چکا لیتی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ مسلمان مقدمہ بازی میں تباہ ہوتے پھریں۔ ’’حزب اللہ‘‘ کی پنچایتیں مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ کیا کریں گی تاکہ مسلمان کا روپیہ اور وقت جو عدالتوں میں ضائع ہو رہا ہے وہ بچ جائے۔

پنچایتوں کے قیام کی شرائط: ۱۔ جس مقام پر حزب اللہ کے کم از کم پچاس ارکان ہوں گے۔ وہاں پنچایت قائم کر دی جائے گی۔

۲۔ اگر پاس کے دو تین دیہات کے ارکان کو ملا کر ان کی تعداد پچاس ہو جائے گی تو وہاں بھی پنچایت قائم ہو سکے گی۔

۳۔ پنچایت کے ارکان انتخاب کے ذریعے سے لیے جائیں۔

۴۔ ارکانِ حزب اللہ کی تعداد کے مطابق پنچایتوں کے ارکان ہوں گے۔ اس طریق سے کہ دس ارکان کے پیچھے ایک رکن پنچایت کا منتخب ہو سکے گا یعنی جہاں حزب اللہ کے پچاس ارکان ہوں گے وہاں پنچایت کے ارکان پانچ ہوں گے۔ جہاں ساٹھ ہوں گے وہاں چھے۔ جہاں ایک سو ہوں گے وہاں دس۔ لیکن جہاں ایک سو سے زیادہ ہوں گے وہاں بیس ممبروں کے پیچھے پنچایت کا ایک رکن منتخب ہو سکے گا۔

۵۔ ہر پنچایت کا ایک صدر (پریزیڈنٹ) اور ایک ناظم (سیکرٹری) ارکانِ پنچایت کی طرف سے منتخب ہوا کرے گا۔ اسی طرح ایک ایک نائب صدر اور نائب ناظم بھی ہوں گے تاکہ بہ وقت ضرورت کام آسکیں۔

۶۔ یہ پنچایتیں صرف حزب اللہ کے ممبروں کے تنازعات کا فیصلہ کرنے کے لیے قائم کی جائیں گی لیکن جس گاؤں، قصبے یا شہر کے لوگ سارے گاؤں، قصبے یا شہر کے لیے پنچایت قائم کرانا چاہیں گے۔ اس کے لیے اصول یہ ہوں گے:

الف۔ اس مقام میں جو پنچایت مقرر کی جائے گی اس کی تعداد کا تناسب وہ نہ ہوگا جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے بل کہ ہر محلے اور ہر قوم کا ایک ایک نمائندہ لے لیا جائے گا اور سب نمائندوں کی تعداد بیس سے زیادہ نہ ہوگی۔

ب۔ انتخاب کا وہی طریقہ ہوگا جو پہلے بتایا جا چکا ہے۔

ج۔ اس مقام پر خواہ حزب اللہ کا کوئی رکن بھی موجود نہ ہو لیکن پنچایت کے ممبروں کو ضرور حزب اللہ میں شامل ہونا پڑے گا ورنہ ان کی پنچایت حزب اللہ کی پنچایت نہیں ہوگی۔

پنچایتوں کے فرائض: ۱۔ پنچایت کا فرض ہے کہ اس بات کی نگرانی کرے کہ ''حزب اللہ'' کے ارکان اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں یا نہیں۔ نماز میں کوتاہی تو نہیں کرتے۔ رمضان شریف کی بے حرمتی تو نہیں کرتے۔ اہلِ نصاب ہونے کی صورت میں زکوۃ دیتے ہیں یا نہیں۔ رسموں اور بدعتوں کو ترک کرنے کا وعدہ کر کے اس وعدے سے پھر جانے پر مائل تو نہیں ہیں۔ اگر کوئی اس قسم کی غلطی کر رہا ہو تو پنچایت کے ہر رکن کا فرض ہوگا کہ وہ تنہا یا دوسرے ارکان کو ملا کر نرمی اور ملائمت کے ساتھ اور ضرورت ہو تو مذہبی دباؤ ڈال کر اسے اس غلطی سے منع کرے۔

۲۔ اگر ''حزب اللہ'' کے ارکان کا آپس میں کوئی جھگڑا ہو جائے یا دوسری صورت میں گاؤں وغیرہ کے مسلمان آپس میں لڑ پڑیں تو مدعی اور مدعا علیہ کا فرض ہوگا کہ وہ عدالت میں جانے کے بجائے پنچایت کے ذریعے سے اپنے مقدمہ کا فیصلہ کرائیں اور جو کچھ فیصلہ ہو اس میں ہرگز چون و چرا نہ کریں۔

۳۔ پنچایت کا اجلاس ہر پندرہ دن کے بعد ہوا کرے۔ جس مقام پر جمعہ پڑھایا جاتا ہو وہاں ایک جمعہ چھوڑ کر دوسرے جمعہ کو مسجد جامع میں پنچایت منعقد کی جائے اور جہاں جمعہ نہیں پڑھا جاتا وہاں ہر چاند کی پہلی اور پندرھویں تاریخ کو کسی ایسی جگہ جہاں کسی کو آنے میں اعتراض نہ ہو، جمع ہو کر اجلاس منعقد کرنا چاہیے۔ انھی اجلاسوں میں مقدمات پیش ہوں لیکن اگر کوئی خاص فساد یا شرارت پیدا ہو جائے یا کوئی اور ایسا ہی سنگین معاملہ پیش آ جائے کہ اجلاس کا انتظار نہ ہو سکے تو ناظم کا فرض ہوگا کہ صدر کی منظوری سے اجلاس طلب کر لے۔

۴۔ پنچایت کے ارکان کو چاہیے کہ اپنے گاؤں یا قصبہ کے حالات کو سامنے رکھ کر شادی، بیاہ اور ماتم کے موقعوں کے لیے ایک دستور العمل تیار کر لیں اور اس امر کا خیال رکھیں کہ ایک تو کوئی بات خلافِ شریعت نہ ہونے پائے۔ دوسرے اسراف اور فضول خرچی بالکل نہ ہو۔

۵۔ ہر پنچایت کے ناظم کا فرض ہے کہ ہر اجلاس کی مختصر کارروائی ایک رجسٹر میں درج کرتا جائے۔مرکز کی طرف سے کبھی کبھی اس کا معائنہ ہوا کرے گا۔

۶۔ پنچایت کے اجلاس کے لیے ضروری ہے کہ ارکان کی کم از کم نصف تعداد ضرور موجود ہو۔فیصلہ کثرت رائے پر ہوگا۔

۷۔ اگر کسی شخص کو پنچایت کے فیصلے پر اطمینان نہ ہو تو وہ امیرِ جماعت کے پاس اپیل دائر کرسکتا ہے۔لیکن اس اپیل کی سماعت جبھی ہوگی جب امیر کو قرائن سے یقین ہو جائے گا کہ پنچایت کا فیصلہ درست نہ تھا۔

۸۔ اگر یہ ثابت ہوگیا کہ پنچایت کا کوئی ایک رکن دیانت داری سے کام نہیں کرتا تو اس کو امیرِ جماعت اپنے حکم سے علاحدہ کردے گا اور اس کی جگہ ارکان یا باشندے دوسرا رکن منتخب کرلیں گے۔صدر اور ناظم بھی اس زد میں آسکیں گے۔

۹۔ پچیس سال سے کم عمر آدمی پنچایت کا ممبر نہ ہوسکے گا۔

۱۰۔ پنچایتوں کی سٹیشنری (قلم، دوات، کاغذ) وغیرہ پر جو خرچ آئے گا وہ مرکز اَدا کرے گا۔پنچایتوں کا فرض ہے کہ وہ جرمانہ وغیرہ کی رقمیں وصول کر کے مرکز میں داخل کریں۔

حزب اللہ کے شرائط و قواعد: اب شرائط اور قواعد بیان کیے جاتے ہیں۔جن کی پابندی ''حزب اللہ'' کے ہر رکن پر فرض ہوگی اور اگر کوئی شخص ان کی تعمیل نہ کرے گا تو اُس کا نام ''حزب اللہ'' سے خارج کردیا جائے گا اور ''حزب اللہ'' کے بھرے اجلاس میں اعلان کیا جائے گا کہ فلاں شخص فلاں شرط کی خلاف ورزی کی وجہ سے جماعت سے خارج کیا جاتا ہے۔

چوں کہ ''حزب اللہ'' تمام مسلمانوں کی جماعت ہے اور کسی خاص فرقے تک محدود نہیں۔اس لیے یہ ضروری ہے کہ کوئی رکن اپنے خاص عقیدوں یا اختلافی چیزوں کو اس طرح بیان نہ کرے جس سے دوسروں کے دلوں کو تکلیف پہنچے۔سب ایک دوسرے کے ساتھ رواداری سے پیش آئیں۔اختلافی چیزوں پر کبھی بحث نہ کریں بل کہ انھی باتوں پر گفت گو کریں جن پر سب کا اتفاق ہے۔اگر کبھی اختلافی باتوں کی نوبت بھی آئے تو نہایت ملاطفت اور شیرینی سے گفت گو کریں۔

اب شرائط و قواعد ملاحظہ ہوں :

حلف وفاداری: خدا کی فوج ''حزب اللہ'' میں داخل ہوتے وقت ہر ممبر سے وفاداری کا حلف لیا جائے گا۔جس کی عبارت یہ ہے :

مَیں فلاں بن فلاں جس کا خدائے قدوس و قیوم کی ذات اور یومِ آخرت پر ایمان

ہے۔اس امر کا سچے دل سے اقرار کرتا ہوں کہ جولوگ خدائے واحداور اس کے رسول برحق خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مخالف و معاند ہیں۔ ان سے دوستانہ تعلقات اورمحبت آمیزمراسم نہ رکھوں گا۔ بلا کسی استثنا کے خواہ وہ میرا باپ ہو یا میرے بیٹے ہوں۔ میرے بھائی ہوں یا قریبی رشتہ دار۔مَیں خلوصِ نیت سے اس امر کا بھی معترف ہوں کہ اللہ تعالی اوراس کے سچے نبی خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اورامیرِ جماعت کے جتنے احکام اورارشادات ہیں اور ہوں گے اُن کی اطاعت وفرماں برداری میرے لیے لازم ہوگی اورامیر کے ہر حکم کی تعمیل میری ذمے واجب ہو گی۔ جب تک اس کے نافذ کردہ احکام خدااوراس کے حبیب خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات سے مطابقت رکھنے والے ہوں لیکن اگر وہ کوئی ایسا حکم دے جوصحیح طور پرقرآن اورحدیث نبوی خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف ہوتو پھراس کی فرماں برداری مجھ پرلازم نہ ہوگی۔

ارکان کے فرائض اوردستورالعمل: ارکانِ حزب اللہ کے لیے ضروری ہوگا: کہ سب سے سچے دل سے اپنے پچھلے گناہوں سے توبہ کریں۔آئندہ گناہوں،رسموں اور بدعتوں سے پرہیز کرنے کا وعدہ کریں اورنیک بن کر دکھائیں۔

اقرارِتوحید ورسالت،نماز،روزہ،حج،زکوۃ پرنہایت پابندی سے قائم ہوجائیں۔ اس کے علاوہ تہجد پڑھنے کی کوشش کیا کریں(زکوۃ وحج کے لیے نصاب اوراستطاعت شرط ہے)۔

لغواورفضول باتوں،فحش گیتوں،جھوٹے قصوں کے بجائے اللہ اور رسول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حمدوثنا میں مصروف رہیں اور یادِ خداوذکر رسول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوااورکسی ذکر میں دل نہ لگائیں۔

عمل کا پیغام لے کر دنیا کے ہر حصے میں نکل جائیں۔ان کا ہرسفر خدا کے لیے ہو۔وہ اپنا رشتہ خدا سے قائم کرنے کے لیے دوسرے تمام رشتوں کوخیر باد کہہ دیں۔

وہ اپنا سرِ نیاز اللہ تعالی کے آستان پر جھکا دیں اوراپنے دل میں اللہ، اس کے رسول خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اورمومنین کے سوااورکسی کی محبت نہ رکھیں۔

اچھی باتوں کی طرف لوگوں کو بلائیں۔ بُری باتوں سے منع کریں اوراپنے حلقہ اثر میں اس کام کو ہروقت کرتے رہیں۔

خداوند عالم نے قرآن حکیم میں عبادات، معاملات، حقوقِ رشتہ داری وغیرہ کے متعلق جو حدود بیان فرمائے ہیں، ان کی پابندی کریں۔

آپس میں کوئی جھگڑا ہو جائے تو پنچایت کے پاس پہنچیں۔ اگر پنچائیت نہ ہو تو امیر کے پاس جا کر اس کا فیصلہ کرالیں۔

ممبری کا چندہ: حزب اللہ کے ہر مرد رکن کو ایک روپیہ اور عورت کو آٹھ آنہ سالانہ چندہ دینا ہوگا۔ اس رقم سے جماعت کے اغراض ومقاصد شائع کرنے کا کام لیا جائے گا اور یہ رقم خط وکتابت، ملازموں کی تنخواہ، اشتہارات و ہدایات اور رسالوں کی اشاعت پر خرچ ہوگی۔

اس مد کی آمد وخرچ کا حساب سالانہ جلسے کے موقع پر عام مجلس میں پیش ہوا کرے گا۔ جو رکن تاریخِ داخلہ یا معیاد کے گزر جانے سے ایک ماہ بعد تک چندہ اَدا نہ کرے گا اس کا نام حزب اللہ کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا۔

شعبہ تبلیغ: حزب اللہ کا جو صاحبِ علم رکن تبلیغ کی قابلیت رکھتا ہو وہ بلا تنخواہ ''حزب اللہ'' کا مبلغ ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے امیر کی اجازت لینی ضروری ہوگی۔ اس کے نان ونفقہ کا ذمہ دار حزب اللہ ہوگا لیکن بہ شرط ضرورت تنخواہ دار مبلغین بھی رکھے جائیں گے اور ان کی تنخواہ وغیرہ بیت المال قائم ہونے کی صورت میں اس سے اور بیت المال کے قیام سے پہلے حسبِ گنجائش چندہ سالانہ کی مد سے اَدا کی جائے گی۔

مجلس شوریٰ: امیرِ جماعت کو مشورہ دینے کے لیے ایک مجلس شوریٰ قائم کر دی گئی ہے جس کے دو تہائی ارکان تمام پنچایتوں کے صدر ہوں گے اور ایک تہائی کو امیر خود نامزد کرے گا۔ ارکانِ مجلسِ شوریٰ کا فرض ہوگا کہ جب امیر ان کو طلب کرے، فوراً حاضر ہوں۔ مجلس شوری کے باقاعدہ اجلاس میں تمام ارکان میں سے کم از کم ایک تہائی کی حاضری ضروری ہوگی۔

لیکن بعض ضروری معاملات میں جہاں ارکان کو جمع کرنا مشکل ہو، امیر ایک فوری فیصلہ صادر کر دے گا جس کو بدلنے یا توڑنے کا حق مجلسِ شوریٰ کو نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ امیر کو یہ خاص حق بھی حاصل ہے کہ جب مجلس شوریٰ کے کسی فیصلہ کو نامناسب سمجھے تو اُس کو نامنظور کر دے۔

حزب اللہ کا سالانہ اجلاس: ''حزب اللہ'' کا سالانہ اجلاس عرس شریف کے موقع پر جلال پور شریف میں ہوا کرے گا۔ عرس شریف ۵-۶ جمادی الثانی کو ہوا کرتا ہے۔ بہ شرط ضرورت امیر اس اجلاس کے لیے اور تاریخیں اور مقام بھی مقرر کر سکتا ہے۔ ایسے مواقع پر سب مرد ارکان کو فی الفور حاضر ہونا لازم ہوگا لیکن عورتیں اس سے مستثنیٰ ہوں گی اور اس کے علاوہ جب امیر انھیں طلب کرے۔

آغاز کار: ۵۔۶ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ کے عرس شریف سے پہلے مجھے بالکل معلوم نہ تھا کہ ''حزب اللہ'' جیسی مبارک تحریک میرے ہاتھوں سے شروع ہونے والی ہے۔ لیکن عین عرس کے دن مَیں نے اللہ تعالیٰ سے توفیق پاکر ایک بہت بڑے مجمع میں تین گھنٹے مسلسل تقریر کی اور اپنے دردِ دل کا مفصل اظہار کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ''حزب اللہ'' کا افتتاح ہو گیا اور سب حاضرین نے متفقہ طور پر مجھے امیر تسلیم کر لیا۔ اُس وقت چوں کہ سب میرے برادرانِ طریقت ہی جمع تھے۔ اس لیے اُن سب کو ممبر بنا لینا بھی مشکل نہ تھا لیکن مَیں نے ان کو سمجھایا کہ جب تک اپنے آپ میں اتنی بڑی تحریک میں شامل ہونے کی طاقت موجود نہ سمجھو، اپنا نام درج نہ کراو۔ دوسرے دن ڈھائی سو قریب مخلصین نے تمام نشیب و فراز پر غور کر کے اپنے نام لکھوا دیے۔ اس کے بعد شوال المکرّم ۱۳۴۶ھ میں مَیں نے پورے ایک مہینے کا دورہ کر کے ''حزب اللہ'' کی تحریک کی اشاعت کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کم و بیش تین چار لاکھ مسلمان بھائیوں نے میرے پیغام کو ذوق شوق سے سنا اور پانچ ہزار سے زیادہ مومنین قانتین حزب اللہ کے ارکان بن گئے۔

دوسرا دورہ شوال المکرّم ۱۳۴۷ھ میں ہوا جو پہلے دورہ سے بھی بڑھ چڑھ کر کامیاب رہا اور ماہ ذوالحج ۱۳۴۷ھ تک ساڑھے نو ہزار ارکان حزب اللہ کی مبارک جماعت میں شامل ہو چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل و احسان سے حزب اللہ کو اتنی بڑی کامیابی بخشی۔ اب تک برابر پنچایتیں قائم ہو رہی ہیں اور مسلمان جوق در جوق اس مبارک گروہ اور مفید جماعت میں شامل ہو رہے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد یہ مبارک و مقدس تحریک ملک بھر میں پھیل جائے گی اور اللہ کا ذکر بلند ہو گا۔

مجھے یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ کوئی ذاتی نفع کا خیال مجھے اس میدان میں نہیں لایا۔ دولت کی مجھے خواہش نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے ان معاملات سے بالکل بے نیاز کر رکھا ہے۔ گزشتہ دونو [دونوں] دوروں میں مَیں نے نہ کسی سے نذر لی ہے نہ کسی کی دعوت منظور کی ہے اور اس کی وجہ بھی اپنے خلوصِ عمل کو ظاہر کرنا تھا۔ مَیں نے اپنے پیچھے لاکھوں انسانوں کی بھیڑ کو بھی دیکھنے کا خواہش مند نہیں ہوں کیوں کہ مَیں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے، کئی لاکھ انسانوں کا ایک جنگل ہے جو میرے واجب الاحترام بزرگوں کے پاکیزہ اعمال کی وجہ سے میرے ساتھ وابستہ ہے اور مجھے اپنا مذہبی پیشوا سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ مجھے کسی قسم کی طمع یا حرص نے اس کام پر آمادہ نہیں کیا بل کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر اور اس ندائے غیب کے زیر اثر کہ:

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے　　　پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے[1]

اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اصلاح اور مسلمانوں کو بدحالی سے بچانے کی غرض سے مَیں

نے یہ کام شروع کیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے میں مجھے اس خدمت کی بجا آوری کی توفیق عطا فرمائے اور جو پاکیزہ مقاصد میرے سامنے ہیں ان کی تکمیل مَیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔ آمین!

جلال پور شریف	فقیر ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ کان اللہ لہٗ
۲۷ ذوالحج المکرّم ۱۳۴۷ھ	سجادہ نشین و امیر حزب اللہ

....

حواشی

۱۔ ظفر علی خان، مولانا، کلیاتِ مولانا ظفر علی خان، زاہد علی خان (ترتیب)، بہارستان، نظم خروش و سروش، الفیصل ناشران وتاجرانِ کتب، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، اگست ۲۰۱۱ء، ص ۹۰۔

◆◆◆

نعت

(صاحب زادہ والا گہر سیّد محمد فضل شاہ صاحب مضطرؔ جلال پوری)

منم بیمار از عشقت چہ سازم یا حبیب اللہ
منم مشتاق از وصلت چہ سازم یا حبیب اللہ

بگرد کعبہ گردم بے محابا اے نجیب اللہ
چہ سود آید چور روئے تو نہ بینم یا حبیب اللہ

بہ پرم سوئے یثرب بال و پر دارم اگر برخود
ندارم بال و پَر لیکن کہ پرم یا حبیب اللہ

بہ بینم چوں روند زائر بسوئے روضہ اقدس
ز دردِ فرقتت بس زار نالم یا حبیب اللہ

دوائے دردِ دل داری توئی حاذق طبیب من
دوائے دہ ز وصلِ خود شفا یا بم یا حبیب اللہ

منم گرچہ ز اہلِ دولت دہم ز اہل تقویٰ لیک
غلامِ کمترینم فخر دارم یا حبیب اللہ

نہ قلبم شادماں گردد بملکِ ہند اے ہادی
طلب کن بندہ راسوئے مدینہ یا حبیب اللہ

نہ طاقتِ صبر در دل من نہ قلبم لائق صبر است
چساں آہ و بُکا سازم کہ ترسم یا حبیب اللہ

اگر تختِ شہنشاہی و گر بختِ سلیمانی
مرا ایزد دہد ہرگز نہ گیرم، یا حبیب اللہ

اگر از خاکسارانِ جہاں باشم وگر کہتر
دلے بینم چو روئے تو بنازم یا حبیب اللہ

بدانم روضۂ رضوان و فردوس بریں آنرا
چودر دوزخ جمالت رابہ بینم یا حبیب اللہ

ہزاراں خلد و صد فردوس زاں دوزخ شود کمتر
کہ دروے جلوۂ رویت بہ بینم یا حبیب اللہ

دُعائے عاصی مضطؔر ز درگاہِ خداوندی
بوقتِ نزع رویت را بہ بینم یا حبیب اللہ

(رسالہ صوفی ماہ مارچ ۱۹۱۱ء)
بہ عمر سترہ سالگی

◆◆◆

واللّٰہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حزب اللّٰہ

دی پنجابی تفسیر

مصنفہ خادم اہل اللّٰہ فقیر محمد سعد اللّٰہ شاہ واعظ بادھر ہار دھے والا لیوی شریف

بمنظوری سید السادات مجمع الحسنات ماحی سیئات حضرت قبلہ وکعبہ اعلیٰ جنابہ حضرت ابو البرکات حاجی

سید فضلشاہ

صاحب سجادہ نشین جلالپور شریف امیر حزب اللّٰہ ادام اللّٰہ برکاتہم واعلیٰ فیضانہم:-

رفیق عام پریس لاہور
باہتمام ... منظور ... طبع ہو کر شائع ہوا

تعارف

محبی مخلصی مولوی میر اسد اللہ شاہ صاحب نے حزب اللہ کے متعلق پنجابی نظم میں، جو اظہار خیالات فرمایا ہے۔ امید کہ عامۃ المسلمین عموماً وارکانِ حزب اللہ خصوصاً اسے نظر استحسان و پسندیدگی مطالعہ کرینگے۔ کیونکہ جن جذبات محبت آمیز و خیالات اشتیاق انگیز کے زیر اثر ان اشعار کو تصنیف کیا گیا ہے وہ بیحد قابل قدر ہیں۔ اور انکا اثر مستلزم

(دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے)

جلالپور شریف
۱۶ ذی الحج ۱۳۴۷ھ

فقیر ابو البرکات کان اللہ لہ
سجادہ نشین و امیر حزب اللہ

بسم الله الرحمن الرحيم

اَلحمدُ لِلّٰہِ ربِّ العٰلمین والعاقبۃُ للمتقین والصلوٰۃُ والسلامُ

علٰی رسولہٖ سیّدنا ومولٰنا محمّدٍ وعلٰی اٰلہٖ واصحابہٖ واتباعہٖ اجمعین

امّا بعدُ فقال اللّٰہُ تبارک وتعالٰی فی فرقانہِ الحمید وقراٰنِ

المجید اعوذُ باللّٰہِ من الشیطٰنِ الرجیم بسم اللّٰہِ الرحمٰنِ الرحیم

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗٓ اُولٰٓئِکَ فِی

بیشک جہڑے لوک اللہ تے رسول دی مخالفت کردے ہیں اوہ لوک سارے جہان وچ زیادہ

الْاَذَلِّیْنَ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰہَ

بے عزت ہین۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دتا ہے جے میں اتے میرے مقبول لوک ہمیشہ دشمناں تے غالب رہنگے بیشک اللہ

قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ○ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ

زبردست طاقت والا تے سرکشاں تے غالب ہے۔ اے میرے حبیب رسول اللہ تسی کدی بی اللہ تے قیامت نوں منن والیاں نوں خدا تے

الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا

رسول دے منکراں دا دوست نہ پاؤ گے اللہ تے منکراں دے ہمیشہ دشمن رہن گے بھاویں اوہناں دے

٤

آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ ۹

سکے پیو ہوون یا پتر ہوون - بھاویں بھرا ہوون بھاویں کنبہ رشتہ دار ہوون - ایہ لوک اوہ ہیں

كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ ۖ

جنھاندے دل وچ اللہ تعالےٰ نے ایمان لکھ دتا ہے اتے اوہناندی فرشتہ غیبی دے نال مدد کردا اے

وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۱۲

اتے اوہناں نوں اجیہاں بہشتاں وچ داخل کریگا جنھاندے محلاندے ہیٹھ نہراں دودھ اتے شہد اتے صفا پانی اندیاں

خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ ۱۳ ۱۴

شربتیاں وگدیاں ہوون گیاں اوہ وچ بہشت دے ہمیشہ رہن گے اللہ تعالیٰ اوہناں تے راضی ہوویگا اوہ اللہ اتے راضی

حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۱۵ ۱۶

جیہڑے میری جماعت میرا لشکر ہیں بیشک لشکر اللہ تعالیٰ دا اوہ جیتنے والا ہیں نہ اوہناں نوں قیامت وچ کجھ خوف اتے خطرہ نہیں ہوویگا

پس سب دوستاں نوں اوس لشکر خدا دے دی پچھان کرنی چاہی دی اے اتے اوس لشکر فوج خدادی وچ بھرتی ہونا نہایت ضرور ہے - اوس فوج خدائی دی شناخت اتے پچھان ایہ ہے جو اللہ تعالےٰ قرآن شریف سورہ توبہ دے اندر ارشاد فرماندے ہین - بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ

الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ○

جن ذرا ولدے کنانڈے نال اس حکم خدا دی تشریح سنو انصافدیاں اکھیاں نال اسنوں پڑھو

کہو لا الٰہ الا اللہ ہے محمد نبی رسول اللہ

کرو شکر خداوند عالی دا	جس بھیجیا شاہ جلالی دا	جو نمونہ ہے پیر سیالی دا	کہو لا الٰہ الا اللہ
سو ہنلا پیر جلالپوری آیا ہی	جد ہار بنے شان ودھایا ہی	جس تلقین فیض کھنڈایا ہی	کہو لا الٰہ الا اللہ
اج بخت کھلا کنگالدا ئے	آیا پیارا پیر سیال والے	جستے سایہ جل جلالدا ئے	کہو لا الٰہ الا اللہ
پھڑ دامن اسدا جلدی توں	نہ سوچ کریں کسے گلدی توں	کریں کوشش نیک عملدی توں	کہو لا الٰہ الا اللہ
جھڑا پیر انہدے رنگدا ئے	اوہ پیارا سارے جگدا ئے	اوہ جنت جاندا وگدا ئے	کہو لا الٰہ الا اللہ
ایہ حزب اللہ دا افسر ہے	ایہ خلق اللہ دا رہبر ہے	اہدا شان سورج تھیں اظہر ہے	کہو لا الٰہ الا اللہ
اہدا عالیشان گھرانا ہے	اہدا رہبرے نال یرانہ ہے	خواجہ حیدر اسدا نانا ہے	کہو لا الٰہ الا اللہ
کن دھر کے سن لو سارے جہرا	حزب اللہ دا معنی مقصد یا	حزب اللہ دا معنی ہے فوج خدا	کہو لا الٰہ الا اللہ
اللہ والڑی جھڑی بیگی سپاہ	نہیں دنیا دی اونہوں کجھ پرواہ	اوتھاں لبھ لیا اللہ واڑا راہ	کہو لا الٰہ الا اللہ
حزب اللہ دی سنلے گل میاں	اوہدے حکماں اتے چل میاں	چھڈ مکر تے سب ول چھل میاں	کہو لا الٰہ الا اللہ
حزب اللہ دی بھرتی کھلی اے	گویا رحمت بدی نہ تلی اے	ایہ دولت مفتاں تلی اے	کہو لا الٰہ الا اللہ
اہدا شان قرآن بیان کرے	انکار لعین شیطان کرے	اہدا مقصد کھول عیان کرے	کہو لا الٰہ الا اللہ
قرآن مجید نوں کھولیں توں	اتے سورت توبہ پھولیں توں	انصاف کریں تے بولیں توں	کہو لا الٰہ الا اللہ
کر توبہ استغفار میاں	چھڈ دیویں بھیڑی کار میاں	ہے مولیٰ بخشنہار میاں	کہو لا الٰہ الا اللہ
اج قسمت جسدی ہاری اے	کیتی نفس شیطان نے یاری اے	حزب اللہ دا دہ انکاری اے	کہو لا الٰہ الا اللہ

کُئی ضرب اللہ تھئیں لگدے نے	وچ جال شیطانی پھسدے نے	پُٹے وردن تنگ تک ہسدے نے	کہو لا اِلٰہ اِلّا اللہ
کر نفس دنیاں ہن جنگ میاں	بن مرتے لاہ سٹ ننگ میاں	کر دشمن دین نوں تنگ میاں	کہو لا اِلٰہ اِلّا اللہ
ذرا سوچ کریں دل نال میاں	کی ہویا قوم دا حال میاں	ہوئی مفلس تے کنگال میاں	کہو لا اِلٰہ اِلّا اللہ
نہیں پائی پیسہ پلے جی	کجھ زور نہ ساڈا چلے جی	کم کردی اے قوم کوتے جی	کہو لا اِلٰہ اِلّا اللہ
ایہ قوم دی حالت ہوئی اے	نہیں موئی پر ادھ موئی اے	سب شان حکومت کھوئی اے	کہو لا اِلٰہ اِلّا اللہ
کدی اسیں بھی تاجاں والے ساں	وچ ملکاں راجاں والے ساں	سب کماں کاجاں والے ساں	کہو لا اِلٰہ اِلّا اللہ
جس پاسے مسلم جاندا سی	توحید دا جام پلاندا سی	اتے نعرہ حق لگاندا سی	کہو لا اِلٰہ اِلّا اللہ
اج تاج رہیا نہ تخت میاں	اج وقت آیا ہے سخت میاں	پیا مسلم نوں اج وخت میاں	کہو لا اِلٰہ اِلّا اللہ
ایہ مسلم سی اک شیر میاں	اج بلیاں نے کیتا زیر میاں	دل ولّ خدا دے پھیر میاں	کہو لا اِلٰہ اِلّا اللہ
جد منہ یوں لعل موڑینگا	دل نال خدا دے جوڑیں گا	تد لک کفر دا توڑیں گا	کہو لا اِلٰہ اِلّا اللہ
سب دشمن تینہیں ڈردے سن	تک تینوں اندریں وڑدے سن	سن کلمہ دل وچ سڑدے سن	کہو لا اِلٰہ اِلّا اللہ
جے ہن بھی کریں غور میاں	پھڑ لیسیں اوہو طور میاں	پھر آسی اوہو دور میاں	کہو لا اِلٰہ اِلّا اللہ

لقولہ تعالٰی كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِى

فرض کیتا اے اللہ تعالے نے البتہ غالب ہوواں گے اسیں اتے پیغمبر ساڈے

پر قوم دی اج ایہ حالت ہے	لوں لوں دے وچ جہالت ہے	سب ساڈے عملاں دی شامت ہے	کہو لا اِلٰہ اِلّا اللہ
اساں سدھا رستہ چھوڑیا اے	منہ صاف قرآنوں موڑیا اے	سنگ غیر اللہ دے سنگ جوڑیا اے	کہو لا اِلٰہ اِلّا اللہ
سانوں رسماں بھیڑیاں پیا اے	کی اتھیں فائدہ کھٹیا اے	اقبال اساتھیں ہٹیا اے	کہو لا اِلٰہ اِلّا اللہ
نہیں چھڈدے رسم رواجاں نوں	نیک قرضہ کردے کاجاں نوں	پھر دیندے رہن بیاجاں نوں	کہو لا اِلٰہ اِلّا اللہ
چک قرض نہ کریں دیا بھائی	نا ہوویں مفت تباہ بھائی	تینوں کیتا اساں آگاہ بھائی	کہو لا اِلٰہ اِلّا اللہ

۱ مخالف اسلام ۱۲ — ۲ توبوا الی اللہ ۱۲ — ۳ جاء الحق وزہق الباطل ۱۲

کی توڑ ہے قرضہ چاون دی	تارض رسول کراون دی	گھربار نوں مفت لٹاوندی	کہو لا الٰہ الا اللہ
سنو حکم خداوند باری دا	چھڈو گھیڑا دنیا پیاری دا	کرماں نہ نمبرداری دا	کہو لا الٰہ الا اللہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

البتہ تحقیق ہے واسطے تساڈے وچ رسول اللہ دے نمونہ چنگا

پھڑ لئیں چال رسولی توں	کر دیویں دور فضولی توں	کریں ناہیں حکم عدولی توں	کہو لا الٰہ الا اللہ
جے چلیں راہ پیغمبر توں	وچ عقبیٰ لیسیں نمبر توں	بن حزب اللہ دا ممبر توں	کہو لا الٰہ الا اللہ
جیہڑا حزب اللہ دا ممبر ہو	راضی اس تے نبی پیغمبر ہو	اوہدا نیکاں دے وچ نمبر ہو	کہو لا الٰہ الا اللہ
جیہڑا منکر ہے حزب اللہ دا	اوہ منکر ہے اہل اللہ دا	اوہنوں جانوں دشمن اللہ دا	کہو لا الٰہ الا اللہ
حزب اللہ دا نشان پیارا لے	جدا اثر بڑا پیارا اے	جدے ملیاں پار اتارا لے	کہو لا الٰہ الا اللہ
چھڈ بدعت ترک فضول میاں	پھڑ حکم شرع رسول میاں	تا ہوویں لوک مقبول میاں	کہو لا الٰہ الا اللہ
کریں بیعت پیراں پیر اندی	بھاویں چلن چال امیراں دی	نہ منیں گل شریراں دی	کہو لا الٰہ الا اللہ
بے پیر مرید شیطان دا لے	اوہ منکر خاص قرآن والے	ایہ فتویٰ اہل ایمان والے	کہو لا الٰہ الا اللہ
بن پیراں راہ نہ لبدا ای	اوہ بندہ گندہ دلدا ای	اوہدے وچ ایمان نہ لبدا ای	کہو لا الٰہ الا اللہ
سکھ مرشد کولوں ول میاں	تیری مشکل ہووے حل میاں	نہ رہوں بھلا بھل میاں	کہو لا الٰہ الا اللہ
جد کلمہ پیر پڑھاوے جی	تیرے اندر خودی گنواوے جی	تینوں رنگن حق چڑھاوے جی	کہو لا الٰہ الا اللہ

حزب اللہ دے ممبریاں نشانیاں

نمبروار

نشان اوّل

التَّائِبُونَ سب برائیاں تھیں توبہ کرنیوالے ہوندے نے

کر توبہ ہو معصوم میاں	چھڈ بہیڑیاں سب رسوم میاں	جو غیر شرع مذموم میاں	کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ
بدکاری تھیں پرہیز کریں	ہو پکا مسلمان مریں	تینوں بیشک ملسی خلد بریں	کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

نشان دوم

العَابِدُونَ ۔ خدادی بندگی کرنیوالے ہوندے نے

اے عابد ہوویں سچّا توں	ایمان نہ رکھیں کچا توں	جے مسلم ایں بچا توں	کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ
حج روزہ نماز زکوٰۃ میاں	ہور نفل پڑہیں ذنرات میاں	ہووے راضی ابو البرکات میاں	کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ
اللہ والڑے راضی ہون اگر	پھر دوزخ دا کی خطرہ ڈر	اوتھوں جنت دو لوچہ ملسی گھر	کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

نشان سوم

الحَامِدُونَ ۔ خدادی ہر حال وچ حمد وثنا کرنیوالے ہوندے نے

بن حامد حمد بکا پیارے	آ لے لغوں حبیب بچا پیارے	کر ہر دم ذکر خدا پیلے	کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ
جہڑا اللہ اللہ کر دا اے	اوہ نال ایمان دے مردا اے	اوہ منگی شاہ حیدر دا اے رحمۃ اللہ علیہ	کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

لے لا تموتن اِلَّا وانتم مسلمون ۲ یدخلہم جنت تجری الخ ۳ ابو البرکات سید محمد فضل شاہ ۴ حب وطن کلید جنت است ۔ دشمن ایشاں منزلِ لعنت است ۵ والذین ہم عن اللغو معرضون ۶ حضرت غریب نواز خواجہ غلام حیدر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اپنے پیر مرشد دا پلا توں	پھر سکھے اللہ اللہ توں	ہور چھٹدے لئے کولا توں	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

نشان چہارم

اَلنَّاصِحُوْنَ خدا دے واسطے ملک وچہ تبلیغ خدا دے حکماں دی کردے ہین

تبلیغ کریں گھر گھر توں	ہوشیار کریں ہر ہر توں	زر دار اتے بے زر توں	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
تک غیر شرع چھوڑیں توں	مکھ غیراں کولوں موڑیں توں	اتے پیت خدا سنگ جوڑیں توں	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
جہڑے رب دے بول بلاندے نے	بد رسماں نوں چھڈاندے نے	اوہ قرب حضوری پاندے نے	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

نشان پنجم

اَلرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ خدا دے واسطے رکوع سجدہ کرنے والے ہوندے نے

رب اگے سیس جھکائیں توں	حب نال رسول لگائیں توں	اہل اللہ نوں یار بنائیں توں	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
پڑھیں پنجے وقت نمازمیاں	کریں رب سنگ رازنیاز میاں	ہو نوکر مثل ایاز میاں	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

نشان ششم

اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

خدا دے واسطے چنگے کم دا حکم کردے نے اتے برائی تھیں روکدے نے

بہتر کر تھیں بھا بیا نوں موڑیں توں	نفع بھایا یا ند ابر دم توڑیں توں	اس کولوں مکھ موڑیں توں	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

حاشیہ ... ۱۲ ... ولا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہٖ ۱۲

یہ سوچ ہے اک شرط میاں	پہلے اپنے آپ تے ورت میاں	نہ سکے پھر کوئی پرت میاں	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا
کرو الفت وچہ بھرانواں دے	وچہ پنڈاں شہر گرانواں دے	لو لطف جنت دیاں چھانواں دے	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

نشان ہفتم

وَالحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللہِ ۔ خداویاں حداں دی حفاظت کرنے والے بندے

اک سنیں گل نصیحت دی	نہ بھنیں حد شریعت دی	ایہ مت ہے پیر طریقت دی	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
کی آکھاں لہاں کیتیاں نوں	جہڑے کھیڈن تاش تے تیاں نوں	دیہڑی چیٹ سولن چھتیاں نوں	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
چھڈ چال طریق کفاراں دا	سکھ چال خداویاں یاراں دا	لے درجہ خاص ابراراں دا	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
حزب اللہ دا ایہو مطلب ہے	جیہڑا اہل اللہ دا مشرب ہے	مقبول خدا ایہہ مذہب ہے	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
بدشہرت تے خرچ فضول میاں	پائیں نا حق نا مجہول میاں	تاں ہوسیں توں مقبول میاں	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
چک فرضہ ایش شادیاں توں	لیں بل نہ ایہہ بربادیاں توں	سکھ حزب اللہ تھیں آزادیاں نوں	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

حزب اللہ دے ممبراں نوں خدا خوشخبری دیندا ہے

وَبَشِّرِ المُؤمِنِینَ ترجمہ یا محمد حزب اللہ والیاں نوں جنت دی خوشخبری دیو۔

جہڑا حکم بجا لیاوے گا	اوہ عالی درجہ پاویگا	محبوب خدا کہلاوے گا	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
ہن ایتھے عمل کمایو جی	نہ ایویں عمر ونجایو جی	حزب اللہ دیوچہ آیو جی	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

دعوات بجناب قاضی الحاجات

بس میرا ایہا ہن ہے دعا	طفیل جناب حبیب خدا	اتے صدقہ خواجہ حیدر دا	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
اولاد ہووے بے اولاداں عطا	بیماراں نوں حاصل ہووے شفا	مقروضاں ناں ہووے قرض ادا	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

ہووے بند خلاصی پیراں دی	ہو ور معافی سب تقصیراندی	ہو نظر لہراں پیراندی	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
ہووے دنیا تھیں جدم میرا سفر	ہو پیردی صورت پیش نظر	ہووے کلمہ پاک زبان اُتے	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
جو منکر ہے مقبولاں دا	چھڈ ذکر انہاں مجہولاں دا	لے نائب غیر رسولاں دا	کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

مستدعا بجناب سیّد الفقرا و سند الاصفیا رئیس الواصلین انیس الطالبین مجمع البرکات معدن الحسنات سپہ سالار غوث پسندان حضرت قبلہ و کعبہ شیخ سیّد غلام حیدر علی شاہ دام اللہ برکاتہم

راحقر سیاہ دفتر خادم اہل اللہ میر محمد اسد اللہ شاہ خطیب جامع مسجد بہلول چشتی نظامی حیدری

برکت پیر سیال   خواجہ کر دیو مالا مال (جی)

حضرت پیر جلا لپوری جی	ہیں گولی ہاں سبھ بری جی	کر دیو مالا مال (جی)
برکت پیر سیال	خواجہ کر دیو مالا مال	
جو کوئی تیرے در تے آوے	سب مراداں دلیاں پاوے	ہو جاوے اوہ نہال (جی)
برکت پیر سیال	خواجہ کر دیو مالا مال	
او گنہاری کس در جاوے	کسنوں اپنا حال سناوے	تیری شان کمال (جی)
برکت پیر سیال	خواجہ کر دیو مالا مال	
قبلہ کعبہ تیرا ہے در	اسم مبارک خواجہ حیدر	حسن حسین دے لال (جی)
برکت پیر سیال	خواجہ کر دیو مالا مال	
ہتھ پکڑ یدی لاج ہے سائیاں	اکھیاں وچھن توں سد سرسا	دلیں [illegible] مال (جی)

	برکت پیر سیال	خواجہ کردیو مالا مال
لکھ پاپن ہاں ہاں پر تیری	رکھ ہتھ سر تے دئیں ویری	لائیاں ندی لج پال (جی)
	برکت پیر سیال	خواجہ کردیو مالا مال
وچ جدائی عمر ہے گذری	میں عاجز ہاں سخت بیعذری	آلائیں گل نال ۔ (جی)
	برکت پیر سیال	خواجہ کردیو مالا مال
بحر گناہ وچ رڑدی جاواں	میں نتارو غوطے کھاواں	آکے آپ سنبھال ۔ (جی)
	برکت پیر سیال	خواجہ کردیو مالا مال
توں ہیں میرے سر دا والی	صدقہ حضرت پیر سیالی	رکھیں میرا خیال ۔ (جی)
	برکت پیر سیال	خواجہ کردیو مالا مال
تیرائیں میں کتّا بلا ہٗ	دین اسلاموں ہو گیا ڈھلاّ	گذرے نے کئی سال (جی)
	برکت پیر سیال	خواجہ کردیو مالا مال
ایتھے اوتھے رکھ پت میری	نفس نے ماری لے ست میری	توڑ شیطانی جال ۔ (جی)
	برکت پیر سیال	خواجہ کردیو مالا مال

بے عنایات حق و خاصان حق
گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق

کرم دا تیرا ہے جاری	کردیو میری دور لاچاری	صدقہ پیر سیال (جی)
	برکت پیر سیال	خواجہ کردیو مالا مال
[illegible] اللہ عرض گذارے	آ ڈگیا میں تیرے دوارے	من لے میرا سوال (جی)
	برکت پیر سیال	خواجہ کردیو مالا مال

حزب اللہ کا پہلا سالانہ اجلاس

ہزاروں فرزندانِ توحید کا عظیم الشان اجتماع ☆

حزب اللہ کے پہلے سالانہ اجلاس کے لیے ۱۸، ۱۹، اور ۱۹، ۲۰ نومبر کی درمیانی راتیں پہلے سے مقرر کر دی گئی تھیں۔ اور اسی کے مطابق اطلاعات بھی بھیج دی گئی تھیں۔ مجلس شوریٰ کے اجلاس کے لیے ۱۷؍نومبر کی رات اور ۱۸؍نومبر کا دن مقرر تھا۔ ۱۷ نومبر کو ساڑھے سات بجے شب کے مجلس شوریٰ کا اجلاس شروع ہوا۔ مجلس مذکورہ کے چھتیس ارکان میں سے اٹھارہ شریک تھے۔ علاوہ بریں پانچ چھ غیرارکان اصحاب کو بھی حضرت امیر نے اہل الرائے ہونے کی وجہ سے شرکت اجلاس کی دعوت دے دی تھی۔ سب سے پہلے گزشتہ سال کے جمع وخرچ کی کیفیت پیش ہوئی۔ حزب اللہ کے آنریری سیکرٹری نے ایک بیان پڑھ کر سُنایا، جس کا مفاد یہ تھا کہ آغاز تحریک سے اختتام ربیع الاول ۱۳۴۷ھ تک یعنی تقریباً ایک سال کی مُدّت میں ۵۳۳۰ اصحاب ارکان بنے۔ ۳۷۲۰ اصحاب نے زررکنیت (ایک روپیہ سالانہ) اَدا کیا۔ باقی اصحاب اَدا نہ کرسکے۔ بعض اصحاب نے منی آرڈر کے ذریعہ سے رقمیں بھیجیں۔ اور فیس اصل رقم میں سے وضع کی۔ مرکز کے پاس کُل ۳۷۱۳،۹،۰ روپے آئے۔

خرچ کی تفصیل

خرچ کی تفصیل یہ ہے :

سامان دفتر (رجسٹرات وغیرہ)	۵۱-۱۳-۶
خرچ ڈاک وارسال کتب	۱۸۲-۰-۶
کرایہ ریل مبلغین برائے تبلیغ واشاعت	۹۹-۸-۶
خرچ خوراک مبلغین	۱۵۹-۱۰-۶
خرچ اشتہارات وغیرہ	۱۲۴-۸-۰

☆ دسمبر ۱۹۲۸ء کے مجلّہ صوفی میں اِس اجلاس کی تفصیل شائع کی گئی۔ ص ۳۰ تا ۳۲۔

خرچ طباعت کتب ورسائل	۵۲-۴-۹
میزان	۱۳۶۹-۴-۹

مجلس شوریٰ کا اجلاس

دوروز کے اجلاسوں میں مجلس شوریٰ نے جو فیصلے کیے اُن کی اجمالی کیفیت یہ ہے :

۱۔ دفتر میں ایک مستقل محرر رکھا جائے۔

۲۔ گجرات، راول پنڈی، جہلم اور کیمبل پور کے جن دیہات میں پنچایتوں کا قیام ازروئے قواعد ہونا چاہیے، اور خواہش بھی زبردست ہے۔ان میں پنچایتوں کے قیام کے لیے وہ وفود مقرر کیے گئے۔

۳۔ حضرت امیر سے عرض کیا گیا کہ وہ پنچایتوں کے کاروبار کی نگرانی اور معائنہ کے لیے مختلف تحصیلوں کے ذی فہم اصحاب کو مقرر فرمادیں۔

۴۔ حزب اللہ کے اغراض ومقاصد کے متعلق جو بڑی کتاب چھاپی گئی تھی وہ ختم ہوگئی ہے' اس کی مانگ بڑھ گئی ہے۔لہٰذا اس کے دوہزار نسخے اور چھاپ لیے جائیں۔

۵۔ بیت المال قائم کیا جائے۔لیکن زکوٰۃ وعُشر کی فراہمی کا کام شروع کرنے سے پیشتر عشر کی موجودہ شرعی حیثیت کے متعلق علمائے کرام سے استصواب کرلیا جائے۔

۶۔ زرِرکنیت کے متعلق طے ہوا کہ جن لوگوں نے اب تک اَدا نہیں کیا۔اُن کے قریب کے ذمہ دار آدمیوں کو وصولی کے لیے لکھا جائے۔آئندہ کے لیے دستور مقرر کردیا جائے کہ سالانہ اجلاس کے موقع پر تمام ارکان زرِرکنیت اَدا کردیں، نیز باقاعدہ رسیدیں بن جائیں۔

۷۔ ارکان حزب اللہ قیامِ جمعہ کا خاص اہتمام کریں' اور بلاعذر ترک کرنے والے سے بازپُرس کی جائے۔

رضا کار مُبلّغ

رضا کار مبلغوں کی ضرورت تھی۔سردست مولوی نور محمد صاحب اور مولوی حکیم الہ دین صاحب نے علی الترتیب ہر مہینے میں دس دن اور سات دن تبلیغ کے لیے فی سبیل اللہ اپنی خدمات پیش کیں۔ جو بہ صد شکریہ قبول کرلی گئیں۔شوریٰ کا پہلا اجلاس رات کے سات بجے سے لے کر دس بجے تک رہا اور دوسرا، دن کے دس بجے سے لے کر ساڑھے بارہ بجے تک۔

پہلا اجلاس عام

۱۸رنومبر کی رات کو عام اجلاس شروع ہوا۔دس ہزار کے قریب اجتماع تھا۔معتمد اعزازی نے مجلس

شوریٰ کی کارروائی بہ طور روئداد پڑھ کر سُنائی۔ بعدازاں حضرت امیر نے قریباً ڈھائی گھنٹے تک تقریر فرمائی جس میں تحریک کی حیثیت واضح فرمائی۔ اس کے فوائد پر بحث فرماتے ہوئے جلال پور شریف کی پنچایت کے بعض حالات بیان کیے۔ مثلاً یہ کہ نو ماہ سے پنچایت قائم ہے اور اس دوران میں صرف دو مقدمے عدالت میں گئے جو قابل دست اندازی پولیس تھے۔ مسرفانہ رسوم کی اصلاح ہو چکی ہے اور باقی پنچایتوں کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت امیر نے فرمایا کہ اطراف واکنافِ مُلک سے تحریک حزب اللہ کے متعلق اکابر کے جو خطوط و پیغامات موصول ہوئے ہیں، وہ بڑے حوصلہ افزا ہیں۔ آخر میں آپ نے اغراض و مقاصد حزب اللہ کی وضاحت کی اور برادرانِ طریقت سے کہا کہ اگرچہ پچھلے سال مَیں نے تخویف کو ترغیب کے ساتھ شامل رکھا تھا تاکہ لوگ سوچ سمجھ کر اس میدان میں آئیں مگر اب مَیں کہتا ہوں کہ زیادہ ڈرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ جتنے زیادہ مسلمان اس میں شریک ہوں گے اُتنا ہی اچھا ہوگا۔ اس لیے کہ معاشرتی اصلاح جلد ہوگی اور زیادہ موثر ہوگی۔

دوسرا اجلاس

۱۹ر نومبر کی شام کو حزب اللہ کا دوسرا اجلاس منعقد ہوا۔ مولانا خلیل احمد صاحب المعروف بابا خلیل داس چتر ویدی نے ان الدین عند اللہ الاسلام پر تقریر کی۔ بعدازاں حضرت امیر نے آدھ گھنٹے تک حزب اللہ کے صفات بیان فرمائے۔ آخر میں اعلان کیا کہ پہلے علالت طبع اور اعصابی تکلیف کے باعث میرا خیال تھا کہ یکم شوال سے ایک ماہ حزب اللہ کے لیے دورہ کروں لیکن رات کے غور و فکر اور احباب کے اصرار کے باعث مَیں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ پہلے یکم شعبان سے لے کر آغاز رمضان تک دورہ کروں۔ رمضان گھر میں گزاروں۔ پھر یکم شوال سے لے کر آخر شوال تک دورہ کروں۔ آخر میں دُعائے خیر کی گئی اور اجلاس ختم ہو گیا۔

نحن انصاراللہ کا منظر

اجلاس کے بعد ہزاروں آدمیوں نے شرکت حزب اللہ کی خواہش کی لیکن چوں کہ مجلس شوریٰ گزشتہ سال کے متعدد ارکان کی طرف سے ادائے زرِ رکنیت میں تساہل کے باعث فیصلہ کر چکی تھی کہ آئندہ ہر شخص کو اُسی وقت داخل کیا جائے جب وہ فیس اَدا کر دے۔ اِس لیے سوا تین سو سے زائد اصحاب کو داخل نہ کیا جا سکا۔ اجلاس بے حد کامیاب رہا۔ پہلے اجلاس عام میں دس ہزار کے قریب مسلمان شریک تھے۔ دوسرے اجلاس میں بھی قریباً اتنے ہی اصحاب تھے۔

◆◆◆

کتابیات

کتب

۱۔ القرآن الکریم۔

۲۔ آزاد، مولانا ابوالکلام، تذکرۃ الانبیاء، مرتبہ عابدہ خاتون، مکتبہ جمال لاہور، س ۱۳۔۲۰۱۲ء۔

۳۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، تاریخ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی، کراچی، س ۱۹۸۱ء۔

۴۔ ابن خلدون، رئیس المورخین علامہ عبدالرحمٰن، تاریخ ابن خلدون (جلد دوم)، نفیس اکیڈمی، کراچی، س ۱۹۸۱ء۔

۵۔ اعجاز راہی (مرتبہ)، روداد سیمینار املا و رموزِ اوقاف کے مسائل، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، س ۱۹۸۵ء۔

۶۔ امیر خسرو، کلیات غزلیات خسرو (جلد سوم)، پیکیجز، لاہور، س ۱۹۷۴ء۔

۷۔ امیر خسرو، نغمات الانس فی مجالس القدس، شاہ ہلال احمد قادری (مترجم)، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، باراول، س ۲۰۱۶۔

۸۔ اے۔ڈی۔ارشد، ڈاکٹر (مرتبہ)، کلیاتِ فیضی، ادارہ تحقیقاتِ پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور، چاپ اول، مئی ۱۹۶۷ء۔

۹۔ جامی، مولانا عبدالرحمٰن، کلیات جامی، شعاع ادب، لاہور، س ۱۹۶۰ء۔

۱۰۔ حافظ، شمس الدین، دیوانِ حافظ، قاضی سجاد حسین (مترجم)، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار لاہور، س ندارد۔

۱۱۔ حالی، الطاف حسین، ڈاکٹر افتخار صدیقی (مرتبہ)، کلیاتِ نظم حالی، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اوّل، جولائی ۱۹۶۸ء۔

۱۲۔ رشید حسن خان، اُردو املا، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور، س ۲۰۰۷ء۔

۱۳۔ سرمد شہید، رباعیاتِ سرمد، مترجم بال مکند عرش ملسیانی، انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز، نئی دہلی، س ۱۹۹۲ء۔

۱۴۔ سعدی، شرف الدین شیخ، گلستان سعدیؒ، سعید نفیسی (مرتبہ)، تہران، کتاب فروشی فروغی، چاپ دوئم، ۱۳۴۲ھ شمسی۔

۱۵۔ سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، اردو سائنس بورڈ، اپر مال لاہور، س ۲۰۱۰ء۔

۱۶۔ شبلی نعمانی، علامہ، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، دارالاشاعت، اُردو بازار کراچی، ۱۹۸۵ء۔

۱۷۔ صدر الدین شیرازی، محمد بن ابراہیم، المبداوالمعاد، ذبیحی، محمد (مترجم)، دانشگاہ قم، انتشارات اشراق، قم ایران، س ۱۳۸۰ھ۔

۱۸۔ ظفر علی خان، مولانا، کلیاتِ مولانا ظفر علی خان، زاہد علی خان (ترتیب)، الفیصل ناشران وتاجرانِ کتب، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، اگست ۲۰۱۱ء۔

۱۹۔ عبدالغنی، ڈاکٹر محمد، امیر حزب اللہ، ادرہ حزب اللہ، طباعت باردوم جولائی ۲۰۰۵ء۔

۲۰۔ عبدالغنی، ڈاکٹر محمد، مجمع البحرین، ادرہ حزب اللہ، طباعت باردوم جولائی ۲۰۰۵ء۔

۲۱۔ عرفی، قصائد عرفی، مطبع رزاقی، کانپور، س ۱۳۲۳ھ۔

۲۲۔ علی اکبر دہ خدا، علامہ، گذیدہ امثال وحِکم، خیابانِ انقلاب، مقابل دانش گاہِ تہران، شمارہ ۱۳۱۴، چاپ چہارم۔

۲۳۔ غالب، اسداللہ خان، دیوانِ غالب (اردو)، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، فروری ۱۹۸۶ء۔

۲۴۔ فریدالدین عطارؒ، حضرت شیخ، تذکرۃ الاولیاء، مشتاق بک کارنر، اردو بازار، لاہور، س ندارد۔

۲۵۔ فیروز اللغات (عربی اردو)، فیروز سنز پرائیوٹ لمیٹڈ، لاہور، س ندارد۔

۲۶۔ محمد اقبالؒ، علامہ ڈاکٹر، میاں عبدالرشید (مترجم)، اسرار ورموز، شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ پبلیشرز، چوک انارکلی لاہور، س ۱۹۹۱ء۔

۲۷۔ محمد اقبالؒ، علامہ ڈاکٹر، بانگِ درا، اقبال اکاڈمی، پاکستان، لاہور، اشاعت پنجم، س ۲۰۰۰ء۔

۲۸۔ محمد اقبالؒ، علامہ ڈاکٹر، میاں عبدالرشید (مترجم)، پیامِ مشرق، شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ پبلیشرز، چوک انارکلی لاہور، س ۱۹۹۱ء۔

۲۹۔ محمد رفیع، مولانا، ابوالفضل محمد فاضل، مولوی حکیم، فرہنگ فارسی، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، س ۱۹۹۰ء۔

۳۰۔ محمد شمس الحق، اردو کے ضرب المثل اشعار، ادارہ یادگار غالب، کراچی، طبع اول، س ۲۰۰۳ء۔

۳۱۔ محمد علی فروغی، آقای (تصحیح)، کلیات شیخ سعدی، طہران، ۱۳۳۸ھ شمسی۔

۳۲۔ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ، اسرارِ حقیقی، مکتوب نمبرا، شبیر برادرز، اردو بازار لاہور، س ۲۰۰۷ء۔
۳۳۔ مقبول الٰہی، اردو میں مستعمل عربی وفارسی ضرب الامثال، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، س ۱۹۹۶ء۔
۳۴۔ ملک محمد دین، ذِکرِ حبیب، ادارہ حزب اللہ، جلال پور شریف، جہلم، ۱۴۲۳ھ۔
۳۵۔ مومن، مومن خان، کلیاتِ مومن، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول، جولائی ۱۹۶۴ء۔
۳۶۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر (دیوان دوم)، کلب علی خاں فائق (مرتبہ)، مجلس ترقی ادب، لاہور، جنوری ۱۹۹۱ء۔
۳۷۔ نظیری نیشاپوری، مظاہر مصفا (مرتبہ)، دیوان نظیری نیشاپوری، کتاب خانہ امیر کبیر، تہران، ۱۳۴۰ھ شمسی۔
۳۸۔ نور الحسن نیر، مولوی، نور اللغات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، س ۲۰۰۶ء۔
۳۹۔ وارث سرہندی (مرتبہ)، نظر ثانی شان الحق حقی، جامع الامثال، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، س ۱۹۸۶ء۔
۴۰۔ ہلال احمد قادری، شاہ، نغمات الانس فی مجالس القدس، دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ، بار اول، ۲۰۱۶ء۔

رسائل

۱۔ الجامعہ، جلد ۱۹، شمارہ ۱۰-۱۱، جامعہ محمدی شریف، ضلع جھنگ، اکتوبر، نومبر ۱۹۶۷ء۔
۲۔ ملک محمد دین (مدیر)، مجلّہ صوفی، ماہ اگست، منڈی بہاؤالدین، ضلع گجرات، س ۱۹۱۴ء۔
۳۔ فاروق اعظم نمبر، ادارہ ضیائے حرم بھیرہ شریف، سرگودھا، س ندارد۔
۴۔ مجلّہ صوفی، شمارہ ماہ دسمبر ۱۹۲۸ء۔

◆◆◆